1

مذہب اثنا عشریہ کے اصول و فروع پر سیر حاصل مکمل و مدلل کتاب

تحفہ اثنا عشریہ

الملقب بہ

نصیحۃ المومنین و فضیحۃ الشیاطین

امام الکبیر علامہ شاہ عبدالعزیز

بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۲۳۹ھ)

ترجمہ

مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

تقدیم و تخریج و تعلیق

مجلس تحقیقات علوم اسلامیہ پاکستان

مذہب اثناء عشریہ کے اصول و فروع پر سیر حاصل مکمل و مدلل کتاب

تحفہ اثناء عشریہ

الملقب بہ

نصیحۃ المؤمنین و فضیحۃ الشیاطین

تصنیف لطیف

محدث کبیر، حضرت مولانا

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

ترجمہ: مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی (مظاہری)

تقدیم، تخریج و تعلیق

مجلس تحقیقات علوم اسلامیہ پاکستان

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

مقدمہ 19
بدعات کا خروج اور ان کی تردید 20
بعض ائمہ سلف کا قول ہے 20
لفظ شیعہ کی لغوی تعریف 22
قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا ذکر اور اس کا معنی 24
حدیث میں لفظ شیعہ کا ورود اور اس کا معنی 28
اثنا عشریہ کی کتب حدیث میں لفظ شیعہ کا استعمال اور اس کا معنی 30
اسلامی تاریخ کی روشنی میں لفظ شیعہ کا جائزہ 31
لفظ شیعہ کی اصطلاحی تعریف 33
اس تعریف کا جائزہ 33
شیعہ مذہب کی تیسری تعریف 36
شیعہ کی اس رائے کا جائزہ 44
شیعہ کی تیسری رائے 47
شیعہ مذہب کے آغاز کے بارے میں غیر شیعہ لوگوں کی آراء 48
اس رائے کا جائزہ 49
راجح قول کی تعیین 55
عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ و سنی تواریخ 58
شیعوں کا اعتراض اور اس کا جواب 60
شیعت ورافضیت 67
رفض کی بنیاد یہود کے عقائد پر ہے 67

ایک اہم بات 75
روافض کے سوالات 76
شیعہ فرقے 77
فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے مختلف القاب 81
امامیہ کی تعریف 82
شیعہ کا حکم 92
پہلی بحث: یہ بدعتی ہیں کافر نہیں 92
دوسری بحث: شیعہ کی تکفیر کا موقف 93
ہندوستان میں شیعی اثرات 121
ہندوستان سے شیعی اثرات کا ازالہ 122
علماء دیوبند اور شیعہ 123
ناموسِ صحابہ کا دفاع 124
ردِ شیعیت میں علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات 126
مقدمة التحقيق 129
مختصر حالات زندگی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ 131
تحفہ کے جوابات کا جائزہ 136
حضرت شاہ صاحب کی کتب میں قطع و برید کی تحقیق 138
کتاب پر جدید کام کی نوعیت 140
دیباچہ مصنف 142
باب اول 147
شیعہ مذہب کی ابتداء اور ان کی فرقوں میں تقسیم 147

تفصیلی بحث 147
غالی فرقہ کی کمی اور تبرائی فرقہ کی کثرت کی وجہ 153
انقلابات مذہب شیعہ 159
غالی شیعوں کے چوبیس فرقے 174
1۔ فرقہ سبائیہ: 174
2۔ فرقہ مفضلیہ: 175
3۔ فرقہ سیرغیہ: 176
4۔ فرقہ بیزغیہ: 176
5۔ فرقہ کاملیہ: 176
6۔ فرقہ مغیریہ: 177
7۔ فرقہ جناحیہ: 177
8۔ فرقہ بیانیہ: 178
9۔ فرقہ منصوریہ: 178
10۔ فرقہ غمامیہ: 178
11۔ فرقہ اُمویہ: 179
12۔ فرقہ تفویضیہ: 179
13۔ فرقہ خطابیہ: 179
14۔ فرقہ معمریہ: 180
15۔ فرقہ غرابیہ: 180
16۔ فرقہ ذبابیہ: 181
17۔ فرقہ ذمیہ: 181

18۔ فرقہ اثنینیہ: 181

19۔ فرقہ خمسیہ: 181

20۔ فرقہ نصیریہ: 182

21۔ فرقہ اسحاقیہ: 182

22۔ فرقہ علبائیہ: 182

23۔ فرقہ زرامیہ: 183

24۔ فرقہ مقنعیہ: 183

کیسان، اور اس کے فرقے 184

1۔ فرقہ کربیبہ: 184

2۔ فرقہ اسحاقیہ: 185

3۔ حرمیہ: 185

4۔ فرقہ عباسیہ: 185

5۔ فرقہ طیاریہ: 185

6۔ فرقہ مختاریہ: 186

زیدیہ اور اس کے فرقے 186

1۔ خالص زیدیہ: 186

2۔ فرقہ جارودیہ: 187

3۔ فرقہ جریریہ: 187

4۔ فرقہ تبریہ: 188

5۔ فرقہ نعیمیہ: 188

6۔ فرقہ دکنیہ: 188

7۔ فرقہ خشبیہ: 188

8۔ فرقہ یعقوبیہ: 189

9۔ فرقہ صالحیہ: 189

امامیہ اور اس کے فرقے 189

1۔ فرقہ حسنیہ: 189

2۔ فرقہ نفسیہ: 190

3۔ فرقہ حکمیہ: 190

4۔ فرقہ سالمیہ: 191

5۔ فرقہ شیطانیہ: 191

6۔ فرقہ زراریہ: 191

7۔ فرقہ یونسیہ: 192

8۔ فرقہ بدائیہ: 192

9۔ فرقہ مفوضہ: 192

10۔ فرقہ باقریہ: 193

11۔ فرقہ حاضریہ: 193

12۔ فرقہ ناوسیہ: 193

13۔ فرقہ عماریہ: 193

اسماعیلی اور ان کے فرقے 193

1۔ فرقہ مبارکیہ: 194

2۔ فرقہ باطنیہ: 194

3۔ فرقہ قرمطیہ: 194

4۔ فرقہ شمطیہ: 195

5۔ فرقہ میمونیہ: 195

6۔ فرقہ خلفیہ: 195

7۔ برقعیہ: 196

8۔ فرقہ جنابیہ: 196

9۔ فرقہ سبعیہ: 196

10۔ فرقہ مہدویہ: 197

24۔ فرقہ افطحیہ: 205

25۔ فرقہ اسحاقیہ: 205

26۔ فرقہ قطعیہ: 205

27۔ فرقہ موسویہ: 206

28۔ فرقہ ممطوریہ: 206

29۔ فرقہ رجعیہ: 206

30۔ فرقہ احمدیہ: 206

31۔ فرقہ امامیہ: 207

32۔ فرقہ جعفریہ: 208

پہلا فائدہ: اصل شیعہ کون ہیں؟ 208

دوسرا فائدہ: مذکورہ شیعہ فرقوں کی ترویج 212

تیسرا فائدہ: دعاۃ مذہب شیعہ 221

دعوت مذہب کے اسباب 222

شیعہ مذہب کا طریق دعوت 226

باب دوم 236
شیعی مکر و فریب اور ورغلا کر اپنے مذہب کی طرف لانے کے طریقے 236
پہلی فصل 236
ورغلانے اور دھوکہ دینے کے قواعد کلیہ 236
مراتب دعوت 237
دوسری فصل 240
روافض کے دھوکوں کی تفصیلی جزئیات 240
دھوکہ نمبر 1: اہلسنت خدا کو تارک الواجب مانتے ہیں 241
دھوکہ نمبر 2: اہلسنت خدا سے برائیوں کا صدور مانتے ہیں 243
دھوکہ نمبر 3: اہلسنت اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم منسوب کرتے ہیں 247
دھوکہ نمبر 4: اہلسنت کا عصمت انبیاء کی نسبت غلط عقیدہ ہے 248
دھوکہ نمبر 5: اہلسنت انبیاء سے سہو مانتے ہیں 250
دھوکہ نمبر 6: اہلسنت پیغمبروں سے کلمہ کفر جائز مانتے ہیں 252
دھوکہ نمبر 7: پانچ چھ کے علاوہ باقی تمام صحابہ اہلبیت سے بغض رکھتے تھے 254
دھوکہ نمبر 8: اہلسنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں 255
دھوکہ نمبر 9: اہلسنت حدیث کی صریح مخالفت کرتے ہیں 267
دھوکہ نمبر 10: اہلسنت خود کو شارع جانتے ہیں 268
دھوکہ نمبر 11: مذہب شیعہ حق اور اہلسنت باطل پر ہیں 270
دھوکہ نمبر 12: علماء شیعہ اہلسنت پر اپنی کتب میں ناحق عیب لگاتے ہیں 274
دھوکہ نمبر 13: خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں تحریف کی ہے 274
دھوکہ نمبر 14: حب علی رضی اللہ عنہ کی جھوٹی روایات بیان کرنا 276

دھوکہ نمبر15: اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کے بارہ خلیفے مقرر کئے 277
دھوکہ نمبر16: تقیہ کی آڑ میں جھوٹی احادیث وضع کرنا 279
دھوکہ نمبر17: اہلسنت سے مذمت اصحاب کی حدیثیں وضع کرنا 281
دھوکہ نمبر18: موافق مذہب صحیح احادیث وضع کرنا 282
دھوکہ نمبر19: سنی رجال کے ہم نام رواۃ سے اہلسنت کو دھوکہ دینا 282
دھوکہ نمبر20: قرآن کی من مانی تفسیر کرتے ہیں 283
دھوکہ نمبر21: اپنی کتب اہلسنت کی طرف منسوب کرنا 283
دھوکہ نمبر22: بطلان اہلسنت میں نادر کتب کا فرضی حوالہ دینا 284
دھوکہ نمبر23: اپنے علماء کو متعصب سنی بتانا 285
دھوکہ نمبر24: اہلسنت اہل بیت کے دشمن ہیں 286
دھوکہ نمبر25: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر جلادیا 287
دھوکہ نمبر26: شیعہ اہل بیت کے تابع ہیں اس لئے حق پر ہیں 288
دھوکہ نمبر27: ایک حبشی لڑکی نے سنی علماء کو عاجز کردیا 290
دھوکہ نمبر28: شیعہ کتب عورتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں 291
دھوکہ نمبر29: فلاں شخص نے دونوں مذاہب میں سے شیعہ کو تسلیم کرلیا 292
دھوکہ نمبر30: شیعہ لوگ سنی یا شافعی بن کر کتاب لکھتے ہیں 294
دھوکہ نمبر31: بعض شیعہ سنی کے نام سے کتاب لکھتے ہیں 295
دھوکہ نمبر32: شیعوں نے اہلسنت کی تفاسیر میں تحریف کی ہے 296
دھوکہ نمبر33: نقل روایت میں خیانت کرتے ہیں 298
دھوکہ نمبر34: خلفاء اربعہ کی قدح بطریق مدح کرتے ہیں 298
دھوکہ نمبر35: اہلسنت کے ڈر سے اپنی کتب کو ضائع کردیا ہے 299

دھوکہ نمبر36: اہلسنت کے اشعار میں ملاوٹ کرنا 299
دھوکہ نمبر37: شیعہ اپنے کلام کو کاہنوں کے کلام سے ملا کر دھوکہ دیتے ہیں 302
دھوکہ نمبر38: فضائل علی میں جھوٹی احادیث وضع کی ہیں 309
دھوکہ نمبر39: متفق علیہ کو لیں مختلف فیہ کو ترک کر دیں 310
دھوکہ نمبر40: شیعوں کو اپنی نجات کا یقین ہے اسلئے وہ جنتی ہیں 312
دھوکہ نمبر41: اہلسنت غیر معصوم کی پیروی کرتے ہیں 313
دھوکہ نمبر42: صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کی ہے 315
دھوکہ نمبر43: پیغمبر شیعان علی میں شامل ہونے کی دعا کرتے تھے 317
دھوکہ نمبر44: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں 318
دھوکہ نمبر45: خلفاء راشدین وازواج رضی اللہ عنہم پر شتم افضل عبادت ہے 319
دھوکہ نمبر46: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ دعا کریں ہم آپ کو حب علی عطاء کریں 320
دھوکہ نمبر47: بعض شیعہ سنی بن کر دھوکہ دیتے ہیں 321
دھوکہ نمبر48: بہت سے مشائخ اہلسنت شیعہ ہوگئے تھے 322
دھوکہ نمبر49: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تبراگو شاعر کی خواب میں تعریف کی 323
دھوکہ نمبر50: بعض شیعہ سنی بن کر اپنی جھوٹی احادیث گڈمڈ کر دیتے ہیں 333
دھوکہ نمبر51: شیعہ سنی مؤرخ بن کر اپنی کتابوں میں جھوٹی روایات داخل کرتے ہیں 334
دھوکہ نمبر52: شیعہ مؤرخین اہلسنت کی تواریخ میں اپنی روایات شامل کرتے ہیں 335
دھوکہ نمبر53: شیعہ مؤرخین صحابہ رضی اللہ عنہ کی مذمت بلاسند کرتے ہیں 335
دھوکہ نمبر54: بعض شیعہ اپنی کتب کلامیہ میں اہلسنت کی حدیث سے حجت قائم کرتے ہیں 336
دھوکہ نمبر55: اپنا من گھڑت مضمون حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں 336
دھوکہ نمبر56: اپنی کتاب کو ائمہ طاہرین سے منسوب کر دیتے ہیں 337

دھوکہ نمبر 57: حضرت علی رضی اللہ عنہ دعا میں خلفاء ثلاثہ پر لعن کرتے تھے........ 338
دھوکہ نمبر 58: فضائل علی کے اشعار یہودی یا نصرانی سے منسوب کر دیتے ہیں........ 338
دھوکہ نمبر 59: فضائل اہلبیت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک حدیث کی غلط نسبت........ 340
دھوکہ نمبر 60: شیعان علی سے قیامت میں حساب نہ ہوگا........ 342
دھوکہ نمبر 61: شیعان علی پر قیامت میں انبیاء بھی رشک کریں گے........ 343
دھوکہ نمبر 62: انبیاء کرام شیعہ علی ہونے کی آرزو کرتے تھے........ 344
دھوکہ نمبر 63: جبرئیل پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا احسان وانعام........ 345
دھوکہ نمبر 64: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ملائکہ کو تسبیح ومناجات کی تعلیم دی........ 346
دھوکہ نمبر 65: حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو انبیاء اور فرشتے بھی نہ ہوتے........ 347
دھوکہ نمبر 66: عذاب وثواب کے فرشتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابع ہیں........ 348
دھوکہ نمبر 67: اہلسنت پر ایک حدیث کے سلسلے میں الزام........ 350
دھوکہ نمبر 68: اہلسنت مومن کی طرح منافق سے بھی حدیث لیتے ہیں........ 351
دھوکہ نمبر 69: قیامت کا ہول شیعوں کے علاوہ سب کو ہوگا........ 354
دھوکہ نمبر 70: اہلسنت پر الزام کہ تمام سنیوں کے دل میں بغض علی رضی اللہ عنہ ہے........ 354
دھوکہ نمبر 71: قیامت میں سنیوں کے تمام اعمال گرد ہو جائیں گے........ 356
دھوکہ نمبر 72: اہلسنت کی صحاح میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوا ہے........ 359
دھوکہ نمبر 73: اہلسنت کی حدیث کہ لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح کی نماز قضاء ہوئی........ 360
دھوکہ نمبر 74: اہلسنت خارجیوں سے حدیث لیتے ہیں........ 360
دھوکہ نمبر 75: اہلسنت شیطان کی طرح خاک کی ٹکیہ پر سجدہ نہیں کرتے........ 363
دھوکہ نمبر 76: شیعوں سے مباہلہ کرنے والے ہلاک ہوگئے........ 365
دھوکہ نمبر 77: شیعوں کو آتش دوزخ کچھ نہ کہے گی........ 367

دھوکہ نمبر 78: شیعہ خود کتاب لکھ کر کسی امام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں 368
دھوکہ نمبر 79: مہاجرین اولین میں ابو رافع شیعہ تھے 369
دھوکہ نمبر 80: تاریخ طبری کے خلاصہ میں شیعوں نے اپنی روایات ملا دی ہیں 370
دھوکہ نمبر 81: بعض ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے دھوکہ ہوتا ہے کہ اہلسنت کی ہیں 370
دھوکہ نمبر 82: سنیوں نے بعض ائمہ پر الزام کا ارادہ کیا 371
دھوکہ نمبر 83: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت میں شک تھا 377
دھوکہ نمبر 84: حضرت علی کے فضائل ہی ایسے تھے کہ لوگ ان کی الوہیت کے قائل ہوئے 378
دھوکہ نمبر 85: سنی ائمہ اربعہ کا تو مذہب اختیار کرتے ہیں اہل بیت کا نہیں! 383
دھوکہ نمبر 86: اہلسنت کی کتب سے طعن صحابہ کی ناکام کوشش 387
دھوکہ نمبر 87: اپنی جعلی روایتوں سے انبیاء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں 389
دھوکہ نمبر 88: شریعتیں چھ ہوئیں اور ہر نبی کے بارہ وصی ہوئے 408
دھوکہ نمبر 89: اہلسنت خدا کو دیکھنے کے قائل ہیں 409
دھوکہ نمبر 90: عذاب قبر صرف سنیوں کو ہو گا 415
دھوکہ نمبر 91: سنی اہلبیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں 416
دھوکہ نمبر 92: اہلسنت امامت کے سلسلے میں بزدل کو ترجیح دیتے ہیں 428
دھوکہ نمبر 93: اہلسنت خدا کو صاحب جسم و مجبور مانتے ہیں 433
دھوکہ نمبر 94: اہلسنت کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کے گھر گڑیاں کھیلتی تھیں 434
دھوکہ نمبر 95: اہلسنت کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو تماشا دکھایا 437
دھوکہ نمبر 96: سنیوں کی روایت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل کو تھپڑ مارا 443
دھوکہ نمبر 97: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک تھا 446
دھوکہ نمبر 98: اہلسنت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین جھوٹ ثابت ہیں 447

دھوکہ نمبر99: اہلسنت کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے..........449

دھوکہ نمبر100: سنیوں کی روایت سے بلال رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت..........454

دھوکہ نمبر101: سنیوں کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر..........457

دھوکہ نمبر102: اہلسنت کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا..........458

دھوکہ نمبر103: اہلسنت کے نزدیک کتے کی کھال پر نماز درست ہے..........460

دھوکہ نمبر104: اہلسنت شطرنج کو جائز کہتے ہیں..........462

دھوکہ نمبر105: اہلسنت کے نزدیک گانا بجانا جائز ہے..........464

دھوکہ نمبر106: اکثر شیعہ ائمہ کے پاس جاتے تاکہ ان سے روایتیں لی جائیں..........465

دھوکہ نمبر107: سب سے بڑا ان کا دھوکہ تقیہ ہے..........469

باب سوم..........471

شیعوں کے اسلاف کے حالات کے بیان میں..........471

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو عبداللہ بن سبا کے ساتھی ہیں..........471

دوسرا طبقہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ ساتھی جو بظاہر مخلص مگر منافق تھے..........473

تیسرا طبقہ: جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے بعد میں غداری کی..........486

چوتھا طبقہ: جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فہ بلا کر ان سے غداری کی..........488

پانچواں طبقہ: وہ گروہ جس نے امام زین العابدین سے انحراف کر کے مختار کو نبی مانا..........488

چھٹا طبقہ: جنہوں نے حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کو ناصبیوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا..........489

ساتواں طبقہ: وہ ائمہ کی شاگردی کے مدعی ہیں جبکہ ائمہ ان کو کافر کہتے ہیں..........490

شیعوں کا دعویٰ کہ وہ مذہب اہلبیت پر ہیں..........496

سنی اور شیعہ کا اختلاف..........497

شیعی علماء اور ان کی کتابیں..........500

شیعہ کے اصول اربعہ 531

باب چہارم 536

شیعوں کی اقسام احادیث اور حالات راویان اسناد 536

حدیث صحیح 536

حدیث حسن 539

حدیث موثق 540

حدیث ضعیف 540

حدیث صحیح پر عمل 540

حدیث حسن پر عمل 542

حدیث موثق پر عمل 542

حدیث ضعیف پر عمل 542

شیعہ کے ہاں مرسل روایت پر عمل 547

شیعوں کے وضاع راوی 548

شیعوں کے ضعیف راوی 553

شیعوں کے مجہول راوی 554

امام غائب کی روایات کا حال 560

تتمہ باب چہارم 569

شیعوں کے بقیہ دلائل 569

پہلی دلیل کتاب 569

دوسری دلیل خبر 571

تیسری دلیل اجماع 572

چوتھی دلیل عقل 574

فائدہ جلیلہ عقلی دلائل وبراہین 575

دوسرا فائدہ قرآن پاک اور اہلبیت سے شیعوں کی مخالفت 585

سعادة الدارین فی شرح حدیث الثقلین 585

ذیلی فائدہ: وہ روایات جو شیعہ ائمہ سے لائے لیکن امام زادوں نے ان کی تکذیب کی 601

مسئلہ امامت 602

باب پنجم 611

مسائل الٰہیات 611

عقیدہ نمبر 1: معرفت الٰہی میں شیعہ سنی اختلاف 611

عقیدہ نمبر 2: اسماعیلیہ کا اللہ تعالیٰ کے موجود نہ ہونے کا عقیدہ 612

عقیدہ نمبر 3: شیعہ کے مختلف فرقے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر ہیں 613

عقیدہ نمبر 4: شیعہ کے بعض فرقے اللہ تعالیٰ کی ابدیت کے منکر ہیں 613

عقیدہ نمبر 5: شیعہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کے منکر ہیں 615

عقیدہ نمبر 6: شیعہ اللہ تعالیٰ کو قدیم نہیں مانتے 616

عقیدہ نمبر 7: اسماعیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کے مخالف ہیں 618

عقیدہ نمبر 8: امامیہ اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کے مخالف ہیں 619

عقیدہ نمبر 9: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے شیعہ اس کے منکر ہیں 620

عقیدہ نمبر 10: موجودہ قرآن اصلی نہیں ہے 623

عقیدہ نمبر 11: اسماعیلی اللہ تعالیٰ کے ارادہ قدیم کے مخالف ہیں 625

عقیدہ نمبر 12: شیعہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم، طول وعرض مانتے ہیں 632

عقیدہ نمبر 13: اللہ تعالیٰ لامکان ہیں شیعہ اس کے منکر ہیں 636

ایک ضروری وضاحت 638

ایک اشکال کا جواب 640

عقیدہ نمبر 14: شیعہ غلاۃ اللہ تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں 641

عقیدہ نمبر 15: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اعراض سے متصف ہیں 645

عقیدہ نمبر 16: اللہ تعالیٰ کی ذات کا چھپنا اور سایہ ممکن ہے 645

عقیدہ نمبر 17: شیعہ اللہ تعالیٰ کی طرف بدا کی نسبت کرتے ہیں 649

ایک شبہ کا جواب 658

عقیدہ نمبر 18: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر پر راضی ہے 659

عقیدہ نمبر 19: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لطف وغیرہ واجب ہے 660

عقیدہ نمبر 20: خیر و شر کا خالق انسان خود ہے 668

فائدہ 683

عقیدہ نمبر 21: بندہ کو خدا کا جسمانی یا مکانی ممکن ہے 687

عقیدہ نمبر 22: اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے 688

باب ششم 691

انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور ان کی نبوت کی بحث 691

عقیدہ نمبر 1: پیغمبروں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے 691

عقیدہ نمبر 2: ائمہ تمام مخلوق سے افضل ہیں 694

پہلا شبہ: ائمہ علم و مرتبہ ہر دو میں انبیاء سے افضل ہیں 698

دوسرا شبہ: کہ علی رضی اللہ عنہ زمین و آسمان میں سب سے افضل ہیں 700

تیسرا شبہ: ائمہ کے ساتھ ایک مخلوق ہوتی ہے 701

پہلا غلو: انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے 705

دوسرا غلو: انبیاء اور فرشتوں سے ائمہ کی ولایت کا عہد لیا گیا تھا....................707
تیسرا غلو: انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس کیا ہے....................710
چوتھا غلو: قیامت کے دن جناب امیر انبیاء سے آگے ہوں گے....................712
پانچواں غلو: قیامت کے دن جناب امیر کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہوگا....................713
عقیدہ نمبر 3: انبیاء کرام گناہوں سے معصوم نہیں....................714
عقیدہ نمبر 4: انبیاء سے کذب جائز ہے....................717
عقیدہ نمبر 5: انبیاء کرام کے لیے واجبات ایمان کا علم قبل و بعد نبوت ضروری ہے....................717
عقیدہ نمبر 6: انبیاء مہلک گناہوں سے پاک ہوتے ہیں....................722
عقیدہ نمبر 7: حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ائمہ کا بغض تھا....................725
عقیدہ نمبر 8: بعض انبیاء علیہم السلام نے فریضہ رسالت میں کوتاہی کی....................731
عقیدہ نمبر 9: حضرت جبریل نے وحی پہنچانے میں خیانت کی....................733
عقیدہ نمبر 10: ائمہ کو حلال و حرام کا اختیار حاصل ہے....................737
عقیدہ نمبر 11: سفر معراج میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سفر تھے....................741
عقیدہ نمبر 12: احادیث ظاہری معنیٰ پر محمول نہیں ہیں....................744
عقیدہ نمبر 13: حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وحی آتی تھی....................746
عقیدہ نمبر 14: پیغمبر کے بعد شرعی احکام امام موقوف کر سکتا ہے....................748
عقیدہ نمبر 15: امام کو شرعی احکام منسوخ کرنے کا حق ہے....................749

مقدمہ

الحمد لله الذي ثبت أركان الدين بأئمة أهل السنة وأعلامهم، وجعل خلفاء نبيه أتباعه في الدنيا ويوم يدعى كل أناس بإمامهم. وسلك بهم مسلك السداد، ومهد لهم طرق الهدى والرشاد وعصمهم باتباع سنن رسوله عليه الصلاة والسلام من الزيغ والضلال والشبه والأوهام والصلاة والسلام على سيدنا محمد صاحب الشريعة الغراء، الواضحة البيضاء وعلى آله أئمة الدين، وصحابته الهادين المهديين، اما بعد!

مسلمان اس ہدایت اور نقل صحیح میں عقل صریح کے عین مطابق دین حق پر قائم تھے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دے کر مبعوث کیا، لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور صفین کے مقام پر مسلمانوں کی آپس میں جنگ ہوئی، تو اس وقت دین سے نکلنے والی ایک جماعت مارقہ نکلی، مارقہ (دین سے نکلنے والی جماعت) خوارج کا ایک لقب ہے اور خوارج وہ لوگ تھے جنہوں نے واقعہ تحکیم (حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حکم بنائے جانے) کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی، چنانچہ نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ لڑی، نبی مکرم ﷺ نے صحیح احادیث میں ان کے خلاف لڑنے کا حکم دیا ہے، صحیحین میں اس موضوع پر دس احادیث ہیں، جن میں سے تین صحیح بخاری میں ہیں اور بقیہ تمام صحیح مسلم میں اور امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو "تہذیب السنة "میں ذکر کیا ہے[1] جس کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا تھا"تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها أولى الطائفتين بالحق"[2]مسلمانوں کی تقسیم کے وقت ایک دین سے نکلنے والی جماعت نکل جائے گی، اس کو مسلمانوں کا وہ گروہ قتل کرے گا، جو ان میں سے حق کے قریب تر ہو گا۔

1۔ تہذیب السنة :7/ 78-103، خوارج کے عقائد اور فرقوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: الفرق بين الفرق (ص : 72 وما بعدها) الملل والنحل :1/ 16،و الفصل :5/ 51، 56۔

2۔ صحیح مسلم مع شرح النووی، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم :2/ 745،رقم:1064۔

بدعات کا خروج اور ان کی تردید

اس جماعت (خوارج) کا خروج اس وقت ہوا، جب دونوں طرف سے محققین نے تحکیم کے موقع پر (کتاب اللہ کو فیصل بنانے کا) فیصلہ سنایا تو لوگ کسی اتفاقی فیصلے کے بغیر ہی منتشر ہو گئے، پھر خوارج کی بدعت کے بعد تشیع کی بدعت نے جنم لیا اور نبی آخر الزمان کی پیشین گوئی کے مطابق فرقوں کے خروج کا تسلسل شروع ہو گیا۔[1]

تشیع کا آغاز کوفہ سے ہوا اسی بنا پر شیعہ روایات میں مذکور ہے کہ کوفہ کے سوا دیگر مسلم علاقوں میں سے کسی نے بھی ان کی دعوت قبول نہ کی پھر اس کے بعد یہ مذہب دیگر علاقوں میں پھیل گیا، اسی طرح نظریہ ارجا کا خروج بھی کوفہ ہی سے ہوا، جبکہ قدریہ، معتزلہ اور فاسد تصوف کا ظہور بصرہ میں ہوا اور جہمیہ کا آغاز خراسان کی جانب سے ہوا[2] ان بدعتوں کا ظہور دارِ نبوت مدینہ طیبہ سے (بالترتیب) فاصلے کے تناسب سے ہوا کیونکہ بدعت کی نشو و نما اور پھیلاؤ صرف جہالت کے سائے اور اہل علم و ایمان کی غیر موجودگی ہی میں ممکن ہوتا ہے۔[3]

بعض ائمہ سلف کا قول ہے

کسی نوعمر اور عجمی کے لیے یہ امر بڑا باعث سعادت ہے کہ اللہ تعالی ان کو کسی اہل سنت عالم کی محبت نصیب فرمادے کیونکہ یہ لوگ (نوعمر اور عجمی) فتنے اور بدعت کی گمراہی اور ہلاکت خیزیوں کی پہچان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بہت جلد ان کی آندھیوں سے متاثر ہو جاتے ہیں، لہذا بدعت کے مقابلے اور فتنے کے سد باب کے لیے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان سنت کو پھیلایا جائے اور سنت کے مخالف لوگوں کی گمراہی بیان کی جائے۔

اسی وجہ سے ائمہ اہلسنت نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، انھوں نے اہل بدعت کی حالت اچھی طرح واضح کر دی اور ان کے شبہات کی تردید کی جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "الرد علی الزنادقة والجهمية"

1۔ منهاج السنة لابن تيمية: 1/ 218، 219۔

2۔ مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية: 20/ 301، بحار الأنوار: 100/ 259۔

3۔ مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية: 20/ 301۔

میں زنادقہ اور جہمیہ کا رد کیا، امام بخاری نے "الرد علی الجهمية" میں جہمیہ کی تردید کی، امام ابن قتیبہ نے "الرد علی الجهمية والمشبهة" میں جہمیہ اور مشبہہ کے شبہات زائل کیے اور امام دارمی نے "الرد علی بشر المريسي" میں بشر مریسی کے اعتراضات اور شکوک ختم کیے۔

بلاشبہ مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والے اور سنت سے پہلو تہی کرنے والے فرقوں کی حالت و کیفیت بیان کرنا ابہام دور کرنے، حق کو واضح کرنے، اللہ تعالی کا دین پھیلانے اور ان فرقوں پر حجت قائم کرنے کے لیے از حد ضروری ہے تاکہ جو جیے تو دلیل کے ساتھ جیے اور جو مرے تو بھی دلیل کے ساتھ مرے کیونکہ حق کسی پر چھپ نہیں سکتا، یہ لوگ اپنے پیروکاروں کو صرف شکوک و شبہات اور وہم پیدا کرنے والے اقوال کے ذریعے گمراہ کرتے ہیں اس لیے ان گروہوں کے ماننے والے یا زندیق ہیں یا پھر جاہل، جاہل کو تعلیم دینا ضروری ہے اور زندیق کی زندیقیت کو بیان کرنا ازبس لازم ہے تاکہ اس کا پتا چل جائے اور اس سے خبردار رہا جائے، کتاب و سنت کے مخالفین ائمہ بدعت کی حقیقت حال بیان کرنا تمام مسلمانوں کے اتفاق کی رو سے واجب ہے:

حتى قيل لأحمد بن حنبل: الرجل يصوم ويصلي ويعتكف أحب إليك، أو يتكلم في أهل البدع؟ فقال: إذا قام وصلى واعتكف فإنما هو لنفسه، وإذا تكلم في أهل البدع فإنما هو للمسلمين، هذا أفضل[1]

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی جو روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور اعتکاف کرتا ہے، کیا وہ آپ کو زیادہ پسند ہے یا وہ جو اہل بدعت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ روزہ، نماز اور اعتکاف تو اس کے اپنے لیے ہے اور اہل بدعت کے متعلق گفتگو کرنا، یہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ افضل ہے"

1۔ الرد على الجهمية والزنادقة للامام احمد بن حنبل، مقدمة التحقيق، 1/ 15، ط: دار الثبات للنشر والتوزيع۔

یہاں انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس کا فائدہ تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے، جو ان کے دین کو پہنچتا ہے اور یہ اللہ تعالی کی راہ میں جہاد ہی کی ایک صورت ہے کیونکہ اللہ تعالی کی راہ اس کے دین اور شریعت کی تطہیر اور ان تمام امور میں ان فرقوں کی سرکشی اور ظلم کو ختم کرنا بھی اتفاقاً فرض ہے، اگر یہ لوگ نہ ہوں جنہیں اللہ تعالی وقتاً فوقتاً ان فرقوں کے شر کو دور کرنے کے لیے کھڑا کرتا رہتا ہے تو اب تک دین کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا، دین کا بگاڑ جنگ کے نتیجے میں دشمن کے غلبے کی وجہ سے ہونے والے بگاڑ سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ دشمن دین اور دلوں کو براہ راست خراب نہیں کرتا جبکہ یہ گمراہ فرقے ابتداء ہی دلوں کو خراب کرنے سے کرتے ہیں۔[1]

لفظ شیعہ کی لغوی تعریف

امام ابن درید (المتوفی 321ھ) فرماتے ہیں:

"فلان من شیعة فلان أي ممن یری رأیه" یعنی کسی شخص کو دوسرے کا شیعہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اس کی رائے کا پیروکار ہوتا ہے۔ نیز لفظ "تشیع" اور "مشایعت" کا معنی ہے کسی کی مدد و حمایت اور تعاون کرنا۔[2]

علامہ ابن منظور افریقی (المتوفی 711ھ) لکھتے ہیں:

شیعہ کا معنی پیروکار اور مددگار ہے، اس کی جمع "شِیَعٌ" اور جمع الجمع "أشیاع" ہے، لفظ شیعہ کا اصل معنی لوگوں کا ایک فرقہ (گروہ) ہے اس ایک ہی لفظ کا اطلاق واحد و تثنیہ و جمع، مذکر و مونث ہر ایک معنی میں ہوتا ہے، دراصل شیعہ کا لفظ "مشایعة" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کسی کی پیروی اور ہم نوائی کرنا، نیز شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے، جو دوسروں کی رائے پر کاربند ہوتا ہے، کہتے ہیں "تشایع القوم" یعنی وہ قوم ایک دوسرے کی ہم نوا بن گئی، "تشیع الرجل" فلاں شخص شیعہ ہو گیا" شایعه شیاعا و شیعه "یعنی دوسرے

1۔ مجموعة الرسائل والمسائل لابن تیمیة: 5/ 110۔

2۔ جمهرة اللغة لابن درید: 3/ 63۔

کے پیچھے چلنا، نیز کہا جاتا ہے" فلان يشايه على ذلك "یعنی وہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔[1]

اب یہ لفظ اس گروہ کا مخصوص نام بن چکا ہے، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے ولایت و محبت کا دعوی کرتا ہے، جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص شیعہ میں سے ہے اور شیعہ مذہب میں یوں ہے تو اس سے وہی فرقہ مراد ہوتا ہے، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام: لغوی اعتبار سے لفظ "شیعہ، تشیع اور مشایعۃ" متابعت، نصرت، موافقت رائے، اتفاق اور تعاون کے معانی میں منحصر ہے پھر یہ لفظ (شیعہ) اس فرقے کے لیے عموماً بطور نام استعمال ہونے لگا، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے محبت کا اعلان کرتا ہے جیسا کہ علامہ ابن منظورؒ، فیروز آبادیؒ اور زبیدیؒ نے ذکر کیا ہے لیکن شیعہ کے لیے اس نام کا بکثرت استعمال کرنا محل نظر ہے کیونکہ لفظ شیعہ کا لغوی معنی ہے کسی کی متابعت اور معاونت کرنا، لہذا اکثر شیعہ فرقے جن پر اس لفظ (شیعہ) کا اطلاق کیا جاتا ہے، لغوی معنی کے لحاظ سے ان کا نام شیعہ رکھنا درست نہیں اس لیے کہ یہ لوگ در حقیقت اہل بیت کے پیروکار نہیں، بلکہ ان کے مخالف اور ان کے راستے سے الگ ہونے والے ہیں۔

اسی لغوی معنی کا اعتبار امام شریک بن عبد اللہ نخعیؒ کے ایک اثر میں نظر آتا ہے کہ جب ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ انھوں نے جواب دیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ! اس شخص نے کہا آپ شیعہ ہونے کے باوجود ایسی بات کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! کیوں کہ جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا، وہ شیعہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا "ألا ان خير هذه الامة بعد نبيها ابو بكر ثم عمر" آگاہ رہو! اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، تو اب ہم کیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کی تردید و تکذیب کر سکتے ہیں؟ اللہ کی قسم! وہ جھوٹے انسان نہیں تھے۔[2]

1۔ لسان العرب، مادہ شيعة، 8/ 189، ط: دار صادر، بيروت۔

2۔ منهاج السنة لابن تيمية :1/ 7، 8، تحقيق الدكتور محمد رشاد سالم۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اسی (80) کے قریب اسانید سے مروی ہے کہ انہوں نے کوفے کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے[1] علاوہ ازیں یہ بات شیعہ کتب میں بھی منقول ہے.[2]

بنا بریں جو لوگ اہل بیت کے حقیقی پیروکار تھے اور انھیں شیعہ کہا جاتا تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ اب یہ لفظ (شیعہ) عموماً اہل بیت کے مخالف بدعتی لوگوں کا لقب بن گیا ہے تو انھوں نے مجبوراً اپنے لیے یہ لفظ کہلوانا ترک کر دیا، جیسا کہ مسند الہند شاہ عبد العزیز مؤلف تحفہ اثنا عشریہ نے بھی کہا ہے کہ "جب شیعہ نام روافض اور اسماعیلیہ کا لقب مشہور ہو گیا تو اولین شیعہ نے اپنے لیے اس لفظ کا استعمال چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کہنے لگے".[3]

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا ذکر اور اس کا معنی

قرآن مجید میں مادہ "شیع" کا بارہ مرتبہ ذکر ہوا ہے، امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف معانی ان کے معانی کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے "اہل تفسیر نے کہا ہے کہ مادہ "شیع" قرآن مجید میں چار معانی میں استعمال ہوا ہے.

1۔ **فرقے اور گروہ:** جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے "إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا"[4]

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے.

نیز فرمایا "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ"[5] اور بلا شبہ یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے اگلے لوگوں

1۔ منهاج السنة لابن تيمية :4/ 137۔

2۔ تلخيص الشافی:2/ 328، بحواله "الشيعة وأهل البيت،ص: 53، تثبيت دلائل النبوة لعبد الجبار الهمدانی:1/ 93۔

3۔ تحفة الاثنی عشرية (ص:25، 26، مخطوط (فارسی)، تحفہ اثنا عشری اردو (ص:20) طبع میر محمد کراچی۔

4۔ سورة الانعام، الاية:159۔

5۔ سورة الحجر، الاية:10۔

کے گروہوں میں رسول بھیجے. نیز فرمایا: "وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا"[1] اور اس کے رہنے والوں کوئی گروہ بنا دیا.
امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شیع سے مراد فرقہ ہے.[2]
نیز فرمایا: "مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ"[3] ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ ہو گئے ہر گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں.

2۔ **اہل اور نسب:** جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے "هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ"[4]

یہ اس کی قوم سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں میں سے ہے، یعنی یہ بنی اسرائیل کی طرف نسبت کے لحاظ سے اس کے اہل میں سے ہے اور امام ابن قتیبہ دینوری فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ہے کہ میت اس کے اصحاب بنی اسرائیل کا فرد ہے.[5]

3۔ **اہل ملت:** جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے "ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ"[6]

پھر بے شک ہم ہر گروہ میں سے اس شخص کو ضرور کھینچ نکالیں گے.
نیز فرمایا: "كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ"[7] جیسا کہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا.
نیز فرمایا "وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ"[8] اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمھارے جیسی کئی جماعتوں کو ہلاک کر ڈالا.

1۔ سورة القصص، الاية:04۔

2۔ تفسير الطبري:20/ 37، مجاز القرآن :1/ 194۔

3۔ سورة الروم، الاية:32۔

4۔ سورة القصص، الاية:15۔

5۔ تفسير غريب القرآن، ص: 329،تحفة الأريب بما في القرآن من الغريب،ص:153۔

6۔ سورة مريم، الاية:69۔

7۔ سورة سبا، الاية:54۔

8۔ سورة القمر، الاية:51۔

نیز فرمایا" وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ "[1]

اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے.

4. **اختلاف آمیز خواہشات** : جیسے ارشاد باری تعالی ہے "أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا "[2] یا تمہیں مختلف گروہ بنا کر گتھم گتھا کر دے.

امام ابن قیمؒ اس سلسلے میں ایک اہم عبارت میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ شیعہ اور اشیاع اکثر مقامات پر مذمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے. نیز فرماتے ہیں کہ شاید یہ لفظ قرآن کریم میں صرف اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے ارشاد باری تعالی ہے "ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا "[3] پھر بے شک ہم ہر گروہ میں سے اس شخص کو ضرور کھینچ نکالیں گے، جو ان میں سے رحمان کے خلاف زیادہ سرکش ہے.

نیز فرمایا" إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا "[4]

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے.

نیز فرمایا" وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ "[5] اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جن کی وہ خواہش کرتے ہیں، رکاوٹ ڈال دی گئی، جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا.

5. امام دامغانی نے لفظ شیعہ کا ایک پانچواں معنی اشاعت کرنا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے لیے مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے" إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا "[6]

1۔ سورة الصافات، الاية:83۔

2۔ سورة الانعام، الاية:65۔

3۔ سورة مريم، الاية:69۔

4۔ سورة الانعام، الاية:159۔

5۔ سورة سبا، الاية:54۔

6۔ سورة النور، الاية:19۔ قاموس القرآن لدامغاني،ص: 271۔

امام ابن قیمؒ لفظ شیعہ کے اس استعمال کی علت وسبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لفظ شیعہ میں تفرق اور انتشار کا معنی پایا جاتا ہے جو اتحاد اور اجماع کی ضد ہے اس لیے لفظ "شِيَعٌ" کا اطلاق صرف گمراہ فرقوں پر ہوتا ہے کیونکہ وہ اختلاف وافتراق کا شکار ہوتے ہیں"[1] یعنی بالعموم اس لیے کہ قرآن میں یہ بھی وارد ہے، جیسے فرمایا "وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ" اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔

خلاصہ کلام: ہم نے مندرجہ بالا سطور میں قرآن مجید میں لفظ شیعہ کے مختلف معانی اور مدلولات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جنہیں دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ شیعی نقطہ نظر قطعاً ان معانی اور مفاہیم کے ساتھ میل نہیں کھاتا لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے کہ آج شیعہ لوگ مختلف حیلوں اور تاویلات کے ذریعے اپنے فرقے کو ان الفاظ کا مصداق قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح وہ قرآنی الفاظ کی تعریف میں الحاد کرتے ہوئے ان کی غلط تاویل اور ان میں خودساختہ معانی پیدا کرنے کی غیر محمود روش کا ارتکاب کرتے ہیں۔

شیعہ کی کتب احادیث میں اس آیت کریمہ "وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ"[2] کا مطلب یوں لکھا گیا ہے "أي إن إبراهيم من شيعة علي"[3] یعنی ابراہیم علیہ السلام علی کے شیعہ (گروہ) میں سے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

حالانکہ یہ معنی قرآنی سیاق اور اصول دین کے قطعاً مخالف اور ایسے غالی روافض کے عقیدے سے پھوٹا ہے، جو ائمہ کو انبیاء کرام پر فوقیت اور فضیلت دیتے ہیں[4] اس تاویل بلکہ تحریف کی رو سے تو ابراہیم علیہ السلام جو خلیل الرحمن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء سے افضل ہیں، شیعان علی میں سے اور ان کے پیروکار بن جاتے

1۔ بدائع الفوائد: 1/ 155۔

2۔ سورۃ الصافات، الآیۃ: 83۔

3۔ تفسير البرهان: 4/ 20، تفسير القمي: 2/ 323، بحار الأنوار للمجلسي: 68/ 12، 13، سفينة البحار لعباس القمي: 1/ 732، المعالم الزلفى لبحراني، ص: 34، مجمع البحرين لطريحي: 3/ 356۔ ان لوگوں نے کذب وافترا کرتے ہوئے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے لیکن ان کا علم وورع اور عقیدہ اس سے انکار کرتا ہے۔

4۔ أصول الدين للبغدادي، ص: 298، كتاب الشفاء، ص: 290، منهاج السنة لابن تيمية: 1/ 177۔

ہیں یہ امر عقل و نقل اور تاریخ بلکہ ہر لحاظ سے بدیہی البطلان ہے یہ جھوٹ ایسے شخص نے گھڑا ہے، جس کو جھوٹ گھڑنا بھی نہیں آتا. علماء سلف اور اہل سنت کے نزدیک اس آیت "وإن من شيعته لابراهيم" کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ سے اور ان کے منہج وطریقہ کار پر عمل پیرا تھے.[1]

اس آیت کریمہ کے سیاق و سباق کی رو سے بھی یہی تفسیر درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس آیت سے ماقبل کی آیات حضرت نوح علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں اور یہ امر توجہ طلب ہے کہ کئی شیعہ مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں علمائے اہل سنت کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور اپنے ہم مذہب علماء کی رائے کو نظر انداز کر دیا ہے.[2] یہاں ایک ضعیف قول بھی منقول ہے، جو فراء کی طرف منسوب ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ اور متبعین میں سے ہیں، علامہ شوکانی فرماتے ہیں: اس قول کی کمزوری اور سیاق آیت سے مخالفت مخفی نہیں ہے.[3]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: فراء کا قول ہے کہ اس لفظ "شیعتہ" میں ضمیر کا مرجع و مصداق جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن راجح بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے کہ یہ ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہی بات ائمہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ اور سدی سے منقول ہے اور اس لیے بھی کہ متقدم کے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے سے متاخر کا شیعہ (پیروکار) ہے.[4]

حدیث میں لفظ شیعہ کا ورود اور اس کا معنی

سنت مطہرہ میں لفظ شیعہ اتباع (پیروکار) کے معنی میں وارد ہوا ہے، جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا "لَمْ أَرَكَ عَدَلْتَ" کہ میری رائے میں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا تو اس کے

1۔ تفسير الطبرى :23/ 69، تفسير ابن كثير :4/ 13، تفسير القرطبى: 15/ 91، زاد المسير لابن الجوزى:7/ 67۔

2۔ مجمع البيان للطبرسي:5/ 67۔

3۔ فتح القدير، للشوكاني:4/ 401۔

4۔ روح المعاني:23/ 99، 100۔

جواب میں نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" سَيَكُونُ لَهُ شِيعَةٌ يَتَعَمَّقُونَ فِي الدِّينِ حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهُ" عنقریب اس کے ایسے پیروکار ہوں گے، جو دین میں بڑا تشدد کریں گے حتی کہ ایک وقت آئے گا وہ دین سے باہر نکل جائیں گے، امام عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے اس معنی میں متعدد طرق ہیں، جو سارے صحیح ہیں اور علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔[1] اسی طرح ایک اور حدیث نبوی میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے" وهم شيعة الدجال"[2] یعنی وہ دجال کے پیروکار ہوں گے پس لفظ شیعہ یہاں اصحاب، اتباع اور انصار کے مترادف استعمال ہوا ہے۔

کتب حدیث میں تلاش و جستجو کے باوجود موجودہ فرقہ شیعہ کے لیے بطور علم اس لفظ کا استعمال نظر نہیں آیا، البتہ بعض ضعیف اور موضوع روایات میں یہ لفظ شیعان علی کے حق میں وارد ہوا ہے، مثلاً ایک (من گھڑت) حدیث میں ہے "فاستغفرت لعلي وشيعته"[3] پس میں نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے لیے دعائے مغفرت کی ہے، امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بے اصل روایت ہے اور امام کنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

نیز ایک حدیث میں ہے" مثلي مثل شجرة أنا أصلها وعلي فرعها... والشيعة ورقها "یعنی میری مثال ایک درخت کی طرح ہے کہ میں اس کی جڑ ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کی شاخ اور شیعہ اس کے پتے ہیں، امام ابن جوزی اور علامہ شوکانی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[4] اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا" أنت وشيعتك في الجنة "تم اور تمہارے پیروکار جنتی ہیں۔ یہ روایت بھی موضوع ہے۔[5]

1۔ مسند أحمد :11/ 613، رقم:7038، ط:موسسة الرسالة

2۔ سنن أبي داود :5/ 67۔

3۔ تنزيه الشريعة :1/ 414۔

4۔ الموضوعات لابن الجوزي:1/ 397، الفوائد المجموعة للشوكاني ،ص:379۔

5۔ الموضوعات لابن الجوزي:1/ 397،و ميزان الاعتدال للذهبي:1/ 421،و الفوائد المجموعة للشوكاني، ص:379۔

علاوہ ازیں بعض موضوع احادیث میں مذکور ہے کہ عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی، جو سیدنا علی کا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرے گی اور انہیں رافضہ کہا جائے گا، امام ابن ابی عاصمؒ نے رافضہ سے متعلق چار روایات ذکر کی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے "اے علی! خوش ہو جاؤ تم اور تمہارے ساتھی جنتی ہیں لیکن خبردار! ایک قوم کا دعویٰ ہوگا کہ وہ تجھ سے محبت کرتی ہے، حالانکہ وہ اسلام کے منکر ہوں گے، انہیں "رافضہ" کیا جائے گا، پس جب تو ان سے ملے تو ان سے جہاد کر کیونکہ وہ مشرک ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کہا کہ ان کی علامت کیا ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" وہ جمعہ اور نماز باجماعت ادا نہیں کریں گے اور سلف امت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) پر طعن و تشنیع کیا کریں گے." [1] اس حدیث کو علامہ شوکانی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے. [2]

اثنا عشریہ کی کتب حدیث میں لفظ شیعہ کا استعمال اور اس کا معنی

شیعہ کی کتب حدیث میں بہت زیادہ احادیث و روایات میں یہ لفظ بتکرار ذکر ہوا ہے اور وہ لوگ ان تمام مرویات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور بقیہ بارہ اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں. ان کے ہاں اس لفظ (شیعہ) کا یہ کردار ایک اصطلاحی نام کے طور پر ہوتا ہے، جو ان کے مذہب، عقیدے اور ائمہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود شیعہ مذہب کی بنیاد رکھی اور اسے اپنی نگہداشت میں پروان چڑھایا ہے بلکہ ان لوگوں کے غلو کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایسی روایات وضع کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ شیعہ بطور ایک مخصوص مذہب قبل از نبوت بھی مشہور تھا جیسا کہ ان لوگوں کی کتب حدیث میں اس آیت "وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ" [3] کی تفسیر میں منقول ہے بلکہ ان لوگوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے ولایت علی کا عہد و میثاق بھی لیا ہے [4] اور ولایت علی رضی اللہ عنہ انبیاء کے

1۔ السنة لابن ابی عاصم: 2/ 475-

2۔ الفوائد المجموعة للشوکانی، ص: 379-

3۔ سورة الصافات، الآية: 83-

4۔ تفسیر البرهان للبحرانی: 1/ 26-

تمام صحیفوں اور کتابوں میں مرقوم ہے[1] ان لوگوں نے اسی طرح کے اور بھی کئی دعوے کیے ہیں۔

اسلامی تاریخ کی روشنی میں لفظ شیعہ کا جائزہ

عہد اسلام کے اولین دور میں رونما ہونے والے تاریخی حوادث میں لفظ شیعہ صرف اپنے لغوی معنی معاونت اور متابعت میں استعمال ہوا ہے، بلکہ واقعہ تحکیم کے وقت سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا تھا اس میں بھی لفظ شیعہ فقط اپنے لغوی معنی ہی میں ذکر ہوا ہے، اس وثیقے میں جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور متبعین کو لفظ شیعہ سے مخاطب کیا گیا ہے وہیں بعینہ سیدنا معاویہ کے متبعین پر بھی لفظ شیعہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور لفظ شیعہ کے استعمال کو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتباع و انصار کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا جیسا کہ مرقوم ہے:

"هذا ما تقاضى عليه علي بن أبي طالب ومعاوية بن أبي سفيان وشيعتهما... وأن عليا وشيعته رضوا بعبد الله بن قيس ورضي معاوية وشيعته بعمرو بن العاص ... فإذا توفي أحد الحكمين، فلشيعته وأنصاره أن يختاروا مكانه... وإن مات أحد الأميرين قبل انقضاء الأجل المحدود في هذه القضية فلشيعته أن يختاروا مكانه رجلا يرضون عدله."[2]

یہ وہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے اتباع و انصار کے درمیان طے پایا... علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں نے عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم پسند کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم بنا کر راضی ہیں.... اگر دونوں منصفین میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو اس کے شیعہ اور انصار کو اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو منتخب کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر اس فیصلے کی معینہ مدت پوری ہونے سے قبل ہی دونوں امراء (علی و معاویہ رضی اللہ عنہما) میں سے کوئی ایک وفات پا گیا تو ہر ایک کے شیعہ و انصار کو اس کی جگہ کوئی ایسا شخص منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا جس کے عدل و انصاف کو وہ پسند کرتے ہوں۔

1۔ أصول الكافي: 1/ 437۔

2۔ الأخبار الطوال للدينوري، ص: 194، 196، تاريخ الطبري: 5/ 53، 54، مجموعة الوثائق السياسية، ص: 281، 282۔

صحابی رسول حکیم بن افلح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لأني نهيتها يعنى عائشة أن تقول في هاتين الشيعتين شيئا"[1] یعنی میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان دونوں گروہوں سے متعلق کوئی بات کرنے سے منع کیا تھا. شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی تاریخی لحاظ سے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس دور میں شیعہ نام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبعین اور اعوان وانصار کے لیے مخصوص نہیں تھا[2]

نیز ایک تاریخی اثر یہ بھی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بسر بن ارطاۃ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں کہا "امض حتى تأتي صنعاء فإن لنا بها شيعة"[3] جاؤ حتی کہ تم صنعاء پہنچ جاؤ کیونکہ وہاں ہمارے شیعہ (اتباع وانصار) قیام پذیر ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کے دعوے داروں کا عملی اٹھ اور اس لفظ کو اپنے لیے بطور امتیازی نام اختیار کرنے کا آغاز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شروع ہوا.

چنانچہ معروف شیعہ مورخ مسعودی رقمطراز ہے کہ 65ھ میں کوفہ میں شیعہ حرکت میں آئے پھر توابین کی جماعت قائم ہوئی اور اس کے بعد مختار کی جماعت (کیسانیہ) کھڑی ہوئی اور شیعہ کا گروہ تشکیل پانے لگا وہ اپنے مذہب کے اصول و قواعد بنانے لگے اور اس نام (شیعہ) کو اپنی شناخت وعلامت بنانا شروع کر دیا.[4]

یہاں سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت شیعہ نام ہر اس گروہ کے لیے استعمال ہوتا تھا جو کسی شخص کو اپنا قائد اور سردار بنا کر اس کے ارد گرد جمع ہو جاتا تھا لیکن بعض شیعہ لوگ ان تاریخی حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ اس امت میں سب سے پہلے انہیں کا نام شیعہ تھا[5] لیکن یہ لوگ یہ بات دانستہ فراموش کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اتباع و انصار پر لفظ شیعہ کا اطلاق کیا ہے، البتہ تاریخی واقعات کی رو

1۔ صحيح مسلم :2/ 168، 170-

2۔ منهاج السنة :2/ 67، تحقيق الدكتور محمد رشاد سالم-

3۔ تاريخ اليعقوبي:2/ 197-

4۔ مروج الذهب:3/ 100-

5۔ المقالات و الفرق للقمي،ص: 15،و فرق الشيعة للنوبختي ،ص:18-

سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعہ لقب ان کے متبعین کے حق میں مخصوص ہوا جبکہ بعض دیگر علما کی رائے میں یہ نام شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے اتباع کے لیے معروف ہوا ہے۔[1]

لفظ شیعہ کی اصطلاحی تعریف

معروف شیعہ عالم محمد بن محمد بن النعمان العکبری الملقب بالمفید (شیعہ کے نزدیک اسے مہدی منتظر سے خط کتابت کا شرف حاصل ہے یہ تقریباً دو سو کتابوں کا مصنف ہے اور حافظ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں "ائمہ ضلال میں سے تھا جس کے سبب بڑی مخلوق گمراہی کا شکار ہوگئی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر کے مسلمانوں کو اس سے محفوظ فرمایا)[2] لکھتا ہے "لفظ شیعہ کا اطلاق امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کے ان متبعین پر ہوتا ہے جو ان سے محبت وولاء کا تعلق اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل ہیں اور ان سے پہلے خلافت پر متمکن ہونے والے اشخاص سے امامت اور خلافت کی نفی کرتے ہیں اور وہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ ان سب (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے مقتدیٰ متبوع امام تھے، وہ ان میں سے کسی اور کی اقتدا کی صورت میں اطاعت کرنے والے نہیں تھے" پھر یہ مؤلف ذکر کرتا ہے کہ اس تعریف میں فرقہ امامیہ اور زیدی فرقہ جارودیہ شامل ہیں البتہ دیگر زیدی فرقے اس تعریف کی رو سے شیعہ ہیں نہ انہیں یہ شیعی امتیاز اور تشخص حاصل ہے۔[3]

اس تعریف کا جائزہ

1. شیخ مفید کی اس تعریف میں اولاً علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر ایمان رکھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ ان لوگوں کا نظریہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا، وہ شیعہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے، اسی طرح اس تعریف میں تشیع کے بعض ایسے اساسی پہلوؤں کی صراحت سے بھی چشم پوشی کی گئی ہے جن سے فرقہ شیعہ متصف ہے جیسے مسئلہ

1۔ الميراث عند الجعفرية لمحمد أبو زهرة، ص:22، على سامي النشار:2/ 35-

2۔ الفهرست للطوسي، ص: 190، الفهرست لابن النديم، ص:197، الكنى والألقاب للقمي : 3/ 164، لؤلؤة البحرين للبحراني، ص: 356، تاريخ بغداد للخطيب :3/ 231، المنتظم لابن الجوزي:8/ 11-

3۔ أوائل المقالات، ص: 39-

وصیت وعصمت ائمہ وغیرہ جو فرقہ امامیہ کے اصول وعقائد میں شامل ہیں۔

2. اس تعریف میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مفید نے صراحت کی ہے کہ معتدل زیدی فرقے شیعہ نہیں اور نہ ہی ان پر یہ وصف تشیع صادق آتا ہے البتہ اس کی نظر میں صرف ایک غالی زیدی فرقہ جارودیہ (یہ ایک زیدی فرقہ ہے جو ابوالجارود زیاد بن المنذر الہمدانی الکوفی الاعمٰی کی طرف منسوب ہے اس (ابوالجارود) سے متعلق امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ رافضی تھا جو اصحاب رسول ﷺ کے عیوب ونقائص میں احادیث بنا کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا اور فرقہ جارودیہ کا نظریہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تعیین وتسمیہ کے بغیر خلافت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارے اور بعض اوصاف کے ذریعے وصیت فرمائی تھی لیکن امت گمراہی کا شکار ہوگئی اور امر خلافت کسی دوسرے کو سونپ کر کفر کی مرتکب ہوئی ہے، فرقہ جارودیہ اور اس کے بانی سے متعلق رجال کشی نامی کتاب میں ابوالجارود کی مذمت میں چھ روایات منقول ہیں جن میں سے بعض مرویات میں اسے کذاب اور کافر بھی کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود شیعہ عالم مفید اسے شیعہ گردانتا ہے کیونکہ اس کی تعریف کی رو سے اس سے مراد یہی غلو آمیز عقیدہ ہے)[1] اس تعریف کے مطابق شیعہ کہلانے کا حق دار ہے اور صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اس نے تو اپنی تعریف میں تمام غالی فرقوں کے لئے تشیع کا دروازہ کھول دیا ہے۔

3. اسی طرح شیعہ عالم مفید کا تعریف میں یہ کہنا" وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) حقیقت میں ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متبوع امام تھے اور اقتدا کی صورت میں ان (خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کے تابع نہیں تھے" اس میں شیعہ مذہب کے ایک بنیادی عقیدے تقیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ شیعہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ صرف ظاہری طور پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اطاعت گزار تھے جبکہ باطن میں وہ ان کے متبوع امام تھے لہذا شیعہ عالم مفید اور شیعہ کی نظر میں خلفائے ثلاثہ کے حق میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت واطاعت حقیقتاً اقتدا کی خاطر نہ تھی بلکہ وہ تقیہ کے طور پر دلی اعتقاد کے بغیر محض ظاہری طور پر ان کی موافقت تھی۔

1۔رجال کشی ص:151، 229، 230،الفہرست للطوسی،ص: 192،جامع الرواۃ للأردبیلی:1/ 339،الکنی والألقاب للقمی:1/ 30۔

4. مذکورہ بالا تعریف میں مفید کا یہ کہنا "رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت علی بلا فصل کا اعتقاد رکھنا" تو اس کی بنیاد خلفائے ثلاثہ کی صحت خلافت سے شیعہ کا انکار ہے اسی شیعہ عالم مفید نے اس بات کو اپنی ایک دوسری کتاب "الارشاد" میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے جو فرقہ اثنا عشریہ کے قابل اعتماد مصادر میں شمار ہوتی ہے اور اس پر امامیہ کے متقدمین اور متاخرین تمام علماء نے اعتماد کیا ہے یہ کتاب ان کے نزدیک اپنے موضوع کا اہم ترین اور معتبر مصدر ہے جسے ان کے نزدیک بڑی اہمیت اور اعتماد حاصل ہے [(1)]. لکھتا ہے "امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تیس سال خلیفہ اور امام تھے اس مدت کے دوران چوبیس سال اور چھ مہینے تو اقتدار اور تصرف پر بظاہر قادر نہیں تھے اور اس دوران میں تقیہ اور مصلحت سے کام لیتے رہے، پھر وہ پانچ سال اور چھ مہینے منافقین (ناکثین، قاسطین اور مارقین) [(2)] سے مصروف جہاد رہے.

نیز کئی گمراہ لوگوں کے فتنوں سے دوچار اوران کے فساد سے نبرد آزما رہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت کے تیرہ سال تک تصرف و اقتدار سے محروم اور ڈرے ہوئے قیدی کی طرح ادھر ادھر بھاگ کر بے چارگی کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس دوران میں کفار کے خلاف جہاد اور مسلمانوں کا دفاع کرنے پر قادر نہیں تھے پھر آپ نے ہجرت کی اور مدینے میں اقامت کے دوران مشرکین کے خلاف جہاد میں مشغول اور منافقین کی سازشوں میں مبتلا رہے حتی کہ وفات پا گئے اور اللہ تعالی نے آپ کو نعمتوں والی جنت میں جا ٹھہرایا. [(3)]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مفید کی نظر میں صرف وہ شخص شیعہ کہلانے کا حق دار ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت وفات رسول ﷺ سے لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات تک قائم تھی اور شیعہ عالم عبد اللہ شبر مذہب شیعہ کی تعریف میں اس بات کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے "جان لو! لفظ شیعہ کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے

1۔ مقدمة الإرشاد، ص: 7، بحار الأنوار: 1/ 27-

2 ۔ ناکثین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے مدینے میں علی کی بیعت کی اور بصرہ جا کر اسے توڑ دیا، قاسطین سے مراد معاویہ اور ان کے شامی اصحاب ہیں، مارقین سے مراد خوارج ہیں۔ (معانی الأخبار، ص: 20)

3۔ الإرشاد، ص: 12-

خلیفہ بلا فصل ہونے کا معتقد ہے[1] اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت و امارت درست نہیں۔

اس تعریف کی رو سے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف تین صحابہ پر شیعیت کا اطلاق درست قرار پاتا ہے جبکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شیعہ کی نظر میں (معاذ اللہ) کفار اور اُن مشرکین کی مانند ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھے، نیز ان کی حکومت ایک کفریہ حکومت ہے جس کے دوران علی رضی اللہ عنہ تقیہ اور نفاق کے پردے میں چھپ کر زندگی بسر کرتے رہے۔ بتایئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ، اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور خود اسلام کی اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔

شیعہ مذہب کی تیسری تعریف

مفید اگرچہ شیعہ کی تعریف میں مسئلہ وصیت خلافت کی صراحت نہیں کرتا لیکن ایک دوسرا شیعہ عالم طوسی (ابو جعفر محمد بن الحسین بن علی القوی، شیعہ امامیہ کے ہاں بہت بڑا عالم اور روسا میں شمار ہوتا ہے جو شیعہ کی چار معتبر کتابوں میں سے دو " تہذیب الأحکام " اور " الاستبصار " کا مؤلف ہے) وہ شیعیت کی تعریف میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری قرار دیتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے ارادے اور وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مسلمانوں کے خلیفہ تھے، معلوم ہوا طوسی وصیت خلافت کو شیعی مذہب کی بنیاد قرار دیتا ہے اسی لیے وہ ایک زیدی فرقے "سلیمانیہ" کو شیعہ تسلیم نہیں کرتا۔

(سلیمانیہ ایک زیدی فرقہ ہے جو سلیمان بن جریر الزیدی کی طرف منسوب ہے اور اکثر مولفین فرق اسے سلیمانیہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور بعض مؤلفین اسے "جریریہ" نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور بعض نے صراحت کی ہے کہ اس فرقے کو ان دونوں ناموں سے ہی ذکر کیا جاتا ہے)[2] کیونکہ وہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت نبوی کے قائل نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ امامت ایک شورائی امر ہے، جو دو نیک مسلمان مردوں کے قائم

1۔ حق الیقین: 1/ 195۔

2۔ مقالات الإسلامیین: 1/ 143، اعتقادات فرق المسلمین، ص: 78، الملل والنحل للشهرستانی: 1/ 159، التبصیر في الدین، ص: 71، الخطط للمقریزی: 2/ 353، الفرق بین الفرق، ص: 22، المنیة والأمل، ص: 90۔

کرنے سے بھی درست ہوتی ہے اور یہ کبھی افضل کی موجودگی میں مفضول کے لیے بھی درست ہوتی ہے، اور یہ لوگ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔[1] بنابریں یہ لوگ نہ صرف اس فرقے کو دائرہ شیعیت سے خارج سمجھتے ہیں بلکہ وہ انہیں ناصبی قرار دیتے ہیں۔[2]

اور ناصبی وہ لوگ ہیں، جن کے عقیدے میں علی رضی اللہ عنہ کی نفرت وعداوت شامل ہوتی ہے لیکن شیعہ رافضہ نصب کا ایک مختلف مفہوم بیان کرتے ہیں حتی کہ جو شخص صرف ابو بکر و عمر سے محبت رکھتا ہے، وہ بھی شیعہ کے نزدیک ناصبی (دشمن علی) ہے[3] بلکہ جو شخص سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم و مفضل رکھتا ہے، وہ بھی ان کے نزدیک ناصبی ہے۔[4]

اسی پر بس نہیں بلکہ رجال کشی میں یہاں تک لکھا ہے کہ فرقہ زیدی نواصب سے بھی بدتر ہے[5] فرقہ اثنا عشریہ کے ہاں دیگر زیدی فرقوں کا بھی یہی حکم ہے جو فرقہ سلیمانیہ کی رائے کے حامل ہیں جیسے فرقہ صالحیہ اور بتریہ وغیرہ، صالحیہ سے حسن بن صالح بن حی کے اصحاب واتباع مراد ہیں اور بتریہ سے مراد کثیر النوی الابتر کے متبعین ہیں، امامت سے متعلق ان دونوں فرقوں اور سلیمانیہ کی رائے ایک ہی ہے اسی لیے علامہ شہرستانی نے انہیں ایک ہی فرقہ شمار کیا ہے کیونکہ دونوں ایک ہی عقیدے کے پیروکار ہیں اور اشعری نے بھی انہیں "بتریہ" کے نام سے ذکر کیا اور کہا ہے کہ یہ لوگ مردوں کے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آنے کے منکر ہیں اور علی کو اس وقت کا خلیفہ و امام تسلیم کرتے ہیں، جب لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی۔[6]

بعض شیعہ معاصر علماء بھی طوسی والا موقف رکھتے ہیں چنانچہ وہ صرف اسی کو شیعہ سے متصف گردانتے

1۔ مقالات الإسلاميين للأشعري :1/ 143۔

2۔ التهذيب للطوسي ،1/ 364، الوسائل الشيعة للحر العاملي: 4/ 288۔

3۔ مجموع الفتاوى لابن تيمية: 5/ 112۔

4۔ السرائر لابن إدريس،ص: 471، الوسائل الشيعة للحر العاملي: 6/ 341، 342۔

5۔ رجال الكشي ،ص: 459۔

6۔ مقالات الإسلاميين للأشعري :1/ 144، الملل والنحل للشهرستاني :1/ 161۔

ہیں جو خلافت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت نبوی کا قائل ہے۔ یہ شیعہ مولف لکھتا ہے "جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ہی تصریح نبوی کے مطابق خلیفہ تھے صرف اسی پر شیعہ نام کا اطلاق ہوتا ہے۔"[1]

قابل غور بات یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک مسئلہ وصیت خلافت جدید و قدیم ہر دور میں بڑی توجہ کا حامل رہا ہے مثلاً متقدمین شیعہ علماء میں سے کلینی نے اپنی کتاب "الکافی" میں مسئلہ نص سے متعلق تیرہ ابواب قائم کیے ہیں جن کے ضمن میں اس نے ایک سو نو احادیث ذکر کی ہیں[2] اسی طرح عہد حاضر میں ایک رافضی نے خلافت علی کے سلسلے میں اثبات وصیت سے متعلق جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک روایت غدیر کے بارے میں ہے اور اس نے سولہ جلدوں میں ایک کتاب "الغدیر" کے نام سے تالیف کی ہے اور یہ کتاب معاصر شیعہ عالم عبدالحسین الامینی النجفی کی تحریر کردہ ہے، جو جھوٹ اور کفر صریح سے بھری ہوئی ہے۔

شیعہ کا وصفِ تشیع کو مسئلہ وصیت سے مربوط کرنے میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ایسا ہی اہتمام اور مبالغہ شیعہ کے دیگر ان عقائد میں بھی موجود ہے، جو عام مسلمانوں کے نزدیک تعجب خیز اور جھوٹے عقائد و نظریات ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ اپنے ہر ایسے غلو آمیز عقیدے کو شیعہ مذہب کی اساس قرار دیتے ہیں اور اس کے اثبات میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں لیکن جب یہی شیعہ علماء شیعیت کی تعریف بیان کرتے ہیں تو اپنے انہی اساسی عقائد کا تعریف میں ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ ان کے نزدیک شیعیت سے متصف ہونے کے لیے ان عقائد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اس کے بغیر شیعہ بننا ممکن ہی نہیں ہوتا، مثال کے طور پر ایک مسئلہ رجعت ہے جس کے بارے میں انھوں نے اپنی احادیث میں کہا ہے "جو شخص ہمارے عقیدہ رجعت پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہم سے نہیں ہے۔"[3]

1۔ الشيعة في الميزان، ص: 15۔

2۔ أصول الكافي: 1/ 286، 328۔

3۔ من لا يحضره الفقيه لابن بابويه: 3/ 291، تفسير الصافي: 1/ 347، بحار الأنوار للمجلسي: 53/ 92۔

لیکن اتنی اہمیت کے باوجود شیعہ مذہب کی تعریف میں ہم اس عقیدے کا ذکر تک نہیں، اسی طرح مسئلہ عصمت اور اولادِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایمان وغیرہ کا عقیدہ ہے بلکہ شیعہ کا یہ غلو آپ کو ان کے فقہی مسائل اور فروعی معاملات تک میں نظر آئے گا جیسے مسئلہ متعہ ہے تو اس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے "جو شخص ہمارے متعہ کو حلال نہیں سمجھتا وہ ہم سے نہیں ہے"[1] معلوم ہوا کہ شیعہ قوم اپنے مذہب کی تعریف کے سلسلے میں کسی معقول اور صحیح منہج پر گامزن نہیں ہے۔

علاوہ ازیں شیعہ کی قدیم وجدید کتب میں شیعیت کی دیگر تعریفات بھی منقول ہیں لیکن ان سب میں ہماری ذکر کردہ تعریفات سے زائد کوئی چیز نہیں ہے، میری نظر میں شیعہ مذہب کی تعریف بنیادی طور پر ان کی نشو ونما کے مختلف حالات اور ان کے عقائد میں رونما ہونے والے تدریجی تغیر کے مختلف مراحل سے مربوط ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعی عقائد وافکار ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں چنانچہ عصر اول میں تشیع کا مفہوم اور تھا اور اس کے بعد تشیع کا مطلب کچھ اور ہو گیا، مثلا اولین زمانے میں شیعہ صرف اس شخص کو کہتے تھے جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا ہے اس لیے کسی کو شیعی کہتے تھے اور کسی کو عثمانی، شیعی سے مراد وہ شخص تھا جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا تھا اور عثمانی سے مراد وہ شخص تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا تھا.[2] اس بنیاد پر عہد اولین میں شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو محض علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کرتے ہیں یہ لوگ اگرچہ شیعہ نام سے موسوم تھے لیکن پھر بھی وہ اہل سنت میں شامل تھے کیونکہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے پر فضیلت وفوقیت دینا کوئی ایسا اصولی مسئلہ نہیں کہ جس کی بنیاد پر دوسرے کو گمراہ کہا جاسکے البتہ مسئلہ خلافت کی بنا پر ضرور مخالف کو گمراہ کہا جائے گا۔

بعض اہلسنت کے درمیان ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو متفقہ طور پر مقدم کرنے کے بعد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی بابت اختلاف تھا کہ دونوں میں کون افضل ہے؟ تو کسی نے عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل کہا اور اس مسئلے میں سکوت اختیار کیا یا

1۔ من لا يحضره الفقيه لابن بابويه:3/ 291، وسائل الشيعة:7/ 438، بحار الأنوار للمجلسي :53/ 92.

2۔ الحور العين لنشوان الحميري، ص: 179، المنية والأمل لابن المرتضى ،ص:81.

علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر رکھا، اور کسی گروہ نے علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہا اور ایک گروہ نے اس مسئلے میں موقف اختیار کیا لیکن پھر اہل سنت کے ہاں یہ بات طے ہوئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔[1] اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے شیعہ جو علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تھے وہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دیتے تھے۔[2]

شریک بن عبد اللہ نے جنہیں شیعہ کہا جاتا تھا ایسے شخص کو شیعہ کہنے سے منع کیا تھا جو علی رضی اللہ عنہ کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتا ہے کیونکہ یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں تواتر سے منقول امر کے خلاف ہے ان کے نزدیک تشیع سے مراد معاونت اور متابعت ہے نہ کہ مخالفت اور کسی سے نفرت وعداوت کی بنا پر ترک تعلق کرنا۔

امام ابن بطہ، عبد اللہ بن زیاد بن جدیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب ابو اسحاق سبیعی کوفہ تشریف لائے تو شمر بن عطیہ نے ہمیں کہا کہ ان کے پاس جاؤ چنانچہ ہم ان کے پاس بیٹھے تو لوگوں سے گفتگو کے دوران امام ابو اسحاق فرمانے لگے "جب میں کوفہ سے نکلا تھا تو کوئی ایک شخص بھی اس بارے میں متردد نہیں تھا کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل اور مقدم ہیں، لیکن اب جب میں آیا ہوں تو وہ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟[3]

علامہ محب الدین خطیب فرماتے ہیں کہ یہ بڑی اہم صریح تاریخی عبارت ہے جو شیعیت کے مختلف مراحل کی تحدید کرتی ہے ابو اسحاق شیعی کوفہ شہر کے بہت بڑے عالم تھے یہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ان کی شہادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور طویل عمر پا کر 127ھ کو فوت ہوئے چنانچہ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت ابھی بچے ہی تھے حتی کہ وہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے اوپر اٹھایا تو میں نے علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا اس وقت ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔

اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کب کوفہ سے نکلے اور کب دوبارہ وہاں گئے تو ہمیں وہ وقت با آسانی معلوم ہو سکتا تھا جب کوفہ کے شیعہ لوگ حقیقتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفصیل سے متعلق اپنے امام

1۔ مجموع الفتاوی لابن تیمیة :3/ 153، فتح الباری لابن حجر: 7/ 34۔

2۔ منهاج السنة لابن تیمیة :2/ 60۔

3۔ المنتقی ،ص: 36۔

(علی رضی اللہ عنہ) کی رائے کے مطابق ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ کب ان سے الگ ہونا شروع ہوئے اور ان کے اس راسخ عقیدے کے خلاف جانے لگے جو ان کے ایمان میں داخل تھا جس کا وہ کوفہ کے منبر پر اعلان کرتے تھے یعنی یہ کہ وہ ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء، وزیر اور بہترین زمانے میں امت کے معاملے میں ان کے افضل ترین جانشین تھے۔ [1]

لیث بن ابی سلیم فرماتے ہیں "میں نے اولین شیعہ کو دیکھا ہے وہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر کسی بھی شخص کو فضیلت و فوقیت نہیں دیتے تھے"[2] مختصر تحفہ اثنا عشریہ (یہ کتاب حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی تعریب ہے) کے مؤلف رقم طراز ہیں:

وهم عبارة عن الذين كانوا في وقت خلافة الأمير كرم الله وجهه من المهاجرين والأنصار والذين تبعوهم بإحسان، كلهم عرفوا له حقه، وأحلوه من الفضل محله ولم ينتقصوا أحدا من إخوانه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فضلا عن إكفاره وسبه. [3]

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جتنے بھی مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی پیروی کرنے والے تھے وہ سب ان کی قدر و منزلت کو پہچانتے اور انھیں ان کے شایان شان مقام فضیلت پر فائز رکھتے تھے اور یہ سب لوگ کسی صحابی رسول کی تنقیص کو روا نہیں سمجھتے تھے چہ جائے کہ ان کی تکفیر کرتے یا انھیں سب و شتم کا نشانہ بناتے"۔

لیکن شیعہ مذہب ہمیشہ اسی پاکیزگی اور سلامتی پر قائم نہ رہا بلکہ شیعیت کا نقطہ نظر بدل گیا تو یہ مختلف گروہ بن گئے اور شیعیت ایسی آڑ بن گئی جس کے پیچھے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے

1۔ المنتقى ،ص:360، 361-

2۔ المنتقى ،ص:360، 361-

3۔ مختصر التحفة الاثنا عشرية، الشيعة المخلصون،ص:3، ط: المطبعة السلفية، القاهرة

باآسانی چھپ جاتے تھے اسی لیے بعض ائمہ دین سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر طعن و تشنیع کرنے والے کو شیعہ نہیں بلکہ رافضہ کہا کرتے تھے کیونکہ وہ شیعہ لقب کے حق دار نہیں تھے۔

جو شخص بھی شیعہ مذہب کے عقائد میں رونما ہونے والے تدریجی تغیر سے آگاہ ہے تو اس کے نزدیک ائمہ محدثین اور دیگر علمائے امت پر جو اہل سنت میں شامل تھے شیعہ لقب کا اطلاق کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے کیونکہ سلف امت کے زمانے میں شیعیت کا مفہوم بعد میں پیدا ہونے والے شیعہ مذہب کے مفہوم سے یکسر مختلف تھا اسی لیے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ محدثین پر بدعت تشیع کے الزام سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

بدعت صغریٰ: جیسے تشیع میں غلو کرنا یا جیسے غلو کے بغیر ہی شیعیت کو اختیار کرنا۔

یہ تابعین اور ان کے اَتباع میں تدین، ورع اور صدق کے باوجود بہت زیادہ تھی اگر اس جماعت کی احادیث کو رد کیا جائے تو احادیث نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا اور اس میں واضح خرابی ہے۔

بدعت کبریٰ: جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر زبان درازی اور اس مذہب کی تبلیغ۔

اس قسم کے لوگوں کی روایت سے احتجاج (استدلال) نہیں کیا جا سکتا بلکہ تائید کے طور پر بھی ان کی روایت ذکر نہیں کی جا سکتی، نیز اس قماش کے لوگوں میں سے میں ایک آدمی بھی نہیں جانتا جو صادق اور امانت دار ہو بلکہ جھوٹ، تقیہ اور نفاق ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے ایسے لوگوں کی نقل کردہ بات کو قبول کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ قطعاً نہیں، زمانہ سلف میں ان کی اصطلاح میں غالی شیعہ وہ ہوا کرتا تھا جو عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ اور علی رضی اللہ عنہم سے لڑنے والے دوسرے لوگوں پر حرف گیری اور ان کو سب و شتم کرنے کے درپے ہوتا تھا لیکن ہمارے زمانے اور معاشرے میں غالی شیعہ وہ شخص ہے جو ان سادات دین کی تکفیر کرتا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے برأت کا اظہار کرتا ہے، ایسا شخص یقیناً گمراہ اور افتراپرداز ہے۔[1] مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ جیسے شیعہ کے مختلف فرقے اور متعدد گروہ ہیں، اسی طرح شیعیت کے مختلف درجات و حالات اور متعدد تاریخی

1۔ میزان الاعتدال للذهبی: 1/ 5، 6، لسان المیزان لابن حجر: 1/ 9، 10۔

مراحل ہیں، ان میں سے ایک فرقہ اثنا عشریہ ہے جن کے عقیدے اور دین کا ماخذ اصول اربعہ ہیں:

1. الکافی 2. تھذیب 3. الاستبصار 4. من لا یحضرہ الفقیہ

(یہ کتب شیعہ کے ہاں اسی طرح معتبر ہیں، جیسے اہلسنت کے ہاں کتب ستہ کا مقام ہے) اور انہی جیسی بعد میں لکھی گئی چار معتبر کتابیں:

1. الوافی 2. البحار 3. الوسائل 4. مستدرک الوسائل

اور شیعہ علما اسی درجے میں دیگر کتابوں کو بھی قرار دیتے ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

شیعہ مذہب کی تعریف کی بحث ختم کرنے سے پہلے ہم یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ کتب فرق میں وارد شیعہ کی مختلف تعریفات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہر ایک نے شیعہ (امامیہ) کی تعریف میں پے در پے یہی کہا ہے کہ ان سے مراد علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں یہ تعریف ایک انتہائی غلط نتیجے کا سبب بنتی ہے جو اجماع امت کے بھی خلاف ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیعہ تھے جو موجودہ شیعہ کے عقائد و نظریات کے حامل تھے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنی اولاد سے متعلق شیعہ کے عقائد سے یقینی طور پر بری ہیں اسی لیے شیعہ کی تعریف میں اسی قید کا ہونا ضروری ہے جو ایسے ابہام واشکال کا سبب نہ بنے چنانچہ کہا جائے گا کہ "**شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے کا دعوی کرتے ہیں لیکن وہ حقیقت میں ان کے پیروکار نہیں اور نہ علی رضی اللہ عنہ ان کے اختیار کردہ عقائد کے حامل تھے**" یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری اور گروہ بندی کے دعوے دار ہیں یا وہ رافضہ ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اس لیے بعض اہل علم نے شیعہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیعہ سے مراد رافضہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی پیروی کرنے والے شیعہ کی طرف بزعم خویش منسوب ہیں لیکن یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقتاً اطاعت گزاری اختیار کرنے والے شیعہ کے عقیدے و نظریے پر گامزن نہیں ہیں بلکہ یہ تو صرف دعوے داری کی حد تک شیعہ جبکہ حقیقت میں رافضہ ہیں۔[1]

1۔ منہاج السنۃ: 2/ 106۔

بعض رافضی قدیم وجدید ہر دور میں یہ دعوی کرتے رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بذات خود شیعیت کا بیج بویا اور یہ مذہب آپ کی زندگی میں معرض وجود میں آیا تھا چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیات نبوی میں علی رضی اللہ عنہ سے تشیع اور خصوصی محبت کا تعلق رکھتے تھے چنانچہ ایک شیعہ عالم قمی رقم طراز ہے:

"تمام فرقوں میں سب سے پہلے شیعہ فرقہ نمودار ہوا جس سے مراد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے انہیں زمانہ رسالت اور بعد میں شیعان علی کہا جاتا تھا یہ لوگ انہی کی پیروی اور ان کی امامت کے قائلین کے طور پر معروف و مشہور تھے ان میں مقداد بن اسود کندی، سلمان فارسی، ابوذر، جندب بن جنادہ غفاری اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں یہی لوگ ہیں جنہیں اس امت میں سب سے پہلے شیعہ لقب سے موسوم کیا گیا تھا".[1]

نیز محمد حسین آل کاشف الغطا (المتوفی 1373ھ) لکھتا ہے:

"اسلام کے کھیت میں سب سے پہلے خود صاحب شریعت رسول اللہ ﷺ نے شیعہ مذہب کا بویا تھا یعنی شیعہ مذہب کی بنیاد دین اسلام کی بنیاد کے پہلو بہ پہلو رکھی گئی تھی (یہاں یہ خود اعتراف کر رہا ہے کہ شیعیت کی بنیاد اسلام کی بنیاد سے الگ رکھی گئی ہے) پھر اس کو کاشت کرنے والا خود ہی اس کو اپنی نگہداشت میں پروان چڑھاتا رہا تھا کہ یہ ان کی زندگی ہی میں تنومند درخت بن گیا اور ان کی وفات کے بعد پھل آور بن گیا.[2]

اسی طرح دیگر کئی شیعہ معاصر علماء بھی اسی رائے کے قائل ہیں.[3]

شیعہ کی اس رائے کا جائزہ

1. غور کریں کہ اس رائے کا اظہار سب سے پہلے قمی نے "المقالات والفرق" میں اور نوبختی نے "فرق

1۔ المقالات والفرق، ص:15۔

2۔ أصل الشيعة، ص: 43۔

3۔ أعيان الشيعة:1/ 13، 16، الاثنا عشرية وأهل البيت، ص: 29، تاريخ الفقه الجعفري،ص: 105۔

الشیعۃ" میں کیا ہے غالباً یہ رائے اس لیے معرض وجود میں آئی کیونکہ بعض علماء اسلام نے شیعہ مذہب کے آغاز کا سبب غیر اسلامی اصول و عقائد کو ٹھہرایا ہے کیونکہ اس پر واضح قرائن موجود ہیں جو اس امر کو ثابت کرتے ہیں اسی بنا پر شیعہ نے اپنے مخالفین کے اس دعوے کی تردید کرنے کے لیے اسے شرعی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور ایسے دعوے کیے پھر انہیں ہر طریقے سے ثابت کرنے کی کوشش کی چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں کثرت سے روایات گھڑ کر ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ احادیث اہل سنت کے طرق و اسانید سے مروی ہیں حالانکہ ان روایات کو ائمہ سنت اور ناقلین شریعت میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا بلکہ اکثر یہ روایات موضوع ہیں یا ان کی اسانید میں طعن کیا گیا ہے یا یہ روایات شیعہ کی فاسد تاویلات سے بالکل کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور اہل سنت کی کتب موضوعات میں ایسی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہیں، جو روافض کی وضع کردہ ہیں.(1)

2. کتاب و سنت میں اس رائے کی قطعاً تو کوئی دلیل ہے نہ ہی اس کی کوئی تاریخی سند موجود ہے بلکہ یہ رائے اصول دین سے بعید اور محکم تاریخی حقائق کے منافی ہے کیونکہ دین اسلام اس امت کو مساوی طور پر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے آیا تھا نہ کہ اسے گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں بانٹنے کے لیے معرض وجود میں آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی شیعہ سنی کی قطعاً ایسی کوئی تقسیم نہ تھی، ارشاد باری تعالی ہے:

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ"(2)

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا.

ایسے متواتر تاریخی حقائق موجود ہیں جو اس رائے کے بے ہودہ ہونے کو آشکارا کرتے اور اسے خلاف حقیقت ثابت کرتے ہیں جیسے یہ حقیقت ہے کہ ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں شیعہ مذہب کا کوئی وجود نہیں تھا شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ خلافت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کوئی شخص نہ

1۔ الموضوعات لابن الجوزی :1/ 338، الفوائد المجموعۃ لشوکانی ،ص: 342، المقدمۃ لابن خلدون: 2/ 527۔

2۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ:85۔

توشیعہ کہلاتا تھااور نہ کسی کی طرف شیعہ لقب کی نسبت کی جاتی تھی.[1]

اور یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا اقرار مجبوراً بعض شیعہ علماء نے بھی کیا ہے حالانکہ یہ لوگ متواتر حقائق کا انکار کرنے کے عادی ہیں، اپنے زمانے کا شیعہ مرجع اور مجتہد اکبر محمد حسین آل کاشف الغطاء کہتا ہے "شیعہ اور شیعیت کے لیے (عہد ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں) ظاہر ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ اس وقت اسلام اپنے مضبوط اصول و مناہج کے مطابق رواں دواں تھا.[2] اسی طرح ایک اور شیعہ عالم محمد حسین عاملی اعتراف کرتا ہے "جب خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو لفظ شیعہ بے معنی ہو کر رہ گیا اور خلیفہ ثالث کے آخری ایام تک تمام مسلمان ایک ہی جماعت بنے رہے.[3]

ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ اس لیے بے کار ہو گیا کیونکہ اصلاً اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا آخر یہ لفظ کیوں بے معنی اور مخفی نہ ہوتا جبکہ ان کی حکومت تمہارے نزدیک کفر پر قائم تھی؟ جیسا کہ تمہاری کتابوں میں تواتر سے یہ بات منقول ہے کیا یہ ممکن ہے کہ عہد رسالت میں تو مسلمان مختلف گروہوں میں منقسم ہوں اور خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں ایک ہی جماعت بن گئے ہوں؟

3. ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ شیعہ مذہب عمار بن یاسر، ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم کے مجموعے کا نام تھا تو کیا یہ لوگ دعویٰ وصیت، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر یا ان سے اظہار برأت اور انہیں سب و شتم کرنا یا ان سے نفرت کرنا وغیرہ جیسے شیعی عقائد کے قائل تھے؟ قطعاً نہیں. ایسی کسی بات کا کوئی وجود نہیں ہے، شیعہ نے ایسے جتنے دعوے بھی کیے اور ان سے اپنی کتابوں کے اوراق سیاہ کئے ہیں وہ صرف ان کے اوہام و وساوس ہیں جنہیں اعدائے دین اور حاسدین اسلام کی خواہشات نے تراشا ہے، مثلاً ان لوگوں کا کہنا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہما نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے کے لیے اپنے سروں کو مونڈ لیا تھا.[4]

1۔ منهاج السنة: 2/ 64۔

2۔ أصل الشيعة، ص: 48۔

3۔ الشيعة في التاريخ، ص: 39، 40۔

4۔ رجال كشي، ص: 133، رقم: 210۔

ان کی ایسی باتوں سے کئی مجلدات بھری پڑی ہیں، مذکورہ بالا روایت میں غور کریں کہ شیعہ نے اس میں زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ زبیر رضی اللہ عنہ تو ان لوگوں بھی شامل تھے جنہوں نے بعد میں علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی علاوہ ازیں یہ لوگ اسی سلسلے میں ابوذر، عمار اور آل بیت کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں، اگر یہ لوگ دعویٰ کریں کہ عمار، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم امام علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہونے کی بنا پر ان کے سلف تھے تو انہیں صحابہ کرام کا طرز عمل انہیں جھٹلانے کے لیے کافی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے کبھی نہ اظہار برأت کیا تھا نہ انھیں سب وشتم کا نشانہ بنایا اور مزید یہ کہ عمار رضی اللہ عنہ کوفہ پر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گورنر بنے ہوئے تھے۔[1] یہ تمام محکم تاریخی حقائق گذشتہ صدیوں میں شیعہ دعاوی کی تعمیر کردہ عمارت کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں.

4. علامہ موسیٰ جار اللہ شیعہ کی اس رائے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں" یہ شیعہ کوئی ایک بے ہودہ مغالطہ ہے جو ہر طرح کے ادب وحیا سے عاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا اور الفاظ سے کھلواڑ ہے. پھر اس شیعی قول "خود صاحب شریعت نے اسلام کے کھیت میں شیعہ مذہب کا بیج بویا تھا" پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسا بیج بویا تھا جس سے طعن وتشنیع اور خیار امت اور صحابہ کرام کی تکفیر کی شاخیں نمودار ہوئیں؟ پھر اس نظریے کی شاخیں پھوٹیں کہ منافق صحابہ کے ہاتھوں قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور امت کا اتفاق گمراہی پر ہوا جبکہ رشد وہدایت اس کے خلاف چلنے پر موقوف ہیں حتی کہ یہ عقیدہ شیعہ ضلالت کی گہری تاریکی میں روپوش ہو گیا؟[2]

شیعہ کی تیسری رائے

بعض لوگ شیعہ مذہب کے ظہور کی ابتدائی تاریخ یوم الجمل کو بتاتے ہیں، چنانچہ ابن ندیم کہتا ہے:
"علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑائی کرنے کا قصد کیا حتی کہ وہ دونوں امر الٰہی کی طرف پلٹ آئیں

1۔ أسد الغابة لابن الأثیر:4/ 46، الإصابة لابن حجر :2/ 506، المنیة والأمل، ص:124، 125، طبقات ابن سعد:4/ 87۔

2۔ الوشیعة ، ص: مه ۔ بحوالہ: آئینہ مذہب شیعہ، از ڈاکٹر ناصر بن عبد اللہ القفاری، ص86، ط: کراچی۔

تو اس وقت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ آنے والوں کا نام شیعہ رکھا اور انہیں اپنا شیعہ کہا تھا آپ نے اس کے علاوہ ان کے اور نام "الاصفیاء ، الاولیاء، شرطة الخميس اور الأصحاب" بھی رکھے تھے۔[1]

میری معلومات کے مطابق ابن ندیم اس رائے میں منفرد ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ لفظ کے لغوی معانی اَتباع و انصار اور علی کے معاونین و متبعین پر شیعہ لفظ کے اطلاق کی ابتدائی تاریخ کا تذکرہ کر رہا ہے نیز یہ کہ علی رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں اپنا شیعہ کہہ کر اس لقب سے ملقب کیا تھا لیکن اس قول سے شیعہ مذہب کے فکری و نظریاتی اصولوں کے آغاز سے متعلق کوئی رہنمائی نہیں ملتی کیونکہ یہاں انہوں نے شیعہ کو اس کے لغوی معنی انصار و معاونین میں استعمال کیا ہے اسی لیے اس کے ساتھ ہی ان کے لیے دیگر القاب اصحاب و اولیاء وغیرہ بھی استعمال کیے، جو اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں نیز تاریخی معاہدات بھی یہی ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح شیعہ لقب علی رضی اللہ عنہ نے استعمال کیا تھا ویسے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اَتباع و انصار کے حق میں یہ لفظ بولا تھا۔

ایک معاصر شیعہ عالم ڈاکٹر مصطفی کامل شیبی، ابن ندیم کی اس رائے " علی رضی اللہ عنہ نے بذات خود اپنے ساتھیوں کے لیے شیعہ لقب استعمال کیا تھا" کو تعجب خیز قرار دیتے ہیں[2] لیکن معلوم نہیں علی کے اپنے ساتھیوں کو شیعہ کہنے میں تعجب اور حیرانی والی کیا بات ہے؟ اسی طرح ایک اور شیعہ عالم ڈاکٹر نشار، ابن ندیم کے کلام میں قدرے غلو کی آمیزش بتاتے ہیں[3] لیکن اس نے اس غلو کی کوئی وضاحت نہیں کی۔

شیعہ مذہب کے آغاز کے بارے میں غیر شیعہ لوگوں کی آراء

پہلا قول: شیعہ مذہب وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظہور پذیر ہوا جب کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامت و خلافت کا سب سے زیادہ حق دار خیال کیا، یہ متقدمین اور معاصرین میں سے ایک جماعت کی رائے ہے جن میں علامہ ابن خلدون، احمد امین اور بعض مستشرقین شامل ہیں، ان لوگوں کی رائے بعض لوگوں کی نقل کردہ اس

---

1 - الفهرست لابن النديم،ص: 185-

2 ـ الصلة بين التصوف والتشيع ،ص: 18-

3 ـ نشأة الفكر الفلسفي:2/ 32-

بات پر مبنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ آپ کے رشتے دار خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، چنانچہ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں" جان لو کہ اس (شیعہ) حکومت و سلطنت کا آغاز اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اہل بیت نے سمجھا کہ وہی امر خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ منصب خلافت دوسروں کے علاوہ ان کے مردوں کے لیے مخصوص ہے.[1]

احمد امین رقم طراز ہے "شیعہ مذہب کی اساس وہ جماعت تھی جنہوں نے یہ سمجھا کہ وفات نبوی ﷺ کے بعد ان کے اہل بیت تمام لوگوں سے زیادہ ان کی جانشینی اور خلافت کا حق رکھتے ہیں.[2] ڈاکٹر علی خربوطلی کہتے ہیں" ہماری رائے میں شیعہ مذہب کا آغاز اس وقت ہوا جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بجائے خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مل گئی.[3] اسی طرح محمد عبد اللہ عنان نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے.[4] بعض مستشرقین نے بھی ایسی ہی آراء کا اظہار کیا ہے".[5]

اس رائے کا جائزہ

اس رائے کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ وفات نبوی کے بعد یہ رائے موجود تھی کہ نبی کریم ﷺ کے قرابت دار امامت و خلافت کے زیادہ حق دار ہیں لیکن اگر اس وقت یہ رائے موجود تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اور قرابت دار امامت و خلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں تو اسی عہد میں یہ رائے بھی موجود تھی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا جائے، اس لیے یہ اختلاف کسی معین جماعت یا مخصوص فرقے کے معرض وجود میں آنے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آراء کا اختلاف ایک فطری چیز ہے جو اسلام کے شورائی نظام کا ایک اہم تقاضا ہے وہ لوگ ایک ہی مجلس میں اکٹھے تھے جہاں ان میں باہم دیگر آراء کا اختلاف ہوا اور وہاں سے جدا ہونے سے پہلے

1۔ العبر: 3/ 170، 171-

2۔ فجر الاسلام، ص: 266، ضحی الاسلام: 3/ 209-

3۔ الاسلام والخلافة، ص: 62-

4۔ تاریخ الجمعیات السریة، ص: 13-

5۔ دائرة المعارف الاسلامیة: 14/ 58-

پہلے ان کا اتفاق ہو گیا، ایسی صورت حال کو قطعا نزاع شمار نہیں کیا جاتا، [1] چنانچہ تمام صحابہ کرام ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری میں داخل ہو گئے اور علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی اطاعت کرنے والوں میں شامل تھے آپ نے تمام لوگوں کے سامنے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور بنو حنیفہ سے جہاد کرنے کے لیے نکلے [2] وہ اسی الفت اور اتفاق کے ساتھ اپنے ائمہ و خلفاء کی اطاعت میں اپنی جانوں اور بہترین اموال کی قربانیاں دیتے رہے جیسے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے. [3]

اگر اس رائے کا وجود کہ قرابت دار ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، شیعہ مذہب کی بنیاد رکھنے کے مترادف ہے تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بھی ضرور بالضرور اس مذہب کا ظہور اور وجود ہونا چاہیے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سقیفہ کے اجتماع میں دیگر آراء کا اظہار کیا گیا وہیں بفرض ثبوت یہ رائے بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار خلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں لیکن جب بیعت ہوئی اور سب کا اس پر اتفاق ہو گیا تو فوراہی دیگر آرا کی طرح یہ رائے بھی ختم ہوئی اور سب ایک ہی رائے پر متفق ہو گئے. مزید بر آں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کردار بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ایسی رائے کے استمرار یا اس کے دوام کی نفی کرتا ہے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ طرق سے مروی ہے کہ انھوں نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا"خیر هذه الامة بعد نبيها ابو بكر ثم عمر "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کی بہترین شخصیت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں. [4]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے اسی یا اس سے بھی زیادہ طرق سے مروی ہے اور صحیح بخاری میں یہ اثر ہمدان قبیلے کے لوگوں سے مروی ہے جن کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوتا تو ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، امام

---

1 ۔ منهاج السنة:1 / 36-

2 ۔ الارشاد للجويني،ص:428-

3 ۔ مسائل الامامية للناشي الاكبر،ص: 15-

4 ۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار،49/ 192، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

بخاریؒ محمد بن حنفیہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کو کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ انھوں نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ میں نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ پھر میں نے اس خدشے کی بنا پر کہ کہیں وہ ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لے لیں، کہا: پھر آپ؟ یہ سن کر انہوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔[1]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں، جس کے بارے میں انہیں کوئی خوف نہیں ہے کہ وہ ان کے سامنے تقیے سے کام لے رہے ہوں۔[2] لہذا دیگر صحابہ کرام علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی رائے کس طرح قائم کر سکتے ہیں جو خود ان کی اپنے بارے میں نہیں تھی؟ بنا بریں جب ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شیعہ کا کوئی تذکرہ اور وجود تک نہیں تھا تو یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد معرض وجود میں آیا ہے؟

اس سلسلے میں بعض لوگوں نے جو ایک جماعت کے ظہور کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو امامت کا زیادہ حق دار خیال کرتی تھی تو اس کی کوئی پائیدار تاریخی دلیل نہیں ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اساس کیا تاریخ یعقوبی کی ایک روایت ہے جس میں منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جن میں سلمان، ابو ذر، عمار اور مقداد رضی اللہ عنہم شامل تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہے اور علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہو گئے۔[3]

واضح رہے کہ یعقوبی اور مسعودی کی روایات سے بچ کر رہنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں رفض و تشیع کی طرف میلان رکھتے ہیں خصوصا وہ روایات جو ان کے مذہبی میلان کے موافق ہوتی ہیں اور جن کو نقل کرنے میں یہ دونوں منفرد ہوں ان سے سخت احتیاط کی ضرورت ہے، قاضی ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں "مورخین میں سے طبری کے علاوہ کسی کا کلام نہ سنوں کیونکہ ان کے علاوہ صرف خونی واردات اور شدید خطرناک بیماری ہی

1۔ صحيح البخاري مع فتح الباري: 7/ 20-

2۔ الفتاوى: 4/ 407، منهاج السنة: 4/ 137، 138 -

3۔ تاريخ اليعقوبي: 2/ 124-

ہوتی ہے" نیز مسعودی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بدعتی اور حیلہ باز انسان ہے "(1) طبری کو ترجیح دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تمام چیزیں سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس کی جانچ پڑتال کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور اسی بنا پر کئی شیعہ علماء نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ہے۔

دوسرا قول: شیعہ مذہب شہادت عثمان کے ساتھ شروع ہوا تھا، ابن حزم فرماتے ہیں "پھر عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور انہوں نے بارہ سال حکومت کی پھر ان کی شہادت کے ساتھ اختلاف شروع ہوا اور روافض کی ابتداء ہوئی"۔(2) علماء اور محققین کی ایک جماعت بھی ابن حزم والی رائے رکھتی ہے۔(3)

اس رائے کی بنا پر شیعہ مذہب کا بیج بونے والا شخص عبد اللہ بن سبا یہودی تھا یہ فرقہ سبئیہ کا سردار تھا، جو الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا قائل ہے اور یہ فرقہ رجعت علی رضی اللہ عنہ کا بھی معتقد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتا ہے، یہ اصلاً یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا جو بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور اس نے اپنا عقیدہ اور فساد پھیلانے کے لیے حجاز، بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا، یہ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دمشق بھی گیا لیکن انہوں نے اسے اپنے شہر سے نکال دیا، پھر وہ مصر گیا اور وہاں اپنے بدعتی عقائد کو علانیہ بیان کرنے لگا اور اس نے اپنی سرگرمی کا آغاز عہد عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں کیا تھا، متقدمین اور معاصر علماء و محققین کی ایک جماعت نے ثابت کیا ہے کہ شیعی مذہب کی اولین بنیاد اسی شخص ابن سبا نے رکھی تھی مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابن سبا کو سب سے پہلا شخص شمار کرتے ہیں جس نے عصمت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حق میں وصیت خلافت کا نظریہ ایجاد کیا تھا اس کا اصل مقصود دین اسلام میں فساد انگیزی کرنا تھا، جیسے پولس نے عیسائیت میں فساد برپا کیا تھا۔(4)

ایسے ہی معاصرین میں شیخ ابوزہرہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا ہی وہ طاغوت ہے جو اسلام میں عیب جوئی کرنے والی اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے والی جماعتوں کا سرغنہ ہے نیز یہ شخص رجعت علی رضی اللہ عنہ

1۔ العواصم من القواصم، ص: 248، 249۔

2۔ الفصل لابن حزم: 2/ 8۔

3۔ الفرق المفترقة بين أهل الزيغ والزندقة، والفرق المتفرقة، ص: 6۔

4۔ مجموع الفتاوى: 4/ 518۔

اور ان کے وصی محمد ہونے کا قائل اور اس کی طرف دعوت دینے والا تھا، پھر ابوزہرہ ذکر کرتے ہیں کہ ابن سبا کا فتنہ اور ان کی جماعت ان عظیم فتنوں میں سے ہیں جس کے سائے میں شیعہ مذہب معرض وجود میں آیا۔[1]

اسی طرح معاصرین میں سے سعید افغانی کہتے ہیں کہ ابن سبا ایک خفیہ تنظیم "تلمودیہ" کے سربر آوردہ لوگوں میں سے ایک ہے اس تنظیم کی غرض وغایت اسلامی حکومت کو ختم کرتا ہے اور یہ سلطنت روم کی آلہ کار ہے[2] جس کا ذکر اہل سنت اور شیعہ کتب دونوں ہی میں تواتر کے ساتھ منقول ہے لیکن عصر حاضر میں شیعہ میں ایک نیا گروہ نمودار ہوا ہے جو کسی حقیقی ثبوت اور قطعی دلیل کے بغیر محض قلم کے زور پر ابن سبا کے وجود سے انکار کی سعی میں مگن ہے بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک دعوی کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا سے مراد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں ایک اور شیعہ عالم مصطفی شیبی نے بھی اسی کی تقلید میں یہی بات کی ہے[3] اور اس دعوے کا مقصد صرف یہ دھوکا دینا ہے کہ یہود مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں، اسی طرح ایسے دعوؤں سے مقصود رافضیت کو شرعی قالب میں ڈھالنا اور اپنے مخالفین کے اس دعوے کی تردید کرنا ہے کہ شیعیت کی اساس یہودیت پر استوار ہے۔

اہل سنت اور شیعہ دونوں کے علمائے سابقین ابن سبا کو ایک حقیقی شخصیت قرار دینے پر متفق ہیں تو پھر کچھ لوگ فریقین کے درمیان ایک اتفاقی امر کی کس طرح نفی کر سکتے ہیں؟ یہ کہنا کہ ابن سبا سے مراد درحقیقت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں، عقل ونقل اور تاریخ کی روشنی میں یہ بات قطعاً پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی پھر جن عقائد کا اظہار ابن سبا نے کیا ہے انہیں کس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ذمے لگایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناکردہ گناہوں کا الزام دینا اور ان پر طعن نہیں ہے؟ ہمیں اس مسئلے کی مزید بحث وتحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق مستقل کتب وتحقیقات شائع ہو چکی ہیں، جن میں اس مسئلے کا مکمل احاطہ کیا گیا

1۔ تاریخ المذاهب الإسلامية: 1/ 31، 33۔

2۔ عائشة والسياسة، ص: 60، القصيمي في الصراع: 1/ 41۔

3۔ وعاظ السلاطين لعلى الوردی، ص: 274، الصلة بين التصوف والتشيع، ص: 40، 41۔

ہے، ان تمام تالیفات اور تحقیقات کی سب سے نمایاں اور اہم ترین کتاب ڈاکٹر سلمان عودہ کی تالیف "عبد اللہ بن سبأ و أثره في إحداث الفتنة" ہے جس میں ابن سبا کے حقیقی وجود اور اس کی سازشوں پر کثرت سے قطعی دلائل موجود ہیں یہ اس مسئلے کی عمدہ اور مکمل تحقیق ہے جس میں مولف نے ابن سبا کے شخصی وجود میں تشکیک پیدا کرنے والوں، اس کی شخصیت کا کلیتاً انکار کرنے والوں اور ابن سبا ہی کو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ قرار دینے والوں کا بھرپور محاکمہ کیا اور حجت و برہان کے ساتھ ان اقوال کے خلاف واقعہ ہونا ثابت کیا ہے اسی طرح ڈاکٹر عمار طالبی نے اپنی کتاب "آراء الخوارج" میں [1] اور ڈاکٹر عزت عطیہ نے اپنی کتاب "البدعة" میں [2] ان اقوال کا بے اصل ہونا اور ان کا بطلان ثابت کیا اور بندہ کی کتاب "التوضيح للانام في شرح مسند الامام" میں اس پر تفصیلی عمدہ بحث موجود ہے.

لہذا یہاں لمبی چھوڑی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ شیعہ کی معتبر کتب میں ابن سبا سے متعلق جو منقول ہے اس سے استشہاد کیا جائے کیونکہ علمی بحث و تحقیق کا اصولی تقاضا یہ ہے کہ خود ان کے اصل مراجع و مصادر پر اعتماد کیا جائے.

ثانیاً: چونکہ ابن سبا کے شخصی وجود کے انکار کی صدائے بازگشت بھی شیعہ کی طرف سے سنائی دیتی ہے لہذا جب ان کے خلاف انہی کی معتبر کتب سے احتجاج واستدلال کیا جائے تو اس سے خود بخود ان کو جواب ہو جائے گا.

ثالثاً: کیونکہ کتب شیعہ سے ابن سبا کی آراء اور نظریات کی تفصیل ذکر کرنے سے شیعہ مذہب کی اصولوں کی تصویر کشی ہوتی ہے اور خود شیعہ کے اپنے کلام سے ان کی بنیادوں پر روشنی پڑتی ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے.

شیعہ مذہب کی ایجاد 37ھ کو ہوئی اس کے قائلین میں مشہور ترین "مختصر التحفة الاثنى عشرية" کے مؤلف "الشيخ الحافظ غلام محمد بن محيي الدين بن عمر الأسلمي" ہیں چنانچہ وہ

1۔ آراء الخوارج، ص: 75، 81۔

2۔ البدعة، ص: 64۔

فرماتے ہیں کہ شیعہ نام 37ھ کو ظاہر ہوا تھا[1] اسی طرح پروفیسر واٹ منگمری بھی اسی رائے کے قائل ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں "شیعہ تحریک کا آغاز 658ء بمطابق 37ھ میں کسی دن ہوا تھا" غالباً یہ لوگ شیعہ مذہب کی ایجاد کا سبب واقعہ صفین، جو 37ھ کو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آیا تھا اور اس کے پس وپیش رونما ہونے والے آثار وحوادث کو ٹھہراتے ہیں لیکن اس رائے سے شیعہ مذہب کے اصول وعقائد کی ابتداء مقصود نہیں ہے کیونکہ مورخین نے اس سال میں رونما ہونے والے جو حالات وواقعات نقل کیے ہیں ان میں ہمیں کوئی ایسا شخص یا فرقہ نظر نہیں آتا جس نے وصیت، خلافت یا رجعت علی رضی اللہ عنہ کے نظریے کا اظہار کیا ہو یا شیعہ مذہب کے معروف اصول وقواعد میں سے کسی عقیدے کی دعوت دی ہو، اسی طرح یہ کہنا بھی ناممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے معاونین شیعہ مذہب یا کسی شیعہ عقیدے کے پیروکار تھے، اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے لشکر میں کچھ دین دشمن لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا، تاکہ بباطن اس کے خلاف سازشیں تیار کر سکیں، لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ فرقہ سبائیہ جو اس سے پہلے ہی وجود میں آچکا تھا، فساد کی آگ جھڑکانے میں نمایاں اثر رکھتا ہے. اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ تحکیم کے بعد اور خود تحکیم کے وقت شرائط صلح میں کسی تخصیص کے بغیر دونوں جانب کے فریقین پر لفظ شیعہ کا اطلاق کیا گیا تھا، شیعہ مذہب شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے فوراً بعد معرض وجود میں آیا تھا. ایک مستشرق شٹروٹمین کہتا ہے کہ حسین علیہ السلام کا خون ایک نظریے کے طور پر شیعہ مذہب کی اولین بنیاد تھی.[2]

راجح قول کی تعیین

گذشتہ صفحات میں ہم نے شیعہ مذہب کے آغاز کے متعلق اہم آراذکر کی ہیں اور ان پر حسب ضرورت نقد وتبصرہ بھی کیا ہے. میری نظر میں شیعہ مذہب ایک نظریہ اور عقیدہ بن کر اچانک ہی نمودار نہیں ہوا بلکہ یہ کئی وقتی تبدیلیوں سے دوچار ہوا اور مختلف مراحل سے گزرا ہے البتہ شیعہ مذہب کے ابتدائی عقائد اور

1۔ مختصر التحفة الاثناء عشرية، ص: 05-

2۔ دائرة المعارف الإسماعيلية: 14/ 59-

اس کے بنیادی اصول فرقہ سبئیہ کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوئے تھے جیسا کہ کتب شیعہ بھی اس حقیقت کا اعتراف و اقرار کرتی ہیں کہ ابن سبا ہی نے سب سے پہلے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ علی ؓ کی امامت و خلافت ضروری ہے اور یہ کہ علی ؓ محمد ﷺ کے وصی ہیں، بعینہ یہی حضرت علی ؓ کی منصوص امامت کا عقیدہ ہے جو شیعہ مذہب کی اساس ہے جیسا کہ شیعہ مذہب کی تعریف کے ضمن میں ہم شیعہ عالم کا نظریہ ذکر کر چکے ہیں پھر شیعہ کتب ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا اور اس کی جماعت نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے داماد اور سسر، نسبی رشتے دار، خلفاء اور آپ کے سب سے قریبی ساتھیوں ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابہ کرام ؓ پر زبان طعن دراز کی تھی اور شیعہ بھی صحابہ کرام ؓ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ ان کی معتبر کتب میں مرقوم ہے نیز ابن سبا ہی سب سے پہلے رجعت علی کا قائل تھا[1] اور آپ کی رجعت شیعہ مذہب کا بنیادی اصول ہے مزید برآں ابن سبا ہی نے یہ بات کہی تھی کہ علی ؓ اور اہل بیت کے پاس چند مخصوص مخفی علوم ہیں، جیسا کہ حسن بن محمد بن حنفیہ نے رسالہ "الإرجاء" میں کیا ہے اور اب یہ مسئلہ شیعہ کے بنیادی عقیدے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور صحیح بخاری میں بھی ایک اثر مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ بہت پہلے ظاہر ہو گیا تھا اور علی ؓ سے بھی اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایک چیز ہے جو قرآن میں یا لوگوں کے پاس نہیں ہے؟ تو حضرت علی ؓ نے مکمل طور پر اس کی حتمی تردید کی تھی،[2] یہی شیعہ مذہب کے اہم دینی اصول ہیں، یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جس شیعہ مذہب کی ایجاد ابن سبا سے مربوط ہے اس سے مراد وہ شیعہ مذہب ہے جو ان غلو آمیز اصول و عقائد پر مشتمل ہے لیکن معتدل شیعہ مذہب جو علی ؓ کو دوسروں پر فضیلت و فوقیت دینے پر مبنی ہے تو یہ زندیقوں کی اختراع نہیں، اس دعوی کے خلاف کہ علی ؓ دین کی امامت منصوص ہے اور آپ معصوم ہیں، اس نظریے کو ایجاد کرنے والا منافقت اور زندیق ہے اور اس منافق اور زندیق سے مراد ابن سبا اور اس کی جماعت ہے جو یہودیوں، منافقین اور اسلام کے باطنی

1۔ المقالات والفرق، ص: 21، فرق الشیعة، ص: 23، مسائل الإمامة، ص: 22، 23۔

2۔ صحیح البخاری مع فتح الباري، باب كتابة العلم: 1/ 204، باب حرم المدينة: 4/ 81، باب ذمة المسلمين و جوارهم: 6273۔

دشمنوں پر مشتمل ہے،(1) جو یقیناً شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں معرض وجود میں آئے تھے لیکن لوگوں میں ایک مخصوص فرقے کی صورت میں متعارف نہیں ہوئے تھے، بلکہ فرقہ سبائیہ نے جیسے ہی اپنا سر نکالا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے نیست و نابود کر دیا، جب علی رضی اللہ عنہ کو فرقہ سبابہ (جو لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں) کے متعلق خبر ملی تو آپ نے ابن سوداء کو بلایا کیونکہ اس کے متعلق آپ کو ایسی حرکت کی اطلاع ملی تھی لیکن وہ بھاگ گیا، اور ایک قول کے مطابق آپ اسے قتل کرنا چاہتے تھے لیکن وہ فرار ہو گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرقہ مفضلہ (جو علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتے ہیں) کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے کہا "اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا، جو مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتا ہے تو میں اسے ایک افتراء پرداز کو ملنے والی سزا دوں گا۔(2)

لیکن اس کے متصل بعد رونما ہونے والے واقعات معرکہ صفین، واقعہ تحکیم اور سیدنا علی اور حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت وغیرہ نے ان عقائد کے ظہور اور انہیں جماعتی قالب میں ڈھالنے کے لیے مناسب فضا مہیا کر دی اور ان تمام واقعات نے لوگوں کے دلوں اور ان کے جذبات کو اہل بیت کی خاطر گروہی عصبیت اور شیعیت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا چنانچہ علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے لیے پیدا ہونے والی اسی شیعیت اور حزبیت کی راہ سے لوگوں کے احساسات میں یہ فکر جاگزیں ہو گئی اور پھر یہی شیعہ فکر اسلام کو مٹانے کی خواہش رکھنے والے ہر ملحد، منافق اور طاغوت کے لیے ایک ذریعہ بن گئی اور مسلمانوں میں شیعی لبادے کی آڑ میں غیر اسلامی عقائد و افکار باآسانی داخل ہو گئے پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس بدعت کا دائرہ وسیع ہوتا رہا اور اس کے نقصانات بڑھتے گئے کیونکہ کثیر تعداد میں ابن سبا کے جانشین پیدا ہو گئے۔

علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شیعہ لقب صرف محبت اور نصرت ہی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور اس سے آج کے شیعہ عقائد میں سے کسی عقیدے پر ایمان لانا قطعاً مقصود نہیں تھا اور نہ اس لقب کا اطلاق علی رضی اللہ عنہ

1۔ مجموع الفتاوی لابن تیمیة: 20/ 466۔

2۔ منهاج السنة: 1/ 219، 220۔

کے ساتھ مخصوص تھا جس کی دلیل معاہدہ تحکیم کے وہ الفاظ ہیں جن میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی کے اَتباع پر شیعہ لفظ کا اطلاق موجود ہے، لہذا اہل بیت پر گزرنے والے واقعات (شہادت علی و حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ) ہی آل بیت کے تشیع کی طرف دھکیلنے والے موثر ترین اسباب و عوامل تھے پھر جب لوگوں کے دلوں میں آل بیت کے حق میں یہ میلان اور تاثر پیدا ہو گیا تو ہر مسلمان کے دل و دماغ میں یہی جذبہ موجزن ہو گیا اور اس صورت حال کو موقع غنیمت جان کر دشمنان دین، جو مسلمانوں کے برے حالات کی تاک میں رہتے ہیں اس دروازے سے داخل ہو گئے اور پھر انھوں نے اس امت کی صفوں میں فرقہ واریت کو پھیلا دیا اور اپنی ان سازشوں کی تکمیل کی جنھیں وہ سیف و سنان کے زور پر پورا کرنے سے عاجز آ گئے تھے پھر دوسرے مذاہب کے پیروکار، سازشیں کرنے والے لوگ اور گھات میں بیٹھے ہوئے دین اسلام کے دشمن شیعہ مذہب میں داخل ہوئے اور اپنے اپنے دین سے اخذ کردہ اصولوں کو اسلام کا لبادہ پہنانے لگے.

عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ و سنی تواریخ

عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ و سنی تواریخ میں بہت کچھ پایا جاتا ہے جو کہ ایک تواتر کی حد سے بھی زیادہ ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ شخص واقعی میں حقیقت ہے نہ کہ افسانہ جیسے آج کل کے شیعہ اس افسانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں پر اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس شخص کو ہی آخر شیعہ عقائد کا موجد کیوں کہا جاتا ہے، ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

"وذكر بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبا كان يهوديا فأسلم ووالى عليا عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون وصي موسى بالغلو فقال في إسلامه بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في علي عليه السلام مثل ذلك وكان أول من أشهر بالقول بفرض إمامة علي عليه السلام وأظهر البراءة من أعدائه وكاشف مخالفيه وأكفرهم"[1]

1۔ بحار الانوار: 25/ 287۔

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا اسلام لے آیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا قائل ہوا پہلے جب یہ یہودی تھا تو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتا تھا کہ وہ موسی علیہ السلام کے وصی ہیں اسلام لانے کے بعد اس قسم کی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کی، یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور ان کی دشمنوں پر اعلانیہ تبرا کیا اور مخالفوں کو کافر کہا.

عبد اللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے اور ان امور کو (وصایت، امامت، افضلیت علی) کو اعلانیہ نہیں کہتے تھے لیکن اس نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو اعلانیہ ذکر کرنا شروع کر دیا. مخالفین امامت کو کافر کہنا بھی پہلے اس نے شروع کیا[1] امام صادق رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"محمد بن قولويه عن سعد عن ابن يزيد ومحمد بن عيسى عن علي بن مهزيار عن فضالة بن أيوب الأزدي عن أبان بن عثمان قال سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول لعن الله عبد الله بن سبا إنه ادعى الربوبية في أمير المؤمنين"

عبد اللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو اس نے امیر المومنین کے بارے میں ربوبیت کا دعوی کیا[2].

ان روایات سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شیعوں کے تینوں ہی فرقوں کی بنیاد اسی ایک شخص کے عقائد پر ہے تفضیلیوں نے اس کی افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اپنایا، امامی شیعوں نے افضلیت علی رضی اللہ عنہ و امامت، تبرہ بازی کے عقائد کو مل کر اپنایا پھر غالیوں نے اس کے الوہیت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کو اپنایا چنانچہ مجموعی طرح سب شیعہ عقائد کا موجد یہی ہے عبد اللہ بن سبا ایک یہودی جو کہ شیعوں کا روحانی باپ ہے مزید اس مضمون تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں.

1. ایک نئی بات ابن سبا کے ہونے کا مکمل انکار جو کہ آج کل کے شیعہ علماء زور و شور سے پروپیگنڈہ کرتے ہیں.

1۔حاشية بحار الانوار:25/ 287۔

2۔ اختيار معرفة الرجال (المعروف به رجال الكشي) 1/ 324، ط: مؤسسة آل البيت (قم) وبحار الانوار:25/ 287۔

2. ابن سبا یہودی شیعہ کتب میں ایسی حقیقت جس کا بہت سے شیعوں کو علم نہیں.

3. شیعوں کا اعتراض کہ ابن سبا تو ہے لیکن مذہب امامیہ کا موجد یہ نہیں ہے.

تمام شیعہ و سنی اہل حل وعقد عبد اللہ بن سبا کے ہونے پر متفق ہیں (البتہ شیعہ اس بات کا انکار کرنے کی کوشش کرتے آرہے ہیں کہ رافضی مذہب کی بنیاد ایک یہودی کے عقائد پر ہے) یہاں تک کہ مستشرقین جن میں برنارڈ لیوس، جولیس ویلحاسن، فرائیڈ لینڈر، اور کیتانی لیون شامل ہیں جنہوں نے ابن سبا کے ہونے پر اعتراضات کرنے شروع کردیے جن کی بنیاد طٰہ حسین، کامل حسین، عدنان ابراہیم جیسے جاہلوں کے کام پر ہیں چنانچہ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ شیعوں نے اپنے آباء اجداد سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو اپنا لیا کہ ابن سبا ایک افسانہ ہے جس کی بنیاد بنی امیہ کے حکمرانوں کی کارستانی ہے جس کا مقصد شیعت کو نقصان پہنچانا تھا اس کی تائید کرنے والوں میں مرتضی عسکری اور کشف الغیتا وغیرہ شامل ہیں حالانکہ 1300ھ 1900ء سے پہلے اس پر کوئی جھگڑہ نہیں تھا کہ ابن سبا نہیں ہے، اس کے بعد کے شیعوں نے جب مستشرقین کو دیکھا کہ وہ ابن سبا پر اعتراض کر رہے ہیں تو انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ابن سبا ایک افسانہ ہے یہ ایک ہی حل تھا (جو انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے لیا اور ثابت کیا کہ وہ یہودیوں کے مرید ہیں) جو کہ ان کے جھوٹے مذہب کو تنقید سے بچا سکتا تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آج کل کے رافضی یہ بات مکمل رد کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا یمنی یہودی کے نام سے کوئی آدمی ہے وہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ افسانہ بنی امیہ کا گھڑا ہوا ہے جس کا مطلب شیعت کو نقصان پہنچانا اور صحابہ کے جرائم کی پردہ پوشی کرنا تھا انہوں نے اس پر کتب بھی لکھی ہیں ان سب میں مشہور مرتضی عسکری کی کتاب ہے جس کا نام ہے عبد اللہ بن سبا ہے اس کی کتاب کے بہت زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے اور اس کا مکمل رد کیا گیا ہے، ایک نئی بات ابن سبا کے ہونے کا مکمل انکار جو کہ آج کل کے شیعہ علماء زور و شور سے پروپیگنڈہ کرتے ہیں.

شیعوں کا اعتراض اور اس کا جواب

ابن سبا ایک افسانہ ہے جو کہ بنی امیہ کا گھڑا ہوا ہے جس راوی صرف ایک ہے سیف بن عمر التمیمی جو کہ خود اہل سنت کے ہاں بھی جھوٹا ہے؟

جواب: ہم اللہ تعالی کی مدد سے یہ بات ثابت کریں گے کہ سنی روایات میں صرف سیف بن عمر سے اس کے بارے میں روایات نہیں دوسری سندوں سے بھی ہیں، حقیقت میں یہ ایک افسانہ ہے جو کہ آج کل کے شیعوں نے گھڑا ہے مثال کے طور پر انٹرنیٹ پر شیعوں کی مشہور ویب اسلام ڈاٹ او آر جی میں لکھا ہے "عبداللہ بن سبا کی کہانی ایک شیطان کے پیروکار سیف بن عمر تمیمی کی گھڑی ہوئی ہے ابن سبا وقت نہ تو تھا اور نہ ہی سیف بن عمر کے وہم وگمان میں تھا.

جہاں تک کچھ روایات میں اس کے ہونے کی بات ہے تو اس میں بالکل ہی مختلف کہانی بتائی گئی ہے جو کہ سیف بن عمر کے ہر الزام سے مختلف ہے جس میں ایک ایسی آدمی کی تصویر دکھائی دیتی ہے جس سے اہل بیت نے برات کا اظہار کیا اور اس سے بھی جو وہ امام علی رضی اللہ عنہ کے نام پر کرتا تھا ہمارے امام، ہمارے علماء اور شیعہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں اگر وہ ہے تو وہ بدمذہب تھا اس کے اور ہمارے بیچ میں کوئی بات ایک جسی نہیں ہے سواء اس کے کہ ہم اس کو لعنت کرتے ہیں اور ہر اس کو بھی جو اہل بیت کو دیوتا مانتا ہے،اب ہم ان شیعوں کے مختلف دعوی کو دیکھتے ہیں جس کے بنیاد پر وہ ابن سبا کے ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

اول: ایسی روایات جو کہ سیف بن عمر کے علاوہ مروی ہیں ان میں ابن سبا کی مختلف تصویر ہے جو کہ سیف بن عمر سے مختلف ہے اور اس میں اور شیعون میں کوئی چیز یکساں نہیں.

دوم: سیف بن عمر نے ہی اس کو ایجاد کیا جس کو سنی محدیثین نے بھی ضعیف کہا ہے،ایسی روایات جو کہ سیف بن عمر کے علاوہ مروی ہیں.

پہلی روایت: إن سويد بن غفلة دخل على علي رضي الله عنه في إمارته فقال: إني مررت بنفر يذكرون أبا بكر و عمر بسوء، ويروون أنك تضمر لهما مثل ذلك، منهم عبد الله بن سبأ، فقال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود، ثم قال: معاذ الله أن أضمر لهما إلا الحسن الجميل، ثم أرسل إلى ابن سبأ فسيره إلى المدائن، ونهض إلى المنبر، حتى اجتمع الناس أثنى عليهما خيرا، ثم قال:

إذا بلغني عن أحد أنه يفضلني عليهما جلدته حد المفتري.[1]

وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا اور انہیں کہا کہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جس میں عبد اللہ بن سبا بھی تھا وہ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منفی باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے خلاف احساس پایا جاتا ہے تو آپ نے کہا کہ یہ خبیث کالا آدمی مجھ سے کیا چاہتا ہے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ان کے خلاف دل میں بات رکھنے سے اور دونوں کے لئے ادب کہتا ہوں اور آپ نے اس کو مدین کی طرف جلاوطن کر دیا اور منبر پر تشریف لائے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے آپ نے ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کی اور کہا کہ اگر یہ بات مجھے پہنچی کہ مجھے ان دونوں پر فضلیت دی جاتی ہے تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا جیسے وہ جھوٹوں کو لگاتے تھے.

زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ علویوں کے رہنما تھے ہشام کے دور میں کوفیوں نے ان سے ان کے دادا حسین کی طرح دھوکا کیا جب انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف شہادت دینے سے انکار کر دیا اس کے بعد وہ بنی امیہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے:

"طلبة الرافضة من زيد ابن علي التبرؤ من أبو بكر و عمر فقال: إنهما وزيرا جدي فقالوا له: إذا نرفضك فقال لهم: إذهبوا فأنتم الرافضة"[2]

رافضیوں نے زید بن علیؒ جب وہ خروج کئے ہوئے تھے سے کہا کہ ان کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو محبت ہے وہ ترک کرنی پڑے گی تو انہوں نے کہا وہ میری نانا جان کے ساتھی تھے تو ان شیعوں نے کہا پھر ہم آپ کا انکار کرتے ہیں انہوں کہا جاؤ تم سب آزاد ہو اے رافضیو! یہی روایت شیعہ کتاب میں بھی ملتی ہے.

زید بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شیعوں میں معزز سمجھے جاتے تھے ان سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے

1۔ دراسات في سبيل تمحيص سنة الرسول عبد الله بن سبأ وأساطير أخرى، لسيد مرتضى العسكري، 2/ 235، الطبعة السادسة مصححة سنة 1413 هـ 1992 م

2۔ طعان رافضة في اصحاب الرسول ص 17 ابو نصر محمد بن عبد اللہ الامام نے اسے صحیح کہا ہے۔

میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں ہمیشہ ان کو اچھے الفاظ سے یاد کرتا ہوں اور میں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی کو بھی ان کی برائی کرتے نہیں سنا نہ تو انہوں نے ہمارا حق چھینا اور نہ ہی کسی شہری پر ظلم کیا وہ دونوں (ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما) قرآن وسنت کے سختی سے پیروکار تھے یہ سن کر ان لوگوں (شیعوں) نے کہا آپ پھر ہمارے ساتھی نہیں ہو سکتے تو آپ نے کہا کہ تم لوگوں نے اس دن سے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور آج کے بعد تم رافضی کہلاؤ گے [1]۔

جعفر بن محمد الصادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے وہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیق اللہ کی ان پر رحمت ہو ہمارے خلیفہ بنے اور وہ اللہ کے بہترین خلیفہ تھے وہ ہم پر بہت مہربان اور ہمارا خیال رکھنے والے تھے، اس حدیث کو امام حاکم نے ذکر کیا ہے اور امام ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2]

ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الصادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ان سے خود کو الگ کر لیتا ہے جو خود کو ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے الگ کرتے ہیں: قال الذهبي قلت: هذا القول متواتر عن جعفر الصادق، أشهد بالله إنه لبار في قوله غير منافق لأحد، فقبح الله الرافضة [3]" امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ قول امام جعفر سے متواتر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ اس میں سچے ہیں تقیہ نہیں کر رہے خدا رافضیوں کی بد شکلی اور بڑھائے۔

دوسری روایت: أخرج ابن عساكر عن زيد بن وهب الجهني الكوفي المتوفى عام (90هـ/ 709م) قال: (قال علي بن أبي طالب: مالي ولهذا الخبيث الأسود يعني عبد الله بن سبأ و كان يقع في أبي بكر و عمر" [4]

زید بن وہب کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کالے خبیث کے ساتھ کیا کرنا چاہئے ان کا مطلب عبد اللہ بن سبا تھا جو کہ ابی بکر وعمر کی برائی کرتا تھا۔

1۔ ناسخ التواريخ 2/ 590 یہ کتاب شیعوں کے ہاں مشہور ہے اور مستند مانی جاتی ہے جیسے کہ اعیان الشيعة 2/ 132 پر اس کی توثیق ہے۔

2۔ المستدرك على الصحيحين، 3/ 84، رقم: 4468، ط: دار الكتب العلمية بيروت۔

3۔ سير الاعلام النبلا 6/ 260۔

4۔ ابن عساكر، مختصر تاريخ دمشق، مرجع سابق، م 12، ص 222۔

یہ روایت تاریخ ابن ابی خثیمہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

تیسری روایت: "أخبرنا أبو محمد بن طاوس وأبو يعلى حمزة بن الحسن بن المفرج ، قالا: أنا أبو القاسم بن أبي العلاء ، نا أبو محمد بن أبي نصر ،نا خيثمة بن سليمان ، نا أحمد بن زهير بن حرب ، نا عمر بن مرزوق أنا شعبة ، عن سلمة بن كهيل عن زيد قال : قال علي بن أبي طالب : مالي ولهذا الحميت الأسود ؟ يعني عبد الله ابن سبأ وكان يقع في أبي بكر وعمر". [1]

زید کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کالے خبیث کے ساتھ کیا کرنا چاہئے ان کا مطلب عبداللہ بن سبا تھا جو کہ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی برائی کرتا تھا، اس حدیث کی سند اچھی ہے جو کہ ثقہ راویوں سے آئی ہے۔

چوتھی روایت: "أخبرنا أبو المظفر بن القشيري أنا أبو سعد الجنزروذى ، أنا أبوعمر ابن حمدان وأخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم بن سعدويه ، أنا أبو يعلى الموصلي نا أبو كريب محمد بن العلاء الهمداني نا محمد أبن الحسن الأسدى نا هارون بن صالح الهمداني عن الحارث أبن عبد الرحمن عن أبي الجلاس قال : سمعت عليا يقول لعبد الله السبئي : ويلك والله ما أفضي إلي بشيء كتمه أحداً من الناس ، ولقد سمعته يقول : أن بين يدي الساعة ثلاثين كذابا وإنك لا حدهم . قالا : وانا أبو يعلى ، نا أبو بكر بن أبي شيبة ، نا محمد أبن الحسن ، زاد أبن المقرىء الأسدي بإسناده مثله". [2]

1۔ تاريخ دمشق،29/ 7، ط: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع۔

2۔ إتحاف الجماعة بما جاء في الفتن والملاحم وأشراط الساعة،2/ 45، ط: دار الصميعي للنشر والتوزيع، الرياض

علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا سے کہا کہ تم پر افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا جو کہ انہوں نے دوسروں سے مخفی رکھا ہو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آج سے قیامت تک 30 جھوٹی ہونگے اور ان میں سے ایک تو ہے، اس روایت کے کچھ راویوں پر تنقید ہائی جاتی ہے پر یہ روایت اور بھی بہت سندوں سے آئی ہے جو کہ مضبوط ہیں.

پانچویں روایت: "أخبرنا أبو بكر أحمد بن المظفر بن الحسين بن سوسن التمار في كتابة، وأخبرني أبو طاهر محمد بن محمد بن عبد الله السبخي بمرو، عنه، أنا أبو علي بن شاذان، نا أبو بكر محمد بن عبد الله بن يونس أبو الأحوص عن مغيرة عن سماك قال: بلغ عليا أن ابن السواد يتقض أبا بكر وعمر، فدعا به ودعا بالسيف أو قال فهم بقتله فكلم فيه فقال: لايساكني ببلد أنا فيه، قال: فسير إلى المدائن".[1]

ابن سماک کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی کہ ابن اسود (اس سے مراد ابن سبا ہے اور اسود کے معنیٰ کالا ہوا ن ہیں اس لئے کہ یہ رنگ کا کالا تھا) ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف باتیں کرتا ہے تو انہوں نے اس کو بلایا اور پھر تلوار بھی منگوائی پھر لوگون نے ان سی بات کی اس کے قتل کے بارے میں تو انہوں نے یہ اور میں ایک جگہ پر نہیں رہ سکتے پھر اس کو مدین جلاوطن کر دیا. اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں.

چھٹی روایت: "أنبأنا أبو بكر محمد بن طرخان بن بلتكين بن يحكم، أنا أبو الفضائل محمد أبن أحمد بن عبد الباقي بن طوق، قال: قرىء على أبي القاسم عبيدالله ابن علي أبن عبيد الله الرقي، نا أبو أحمد عبيد الله بن محمد أبن أبي مسلم، أنا أبو عمر

---

1 ۔دراسات في سبيل تمحيص سنة الرسول عبد الله بن سبأ وأساطير أخرى، لسيد مرتضىٰ العسكرى، 2/ 233، الطبعة السادسة مصححة سنة 1413 هـ 1992 م

محمد بن عبد الواحد ، أخبرني الغطافي ، عن رجاله ، عن الصادق عن آبائه الطاهرين عن جابر قال : لما بويع علي خطب الناس فقام إليه عبد الله بن سبأ فقال له : أنت دابة الأرض ، قال فقال له : اتق الله ، فقال له : أنت الملك ، فقال له : اتق الله ، فقال له : أنت خلقت الخلق ، وبسطت الرزق ، فأمر بقتله ، فاجتمعت الرافضة فقالت : دعه وانفه إلى ساباط المدائن فإنك إن قتلته بالمدينة خرجت أصحابه علينا وشيعته ، فنفاه إلى ساباط المدائن فثم القرامطة والرافضة ، قال : ثم قامت إليه طائفة وهم السبئية وكانوا أحد عشر رجلا فقال أرجعوا فإني علي بن أبي طالب أبي مشهور وأمي مشهورة ، وانا أبن عم محمد صلي الله عليه وسلم فقالوا لا نرجع ، دع داعيك فأحرقهم بالنار ، وقبورهم في صحراء أحد عشر مشهورة فقال من بقي ممن لم يكشف رأسه منهم علينا : أنه إله ، واحتجوا بقول ابن عباس : لا يعذب بالنار إلا خالقها. قال ثعلب : وقد عذب بالنار قبل علي أبو بكر الصديق شيخ الإسلام رضي الله عنه وذاك أنه رفع إليه رجل يقال له : الفجأة وقالوا إنه شتم النبي صلي الله عليه وسلم بعد وفاته ، فأخرجه إلى الصحراء فأحرقه بالنار . قال فقال ابن عباس : قد عذب أبو بكر بالنار فاعبدوه أيضا".[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے واسطے کھڑے ہوئے بیعت کے بعد عبداللہ بن سبا ان کے پاس آیا اور کہا کہ آپ دابة الارض ہیں آپ نے کہا اللہ سے ڈرو پھر ابن سبا نے کہا کہ تم مالک ہو آپ نے کہا اللہ سے ڈرو اس کے بعد ابن سبا نے کہا کہ آپ نے ہی مخلوق خلق ہے اور اس کو رزق دیا ہے آپ

1 ـ دراسات في سبيل تمحيص سنة الرسول عبد الله بن سبأ وأساطير أخرى، لسيد مرتضى العسكري ، 2/ 233، الطبعة السادسة مصححة سنة 1413 هـ – 1992 م

رضی اللہ عنہ حکم دیا کہ اس کو قتل کیا جائے تو رافضیوں نے کہا کہ بہتر ہے آپ اسے مدین کی طرف جلاوطن کر دیں نہیں تو اس کے لوگ ہمارے خلاف بغاوت کریں گے.

سنیوں کی کتب میں چھ روایات ہیں ایسی ہیں جو کہ سیف بن عمر کے علاوہ ہیں شیخ سلیمان بن الحماد نے ان روایات کی تخریج کی ہے اپنی کتاب "عبد الله بن سبأ و أثره في أحداث الفتنة في صدر الإسلام" انہوں نے کل 8 روایات نقل کی ہیں جو کہ سیف بن عمر کی روایات کو مضبوط کرتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سبائیوں کے عقائد اہل بیت سے منسوب کیے گئے ہیں.

خلاصہ کلام: سبائی سیدنا علی، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کے خلاف دلی دشمنی رکھتے تھے ابن سبا نے یہ عقائد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں گھڑے اور کہا کہ وہ یہ اہل بیت کی محبت میں کر رہا ہے اور ان کے دشمنوں کے خلاف نفرت کرنے کے لئے اور حقیقت اس سے جدا تھی اور وہ صرف اور صرف اسلام دشمنی ہی تھی.

شیعت و رافضیت

رافضیوں کے اکثر فرقے خاص طور پر امامیہ اثنا عشری وہی سبائیوں والا عقیدہ رکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے دشمنی تھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے نفرت کرتے تھے اور وہ اہل بیت کے دشمن ہیں اور ان سے نفرت کرنا محبت کی نشانی ہے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نفرت کی تھی.

حقیقت (اسلام): حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف ایسے عقائد سے بری تھے بلکہ آپ ایسے عقائد سے اللہ تعالی سے پناہ مانگتے تھے آپ ابن سبا کو قتل کرنے والے تھے اس کے ان عقائد کی وجہ سے جن کا وہ محبت اہل بیت کے نام پر پرچار کر رہا تھا انہوں ابن سبا کا راستہ بند کیا اور ہر اس شخص کو کوڑوں وار نگ دی جو ان کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل جانے، اس میں کوئی پیچ نہیں کہ ابن سبا اور شیعہ کے عقائد مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ رافضی ہر دور میں ابن سبا کے ان عقائد کو اپناتے رہے ہیں اور اس کی تشریح کرتے رہے ہیں سو ابن سبا اور رافضیوں ایک مضبوط رشتہ ہے.

رفض کی بنیاد یہود کے عقائد پر ہے

اصل میں لفظ شیعت تاریخ اسلام میں مختلف معنی کے ساتھ استعمال ہوتا رہا ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالی شیعہ سلاف (مسلمانوں کی پہلے تین نسلیں) کے دور میں انہیں کہا جاتا تھا جو کہ سیدنا عثمان،

سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے خلاف زبان درازی کرتے تھے اور ان کے خلاف بھی جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑے تھے یا ان پر حملہ کیا تھا[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے کتاب الھدی الساری میں فرماتے ہیں:

"والتشيع محبة علي وتقديمه على الصحابة فمن قدمه على أبي بكر وعمر فهو غال في تشيعه"[2]

شیعت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کی صحابہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت ہے پر جو ان کو ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل جانے وہ غالی شیعہ ہے.

اس سے بہت سے شکوک دور ہوتے ہیں جسے شیعہ کہتے ہیں سنیوں کی کتب میں شیعوں کی روایات پائی جاتی ہیں تو جو شیعہ اس دور میں تھے وہ آج کے اثنا عشری شیعوں جیسے نہیں تھے اور نہ ہی وہ شیعت میں انتہا پسند تھے اس وقت کے شیعہ علی رضی اللہ عنہ کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل مانتے تھے حالانکہ یہ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو خود سے افضل کہتے تھے، شیعت ارتقاء سے گذرتی رہی ہے اور آج کل یہ اپنی اونچائی پر جا کھڑی ہے (جہاں سے سواء جہالت اور کچھ حاصل نہیں ہونے والا) جس کو آج کل شیعہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دشمان تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان کے دشمن تھے وہ بھی ان کے دشمن ہیں جو ان کو شیعوں کے عقیدہ کے مطابق نہیں مانتے. شیعت آج کل وہی مشہور کر رہی ہے جو کہ ابن سبا نے کبھی دعوی کیا تھا اور جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سختی سے رد کیا تھا اس لئے ابن سبا کو رافضیت کا روحانی باپ ہی کہا جائے ہمارے الفاظ میں وہ نرمی یا مدافعانہ انداز شاید نہ ہو جس سے اہل سنت کے دشمن ہو سکتا ہے کہ فائدہ لیں لیکن ایک سمجھ رکھنے والا انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ میری اوپر والی بات یا اس آرٹیکل کا پیغام کہ شیعت کی بنیاد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر اہل بیت کا عقیدہ نہیں ہے یہ ایک یہودی عقیدہ ہے جو کہ اہل بیت کے نام پر گھڑا گیا ہے جس کا گھڑنے والا ایک یمنی یہودی ہے اب جبکہ شیعون کی داستان کا پول کھل گیا ہے تو کہتے ہیں ایک شخصیت ابن سبا جو کہ امویوں اور سیف بن عمر کی ایجاد ہے.

---

1 ۔ المیزان: 1/ 118۔

2 ۔ فتح الباري شرح صحيح البخاري، مقدمة، 1/ 459 ط: دار المعرفة بيروت۔

روافض کہتے ہیں کہ ابو جعفر ابن جریر طبری پہلا شخص ہے جس نے ابن سبا کی کہانی سیف سے بیان کی ہے اور دوسرے تاریخ نویسوں نے اس کو پھر طبری سے نقل کیا ہے العسکری اور اس کے شیعہ حواریوں کی غلط بیانی ہے کیونکہ طبری سے 50 سال پہلے الثقفی نے الغارات لکھی جس میں اس نے ابن سبا کا ذکر کیا ہے:

"دخل عمرو بن الحمد وحجر بن عدي وحبة العوفي والحارث الاعور وعبد الله بن سبأ على أمير المؤمنين".[1]

عمرو بن الحمد و حجر بن عدی، حبہ العوفی و عبداللہ بن سبا امیر المومنین کے پاس تھے۔

اس کے علاوہ ایک اور قدیمی حوالہ لفظ سبائی کا دیوان اعشی ہمدان ص 147 میں ملتا ہے اعشی ہمدان کی وفات 83 ہجری ہے اور ابن جریر طبری تو 310 ہجری میں وفات پائی ان کے بیچ میں تقریباً 230 سال ہیں، وہ دیوان مختار الثقفی (شیعوں کا کافر بزرگ) اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"شهدت عليكم أنكم سبئية وأني بكم يا شرطة الكفر عارف"

میں شہادت دیتا ہوں کہ تم سبائی ہو اے کفر کے سپاہیو! میں تمہیں اچھے طرح جانتا ہوں".[2]

جہاں تک سیف بن عمر کے کذاب و ضعیف ہونے کی بات جو کہ سنی محدثین نے کی ہے وہ ادھوری پیش کی جاتی ہے مکمل بات یہ ہے کہ سیف کی حدیث ضعیف ہے باقی تاریخ میں اس کی روایات قابل اعتماد ہیں جو وہ کہتا ہے اسے نقل کیا جا سکتا ہے ایسا بلکل بھی نہیں ہے جیسے شیعہ دعوی کرتے ہیں، ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں تاریخ میں سیف عمدہ ہے[3] امام ذہبی کہتے ہیں کہ وہ تاریخ میں عالم ہے[4] اسی سبب کے بنیاد پر علماء نے کچھ شرائط رکھی ہیں جن کی بنیاد پر سیف بن عمر کی روایات کو لیا جائے۔

1۔ الغارات ،ص:302-

2۔ تاج العروس من جواهر القاموس، 1/ 462، ط: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع

3۔ تقريب التهذيب:1/ 344-

4۔ میزان اعتدال :2/ 255-

1. سیف جو کہے اس کی بنیاد کسی حدیث کی مستند کتاب میں پائی جاتی ہو اور وہ روایات کسی مستند تاریخ کی کتاب سے لی گئی ہو.

2. اس کی روایات عقیدہ کے بارے میں یا حلال و حرام کے بارے میں نہ ہوں.

3. اس کی روایات صحابہ کے خلاف نہ ہوں.

4. اس کی روایات خلفاء راشدین کے خلاف نہ ہوں.

آپ نے دیکھا کہ العسکری اور اس کے حواری بری جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں جب وہ سیف بن عمر کو ایک محدث کے طور پر پیش کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف ہے لیکن تاریخ میں اس کی روایات قابل قبول ہیں خاص طور ایسی روایات جو دوسری سندوں سے بھی مروی ہیں اور ہم نے 8 ایسی روایات پیش کیں جو کہ سیف بن عمر کے علاوہ کسی دوسری صحیح سندوں سے آئیں ہیں. تو ثابت ہوا کہ شیعوں کا دعوی کہ ابن سبا کے بارے میں صرف سیف بن عمر سے روایات آئی ہیں یہ ایک کھلا جھوٹ ہے.

ابن سبا یہودی کے متعلق شیعہ کتب میں ایسی حقیقت جس کا بہت سے شیعوں کو علم نہیں وہ یہ ہے کہ ابو لحسن محمد بن موسی النوبختی (متوفی 310ھ) یہ تیسری صدی میں شیعوں کے مایہ ناز علماء میں سے ہیں اس نے شیعوں کے فرقہ اور ان کے عقائد کے بارے میں لکھا ہے کہ جو فرقہ کہتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کی وفات ہوئی ہے وہ تب تک نہیں مر سکتے جب تک وہ عربوں کو اپنی چھڑی سے نہ چلائیں اور جب تک زمین انصاف و برابری سے بھر نہ جائے جیسا کہ اب وہ جبر و طاغوت سے بھری ہے.

یہ امت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلا فرقہ ہے جس نے وقف کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گفتگو شروع کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں غلو کیا اس فرقہ کو سبائیہ کہتے ہیں یہ عبد اللہ بن سبا کے ساتھی تھے یہ ابو بکر، عمر و عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر الزام بازی و تبرا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے ایسا کرنے کو کہا ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسی گرفتار کروایا اور اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے اقرار کیا تب علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن لوگوں نے احتجاج کیا اور کہا اے امیر المومنین کیا آپ ایسے آدمی کو قتل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ وہ اہل بیت سے محبت کرتا ہے اور ان کے دشمنوں سے بے زاری کرتا ہے تب علی

رضی اللہ عنہ نے اسے مدین کی طرف جلاوطن کر دیا علی رضی اللہ عنہ اصحاب میں اہل علم کا کہنا ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا طرف دار ہو گیا جب یہودی تھا تو یہ وہی چیز یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ موسی علیہ السلام کے بعد وصی ہیں، یہ پہلا شخص تھا جس نے کہا کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کا ماننا فرض ہے اس نے کھلے عام علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کے خلاف بات کی اور ان حضرات کو کافر قرار دیا، یہی بات ہے جس کی وجہ سے مخالفین کہتے ہیں کہ رفض کی بنیاد یہودیوں سے لی گئی ہے۔ [1]

اب یہ بالکل ہی صاف اقرار ہے شیعوں کے علماء کی طرف سے نوبختی کا تنہا یہ قول ہی شیعوں کی پول کھول دیتا ہے جو وہ کہتے ہیں اموی ہی ابن سبا کے موجد ہیں صرف شیعوں کا پروپیگنڈہ ہے، الکشی اپنی رجال کی کتاب میں (ابن سبا شیعوں کی رجال کی کتب میں بھی ہے اب بھی یہ اس کا انکار کر سکتے ہیں) وہی اقرار کرتا ہے کہ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی تھا اسلام لے آیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا قائل ہوا، اس سے پہلے جب یہ یہودی تھا تو حضرت یوشع کے بارے میں غلو کرتا تھا کہ وہ موسی کے وصی ہیں. اسلام لانے کے بعد اس قسم کی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کی. یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور ان کی دشمنوں پر اعلانیہ تبرا کیا، اور مخالفوں کو کافر کہا یہی بات ہے جس کی وجہ سے مخالفین کہتے ہیں کہ رفض کی بنیاد یہودیوں سے لی گئی ہے، اب ہم بالکل سادہ الفاظ میں الکشی اور نوبختی نے جو کہا ہے بیان کرتے ہیں:

1. پہلا فرقہ جس نے غلو کیا اہل بیت کے بارے میں وہ سبائی ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن سبا کو جلا دینا چاہتے تھے لیکن پھر اس کو انہوں نے جلاوطن کر دیا اس کے بعد جب اس کے کچھ ساتھیوں نے کفر (علی خود خدا ہیں وغیرہ) کو بار بار ذکر کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا دیا۔

2. یہ پہلا شخص ہے جس نے سیدنا ابی بکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ پر تبرا کیا اور ان سے بیزاری کا اعلان کیا (جیسے آج کے رافضی کرتے ہیں) اور کہا کہ اس کو ایسا کرنے کے لئے علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے (جیسے آج کے رافضی کہتے

1۔ فرق الشیعة، ص: 31۔

ہیں)سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے پر صرف لوگوں کے احتجاج کے بنا پر آپ نے اسے جلاوطن کر دیا.

3. نوبختی کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے اہل علم سمجھتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا(اصحاب علی کے الفاظ بعد کے شیعہ علماء نے نکال دے).

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کچھ رافضیوں کی طرح شیعہ علماء سنی روایات شیعوں کے لئے نقل نہیں کرتے بلکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے والوں میں سے ایک گروہ یہ اقرار کرتا تھا کہ عبد اللہ بن سبا کا وجود ہے اور وہ یہودی تھا جو کہ ہم نے نوبختی کی قول سے ثابت کیا. ہم نے آپ سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ ہم شیعوں کا پول کھول دیں گے جب وہ ابن سبا کا انکار کریں گے بعد کے رافضی جانتے تھے کہ یہ قول "من أهل العلم من أصحاب علي عليه السلام أن عبد الله بن سبأ كان يهودي "ان کے لئے ایک بم کی طرح ہے اس لئے انہوں نے اس میں ترمیم کردی اور اس کا ضروری حصہ غائب کر دیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اہل بیت یا اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ابن سبا کا وجود ہے، رافضیوں کے اس فراڈ کی مثال یہاں حاضر ہے جو ان کے علماء نے سچ کو چھپانے کے لئے کیا، نوبختی متوفی 310 ہجری لکھتا ہے:

"حكى جماعة اهل العلم من اصحاب على عليه السلام ان عبدالله بن سبا كان يهوديا فاسلم و والى عليا عليه السلام و كان يقول و هو على يهوديته فى يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة فقال فى اسلامه"[1]

اصحاب علی میں اہل علم کا کہنا ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا طرف دار ہو گیا جب یہودی تھا تو یہ وہی چیز یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا موسی علیہ السلام کے بعد وہ وصی ہیں، جب مسلمان ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی کہتا تھا.

---

1 ۔ فرق الشيعة لابى محمد بن موسىٰ النو نجتى ص 22 مطبوعة حيدرية ، تحت فرقة السبائية

الکشی متوفی 340 نے اس میں ترمیم کرتے ہوئے من اصحاب علی علیہ السلام کے الفاظ نکال دیئے اور لکھا کہ " حکی جماعة اهل العلم من اصحاب علی علیه السلام ان عبدالله بن سبا کان یهودیا" الخوئی نے پھر ترمیم کرتے ہوئے اہل علم کے الفاظ بھی نکال دئے اور لکھا کہ: وقال الکشي : ذکر بعض أن عبد الله بن سبأ کان یهودیا[1] الخوئی نے الکشی کی عبارت نقل کی ہے کہ کچھ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا اس فراڈ کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں یہاں الخوئی نے خیانت کرتے ہوئے الکشی کے الفاظ حذف کروئے جو یہ تھے و ذکر بعض اهل العلم ان الفاظ کو الخوئی نے بعض سے تبدیل کر دیا.

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح کا اختلاف پیدا کیا گیا ہے بعد والا یعنی الخوئی کہتا ہے کہ یہ انجان لوگوں کا خیال ہے کہ ابن سبا یہودی تھا پہلے والا یعنی الکشی کہتا ہے کہ یہ اہل علم تھے جو کہتے ہیں ابن سبا کا وجود ہے جو یہودی تھا حقیقت میں پہلے والوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ پہلا تھا جو ابو بکر عمر و عثمان رضی اللہ عنہم پر تبرا کرتا تھا یہ پہلا تھا جس نے امیر المومنین کی امامت کے بارے میں بات کی یہ پہلا تھا جس نے کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اس نے یہ بھی کہا کہ وہ یہ صرف اس لئے کہتا ہے کہ وہ اہل بیت سے محبت کرتا ہے (جیسے آج کے رافضی کہتے ہیں) وہ ان کی تابعداری اور ان کی دشمنوں سے بیزاری کی بات کرتا ہے اور دشمن سے اس کی مراد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں.

المامقانی (یہ وہی کافر شیعہ عالم ہے جس نے اقرار کیا کہ شیعہ مذہب میں سواء تین سب صحابہ مرتد ہو گئے، العیاذ باللہ) اپنی کتاب میں کہتا ہے:

"عبد الله بن سبأ الذي رجع إلى الكفر وأظهر الغلو...غال ملعون حرقه أمير المؤمنين عليه السلام بالنار وكان يزعم أن علياً إله، وأنه نبي[2]"

عبداللہ بن سبا جو کہ کفر کی طرف پلٹ گیا اور مشہور غلو باز تھا اور لعنتیوں میں سے تھا امیر المومنین

---

1 ـ معجم رجال الحديث للسيد الخوئي:11/ 206، 207

2 ـ تنقيح المقال في علم الرجال:2/ 183، 184۔

نے اسے آگ میں جلا دیا تھا وہ کہتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خدا ہیں وہ یعنی عبد اللہ بن سبا پیغمبر ہے۔

سعد بن عبد اللہ العشری القمی کہتا ہے:

"السبئية أصحاب عبد الله بن سبأ، وهو عبد الله بن وهب الراسبي الهمداني، و ساعده على ذلك عبد الله بن خرسي وابن اسود وهما من أجل أصحابه، وكان أول من أظهر الطعن على أبي بكر وعمر وعثمان والصحابة وتبرأ منهم"[1]

السبائیہ جو کہ عبد اللہ بن سبا کے اصحاب تھے اور وہ عبد اللہ بن وہب الھمدانی ہے اور جو کہ عبد اللہ بن خرسی اور ابن اسود اس کی امداد کرتے تھے وہ اس کے ساتھیوں میں سے شاندار تھے یہ پہلا تھا جس نے اعلانیہ ابو بکر عمر و عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا اور ان سے بیزاری کا اعلان کیا۔

نعمت اللہ الجزائری لکھتا ہے:

"قال عبد الله بن سبأ لعلي عليه السلام: أنت الإله حقاً، فنفاه علي عليه السلام إلى المدائن، وقيل أنه كان يهودياً فأسلم، وكان في اليهودية يقول في يوشع بن نون وفي موسى مثل ما قال في علي"[2]

عبد اللہ بن سبا نے علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ رب ہیں تب علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مدین کی طرف جلا وطن کر دیا کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھا اسلام لے آیا جب یہودی تھا تو یوشع بن نون کے بارے میں وہی کہتا تھا جو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا۔

سب شیعہ علماء نے ابن سبا اس کے عقائد اور اس کے ساتھیوں کا ذکر کیا ہے سید قومی جو کہ 301 ہجری میں وفات پا گئے، شیخ طائفہ الطوسی، تستری نے قاموس رجال مین، عباس قمی نے تحفہ الاحباب، انصاری نے

1۔ المقالات الفراق، ص:20۔

2۔ نور البراهين أو أنيس الوحيد في شرح التوحيد، للجزائري، 2/ 308، ط: مؤسسة النشر الاسلامي التابعة لجماعة المدرسين بقم المقدسة۔

روضات الجنات، ناسخ تاریخ اور روضات الصفا کے مصنفین نے بھی اس کا ذکر کیا اس ساری بحث سے ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ عبد اللہ بن سبا کا وجود ہے جو کہ یہودی تھا اور اس کی جس نے مدد کی یا اس کے عقائد اپنائے ان کو سبائی کہا جاتا ہے علماء شیعہ اس حقیقت سے بلکل واقف ہیں کہ وہ ہر ثبوت کو رد نہیں کر سکتے جو کہ ہم نے یہاں نقل کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ الکاشی مین امام ابن سبا کو لعنت کرتے دکھائی دیتے ہیں کیا امام ایک فرضی شخص پر لعنت کر سکتے ہیں اور وہ لوگ جو ابن سبا کے وجود کا انکار کرتے ہیں جن میں یاسر الخبیس، العسکری، الوائلی اور دوسرے رافضی ہیں لیکن آپ نے دیکھا کہ ہم نے ان کے خیال کا رد پیش کیا اب ان کے پاس اس پر کھڑے رہنے کے لئے ٹانگیں نہیں ہیں کیونکہ ان کے اماموں نے ابن سبا پر لعنت کی ہے۔

ایک اہم بات

بعض شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابن سبا کا وجود ہے لیکن شیعت کا بانی یہ نہیں ہے جو شیعہ یہ بات مانتے ہیں کہ ابن سبا کا وجود ہے تو وہ یہ نہیں مانتے کہ شیعت کا موجد یہ ہے ہم سنی جب یہ کہتے ہیں کہ ابن سبا شیعت کا بانی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایسی جماعت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہ اہل بیت سے محبت کرتی ہے بلکہ ہم اس کی نشاندہی کر رہے ہیں جو رافضی ہیں اور منافقانہ عقائد رکھتے ہیں یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کافر کہنا، قیامت سے پہلے امام کا واپس آنا اور ولایت تکوینیہ پر ایمان رکھنا وغیرہ شیعوں کا یہ ٹولہ کم سے کم اس حد تک اپنے بڑوں کی عزت کرتا ہے کہ وہ اپنی کتب میں موجود ابن سبا یہودی کا انکار نہیں کرتا پر وہ اس بات کو رد کرتے ہیں کہ شیعت کا ابن سبا یا سبائی گروہ سے کوئی تعلق ہے وہ اس کے ثبوت میں آپ کو محمد بن حسن طوسی (رافضیوں کا مشہور عالم متوفی 460) کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ خود ابن سبا یہودی کو کافر مانتے ہیں، طوسی کہتا ہے ابن سبا کافر ہو گیا تھا اور وہ غلو میں پڑ گیا تھا[1]۔

یہ رافضی الکاشی کی صحیح روایات بھی حوالہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں اماموں نے ابن سبا یہودی پر لعنت کی ہے وہ اسی بنا پر ہی مانتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود تھا لیکن شیعہ مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ابن سبا یہودی ایسا آدمی ہے جس کو لعنت کی گئی ہے اماموں کی طرف سے کیونکہ اس نے امیر المومنین

1۔ رجال طوسی، ص: 75 نمبر: 718۔

علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بجائے ان کے رب ہونے کی پرچار شروع کر دیا تھا، یہ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حقیقت کو مسخ کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیعہ علماء اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں کہ ابن سبا نے علی رضی اللہ عنہ کے رب ہونے کا پرچار کیا اس کے ساتھ یہ پہلا شخص ہے جس نے شیعوں کے دو بنیادی عقائد کی پرچار بھی کیا جو کہ صرف شیعوں کے ٹولہ میں پائی جاتی ہیں۔

1. ابن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اعلانیہ ابو بکر و عمر، عثمان اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین پر کھلا تبرا کیا بلکہ ان سے بیزاری کا اعلان کیا اور یہ بکواس بھی کی اسے ایسا کرنے کو علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے (جیسے آج کے رافضی دعوی کرتے ہیں) علی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنے والے تھے لیکن لوگوں کے احتجاج کی وجہ سے اسے جلاوطن کر دیا اس بات کو نوبختی، الکشی، سعد بن عبد اللہ القمی نے قبول کیا ہے۔

2. ابن سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے شہادت دی کہ امامت علی کا ماننا فرض ہے اور اس نے اعلانیہ ان کے دشمنوں سے بیزاری کی اور انہیں کافر قرار دیا جو آج کے رافضیوں کے ایمان کا حصہ ہے۔

روافض کے سوالات

رافضیوں کے بے تکے سوالوں کے جواب میں یہی کہتے ہیں مثال کے طور پر رافضی کہتے ہیں شیعہ کا کون سا اصول ابن سبا سے لیا گیا ہے، شیعہ کے کس فقہی مسئلے کو لیا گیا ہے، کیا ہمارے امام ابن سبا کی تعریف کرتے تھے، ہم نے ابن سبا سے کتنے احادیث لی ہیں کیا شیعہ پاگل یا جاہل ہیں کہ 1400 سالوں میں یہ نہیں جان سکے کہ ان کے عقائد کی بنیاد جھوٹی روایات پر ہے جو عبد اللہ بن سبا کی طرف سے آئیں ہیں اگر ابن سبا یہودی شیعوں کے لئے اتنا اہم ہے تو شیعوں نے اماموں کی طرح اس کی روایات کو کیوں نہیں نقل کیا یقیناً اگر ابن سبا ان کا آقا ہوتا تو وہ ضرور اس کی روایات نقل کرتے اور اس پر فخر کرتے۔

اس قسم کے سوالات کرنے والے العسکری، یاسر الخبیث، عمار نخوانی، الوائیلی وغیرہ ہیں اور ان کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ کسی بھی مسلم سنی عالم نے کبھی بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ ابن سبا تقلید کے لائق ہے یا اس کی تقلید رافضیوں کے لئے ضروری ہے وہ صرف یہ لکھتے آئے ہیں کہ رافضی صرف اس کے یہودی خیالات کی پیروی کر رہے ہیں مثال کے طور پر آج کے عیسائی کبھی یہ نہیں مانتے کہ وہ ان کے مذہب کی بنیاد سیدنا مسیح علیہ السلام کی عقائد پر

نہیں ہے بلکہ پال جاہل کے عقائد پر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے شیعہ (پیروکار) ہیں اسی طرح شیعت ایک ایسی جماعت ہے جس کی بنیاد رکھنے والا ایک یہودی ہے خاص طور پر ہر صحابی کی تکفیر اور امامت علی رضی اللہ عنہ کا فرض ہونے کے عقائد اہل بیت کے نہیں ہیں بلکہ یہ عقائد ابن سبا یہودی کے ہیں جس نے ان عقائد کی بنیاد رکھی اور وہی بقول شیعہ علماء کے پہلا شخص ہے جس نے ان عقائد کا لوگوں میں پرچار کیا ابن سبا رافضیوں کا روحانی باپ ہے اور ایسے عقائد کی بنیاد رکھنے والا ہے جو کسی بھی فرقے میں نہیں ملتے سوائے رافضیوں کے۔

مسلم علماء اور شیعہ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ابن سبا یہودی کے ہی خیالات ہیں جو شیعت کی بنیاد کے ذمہ دار ہیں پر یہ مکمل شیعت کا بانی نہیں ہے کیوں کہ رافضیت صدیوں کی ارتقا سے گزری ہے، آپ تاریخ دمشق میں دیکھیں کہ وہاں کچھ روایات ہیں ابن سبا کے بارے میں جو علی رضی اللہ عنہ کو خالق کائنات کہ رہا ہے، الجوزنجانی متوفی 259 ہجری اپنی کتاب رجال میں ابن سبا کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن سبا نے کہا کہ ہمارے پاس صرف 1/9 قرآن باقی ہے پورا قرآن علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہے، وقت گزرنے کے ساتھ اس بات نے یہ عقیدہ بنالیا ہوگا کہ قرآن تحریف شدہ ہے، آخری بات یہ کہ ابن سبا نے اہل بیت کے نام پر اپنے یہودی عقائد کی پرچار کی اور آج کے شیعہ بھی اہل بیت کے نام پر غلیظ شیعت کی پرچار کرتے ہیں۔

شیعہ فرقے

کتب مقالات وفرق شیعہ فرقوں کے تذکرے سے بھری ہوئی ہیں ان فرقوں کی کثرت اور اتنی بڑی تعداد ایک حیرت انگیز امر ہے غالباً شیعہ اس وصف میں منفرد ہیں کیونکہ ہر امام کی وفات کے بعد شیعوں میں کئی نئے فرقے معرض وجود میں آئے اور ہر گروہ امام کی تعیین میں ایک نیا نظریہ ایجاد کیا ہے پھر ساتھ ہی دیگر جماعتوں سے ہٹ کر بعض نے کچھ عقائد وافکار اپنا لیئے اور اپنے متعلق دعوی کیا ہے کہ صرف وہی حق پر ہے حتی کہ خود شیعہ بھی اس کی بنا پر شکایت اور خود ملامتی کا شکار نظر آتے ہیں۔

رجال کشی میں ہے کہ ایک شیعہ اپنے امام سے پوچھتا ہے "اللہ مجھے آپ پر قربان کرے! یہ آپ کے شیعہ میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ انھوں نے کہا کون سا اختلاف؟ اس نے کہا کہ میں جب کوفے میں شیعوں کے مختلف حلقوں میں بیٹھتا ہوں تو ان کے حدیث میں اختلاف کے باعث شک میں پڑ جاتا ہوں، ابو عبد اللہ نے کہا:

تم نے صحیح کہا ہے لوگ ہم پر جھوٹ بولنے کے بڑے شوقین ہیں جب میں ان میں سے ایک کو حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے جانے سے پہلے ہی اس کے اصل معنی کے بجائے کوئی اور ہی معنی کرنے لگ جاتا ہے جس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے بلکہ ان کا مطمع نظر صرف دنیا ہے اور ہر ایک سردار کہلانے کی خواہش رکھتا ہے۔ (1)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حب ریاست اور اس فانی دنیا کے ساز و سامان کی محبت ہی دراصل بہت سے لوگوں کے شیعہ ہونے کی بنیادی وجہ ہے اور یہ لوگ آل بیت پر جھوٹ بولنے کے بڑے شوقین ہیں جس کی وجہ سے ان میں بکثرت اختلاف وافتراق پایا جاتا ہے۔

شیعہ مورخ مسعودی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ فرقوں کی تعداد تہتر (۷۳) تک بنتی ہے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے جیسا کہ ایک رافضی میر باقر الداماد دعوی کرتا ہے کہ افتراق امت والی حدیث میں تہتر فرقوں سے مذکور شیعہ فرقے ہیں اور ان میں سے نجات پانے والا گروہ صرف فرقہ امامیہ ہے، شیعہ فرقوں کی فروع اتنی بڑی تعداد میں ظاہر ہوئی ہیں جو تہتر فرقوں سے کہیں زیادہ ہیں، (2) جبکہ مقریزی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ فرقوں کی تعداد تین سو تک پہنچتی ہے۔ (3)

اس اختلاف کا غالب سبب شیعہ کا ائمہ آل بیت سے متعلق اختلاف کا شکار ہونا ہے یہ لوگ ائمہ کی ذوات اور ان کی تعداد کے بارے میں مختلف نظریات کے حامل ہیں، اسی طرح کسی امام پر توقف اور اس کے انتظار میں یا مزید کسی دوسرے کو امام بنانے جیسے مسائل کی بدولت مختلف عقائد کے حامل ہیں پھر اس پر مستزاد کہ یہ لوگ مسائل کی تفریع اور تاویل میں تباین اور تنازع کا شکار ہیں اسی لیے علامہ ابن خلدون نے تعین ائمہ میں شیعہ اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ اتنا بڑا اختلاف بتاتا ہے کہ صراحت خلافت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (4)

1۔ رجال الکشی، ص: 135، 136 بحار الأنوار :2/ 246-

2۔ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ: 14/ 67-

3۔ الخطط: 2/ 351-

4۔ لباب المحصل لابن خلدون، ص: 130-

حالانکہ امامت ہی شیعہ مذہب کی اساس ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف قبول نہیں کیا جا سکتا جبکہ فروعی مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے اسی بناء پر زیدی شیعہ کے اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم احمد بن یحیی المرتضی (المتوفی840ھ) نے ہر امام کی وفات کے بعد اس کے جانشین میں اختلاف کو شیعہ دعویٰ نص کے بطلان کی واضح ترین دلیل قرار دیا ہے۔[1]

شیعہ فرقوں کی پیدائش اور ان کے تدریجی مراحل کا مطالعہ و تحقیق ایک الگ بحث کا متقاضی ہے جو کہ ایک تاریخی موضوع ہے چنانچہ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے البتہ یہ بات قابل غور ہے جیسا کہ اثناعشریہ کے عقائد وافکار پر بحث میں آگے بھی آرہا ہے کہ فرقہ اثناعشریہ دیگر شیعہ فرقوں کے بیشتر عقائد و نظریات کا احاطہ کیے ہوئے ہے گویا یہ ایک دریا کے مانند ہے جس میں شیعہ کے تمام مختلف فرقوں کے ندی نالے جاگرتے ہیں۔[2]

یہ شیعہ فرقے ختم نہیں ہوئے جیسا کہ کہا جاتا ہے بلکہ یہ اکثر فرقے اب بھی موجود ہیں جو اثناعشری فکر کے راستے سے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں اور عصر حاضر کے تمام شیعہ فرقے اب صرف تین گروہوں میں محدود ہیں: 1. اسماعیلیہ 2. زیدیہ 3. اثناعشریہ

اسماعیلیہ: سے مراد وہ لوگ ہیں جو جعفر کے بعد اسماعیل بن جعفر اور اس کے بعد محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں یہ لوگ جعفر کے دوسرے بیٹوں کی امامت کے منکر ہیں، اسماعیلیہ سے مختلف فرقے قرامطہ، حشاشین، فاطمیین اور دروز وغیرہ نکلے ہیں۔ اسماعیلیہ کے متعدد فرقے ہیں جن کے بہت زیادہ لقب ہیں ان کا ہر علاقے میں ایک نیا فرقہ ہے کیونکہ شہرستانی کے بقول ان کی ہر زمانے میں نئی دعوت اور ہر زبان میں ایک نیا ہی نظریہ ہوتا ہے اور جہاں تک ان کے مذہب کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں امام غزالی کہتے ہیں کہ ان کا مذہب بظاہر رافضی ہے اور یہ بات خالصتاً کفر ہے، اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب کا خلاصہ خالق کی نفی، نبوت اور عبادات کا ابطال اور روز قیامت کا انکار ہے لیکن یہ لوگ شروع ہی میں ان امور کا اظہار نہیں

1۔ المنية الأمل، ص:21-

2۔ فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة ،ص: 346 -

کرتے بلکہ ان کی دعوت کے کئی درجات ہوتے ہیں اور یہ اپنے مذہب کی حقیقت صرف اسی پر ظاہر کرتے ہیں جو ان کے ہاں آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے البتہ کئی اہل علم ان کے حالات اور اسرار سے آگاہ ہوئے ہیں۔

علامہ بغدادی نے ان کی ایک کتاب "السياسة والبلاغ الأكيد والناموس الأكبر" دیکھی تو اسی میں انہیں نظر آیا کہ یہ لوگ دہریے اور زندیق ہیں جو شیعیت کی آڑ میں چھپے ہوئے ہیں، ابن الندیم نے جب ان کی کتاب "البلاغات السبعة" کو دیکھا اور اس کا باب "البلاغ السابع" پڑھا تو اس میں انھیں محرمات کی اباحت اور شرعی احکامات اور انبیاء کی اہانت وغیرہ جیسی ہولناک چیزیں نظر آئیں، ان لوگوں کی سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں اور ان کی خفیہ کتابیں بھی موجود ہیں جیسا کہ ایک اسماعیلی کہتا ہے "معماری کتابوں سے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں مذکور حقائق پر ہمارے سوا کوئی اور مطلع ہو سکتا ہے۔ [1]

زیدیہ: سے مراد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں انہی کی طرف نسبت کی بنا پر انہیں زیدیہ کہا جاتا ہے اور یہ فرقہ اس بنا پر فرقہ امامیہ سے علیحدہ ہوا کہ جب زید بن علی سے ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی بابت سوال کیا گیا تو انھوں نے ان سے محبت اور رضامندی کا اظہار کیا تو ایک قوم نے ان سے رفض (کنارہ کشی) کیا تو ان کا نام ہی رافضہ پڑ گیا اور پھر جو شیعہ بھی ان (زید بن علی) کی پیروی کی وجہ سے ان سے کنارہ کش نہ ہوتا، اسے زیدی کہا جاتا تھا اور یہ لوگ عقائد میں معتزلہ کے ہم مشرب ہیں اور ان کے بھی متعدد فرقے ہیں اور بعض تو صرف نام کے ہی زیدی ہیں جبکہ حقیقت میں رافضی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کو امر خلافت دے کر یہ امت گمراہ اور کافر ہو چکی ہے یہ فرقہ جارودیہ کا نظریہ ہے جو کہ ابو الجارود کے پیروکار تھے، اور بعض زیدی فرقے اہلسنت کے بہت قریب ہیں جو کہ حسن بن صالح بن حی کے متبعین ہیں اور یہ امامت کو صرف اولاد علی رضی اللہ عنہ کا حق مانتے ہیں اور یہ لوگ تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں البتہ علی رضی اللہ عنہ کو ان تمام پر فوقیت دیتے ہیں۔ [2]

1۔ الحركات الباطنية في الإسلام، ص: 67، الزينة لأبي حاتم الرازي الإسماعيلي ،ص:287۔

2۔ الفصل لابن حزم:2/ 266۔

ان سب میں فرقہ اثنا عشریہ ہی آج تعداد میں سب سے بڑا فرقہ ہے جیسا کہ مختلف تاریخی ادوار میں بھی یہ فرقہ شیعہ اکثریت کا نمائندہ مذہب رہا ہے، فرقہ اثنا عشریہ کی یہ اکثریت ہر زمانے میں نہیں رہی مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابن خلدون اپنے زمانے میں محمد بن حنفیہ کے شیعوں کی اکثریت بتاتے ہیں (1) لیکن پھر جلد ہی اس مذہب کے پیروکار کم ہو کر پردہ خفا میں چلے گئے، اسی طرح بلخی کہتے ہیں کہ فرقہ فطحیہ (یہ عبد اللہ بن جعفر بن محمد صادق کے پیروکار ہیں یہ صادق کا سب سے بڑا لڑکا تھا. انھیں فطحیہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ عبد اللہ "أفطح الرأس" (چھوٹے سر والے) تھے اور انہیں ان کے ایک سردار عمار کی طرف نسبت کی بناء پر "عماریہ" بھی کہا جاتا ہے) اس کے زمانے میں جعفریہ کا سب سے بڑا اور تعداد میں سب سے زیادہ فرقہ تھا. (2)

فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے مختلف القاب

فِرَق اور نظریات سے متعلقہ کتب کے مولفین اثنا عشریہ پر مندرجہ ذیل القاب کا اطلاق کرتے ہیں:

1. شیعہ: شیعہ لقب کا اطلاق دراصل تمام شیعہ فرقوں پر کیا جاتا ہے لیکن شیعہ وغیرہ کی ایک جماعت کی نظر میں آج جب اس اصطلاح کا اطلاق ہو تو اس سے مراد صرف فرقہ اثنا عشریہ کیا ہوتا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اثنا عشریہ دیگر شیعہ فرقوں سے زیادہ اکثریت کا نمائندہ مذہب ہے بلکہ اس کا ایک بڑا اہم سبب ہے کہ اثنا عشریہ کے مصادر حدیث وروایت میں شیعہ فرقوں کی اگر ساری نہیں تو بیشتر آراء کا احاطہ کیا گیا ہے جو مختلف تاریخی ادوار میں معرض وجود میں آئے تھے، لہٰذا اب یہی فرقہ دیگر تمام شیعہ فرقوں کا نمائندہ بن چکا ہے.

2. امامیہ: مؤلفین فِرَق و نظریات کی کثیر تعداد کے ہاں اس لقب کا اطلاق شیعہ فرقوں کے مختلف گروہوں پر کیا جاتا ہے لیکن بعد میں مولفین وغیرہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ نام اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص ہو گیا، غالباً سب سے پہلے اثنا عشریہ کے اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم مفید نے یہ بات اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں کہی ہے. (3)

1۔ تاریخ ابن خلدون: 3/ 182۔

2۔ الحور العین، ص: 164۔

3۔ أوائل المقالات، ص: 44۔

علامہ سمعانی نے اشارہ کیا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی یہی بات معروف تھی "اب اس فرقے (اثنا عشریہ) کو امامیہ کہا جاتا ہے"[1] علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ متاخرین شیعہ کے نزدیک امامیہ لقب اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے نیز ملاحظہ کریں کہ معاصر شیعوں کا بہت بڑا عالم کاشف الغطا "امامیہ" لقب علی الاطلاق اثنا عشریہ پر استعمال کرتا ہے جبکہ دیگر شیعہ علما کی رائے ہے کہ امامیہ کے کئی فرقے اثنا عشریہ، کیسانیہ، زیدیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ ہیں۔[2]

امامیہ کی تعریف

اپنے زمانے میں شیعہ کا بہت بڑا عالم مفید کہتا ہے "امامیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو امامت و عصمت اور وصیت کے وجوب کے قائل ہیں دراصل ان کا یہ نام ان سب اصول کو اپنے نظریے میں جمع کرنے کی وجہ سے بڑا ہے لہذا جو شخص بھی ان سب اصول کو اکٹھا تسلیم کرتا ہے وہ امامی ہے اگرچہ اس کے علاوہ اپنے مذہب میں اس کی باطل چیز کا اعتقاد رکھتا ہے یا حق کا، پھر جن کو بھی یہ نام شامل ہے اور اس کے مفہوم کے اعتبار سے وہ اس نام کا استحقاق رکھتے ہیں، خاص کر ائمہ کے متعلق ان کے نظریات مختلف ہوگئے ہیں اور ان فروع میں بھی جن کا تعلق ان اصول سے ہے، اس کے علاوہ بھی کچھ اختلاف ہے، پس امامیہ کے فرقوں میں سے سب سے پہلے کیسانیہ نے راہ شذوذ اختیار کی ہے۔[3]

مذکورہ بالا سطور میں مفید امامیہ کو ایک عام لقب قرار دیتا ہے جو ان ارکان ثلاثہ امامت، عصمت اور وصیت کے تمام قائلین کو شامل ہے لیکن اپنی دوسری کتاب میں اس اصطلاح کا دائرہ تنگ کرتے ہوئے اسے تقریباً فرقہ اثنا عشریہ تک ہی محدود کر دیتا ہے وہ کہتا ہے "امامیہ" اس کا نام ہے جو وجوب امامت اور اس کے ہر زمانے میں موجود ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور ہر امام کے لیے نص جلی، عصمت اور کمال کے وجوب کا قائل ہے پھر اس (مفید) نے امامت کو حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں محصور کر دیا ہے اور اسے علی رضا بن موسی تک بیان کیا ہے ان میں صرف

1۔ الأنساب: 1/ 344، اللباب لابن الأثير: 1/ 84۔

2۔ تاريخ ابن خلدون: 1/ 201، أصل الشيعة وأصولها، ص: 92، أعيان الشيعة: 1/ 21۔

3۔ العيون والمجالس: 2/ 91۔

علی رضا بن موسیٰ تک امامت کا تذکرہ کیا ہے جبکہ سابقہ سطور میں اس نے ایسی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ کسانیہ کو بھی ان میں داخل کر دیا تھا، غالباً خود مفید نے بھی اپنی رائے میں اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا چنانچہ وہ کہتا ہے "اگرچہ امامیہ مذکورہ بالا اصول کا اعتقاد رکھنے والوں کا نام تھا اور اعیان ائمہ کے متعلق تخصیص اس میں شامل نہ تھی تاہم یہ لفظ اصل سے منتقل ہو گیا کیونکہ یہ اعتقاد رکھنے والے متعدد فرقے اور ناموں کے مستحق ہو گئے تھے اس لیے انھوں نے اپنی روایات کی بنیاد پر کچھ نئی آراء اپنا لیں تو ان پر امامیہ کی بجائے ان القابات کا اطلاق ہونے لگا لیکن پھر وہ اس اصل سے ہٹ گیا کیونکہ اس کے معتقدین میں سے مختلف فرقے خود ساختہ احادیث کی بدولت کئی القاب کے حق دار بن گئے جو ان پر امامیہ لقب کی بجائے غالب آ گئے تو متکلمین وغیرہ میں سے فقہا اور عوام الناس کے عرف میں یہ نام صرف ہمارے ذکر کردہ لوگوں (امامیہ) کا لقب بن کر رہ گیا.(1)

جب آپ مفید کی تعریف سے صرفِ نظر کر کے امامیہ کی تعریف سے متعلق غیر شیعہ مولفین کی آرا جاننے کے لیے فرق و مذاہب کی کتب کو دیکھیں گے تو آپ ملاحظہ کریں گے کہ فرق و مذاہب پر لکھنے والے اکثر مولفین نے امامیہ لقب کی اثنا عشریہ کے ساتھ تخصیص نہیں کی بلکہ ان کی نظر میں یہ لقب اور دیگر فرقوں کو بھی شامل ہے مثلاً شہرستانی رقم طراز ہیں "امامیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی وصف کے ساتھ اشارے کے بجائے عین ذات کی طرف اشارے کے ساتھ نص ظاہر اور تعیین صادق کے مطابق امامت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں".(2)

اسی طرح امام اشعری فرماتے ہیں "انہیں اس وجہ سے امامیہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ امامت علی رضی اللہ عنہ کے منصوص ہونے کے قائل ہیں.(3) بعض مولفین فرق کی رائے ہے کہ ان کا امامیہ امر قرار پانے کی وجہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ دنیا کبھی کسی امام سے خالی نہیں ہوئی خواہ وہ امام ظاہر ہو یا چھپا ہوا ہو.(4)

1۔ أوائل المقالات ،ص: 44۔

2۔ الملل والنحل :1/ 162۔

3۔ مقالات الإسلامین :1/ 85۔

4۔ ذکر الفرق الضوال لعثمان بن عبد الله العراقی (ق: 12أ، مخطوط)، شرح الاثنین والسبعین فرقة (ق: 12أ، مخطوط)

لیکن ابن مرتضی کہتا ہے کہ امامیہ کہلانے کا سبب یہ ہے کہ وہ تمام امور دین کو امام کے سپرد کر دیتے ہیں اور وہ (امام) ان کے نزدیک نبی ﷺ کی مانند ہوتا ہے اور کوئی زمانہ بھی ایسے امام سے خالی نہیں ہوتا جس کی کسی دینی اور دنیوی امر میں ضرورت ہو۔[1]

ان مؤلفین میں سے کسی نے تو امامیہ نام رکھنے کا سبب مسئلہ وصیت امامت قرار دیا ہے اور کسی نے ان لوگوں کا یہ نظریہ سبب بتایا ہے کہ دنیا کسی وقت بھی ایک امام سے خالی نہیں ہوتی، جبکہ بعض نے اس کے ساتھ ہی ان کا یہ قول بھی ملایا ہے کہ تمام امور دین امام کے سپرد ہیں یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں جن کا مفہوم آپس میں ملتا جلتا ہے، امامیہ کی اصطلاح شیعہ کی اصطلاح مروج ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس (امامیہ) اصطلاح کا ظہور مسئلہ امامت کے ساتھ شیعہ کے اہتمام کے آغاز اور ان شیعہ فرقوں کے ظہور کا مرہون منت ہے جو اہل بیت کے بعض افراد کی امامت کے قائل ہیں، ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے کہ امامیہ لقب تو کجا، یہ نظریہ ہی بہت بعد میں مشہور ہوا ہے، ابن ابی الحدید کہتا ہے "امامیہ اور ان کی طرح سلف کی امامت میں طعن کرنے والوں کا نظریہ (عصر اموی میں) اس طرح شہرت پذیر نہیں ہوا تھا"۔[2]

اثنا عشریہ:

فرق و مذاہب کی قدیم کتب میں ہمیں اس اصطلاحی نام کا کوئی ذکر نہیں ملتا، قمی (التوفی 299ھ) نے "المقالات والفرق" میں، نوبختی (التوفی ۳۱۰ 310ھ) نے "فرق الشيعة" میں اور اشعری (التوفی 330ھ) نے "مقالات الإسلاميين" میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا، اور غالباً (شیعہ سے) مسعودی (التوفی 249ھ) نے سب سے پہلے اس نام کا ذکر کیا ہے[3] جبکہ غیر شیعہ میں سے عبد القاہر بغدادی (التوفی 429ھ) ہیں جنہوں نے اس کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے کہ ان کا نام اس لیے اثنا عشریہ رکھا گیا ہے کیونکہ ان

1۔ المنية والأمل،ص:21۔

2۔ شرح نهج البلاغة:4/ 522۔

3۔ التنبيه والإشراف ،ص: 198۔

کا دعوی ہے کہ امام منتظر ہی علی بن ابی طالب سے نسبتی تعلق رکھنے والا بارہواں امام ہو گا۔[1]

ایک معاصر رافضی محمد جواد مغنیہ نے کہا ہے کہ اثنا عشریہ ایک وصف ہے جو شیعہ امامیہ پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بارہ اماموں کے قائل اور ان کی نام بنام تعیین کرتے ہیں[2] بلاشبہ اس نام کا ظہور بارہ اماموں کا نظریہ ظاہر ہونے کے بعد بھی ہوا اور یہ عقیدہ حسن عسکری (المتوفی 260ھ) کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے کیونکہ حسن عسکری کی وفات سے پہلے کوئی بھی نہ بارھویں امام کے منتظر ہونے کا قائل تھا اور نہ ہی علی کے زمانے اور عہد اموی میں کوئی شخص بارہ اماموں کی امامت کا مدعی تھا[3] لیکن مختصر تحفہ اثنا عشریہ کے مولف کی رائے ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کا زمانہ ظہور 255ھ ہے۔[4]

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس تاریخ کو اس لیے محدود کیا ہے کیونکہ اسی سال کے متعلق اثنا عشریہ کا دعوی ہے کہ اس میں ان کا بارہواں امام پیدا ہوا تھا اور وہ آج تک اس امام کے زندہ ہونے کے قائل اور اس کے (غار سے) نکلنے کے منتظر ہیں، جب یہ صورت حال ہے تو اس تاریخ کی تحدید 260ھ کے ساتھ کرنی چاہیے کیونکہ بارہویں امام منتظر کے موجود ہونے کا دعوی تو حسن عسکری کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا اور ان کی وفات 260ھ میں ہوئی تھی، جعفریہ جن بارہ اماموں کے قائل ہیں ان سے مراد امیر المومنین علی بن ابی طالب، حسن، حسین علیہم السلام اور ان کی اولاد ہیں اور ذیل میں ان بارہ اماموں کے اسماء، القاب، کنیتوں اور ہر امام کے سال ولادت ووفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نمبر شمار	امام کا نام	کنیت	لقب	ولادت ووفات کا سال
1	علی بن ابی طالب	ابو الحسن	المرتضی	ہجرت سے 23 سال قبل 40ھ

1۔ الفرق بین الفرق ،ص: 64۔

2۔ الاثنا عشرية وأهل البيت،ص: 15۔

3۔ منهاج السنة :4/ 209۔

4۔ مختصر التحفة الاثنى عشريه ، ص:21۔

2ھ-50ھ	الزکی	ابو محمد	حسن بن علی	2
3ھ-61ھ	الشہید	ابو عبد اللہ	حسین بن علی	3
38ھ-95ھ	زین العابدین	ابو محمد	علی بن حسین	4
57ھ-114ھ	الباقر	ابو جعفر	محمد بن علی	5
83ھ-148ھ	الصادق	ابو عبد اللہ	جعفر بن محمد	6
128ھ-183ھ	الکاظم	ابو ابراہیم	موسیٰ بن جعفر	7
148ھ-203ھ	الرضا	ابو الحسن	علی بن موسیٰ	8
195ھ-220ھ	الجواد	ابو جعفر	محمد بن علی	9
212ھ-254ھ	الہادی	ابو الحسن	علی بن محمد	10
232ھ-260ھ	العسکری	ابو محمد	حسن بن علی	11
شیعہ کا دعوی ہے کہ یہ 255یا269ھ میں پیدا ہوئے اور آج تک زندہ ہیں(1)	المہدی	ابو القاسم	محمد بن حسن	12

قطعیہ:

یہ نام مولفین فرق کی ایک جماعت اشعری، شہرستانی اور اسفرائینی وغیرہ کے نزدیک اثنا عشریہ ہی کا ایک لقب ہے اور انہیں قطعیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موسی بن جعفر صادق کی قطعی اور یقینی موت کے قائل

1۔ أصول الكافي (كليني): 1/ 452، مقالات الإسلاميين: 1/ 91۔

ہیں[1] اور یہی اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے، مسعودی کہتا ہے "260ھ میں ابو محمد حسن بن علی وفات پا گئے اور امامیہ کے فرقہ قطعیہ کے نزدیک یہ مہدی منتظر بارہویں امام کے والد تھے"[2] جبکہ دیگر بعض علماء قطعیہ کو اثنا عشریہ کے لقب کی بجائے اسے امامیہ ہی کا ایک فرقہ شمار کرتے ہیں[3] یقیناً قطعیہ ہی اثنا عشریہ کے سلف ہیں اور ان کا یہ نام امام موسیٰؒ کی امامت کے قطعی اور یقینی قائل ہونے کی بنا پر رکھا گیا ہے اسی بنا پر یہ اسماعیلیہ سے الگ ہوئے ہیں لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیعہ ہر امام کی وفات پر اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں تو فرقہ قطعیہ بھی یقیناً اس اختلاف کا شکار ہوا ہے اور اس سے بھی ایسے فرقے الگ ہوئے جو بارہ اماموں کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے یعنی قطعیہ کے بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو اثنا عشری نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ قطعیہ اثنا عشریہ سے زیادہ عام ہے کہ ان کے بعض فرقے اثنا عشری ہیں اور بعض اثنا عشری یعنی بارہ اماموں کے قائل نہیں ہیں.

اصحاب الانتظار:

رازی اثنا عشریہ کو "أصحاب الانتظار" کا لقب دیتے ہیں کیونکہ ان کا موقف ہے کہ حسن عسکری کے بعد ان کے صاحب زادے محمد بن حسن عسکری امام ہیں اور وہ غائب ہیں جو عن قریب ظاہر ہوں گے، رازی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے امامیہ کا یہی مذہب ہے اور امام کے انتظار کے کئی شیعہ فرقے قائل ہیں اگرچہ اس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ نظریہ صرف اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے.[4]

رافضہ:

علما کی ایک جماعت اثنا عشریہ پر رافضہ نام کا اطلاق کرتی ہے جیسا کہ اشعری نے "المقالات"[5] میں اور

1۔ المقالات و الفرق ،ص:89، مسائل الأمامية للناشئ ،ص: 47، مقالات الإسلاميين:1/ 90، مروج الذهب للمسعودي: 4/ 199-

2۔ مروج الذهب :4/ 199-

3۔ مختصر التحفة الاثنى عشريه،ص: 19، 20-

4۔ اعتقادات فرق المسلمين ،ص:84، 85-

5۔ مقالات الأسلامين:1/ 88-

ابن حزم نے "الفصل "[1] میں ذکر کیا ہے. اسی طرح یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اثنا عشریہ کی کتب بھی یہ صراحت کرتی ہیں کہ دیگر القاب کے ساتھ یہ بھی اس کا ایک لقب ہے. شیعہ عالم مجلسی نے اپنی کتاب" البحار "میں جو شیعہ احادیث کا ایک اہم ماخذ ہے، رافضہ نام رکھنے کی مدح میں چار احادیث نقل کی ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ اس نام کی مدح و تحسین کے ذریعے اپنے پیروکاروں کو مطمئن کیا جائے لیکن ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مدح کے لیے نہیں بلکہ مذمت کے طور پر ان لوگوں کو رافضہ نام سے پکارا کرتے تھے اور ان شیعہ مصادر میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں کہ آخر لوگ مذمت اور سب وشتم کے طور پر انہیں کیوں اس نام سے موسوم کیا کرتے تھے؟

مجلسی نے ان احادیث کا تذکرہ" باب فضل الرافضة و مدح التسمية بها "میں کیا ہے مثلاوہ ابو بصیر سے روایت کرتا ہے کہ میں نے ابو جعفر سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہمارا یہ کیسا نام ہے جس کی وجہ سے حکمران ہمارے خون، مال اور ہمیں اذیت دینا روا سمجھتے ہیں؟ فرمایا: وہ کون سا نام ہے؟ میں نے کہا: رافضہ، ابو جعفر نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں ستر آدمی تھے جو ساری قوم موسیٰ علیہ السلام میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور ہارون سے محبت رکھنے والے تھے تو قوم موسیٰ نے ان کا نام موسیٰ رکھ دیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان کا یہ نام تورات میں محفوظ کرلو کیونکہ میں نے یہ نام انہیں عطا کر دیا ہے.[2]

ایک رائے کے مطابق سب سے پہلے مغیرہ بن سعید نے رافضہ نام کا اطلاق کیا تھا اور فرقہ مغیریہ اسی کی طرف منسوب ہے اور اسے خالد بن عبد اللہ قسری نے 119ھ میں قتل کر دیا تھا. رافضہ نام کے اطلاق کا سبب یہ تھا کہ یہ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد نفس زکیہ (محمد بن عبد اللہ بن حسن) کی امامت کا میلان رکھتا تھا اور اسی بات کا اظہار کرتا تھا جس کی وجہ سے جعفر بن محمد کے شیعوں نے مغیرہ سے برأت ظاہر کیا تو اس نے انہیں رافضہ نام سے موسوم کیا.[3]

1۔ الفصل: 4/ 184، 185۔

2۔ البحار: 68/ 96، 97، تفسیر فرات، ص: 139۔

3۔ المقالات والشرق للقمی، ص: 76، 77، فرق الشیعة، ص: 62، 63۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسی دعوی کا مصدر رافضہ ہیں اور امام طبری نے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے" ان لوگوں کا دعوی ہے کہ مغیرہ نے ان لوگوں کو رافضہ نام سے موسوم کیا تھا جب انھوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا.[1] لیکن عبد اللہ بن فیاض نے مغیرہ کی طرف منسوب اس روایت کو ضعیف شمار کیا ہے جو قواعد نقد کا سامنا نہیں کر سکتی کیونکہ اگر مغیرہ نے ان کا نام رافضہ رکھا ہوتا تو اس کی بنا پر شیعوں پر غیظ و غضب اور حکمرانوں کی طرف سے ان کا قتل وغارت (جیسا کہ روایات میں مذکور ہے) درست قرار نہیں پاتا.[2]

البتہ دیگر (غیر شیعی) مصادر میں اس کا سبب خلافت شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے متعلق شیعہ کا موقف ہے چنانچہ امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں" ان کا نام رافضہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کا رفض وانکار کرتے ہیں.[3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام اشعریؒ کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد اس پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں" میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ جب ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؒ نے کوفہ میں خروج کیا اور شیعوں نے ان کو چھوڑ دیا تو انھوں نے ان کو رافضہ نام سے موسوم کیا تھا.[4]

در حقیقت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام اشعری رحمہ اللہ کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ ان لوگوں نے زید کو تبھی چھوڑا تھا جب انھوں نے ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور ان کی خلافت سے متعلق اپنے نظریے کا اظہار کیا تھا[5] لہذا یہ کہنا کہ ان کا نام رافضہ زید کو چھوڑنے کی وجہ سے پڑا تھا یا زید کے عقیدے و نظریے کو رد کرنے کی وجہ سے رکھا گیا تھا، میری نظر میں اس کا سبب ایک ہی ہے البتہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے امام اشعری پر تعاقب کرتے

1۔ تاریخ الطبری: 7/ 181۔

2۔ تاریخ الامامیة، ص: 75۔

3۔ مقالات الأسلامین: 1/ 89، الملل والنحل لشهرستانی: 1/ 155، اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین للرازی، ص: 77، التبصیر فی الدین لاسفراینی، ص: 34، الغنیة للجیلانی: 1/ 76، المنیة والأمل لابن المرتضیٰ، ص: 21۔

4۔ منهاج السنة، 3/ 255۔

5۔ تاریخ الطبری: 7/ 180، 181، الکامل لابن الأثیر: 4/ 246، البدایة والنهایة: 9/ 329، 330۔

ہوئے اس بات کا تاریخی پہلو سامنے رکھا ہے کیونکہ زید سے شیعوں کے اختلاف سے پہلے بھی تھا جیسا کہ بعض شیعہ فرقے سبئیہ وغیرہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت وخلافت کا انکار کرتے تھے لیکن اس وقت کسی نے انھیں اس نام رافضہ سے نہیں پکارا، اور یہ نام اس وقت معرض وجود میں آیا جب ان لوگوں نے زید کو شیخین کے ساتھ اپنی رضامندی اور محبت کا اظہار کرنے کے سبب چھوڑ دیا تو انھوں نے ان کو رافضہ کے نام سے موسوم کیا، شیعوں کو رافضہ کہنے کے اس کے علاوہ بھی کئی اسباب منقول ہیں جن سے طوالت کی بنا پر ہم صرف نظر کر رہے ہیں اور بعض مؤلفین فرق عموماً شیعہ کے تمام فرقوں پر رافضہ کا اطلاق کرتے ہیں۔

جعفریہ:

اثنا عشریہ کا نام جعفر صادق کی طرف نسبت کرتے ہوئے جعفریہ بھی رکھا گیا ہے جو ان کے عقیدے کے مطابق ان کا چھٹا امام ہے، کشی نے روایت کیا ہے کہ کوفے میں شیعان جعفر کا نام جعفریہ رکھا گیا اور یہ نام جعفر کو بتایا گیا تو انھوں نے غضب ناک ہو کر کہا "تم میں جعفر کے اصحاب (پیروکار) بہت تھوڑے لوگ ہیں کیونکہ جعفرؒ کے اصحاب صرف وہی لوگ ہیں جن میں ورع و تقوی بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے خالق کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں"[1]۔

اصول کافی میں موجود روایت سے پتا چلتا ہے کہ لوگ جعفر صادق کے لیے طرف داری کا دعوی کرنے والوں کو "جعفری خبیث" کہا کرتے تھے اور جب بعض شیعہ نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اس امر کی شکایت کی تو انھوں نے کہا "تم میں جعفر کی پیروی کرنے والے کتنے تھوڑے لوگ ہیں، میرے اصحاب تو صرف وہ لوگ ہیں، جو سخت ورع و تقوی والے، اپنے خالق کے لیے عمل کرنے والے اور اسی سے ثواب کی امید رکھنے والے ہیں پس یہی لوگ میرے اصحاب ہیں۔[2]

بشرط صحت یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جعفریہ نام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں رائج تھا

1۔ رجال الکشی، ص:255۔

2۔ أصول الکافی :2/ 77۔

اور جعفر رحمہ اللہ ان کی کثیر تعداد سے خوش نہیں تھے نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفریہ لقب اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ دونوں پر بولا جاتا تھا کیونکہ دونوں گروہ جعفر کی وفات کے بعد اختلاف وافتراق کا شکار ہوئے تھے.

شیعہ کے ایک اور فرقے پر بھی جعفریہ نام کا اطلاق ہوتا تھا جو اب ختم ہو چکا ہے اور اس کا نظریہ تھا کہ حسن عسکری کے بعد ان کا بھائی جعفر امام ہے،[1] بعض علاقوں میں اثنا عشریہ کے کئی اور القاب بھی مروج ہیں مثلاً اخیر زمانوں میں جبل عامل، بلاد بعلبک اور جبل لبنان کے شیعوں پر "متاولہ "لقب کا اطلاق ہوتا تھا اور یہ لفظ "متوالی" کی جمع ہے جو "توالی "کا اسم فاعل ہے یہ لفظ "الولاء" اور "الموالاۃ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی محبت کرنا ہے کیونکہ یہ لوگ بزعم خویش اہل بیت سے موالات اور محبت کرتے ہیں.

ایک دوسرے قول کے مطابق اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جنگوں میں کہا کرتے تھے "مُتْ وَلِیًّا لِعَلِیٍّ" (علی کا دوست بن کر جان قربان کر دو) تو اسی بنا پر ان میں سے ایک کا نام ہی "متوالی" پڑ گیا[2] اسی طرح ان کا ایک لقب "قزلباش" ہے یہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے سرخ سر والا، اب یہ ایران میں "قلباش" سے مشہور ہے ہند، روم اور شام میں بھی ہر شیعہ کو قزلباش کہا جاتا ہے.[3]

خاصہ: شیعہ علماء اپنی جماعت پر اس لقب "خاصہ "کا اطلاق کرتے ہیں اور اہل السنہ والجماعہ کو عامہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں جیسا کہ دائرۃ المعارف الشیعہ میں مرقوم ہے "بعض اہل درایت کی اصطلاح میں "خاصہ" سے مراد امامیہ اثناء عشریہ اور عامہ سے مقصود اہل السنہ والجماعہ ہیں"[4] شیعہ کی روایات میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ عامہ (اہلسنت) کے طریق سے ہے اور یہ حدیث خاصہ (شیعہ) کے طریق سے ہے.

---

1 ۔ اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین ،ص: 84 ، مختصر التحفة الاثني عشرية ،ص:21۔

2 ۔ حاضر العالم الإسلامي :193/1، 194، أعيان الشيعة :22/1۔

3 ۔ أعيان الشيعية :23/1، 24۔

4 ۔ أصول الكافي:1/ 68، وسائل الشيعة:18/ 76۔

شیعہ کا حکم

اس میں دو بحثیں ہیں:

:1 بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ بدعتی ہیں کافر نہیں ہیں.

:2 بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہیں.

پہلی بحث

یہ بدعتی ہیں کافر نہیں

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ محققین اور اکثریت کا اختیار کردہ اور صحیح موقف یہی ہے کہ خوارج کو دیگر تمام بدعتیوں کی طرح کافر نہیں کہا جائے گا.[1] ملا علی قاریؒ اس اقتباس سے یہ سمجھتے ہیں کہ امام نووی روافض کی تکفیر کے قائل نہیں کیونکہ وہ بدعتیوں میں داخل ہیں لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ رافضہ کا مذہب بدلتا رہتا ہے، متاخر رافضہ متقدمین کی طرح نہیں، ان کے زمانے کے جو رافضہ ہیں وہ اور ہیں جن کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خامہ فرسائی کی ہے پھر وہ امام نووی کی بات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> میں کہتا ہوں کہ یہ بات ہمارے زمانے میں نکلنے والے رافضہ کے بارے میں نہیں کیونکہ یہ لوگ تمام اہل السنۃ والجماعۃ تو ایک طرف رہے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی کافر کہتے ہیں. یہ لوگ بالاجماع اور بلا اختلاف کافر ہیں.[2]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امامیہ امام نووی کے زمانے میں یا تو صحابہ کو کافر نہیں کہتے تھے یا پھر امام نوویؒ ان کے اس عمل تکفیر سے ناواقف تھے اور یہی بات زیادہ درست لگتی ہے کیونکہ رافضہ کی بنیادی کتابوں میں (جو امام نوویؒ سے پہلے وضع کی گئیں) ایسی روایات موجود ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر پر مشتمل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ امامیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر نہیں کہتے. ان کی رائے

1۔ شرح النووی علی صحیح مسلم :2/ 50-

2۔ مرقاۃ المفاتیح:9/ 137-

کے مطابق تکفیر غالی شیعہ کا کام ہے۔[1]

دوسری بحث

شیعہ کی تکفیر کا موقف

امام مالک، احمد اور بخاری رحمہ اللہ کی طرح کے کبار ائمہ اسلام کا یہی موقف ہے اور ذیل میں اثنا عشریہ اور جعفریہ کے نام سے موسوم روافض کے بارے میں ائمہ اسلام اور علماء مسلمین کے فتوے ذکر کیے جاتے ہیں نیز شیعہ کے مشہور مقالات و نظریات کے متعلق (جو ان کی بنیادی کتابوں میں مذکور ہیں) علمائے اسلام کا موقف پیش کیا جاتا ہے۔ میں سب سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ ذکر کروں گا، اس کے بعد امام احمد رحمہ اللہ کا، پھر امام بخاری رحمہ اللہ، ان کے بعد با ترتیب وفات کے مطابق باقی ائمہ کرام کے فتاویٰ جات کا ذکر کروں گا۔ میں نے ائمہ کبار کے فتاوی اور شیعہ کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہنے والے علماء کرام یا شیعہ کے بارے میں لکھنے والے اور شیعہ کے مذہب کی تحقیق کرنے والے علماء کرام کے فتاوی کا انتخاب کیا ہے۔

1. امام مالک رحمہ اللہ:

خلال نے ابو بکر مروزی سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے سنا کہ انھوں نے کہا:

قال مالك:الذي يشتم أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ليس له سهم، أو قال: نصيب في الإسلام.[2]

"مالک نے کہا کہ جو اصحاب النبی ﷺ کو سب وشتم کرتا ہے، اس کا اسلام میں کوئی نام یا حصہ نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت: "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ

1۔ شرح النووي على صحيح مسلم :15/ 183-

2۔ السنة لابي بكر الخلال، ذكر الروافض ، 3/ 493، رقم : 779، ط: دار الراية الرياض-

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"[1] محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے سجدے کرنے کے اثر سے، یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں، ان کا وصف اس کھیت کی طرح ہے، جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے، کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ:

ومن هذه الآية انتزع الإمام مالك رحمه الله عليه في رواية عنه، بتكفير الروافض الذين يبغضون الصحابة رضي الله عنهم قال: لأنهم يغيظونهم ومن غاظ الصحابة رضي الله عنهم فهو كافر لهذه الآية، ووافقه طائفة من العلماء رضي الله عنهم على ذلك.[2]

یعنی ایک روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے روافض کی تکفیر کا حکم نکالا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، انہوں نے کہا کیونکہ وہ ان پر غصہ کرتے ہیں اور جس کو صحابہ پر غصہ آیا، وہ اس آیت کے موجب کافر ہے اور علماء کے ایک گروہ نے ان کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے۔

قلت: لقد أحسن مالك في مقالته وأصاب في تأويله. فمن نقص واحدا منهم أو طعن عليه في روايته فقد رد على الله رب العالمين، وأبطل شرائع المسلمين.[3]

1۔ سورة الفتح ،الآية:29۔

2۔ تفسير ابن كثير،7/ 336، ط:دارالكتب العلمية بيروت۔

3۔ تفسير القرطبي :16/ 297،ط: دار الكتب المصرية القاهرة۔

یعنی امام قرطبی کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی بات کہی ہے اور آیت کی صحیح تاویل کی ہے کہ "جس نے کسی ایک صحابی کی بھی عیب جوئی کی یا اس کی روایت پر طعن کیا، اس نے اللہ رب العزت کا رد کیا اور مسلمانوں کے احکام کو جھوٹا قرار دیا"۔

2. امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

ان سے روافض کی تکفیر کے متعلق کئی روایات مروی ہیں:

أخبرنا أبو بكر المروذي، قال: سألت أبا عبد الله عن من يشتم أبا بكر وعمر وعائشة؟ قال: ما أرآه على الإسلام.(1)

یعنی خلال نے ابو بکر مروزی سے روایت کیا کہ میں نے ابو عبداللہ سے ان کے بارے میں پوچھا جو حضرت ابو بکر، عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں تو انھوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا.

وأخبرني عبد الملك بن عبد الحميد، قال: سمعت أبا عبد الله، قال: " من شتم أخاف عليه الكفر مثل الروافض، ثم قال: من شتم أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لا نأمن أن يكون قد مرق عن الدين ".(2)

یعنی خلال نے کہا ہے کہ مجھے عبد الملک بن عبد الحمید نے بتایا، اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے سنا، انہوں نے کہا: جس نے گالی دی، مجھے اس پر روافض کی طرح کفر کا خدشہ ہے، پھر کہا جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دی، بعید نہیں کہ وہ دین سے نکل چکا ہو۔

أخبرنا عبد الله بن أحمد بن حنبل، قال: سألت أبي عن رجل شتم رجلا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ما أراه على الإسلام.(3)

1۔ السنة لابی بکر الخلال، ذکر الروافض، 3/ 493، رقم: 779، ط: دار الراية الرياض۔

2۔ السنة لابی بکر الخلال، ذکر الروافض، 3/ 493، رقم: 780، ط: دار الراية الرياض۔

3۔ السنة لابی بکر الخلال، ذکر الروافض، 3/ 493، رقم: 782، ط: دار الراية الرياض

یعنی خلال نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا، اس نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا، جو صحابہ میں سے کسی کو گالی دیتا ہے، تو انہوں نے کہا: میں اس کو اسلام پر نہیں سمجھتا.

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "السنة" میں ان کا روافض کے متعلق یہ قول مذکور ہے:

هم الذين يتبراؤن من اصحاب محمد ﷺ ويسبونهم ويتقصونهم ويكفرون الائمة الا اربعة : على و عمار والمقداد وسلمان وليست الرافضة من الاسلام فى شئى.[1]

یہ لوگ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تبرا کرتے ہیں، ان کو دشنام طرازی کرتے ہیں، ان میں کیڑے نکالتے ہیں اور علی، عمار، مقداد اور سلیمان رضی اللہ عنہم کے سوا ائمہ کو کافر کہتے ہیں، رافضہ کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں.

اثنا عشریہ چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا (جن کی تعداد انگلیوں کے بھی برابر نہیں) سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں، یہ اپنی دعاؤں، زیارتوں، درگاہوں اور بڑی بڑی بنیادی کتابوں میں ان پر لعنت کرتے ہیں اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں کو کافر کہتے ہیں، امام ابن عبد القوی کہتے ہیں:

وكان الامام احمد يكفر من تبرأ منهم (اى الصحابة) ومن سب عائشة ام المؤمنين ورماها مما برأها الله منه وكان يقرأ" يَعِظُكُمُ اللهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ".[2]

یعنی جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم سے برأت کا اظہار کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتا ہے اور ان پر وہ بہتان لگاتا ہے جس سے اللہ تعالی نے ان کو بری قرار دیا ہے، تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو کافر کہتے ہیں

---

1 ۔ السنة للامام احمد ،ص:82 تصحيح الشيخ اسماعيل الانصارى

2 ۔ ما يذهب اليه الامام احمد للامام ابى محمد رزق الله بن عبد القوى التميمى المتوفى 480ھ (الورقة:21)

اور وہ یہ آیت پڑھتے "يَعِظُكُمُ اللهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اس سے کہ دوبارہ کبھی ایسا کام کرو، اگر تم مومن ہو۔

لیکن امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعۃ الفتاوی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے روافض کی تکفیر میں اختلاف نقل کیا ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی پہلے جو عبارتیں گزری ہیں، وہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام صاحب ان کی تکفیر کے قائل تھے۔ تاہم شیخ الاسلام نے (جو لوگ روافض کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے) ان کی اس انداز میں توجیہ کی ہے، جس سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں خیال کیا جانے والا تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں:

وأما من سبهم سبا لا يقدح في عدالتهم ولا في دينهم مثل وصف بعضهم بالبخل أو الجبن أو قلة العلم أو عدم الزهد ونحو ذلك فهذا هو الذي يستحق التأديب والتعزير ولا نحكم بكفره بمجرد ذلك وعلى هذا يحمل كلام من لم يكفرهم من أهل العلم.[1]

یعنی جس نے ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے بارے میں اس طرح کی بدزبانی کی، جس کی وجہ سے ان کی دیانت داری یا دین داری پر کوئی حرف نہ آتا ہو، مثلاً بعض صحابہ کو بخیل، بزدل، کم علم یا دنیادار کہنا، اس طرح کی باتیں کرنے والا تعزیر اور تادیب کا سزاوار ہے صرف اس کی وجہ سے ہم اس کو کافر نہیں کہہ سکتے، اہل علم میں جو ان کو کافر نہیں کہتا تو اس کے کلام کو اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو ان کے بارے میں ایسی بدزبانی کرتا ہے، جو ان کی دیانت، عدالت اور تدین پر جرح کرتی ہو، اہل علم کے نزدیک اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، لیکن جو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو مرتد خیال کرتا ہے اس کا پھر کیا حال ہو گا؟

1۔ الصارم المسلول، المسألة الثالثة: أنه يقتل ولا يستتاب سواء كان مسلما أو كافرا، 1/ 586، الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية۔

3. امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ما أبالي صليت خلف الجهمي الرافضي أم صليت خلف اليهود والنصارى، ولا يسلم عليهم، ولا يعادون، ولا يناكحون، ولا يشهدون، ولا تؤكل ذبائحهم وقال عبد الرحمن بن مهدي: هما ملتان: الجهمية، والرافضية. (1)

یعنی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں کسی جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا کسی یہودی اور عیسائی کے پیچھے (یہ چاروں برابر ہیں) ان کو سلام نہیں کہنا چاہیے، نہ ان کی عیادت کرنی چاہیے، نہ ان کے ساتھ نکاح کیا جائے، نہ ان کے جنازوں میں شرکت کی جائے اور نہ ہی ان کے ذبیحے کھائے جائیں۔

4. عبد اللہ بن ادریس:

ليس الرافضى شفعة الا لمسلم. (2)

یعنی رافضی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے وہ صرف مسلمان کو حاصل ہے۔

5. عبد الرحمن بن مہدی:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی نے کہا:

وقال عبد الرحمن بن مهدي: هما ملتان: الجهمية، والرافضية. (3)

یعنی یہ دونوں علیحدہ ملتیں ہیں، ایک جہمیہ اور دوسرے رافضہ۔

6. الفریابی:

کتاب السنۃ لابی بکر بن الخلال میں ہے:

---

1 ـ خلق افعال العباد للبخاری، 1/ 33، ط: دار المعارف السعودية الرياض۔

2 ـ الصارم المسلول، ص: 570 و السيف المسلول على من سب الرسول للسبكي، الورقة 71أ (مخطوط)

3 ـ خلق افعال العباد للبخاری، 1/ 33، ط: دار المعارف السعودية الرياض۔

أخبرني حرب بن إسماعيل الكرماني، قال: ثنا موسى بن هارون بن زياد، قال: سمعت الفريابي، ورجل يسأله عمن شتم أبا بكر قال: كافر، قال: فيصلى عليه؟ قال: لا، وسألته كيف يصنع به وهو يقول: لا إله إلا الله؟ قال: لا تمسوه بأيديكم، ارفعوه بالخشب حتى تواروه في حفرته.[1]

یعنی خلال نے روایت کیا ہے کہ مجھے حرب بن اسماعیل کرمانی نے بتایا، اس نے کہا کہ ہمیں موسیٰ بن ہارون بن زیاد نے بیان کیا اس نے کہا کہ میں نے فریابی سے سنا کہ ایک آدمی ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھ رہا تھا جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی، تو انہوں نے کہا کہ وہ کافر ہے، اس نے پوچھا کہ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: وہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، اس کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے؟ انھوں نے کہا کہ اس کو ہاتھ نہ لگاؤ اس کو لکڑی کے ساتھ اٹھاؤ اور گڑھے میں دفنا دو۔

7. احمد بن یونس:

یہ اہلسنت کے امام اور کوفہ کے رہنے والے ہیں جو رافضہ کا گڑھ اور جائے پیدائش ہے لہٰذا یہ روافض اور ان کے مذہب سے خوب باخبر ہیں، انہوں نے کہا کہ:

"لو أن يهوديا ذبح شاة وذبح رافضي لأكلت ذبيحة اليهودي ولم آكل ذبيحة الرافضي لأنه مرتد عن الإسلام".[2]

یعنی اگر کوئی یہودی ایک بکری ذبح کرے اور کوئی رافضی بھی ذبح کرے تو میں یہودی کا ذبیحہ

---

1 ـ السنة لابي بكر الخلال، ذكر الروافض، 3/ 499، رقم: 794، ط: دار الراية الرياض۔

2 ـ الصارم المسلول على شاتم الرسول، المسألة الثالثة: أنه يقتل ولا يستتاب سواء كان مسلما أو كافرا، 1/ 570، ط: الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية

کھاؤں گا لیکن رافضی کا ذبیحہ نہیں کھاؤں گا کیونکہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے۔

8. ابوزرعہ رازی:

عبد اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فروخ، امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کبار حفاظ حدیث اور ائمہ میں سے ہیں انہیں ایک لاکھ حدیث یاد تھی اور کہا جاتا تھا کہ ہر وہ حدیث جسے ابو زرعہ نہیں پہچانتے وہ حدیث بے بنیاد ہے اور یہ 264ھ میں فوت ہوئے انہوں نے کہا کہ:

اذا رأيت الرجل ينقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق ، لأن مؤدى قوله الى ابطال القرآن والسنة [1]

یعنی اگر آپ کسی آدمی کو دیکھیں جو اصحاب رسول اللہ ﷺ میں عیب نکال رہا ہے تو جان لیں وہ زندیق ہے کیونکہ اس کا قول قرآن اور سنت دونوں کی تردید پر منتج ہو گا۔

9. ابن قتیبہ:

امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

قال :بان غلو الرافضة فى حب على المتمثل فى تقديمه على من قدمه رسول الله صلى الله عليه وسلم وصحابته عليه وادعاءهم له شركة النبى صلى الله عليه وسلم فى نبوته، وعلم الغيب للائمة ومن ولده وتلك الاقاويل والامور السرية قد جمعت الى الكذب والكفر افراط الجهل والغباوة.[2]

یعنی رافضہ کا حب علی رضی اللہ عنہ میں غلو جس کے نتیجے میں وہ اس کو اس پر مقدم کرتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا اور ان کا یہ دعوی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک ہے اور اس کی اولاد میں سے ائمہ کے لیے علم

1۔ الكفاية،ص:49۔

2۔ الاختلاف فى اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة،ص: 47، مطبعة السعادة بمصر 1349ھ

غیب کا دعوی کرتے ہیں، ان تمام اقوال اور خفیہ امور نے ان کے جھوٹ اور کفر کے ساتھ جہالت اور بیوقوفی کو ایک ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔

10. عبد القاہر بغدادی:

شیخ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن محمد البغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَأما اهل الاهواء من الجارودية والهشامية والنجارية والجهمية و الامامية الَّذين اكفروا أخيار الصَّحَابَة والقدرية الْمُعْتَزِلَة عَن الْحق — والخوارج فانا نكفرهم كَمَا يكفرون اهل السّنة وَلَا تجوز الصَّلَاة عَلَيْهِم عندنَا وَلَا الصَّلَاة خَلفهم.[1]

یعنی جارودیہ، ہشامیہ، جہمیہ اور امامیہ میں سے خواہش پرست لوگ جنہوں نے بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیا ہم ان کو کافر کہتے ہیں جس طرح یہ اہلسنت کو کافر کہتے ہیں ہمارے لیے نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے نہ ہی ان کی نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے۔

نیز وہ کہتے ہیں کہ:

وقال:وتكفير هؤلاء واجب في إجازتهم على الله البداء، وقولهم بأنه قد يريد شيئاً ثم يبدو له، وقد زعموا أنه إذا أمر بشيء ثم نسخه، فإنما نسخه لأنه بدا له فيه..وما رأينا ولا سمعنا بنوع من الكفر إلا وجدنا شعبة منه في مذهب الراوافض.[2]

یعنی ان کی تکفیر واجب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کے لیے بدا (ظہور علم) کے قائل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی نیا امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے، پھر اس کو منسوخ کرتا ہے تو منسوخ اس لیے کرتا ہے کیونکہ اس کو

1۔ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية،الْفَصْل الرَّابِع من فُصُول هَذَا الْبَاب فى قَوْلنَا فِي السّلف الصَّالح من الامة،1/ 353، ط: دار الآفاق الجديدة بيروت۔

2۔ الملل والنحل،ص: 52، 53 تحقيق البير نصري نادر۔

اس میں پیدا ہوتا ہے. ہم نے کفر کی جس نوع کے بارے میں بھی سنا یا اُس کو دیکھا، اس کی کسی نہ کسی فرع کو رافضہ کے مذہب میں ضرور پایا.

11. قاضی ابویعلیٰ:

ان کا مکمل نام محمد بن الحسین بن محمد بن خلف بن الفراء ہے، یہ کہتے ہیں کہ:

قال: وأما الرافضة فالحكم فيهم.. .. إنْ كفر الصحابة، أو فسهم بمعنى يستوجب به النار فهو كافر.[1]

یعنی رافضہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ صحابہ کو کافر کہیں یا اس معنی میں فاسق کہیں جو ان کے لیے جہنم کو واجب قرار دے تو وہ کافر ہے.

روافض کے بارے میں ان کی کتابوں کے عام ہو جانے کے بعد یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں.

12. امام ابن حزم:

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

وأما قولهم (يعني النصارى) في دعوى الروافض تبديل القرآن فإن الروافض ليسوا من المسلمين ، إنما هي فرقة حدث أولها بعد موت رسول الله ﷺ بخمس وعشرين سنة. وهي طائفة تجري مجرى اليهود والنصارى في الكذب والكفر.[2]

یعنی ان (عیسائیوں) کا یہ کہنا کہ روافض قرآن میں تبدیلی کا دعوی کرتے ہیں تو روافض تو مسلمان ہی نہیں بلکہ یہ ایک فرقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد پیدا ہوا یہ فرقہ جھوٹ اور کفر میں یہود و نصاریٰ کے قائم مقام ہے.

وہ مزید کہتے ہیں کہ:

1۔ المعتمد، ص: 267۔

2۔ الفصل: 2/ 213۔

وقال: "ومن قول الإمامية قديماً وحديثاً أن القرآن مبدل"... ثم قال: "القول بأن بين اللوحين تبديلاً كفر صريح وتكذيب لرسول الله صلى الله عليه وسلم".[1]

یعنی امامیہ کا قدیم اور جدید دور میں یہی موقف رہا ہے کہ قرآن میں تبدیلی ہوئی ہے، پھر کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ کتابی صورت میں دو جلدوں کے درمیان جو قرآن ہے اس میں تبدیلی ہوئی ہے یہ صریح کفر اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے.

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

"ولا خلاف بين أحد من الفرق المنتمية إلى المسلمين من أهل السنة، والمعتزلة والخوارج، والمرجئة والزيدية في وجوب الأخذ بما في القرآن وأنه المتلو عندنا.. وإنما خالف في ذلك قوم من غلاة الروافض وهم كفار بذلك مشركون عند جميع أهل الإسلام وليس كلامنا مع هؤلاء، وإنما كلامنا مع أهل ملتنا"[2]

یعنی اہلسنت معتزلہ، خوارج، مرجیہ اور زیدیہ ان تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ہے، سب کو لینا واجب ہے اور ہمارے ہاں اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔۔۔ لیکن اس کی غالی رافضیوں کی ایک جماعت نے مخالفت کی ہے اور یہ لوگ کافر ہیں اور اسی کی وجہ سے وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مشرک ہیں. ہمارا کلام ان کے ساتھ نہیں، بلکہ ہمارا کلام اپنے ہم مذہب کے ساتھ ہے.

مزید فرماتے ہیں کہ:

وقال: "واعلموا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكتم من الشريعة كلمة فما فوقها، ولا أطلع أخص الناس به من ابنة أو ابن عم أو زوجة أو صاحب

1۔ الفصل: 5/ 40۔

2۔ الاحکام فی اصول الاحکام: 1/ 96۔

على شيء من الشريعة كتمه عن الأحمر والأسود ورعاة الغنم، ولا كان عنده عليه السلام سر ولا رمز ولا باطن غير ما دعا الناس كلهم إليه، فلو كتمهم شيئاً لما بلغ كما أمر، ومن قال هذا فهو كافر.." .[1]

یعنی جان لو! رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بھی چھپایا نہیں ہے اور نہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیٹی، چچازاد بھائی، بیوی یا دوست یا ان جیسے کسی بھی قریبی اور مخصوص فرد کو شریعت کی کوئی ایسی چیز بتانے کے لیے مخصوص کیا جو آپ ﷺ نے کسی کالے گورے، بکریوں کے چرواہے یا عام آدمی سے چھپائی ہو. آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جو دعوت دی اس کے سوا آپ ان کے پاس نہ کوئی راز تھا نہ رمز اور نہ کوئی باطن، اگر آپ نے ان سے کچھ چھپایا ہوتا تو آپ ﷺ رسالت کو اس طرح نہ پہنچانے والے ہوتے، جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا اور جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے.

13.الاسفرائینی:

ابوالمظفر شہفور بن طاہر بن محمد بن الاسفرائینی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے:

نقل جملة من عقائدهم كتكفير الصحابة، وقولهم: إن القرآن قد غيّر عما كان، ووقع فيها الزيادة والنقصان، وانتظارهم لمهدي يخرج إليهم ويعلمهم الشريعة.. وقال: بأن جميع الفرق الإمامية التي ذكرناها متفقون على هذا، ثم حكم عليهم بقوله: "وليسوا في الحال على شيء من الدين، ولا مزيد على هذا النوع من الكفر إذ لا بقاء فيه على شيء من الدين" .[2]

---

1 ۔ الفصل:2/ 274، 275۔

2 ۔ التبصیر فی الدین ص:24، 25۔

یعنی انہوں نے ان کے جملہ عقائد جیسے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں، قرآن میں تحریف اور کمی زیادتی کے قائل ہیں، مہدی کا انتظار کرتے ہیں، جو آکر ان کو شریعت کی تعلیم دے گا، یہ باتیں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ امامیہ کے تمام فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان عقائد پر متفق ہیں اس کے بعد انھوں نے ان الفاظ میں ان پر حکم لگایا ہے کہ یہ فی الحال دین کی کسی چیز پر قائم نہیں، کفر کی اس نوع میں مزید اضافے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں دین کی تو کوئی چیز باقی نہیں رہی.

14. ابو حامد غزالی:

محمد بن محمد بن احمد المعروف امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

قال: "ولأجل قصور فهم الروافض، عنه ارتكبوا البداء، ونقلوا عن علي رضي الله عنه أنه كان لا يخبر عن الغيب مخافة أن يبدو له تعالى فيه فيغيره.[1]

یعنی روافض نے اس مسئلے میں کم فہمی کی وجہ سے بدا کا ارتکاب کیا. انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ وہ اس خدشے کے پیش نظر غیب کی خبر نہیں دیتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کو اس میں بدا ہو جائے اور وہ اس میں تبدیلی کر دے.

وحكوا عن جعفر بن محمد أنه قال: ما بدا الله في شيء كما بدا له في إسماعيل أي في أمره بذبحه وهذا هو الكفر الصريح، ونسبة الإله تعالى إلى الجهل والتغير، ويدل على استحالته ما دل على أنه محيط بكل شيء علماً".[2]

یعنی انہوں نے جعفر بن محمد سے بیان کیا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالی کو جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بدا ہوا، کسی اور معاملے کے بارے میں اس طرح نہیں ہوا یعنی ان کو ذبح

1۔ بحار الانوار: 4/ 97-

2۔ المستصفى: 1/ 110- انظر: هذه الرواية في كتاب التوحيد لابن بابويه ص336-

کرنے کا حکم دینے کے متعلق یہ صریح کفر ہے،اور اللہ تعالیٰ کی طرف جماعت اور تبدیلی کی نسبت، نیز اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کے علم پر محیط ہونے کے مستحیل ہونے پر دلالت کرتا ہے.

مزید امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

فلو صرح مصرح بكفر أبي بكر وعمر - رضي الله عنهما - فقد خالف الإجماع وخرقه، ورد ما جاء في حقهم من الوعد بالجنة والثناء عليهم والحكم بصحة دينهم وثبات يقينهم وتقدمهم على سائر الخلق في أخبار كثيرة.. ثم قال: "فقائل ذلك إن بلغته الأخبار واعتقد مع ذلك كفرهم فهو كافر.. بتكذيبه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فمن كذبه بكلمة من أقاويله فهو كافر بالإجماع .(1)

یعنی اگر کوئی شخص کھلے لفظوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کفر کا اظہار کرے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی اور جو ان کی تعریف، ان کے ایمان کی صحت، ان کے یقین کی ثابت قدمی، ان کی تمام لوگوں پر افضلیت اور ان کو جنت کی بشارت کے متعلق بہت زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں، ان کی اس شخص نے نفی کی ہے۔۔۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ان تمام روایات کے باوجود اگر کوئی شخص ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتا ہے اور جو شخص آپ کے اقوال میں سے کسی ایک لفظ کو بھی جھٹلاتا ہے، وہ بالاجماع کافر ہے.

15. قاضی عیاض:

عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے بڑے عالم اور اپنے وقت میں حدیث کے بہت بڑے امام تھے آپ فرماتے ہیں کہ:

قال رحمه الله: "نقطع بتكفير غلاة الرافضة في قولهم إن الأئمة أفضل من الأنبياء"

1۔ فضائح الباطنية، ص: 149۔

وكذلك يحكم بكفر من قال: بمشاركة علي في الرسالة للنبي ﷺ وبعده، وأن كل إمام يقول مقام النبي ﷺ في النبوة والحجة، وأشار بأن هذا مذهب أكثر الرافضة. وكذلك من ادعى منهم أنه يوحى إليه وإن لم يدع النبوة. وقال: وكذلك نكفر "من أنكر القرآن أو حرفاً منه، أو غير شيئاً منه، أو زاد فيه كفعل الباطنية أو الإسماعيلية"(1)

یعنی ہم غالی رافضہ کے اس قول (ائمہ انبیاء سے افضل ہیں) کی وجہ سے ان کی یقینی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شریک ہیں اور امام نبوت اور حجت میں نبی کے قائم مقام ہیں، وہ بھی کافر ہے، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ اکثر رافضہ کا مذہب ہے اسی طرح جس نے یہ دعوی کیا کہ ائمہ کی طرف وحی ہوتی ہے اگرچہ اس نے نبوت کا دعوی نہیں کیا. وہ مزید کہتے ہیں کہ اسی طرح جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا، یا اس میں کسی چیز کو بدلا، یا اس میں کیا چیز کا اضافہ کیا، جس طرح باطنیہ اور اسماعیلیہ نے کیا ہے تو اس کو بھی ہم کافر کہتے ہیں.

16. سمعانی:

الحافظ المحدث أبو سعد عبد الکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی رحمہ اللہ مصنف الأنساب فرماتے ہیں:

قال رحمه الله: "واجتمعت الأمة على تكفير الإمامية، لأنهم يعتقدون تضليل الصحابة، وينكرون إجماعهم وينسبون إلى ما يليق بهم".(2)

یعنی امامیہ کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے کیونکہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم گمراہ ہو گئے تھے نیز وہ ان کے اجماع کا انکار کرتے ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جو ان کی شان کے لائق نہیں.

---

1 ـ أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثني عشرية، للقفاري، 3/ 1260.

2 ـ الانساب: 6/ 341.

17. امام رازی:

امام محمد بن عمر بن الحسین المعروف رازی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ:

يذكر الرازي أن أصحابه من الأشاعرة يكفرون الروافض من ثلاثة وجوه: أولها: أنهم كفروا سادات المسلمين، وكل من كفر مسلماً فهو كافر لقوله عليه السلام: "من قال لأخيه: يا كافر فقد باء بها أحدهما". فإذن يجب تكفيرهم. وثانيها: أنهم كفروا قوماً نص الرسول عليه السلام بالثناء عليهم وتعظيم شأنهم، فيكون تكفيرهم تكذيباً للرسول عليه السلام. وثالثها: إجماع الأمة على تكفير من كفر سادات الصحابة.[1]

یعنی ان کے اصحاب اشاعرہ تین وجوہ کی بناپر رافضہ کو کافر کہتے ہیں.

1. انہوں نے مسلمانوں کے سادات اور سربرآوردہ شخصیات کو کافر قرار دیا اور جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا: او کافر؟ تو ان دونوں میں سے کوئی ایک تو ضرور اس کا بوجھ ضرور اٹھائے گا لہذا ان کی تکفیر واجب ہے.
2. انہوں نے ایسی جماعت کو کافر کہا جن کی تعریف اور تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں کی ہے لہذا ان کو کافر کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا ہے.
3. امت کا اجماع ہے کہ جس نے صحابہ کے سادات اور معزز ترین افراد کو کافر کہا، وہ خود کافر ہے.

18. علامہ ابن تیمیہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من زعم أن القرآن نقص منه آيات وكتمت، أو زعم أن له تأويلات باطنة تسقط

1۔ نهاية العقول للرازي (الورقة: 212 أ مخطوط)

الأعمال المشروعة، فلا خلاف في كفرهم.ومن زعم أن الصحابة ارتدوا بعد رسول الله عليه الصلاة والسلام إلا نفراً قليلاً لا يبلغون بضعة عشر نفساً، أو إنهم فسقوا عامتهم، فهذا لا ريب أيضاً في كفره لأنه مكذب لما نصه القرآن في غير موضع من الرضى عنهم والثناء عليهم.بل من يشكك في كفر مثل هذا؟ فإن كفره متعين، فإن مضمون هذه المقالة أن نقلة الكتاب والسنة كفار أو فساق، وأن هذه الآية التي هي: {كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} وخيرها هو القرن الأول، كان عامتهم كفاراً، أوفساقاً، ومضمونها أن هذه الأمة شر الأمم، وأن سابقي هذه الأمة هم شرارها وكفر هذه مما يعلم بالاضطرار من دين الإسلام.[1]

یعنی جنہوں نے یہ دعوی کیا کہ قرآن سے آیات کم ہوئی ہیں یا انھیں چھپالیا گیا ہے، یا یہ دعوی کیا کہ اس کی باطنی تاویلات ہیں جو مشروع اعمال کو ساقط کر دیتی ہیں تو ان کے کفر میں کوئی شک نہیں. جس نے یہ دعوی کیا کہ چند اشخاص کے سوا تمام صحابہ رسول ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے، یا ان کی اکثریت فاسق ہو گئی، تو ایسے شخص کے کافر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں، کیونکہ وہ قرآن کریم کی اس آیت "رضی الله عنهم ورضوا عنه" اور ان کی تعریف کے بارے میں قرآنی آیات کو جھٹلانے والا ہے، بلکہ کون ہے جو ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کرے؟ اس کا کفر تو متعین ہو چکا ہے کیونکہ ان کے اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کو نقل کرنے والے کافر یا فاسق ہیں اور یہ آیت "کنتم خیر أمة أخرجت للناس" جن میں بہترین قرن اول کے مسلمان تھے، ان کی اکثریت کافر یا فاسق تھی، شیعہ کے نظریے کا موضوع یہ ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے بدتر ہے اور اس امت کے سابقہ پیروکار بدترین

1 ۔ الصارم المسلول، ص: 586، 587۔

لوگ تھے (العیاذ باللہ) اس نظریے کے حامل شخص کا کافر ہونا دین کے ان امور میں داخل ہے جن کا معلوم ہونا بداہتاً ہر کسی کو معلوم ہے۔

دوسری جگہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

"إنهم شر من عامة أهل الأهواء، وأحق بالقتال من الخوارج".[1]

یعنی یہ عام بد عقیدہ لوگوں سے بدتر لوگ ہیں اور ان کے خلاف جنگ کرنا خوارج کے خلاف جنگ کرنے سے زیادہ اہم ہے۔

تفصیلی بحث فرماتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

وأنهم كفروا بما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم بما لا يحصيه إلا الله، فتارة يكذبون بالنصوص الثابتة عنه، وتارة يكذبون بمعاني التنزيل. فإن الله قد ذكر في كتابه من الثناء على الصحابة، والرضوان عليهم والاستغفار لهم ما هم كافرون بحقيقته، وذكر في كتابه من الأمر بالجمعة والأمر بالجهاد وبطاعة أولي الأمر ما هم خارجون عنه. وذكر في كتابه من موالاة المؤمنين وموادتهم والإصلاح بينهم ما هم عنه خارجون. وذكر في كتابه من النهي عن موالاة الكفار وموادتهم ما هو خارجون عنه. وذكر في كتابه من تحريم دماء المسلمين وأموالهم وأعراضهم وتحريم الغيبة والهمز واللمز ما هو أعظم الناس استحلالاً له. وذكر في كتابه من الأمر بالجماعة والائتلاف، والنهي عن الفرقة والاختلاف ما هم أبعد الناس عنه. وذكر في كتابه من طاعة رسول الله صلى الله عليه وسلم ومحبته واتباع حكمه ما هم خارجون عنه وذكر في كتابه من حقوق أزواجه ما هم براء منه. وذكر في كتابه

1۔ مجموع فتاوی شیخ الاسلام: 28/ 482۔

من توحيده وإخلاص الملك له وعبادته وحده لا شريك له ما هم خارجون عنه، فإنهم مشركون لأنهم أشد الناس تعظيماً للمقابر التي اتخذت أوثاناً من دون الله. وقد ذكر في كتابه من أسمائه وصفاته ما هم كافرون به. وذكر في كتابه أنه على كل شيء قدير وأنه خالق كل شيء وأنه ما شاء الله لا قوة إلا بالله ما هم كافرون به. ثم قال شيخ الإسلام: ومن اعتقد من المنتسبين إلى العلم أو غيره أن قتال هؤلاء بمنزلة قتال البغاة الخارجين عن الإمام بتأويل سائغ.. فهو غالط جاهل بحقيقة شريعة الإسلام.. لأن هؤلاء خارجون عن نفس شريعة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنته شراً من خروج الحرورية، وليس لهم تأويل سائغ.[1]

یعنی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ شریعت کے ساتھ بے شمار انداز سے کفر کیا، کبھی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احادیث کی تکذیب کرتے ہیں تو کبھی قرآن کریم کے معانی کی تکذیب کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام کی تعریف کی اور ان پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا، جس کی حقیقت کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں جمعہ، جہاد اور اولی الامر کی فرمانبرداری کا حکم دیا ہے یہ ان سے خارج ہیں، اس نے اپنی کتاب میں مومنوں کے ساتھ محبت، موالات اور ان کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دیا، جس سے یہ لوگ خارج ہیں. اس نے اپنی کتاب میں کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے اور ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے سے منع کیا، اس سے یہ لوگ خارج ہیں، اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے خون، اموال، عزتیں، ان کی غیبت اور ان پر طنز وتعریض حرام کی، یہ لوگ سب سے زیادہ ان کو حلال قرار دیتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں اتفاق واتحاد کا درس دیا، اختلاف اور فرقے بندی

1۔ مجموع الفتاوی :28/ 484، 485۔

سے منع کیا، لیکن یہ تمام لوگوں سے زیادہ اس حکم سے دور ہیں، اس نے اپنی کتاب میں رسول کی فرمانبرداری، محبت اور اتباع کا حکم دیا، جس کی یہ مخالفت کرتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حقوق بیان کیے، جن سے یہ لوگ بری ہیں، اس نے اپنی کتاب میں اپنی توحید، خالص عبادت اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا، یہ اس کے مخالف ہیں، یہ مشرک ہیں کیونکہ یہ ان قبروں کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں، جن کو انھوں نے اللہ کے سوا بت بنایا ہوا ہے، اس نے اپنی کتاب میں اپنے اسماء وصفات کا ذکر کیا، یہ ان کا انکار کرتے ہیں، اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے جو وہ چاہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا، نیکی کی استطاعت اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے لیکن وہ ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں.

... اس کے بعد شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ....جو کوئی اہل علم کی نسبت رکھنے والا یا کوئی دوسرا شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی جائز اور معقول تاویل کے ہوتے، حاکم وقت کے خلاف بغاوت کرنے والی باغیوں کی جماعت کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے تو ایسا انسان غلط ہے اور شریعت اسلام کے حقائق سے ناواقف ہے کیونکہ یہ لوگ بذات خود رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کی سنتوں ہی سے خارج ہیں، جو حروری خوارج کے خروج سے بڑا شر ہے، ان کے پاس کوئی جائز اور معقول تاویل نہیں.

جائز تاویل کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

فإن التأويل السائغ هو الجائز الذي يقر صاحبه عليه إذا لم يكن فيه جواب كتأويل العلماء المتنازعين في موارد الاجتهاد وهؤلاء ليس لهم ذلك بالكتاب والسنة والإجماع، ولكن لهم تأويل من جنس تأويل اليهود والنصارى، وتأويلهم شر تأويلات أهل الأهواء.[1]

1۔ مجموع الفتاوى :28/ 286۔

یعنی جائز تاویل وہ ہوتی ہے جس کا کوئی جواب نہ ہو اور آدمی اس پر برقرار ہے جس طرح اجتہاد کے مواد کے متعلق اختلاف کرنے والے علما کی تاویل، جب کہ ان لوگوں کی یہ تاویل کتاب و سنت اور اجماع کے ساتھ نہیں، ان کی تاویل یہود و نصاریٰ کی تاویل کی قسم ہے اور ان کی تاویل خواہش پرستوں (اہل سنت) کی تاویل سے بھی بدتر تاویل ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ان نظریات کے حامل افراد کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک کسی مخصوص اور متعین شخص کی تکفیر اس پر حجت قائم کرنے اور اس کی حقیقت پہنچانے کے ساتھ مشروط۔

19. امام ابن کثیر:

امام ابن کثیر نے وہ بعض صحیح احادیث نقل کیں ہیں جو نص اور وصیت علی کے دعوے کی نفی کرتی ہیں اور پھر ان الفاظ میں ان پر تبصرہ کیا کہ:

"ولو كان الأمر كما زعموا لما رد ذلك أحد من الصحابة فإنهم كانوا أطوع لله ولرسوله في حياته وبعد وفاته، من أن يفتاتوا عليه فيقدموا غير من قدمه، ويؤخروا من قدمه بنصه، حاشا وكلا، ومن ظن بالصحابة رضوان الله عليهم ذلك فقد نسبهم بأجمعهم إلى الفجور، والتواطؤ على معاندة الرسول صلى الله عليه وسلم، ومضادتهم في حكمه ونصه، ومن وصل من الناس إلى هذا المقام فقد خلع ربقة الإسلام، وكفر بإجماع الأئمة الأعلام، وكان إراقة دمه أحل من إراقة المدام".[1]

یعنی اگر معاملہ ایسے ہی ہوتا جس طرح یہ دعوی کرتے ہیں تو کوئی صحابی بھی اس کی تردید نہ کرتا کیونکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی تمام لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار تھے۔ لہذا وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ پر افترا پردازی کرتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محروم کر دیتے اور دوسرے کو ان پر

1۔ البداية والنهاية: 5/ 252۔

مقدم کردیتے، جس کو وصیت نے مقدم کیا تھا،اس کو مؤخر کردیتے(حاشا و کلا)وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے. جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے، وہ ان تمام کو نافرمانی، رسول کی مخالفت اور آپ کے حکم اور وصیت کی روگردانی کی طرف منسوب کرتا ہے اور جو شخص اس حد تک پہنچ جائے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ائمہ اعلام کے اجماع کے ساتھ کافر ہو جاتا ہے، اس کا خون بہانا شراب بہانے سے زیادہ حلال ہے.

روافض کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق وصیت کی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس نص سے روگردانی کی اور اس کی وجہ سے مرتد ہوگئے. معاصر رافضہ اور ان کے بزرگ یہی کہتے ہیں.

20.ابو حامد المقدسی:

محمد بن خلیل بن یوسف الرملی المقدسی رحمہ اللہ شیعہ کے فرقوں اور ان کے عقائد کے بارے میں گفتگو کے بعد کہتے ہیں کہ:

"لا يخفى على كل ذي بصيرة وفهم من المسلمين أن أكثر ما قدمناه في الباب قبله من عقائد هذه الطائفة الرافضة على اختلاف أصنافها كفر صريح، وعناد، مع جهل قبيح لا يتوقف الواقف عليه من تكفيرهم والحكم عليهم بالمروق من دين الإسلام".[1]

یعنی ہر صاحب بصیرت اور سمجھ دار مسلمان پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اس سے پہلے باب میں ہم نے اس رافضی فرقے کی مختلف اصناف کے ساتھ جن عقائد کا ذکر کیا ہے وہ صریح کفر اور بد تر جہالت کے ساتھ عناد بھی ہے ان سے واقف ہو جانے کے بعد کوئی شخص بھی ان کے کافر ہونے اور ان پر دین اسلام سے خارج ہونے کا حکم لگانے میں دیر نہیں لگائے گا.

1۔ رسالة في الرد على الرافضة،ص:200-

21. ابوالمحاسن یوسف الواسطی:

یوسف الجمال ابوالمحاسن الواسطی رحمۃ اللہ علیہ نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد ذکر کیے اور کہا ہے کہ:

"إنهم يكفرون بتكفيرهم لصحابة سول الله صلى الله عليه وسلم الثابت تعديلهم وتزكيتهم في القرآن بقوله تعالى: {لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ} وبشهادة الله تعالى لهم أنهم لا يكفرون بقوله تعالى: {فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُواْ بِهَا بِكَافِرِينَ} ويكفرون باستغنائهم عن حج بيت الله الحرام بزيارة قبر الحسين لزعمهم أنها تغفر الذنوب وتسميتهم لها بالحج الأكبر، ومن ذلك أنهم يكفرون بترك جهاد الكفار والغزو لهم الذي يزعمون أنه لا يجوز إلا مع الإمام المعصوم وهو غائب"[1]

وأنهم يكفرون بإعابتهم السنن المتواتر فعلها عن النبي صلى الله عليه وسلم من الجماعة والضحى والوتر والرواتب قبل المكتوبات من الصلوات الخمس وبعدها، وغير ذلك من السنن المؤكدات".[2]

یعنی یہ لوگ صحابہ کی تکفیر کی وجہ سے کافر ہیں جن کی عدالت، دیانت داری اور تزکیہ قرآن کریم میں ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے "لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ"[3] تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو. اور خود اللہ تعالی کی ان کے بارے میں گواہی ہے کہ یہ کافر نہیں ہوئے

1۔ المناظرة بين اهل السنة والرافضة،ص: 66 مخطوط۔

2۔ المناظرة بين اهل السنة والرافضة،ص: 67 مخطوط۔

3۔ سورة البقرة، الاية: 143۔

تھے "فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ"[1] پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں، جو کسی صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں، یہ لوگ قبر حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کو حج کا بدل قرار دے کر حج سے مستغنی ہو جانے کی وجہ سے بھی کافر ہیں ان کا نظریہ ہے کہ اس سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ اس کو حج اکبر کہتے ہیں. یہ کفار کے خلاف جہاد ترک کرنے کی وجہ سے بھی کافر ہیں جن کے بارے میں شیعہ کا دعوی ہے کہ یہ صرف معصوم امام کی معیت میں جائز ہے، جو غائب ہے".

"یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کردہ ان متواتر سنتوں جیسے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا، نفلی نماز، فرضی نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں اور ان کے علاوہ دیگر موکدہ سنتوں میں عیب جوئی کی وجہ سے بھی کافر ہیں".

22. علی بن سلطان بن محمد القاری:

علی بن سلطان بن محمد الہروی المعروف ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وأما من سب أحداً من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالإجماع إلا إذااعتقد أنه مباح كما عليه بعض الشيعة وأصحابهم، أو يترتب عليه ثواب كما هو دأب كلامهم أو اعتقد كفر الصحابة وأهل السنة فإنه كافر بالإجماع".[2]

یعنی جس نے کسی ایک صحابی کو بھی گالی دی وہ فاسق بالاجماع ہے لیکن اگر وہ یہ عقیدہ رکھے کہ ان کو گالی دینا جائز ہے جس طرح بعض شیعہ کا مذہب ہے یا ان کو گالی دینا موجب ثواب ہے یا وہ صحابہ اور اہل السنۃ کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے".

ثم ساق مجموعة من الأدلة من الكتاب والسنة تتضمن الثناء على الصحابة

1۔ سورۃ الانعام، الآیۃ: 89۔

2۔ شم العوارض فی ذم الروافض، ص: 6 أ مخطوط۔

رضوان الله عليهم، واستنبط منها كفر الرافضة في مذهبها في الصحابة.[1]

یعنی اس کے بعد انہوں نے صحابہ کی مدح سرائی میں قرآن وسنت سے دلائل پیش کیے اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ روافض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنا ایک مذہب رکھنے کی وجہ سے کافر ہیں.

ثم ذكر بأن من مكفرات الرافضة ما يدعونه في كتاب الله من نقص وتغيير، وعرض بعض أقوالهم في ذلك.[2]

یعنی اس کے بعد انہوں نے رافضہ کے جملہ کفریہ عقائد کا تذکرہ کیا کہ وہ کتاب اللہ میں کمی اور تبدیلی کے قائل ہیں. اس سلسلے میں انہوں نے ان کے بعض اقوال بھی درج کیے ہیں.

23. محمد بن عبد الوہاب:

محمد بن عبد الوھاب بن سلیمان بن أحمد التمیمی النجدی نے اثنا عشریہ کے جملہ عقائد پر حکم لگایا ہے کہ وہ کفریہ عقائد ہیں اور انہوں نے اثنا عشریہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی کا عقیدہ ذکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قرآن میں ان کی ثناء خوانی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا ہے:

"فإذا عرفت أن آيات القرآن تكاثرت في فضلهم، والأحاديث المتواترة بمجموعها ناصة على كمالهم؛ فمن اعتقد فسقهم أو فسق مجموعهم، وارتدادهم وارتداد معظمهم عن الدين، أو اعتقد حقية سبهم وإباحته، أو سبهم مع اعتقاد حقية سبهم، أو حليته فقد كفر بالله تعالى ورسوله ... والجهل بالتواتر القاطع ليس بعذر، وتأويله وصرفه من غير دليل معتبر غير مفيد، كمن أنكر فرضية الصلوات الخمس جهلاً لفرضيتها، فإنه بهذا الجهل يصير كافراً، وكذا لو أولها على غير المعنى الذي نعرفه

1۔ شم العوارض فی ذم الرواقض،ص:252، 254 مخطوط۔

2۔ شم العوارض فی ذم الرواقض،ص:259 مخطوط۔

فقد كفر، لأن العلم الحاصل من نصوص القرآن والأحاديث الدالة على فضلهم قطعي.ومن خص بعضهم بالسب فإن كان ممن تواتر النقل في فضله وكماله كالخلفاء فإن اعتقد حقية سبه أو إباحته فقد كفر لتكذيبه ما ثبت قطعياً عن رسول الله ﷺ ومكذبه كافر، وإن سبه من غير اعتقاد حقية سبه أو إباحته فقد تفسق؛ لأن سباب المسلم فسوق، وقد حكم بعض فيمن سب الشيخين بالكفر مطلقاً. وإن كان ممن لم يتواتر النقل في فضله وكماله، فالظاهر أن سابه فاسق إلا أن يسبه من حيث صحبته لرسول الله ﷺ، فإن ذلك كفر.وغالب هؤلاء الرافضة الذين يسبون الصحابة يعتقدون حقية سبهم أو إباحته بل وجوبه، لأنهم يتقربون بذلك إلى الله تعالى ويرون ذلك من أجل أمور دينهم". (1)

یعنی جب آپ نے یہ جان لیا کہ ان کی فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات بے شمار ہیں اور متواتر احادیث ان کے کمال پر نص ہیں تو جس نے ان کے فاسق ہونے، یا ان کے ایک گروہ کے فاسق ہونے، یا ان کے مرتد ہونے، یا ان کی اکثریت کے مرتد ہونے کا عقیدہ رکھا، یا ان کو گالی دینے کے جواز کا عقیدہ رکھا، یا اِس اعتقاد کے ساتھ ان کو گالی دی کہ وہ اس کا حق رکھتے ہیں، تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، متواتر اور قطعی طور پر ثابت شدہ بات کا علم نہ ہونے کا عذر غیر مقبول ہے اس کی تاویل کرنا اور کسی معتبر دلیل کے بغیر اس کے معنی کو حقیقی مفہوم سے پھیرنا غیر مفید ہے مثلاً کوئی شخص اس بنا پر پانچ فرض نمازوں کا انکار کرتا ہے کہ اس کو ان کی فرضیت کا علم نہیں تو وہ اس لاعلمی اور جہالت کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر وہ ان کی کوئی ایسی تاویل کرتا ہے جو ان کے معروف معنی کے خلاف ہے تو پھر بھی وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ قرآنی نصوص اور احادیث

1۔ رسالة فی الرد علی الرافضة،ص:18، 19۔

رسول کے ذریعے ان کی فضیلت کے بارے میں حاصل ہونے والا علم قطعی ہے جو بعض کو بدزبانی کے لیے مخصوص کرتا ہے اگر وہ ان میں سے جن کی فضیلت اور کمال تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جس طرح خلفاء اربعہ، اگر وہ ان کو گالی دینے کے حلال ہونے، یا استحقاق کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والی بات کی تکذیب کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تکذیب کرنے والا کافر ہے، اگر وہ ان کو گالی تو دیتا ہے لیکن ان کو گالی دینے کے جواز اور برحق ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا تو ایسا شخص فاسق ہے، کیوں کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، بعض علماء نے حضرات شیخین کو مطلقاً گالی دینے والے کو کافر کہا ہے، جس صحابی کو وہ گالی دیتا ہے اگر وہ ان میں سے نہیں جن کی فضیلت و کمال تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ان کو گالی دینے والا فاسق ہے لیکن اگر وہ ان کو اس اعتبار سے گالی دے کہ وہ نبی کا صحابی ہے تو یہ کفر ہے، ان روافض کی اکثریت جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں دشنام طرازی کرتے ہیں یہ ان کو گالی نکالنا حق، جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں کیونکہ اس بدزبانی کے ذریعے سے وہ (بزعم خویش) اللہ کا قرب حاصل کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دین کا ایک اہم معاملہ ہے".

"وما صح عن العلماء من أنه لا يكفر أهل القبلة فمحمول على من لم يكن بدعته مكفرة.. ولا شك أن تكذيب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما ثبت عنه قطعاً كفر، والجهل في مثل ذلك ليس بعذر".[1]

یعنی علماء سے یہ صحیح منقول ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا تو یہ قاعدہ اس پر صادق آتا ہے جس کی بدعت کفریہ نہ ہو، یقیناً رسول اللہ ﷺ سے جو ثابت ہے، بلاشبہ اس کی تکذیب کفر ہے اور اس جیسے معاملے میں جہالت کوئی عذر نہیں".

اس طرح محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ کی کتب میں قرآن کریم میں کمی اور تبدیلی کے دعوے کا ذکر

1۔ رسالة في الرد على الرافضة، ص:20۔

کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"يلزم من هذا تكفير الصحابة حتى علي، حيث رضوا بذلك ... وتكذيب قوله تعالى: {لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ} وقوله: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} . ومن اعتقد عدم صحة حفظه من الإسقاط، واعتقد ما ليس منه أنه فقد كفر".[1]

یعنی اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی تکفیر لازم آتی ہے کیونکہ وہ اس عمل پر راضی تھے اور ان آیات کی تکذیب بھی ہوتی ہے جن میں مذکور ہے" لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ "[2] باطل اس کے آگے اور نہ اس کے پیچھے سے لگ آتا ہے ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے" إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ،وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ "[3] بے شک ہم ہی نے کی نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں، جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ قرآن ساقط ہونے سے محفوظ نہیں اور جو اس سے ساقط ہوا ہے وہ اس کا حصہ تھا، تو وہ کافر ہے۔

اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

من فضل الأئمة على الأنبياء كفر بالإجماع كما نقله غير واحد من أهل العلم.[4]

یعنی جس نے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی وہ بالاجماع کافر ہے، اور یہ بات کئی اہل علم نے نقل کی ہے۔

---

1 ـ رسالة في الرد على الرافضة،ص:14، 15-

2 ـ سورة فصلت،الاية:42-

3 ـ سورة الحجر، الاية:09-

4 ـ رسالة في الرد على الرافضة،ص:29-

24. شاہ عبدالعزیز دہلوی:

علامہ محب الدین خطیب فرماتے ہیں کہ ہند میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور شیعہ کی کتب میں لکھا ہے کہ انہیں تبحر حاصل تھا آپ 1239ھ کو فوت ہوئے[1]. آپ اثنا عشریہ کے معتبر مصادر و مراجع کی روشنی میں اس مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ومن استكشف عقائدهم الخبيثة وما انطووا عليه؛ علم أن ليس لهم في الإسلام نصيب وتحقق كفرهم لديه".[2]

یعنی جو ان کے خبیث عقائد اور جن پر وہ مشتمل ہیں ان تمام امور کی حقیقت تلاش کرتا ہے وہ یہ جان لیتا ہے کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے نزدیک ان کا کفر ثابت ہو جاتا ہے.

ان حوالہ جات کے علاوہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے شائع ہونے والے ماہنامہ جریدہ بینات کا ایک خصوصی ایڈیشن شائع ہو چکا ہے جس میں شیعہ اثناء عشریہ کے بارے میں پاکستان اور ہندوستان کے ممتاز اداروں کے فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں جس میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ مذہب مسلمانوں کے بہت سے دوسرے فرقوں کی طرح اسلام کی شاخ نہیں بلکہ وہ سیدنا محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین حق اسلام کے بالکل متوازی اور متصادم ایک دین ہے، تفصیلات کے ملاحظہ فرمائیں "خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ" خصوصی اشاعت ماہنامہ بینات کراچی.

ہندوستان میں شیعی اثرات

ہندوستان میں اکثر مسلم سلطنتیں اور مغلیہ حکومت کے سربراہان اہلسنت والجماعت تھے، البتہ ملک میں کہیں کہیں شیعہ حکومتیں یا ریاستیں بھی قائم ہوئیں جن میں جون پور کی شرقی سلطنت (1394ء تا 1479ء) اور فیض آباد و لکھنؤ کی اودھ حکومتیں (1722ء تا 1858ء) زیادہ نمایاں ہوئی ہیں، ایران کے شیعی صفوی حکومت نے

1۔ الاعلام: 4/ 138، مقدمة مختصر التحفة الاثنى عشرية لمحب الدين الخطيب، ص: يب۔

2۔ مختصر التحفة الاثنى عشرية، ص: 300۔

ہمایوں بادشاہ کو پناہ دی اور اسے ہندوستان کی حکومت دوبارہ دلانے اور سوری بادشاہ کو شکست دینے میں بھرپور تعاون دیا۔ اس کے بعد سے شاہانِ مغلیہ کے ایران کے ساتھ اچھے مراسم رہے اور اس کی وجہ سے شیعی عناصر کا حکومت میں عمل دخل رہا۔ خصوصاً اورنگ زیب عالم گیر کے انتقال کے بعد جب مغلیہ حکومت کمزور پڑنے لگی تو ان شیعی عناصر نے حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بادشاہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ لال قلعہ میں تعزیہ داری اور شہزادوں کا اس میں پوری دل چسپی سے حصہ لینا یہ سب کچھ شیعی اقتدار کا ثمرہ تھا۔ شیعی عناصر متعدد بادشاہوں کا تختہ پلٹنے حتی کہ ان کی ایذاء و قتل کی سازشوں میں بھی شریک رہے۔ شیعوں کے دورِ عروج میں ان کے خلاف زبان کھولنا کچھ آسان نہیں تھا۔ عام مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے سنی جاگیر دار ان شیعہ عناصر کی دار و گیر کے خوف سے اہلِ تشیع ہونے کا اعلان و اظہار کر دیا تھا۔

اس ماحول میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کا ادراک کر لیا تھا اور "اِزالۃُ الخفاء فی خلافۃِ الخُلَفاء" اور "قرۃُ العینین فی تفضیل الشیخین" کے ذریعہ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش فرمایا اور دشمنانِ صحابہ پر کاری ضرب لگائی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھ کر روافض کے سامنے ایک ایسا چیلنج کھڑا کر دیا جس کا علمی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ ان کوششوں کی وجہ سے ان حضرات کو شیعوں کے مظالم کا نشانہ بننا پڑا۔

ہندوستان سے شیعی اثرات کا ازالہ

ادارہ دار العلوم دیوبند ایک ایسے وقت میں قائم ہوا جب کہ انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کر کے اس کا وجود مٹا دیا تھا؛ لیکن اودھ کی شیعی حکومت اور سلطنتِ مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی وجہ سے ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعی عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم اس طرح غیر شیعہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے کہ اگر ان کو صحیح طور پر کلمۂ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو مگر وہ تعزیہ داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موج زن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ سنی مسلمانوں کی مسجدوں میں تعزیے رکھے رہتے تھے اور ان کے محلوں میں چبوترے بنے ہوتے۔ محرم کے مہینے میں سنی مسلمان بڑی عقیدت

سے تعزیہ اٹھاتے. حیرت کی بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سنیوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے؛ لیکن کروڑوں اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد و مراسم، جذبات وخیالات کا اثر ڈال دیا تھا اور پورے ہندوستان کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا.

ایسے نازک حالات میں جب کہ ہندوستان میں بیرونی حملوں سے مسلمانوں کے دین وایمان کو بچانے کی کوششیں جاری تھیں، دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے شیعیت اور سبائیت کے فتنہ سے بھی مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی سعی بلیغ کی. حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے ان جانشینوں نے ناموس صحابہ کے دفاع اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح میں نہایت وقیع اور گراں قدر خدمات انجام دیں. حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی "ہدیۃ الشیعہ" اور "اَجوبہ اَربعین" جس میں اس فرقہ کے ذریعہ اٹھائے گئے سوالوں کا بھرپور جواب دیا گیا ہے. اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی "ہدایۃ الشیعہ" طبع ہوئی، اس میں شیعی پروپیگنڈوں کا بہت مسکت جواب لکھا گیا.

علماء دیوبند اور شیعہ

حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر تعزیہ داری اور دیگر شیعی رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا بیڑا اٹھایا. اس کی ابتدا قصبہ دیوبند ہی کی ایک مسجد سے ہوئی. حضرت نانوتوی اور ان کے ایک مرید حاجی محمد یاسین عرف دیوان جی نے اعلان کردیا کہ اب تعزیہ نہیں اٹھے گا، قصبہ کے شیوخ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے، لیکن دیوبند کے اہل حرفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھڑے ہوگئے، پھر بالآخر مخالفین مغلوب ہوگئے اور تعزیہ کے ڈھانچہ کو توڑ کر پھینک دیا گیا، قصبہ کے دوسرے محلوں کے مسلمانوں کو بھی احساس ہوا کہ علماء حق تعزیہ داری کی مشرکانہ رسم کے مخالف ہیں تو انھوں نے بھی اسے سنجیدگی سے سوچا اور اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں سے تعزیوں کے ڈھانچے نکال کر باہر پھینک دیے. اس طرح قصبہ دیوبند کے سنی مسلمانوں کے دلوں سے اس مشرکانہ عقیدہ کے جراثیم دور ہوئے. حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعدد خطوط میں شیعوں کے پیدا کردہ شکوک اور ان کی خرافات کا پردہ فاش کیا ہے. ایسے خطوط اکثر فارسی زبان میں ہیں اور کچھ خطوط اردو میں بھی ہیں جو آپ کے مجموعۂ مکاتیب "فیوض قاسمیہ" میں شامل ہیں، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کی کوششوں سے سادات کے متعدد گھرانے شیعیت سے تائب ہو کر سنی ہوئے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ عملی جد وجہد کے میدان میں آئے آپ نے ریاست بھاول پور میں شیعوں کو شکست فاش دی، رد شیعیت میں آپ کی بلند پایہ تصنیف "ہدایات الرشید فی افحام العنید" ہے جو اس موضوع کی مدلل اور مفصل ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے شیعوں کے ساتھ مناظروں کے تجربہ سے دیگر علمائے حق کو روشناس کرانے کے لیے آپ نے ایک دوسری کتاب "مطرقۃ الکرامہ" لکھی حضرت نانوتوی کے ایک دوسرے شاگرد حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری نے بھی شیعوں کے رد میں اہم علمی کارنامہ انجام دیا. رد شیعیت سے متعلق انہوں نے کئی علمی یادگاریں چھوڑیں.

بعد کے دور میں شیعیت اور سبائیت کے رد میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں امام اہل السنۃ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سرفہرست ہے حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم موضوع کے ہر ہر گوشے سے متعلق اس قدر معلومات فراہم کردیں کہ اس باب میں ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا. آپ نے مناظروں اور تقاریر کے ذریعہ شیعی ایوانوں میں زلزلہ برپا کردیا اور تاعمر شیعیت کے خلاف شمشیر براں بنے رہے. دیگر علمائے دیوبند خصوصاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا.

دارالعلوم نے صرف رسمی تعلیم پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ پورے مسلم معاشرہ کے اعمال وعقائد کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا. قیام دارالعلوم کے کچھ عرصہ بعد ہی علمائے حق نے بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسوم وعقائد کے خلاف جو محنت کی اس میں علمائے حق کے ایک حریف شیعہ بھی تھے. علمائے دیوبند کی انھیں مخلصانہ تبلیغی واصلاحی کوششوں سے آہستہ آہستہ سنی مسلمانوں سے شیعی اثرات دور ہوئے اور انھوں نے شیعی رسوم وخرافات سے توبہ کی.

ناموسِ صحابہ کا دفاع

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کے قائل ہیں البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے لیکن نفسِ صحابیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس "الصَّحابۃُ کُلھمْ عَدُوْل" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر القرون میں سے ہے اور پوری امت کے لیے معیارِ حق ہیں. علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں

بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں. علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطاو صواب کا تقابل ہے، حق و باطل اور طاعت و معصیت کا نہیں اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے. علمائے دیوبند حضراتِ شیخین کی تفضیل کے قائل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عظمت واحترام کے قائل ہیں لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریزوں کی سازش سے ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی کہ شیعوں کی طرف سے حضراتِ صحابہ کرام کی شان عالی میں تبرا (تفرت) بازی کی جانے لگی اور اس کی وجہ سے شیعہ سنی کشیدگی پھیلنے لگی. اس نازک دور میں تبرا باز شیعوں کے جواب میں حضرات علمائے دیوبند نے تحریکِ مدحِ صحابہ شروع کی. حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علمائے کرام نے اس میں سرگرم حصہ لیا. حضرت مدنی نے مقامِ صحابہ پر کامیاب مضامین لکھے اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صفِ اول پر یلغار کی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کے معیارِ حق ہونے پر وہ مباحث تحریر فرمائے، جو عصر حاضر کا سرمایۂ فخر ہیں.

قیامِ پاکستان کے بعد اس موضوع پر مستقلاً تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ، تحریک اہلِ سنت وغیرہ ناموں سے مختلف جماعتیں قائم ہوئیں، جن میں سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا عبد الستار تونسوی، علامہ دوست محمد قریشی اور ان کے رفقائے کار نے قابلِ قدر کام کیا جب کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا قاضی مظہر حسین وغیرہ حضرات نے تحریک مدحِ صحابہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شیعیت کو دنداں شکن جواب دیا. ان بزرگوں کے علاوہ مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ صوبۂ بہار، مولانا محمد شفیع سنگتھروی، مولانا لطف اللہ جالندھری، مولانا یوسف لدھیانوی وغیرہ علمائے دیوبند نے بھی اس محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دیں.

۱۹۷۹ء میں جب خمینی کے زیر قیادت ایران میں انقلاب آیا اور شیعی حکومت قائم ہوئی. شیعی حکومت نے زبردست پروپیگنڈہ کے ذریعہ اسے اسلامی انقلاب کا نام دیا اور ملتِ اسلامیہ کے بیشتر افراد اس پروپیگنڈہ کی زد میں آگئے. پورے عالم اسلام خصوصاً برِ صغیر میں ایرانی انقلاب کو صالح اسلامی انقلاب سمجھا جانے لگا. اس صورتِ حال کو دیکھ کر علمائے دیوبند میدان میں آگئے اور انھوں نے ایران کے اس نام نہاد اسلامی انقلاب کی قلعی کھول کر رکھ دی. اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب "ایرانی انقلاب،

امام خمینی اور شیعیت" نے ایرانی انقلاب کا خیر مقدم کرنے والوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان کے سامنے حقیقت بے نقاب ہو کر آگئی.

علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و افکار کی حفاظت و اشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا. علمائے دیوبند نے کتابوں، فتاوی اور بیانات کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی بھرپور رہ نمائی فرمائی اور اب بھی حسبِ ضرورت الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے. دارالعلوم میں تخصصات میں داخل طلبہ کو دیگر ادیان و فرق کے ساتھ شیعیت کے سلسلہ میں بھی محاضرات پیش کیے جاتے ہیں.

ردشیعیت میں علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات

ردشیعیت میں علماءدیوبند کی کتب کثرت سے موجود ہیں چند ایک کا تذکرہ اختصاراً کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں:

1. ہدیۃ الشیعہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
2. اجوبہ اربعین دررد روافض، افادات حضرت نانوتوی، مرتب: صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ
3. ہدایۃ الشیعہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
4. ہدایات الرشید الی إفحام العنید، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
5. مطرقۃ الکرامۃ فی مرآۃ الامامۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
6. ابطالُ اصولِ الشیعہ، حضرت مولانا حکیم محمد رحیم اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ
7. الکافی للاعتقاد فی الصافی، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ
8. المنار رسائل السنہ والشیعہ، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ
9. ارشاد الثقلین، حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
10. دفع المجادلہ عن آیات المباہلہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
11. عثمان ذوالنورین، حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
12. فتنۂ رفض، حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

13. ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت، حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

14. شیعہ اثنا عشری اور عقیدۂ تحریفِ قرآن، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

15. شیعہ سنی اختلافات: حقائق کے آئینہ میں، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

16. شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

17. اسلام اور شیعہ مذہب، مولانا امام علی دانش قاسمی لکھیم پوری رحمۃ اللہ علیہ

18. محاضراتِ ردشیعیت، مولانا محمد جمال میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

19. حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ

20. اکابرِ صحابہ اور شہدائے کربلا پر افتراء، مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

21. حقیقتِ شیعہ، مولانا عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

22. برأتِ عثمان، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

23. ارشاد الشیعہ، مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

24. ازالۃ الشک فی مسئلۃ فدک، مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

25. شان حضرت فاروق اعظم، مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

26. شان سیدنا عثمان بن عفان، مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

27. شان حیدر کرار، مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

28. خمینیت عصر حاضر کا عظیم فتنہ، مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

29. شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں، مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

30. شیعہ مذہب دین ودانش کی کسوٹی پر، مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

31. واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

32. عقائد الشیعہ، مفتی محمد فاروق میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

33. شیعہ مذہب تاریخ کے آئینے میں، حضرت مولانا محمد جمال استاذ دار العلوم دیوبند.

34. اسی طرح مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی شیعیت کے رد میں علمی کتب بکثرت موجود ہیں۔

35۔ کشف الحقائق، مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

36۔ تاریخ دستاویز، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

37۔ شیعہ سنی اختلاف اور صراط مستقیم، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

38۔ رحماء بینھم، مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

39۔ ایمانی دستاویز، مولانا مہر محمد صاحب میانوالی رحمۃ اللہ علیہ

40۔ الدین الخالص، مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زیر نظر کتاب تحفہ اثناعشریہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا گراں قدر مجموعہ ہے الحمدللہ اس کتاب کی تخریج اور تعلیق کی خدمت مجلس تحقیقات علوم اسلامیہ پاکستان نے بسط و تفصیل سے کی ہے جس سے کتاب کے قاری کو اطمینان حاصل ہوگا اور کتاب میں موجود موضوعات کے متعلق کوئی تشنگی نہیں رہے گی اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کاوش کو مقبولیت سے نوازے اور عافیت کے ساتھ دین کے کام میں لگے رہنے کی توفیق بخشے۔

(آمین بجاہ النبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

ابو احمد مفتی محمد عمر فاروق عفی عنہ

مقدمۃ التحقیق

الحمد لك اللهم لا أحصي ثناءً عليك أنت كما أثنيت على نفسك.

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے نامور، مشہور اور لائق و فائق فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ برس کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت کے بعد سماعت حدیث کے لیے اپنے والد بزرگوار کی درسگاہ "رحیمیہ" میں شمولیت کی، آپ کے والد ماجد نے آپ کی ذہانت و حافظہ اور فہم و فراست کو جانچنے کے بعد فرط مسرت سے آپ کو علوم حدیث کا درس دینا شروع کیا، آپ نے اپنی فطری لیاقت اور خداداد قابلیت سے علم حدیث کے دشوار گزار مراحل تھوڑے ہی عرصے میں طے کر لیے حتی کہ تمام طلباء آپ کی اس حذاقت و ذہانت پر متحیر ہو گئے، اس دوران میں اگر آپ کے سامنے کوئی مشکل اور دقیق مسئلہ پیش کیا جاتا تو آپ فوراً اسے حل کر دیتے۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ تقریباً بارہ سال تک علوم حدیث و تفسیر کی درس و تدریس میں مصروف رہے، علم نبوی کی انتہائی اشاعت سے اکثر علمی سوسائٹیوں اور ادبی حلقوں میں اصول حدیث پر پرزور مباحثے ہونے لگے، علوم فلسفہ و منطق کے ساتھ ساتھ علوم حدیث و تفسیر بھی روز افزوں ترقی پر تھے، شاہ عبدالعزیز کی حقائق انگیز شخصیت اپنے دور کے محدثین و مشائخ کا مرجع و ماخذ ہے جن کے تلامذہ کا سلسلہ آفاق گیر ہے، آپ نے اپنے پرفتن دور میں حدیث و قرآن کی تشہیر کیلئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے، ہندوستان اس کے احسان کے بوجھ سے کبھی بھی سر نہیں اٹھا سکتا۔

ہندوستان میں اس وقت تمام محدثین کا سلسلہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ہی امام شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ درس و تدریس کے وقت فقہ و متعلقات فقہ کی طرف زیادہ دھیان دیتے تھے لیکن ان کی نسبت حدیث نبوی کی آبیاری غیر معمولی توجہ اور انہماک سے کی اور دیگر علوم آپ کے درس میں بطور ذیل کے تھے، گویا تمام علوم متداولہ میں آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متعدد نامور علماء آپ کی درسگاہ سے فیض یاب ہو کر نکلے جیسا کہ صاحب " اتحاف النبلاء " لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالعزیز در وقت خود مرجع علماء و مشائخ بودند دستگاہ ایشاں در جمیع علوم متداولہ و غیر

متداولہ از فنون عقلیہ ونقلیہ فوق الوصف ست در کثرت حفظ و علم تعبیر ورؤ وسلیقہ وعظ و انشاؤ تحقیقات نفائس علوم ومذاکرہ ومباحثہ باخصوص ممتاز اقران بودند ومعتقد فیہ موافق ومخالف"(1)

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"الشيخ الإمام العالم الكبير، العلامة المحدث عبدالعزيز بن ولي الله بن عبدالرحيم العمري الدهلوي سيد علماء نافي زمانه و ابن سيد هم لقبه بعضهم سراج الهند و بعضهم حجة الله"(2)

حکیم الامت مجدد دین وملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمد تھانوی شاگرد شیخ محمد محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ:

"انہوں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا کہ ان کو چھ ہزار احادیث کے متن یاد تھے"(3)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے لیے تاریخ کی گرانقدر یادگار خدمات سرانجام دیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے قابل قدر اور باعث فخر عالم وفاضل جانشین کے عہد میں تعلیم وتربیت اور نشرواشاعت کا سلسلہ اس حد تک ترقی کر گیا کہ پورے ہندوستان کے علمی وادبی حلقوں کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بلند پایہ ذات گرامی سے تھا، ذیل میں ہم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی مختصراً قلم بند کرتے ہیں۔

1۔اتحاف النبلاء، نواب صدیق حسن خان صفحہ:297 ،ط: مطبع نظامی کانپور 1280ھ

2۔نزھۃ الخواطر، مولوی عبدالحی لکنوی، ج7 صفحہ: 268 دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن

3۔إفاضات الیومیۃ من الإفادات القیومیۃ، اشرف علی التھانوی ج1 صفحہ: 263،مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون

مختصر حالات زندگی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، دہلی میں 25 رمضان المبارک 1159ھ بمطابق 11 اکتوبر 1746ء کو پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام "غلام حلیم" ہے تحفہ اثنا عشریہ کی ابتداء میں آپ نے مصلحتاً یہی نام لکھا ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ اولی سے ایک بیٹے شیخ محمد محدث تھے اور دوسری زوجہ سے چار بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے آپ تھے، آپ کا نسب چونتیسویں پشت میں حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

تعلیم:

آپ نے تمام علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے البتہ بعض علوم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی اور حضرت شاہ نوراللہ بڈھانوی سے بھی حاصل کئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو غیر معمولی حافظہ عطا ہوا، 15 سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے تمام علوم وفنون مروجہ سے فراغت پائی، اور اسی زمانہ سے ہی تدریس میں مشغول ہو گئے، البتہ بعض امہات کتب کا درس اپنے والد کے ممتاز تلامذہ سے بھی لیا، جن کی تفصیل انھوں نے خود اس طرح بیان کی ہے:

> "جاننا چاہیے کہ اس فقیر نے اس علم (حدیث) اور تمام ہی علوم کو والد ماجد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا لیکن فن حدیث کی بعض کتابیں مثلاً مصابیح و مشکوٰۃ اور شرح مؤطا جو والد صاحب ہی کی ایک تصنیف ہے حصن حصین و شمائل ترمذی سماعاً اور تحقیق کے ساتھ ان سے پڑھا، صحیح بخاری کا کچھ ابتدائی حصہ بطریق درایت سنا، صحیح مسلم اور دوسری صحاح ستہ کی باضابطہ سماعت تو نہ کر سکا؛ البتہ جب طلبہ ان کتابوں کو ان سے پڑھتے تھے تو میں بھی اس مجلس میں حاضر رہا کرتا تھا، اور حضرت والد کی تحقیقات و تنقیحات کو ان سے سنتا تھا، اس طرح حدیث کے معنی اور اسناد کی باریکیوں کو سمجھنے کا قابل اعتماد ملکہ پیدا ہو گیا، بعد ازاں سماع روایت کی اجازت حضرت والد کے ممتاز اصحاب شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی سے بھی حاصل کی "[1]

1۔ عجالہ نافعہ، از شاہ عبدالعزیز دہلوی، ص: 17، 18، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 1964ء

بیعت وارادت:

اپنے والد ماجد سے تمام سلاسل میں بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں میدان سلوک طے کر لیا 16 سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام خلفاء کی موجودگی میں آپ ہی قائم مقام اور سجادہ نشین بنائے گئے اور اپنے چھوٹے بھائیوں شاہ رفیع الدین شاہ عبد القادر اور شاہ عبد الغنی کی تعلیم وتربیت کا کام آپ نے بخوبی انجام دیا۔

نکاح واولاد:

آپ کا نکاح شاہ نور اللہ صدیقی بڈھانوی کی صاحبزادی سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں صاحبزادے کا نام احمد تھا جیسا کہ بیاض رشیدی کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے ان کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا سب سے بڑی صاحبزادی حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عیسیٰ کے عقد نکاح میں آئیں دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقی سے منسوب ہوئی جن کے دو صاحبزادے حضرت شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب تھے اول وذکر 1197 ہجری اور ثانی 1200 ہجری میں پیدا ہوئے تیسری صاحبزادی حضرت مولانا محمد عبد الحئی بڈھانوی کی زوجہ تھیں مولانا عبد الحئی شاہ نور اللہ کے پوتے اور شاہ عبد العزیز کی زوجہ محترمہ کے حقیقی بھتیجے تھے غالباً ان کی تیسری صاحبزادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

تلامذہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت یافتہ تلامزہ اور خلفاء ومریدین کا حلقہ یقیناً بہت وسیع ہوگا تذکرہ علماء ہند، نذہۃ الخواطر، عمدۃ الصحائف، سراج العوارف، تذکرۃ الکرام، تاریخ امروہہ، تذکرہ مشاہیر اور بعض دیگر تذکروں میں آپ کے شاگردوں کے نام موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

آپ کے تینوں چھوٹے بھائی[1] اور دونوں نواسے مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، جو آپ کے بھتیجے تھے مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلوی، ہے شاہ غلام علی مجددی دہلوی، شاہ ابو سعید مجددی

1۔ مولانا مملوک العلی، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ اسناد حضرت شاہ صاحب کے بھائی شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

رامپوری ثم دہلوی، مولانا شاہ احمد سعید مجددی بن شاہ ابو سعید مجددی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی ساکن رائے بریلی، مولانا حیدر علی فیض آبادی مؤلف ازالۃ الغین و منتہی الکلام، مولانا سید احمد علی بجنوری، مولانا فضل حق خیر آبادی، ہے مولانا رشید الدین خان دہلوی، مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی، مولانا سید علی حسن قنوجی والد محترم نواب صدیق حسن خان اور ان کے علاوہ سینکڑوں آپ کے شاگردوں کا تذکرہ ان کتب میں موجود ہے۔

تالیفات و تصنیفات:

حضرت شاہ عبد العزیز ؒ کی تصانیف و تالیفات میں جو کتب شائع ہو چکی ہیں یا جو موجود اور مشہور ہیں ان کی فہرست نزہۃ الخواطر وغیرہ میں ذکر کی گئی ہے اور ان کے علاوہ نامعلوم ذخیرہ تصنیفات کتنا ہوگا ان کتابوں میں سے ہر ایک پر مفصل تبصرہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں صرف اجمالی تعارف پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

1. تفسیر فتح العزیز: یہ آپ کی مشہور تالیف ہے جو تفسیر عزیزی بھی کہلاتی ہے اس تفسیر کو ایسے زمانے میں جب کہ مرض کا شدید غلبہ تھا آپ نے املاء لکھوایا یہ کئی جلدوں میں تھی اس کا اکثر حصہ 1857ء کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا اول و آخر کی صرف دو جلدیں دستیاب ہوئیں جو شائع ہو چکی ہیں اور ان کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

2. تحفہ اثنا عشریہ: علم کلام میں ایک زبردست علمی شاہکار ہے فرقہ امامیہ کی پوری حقیقت اور ان کے اعتراضات کے مکمل جوابات اس میں موجود ہیں قرآن و حدیث کے مطالب اور تاریخ وصیت کے بہت سے گوشے اس کے مطالعہ سے کھلتے ہیں لفظ چراغ سے اس کی تصویر کا ساتھ 1204ھ نکلتا ہے مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیا تھا خود حضرت شاہ صاحب نے ایک مجلس میں تحفہ اثنا عشریہ کا ذکر آنے پر فرمایا کہ ایک شخص نے اس کتاب کے بارے میں یہ لکھا تھا "هذا كتاب لو يباع ذهبا لكان البائع مغبونا"(1)

یعنی یہ کتاب ایسی ہے کہ اگر اس کے برابر سونا لے کر اس کو فروخت کیا جائے تو بھی بیچنے والا خسارہ میں رہے گا۔

الحمد للہ یہ کتاب جدید طرز پر کمپوزنگ اور تخریج کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کی خدمت کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی توفیق عطا فرمائی اللہ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور تشنگان علوم کو اس

1۔ تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی، از مولانا نسیم احمد فریدی، ص: 22، ط: الفرقان بکڈپو لکھنؤ

سے سیراب فرمائے۔ (آمین)

3۔ **بستان المحدثین**: اس میں کتب احادیث کی فہرست ہے اور ان کے مدونین و جامعین کے تفصیل کے ساتھ حالات ہیں بے نظیر کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے کیا تھا۔

4۔ **عجالہ نافعہ**: فارسی زبان میں اصول حدیث کی مختصر اور بڑا جامع و نافع رسالہ ہے اس کا بھی اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور محدث العصر علامہ عبدالحلیم نعمانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی فوائد الجامعہ کے نام سے ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے۔

5۔ **میزان البلاغہ**: علم بلاغت میں ایک عمدہ متن ہے اس کو غالباسب سے پہلے قاضی بشیر الدین صدیقی میرٹھی مرحوم نے مفتی عزیز الرحمن صاحب نقشبندی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیے کے ساتھ اپنے مطبع مجتبی میرٹھ میں شائع کیا تھا۔

6۔ **میزان الکلام**: علم کلام میں ایک عمدہ متن ہے۔

7۔ **سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل**: یہ رسالہ علیحدہ بھی شائع ہوا ہے اور فتاویٰ جلد دوم میں شامل ہو کر بھی چھپا ہے۔

8۔ **عزیز الاقتباس**: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل میں یہ رسالہ ہے۔

9۔ **سر الشہادتین**: شہادت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کی نسبت میں بعض حضرات کو کلام ہے۔

10۔ **رسالہ فی الانساب**

11۔ **رسالہ فی الرؤیا**

12۔ **حواشی** جو منطق اور حکمت کی کئی کتابوں پر لکھے گئے ہیں۔

13۔ **فتاوی عزیزی**: یہ مطبع مجتبی میں دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے ان کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے فتاویٰ کے ساتھ پانچ چھ رسائل بھی شائع ہوئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

مجالس دروس القرآن:

مشہور مناظر و متکلم حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب کی ازالۃ الغین میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس درس قرآن کا آنکھوں دیکھا حال تھا تحریر فرمایا ہے:

"علامہ دہلوی بروز جمعہ اور سہ شنبہ کو مجلس واعظ اپنے مدرسے میں منافقد کرتے تھے مشتاقین وہاں جمع ہوتے تھے اور یہ وعظ کافی دیر تک ہوتا تھا علماء کرام تفسیر بیضاوی، تفسیر نیشاپوری، کشاف اور دیگر تفاسیر مشکلہ اپنے سامنے رکھتے تھے اور سمجھ لیتے تھے کہ اس وقت فلاں اشکال کو فلاں تفسیر میں سے حل فرمایا گیا ہے میں نے بارہا یہ دیکھا کہ جس شخص کے دل میں کسی قسم کا اعتراض یا شبہ آتا تھا آپ کی تقریر سے وہ شخص مطمئن ہو جاتا تھا آپ کے فیض صحبت سے اکثر غیر مسلم مسلمان ہو جاتے اور شک و تردد والے قوت اعتقاد حاصل کرتے تھے۔۔۔۔ فقیر کا سفر دہلی محض تحقیق مذہب کے سلسلے میں ہوا تھا جب اس بابرکت صحبت میں التزام کے ساتھ رہا تو تمام شکوک و اوہام ختم ہو گئے"(1)

حلیہ مبارک:

حکیم سید عبدالحیٔ نزہۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم اور گھنی داڑھی والے تھے"

فقہی مسلک:

علامہ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے کہ ان کا خاندان علوم حدیث وفقہ خدمت اس علم شریف کی جیسی اس خاندان سے وجود میں آئی ویسی اس ملک میں اور کسی سے معلوم ومعہود نہیں ہے۔

وفات حسرت آیات:

آپ کی وفات 80 سال کی عمر میں 7 شوال 1239ھ بمطابق 5 جون 1824ء کو صبح کے وقت ہوئی اور کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ہجوم کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نماز جنازہ 55 مرتبہ پڑھی گئی اور دہلی میں اپنے والد ماجد کے قریب آپ مدفون ہوئے۔

1۔ تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، از مولانا نسیم احمد فریدی، ص:25، ط: الفرقان بکڈپو لکھنؤ

مشہور شاعر حکیم مومن خان مومن نے جو اپنے اصلی نام حبیب اللہ سے نہیں بلکہ شاہ صاحب کے دیے ہوئے نام مومن خان سے مشہور ہوئے یہ تاریخ وفات کہی:

دست بے داد اجل سے بے سر وپا ہو گئے　　　فقر دین، فضل ہنر، لطف وکرم، علم وعمل

مدبرانہ حکمت عملی:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جن حالات اور جس زمانے میں آنکھ کھولی وہ زمانہ انتہائی سخت فتنے کا زمانہ تھا جس میں اظہار حق سخت دشوار تھا اس لیے شاہ صاحب ترویج دین کا کام نہایت حزم اور احتیاط کے ساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے پرہیز کرتے تھے اور وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب کا جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ دین سے بالکل ناآشنا تھے ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت مشکل تھا لیکن حضرت شاہ صاحب نے اپنی کمال حکمت ودانائی سے ان کو راہ پر لگایا اس زمانہ میں روافض کا غلبہ اور نجف علی خان کا تسلط تھا جس نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچے اتروائے تھے تاکہ کچھ لکھ نہ سکیں اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرادیا تھا اور روافض نے خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دو مرتبہ زہر دلوایا تھا دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ شہزادوں اور شہزادیوں پر تھا ایسا سخت زمانہ تھا جس میں حضرت شاہ صاحب کو اپنا کام انجام دینا تھا جس میں وہ اپنی فہم وفراست اور حکمت ودانائی سے بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

تحفہ کے جوابات کا جائزہ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں اہل تشیع کے عقائد اور مختلف فرقوں کی تفصیل بیان کرتے وقت خود انہی کی کتابوں سے شہادتیں پیش کی ہیں اس کے باوجود بعض لوگوں نے اس کتاب سے استفادہ کیے بغیر اس کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنالیا اور مخالفت کی نظر سے دیکھا، شاہ صاحب کی یہ تصنیف اپنے موضوع میں نہایت مدلل ومفصل ہے اس میں ان کا انداز بیان نہایت حکیمانہ اور پر اثر ہے اور اعتدال قائم رکھتے ہوئے ہر مذہب کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں علمائے محققین نے اس کتاب کو لائق تعریف گردانا ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ 1204ھ و مطابق 1790ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اس کی باقاعدہ اشاعت 1215ھ 1799ء میں کلکتہ سے ہوئی، تحفہ اثنا عشر کی تصنیف کے دو سال بعد 1206ھ 1792ء میں شاہ صاحب کے ایک

معاصر حکیم مرزا محمد دہلوی متوفی 1235ھ 1820ء نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں "نزہۃ اثنا عشریہ" تالیف کی جس کا جواب شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "عزۃ الراشدین" کے نام سے دیا پھر "عزۃ الراشدین" کا جواب حکیم باقر علی خان اور دوسرے شیعہ علماء نے تحریر کیا سید دلدار علی نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں چھ کتابیں "صوارم الہیات، حسام الاسلام، احیاء السنہ، رسالہ ذوالفقار، کتاب صوارم اور رسالہ غیبت" لکھے، اور ان کے فرزند سید محمد نے تحفہ کے رد میں دو رسالے "البوارق فی بحثۃ الامامۃ اور طعن الرماح فی مبحث الفدک والقرطاس" تحریر کیے پھر سید دلدار علی کے شاگرد مفتی سید محمد قلی خان نے تحفہ کے پہلے باب کے رد میں "سیف ناصری" دوسرے باب کے رد میں "تقلیب المکائد" ساتویں باب کے رد میں "تشید المطاعن وکشف الضغائن" اور گیارویں باب کے رد میں "مصارع الافہام" لکھیں اسی طرح مفتی سید محمد علی کے فرزند مفتی حامد حسین عمر بھر تحفہ اثنا عشرے کی تردید کرتے رہے۔

اہلسنت والجماعت کی طرف سے دوسرے بھی کئی علماء نے تحفہ اثنا عشریہ کے دفاع میں قلم اٹھایا جن میں شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد پیش پیش تھے، چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ رد نزہۃ اثنا عشریہ از مولانا رشید الدین خان دہلوی

2۔ رد عقیدہ حسام از مولانا رشید الدین خان دہلوی

3۔ رد صوارم از مولانا رشید الدین خان دہلوی

4۔ مکتوبات رد دلدار علی رافضی از مولانا رشید الدین خان دہلوی

5۔ رسالہ توضیح از مولانا رشید الدین خان دہلوی

6۔ ایضاح لطافۃ المقال از مولانا رشید الدین خان دہلوی

7۔ دفع التہمۃ عن التحفہ از مولانا ظہور الحق پھلواری

8۔ رجوم الشیاطین بجواب نزہۃ اثناء عشریہ از مولانا امیر علی کاملپوری

9۔ رد صوارم از مولانا سیف الدین اسد اللہ ملتانی

10۔ ترجمہ عبارات تحفہ از مولانا شاہ عبد القادر دہلوی

11۔ صولت غضنفریہ از مولانا رشید الدین خان دہلوی

اس کے علاوہ بھی اور کتابیں ہیں، لیکن افسوس کہ یہ کتابیں نہ اچھی طرح طبع ہوئی نہ ان پر کام ہوا نہ کسی نے ترجمہ کیا، یہ کتابیں ہنوز مخطوطات کی شکل میں بعض لوگوں کے پاس موجود ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی کتب میں قطع وبرید اور اضافہ جات کی تحقیق

برصغیر پاک وہند کی علمی وفکری تاریخ میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی شخصیت ایک ایسے آفتاب کی مانند ہے جس نے نہ صرف علومِ اسلامیہ کی ترویج واشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا، بلکہ فکرِ ولی اللہی کی شمع کو بھی فروزاں رکھا۔ آپ کی تصانیف، بالخصوص علومِ قرآن، حدیث، فقہ اور ردِّ فرقِ باطلہ میں لکھی گئی کتب، صدیوں سے اہلِ علم کے لیے مرجع ومصدر رہی ہیں، تاہم شاہ صاحب کی بعض معرکہ آرا تصانیف کے حوالے سے علمی حلقوں میں یہ بحث ہمیشہ زیرِ گردش رہی ہے کہ آیا ان کے موجودہ نسخے اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں یا زمانے کی دست برد اور فرقہ وارانہ کشمکش کے نتیجے میں ان میں تحریف وتبدیلی واقع ہو چکی ہے۔

اس بحث کا بنیادی مقصد ان شواہد کا جائزہ لینا ہے جن کی بنیاد پر شاہ صاحب کی کتب، خاص طور پر 'تحفہ اثنا عشریہ' اور 'فتاویٰ عزیزی' میں الحاق یا تحریف کا دعویٰ کیا جاتا ہے، علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ ہم ان شکوک وشبہات کو محض جذبات کی بنیاد پر رد کرنے یا قبول کرنے کے بجائے، مستند قلمی نسخوں، داخلی شہادتوں اور معاصرانہ تاریخی حقائق کی روشنی میں پرکھیں، ہماری یہ بحث اسی علمی جستجو کی ایک کڑی ہے، جس میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل افکار کیا تھے اور ان کی کتب میں در آنے والی مبینہ تبدیلیوں کی حقیقت کیا ہے۔

حکیم محمود احمد برکاتی نے شاہ صاحب کی زندگی اور علمی کاموں پر کافی کام کیا ہے ان کے مطابق اس دور میں مسودات کی نقل تیار کرتے وقت کاتب اکثر اپنی طرف سے حواشی یا جملے متن میں داخل کر دیتے تھے، جو بعد میں اصل کتاب کا حصہ سمجھ لیے گئے وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> شاہ عبد العزیز کا تحفہ اثنا عشریہ شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے انہیں خط لکھا جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ وعبارات کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ

شاہ صاحب نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا "و تعریفات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ، اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی؛ کید و مکر کہ بناء مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم بر ہمیں امور است این کار کردہ باشند چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شرح کردہ اند" (مقالات طریقت صفحہ 30، 33)

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رحمۃ اللہ علیہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی کیونکہ روافض کے مذہب کی بنیاد ہی شروع سے فتنہ انگیزی اور مکر و کید پر ہے، یہ کام بھی انہوں نے ہی کیا ہو گا چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفہ میں بھی انہوں نے الحاق شروع کر دیا ہے۔[1]

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتب میں اس طرح کی تحریرات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحریروں پر جتنا غور کیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خروج کے لیے جو فسق اعتقادی کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ بغاوت فی نفسہ فسق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس کی بنا پر یہ حضرات (معاذاللہ) فاسق ہو گئے بلکہ چونکہ ان کی جانب سے اس فعل کا صدور نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہوا اور یہ حضرات اجتہاد کے اہل بھی تھے اور اپنے موقف کی ایک بنیاد رکھتے تھے اس لیے یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہوتا کہ وہ واقعتاً حضرت معاویہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (معاذ اللہ) خروج کی بنا پر فاسق قرار دیں جیسا کہ ملک غلام صاحب نے سمجھا ہے تو پھر وہ اپنی مذکورہ عبارت میں اسے خطائے اجتہادی سے کیوں تعبیر کرتے ہیں؟..... اور اگر میرا یہ خیال غلط ہے اور ان کا منشا یہی ہے کہ حضرت عائشہ حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص

1۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات، از حکیم محمود احمد برکاتی، مطبوعہ ماہنامہ سرحد کراچی، ماہ فروری 1974، جلد 1 شمارہ 1

رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ کرنے کی بنا پر معاذ اللہ فاسق ہو گئے تو ان کی یہ بات بلاشک وشبہ غلط اور جمہور امت مسلمہ کے مسلمات کے قطعی خلاف ہے، میں اپنے سابقہ مضمون کے آخر میں حوالوں کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ ساری امت از اول تا آخر ان حضرات کی اس غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیتی آئی ہے اہل سنت کی عقائد وکلام کی کتابیں ان تصریحات سے بھری ہوئی ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی اس بنا پر ان حضرات کو فاسق قرار دینے کی جرأت نہیں کی اگر بفرض محال شاہ عبد العزیز یا میر سید شریف جرجانی واقعتاً اس کے خلاف کوئی رائے ظاہر کرتے ہیں تو جمہور امت کے مقابلے میں ان کا قول ہرگز مقبول نہیں ہو گا۔ (1)

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتب اہل باطل کے دست برد سے محفوظ نہیں رہیں بلکہ ان پر مختلف اوقات میں طبع آزمائی ہوتی رہی ہے باقی حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

کتاب پر جدید کام کی نوعیت

بفضلہ تعالیٰ اس کتاب کی کپوزنگ اور تخریج کی خدمت ہم سے لی گئی اور اس عظیم تحفہ کو تشنگان علوم اسلامیہ کی لئے مزید نافع بنانے کے لئے جو محنت شاقہ کی گئی اس کا خلاصہ ہم ذیل میں عرض کئے دیتے ہیں۔

اس کتاب کی تخریج اور تعلیق میں قدیم نسخوں میں مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی (مظاہری) کے ترجمہ کو منتخب کیا گیا کیونکہ اس ترجمہ کی اردو جدید دور کی زبان سے زیادہ ہم آہنگ ہے اور اسی طرح تحفہ کے اصل فارسی اور عربی نسخہ کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے اور جا بجا تقابل بھی کیا گیا ہے تخریج میں مندرجہ ذیل امور کو مد نظر رکھا گیا ہے:

1۔ قرآن کریم کی آیات کی تعیین سورۃ کے نام اور آیت نمبر سے حاشیہ میں کی گئی ہے۔

2۔ احادیث مبارکہ کی مکمل تخریج کی گئی ہے۔

3۔ شاہ صاحب کی ذکر کردہ عربی عبارات کی اہلسنت اور شیعہ کتب سے تخریج کی گئی ہے۔

4۔ جہاں کہیں شاہ صاحب نے صرف ماحصل ذکر کیا ہے اس کی مکمل عربی عبارت حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

---

(1) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور فسق وبغاوت، ص:237،238، ط:مکتبہ معارف القرآن کراچی

5۔ بعض مقامات پر شاہ صاحب نے اپنے الفاظ میں کوئی بات مفہوماً ذکر کی ہے تو اس کی بھی تخریج کی گئی ہے۔

6۔ جہاں کہیں مجمل بات تھی اور سمجھنے میں دشواری پیش آسکتی تھی حاشیہ میں قدرے وضاحت کر دی گئی ہے۔

7۔ جن کتب سے تخریج کی گئی ہے حتی الوسع ان کا طبع اور چھاپہ وغیرہ درج کر دیا گیا ہے۔

8۔ مختصراً حسب ضرورت احوال رجال بھی درج کئے گئے ہیں تاکہ مذکورہ رجال سے ممکن حد تک شناسائی بھی ہو جائے۔

9۔ کتاب کے شروع میں مفید مقدمہ بھی شامل کیا ہے تاکہ شیعہ مذہب کے پس منظر اور شروعات کو پرکھا جاسکے۔

10۔ ہر بحث کا عنوان بھی جلی حروف میں لکھ دیا گیا ہے تاکہ کوئی بھی بحث تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

اور اللہ تعالی اس کتاب کو پڑھنے والوں کے نافع بنائے اور ہماری ادنیٰ سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مجلس تحقیقات علوم اسلامیہ پاکستان کو مزید ترقی عطاء فرمائے اور عافیت کے ساتھ دین کی خدمت میں لگائے رکھے (آمین)

ابو حریث فضل الرحمن عفی عنہ

2025ء بمطابق 1446ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مصنف

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصاً علی سید الوری صاحب قاب قوسین او ادنی بدر الدجی شمس الضحی نور الهدی محمد المجتبی وعلی آله واصحابه ذوي الدرجات العلی !

حافظ غلام حلیم[1] (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا تاریخی نام) بن شیخ قطب الدین احمد (المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) بن شیخ ابو الفیض (شاہ عبد الرحیم) دہلوی اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مغفرت فرمائے اور صالح و نیک بندوں میں ان کا حشر فرمائے، فرماتے ہیں کہ:

یہ ایک کتاب ہے جو شیعوں کے حالات کی مکمل وضاحت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ ان کے اصول کیا ہیں؟ ان کے مذہب کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسروں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے کا طریقہ کیا ہے؟ ان کے اسلاف کون تھے اور ان کی روایتوں اور احادیث کے راوی کون اور کس حیثیت کے لوگ تھے؟ ان باتوں کے علاوہ اس کتاب میں ان کے ان عقائد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو وہ الوہیت، نبوت، امامت اور معاد کے متعلق رکھتے ہیں، ان کے ان مسائل فقہیہ کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کی اصل ملت حنفیہ سے مخفی اور پوشیدہ ہے، اسی کے

---

1 ۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یہاں اپنی کتاب کے شروع میں اصل نام ذکر نہیں فرمایا اس کی وجہ سلطان المناظرین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف ہدایات الشیعہ المعروف ہدایات الرشید میں لکھتے ہیں کہ "تحفہ کے دیباچہ میں جو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے توریۃً اپنا غیر مشہور نام تحریر فرمایا علاوہ اور مصالح کے ایک یہ بڑی ضرورت اس طرف داعی تھی کہ اس زمانہ میں شیعہ کا بڑا زور تھا اکثر بڑے بڑے فوجی منصب دار و رئیس منصب شیعہ تھے چنانچہ تقریباً اسی زمانہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ بدوں اس کے کہ کوئی گناہ مستوجب قتل ان سے سرزد ہوا ہو بے گناہ ان کے دست تعدی سے طعمہ نہنگ اجل ہو کر شربت شہادت نوش فرما چکے تھے اور اس کا کچھ تدارک و انتقام نہ ہوا تھا تو ایسے طوفان بے تمیزی کے وقت میں اگر یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کے نام سے شائع ہوتی تو وقوع فتنہ قتل و قتال کا بالیقین تھا اور اس فتنہ کی آتش کا شرارہ صدہا خانمان کو خاک سیاہ کرتا، اور بعض اوباش اسی زمانہ میں بارادہ فاسد حضرت شاہ صاحبؒ کی مجلس میں بھی آئے لیکن حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے محفوظ رکھا" (ہدایات الرشید الی افحام العنید، 1/ 172، 173، ط: مکتبہ فاروق شاملی الہند)

ساتھ وہ اقوال و افعال بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جو یہ حضرات صحابہ کرام ازواج مطہرات اور اہلبیت نبوی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کہتے ہیں۔

میں نے اس کتاب کا نام "**تحفہ اثنا عشریہ**" اس مناسبت سے رکھا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کے اختتام پر یہ کتاب نظر وجود پر جلوہ گر ہو رہی ہے، ان گزشتہ صدیوں میں شیعہ حضرات بالخصوص فرقہ امامیہ اثناء عشریہ اہلسنت والجماعت کے مقابلہ میں گفتگو اور مناظرہ بازی کے دوران جو باتیں کہتے رہے ہیں مع اسباب وعلل ان کا بیشتر حصہ اس کتاب میں درج کر دیا گیا ہے اور جو حصہ نظر انداز کر دیا گیا ہے اس کا اندازہ درج شدہ حصہ سے واضح ہو جائے گا۔

اس کتاب کو "**نصیحۃ المؤمنین و فضیحۃ الشیاطین**" کا لقب دیا گیا ہے، اس کتاب کی تالیف کی غرض اور ضرورت اس لئے محسوس کی گئی ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اور جس زمانے میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں اثناء عشریہ کا غلغلہ اور شہرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ بمشکل کوئی ایسا گھر ہو گا جس میں کوئی نہ کوئی یہ مذہب اختیار نہ کر چکا ہو یا اس سے متاثر نہ ہوا ہو، لیکن ان میں سے اکثریت چونکہ اپنے علم تاریخ اور مسائل مذہب سے کوری ہے اور اپنے اسلاف اور بزرگوں کے حالات سے یکسر بے خبر اور غافل ہے اس لیے جب اہلسنت کی مجلسوں میں گفتگو کی نوبت آتی ہے تو وہ بے ربط، بے محل اور لایعنی ہوتی ہے، ان حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کتاب کو مرتب کیا گیا تاکہ مناظرہ اور مذاکرہ کے وقت یہ لوگ جادہ انصاف سے نہ ہٹ جائیں اور بے علمی کے سبب اپنے ہی اصولوں سے انحراف نہ کرنے لگیں، اور امور واقعی اور حقیقی میں شک اور تردد کو جگہ نہ دیں۔

اس کتاب میں اس امر کی پابندی کی گئی ہے کہ شیعہ مذہب یا ان کے اصول اور ان الزامات کے بیان یا حوالہ کے وقت جو ان کی طرف منسوب کئے جائیں ان کی معتبر کتب کے حوالے کے سوا کسی اور کتاب سے حوالے نہ دیئے جائیں اور قرین انصاف یہی ہے کہ شیعہ حضرات کی طرف سے اہلسنت والجماعت پر جو الزامات عائد کئے جائیں وہ بھی اہلسنت کی روایات کے مطابق ہوں ورنہ انصاف نہیں ہو سکے گا اور فریقین میں سے ہر ایک باہم تعصب اور عناد سے ایک دوسرے کو متہم کرے گا اور باہم بھروسہ و اعتماد کی صورت پیدا نہ ہو گی۔

اس کتاب میں جو تاریخی واقعات یا گذشتہ قصص وحکایات بیان کی گئی ہیں وہ بھی صرف وہی ہیں جن پر دو فریق متفق ہیں، اور تفسیر قرآن مجید اگرچہ ہر دو فریق کی تقریبا یکساں ہیں تاہم حوالے صرف شیعی تفاسیر سے دیئے گئے ہیں تا کہ کسی کو اتہام لگانے کا گمان تک نہ ہو۔ وما توفيقي الا با الله عليه توكلت واليه أنيب

اس کتاب کے ناظرین اور سامعین سے التماس ہے کہ وہ مطالعہ کے وقت درج ذیل چند امور کو ملحوظ خاطر رکھیں:

اول: اہل بیت عظام، یا اصحاب وازواج مطہرات خیر الانام، کی شان میں جو کچھ طعن و تشنیع یا انبیاء وملائکہ علیہم کے نقائص سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز اس کتاب میں صراحت یا ضمنا درج ہوئی ہو تو اس سے مصنف کو بری الذمہ سمجھیں، کیونکہ وہ ہزار ہا لاکھ بار ایسے نازیبا و ناشائستہ الفاظ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے! اور ایسی بے ادبی اور ہرزہ سرائی سے ہزار ہا بار اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے لیکن چونکہ مقابلہ ایسے فرقہ سے ہے کہ یہ باتیں اس کے اصول مذہب میں شامل ہیں اس لئے نقل کفر کفر نباشد کے مصداق انہیں کی کہی ہوئی باتیں مجبورا نقل کی گئی ہیں۔

دوم: جہاں کہیں کلام کو مطلق چھوڑ کر مذہب شیعہ کا بیان شروع کر دیا ہے یا جہاں اہلسنت کے مذاق کے مطابق کلام کو مقید لا کر ان کی پیروی کی ہے تو ایسے موقعوں پر یہ خیال نہ کیا جائے کہ کلام مطلق ہمارے مذہب پر مبنی ہے۔ حاشا وکلا

سوم: ہماری یہ کتاب اسی شخص کے لئے مفید ہو سکتی ہے جو اہلسنت والجماعت اور شیعہ مذہب ہر دو کے اصولی و فروعی احکامات پر پوری پوری مہارت و دسترس رکھتا ہو اور جو ایک مذہب کو جانتا ہو اور دوسرے کی واجبی سی شدبد رکھتا ہو وہ اس کتاب سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ ہاں جو شخص مذہب شیعہ پر تو عبور رکھتا ہو مگر مذہب اہلسنت سے چنداں واقف نہ ہو اس کے لئے بھی یہ بعض کتاب نافع اور مفید ثابت ہو گی، البتہ جو شخص مذہب شیعہ سے کما حقہ واقف نہ ہو اور مذہب اہلسنت پر عبور رکھتا ہو تو اسے بھی چنداں فائدہ نہ ہو گا کیونکہ اس کتاب میں گفتگو اور کلام کی بنیاد شیعی اصول اور روایات پر رکھی گئی ہے۔

چہارم: اس کتاب میں شیعوں کی معتبر کتابوں سے جتنے حوالے بھی دیئے گئے ہیں ان میں افتراء، کذب اور بہتان کا شائبہ بھی نہیں، اس لئے کہ سارے کے سارے حوالے شیعی مذہب کی معتبر اور مشہور کتابوں کے ہیں، شک وشبہ میں پڑ کر نادانی کے ارتکاب کے بجائے ہمارے حوالہ کا ان کی اصل کتابوں

سے موازنہ نہ کرلے، اور اس بات کا خوف نہ کرے کہ نقل وحوالہ کی صحت اگر ثابت ہو گئی تو اسے اس کی پیروی لازمی ہو گی۔

پنجم: اپنے دل میں کسی تاویل کے احتمال کو جگہ نہ دے اور یہ نہ سوچے کہ گویہ سب کچھ شیعوں کی معتبر کتابوں میں ہے لیکن ممکن ہے ان کی کوئی ایسی تاویل کی جاسکتی ہو جس تک ہمارے ذہن کی رسائی نہ ہو پائی ہو، کیونکہ مناظرہ کے وقت ایسی خیال آرائی اور گومگو کی کیفیت عاجزی اور بیچارگی کی علامت ہے اور جہالت و نادانی پر دال ہے اور مزید گفتگو سے نااہلی کی شہادت!

اس کتاب کو بارہ اماموں کی تعداد کے مطابق بارہ بابوں پر مرتب کیا گیا ہے۔

پہلا باب: اس بیان پر مشتمل ہے کہ شیعہ مذہب کس طرح وجود میں آیا، اور کب اور کس طرح مختلف فرقوں میں بٹا۔

دوسرا باب: شیعوں کے مغالطوں، دھوکے بازی اور فریب کاری کے بیان میں کہ وہ دوسروں کو کس طرح فریب دیتے اور گمراہ کرتے ہیں۔

تیسرا باب: شیعوں کے اسلاف علماء اور کتابوں کے بیان میں۔

چوتھا باب: ان کے اخبار و روایات اور راویوں کے ذکر میں۔

پانچواں باب: الہیات ہیں۔

چھٹا باب: انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان ہیں۔

ساتواں باب: امامت کے بیان ہیں۔

آٹھواں باب: معاد کے بیان ہیں۔

نواں باب: مسائل فقہیہ کے بیان ہیں۔

دسواں باب: اس طعن و تشنیع کے بیان میں جو شیعہ، خلفاء راشدین، ام المؤمنین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کرتے ہیں۔

گیارھواں باب: مذہب شیعہ کے خواص کے ذکر میں اور یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول شیعی اوہام میں

فصل دوم شیعوں کے تعصبات

اور فصل سوم شیعوں کی بے اصل و بے بنیاد باتیں۔

بارھواں باب: تولا (محبت) اور تبرا کے بیان ہے، یہ باب دس مقدمات پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ عزشانہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ ان بزرگوں کی ذوات عالیہ کی برکت سے اس رسالہ کو قبولیت سے سرفراز فرمائے گا۔

والله الهادی الی سبیل الرشاد و الملهم ملحق والسداد.

باب اول

شیعہ مذہب کی ابتداء اور ان کی فرقوں میں تقسیم

واضح ہے کہ شیعہ مذہب ابتداء وجود ہی سے رنگ برنگ شکلوں اور طرح طرح کے بھیسوں میں رونما ہوتا رہا ہے اور اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ شیعہ مذہب آسمانی مذہب نہیں بلکہ ایک سیاسی مذہب ہے تو اس بوقلمونی اور طرح طرح کے بہروپ کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے، غرض یہ ہر وقت انوکھے رنگ اور نئے طرز سے دنیا کے سامنے آتا رہا ہے تا آنکہ عراق و خراسان میں صفوی سلاطین نے اس مذہب کے اصول و قواعد کو ضبط میں لانے کی صورت نکالی اور اس کے تحفظ و ترویج میں اپنے شاہی اثرات استعمال کیے، اور علماء وقت نے بہت جدوجہد کے ساتھ اس کے اصول و فروع کی کاٹ چھانٹ کر کے ایک صورت دی، اور اس کو کتابوں میں مدون کیا، تب کہیں جا کر اس کی رنگا رنگی اور تغیر و تبدل بند ہوا اور ایک حالت پر قرار نصیب ہوا، مگر چونکہ تغیر و تبدل اس مذہب کی خصوصیت بن چکا ہے اس لئے بانیان مذہب شیعہ وقت و زمانہ کے مطابق اپنا خاص مذہب تراشتے رہے اور کسی ایک خاص طریقہ پر قرار نہیں لیا یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے اصول و ارکان میں بڑا اختلال و اختلاف پیدا ہوا بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ گو وہ فروع میں ایک دوسرے سے مختلف رہے مگر انہوں نے اصول کبھی نہ بدلے اور ارکان مذہب میں تبدیلی کو کبھی روا نہ رکھا۔

تفصیلی بحث

اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین کے دیار و امصار اللہ تعالیٰ کی عنایت سے صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر فتح ہوئے اور کفار کو قتل و قید اور ذلت و ادبار سے سابقہ پیش آیا، غلامی کی ذلت برداشت کرنی پڑی اور جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا، تو اس حالت سے نکلنے کے لیے اول دو خلفاء کرام رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں انہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، میدان حرب و ضرب گرم کیے، مگر چونکہ نصرت الٰہی اسلام کی پشت پناہ تھی اس لئے بجز ذلت و خواری کچھ ہاتھ نہ آیا، تو انہوں نے کھلے کفر کو منافقت کا حلہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان میں سے بہت سے لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور در پردہ نور اسلام کو بجھانے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد کو ہوا دینے

کی توجہ دین میں لگ گئے، تاکہ وہ سب نکھر کر ابھی سے دور، خلافت ختم ہونے لگا تو مصریوں کی ایک جماعت نے
حضرت عثمان ﷺ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ان کی اطاعت سے منکر ہو گئے، بغاوت کی آگ بھڑکانے میں یہ
گروہ سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس گروہ نے دیگر افراد جو اطراف و اکناف مصر و عراق اور کوفہ میں
پھیلے ہوئے تھے موقع غنیمت جان کر مدینہ میں سمٹ آئے اور وہ سارے فتنہ انگیز پروگرام جو سالوں سے سوچے
جا رہے تھے اور جن کو وہ اسلام کے خوف زبان پر لانے کی جرأت نہ کر پاتے تھے عمل لانا شروع
عمل شروع کر دیا، جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنی ﷺ کی شہادت اور خاتم الخلفاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی خلافت قائم ہوئی تو منافقوں کے اس گروہ نے اپنے آپ کو حضرت علی ﷺ کے مخلص محبین کے طور پر
پیش کرنا شروع کر دیا اور اپنے آپ کو شیعان علی کہنے لگے، وہ اس انقلاب پر بے حد خوش تھے اب انہوں نے
اپنے لئے حالات سازگار دیکھ کر اپنے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔

اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یمنی صنعانی تھا جو اصلاً یہودی تھا جو یہودی ہونے کے زمانہ میں اسلام،
مسلمانوں کا کھلا دشمن تھا، دھوکے اور فریب کاری کا ماہر، حرب و ضرب کی چالوں سے خوب واقف، فتنہ انگیزی
میں یکتا، سیاسی چالوں سے آشنا، اس نے جب دیکھا کہ جو شورش خلیفہ ثالث ﷺ کی شہادت کے وقت برپا ہوئی
تھی اب ماند پڑتی جا رہی ہے اور جو فتنہ ان لوگوں نے کھڑا کر دیا تھا وہ اپنی موت آپ مرتا جا رہا ہے اور مسلمانوں
میں افتراق اور انتشار کا جو منصوبہ ان کے پیش نظر تھا وہ ناکام ہوا چاہتا ہے تو یہودی سیاست کو بروئے کار لا کر اس
نے طریقہ واردات بدل دیا اور اجتماعی ہنگامہ آرائی سے ہٹ کر افراد پر توجہ دینی شروع کی اور ہر فتنہ پرداز کو نئے
طریق سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی استعداد کے مطابق اس کے دل میں گمراہی کی کاشت کرنے لگا۔

سب سے پہلے خاندان نبوی کے ساتھ خلوص و محبت کا حربہ اختیار کیا اور لوگوں کو اہل بیت کی محبت پر
مضبوط و پختہ رہنے کی تلقین کرنے لگا، خلیفہ برحق کی جانبداری، دوسروں کے مقابلہ میں ان کو ترجیح، اور ان کے
مخالفین کی باتوں پر کان نہ دھرنے کی پالیسی اختیار کرنے کو کہنے لگا، اور یہ باتیں ایسی تھیں کہ ہر خاص و عام کا مطمح
نظر تھیں، اور کہیں سے بھی ان کی مخالفت متوقع نہیں تھی، اس لئے ان کی کافی پذیرائی ہوئی، اور لوگوں میں
اس کا اعتماد بہت بڑھا، اور اس کو مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھا جانے لگا۔

اس کے بعد اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی ؓ سب سے افضل ہیں اور نبی کریم ﷺ سے سب سے اقرب انسان ہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے وصی، بھائی اور داماد ہیں، اور حضرت علی ؓ سے متعلق قرآن مجید میں جو آیات فضائل ہیں یا احادیث مروی ہیں وہ سب اور اسی کے ساتھ اپنی طرف سے احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں، جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد اور ماننے والے حضرت علی ؓ کی افضلیت پر ایمان لے آئے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات جڑ پکڑ گئی کہ تو اپنے بہت ہی خاص لوگوں اور اپنے بھائیوں کو نہایت رازداری کے ساتھ بتایا کہ حضرت علی ؓ پیغمبر علیہ السلام کے وصی تھے اور نبی کریم ﷺ نے کھلے الفاظ میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور یہ کہ آپ ؓ کی خلافت قرآن مجید کی اس آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ[1] سے ظاہر ہوتی ہے لیکن صحابہ کرام ؓ نے مکر سے اور اقتدار کی خاطر آنحضرت (ﷺ) کی وصیت کو ضائع کر دیا اور خدا اور سول کی اطاعت نہیں کی، اور حضرت علی (ؓ) کے حق کو تلف کر دیا، دنیا کے لالچ میں آ کر دین بھی چھوڑ بیٹھے اور باغ فدک کے سلسلہ میں سیدۃ النساء ؓ اور خلیفہ اول ؓ کے مابین شکر رنجی ہو گئی جو صلح وصفائی کے بعد ختم بھی ہو گئی تھی، اپنے قول کے ثبوت میں سند و دلیل کے طور پر بیان کیا، اور ان حواریوں کو یہ راز چھپانے کی از حد تاکید کی اور یہ کہا کہ اگر لوگوں سے اس مسئلہ پر تمہاری بحث ہو جائے تو بطور حوالہ میرا نام ہرگز نہ لینا، بلکہ مجھ سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنا، کیونکہ میں نام و نمود اور شہرت کا خواہاں نہیں نہ جاہ مرتبہ کی خواہش رکھتا ہوں اس نصیحت سے میرا مقصد صرف ایک حق بات کہنا اور ایک واقعہ کو ظاہر کر دینا ہے۔[2]

1۔ سورة المائدة، الآية: 55-

2۔ وحکی جماعة من اهل العلم من اصحاب علی علیه السلام ان عبدالله بن سبا کان یهودیاً فاسلم ووالیٰ علیاً علیه السلام وکان یقول وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون بعد موسیٰ علیه السلام بهذه المقالة فقال فی اسلامه بعد وفاة النبی صلی الله علیه وآله فی علی علیه السلام بمثل ذلک وهوا ول من اشهر القول بفرض امامة علی علیه السلام واظهر البرآءة من اعدائه وکاشف مخالفیه فمن هناک قال من خالف الشیعة ان اصل الرفض ماخوذ من الیهودیة. (کتاب فرق الشیعة لابی محمد بن موسی النوبختی ص 22 مطبعه حیدریة نجف اشرف من علماء قرن الثالث تحت فرقة السبائیة)

اس کی اس وسوسہ اندازی کا یہ نتیجہ نکلا کہ خود جناب علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں ان باتوں کا تذکرہ اور خلفاء رضی اللہ عنہم پر طعن وشنام کا سلسلہ شروع ہوگیا، مناظرہ بازی اور جھگڑوں کا آغازہ ہوگیا حتی کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بر سر منبر خطبوں میں اس جماعت سے اپنی نفرت وبیزاری کا اظہار فرمایا، بعض سرگرم لوگوں کو دھمکایا اور شرعی سزا کا خوف دلایا، ابن سبا نے دیکھا کہ تیر نشانہ پر بیٹھا اور شہد کی انگلی کام کر گئی، اور مسلمانوں کے عقیدہ میں فتنہ وفساد کا بیج بار آور ہوگیا، مناظرہ بازی میں ایک دوسرے کی عزت وآبرو کا کوئی پاس نہیں رہا تو اگلے قدم کے طور پر اپنے مخصوص ترین شاگردوں کی ایک اور جماعت منتخب کی اور راز داری کا حلف لینے کے بعد پہلے بھید سے بھی زیادہ باریک اور نازک راز کا انکشاف کیا کہ جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے چند ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں، مثلاً: کرامتیں، ذاتوں کا بدل دینا، غیب کی خبریں سنانا، مردوں کو زندہ کر دینا، اللہ کی ذات اور دنیا کے حقائق بیان کرنا، باریک اور گہری جانچ، حاضر جوابی، الفاظ وعبارت میں فصاحت وبلاغت، زہد وپرہیز گاری، بلند درجہ بہادری اور وہ قوت وطاقت کہ دنیا والوں نے نہ دیکھی نہ سنی۔ [1]

تم جانتے ہو یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہے؟ اور اس کا راز کیا ہے؟ سب نے عاجزی کا اظہار کر کے کہا نہیں (استاد) ہم نہیں جانتے آپ فرمائیے، جب ان کے جذبہ شوق کو خوب بھڑکا چکا تو رازوں کو چھپانے کی تاکید مزید کر کے کہنے لگا کہ یہ سب کچھ خواص الوہیت ہیں، جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہیں، غیر فانی لباس فنا میں خود

---

1 ۔ چوں عبد اللہ چوں میدانست کہ مخالفان عثمان در مصر بسیار اندروی توجہ بداں دیار نہاد بمصریاں ملحق گشتہ باظہار تقویٰ وعلم خویش بسیاری از اہل مصر رابفریب بعد از رسوخ عقیدہ از طائفہ بامیشیاں درمیان نہاد کہ نصاری میگویند کہ عیسیٰ مراجعت غودہ از آسمان بزمین نازل خواہد شد وہمگنان راش است کہ حضرت خاتم الانبیاء افضل از عیسیٰ است پس او برجعت اولی باشد وخدائے عزوعلاء رانیز بایں وعدہ فرمو چنانچہ میفرمائد کہ "ان الذین فرض علیک القرآن لرادک الی معاد" وبعد از آنکہ سفہائے مصر برایں سخی عبد اللہ را مصداق داشتند باایشان گفت کہ ہر پیغمبر را خلیفہ ووصی بودہ است وخلیفہ رسول علی است کہ بحلیہ زہد وتقویٰ وعلم فتویٰ آراستہ است وبحُسن کرم وشجاعت وشیوہ امانت ودیانت وتقویٰ وعلم وفتویٰ آراستہ وامت بخلاف نص محمد صلی اللہ علیہ وسلم بر علی رضی اللہ عنہ ظلم روا داشتند وخلافت حق وے بودیا ونگذاشتند اکنوں نصرت ومعاونت آنحضرت بر جہانیاں واجب ولازم است واتباع اقوال وافعال اوبر ذمت ہمت عالیان امر تحتم ویسیار از مردم مصر کلمات ابن السوداورا در خاطر جائے دادہ پائے از دائرہ متابعت مطاوعت عثمان بروں نہادند۔ (روضۃ الصفا، جلد دوم، ص: 470، ذکر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ)

کو نمودار کر رہا ہے، "فاعلموا ان علیا ھو الا لہ ولا الہ الا ھو "[1] یعنی جان لو کہ علی ہی معبود ہیں ان کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور اپنے قول کی شہادت و تائید میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے وہ کلمات پیش کئے جو بحالت وجد و کیفیت جو کبھی اولیاء اللہ پر غالب و طاری ہو جاتی ہے آپ کے منہ سے نکلے تھے مثلاً انا حی لا اموت میں زندہ ہوں نہیں مروں گا، انا ابعث من فی القبور قبروں سے مردوں کو میں اٹھاؤں گا، انا مقیم القیامۃ میں ہی قیامت برپا کروں گا۔

چنانچہ ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی کے مصداق یہ ناز یبا کلام بھی راز نہ رہا اور لوگوں میں پھیلتا چلا گیا اور جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے سمع مبارک تک بھی پہنچا آپ نے استاد شاگرد سب کو پکڑا اور فرمایا تم نے ان خرافات سے توبہ نہ کی تو سب کو آگ میں جلا کر مار ڈالوں گا، چنانچہ سب نے توبہ کی، اس کے بعد ابن سبا کو مدائن میں جلاوطن کر دیا گیا مگر وہ وہاں بھی اپنی حرکتوں اور غلط و گمراہ عقائد کی تعلیم و اشاعت سے باز نہیں آیا، اپنے خاص گرگوں کو آذربائیجان اور عراق کے علاقہ میں پھیلا دیا، اور ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہ شام کی مہم اور کار خلافت کے سبب اتنے مصروف مشغول رہے کہ ابن سبا اور اس کے چیلوں کی طرف توجہ نہ دے سکے، یہاں تک کہ اس ملعون کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی، اور وہ خوب مشہور ہوئے ،جناب امیر رضی اللہ عنہ کے فوجی اس وسوسہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنا پر چار فرقوں میں بٹ گئے۔

1۔ پہلا فرقہ ان مخلصین اور جاں نثار ساتھیوں کا ہے جو اہلسنت والجماعت کے مقتدا و پیشوا ہیں یہ حضرات اصحاب کبار، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی حق شناسی اور ظاہر و باطن کی پاسداری نیز جنگ و جدل کے باوجود سینہ کو بے کینہ اور پاک صاف رکھنے میں جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم رہے، ان کو ہی شیعان اولی، اور شیعان

---

1 ۔ قال عبداللہ بن سبا لعلی انت الا لہ حقاً فنفاہ علی علیہ السلام الی المدائن وقیل انہ کان یھودیاً فاسلم وکان فی الیھودیۃ یقول فی یوشع بن نون وفی موسیٰ مثل ما قال فی علی علیہ السلام وقیل انہ اول من اظھر القول بوجوب امامۃ علی ۔ (الانوار النعمانیہ مصنفہ نعمت اللہ جزائری ص 197، طبع قدیم مطبوعہ ایران طبع جدید جلد 2، ص 234)

مخلصین کہتے ہیں اور مصداق آیت کریمہ "إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ"[1] (البتہ میرے خاص بندوں پر تیرا غلبہ نہ ہوسکے گا) یہ حضرات ہر حیثیت سے اس دھوکہ باز شیطان کے شر سے محفوظ و مامون رہے، اور ان کے دامن پر اس شیطان کے گندے عقائد کا کوئی دھبہ نہ لگ سکا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے خطبوں میں ان لوگوں کی مدح فرمائی اور ان کے رویہ کو سراہا۔

2۔ دوسرا فرقہ تفضیلی شیوں کا تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہ کو تمام صحابہ سے افضل کہتے تھے ابن سبا کے ادنی شاگردوں میں سے تھے کہ انہوں نے اس وسوسہ کے ایک مختصر سے حصے کو تسلیم کیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ڈانٹا ڈپٹا، اور فرمایا کہ اگر کسی کے بارے میں، میں نے یہ سنا کہ وہ مجھے جناب شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اُسے افتراء کی شرعی حد اسی کوڑے ماروں گا۔[2]

3۔ تیسرا فرقہ تبرائی شیعوں کا تھا ان کو شیعہ سبیہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ عقیدۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظالم، غاصب، بلکہ کافر و منافق مانتے اور کہتے تھے، گویا یہ اس شیطان مجسم کے درمیانی درجہ کے شاگرد تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تنازعہ[3] ان لوگوں کے مذہب کے لئے مؤید اور ان کے خیال کے لئے محرک بن گیا، اور چونکہ ان جھگڑوں کی بناء خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی اس لئے لامحالہ ان لوگوں نے ان کی شان میں بھی زبان طعن دراز کی، اور جب کہ خلیفہ سوم کی خلافت کی بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے ہم خیال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بحیثیت ثالث بانی مبانی تھے اس لئے ان بدبختوں کے تیر ملامت کا یہ حضرات بھی نشانہ بنے، اور مخلصین

1۔ سورة الحجر، الآية:42۔

2۔ حدثنا أبو موسى ثنا حبان بن هلال ثنا محمد بن طلحة، عن أبي عبيد بن الحكم، عن الحكم بن حجل، قال: قال علي: لا يفضلني عن أبي بكر وعمر، أو لا أجد أحدا يفضلني على أبي بكر وعمر، إلا وجلدته جلد حد المفتري. (السنة لابن أبي عاصم، باب ما روي عن علي رضي الله عنه من تفضيله أبا بكر وعمر، وإيمانه إلى عثمان بن عفان ثالثهم في الفضل، 2/ 575 برقم :1219، ط: المكتب الإسلامي بيروت)

3۔ اس تنازعہ کو جنگ جمل یا جنگ بصرہ کہا جاتا ہے یہ 13 جمادی الاولی 36ھ (7 نومبر 656ء) کو بصرہ، عراق میں واقع ہوئی۔

کے ذریعہ جب بھی اس دشنام و تبری کی اطلاع حضرت علی کرم اللہ وجہ کے سمع مبارک تک پہنچی، آپ خطبہ عام کے وقت ان لوگوں کو برا بھلا کہتے اور ان لوگوں سے اپنی کھلی بیزاری کا اظہار فرماتے۔

4۔ چوتھا فرقہ غالی شیعوں کا تھا اور یہ ابن سبا کے خاص الخاص شاگردوں اور راز دار دوستوں کا گروہ تھا، اور یہی گروہ جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل تھا۔[1]

پھر جب مخلصین نے سختی کے ساتھ ان پر سخت الزامات عائد کئے اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تو الوہیت کے آثار کے خلاف بشریت کے تقاضے موجود ہیں تو بعض لوگوں نے صریح الوہیت کے عقیدہ کو ترک کر دیا مگر یہ پھر بھی کہتے رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم فانی میں روح الٰہی حلول و سرایت کئے ہوئے ہے اور جس طرح قرآنی آیت فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا[2] (کہ ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی) سے دھوکہ کھا کر نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے مذہب کی صحت ثابت کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض کلمات کی لچر اور دور از کار تاویلات سے اپنے لچر و بیہودہ عقیدہ کی صحت کی کوشش کرتے رہے۔

تو یہ ہے شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کی حقیقت اور اصل بنیاد اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دراصل اہل تشیع کے بنیادی طور پر تین فرقے بیک وقت وجود میں آئے اور ان تینوں کا موجد اور بانی یہی بد باطن، نفاق پیشہ یہودی تھا، جسے دنیا عبد اللہ بن سبا کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، یہ ہر شخص کو اس کے مذاق و صلاحیت کے مطابق اپنے جال میں پھانستا اور سبز باغ دکھا کر اپنے قابو میں رکھتا تھا۔

غالی فرقہ کی کمی اور تبرائی فرقہ کی کثرت کی وجہ

فرقہ وارانہ تفریق و اختلاف کے بعد ایسے امور بکثرت رونما ہوئے جو تبرائی عقیدہ کے لیے مہمیز ثابت ہوئے، مثلاً:

1۔ محمد بن قولويه عن سعد عن محمد بن عثمان عن يونس عن عبد الله بن سنان عن أبيه عن أبي جعفر عليه السلام ان عبد الله بن سبا كان يدعي النبوة ويزعم أن أمير المؤمنين عليه السلام هو الله، تعالى عن ذلك- (اختيار معرفة الرجال المعروف برجال كشي، ص:102، رقم :48 عبدالله بن سبا، ط: مؤسسة النشر الاسلامي، قم)

2۔ سورة التحريم، الآية: 12-

اول: اتفاقاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے جنگ جمل چھڑ گئی اور یہ چونکہ سب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے قریبی متعلقین تھے اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے دعویدار اس لئے لامحالہ تبرائی فرقہ کے لوگوں کے دلوں میں دونوں خلفاء کی طرف سے بغض و عناد نے جگہ بنائی اور ان کے نزدیک شیعیت مرتضیٰ گویا صرف اسی بغض کا نام قرار پایا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے وہ اقوال جو شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح و تعریف میں صادر ہوئے تھے اور وہ دھمکیاں اور سختیاں جو آنجناب ان بدزبان لوگوں کے خلاف عمل میں لاتے تھے، ان سب کو تقاضائے مصلحت اور اصول دلداری و ظاہرداری پر محمول کرتے، جو اکثر دنیا طلب سردار برتا کرتے ہیں، خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ساتھ برائیوں کا بغض و عناد ہی خلیفہ دوم کے ساتھ بغض کا سبب بنا اس لئے کہ خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی خلافت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تابع تھی اور ہر دو اصحاب رضی اللہ عنہما کا رویہ اور طریقہ زندگی ایک ہی تھا یہاں تک کہ گویا ہر دو حضرات نے سیرت اور طریقہ زندگی میں ایک دوسرے کی اتباع و اقتداء کو لازمی جان رکھا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حیثیت وزیر و مشیر کی سی تھی، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو فدک،[1] سے باز رکھنے نیز دیگر تنازعات میں آپ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ہم خیال اور شریک کار تھے۔

یہ واقعات و اسباب تبرائیوں کے ذہن و خیال پر اس بری طرح حاوی ہوئے کہ وہ تعلقات و نسبت خاص جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تھی مثلاً داماد ہونا،[2] رشتہ دار ہونا، دین و خلافت کے اہم معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طلب رائے اور شریک مشورہ بنانا، ان سب کو تقیہ پر اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کمزوری اور بیچارگی پر محمول کرتے رہے، اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ اکثر برگزیدہ انصار و مہاجرین صحابہ

---

1 ۔ فدک ایک شہر کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے شمالی جانب تقریباً تین منزل کی مسافت پر واقع تھا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں: واما فدک وھی بفتح الفاء والھملة بعدھا کاف بلد بینھا و بین المدینة ثلاث مراحل - (فتح الباری، 6/ 151) اور فدک کی فاء اور دال دونوں زبر سے ہیں اور آخر میں کاف ہے یہ ایک شہر ہے جس کے درمیان اور مدینہ منورہ کے درمیان تین منزل کا فاصلہ ہے۔

2 ۔ وفاطمة تزوجھا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه فولدت له الحسن والحسین ومحسنا مات صغیرا وام کلثوم تزوجھا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه - (الوافی بالوفیات لصلاح الدین خیل بن ایبک ،1/ 79، ط، داراحیاء التراث بیروت)

کرام رضی اللہ عنہ کو بھی طعن کا نشانہ بنایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی طرح ان خلفاء رسول کی بھی اتباع کرتے، ان کی مدد اور پشت پناہی کرتے ان کے احکامات کی بجا آوری کو اپنے اوپر لازم اور فرض گردانتے تھے۔

دوم: یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد جناب حسنین رضی اللہ عنہما اور آپ کی اولاد مثلاً زید شہید رحمۃ اللہ علیہ یا دیگر سادات حسینیہ ہمیشہ شام کے مروانی نواصب (خارجیوں) اور عراق کے عباسی نواصب کے ساتھ بر سر نزاع اور بر سر پیکار رہے اور باہم کینہ پروری فروغ پاتی رہی، اس لئے ادھر تو بعض نواصب گمراہی کے انتہائی درجے تک پہنچ کر روسیاہی کی زندگی گزارتے اور حضرات مذکورہ کی شان گرامی میں بڑی بے ادبی کا مظاہرہ کرتے، شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو نیکی سے یاد کرتے، بلکہ مروانیوں نے تو خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف داری میں شرارت و گمراہی کا اندازہ اختیار کر رکھا تھا تو دوسری طرف تبرائی فرقہ بھی ان نواصب کے مقابلہ میں بغض معاویہ کے مظاہرہ میں پیچھے نہ رہا اور مسلمانوں کے اسلاف ہر سہ خلفاء رضی اللہ عنہم کے متعلق ہرزہ سرائی وطیرہ بنالیا چنانچہ دونوں نے اپنی اپنی طرف سے جی بھر کے داد بے حیائی دی۔

سوم: یہ کہ جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام آئمہ اطہار رحمۃ اللہ علیہم ان بدبخت خارجیوں کی ظاہری شرارت، بدذاتی اور خیانت و بدطینی کے پیش نظر گاہے گاہے کچھ کلمات لعن آمیز عام اوصاف کی آڑ میں ارشاد فرماتے رہے مثلاً: نواصب کا ظلم و غضب، اہل بیت کے ساتھ تعصب و بغض، سنت رسول کو بدل ڈالنا، بدعات اختراع کرنا اور خلاف شرع احکام گھڑ لینا، وغیرہ، گو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا روئے سخن نواصب کی طرف تھا، مگر حقیقت شناس حضرات سمجھتے تھے کہ بدخیال اور جلد باز گروہ نے ان کلمات کو صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی شان میں استعمال کیا کیونکہ وہ اپنے لغو عقیدہ کی بنیاد پر ان ہی حضرات کو ان کلمات کا محمل سمجھتے تھے، جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر جناب مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا روئے سخن ان بزرگ اسلاف کی طرف تھا تو ان حضرات نے ان کے نام کیوں لئے تو اس کا ان کے پاس ایک ہی گھڑا گھڑایا جواب ہوتا تھا کہ مصلحت وقت اور تقیہ [1] اس کا سبب تھا۔

1۔ تقیہ دراصل جھوٹ کا دوسرا اور خوبصورت نام ہے اور جھوٹ بولنا تمام مذاہب میں بدترین گناہ ہے، پوری دنیا کے عقل مند لوگوں نے بھی اس کو سخت ترین عیب تسلیم کیا ہے لیکن مذہب شیعہ نے اس کو اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا ہے، دین کے دس حصے بتلائے ہیں اور ان میں سے نو

زمانہ امیر رضی اللہ عنہ کے تبرائی ایک سوچی سمجھی اسکیم کی وجہ سے جانتے بوجھتے صحابہ کرام ازواج مطہرات اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کرتے تھے، تو بعد میں آنے والوں کے لئے ان کا یہ طرز عمل نص صریح بن گیا، اور اب لعن طعن شیعی سیاست کی بجائے مذہب ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ ان اور ان جیسے اسباب کی وجہ سے تبرائی فرقہ دوسرے تمام فرقوں سے قوت اور تعداد میں بڑھ گیا، کیونکہ پے درپے ایسے واقعات رونما ہوتے چلے گئے جو ان کے عقیدہ کے ممد ثابت ہوئے۔

تبرائیوں کے مقابلہ میں غالی فرقہ کا حال روز بروز پتلا، قوت کم اور ذلت وادبار فزوں تر ہوتا رہا، اور یہ حال ہو گیا کہ عقیدہ کے کھلے بطلان اور ان وحشت انگیز کلمات کی کھلی برائی کے سبب ان کی بکواس پر اب کوئی کان دھرنے کو بھی تیار نہ تھا اور اگر کوئی بطور فیشن یہ عقیدہ اپنا بھی لیتا تو کبھی اپنی ہی عقل کی رہنمائی یا کنبہ برادری کے افراد کی نصیحت جلد اس عقیدہ سے ہٹا دیتی۔

اب رہے تفضیلی تو وہ "لا في العير ولا في النفير" کی تصویر بن کر رہ گئے تھے کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، تبرائی ان کو نہ منہ لگاتے نہ اپنے میں شامل کرتے، اور کہتے کہ یہ اہل بیت کی محبت کا حق ادا نہیں کرتے جو تبرائیوں کے عقیدہ کے مطابق بعض صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو گالی بک کر اور لعن طعن کر کے ادا ہوتا ہے، دوسری طرف مخلصین ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رویہ کے خلاف چلتا دیکھ کر اور آپ رضی اللہ عنہ کی دھمکیوں کا مورد جان کر حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ہنوز تبرائی ان اہلسنت اور خارجیوں میں فرق وتمیز نہیں کرتے، حالانکہ

حصے جھوٹ بولنے کے لئے وقف کر دیئے ہیں، جھوٹ بولنا اللہ کا دین اور انبیاء وائمہ کا دین بتایا گیا ہے... نعوذ بالله من ذلك. قال السيد المرعشى فى شرح احقاق الحق نصه: وإنما الذي ذكروه في ذلك أن التقية جائزة، وربما وجبت، وعرفوها بأنها إظهار موافقة أهل الخلاف فيما يدينون به خوفا.(إحقاق الحق وإزهاق الباطل، 1/ 313، ط: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم إيران) وقال مرتضى الانصارى : فإن المكلف يجب عليه إذا اقتضت الضرورة موافقة أهل الخلاف فيه وإظهار الموافقة لهم. (التقية، الشيخ مرتضى الأنصاري ص 48 تحقيق: الشيخ فارس الحسون نشر: مؤسسة قائم آل محمد قم)

اہلسنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلصین خاص ہیں، خاندان نبوت پر دل و جان سے فدا ہیں، شام و عراق اور مغرب کے ناصبوں سے نہ صرف علمی اور زبانی لڑائی لڑنے میں مشغول ہیں، بلکہ تلواریں کی لڑائی میں بھی دو بدو ہو چکے ہیں اور احکام شریعت کی مدد اور مروانی بدعات کا قلع قمع بھی کر چکے ہیں، نواصب کو نہایت بد زبان سمجھتے ہیں، اور تعجب بالائے تعجب اس بات پر ہے کہ تبرائیوں کے علماء جو اپنے متعلق یہ غلط فہمی رکھتے ہیں کہ وہ اسلاف کے اخبار اور اہل علم کے اقوال سے باخبر ہیں وہ بھی نواصب کا لفظ شیعان اولیٰ پر بولتے ہیں، کسی دانا نے کیا خوب کہا ہے کہ:

"ہر بیماری کی ایک دوا ہے جس سے وہ جاتی رہتی ہے، مگر حماقت کہ وہ اپنے معالج کو عاجز کرتی ہے"

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیعی لغت میں نواصب کا لفظ ہر اس شخص کے لئے ہے جو ان کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو،[1] اس اصول کی بناء پر غالی شیعہ، تبرائی شیعہ کو اور تبرائی، تفضیلی شیعہ کو اور تفضیلی شیعان اولیٰ (مخلصین) کو نواصب جانتے اور گردانتے ہیں۔

ان شیعان اولیٰ کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے کہ شیعوں کے تمام گمراہ فرقوں اور خارجیوں دونوں کی لعنت و ملامت کا نشانہ بنے اور سب کے ساتھ مخالفت اختیار کی، گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وراثت میں مسکنت اور غربت عظمیٰ ان ہی کے نصیب میں آئی، اور جنگ و جدال اور مجاہدات شاقہ کے لئے اُن کے صحیح وارث یہی قرار پائے، در حقیقت یہ حدیث ان ہی کے حال پر ٹھیک منطبق ہوئی اور ان کے انجام کا پتہ دیتی ہے:

ان الدین بداء غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء۔[2]

ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں آگے چل کر یہ بات کھلے گی کہ شیعان اولیٰ میں مہاجرین و انصار کی اس جماعت کا شمار ہے جن میں سے اکثر سعادت مآب جناب مرتضی رضی اللہ عنہ کی ہمرکابی میں باغیوں، اور قرآن میں

1۔ والنواصب والناصبية وأهل النصب: المتدينون ببغضة علي، رضي الله عنه،لأنهم نصبوا له، أي: عادوه. (القاموس المحيط، فصل النون، 1/ 138، ط: مؤسسة الرسالة بيروت لبنان) ناصبی جس کی جمع نواصب ہے اور اس کے لیے ناصب اور ناصبیہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض اور دشمنی رکھتے تھے۔

2۔ هكذا روى الطبراني في المعجم الاوسط : إن الدين بدأ غريبا، وإن الدين سيعود غريبا كما بدأ، فطوبى للغرباء۔ (المعجم الأوسط، للطبراني، 3/ 156، رقم : 2777، ط: دارالحرمين القاهرة)

تاویل کرنے والوں کے مقابلہ میں جنگ لڑ چکے تھے! ایسے ہی جناب رسول اللہ ﷺ اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی رفاقت میں منکرین قرآن سے لڑائیوں میں شریک رہے تھے، اور ان میں سے بعض ایسے تھے جو انتہائی پرہیزگاری اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے اور اہل کلمہ اور اہل قبلہ کے قتال سے گریز کرتے ہوئے چند عذر پیش کرکے گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے اور جن کے سب عذر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول فرمائے تھے اور باوجود اس گوشہ نشینی کے انہوں نے آپ کے مناقب وفضائل کو پھیلانے اور آپ کی محبت پر لوگوں کو ابھارنے اور آپ کی عزت وتعظیم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، چنانچہ

انہوں نے اپنے عمل سے اس آیت کی ترجمانی فرمائی:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ [1]

(ترجمہ) نہیں ہے ان ضعیفوں، مریضوں اور ان لوگوں پر جو خرچ کے لئے کوئی مال نہیں رکھے کوئی حرج، جب کہ وہ اللہ ورسول کے خیر خواہ ہوں اور نیکوں پر کوئی الزام نہیں۔

اور آگے چل کر قارئین کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بیعت رضوان کے حاضرین میں سے تقریباً آٹھ سو حضرات رضی اللہ عنہم نے جنگ صفین [2] میں داد جاں نثاری دی اور تین سو نے جام شہادت نوش کیا، [3] ان کے علاوہ

1۔ سورة التوبة، الآية :91-

2۔ جنگ صفین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مابین 37ھ جولائی 657ء میں دریائے فرات کے کنارے ملک شام کے علاقہ "الرقہ" میں ہوئی، قال ياقوت الحموي: صفين موضع بقرب الرقة على شاطئ الفرات من الجانب الغربي بين الرقة وبالس، وكانت وقعة صفين سنة 37ھ في غرة صفر بين علي ومعاوية-(معجم البلدان، 3/ 414، دار صادر بيروت)

3۔ کتب حدیث وتاریخ میں مختلف تعداد بیان کی گئی ہے، ان جنگوں کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد دس ہزار تھی، جن میں سے صرف 100 کے لگ بھگ صحابہ رضی اللہ عنہم براہ راست ان جنگوں میں شریک ہوئے، اور بقیہ غیر جانبدار رہے یا مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں مصالحت کی کوشش کرتے رہے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: قال عبد الله بن [الإمام] أحمد: حدثنا أبي، حدثنا إسماعيل، يعني ابن علية، حدثنا أيوب [يعني] السختياني، عن محمد بن سيرين قال: هاجت الفتنة وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة آلاف، فما

دوسرے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے جو خدمات دین وخلافت کی انجام دیں نہ کسی زبان کو اس کے بیان کا یارا ہے نہ کسی قلم کو یہ تاب کہ ان کو رقم کر سکے، لیکن چونکہ دور خلافت ختم ہو چکا تھا اور خاتم الخلفاء حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا جام حیات لبریز ہو چکا تھا اس لئے دنیاوی طور پر یہ قربانیاں بار آور نہ ہو سکیں بجز اس کے کہ وہ حضرات ثواب آخرت اور جنت میں درجات بلند کے حقدار ٹھہرے جو منجملہ دو بھلائیوں کے ایک بھلائی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں شیعیت کے جنم لینے اور چار فرقوں میں بٹ جانے کے بعد شیعی مذہب میں اور بھی نئی نئی باتیں رونما ہوتی رہیں اس تغیر وتبدل اور فرقہ بازی کا راز یہ ہے کہ ہر انقلابی موڑ پر اس مذہب نے نیا چولا بدلا اور نئے روپ اور نئے مذہب کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا اور اس قسم کے اکثر انقلابات آئمہ کرام کی شہادت کے موقعہ پر رونما ہوتے رہے۔

انقلابات مذہب شیعہ

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو! جب عراق کے بدبختوں نے یزید کی سیاست میں آکر بدبخت زیاد کے بھڑکانے اور اکسانے پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو کیسان نامی نے جو سبط اکبر حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے متبعین میں سے تھا اور آنجناب کی وفات کے بعد آپ کے بھائی محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی جو محمد بن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، صحبت اُٹھا چکا تھا بلکہ ان سے عجیب عجیب علوم کا استفادہ بھی کر چکا تھا امام شہید رضی اللہ عنہ کے انتقام کا مدعی بن کر اٹھا اور لوگوں کو بھی اس مہم میں شرکت کے لئے آمادہ کر لیا، چنانچہ حضرات شیعان اولیٰ میں سے مثلاً سلیمان بن صرد خزاعی اور رفاعہ وغیرہ اور کچھ لوگ تبرائی شیعوں میں سے اس کے ساتھ ہو گئے اور ایک جتھہ بنا کر ابن زیاد اور اس کے عاملوں سے الجھ پڑے اگر نتیجہ کشت خون کا ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اس ناکامی کے بعد تبرائی فرقہ کے ایک شخص مختار ثقفی کو اپنا لیڈر اور سردار بنایا، مختار حکومت وسیاست، فن جنگ وجدال اور حرب وقتال میں ماہر تھا، اور سیاست زمانہ پر گہری نظر رکھتا اور مکر وفریب میں ابن سباہی کی طرح دسترس رکھتا تھا، مختار کی

حضرها منهم مائة، بل لم يبلغوا ثلاثين. وهذا الإسنادمن أصح إسناد على وجه الأرض. ومحمد بن سيرين [من] أورع الناس في منطقه، ومراسيله من أصح المراسيل.(منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية،السبب السابع المصائب الدنيوية التي يكفر الله بها الخطايا، 6/ 237، الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية)

سرداری کے ساتھ ساتھ ابراہیم بن مالک اشتر کو امیر الامراء مقرر کیا۔

ابن زیاد کے ساتھ مختار کے کئی معرکے ہوئے، اور بالآخر ابن زیاد مختار کے ہاتھوں مارا گیا، مختار نے اس کے بعد کیسان کا مذہب قبول کر لیا، کیسان ابتداء میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت کا قائل نہیں تھا بلکہ اس کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، براہ راست جناب محمد بن الحنفیہ امامت کے مستحق اور حقدار تھے، اس کے نزدیک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تو اہلیت امامت اس وجہ سے کھو چکے تھے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے صلح کر لی تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے چونکہ بڑے بھائی کی متابعت کی تھی گو بادل نخواستہ تھی اس لئے وہ بھی اس کے عقیدہ کے معیار پر پورے نہیں تھے اور وہ بھی اہلیت امامت سے محروم ہو گئے تھے، لہذا مجبور ہو کر محمد بن علی رضی اللہ عنہما کو ہی اس نے سر مرتضوی کا خازن اور لواء امامت کا حامل قرار دے لیا تھا، اور ان کے متعلق بیان کرتا تھا کہ ان کو جناب امیر سے وراثت میں کرامتیں اور عجیب و غریب علوم ملے ہیں۔

مختار زمانہ سازی اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو بدل کر فائدہ اٹھانے کا فن خوب جانتا تھا اور ابھی حکومت واقتدار کی چاٹ لگ گئی تھی اس لئے بادل نخواستہ کوفہ کے عوام کو رام کرنے کے لئے کیسان کے عقیدہ کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی امامت کا انکار نہ کر سکا، کیونکہ کوفہ کے عوام ان ہر دو حضرات کے انتہائی مطیع و فرمان بردار تھے، لہذا اس نے اب یہ کہنا شروع کر دیا کہ امام شہید رضی اللہ عنہ کے بعد حق امامت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منتقل ہوا ہے اور نواصب (خارجیوں) سے لڑنے اور امام شہید کا بدلہ لینے کے لیے ہمیں انہیں نے مامور کیا ہے۔

اور اس سلسلہ میں جناب محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جھوٹے اور جعلی مہر شدہ فرامین تیار کر کے لوگوں کو دکھانے لگا، اور کیسان کی اپنے ساتھ موافقت بطور شہادت پیش کرنے لگا، چنانچہ یہ جعل سازی اور چال بازی کامیاب رہی اور بہت سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا، اور عراق کے شہروں دیار بکر، اہواز اور آذربائیجان پر اپنا اقتدار قائم کر لیا، تا آں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی اور امام شہید رضی اللہ عنہ کے داماد تھے، کیونکہ جناب سکینہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ محترمہ تھیں، مختار کی یہ اطواریاں دیکھ اور سن کر اس پر فوج کشی کی اور اسے واصل جہنم کر کے خلق خدا کو اس کے جور و تشدد سے رہائی دلائی۔

مختار نے اپنے ماننے والوں کے لئے مختاریہ کا لقب دیا تھا جب کہ وہ پہلے کیسانیہ کہلاتے تھے، جب مختار

کی برائیاں، بد عقیدگیاں اور ظلم و ستم زبان زد خلق ہوئیں اور ہر طرف سے لعنت پھٹکار برسنے لگی تو اس کے ماننے والوں نے مختاریہ کا لقب ترک کر کے سابقہ کیسانیہ ہی اختیار کر لیا، مختار دینی معاملات میں حد درجہ بد عقیدہ تھا، آخر میں تو اس نے نبوت کا دعویٰ ہی کر دیا تھا اور کہتا تھا کہ جب جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے اور امراء، صوبہ داروں اور لشکریوں کی خبریں مجھے بتا جاتے ہیں۔[1]

ادھر جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں مختار کے گندے اور بیہودہ عقائد و بداطواریوں پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کے کرتوتوں سے اظہار بیزاری فرماتے تھے۔

مختار ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے رسم ماتم عاشورہ اور نوحہ گری کی بنیاد ڈالی، اور وہ یہ سیاست گری اور سارا کھیل اس لئے کھیلتا تھا تاکہ اہل کوفہ کو بھڑکا کر اہل شام کے ساتھ جدال وقتال پر کھڑا کرے اور اس کی آڑ میں زمام سلطنت واقتدار پر اپنا قبضہ مضبوط رکھے، اس کو امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا واسطہ تھا وہ تو خود پیغمبر بن بیٹھا

1۔المختار بن أبي عبيد بن مسعود الثقفي، أبو إسحاق: من زعماء الثائرين على بني أمية، وأحد الشجعان الأفذاذ. من أهل الطائف. انتقل منها إلى المدينة مع أبيه. في زمن عمر. وتوجه أبوه إلى العراق فاستشهد يوم الجسر، وبقي المختار في المدينة منقطعا إلى بني هاشم. ..ولما قتل (الحسين) سنة 61 هـ انحرف المختار عن عبيد الله بن زياد (أمير البصرة) فقبض عليه ابن زياد وجلده وحبسه، ونفاه بشفاعة ابن عمر إلى الطائف. ولما مات يزيد بن معاوية (سنة 64) وقام عبد الله بن الزبير في المدينة بطلب الخلافة، ذهب إليه المختار، وعاهده وشهد معه بداية حرب الحصين ابن تمير، ثم استأذنه في التوجه إلى الكوفة ليدعو الناس إلى طاعته، فوثق به، وأرسله، ووصى عليه. غير أنه كان أكبر همه منذ دخل الكوفة أن يقتل من قاتلوا (الحسين) وقتلوه، فدعا إلى إمامة (محمد ابن الحنفية)...أرسل إبراهيم بن الأشتر في عسكر كثيف إلى عبيد الله بن زياد، الّذي جهز الجيش لحرب الحسين، فقتل ابن زياد، وقتل كثيرين ممن كان لهم ضلع في تلك الجريمة. وكان يرسل بعض المال إلى صهره ابن عمر وإلى ابن عباس وإلى ابن الحنفية، فيقبلونه. وشاعت في الناس أخبار عنه بأنه ادعى النبوة ونزول الوحي عليه، وأنه كان لا يوقف له على مذهب، ونقلوا عنه أسجاعا، قيل: كان يزعم أنها من الإلهام...وعمل مصعب بن الزبير، وهو أمير البصرة بالنيابة عن أخيه عبد الله، على خضد شوكة المختار، فقاتله، ونشبت وقائع انتهت بحصر المختار في قصر الكوفة، وقتله ومن كان معه. ومدة إمارته ستة عشر شهرا". (الاعلام للزركلي،مخ، مختار الثقفي، 7/ ۱۹۱،۱۹۲، ط:دار العلم للملايين)

تھا اور اس کے پیرو علی الاعلان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کرتے تھے، جب جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی تو کیسانیہ انتخاب امام میں باہم مختلف ہو گئے، کہ اب امامت کس کی طرف منتقل ہوئی! ابو کریب جو اس فرقہ کے سرداروں میں سے تھا یہ کہنے لگا کہ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ خاتم الائمہ ہیں، وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ دشمنوں کے خوف سے روپوش ہو گئے کچھ عرصہ بعد ظہور فرمائیں گے، اور مطلب اس سے یہ تھا کہ لوگ کسی دوسرے کے پیرو اور گرویدہ ہو جائیں، بدستور سابق میرے ہی مطیع و فرمانبردار بنے رہیں، اس کے برخلاف ایک دوسرے سردار اسحاق نامی نے رسل ورسائل کے ذریعہ حضرت ابو ہاشم بن محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا رشتہ جوڑا اور کہنے لگا کہ اب وہ امام ہیں اور انہوں نے مجھے نائب و نمائندہ مقرر کیا ہے، ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسحاقیہ فرقہ ان کی اولاد میں امامت منتقل ہونے کا قائل ہوا۔

ادھر ابن حرب جو اسحاقیہ فرقہ کا سردار تھا خود امامت کا دعویٰ کرنے لگا، ایک اور جماعت جو عبد اللہ بن جعفر کے چیلے چانٹوں پر مشتمل اور پہلے اسحاقیہ میں شامل تھی حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر کی امامت کی قائل ہو گئی اور کوفہ کے شیعوں کی بڑی اکثریت ان کے تابع ہو گئی، کیسانیہ ہی کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امامت اولاد ابو طالب سے منتقل ہو کر اولاد عباس رضی اللہ عنہ کو ملی، چنانچہ انہوں نے علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امام مانا اور ان کے بعد ان کی اولاد میں امامت کا سلسلہ چلایا تا آنکہ منصور دوانقی عباسی کا زمانہ آیا تو یہ سلسلہ بھی موہوم سا ہوا۔

اس سلسلہ میں عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو اپنے خیال میں امامت کا درجہ دیتے تھے اور ان کی امامت کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے تھے وہ خود اس دعویٰ سے پورے طور پر بیزاری کا اظہار فرماتے اور اپنے آپ کو اس کھڑاک سے بے تعلق ظاہر کرتے، اور یہ بے حیا لوگ ان کے انکار اور بیزاری اور کنارہ کشی کو ان کے تقیہ اور دشمنوں کے خوف پر محمول کرتے، کیونکہ ہنوز مدینہ منورہ پر مروانیوں کا قبضہ و تسلط تھا، شیعہ مذہب میں تقیہ نے دراصل اسی زمانہ سے جڑ اور شہرت پکڑی!

اس زمانہ میں مذہب تشیع صرف دو فرقوں، کیسانیہ اور مختاریہ میں بٹا ہوا تھا اور کوفہ کے شیعہ اسی مذہب کے پیرو تھے، تھے، غالی شیعہ اور تفضیلی فرقے بہت کم اور ذلیل و حقیر ہو کر رہ گئے تھے، البتہ کیسانیہ

فرقہ میں زبردست پھوٹ تھی اور وہ خود کئی فرقوں پر تقسیم ہو چکا تھا۔

شیعہ مذہب میں تیسرا انقلاب یہ ہوا کہ جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اس عالم فانی سے دار بقاء کو سدھارے تو زید بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے جو زید شہید کے لقب سے مشہور ہیں ہشام بن عبد الملک بن مروان خلیفہ وقت پر چڑھائی کر دی جب آپ کوفہ و عراق کے گرد و نواح میں پہنچے تو شیعہ مخلصین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی، اس لئے کہ مروان کی اولاد اپنے عاملوں کے ظلم و ستم کے سبب اور ان کو اس سے روکنے میں ناکام رہنے کے باعث ریاست کی ظاہری قابلیت اور دبدبہ سے بھی محروم ہو گئی تھی، حضرت زید شہید کے اپنے ساتھیوں مخلص شیعوں کے علاوہ تیس ہزار کی ایک جمعیت تبرائی شیعوں کی بھی شامل ہو گئی جس کی اکثریت کیسانیوں اور مختاریوں پر مشتمل تھی، یہ پورا لشکر یوسف بن عمر ثقفی سے قتال کرنے کے لئے روانہ ہوا جو اس وقت ہشام کی طرف سے امیر العراقین تھے۔

جب حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تبرائیوں کا سب وشتم اور تبرئی سنا تو بار بار ان کو ڈانٹا، دھمکایا، اور ان لوگوں کے سرداروں کو پابند کیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کو اس لائق نفرت فعل سے باز رکھیں، جب بات زبانی کلامی حدود اور سب وشتم سے آگے بڑھ کر تلوار اور بھالے تک پہنچی اور محبان اہل بیت شیعوں کی عملی آزمائش کی گھڑی آپہنچی تو سارے کے سارے تبرائی آپ کی رفاقت سے منہ موڑ کر اور آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے گھروں میں جا گھسے، اور عذر یہ گھڑا کہ ہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی سے کیوں روکا، گویا تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دہرایا اور کوفہ کے شقی لوگوں نے جناب امام حسین رضی اللہ عنہ سے غداری کا جو سلوک کیا تھا وہی سلوک ان کیسانیوں اور مختاریوں نے جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا، نتیجہ جناب زید شہید ہو گئے۔

آپ کی شہادت کے بعد مذہب شیعہ میں ایک عجیب انقلاب آیا کہ وہ جماعت جو جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہ گئی تھی اس نے اپنا لقب شیعہ خالص رکھا، وہ اس کے قائل تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ ہی امام برحق تھے اور شہادت جو ان کے باپ دادا کی میراث تھی ان کو نصیب ہوئی، راہ خدا میں اپنی جان پر کھیل گئے اور یہی امام کے شایان شان ہے کہ سوائے خدا کے کسی انسان کی رفاقت اور مفارقت کی اس کو پرواہ نہ ہو۔

اور ان لوگوں کو جو جناب زید شہید رحمہ اللہ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر اپنے گھروں کو بھاگ گئے تھے روافض کالقب دیا، بلکہ خود جناب زید رحمہ اللہ نے ان جھوٹے، بیوفااور غداروں کے حق میں فرمایا" رفضونا فهم الروافض "یعنی انہوں نے ہم کو چھوڑا تووہ روافض ہوئے،[1] پھر جب حضرت زید کے یہ ساتھی اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے سامنے اپنے لئے امام منتخب کرنے کا سوال آیا، اس جماعت نے اپنے لئے امامیہ لقب چنا، ان میں سے کچھ جناب حسن مثنی بن حسن مجتبی رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل ہوئے جب کہ اکثریت نے امام محمد باقر رحمہ اللہ کو اپنا امام تسلیم کیا جو اس وقت اہل بیت میں سب سے افضل، عالم اور سب سے زیادہ پرہیزگار اور عبادت گزار تھے، اور ان لوگوں نے کیسانیہ اور مختاریہ فرقوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینا شروع کی، اس مذہب کے داعی جو اس گروہ کے سردار تھے یہ لوگ تھے، ہشام بن الحکم احول، ہشام بن سالم جوالیقی، شیطان الطاق مشیمی اور زرارہ بن اعین کوفی۔

امام باقر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اس گروہ میں پھر اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ وہ زندہ ہیں مرے نہیں، اور ایک جماعت ان کی موت کی قائل ہوئی اور آپ کے صاحبزادے حضرت زکریا رحمہ اللہ کو اپنا امام مانا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ زندہ ہیں مریں گے نہیں، کچھ لوگوں نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کو امام مانا، یہ گروہ تعداد

---

1 ـ ثم ظهر في زمن علي التكلم بالرفض لكن لم يجتمعوا ويصير لهم قوة إلا بعد مقتل الحسين رضي الله عنه بل لم يظهر اسم الرفض إلا حين خروج زيد بن علي بن الحسين بعد المائة الأولى لما أظهر الترحم على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما رفضته الرافضة فسموا " رافضة " واعتقدوا أن أبا جعفر هو الإمام المعصوم. (مجموع الفتاوى لابن تيميه ،دخول الرافضة في حديث من خرج من الطاعة، 28 / 490، ط: 28 / 490، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية)

اسی طرح شیخین رضی اللہ عنہما سے بیزاری اختیار کرنے والوں کو بھی روافض کہتے ہیں: وكان أصحاب زيد لما خرج سألوه: ما تقول في أبي بكر وعمر؟ فقال: ما أقول فيهما إلا الخير وما سمعت من أهلي فيهما إلا الخير. فقالوا: لست بصاحبنا ذهب الامام يعنون محمد الباقر " ع "، وتفرقوا عنه فقال: " رفضونا القوم " فسموا الرافضة-(عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب، لابن عنبة، ص 257، ط: المطبعة الحيدرية في النجف)

میں بڑھ گیا کیونکہ بہت سے لوگ ان کے ہم خیال ہو گئے، انہوں نے امامیہ کا لقب اپنے لئے مخصوص قرار دے لیا، اور حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو امام ماننے والوں کو زیدیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

پھر امامیہ فرقہ میں سرداروں کی بھرمار کے سبب مذہبی نزاع رونما ہوا، ہر رئیس اور سردار نے اپنی خواہش کے مطابق نیا مذہب تراشا اور اپنا گروہ علیحدہ بنایا، اس لئے لامحالہ سرداروں کے ناموں پر ہشامیہ، سالمیہ، شیطانیہ، مشمیہ اور زراریہ فرقے ان میں پیدا ہوئے۔

شیعوں کی مذہبی تاریخ میں یہ چوتھا بڑا اور ہولناک انقلاب تھا جو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونما ہوا، کچھ نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ جناب صادق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں، غائب ہو گئے ہیں، پھر ظاہر ہوں گے، ایک فرقہ آپ کی موت کا قائل ہوا، اور اس نے آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے جناب کاظم موسیٰ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کو تسلیم کیا، ایک دوسرے گروہ نے جناب اسمٰعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو امام ٹھہرایا، پھر ان اسماعیلیوں میں بھی تفرقہ پڑا، بعضوں نے کہا کہ اسماعیل آخری امام ہیں ان کے بعد کوئی امام نہیں اور ان کے متعلق حی لایموت کا عقیدہ قائم کر لیا، اور بعض دوسرے ان کی موت اور ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے قائل ہوئے۔[1]

پھر ان میں بھی پھوٹ پڑ گئی، اس سبب سے کہ جناب اسماعیل بن جعفر، حضرت جعفر کی حیات میں وفات پا گئے اور اپنے پیچھے اپنا بیٹا محمد چھوڑا، وہ اپنے دادا کے ہمراہ بغداد گئے وہیں وفات پا کر مقابر قریش میں مدفون ہوئے، ان کا ایک غلام مبارک نامی تھا جو خوش نویسی، نقش و نگار سازی اور دستکاری میں یکتائے روزگار تھا، عبد اللہ بن میمون اقداح اھوازی اس غلام سے آ کر ملا اور حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس سے کہا کہ میں تیرے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیعوں میں سے ہوں، غلام کے ساتھ کچھ عرصہ اٹھنے بیٹھنے اور بے تکلف

1۔ وكانت روايات الشّيعة في حياة جعفر الصّادق تتحدّث بأخبار تنسبها لجعفر أنّ الإمامة ستكون بعد موته لابنه إسماعيل، ولكن وقع ما لم يكن بالحسبان، إذ مات إسماعيل قبل موت أبيه فكانت قاصمة الظّهر لهم، وحدث أكبر انشقاق باق إلى اليوم في المذهب الشّيعي، وهو خروج طائفة كبيرة منهم تثبت على القول بإمامة إسماعيل وهم الإسماعيلية—الخ -(التّوحيد لابن بابويه: ص336، وانظر مثل هذا المعنى في أصول الكافي 1/ 327)

ہونے کے بعد تنہائی میں اس سے کہا کہ مجھے تیرے آقا سے بعض ایسے اسرار اور بھید ملے ہیں کہ ان کی میرے سوا کسی کو انہوں نے ہوا بھی نہیں لگنے دی پس مقطعات قرآنی کے متعلق فلسفیانہ اندازہ کی باتیں بتانی شروع کیں کچھ شعبدے، سحر اور طلسمات بھی مبارک کو دکھائے اور سکھائے، اس کے متعلق محمد بن زکریا رازی نے کتاب المحاریق میں کچھ ذکر کیا ہے، یہ عبداللہ بن میمون اقداح ملحد، بد عقیدہ، زندیق اور دین اسلام کا پکا دشمن تھا، وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اسلام میں فتنہ وفساد برپا کرے لیکن کوئی مناسب موقعہ نہیں ملتا تھا، اب مبارک کی دوستی میں اس کو اپنی ناپاک خواہش برلانے کا موقعہ میسر آگیا تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ کچھ عرصہ کے یارانہ کے بعد دونوں میں باہم کچھ عہد وپیمان ہوئے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، مبارک تو کوفہ چلا گیا اور وہاں اسماعیلی مذہب کا داعی بن کر اس کی دعوت دینے لگا اور اپنے فرقہ کا نام مبارکیہ اور قرمطیہ رکھا کیونکہ مبارک اس کا نام اور قرمط لقب تھا، ادھر عبداللہ بن میمون کو ہستان عراق پہنچا اور کوہستانیوں کو طلسمات وتیر نجات کے زور پر اپنے جال میں پھانسا، وہ اپنے ہر متبع کو ان الفاظ میں نصیحت کرتا "استر ذھبک وذھابک ومذھبک" (اپنے سونے، اپنے سفر اور اپنے مذہب کو چھپا) اس نے اپنے گروہ کو میمونیہ کا لقب دیا، جب کوہستانیوں کی طرف سے اس کو پورا پورا اطمینان ہوگیا، اور اپنا بازو قوی بنالیا تو خلف نامی ایک شخص کو اپنا نائب بنایا اور دعوت مذہب کی ہدایت کر کے ان کو خراسان، قم اور کاشان کی طرف روانہ کیا اور خود بصرہ کا رخ کیا اور وہاں کے لوگوں کو گمراہ کرنے اور بہکانے میں مشغول ہوگیا۔

خلف پہلے طبرستان گیا، اور وہاں کے شیعوں کو مذہب میمونیہ کی دعوت دینے لگا، وہ کہتا تھا کہ اہل بیت کا مذہب یہی ہے اور اھل البیت ادری بما فیه (صاحب خانہ ہی گھر کی چیزوں کو اچھی طرح جانتا ہے) اور مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے اپنے الگ مذہب گھڑ لئے ہیں اسی وجہ سے وہ مصائب اور تکالیف کا شکار ہوئے اور لذائذ وطیبات سے تہی دست! وہاں سے اس نے نیشاپور کا رخ کیا اور وہاں کے شیعوں کو بھی اسی آفت میں ڈالا، اور خود نیشاپور کے کسی گاؤں میں اقامت پذیر ہوگیا، اہلسنت کو جب اسکی فتنہ پردازیوں کی خبر ہوئی تو وہ اس کے پیچھے پڑ گئے اور وہ چھپ کر بھاگ گیا، وہاں سے رے پہنچا اور وہاں بھی یہی فتنہ انگیزی شروع کر دی، غرض جب تک زندہ رہا یہی کرتا رہا، جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے احمد نے باپ کی جگہ لے لی، اور غیاث نامی ایک شخص کو اپنا

نائب بنا کر عراق میں بھیجا۔

غیاث ادیب، شاعر، مکار اور غدار آدمی تھا، فرقہ باطنیہ کا بانی مبانی اور اول مصنف یہی ہے "مذہب باطنیہ کے اصول کے بیان میں" نامی کتاب اسی نے لکھی ہے، جسے دلپذیر اشعار اور امثال عرب سے مزین کیا اور اپنی دلیل میں آیات واحادیث کے بہت حوالے دیتا ہے وضو، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دیگر احکامات کو باطنی فرقہ کے مطابق بیان کر کے ثبوت میں لغت کے حوالے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سب امور سے شارع (علیہ السلام) کی یہی مراد ہے، عام لوگوں نے ان کے جو معانی و مطالب سمجھے ہیں سراسر غلط ہیں، غیاث کے زمانہ میں باطنی فرقہ نے بڑا زور پکڑا اور عوام کو یہ نیا اور آسان طریقہ جس میں بے باکی اور پوری پوری آزادی ملتی تھی بہت مرغوب اور دلچسپ معلوم ہوا، یہی وجہ تھی کہ ہزاروں جاہل اور فاسق وفاجر اس کی اطاعت کے جال میں پھنس گئے اور دور دراز کے شہروں سے سمٹ سمٹ کر اس کی طرف آنے لگے، یہ واقعہ 202ھ کا ہے جس کی طرف حدیث صحیح کے الفاظ" ظهور الايات بعد المائتين "[1] میں صاف اشارہ ملتا ہے کہ دوسری صدی کے بعد نشانیوں کا ظہور ہوگا، اسوقت شیعہ مذہب گویا کفر وفلسفہ کا معجون مرکب بن گیا تھا، جس کی مثال بول وبراز اور خون حیض کے ملغوبے کی سی تھی۔

غیاث جب گمراہی کے بام عروج پر تھا اور اس کا کاروبار گمراہی اور اس کی جادوگری کے ڈنکے بج رہے تھے اسے خبر ملی کہ اہلسنت کے رؤساء و سردار تیرے مار ڈالنے کی فکر میں ہیں جان پیاری ہے تو بھاگ جا، وہ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی بدحواسی کے عالم میں بھاگ اٹھا اور مرو شاہجہان میں جا چھپا اور ایک مدت تک خاموشی

---

1 ۔ عن أبي قتادة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "الآيات بعد المائتين" قال المؤلف: "هذا حديث لا يصح وعبد الله بن المثنى ضعيف وأبوه وعون بن عمارة قال الرازي عون منكر الحديث ضعيف وقال الدارقطني وليس في الآيات شيء صحيح".(العلل المتناهية في الأحاديث الواهية، لابن الجوزى، 2/ 371، رقم : 1429، ط: إدارة العلوم الأثرية، فيصل آباد، باكستان)و قال مجدد الدين الفيروز آبادى "با ب ظهور الآيات بعد المائتين ،لم يثبت فيه شيئ " - (رسالة في بيان ما لم يثبت فيه حديث صحيح من الأبواب ، مخطوط، 1/ 5، أعده للشاملة: أحمد الخضري)وهكذا قال العجلونى فى كشف الخفاء ومزيل الالباس ، 2/ 520 ، ط: المكتبة العصرية .

اور گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، لیکن اس خاموشی میں بھی میں بھی وہ اپنے مشن سے غافل نہیں ہوا جو بھی اسے ملتا بہکانے سے باز نہ آتا، ایک عرصہ کے بعد پھر رے جا پہنچا، مگر پھر خطرے کی بھنک پا کر دوبارہ بھاگ نکلا مگر راستہ ہی میں تھا کہ پیک اجل نے رشتہ حیات منقطع کر دیا۔

عبد اللہ بن میمون کو اس کی موت کا بہت زیادہ صدمہ ہوا، آخر وہ اسی صدمہ میں مر گیا اور بصرہ میں دفن ہوا، اس نے اپنے لڑکے احمد کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا جو فتنہ کی آگ بھڑکانے میں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا، اور شرارت گمراہی میں باپ سے کسی طرح بھی کمتر نہ تھا، پہلے تو وہ بصرہ سے شام گیا مگر وہاں مروانیوں کے اخلاف اور ان کے تعصب کی وجہ سے اس کی دال نہیں گلی، اس کے بعد وہ مغرب گیا اور وہاں ایک جماعت کو بہکانے میں کامیاب رہا پھر شام ہوتا ہوا بصرے آیا، جہاں اجل نے اسے بھی باپ کے پاس پہنچا دیا۔

اس کا جانشین اس کا بیٹا محمد ہوا وہ پہلے مغرب گیا جہاں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی اور بڑی عزت و قدر اور بڑا مرتبہ نصیب ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ مہدی موعود میں ہی ہوں، اس دعویٰ پر فریب کا بھی بہت لوگ شکار ہوئے، غرض یہ بر افریقہ اور دوسرے مغربی شہروں پر چھا گیا، اپنے ماننے والوں کو اس نے مہدویہ کا لقب دیا، ایک مدت کے بعد مہدویہ میں بھی اندرونی اختلاف و افتراق پیدا ہو گیا اور یہ فرقہ بھی دو فرقوں میں بٹ گیا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ مستنصر جو محمد مہدی مذکور کی اولاد میں سے تھا اور مصر و دیار مغرب کا بادشاہ تھا اس نے پہلے تو اپنے بعد اپنے بھائی نزار کی امامت کا حکم دیا مگر پھر اپنے بیٹے مستعلی کی امامت کا بھی دوسرا حکم جاری کر دیا، لہذا ایک جماعت نے تو پہلے حکم کی تعمیل میں نزار کو امام مانا اور حکم ثانی کو لغو قرار دیا کیونکہ حکم اول نفاذ پا چکا تھا اور ایک دوسری جماعت نے حکم ثانی کو حکم اول کا ناسخ قرار دے کر مستعلی کو امام برحق تسلیم کیا۔

پھر 255ھ میں اسماعیلیہ فرقہ میں سے ایک شخص محمد بن علی برقعی نامی اہواز میں امامت کے دعویٰ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور خود کو علویہ کی طرف منسوب کیا اگرچہ یہ خود علوی نہ تھا مگر اس کی ماں سے کسی علوی نے نکاح کر لیا تھا اور اس نے اس علوی کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے اس نے علوی کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی، اور خوزستان بصرہ و اہواز پہ اپنا اقتدار جما لیا، اور بڑی مخلوق کو گمراہ کر ڈالا اس نے اپنے فرقہ کو برقعیہ کا لقب

دیا، معتضد عباسی خلیفہ نے اس کی سرکوبی کو لشکر بھیجا جس نے اسے شکست دے کر بھگا دیا، کچھ عرصہ بعد پھر اس نے شورش کی اور پھر شکست پائی، مار دھاڑ کی یہ آنکھ مچولی پندرہ برس جاری رہی بالآخر 270ھ میں ایک بہت بڑی فوج اس کی سرکوبی کو بھیجی گئی، باوجودیکہ اس کے ہمراہیوں نے جان کی بازی لگادی مگر شکست سے نہ بچ سکے بر قع قید ہو کے بغداد گیا اور معتضد نے اسے سولی چڑھادیا۔

278ھ میں اسماعیلیہ فرقہ میں حکم بن ہشام نامی ایک اور شخص پیدا ہوا، اس نے اپنا لقب مقنّع رکھا یہ ایک فلسفی اور سائنسدان شخص تھا ہر صنعت میں ماہر، خصوصاً فن بلاغت، علم شعبدہ بازی، حیلہ گری، طلسمات، سحر اور تیر نجات میں بہت دسترس رکھتا تھا، علوم فلسفہ سے خوب واقف تھا اور عجیب وغریب باتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں، اس نے شہر نسف میں ایک کنواں بنایا تھا، مغرب کے وقت اس کنویں سے ایک چاند نکلتا تھا جس کی روشنی سے پانچ فرسنگ تک کا علاقہ روشن رہتا تھا، رات بھر یہ چاند روشن رہتا تھا اور طلوع فجر سے پہلے غائب ہو جاتا تھا، مقنّع چار خداؤں میں سے اپنے آپ کو چوتھا خدا کہتا تھا، شیعہ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے جاتے اور اس طرح اس کی جمعیت میں اضافہ ہوتا رہتا، یہ تعداد اتنی بڑھی کہ سلاطین ماوراء الہند اس سے عاجز آگئے، بالآخر خلیفہ بغداد امراء خراسان اور ملوک ماوراء النہر نے اس کی سرکوبی کو اپنے اپنے بھاری لشکر بھیجے، اس نے بھی امکان بھر جم کر ان کا مقابلہ کیا آخر جب ہر طرف شکست ہی شکست دکھائی دینے لگی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مضبوط قلعہ میں جو ایسے ہی کسی خطرہ کے پیش نظر پہاڑ کی چوٹی پر بنایا تھا پناہ گزیں ہو گیا، مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اس کی رسد بند کر دی، جب اسے موت سامنے نظر آنے لگی تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کرو پھر ان سب کو زہر آمیز شراب پلا کر ختم کر دیا ان کی لاشوں کو آگ میں جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑادی، سب کے بعد خود ایک ایسے مٹکے میں بیٹھ گیا جس میں تیزاب فاروق بھرا ہوا تھا، اس تیزاب کی یہ خاصیت تھی کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے پانی ہو کر رہ جائے، چنانچہ وہ بھی پانی بن کر ختم ہو گیا، محاصرین کو اندر کا کچھ پتہ نہ تھا وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ اندر موجود ہے، اسی قلعہ کے کسی گوشہ میں ایک نوجوان عورت کسی مرض کے سبب بیہوش پڑی تھی، جب اُسے ہوش آیا تو اس نے آگ کے الاؤ وغیرہ کے مناظر دیکھے مگر وہ گوشہ سے نہیں نکلی اور جب سب کچھ ختم ہو گیا تو باہر نکل کر محاصرین کو بتایا کہ قلعہ خالی ہے

میرے سوا کوئی نہیں، یہ سن کر کچھ فوجی برجوں اور فصیلوں پر چڑھ کر قلعہ کے اندر آئے، قلعہ کے دروازے کھولے اور فوج اندر گھس آئی خوب دیکھ بھال کی گئی، وہاں انسانی جسم کا نشان تک ان کو نہ ملا، آخر اس عورت نے جو کچھ دیکھا تھا ان کو بتایا تب پتہ چلا کہ وہ مرتے مرتے بھی اپنے پس ماندگان کے گمراہ ہونے کے لئے کیا چال بازی کر گیا، چنانچہ جب ان ساتھیوں کو جو پہلی شکست کے بعد ہی منتشر ہو کر ادھر ادھر دیہات وغیرہ میں چھپ گئے تھے یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے اس واقعہ کو اس کے معبود ہونے کی پکی اور پکی دلیل سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا کہ بے شک وہ خدا تھا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ آسمان پر چلا گیا، اور اے کاش کہ ہم بھی اس کے ساتھ چلے جاتے اور اس ترقی سے فائز المرام ہوئے۔

معتضد عباسی کے عہد میں اس اسمٰعیلی فرقہ سے ایک شخص ابو سعید بن الحسن بن بہرام جنابی پیدا ہوا، ابتداء بحرین میں ظاہر ہوا پھر رفتہ رفتہ ہجر، لحا اور قطیف اور تمام بحرین کے شہروں پر قابو پا گیا، لوگوں کو باطنی مذہب کی تعلیم دیتا تھا اپنے متبعین کو جنابیہ کا لقب دیا، ان کا اصول زندگی سکھوں کے اصول سے ملتا جلتا تھا، ان کا پیشہ اور ذریعہ معاش دیہاتوں میں لوٹ مار اور مویشی چرانا، قافلوں پر ناکے مارنا اور مسلمانوں کو قتل کرنا تھا، بالآخر اسی کے ایک خدمت گار نے حمام میں اس کو مار ڈالا، یہ واقعہ 301ھ میں پیش آیا، اس کے بعد اس کا بیٹا طاہر باپ کا قائم مقام ہوا اور کافی زور پکڑ گیا، 317ھ میں حاجیوں کو پہلے پہل اس نے لوٹا، مذہب باطنی کو رائج کیا، جب خلفاء اور ملوک کی مدافعانہ کوشش سے اس کی شوکت اور دبدبہ کا زور ٹوٹا تو ایک دوسرا شخص حمدان نامی قرامطہ میں سے نکلا، اور محمد بن اسماعیل مذکورہ بالا کی امامت کی طرف لوگوں کو دعوت دینے لگا، اور کہنے لگا کہ وہ نہ مرے ہیں نہ مریں گے، بلکہ وہ زندہ ہیں اور مہدی موعود وہی ہیں، وہ ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل انصاف سے بھر دیں گے، اس نے اپنے ماننے والوں کو قرامطہ کا لقب دیا اور یہ لقب ان پر ایسا غالب ہوا کہ پھر کوئی مبارکیہ کو قرامطہ نہیں کہتا تھا بلکہ صرف اس کے متبعین ہی اس لقب سے پکارے جاتے تھے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لقب تمام مبارکیہ کا ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ اپنے موقعہ پر بیان کیا جائے گا۔

حمدان کے بعد ایک شخص ابن ابی الشطاط اٹھ کھڑا ہوا، یہ حمدان کا مخالف تھا اور کہتا تھا کہ اسماعیل کے بعد امامت ان کے بھائی محمد کو ملی پھر ان کے بھائی موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بھائی عبد اللہ افطح بن حضرت جعفر صادق

رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد ان سے بھائی اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ امام ہیں، وہ محمد بن اسماعیل کی امامت کا منکر نہیں تھا البتہ ان کی حیات اور پھر ظاہر ہونے کو نہیں مانتا تھا اس نے اپنے گروہ کا نام شمطیہ رکھا، پس میمونیہ، خلیفہ، برقعیہ، مقنعیہ، جنابیہ اور قرمطیہ سب کی سب باطنی فرقہ کی شاخیں ہیں، اصول وعقائد میں سب کے سب متفق ہیں، البتہ بعض فروع میں باہم مختلف ہیں، باطنی فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ احکام کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے ظاہر پر نہیں، اسی لئے ان کو باطنیہ کہا جاتا ہے،[1] البتہ ان میں سے مقنعیہ فرقہ کا اختلاف بنیادی ہے، اس لئے کہ وہ مقنع کی الوہیت کے قائل ہوگئے تھے۔

اہل تاریخ کہتے ہیں کہ برقعی، مقنعی اور قرامطی باہم خفیہ مراسلاتی روابط رکھتے ہیں اور سب کے سب اعراض ومقاصد میں متفق تھے کیونکہ ان کا واحد مقصد جس رنگ اور جس طریقہ سے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے مذہب کو درہم برہم اور اہل اسلام کی بیخ کنی اور لوگوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا تھا، ان میں اقداح اہوازی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے باطنی مذہب ایجاد کیا اور برقعی وہ پہلا آدمی ہے جس نے تقیہ ترک کر کے علی الاعلان اور برملا اس مذہب کا اظہار کیا، اس کے بعد اس کے بعد مقنع، اور جنابی پھر نزاریہ میں سے حسن اور اس کی اولاد اور مہدویہ کہ جس کے آغاز کا حال پہلے معلوم ہو چکا ہے یہ سب اگرچہ اصل عقیدہ کے لحاظ سے اسماعیلی تھے، لیکن جب مصر وافریقہ کی ولایت ان کے قبضہ میں آئی تو لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر ظاہری احکام شرع کی پابندی کو بہت اہمیت دیتے تھے، یہ خود بھی ظاہری احکام شرعی کے نفاذ پر بہت زور دینے لگے مگر تنہائی میں اپنے خاص خاص لوگوں میں باطنی مذہب کی تلقین بھی کرتے رہتے تھے، مذکورہ بالا تفصیلات سے فہیم وسنجیدہ لوگ درج ذیل نتائج تک ضرور رسائی حاصل کر سکتے ہیں:

اول: شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کا باعث وہ نفاق یا دشمنی تھی جو اس کے موجد مسلمانوں کے بارے میں

---

1 ۔ الباطنية: لقب اصطلاحي تندرج تحته اتجاهات لطوائف وفرق مختلفة، القاسم المشترك فيما بينها، أو الصفة العامة التي تجمعها: تأويل النص الظاهر بالمعنى الباطن. قال الغزالي: " إنما لقبوا بالباطنية لدعواهم أن لظواهر القرآن والأخبار بواطن تجري في الظواهر مجرى اللب من القشر، وذكر لهم ألقاب أخرى. (التمسك بالسنن والتحذير من البدع، للذهبي، باب تقسيم البدع الى الاحكام الخمسة، ص125، ط: الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)

رکھتے تھے، جیسے عبد اللہ بن سبا اور اس کے بھائی کہ وہ یہودیت کے سبب مسلمانوں سے زخم اٹھا کر اور ذلیل، خوار ہو کر، اپنے دلوں میں عناد رکھتے تھے۔

دوسرے: حکومت واقتدار کا لالچ جو واقعہ مختار و کیسان سے ظاہر ہے۔

تیسرے: امام زادہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مخالفت، جو شاہین اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ظاہر ہوئی۔

چوتھے: کفر الحاد سے لگاؤ اور تکالیف شرعیہ سے گریز جس خیال میں کہ عبد اللہ بن میمون اقلاح لگا ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب کے اصول صرف پانچ ہیں، کیونکہ ابتدائی فرقے بھی پانچ تھے، یعنی شیعہ اولیٰ، غلاۃ، کیسانیہ، زیدیہ، اور امامیہ شیعان اولیٰ کے دو فرقے شمار ہوتے ہیں، پہلا فرقہ ان اہلسنت والجماعت مخلصین کا ہے جن میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم شامل ہیں، جو ہمیشہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے رفیق اور ان کی خلافت کے مددگار رہے، ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق ہیں اور ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانہ کے موجودین میں سب سے افضل ہیں جس نے ان کی خلافت کی مخالفت کی اور ان کو لائق خلافت نہ سمجھا وہ باغی وگمراہ اور خطاکار ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو ان کی خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھا بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں عجلت اور اس میں تاخیر کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف تھا، اور یہ اختلاف بھی دور ہونے والا اور باہم صلح وصفائی ہوا ہی چاہتی تھی کہ عبد اللہ بن سبا اور اس جیسے لوگوں نے طرفین کے سرداروں کے مشورہ اور مرضی کے بغیر لڑائی چھیڑ دی، اور پھر جو کچھ نہ ہونا تھا ہوا۔

غرض تمام بزرگوں نے خصوصیت کے ساتھ خلافت کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لیاقت و قابلیت سے کبھی انکار نہیں کیا، بلکہ ان کو اہل عصر میں بہترین جانتے اور مانتے تھے ان کے محاسن اور خوبیوں کے نہ صرف معترف تھے بلکہ علی الاعلان ان کو بیان بھی کرتے تھے، اور اس فرقہ کا یہ بھی مذہب تھا کہ جس طرح کلام اللہ اور کلام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال اور کلام کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیئے نہ کہ تقیہ اور ظاہرداری سے کیونکہ خلیفہ برحق پیغمبر کا نائب ہوتا ہے تو پیغمبر کے اقوال جس طرح ظاہر پر محمول ہوتے ہیں ایسے ہی خلیفہ کے کلمات کا بھی معاملہ ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود پر فضیلت دینے کے بارے میں فرماتے یا ان اصحاب کے محاسن و خوبیاں بیان فرماتے ہیں جو آپ سے بر سرپیکار تھے ان سب پہ بلاشک وشبہ یقین کرنا اور ان کو ماننا چاہیے کہ وہ احول اعتقادیا عمل سنت مصطفویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہے اس کو جناب مرتضی رضی اللہ عنہ نے درست اور ٹھیک فرمایا ہے، اور تمام صحابہ کی درجہ بدرجہ مدح و توصیف فرمائی ہے، جس کی تفصیلات ان شاء اللہ اس کتاب میں آگے آئے گی، اس فرقہ کے ان ہی خیالات و عقائد کی بنا پر ان کو اہلسنت والجماعت کا لقب دیا گیا، کیونکہ یہ لوگ ان تمام اقوال و کلمات کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں فرمائے ظاہر پر محمول کیا اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجہ بدرجہ معتقد ہوئے۔

دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے جو اگرچہ شیعان اولی میں تو داخل نہیں ہے لیکن ایک مسئلہ تفضیل کو چھوڑ کر باقی تمام مسائل و معاملات میں اہلسنت کے ساتھ متفق اور ان کا اعتقاد و عمل بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس لئے اختلاف و انتشار کو سمیٹنے اور بات کو مختصر کرنے کے محاورے سے واصول کے مطابق ان کو بھی شیعان اولی میں شامل کئے لیتے ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ صرف حضرت علی اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم ہی خلافت کی حقدار ہے تا وقتیکہ وہ خود اپنی مرضی سے اپنا یہ حق دوسروں کو منتقل نہ کردیں، اسی بنا پر چونکہ جناب شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب کا اتفاق ہو چکا تھا ان کی خلافت کو حق جانتے اور درست تسلیم کرتے ہیں، اور یہ حقداران جب خود دعویدار ہوں تو پھر کسی دوسرے کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں، یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الناس مانتے ہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں، اور ظلم و غضب اور گمراہی کی نسبت ان کی طرف ہرگز نہیں کرتے، گویا یہ لوگ سوائے مسئلہ تفضیل کے کسی بھی مسئلہ میں شیعان اولی سے مخالفت نہیں رکھتے، اور فرقہ اسماعیلیہ کا مذہب اگرچہ (امامیہ سے) بالکل جدا ہے، انتشار کو کم کرنے کی غرض سے ان کو امامیہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ شیعان اولی جس میں اہلسنت اور اہل تفضیل دونوں شامل ہیں، پہلے شیعہ ہی کہے جاتے تھے مگر جب سے غلاۃ (غالی) روافض، زیدیوں، اور اسماعیلیوں نے اپنے لئے شیعہ لقب اختیار کیا اور ان کے اعمال و عقائد کی قباحتیں اور شر ظاہر ہونے لگے تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرہ کے پیش نظر

فرقہ سلیہ و تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کرکے ترک کر دیا اور اس کی جگہ اہلسنت والجماعت کا لقب اختیار کیا، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں اساطین اہلسنت کے لئے جو یہ الفاظ "فلان من الشیعة او من شیعه" مذکور ہیں تو یہ الفاظ اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ پہلے ایسے حضرات شیعان اولیٰ کا یہ لقب تھا، واقدی کی تاریخ اور استیعاب میں اس قسم کے الفاظ بہت آتے ہیں لہٰذا اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، یہ حضرات مذکورین ہرگز ایسے شیعہ نہ تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور مددگاری کے سبب شیعان علی (علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کہلاتے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا غلاۃ، کیسانیہ اور اسماعیلیہ فرقے ایسے ہیں کہ جن کو بلا اختلاف کافر کہا جاسکتا ہے یا مرتد ٹھہرایا جاسکتا ہے، باقی رہے زیدیہ و روافض جو خود کو امامیہ کہتے ہیں ان کی تکفیر میں اختلاف ہے اس میں حق بات یہ ہے کہ ان کو باہم ایک دوسرے پر فضیلت ہے، اس کا بیان بھی ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

اور غلاۃ، کیسانیہ، زیدیہ اور روافض (امامیہ) بہت سے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں جن کے ناموں اور مذہبوں کی تعداد کتاب ملل و نحل اور دوسری بڑی کتابوں میں ملتی ہے، اس کا تذکرہ یہاں بے فائدہ ہے اس لئے کہ اصل کی پہچان کے بعد تابع کی پہچان خود بخود ہو جاتی ہے اور اصل کے فساد سے تابع کا فساد خود ہی عیاں ہو جاتا ہے، لیکن ہم ناظرین کتاب کی دلچسپی اور تفنن طبع کے طور پر اس تفصیل کا مختصر اجمال بیان کرتے ہیں۔

غالی شیعوں کے چوبیس فرقے

غلاۃ (غالی فرقہ) کے چوبیس فرقے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1۔ فرقہ سبائیہ:

یہ پہلا فرقہ عبد اللہ بن سبا کے شاگردوں، ساتھیوں اور ہم عقیدہ لوگوں کا ہے، یہ کہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معبود حقیقی ہیں وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ ابن ملجم[1] نے ایک شیطان کو مارا ہے جو آپ کی شکل

1۔ عبد الرحمن بن ملجم المرادي قال عنه الذهبي: ذاك المعثر الخارجي ليس بأهل أن يروى عنه وما أظن له رواية كان عابدا قانتا لله لكنه ختم له بشر فقتل أمير المؤمنين عليا رضي الله عنه متقربا إلى الله بدمه بزعمه فقطعت أربعته ولسانه

اختیار کر گیا تھا (نعوذ باللہ) بھلا شیطان لعین آپ کی پاک شکل میں کیسے منتقل ہو سکتا تھا، یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ابر میں پوشیدہ ہیں، اور یہ بجلی کا کڑکا آپ کی آواز ہے اور بجلی آپ کا کوڑا ہے اسی لئے جب یہ لوگ بادل کی گرج سنتے ہیں تو کہتے ہیں "الصلوة والسلام علیك یا امیر المؤمنین"[1] ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ایک مدت کے بعد نزول فرمائیں گے اور اپنے دشمنوں کو زیر و زبر کر ڈالیں گے، ان لوگوں کے کلمات باہم ایک دوسرے کارد کرتے ہیں اور لایعنی ہیں اس لئے کہ ابر کی سخت کڑک اور بجلی گرا کر جب ایک عالم کو مار سکتے ہیں تو اپنے دشمنوں کے بارے میں یہ ڈھیل کیوں اور یہ انتظار کس کا؟[2]

2۔ فرقہ مفضلیہ:

یہ فرقہ مفضیل صیرفی نامی ایک شخص کے ساتھیوں کا ہے، جب سبائی مذہب برائیوں کا نشانہ اور لعنت وملامت کا ہدف بنا تو ان لوگوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور یوں کہنے لگے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ سے وہی نسبت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے تھی بقول نصاریٰ کہ لاہوت وناسوت دونوں باہم مل کر ایک چیز ہو گئے۔[3]

اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ نبوت ورسالت کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور جس بھی کسی کا اتحاد ذات لاہوت سے ہوا وہ نبی ہے اور جس نے رہنمائی عالم اور گمراہوں کی ہدایت کو اپنا پیشہ بنا دیا وہی رسول ہے، اس

وسملت عيناه ثم أحرق نسأل الله العفو والعافية . (ميزان الاعتدال: 2/ 592، رقم: 4982، دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت لبنان و لسان الميزان: 3/ 439، رقم: 1714، ط: مؤسسة الاعلمي للمطبوعات، لبنان)

1۔ الفرق بين الفرق: ص 224، ط: دار الآفاق الجديدة بيروت۔

2۔ الملل والنحل: 1/ 174، ط: مؤسسة الحلبي و منهاج السنة النبوية: 3/ 459، ط: جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية۔

3۔ نصاریٰ کے نزدیک لاہوت سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور ناسوت سے مسیح علیہ السلام مراد ہیں اور وہ ان دونوں کو متحد مانتے ہیں: اللاهوت عند النصارى إشارة إلى الله تعالى، والناسوت إشارة إلى بشرية المسيح عليه السلام، وقالوا باتحاد اللاهوت بالناسوت، واختلفوا في الكيفية. الفصل: 2/ 14 و الملل والنحل: 1/ 220، ط: مؤسسة الحلبي۔

لئے اس فرقہ میں نبوت و رسالت کے دعویدار بہت گزرے ہیں۔[1]

3۔ فرقہ سیرغیہ:

یہ فرقہ سیرغ کے ساتھیوں کا ہے، ان کا بھی یہ ہی مذہب ہے جو مفضلیہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے عقیدہ کے مطابق لاہوت کا حلول صرف پانچ ہستیوں میں ہوا ہے، یعنی آنحضرت ﷺ حضرت عباس، حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم۔

4۔ فرقہ بیزغیہ:

یہ گروہ بیزغ بن یونس[2] کے ساتھیوں کا، یہ فرقہ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت میں نظر نہیں آتے تھے، بظاہر جس ہستی کو لوگ جعفر کہتے تھے وہ ان کی اصل شکل وصورت نہ تھی، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور امام الوہیت نہیں رکھتا، البتہ وحی کا نزول، معراج کا حصول اور عالم ملکوت کی سیر یہ باتیں تمام ائمہ کو حاصل ہوتی ہیں۔[3]

5۔ فرقہ کاملیہ:

یہ کامل کے ساتھیوں کی جماعت ہے، یہ لوگ روحوں کے تناسخ کے قائل ہیں، یعنی کہ روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ روح الٰہی پہلے آدم علیہ السلام کے بدن میں آئی، پھر شیث علیہ السلام کے پھر اسی طرح سلسلہ بسلسلہ تمام انبیاء علیہم السلام وائمہ کے ابدان میں منتقل ہوتی رہی اسی طرح بنی آدم کی ارواح ایک دوسرے کے ابدان میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور تماشا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنا جائز حق کیوں چھوڑا، اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان

1۔ الفرق بين الفرق: ص236 ،ط: دار الآفاق الجديدة بيروت و الملل والنحل: 1/ 181،ط: مؤسسة الحلبي۔

2۔ ذكره الأشعري باسم بزيغ بن موسى، وذكره ابن حزم. مقالات الإسلاميين: ص 12و الفصل: 4/ 142و الملل والنحل: 1/ 180، ط: مؤسسة الحلبي۔

3۔ مقالات الإسلاميين: 1/ 12، ط: دار فرانز شتايز،بمدينة فيسبادن (ألمانيا)و الفرق بين الفرق: ص 12والملل والنحل: 1/ 180، ط: مؤسسة الحلبي،

کے نزدیک انتقال وحلول روح الٰہی کے لئے ایمان بھی شرط نہیں ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر ممکن نہیں تھی۔[1]

6۔ فرقہ مغیریہ:

یہ مغیرہ بن سعید عجلی[2] کی ٹولی ہے، یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نورانی شخص کی صورت میں ہے جس کے سر پر تاج ہے اور اس کا دل حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔[3]

7۔ فرقہ جناحیہ[4]:

یہ لوگ بھی تناسخ ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح الٰہی حضرت آدم وشیث علیہما السلام اور تمام انبیاء کے ابدان سے منتقل ہوتی ہوئی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک آئی، اور پھر جناب علی رضی اللہ عنہ وحسنین رضی اللہ عنہما اور محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ میں اور ان کے بعد عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر میں منتقل ہوئی، یہ امامت بھی اسی ترتیب سے مانتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک بدن انسانی میں روح الٰہی سے حلول ہی کا نام نبوت یا امامت ہے، یہ قیامت کے منکر ہیں اور حرام اشیاء کو حلال کہتے ہیں۔[5]

1۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص 60و الفرق بين الفرق: ص 308و الملل والنحل: 1/ 174.

2۔ هو مغيرة بن سعيد الكوفي، قال يحيى: كان رجلا كذابا ، وقال السدي: قتل على ادعاء النبوة ، وقال ابن حبان: كان من حمقى الروافض يضع الحديث ، وقال الخطيب: كان غاليا في الرفض وله طائفة تنسب إليه ، قتل سنة 119هـ. ابن حبان، المجروحين: 3/ 7و ابن الجوزي، ديوان الضعفاء والمتروكين: 3/ 134.

3۔ مقالات الإسلاميين: ص 7و الفصل: 4/ 141.

4۔ یہ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر ذی الجناحین کے ساتھی ہیں یہ ایک شاعر تھا: قال الزبير بن بكار: كان جوادا شاعرا، وكان قد طلب الخلافة وثار في أواخر دولة بني أمية، وتابعه جماعة ، ثم لما آل الأمر لبني العباس فسجنه أبو مسلم الخراساني، ومات في سجنه سنة 131 هـ قال ابن حزم: وكان عبد الله بن معاوية رديء الدين معطلا يصحب الدهرية. تاريخ الطبري: 4/ 275؛ لسان الميزان: 3/ 363.

5۔ وحكوا لاتباعهم ان عبد الله بن مُعَاوِيَة بن عبد الله بن جَعْفَر زعم انه رب وان روح الاله كَانَت فى آدم ثمَّ في شِيث ثمَّ دارت للنَّاس بِتِلْكَ الصُّورَة-(الفرق بين الفرق: ص225و اعتقادات فرق المسلمين: ص 59و التبصير في الدين: ص 126و تلبيس إبليس: ص119)

8۔ فرقہ بیانیہ:

یہ بیان بن سمعان نہدی[1] کا گروہ ہے، یہ خدا تعالیٰ کو اسی شکل وصورت کے ساتھ جانتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضور ﷺ کے بدن میں حلول کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدن میں پھر محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بدن میں پھر ابو ہاشم ابن محمد بن الحنفیہ کے بدن میں اس کے بعد بیان بن سمعان کے بدن میں، اور کہتے ہیں کہ لاہوت، ناسوت کے ساتھ مل کر بیان کے رگ وپے میں ایسا سرایت کر گیا ہے جیسے کوئلے میں آگ اور مٹی میں گلاب۔[2]

9۔ فرقہ منصوریہ:

یہ ابو منصور عجلی کے ساتھیوں کا گروہ ہے، یہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسالت ختم نہیں ہوئی، عالم قدیم ہے، احکام شریعت ملاؤں کی گھڑت ہے، جنت ودوزخ خیالی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں، امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے بعد ابو منصور کو امام مانتے ہیں۔[3]

10۔ فرقہ غمامیہ:

اس فرقہ کو ربیعہ بھی کہتے ہیں، یہ اس بات کے معتقد ہیں کہ پروردگار عالم موسم بہار میں ابر کی شکل میں زمین پر نزول فرماتا ہے اور دنیا میں چکر لگا کر پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے، اور یہ سب پھول پھلواری میوہ وغلہ اور باغ وبہار اسی کا اثر ہے۔[4]

1۔ 100ھ کے بعد عراق میں ظاہر ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا دعویٰ کیا۔ ظهر بالعراق بعد المائة وقال بألوهية علي رضي الله عنه وأن فيه جزءا اتحد بناسوته، ثم من بعده ابنه محمد بن الحنفية ثم في أبي هاشم ولد ابن الحنفية ثم من بعده في بيان هذا، أحرقه بالنار خالد بن عبد الله القسري. ميزان الاعتدال: 2/ 72؛ لسان الميزان: 2/ 69.

2۔ مقالات الإسلاميين: ص 5 و الفرق بين الفرق: ص227 و الملل والنحل: 1/ 152 و منهاج السنة النبوية: 2/ 502.

3۔ مقالات الإسلاميين: ص 9 و اعتقادات فرق المسلمين: ص 58 و الفرق بين الفرق: ص 234 و الملل والنحل: 1/ 178 و منهاج السنة النبوية: 2/ 505.

4۔ عدها الأسفرايني من فرق الخطابية التي ظهرت بعد موت أبي الخطاب وكانوا يقولون: إن جعفرا كان إلها ولم يكن جعفر ذلك الذي يراه الناس بل كان ما يراه الناس في صورة مثاله. (التبصير في الدين: ص 127)

11۔ فرقہ اُمویہ:

یہ فرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو نبوت درسالت میں آنحضرت ﷺ کا شریک و سہیم مانتا ہے۔[1]

12۔ فرقہ تفویضیہ:

اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش کے بعد اللہ تعالی نے امور دنیا حضور اکرم ﷺ کی سپردگی اور چارج میں دے دیئے تھے اور جو کچھ دنیا میں ہے ان کے لئے حلال کر دیا تھا، اس فرقہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ چارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا گیا تھا، اور بعض دوسرے اس کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے سپرد کیا تھا۔[2]

13۔ فرقہ خطابیہ:

یہ فرقہ ابوالخطاب محمد بن ربیب الاخدع الاسدی[3] کے ساتھیوں پر مشتمل ہے، ان کا اعتقاد ہے کہ تمام ائمہ اللہ تعالی کے بیٹے ہیں، اور حضرت علی اور جعفر رضی اللہ عنہما دونوں کو الہ مانتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑا اور حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو چھوٹا، اور ابوالخطاب کو پیر ماننے کے بعد ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے نبوت ابوالخطاب کے حوالہ کر دی ہے، اور سب لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کر دی ہے۔

ابوالخطاب اپنے ماننے والوں کو یہ نصیحت کرتا تھا کہ اپنے ہم مذہبوں کے لئے بوقت ضرورت جھوٹی قسم کھالینا،[4] اس لئے فقہ کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ خطابیہ کی گواہی غیر معتبر اور ناجائز ہے۔[5]

1۔ الفصل في الملل والأهواء والنحل: 4/ 87 وفضائح الباطنية: ص 71.

2۔ الفرق بين الفرق: ص 238 و التبصير في الدين: ص 128 و الصواعق المحرقة: 2/ 593 و المواقف: ص 684.

3۔ هو أبو الخطاب محمد بن أبي زينب (واسمه مقلاص) الأسدي الكوفي، قال المجلسي: كان في أول أمره من أجلاء أصحاب الصادق - عليه السلام - ثم ارتد وابتدع مذاهب باطلة ولعنه الصادق - عليه السلام - وتبرأ منه ... واختلف الأصحاب فيما رواه حال استقامته والأكثر على جواز العمل بها ... بحار الأنوار: 69/ 220 و أعيان الشيعة: 2/ 348.

4۔ الفصل في الملل والأهواء والنحل: 2/ 33 و الملل والنحل: 1/ 179، و منهاج السنة النبوية: 2/ 502.

5۔ فلو شهد بعضهم على بعض أما كان تجوز شهادتهم إلا الخطابية وهم صنف من الروافض فإنهم بلغني أن بعضهم يصدق بعضا بما يدعي ويشهد له به إذا حلف عنده أنه محق فهذا متهم في شهادته فلا أقبل شهادته لهذا. (المبسوط

14۔ فرقہ معمریہ:

یہ فرقہ معمر کی طرف منسوب ہے، یہ امام جعفر رحمہ اللہ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے بعد ابو الخطاب کو نبی جانتے ہیں اور اس کے بعد معمر کو، ان کا عقیدہ ہے کہ احکام شرع معمر کو سپرد ہو گئے تھے اور وہ چونکہ آخر الانبیاء تھے اس لئے اس نے تمام احکام ساقط کر دیئے اور تکلیفات شرع کو ختم کر دیا، یہ فرقہ خطابیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔(1)

15۔ فرقہ غرابیہ:

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا مگر انہوں نے پہچان میں غلطی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی، اور ایسا اس وجہ سے ہوا کہ یہ دونوں حضرات شکل وشباہت میں ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے تھے،(2) ان دونوں کی شباہت اس سے بھی زیادہ تھی جتنی ایک کوے کو دوسرے کوے سے ہوتی ہے، لہذا حضرت جبریل کے لئے ان میں باہم تمیز ممکن نہ رہی۔ (حضرت جبرئیل کی اس غلطی میں واقعی کیا شک ہو سکتا ہے کہ نو دس سالہ نو عمر لڑکے اور چالیس سالہ بزرگ میں بھی تمیز نہ کر سکے کہ بچے کے لئے دی گئی وحی ادھیڑ عمر بزرگ کو پہنچادی اور پھر 23 سال مسلسل اس بھول کا شکار رہے، مترجم)

اس فرقہ سے ایک شاعر نے اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے" غلط الامین فجاوزها عن حيدر "یعنی جبرئیل نے غلطی کی کہ حضرت علی کو چھوڑ کر وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی، ایک دوسرا فارسی گو شاعر کہتا ہے۔

جبریل کہ آمد زبر خالق بے چون   در پیش محمد شد و مقصود علی بود

للسرخسي، باب تكفيل القاضي في الدعوى، 20/ 80، دار المعرفة بيروت) وهكذا في الهداية: "وتقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية" (الهداية، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادة ومن لا تقبل 3/ 123)

1۔ مقالات الإسلاميين: ص 11 و الملل والنحل 1/ 65 و المواقف: ص667.

2۔ الفرق بين الفرق: ص237 و التبصير في الدين: ص 128 و المواقف: ص 673.

اور یہ باتیں تو ان کے پڑھے لکھے لوگوں کی ہیں، جاہل تو لعنة الله على صاحب الريش کے صریح الفاظ کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام پر لعنت بھیجتے ہیں۔[1]

16۔ فرقہ ذبابیہ:

یہ فرقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الہ مانتا ہے، یہ کہتے ہیں ان حضرات کی صورتوں میں اس سے زائد مشابہت تھی جتنی ایک مکھی کو دوسری مکھی سے ہوتی ہے، یہ فرقہ غرابیہ کا وہ فرقہ ہے جس نے اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر دوسرا عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔[2]

17۔ فرقہ ذمیہ:

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ الہ ہیں، انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ انہیں علی کی طرف دعوت دیں لیکن اس کے برخلاف وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینے لگے، اسی لئے یہ فرقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برائی کے ساتھ یاد کرتا ہے، اسی سبب سے اس کا نام ذمیہ ہو گیا۔[3]

18۔ فرقہ اثنینیہ:

یہ فرقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کو خدا مانتا ہے اس فرقہ میں پھر دو گروہ ہو گئے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی کو ترجیح دیتا اور غالب و قوی بتاتا ہے، جبکہ دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔[4]

19۔ فرقہ خمسیہ:

یہ وہ فرقہ ہے جو پانچوں کو خدا مانتا، یہ لفظ فاطمہ میں تانیث کی تا نہیں لگاتے اور کہتے کہ پانچوں در حقیقت شخص واحد ہیں کہ ایک ہی روح سب میں حلول کئے ہوئے ہے ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں،[5]

1۔ المواقف للایجی، الموقف الخامس في الإلهيات ، 3/ 682 و الصوارم المهرقة فی جواب الصواعق المحرقة للشوستری، ص: 78، ط: تهران چاپخانه نهضت۔

2۔ الفرق بين الفرق: ص237 والمواقف: 3/ 681.

3۔ الفرق بين الفرق: ص238 و التبصير في الدين: ص 129 و الملل والنحل: 1/ 176 و المواقف: ص 673.

4۔ وهم فرقة من الذمية. السيوف المشرقة: ص 6/أ.

5۔ وهم فرقة من الذمية يعتقدون إلهية خمسة أشخاص. السيوف المشرقة: ص 6/أ.

(پانچوں سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں)

20۔ فرقہ نصیریہ:

یہ فرقہ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد میں سے جن کو وہ امام مانتے ہیں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان میں خدا حلول کر گیا ہے اور کبھی یہ مجازاً اسم اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بولتے ہیں گویا حال کا اطلاق محل پر کرتے ہیں۔ [2]

21۔ فرقہ اسحاقیہ:

ان کا عقیدہ ہے کہ زمین کبھی بھی پیغمبر سے خالی نہیں رہتی، یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ میں خدا کے حلول کے قائل ہیں، البتہ اس امر میں باہم اختلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پہلے کس میں حلول ہوا۔ [3]

22۔ فرقہ غلبانیہ:

یہ غلبا بن اروخ اسدی یا دوسی کے ساتھیوں کا فرقہ ہے، یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مانتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انکی متابعت خود پر لازم کر لی تھی۔ [4]

---

1 ۔ آج کل اس فرقے کو علوی کہا جاتا ہے جو ملک شام وغیرہ میں پایا جاتا ہے: وهذه الفرقة لها بقية في ديار الشام بين حمص واللاذقية وحلب وفي شمال حلب ويسمون الآن "العلويون" -(History of the Arabs :P.K.Hitti ص:448تا449،ط:لندن1958 ،)

2 ۔ أتباع أبي شعيب محمد بن نصير. الملل والنحل: 1/ 188 و منهاج السنة النبوية: 2/ 627 و الجواب الصحيح: 4/ 303 و المواقف: ص 47.

3 ۔ وبينهم خلاف في كيفية إطلاق اسم الإلهية على الأئمة من أهل البيت. . . . ولما لم يكن بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم شخص أفضل من علي رضي الله عنه وبعده أولاده المخصوصون وهم خير البرية. فظهر الحق بصورتهم، ونطق بلسانهم، وأخذ بأيديهم. فعن هذا أطلقنا اسم الإلهية عليهم. وإنما أثبتنا هذا الاختصاص لعلي رضي الله عنه دون غيره(الملل والنحل، الغالية: 1/ 189، ط: مؤسسة الحلبى)

4 ۔ وكان يفضل عليا على النبي صلى الله عليه وسلم. وزعم أنه بعث محمدا يعني عليا، وسماه إلها. وكان يقول بذم محمد صلى الله عليه وسلم، وزعم أنه بعث ليدعو إلى علي فدعا إلى نفسه (المرجع السابق، 1/ 175)

23۔ فرقہ زرامیہ:

ان کے نزدیک سلسلہ امامت یوں ہے، حضرت علی بعدہ محمد بن الحنفیہ[1] پھر ان کے بیٹے ابو ہاشم[2] پھر ان کی وصیت کے مطابق علی بن عبد اللہ بن عباس[3] ان کے بعد محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس اسی طرح سلسلہ جاری رکھتے ہوئے منصور دوانیقی تک پہنچاتے ہیں، اور ابو مسلم مروزی میں جو صاحب دعوت عباسی تھا، اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اسی وجہ سے ان کا شمار بھی غالیوں میں ہوا، یہ لوگ تارک فرائض ہیں اور حرام چیزوں کو حلال بتاتے ہیں۔[4]

24۔ فرقہ مقنعیہ:

یہ گروہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد مقنع[5] کو الٰہ مانتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا چار ہیں مقنع کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، یہ دراصل اسماعیلی تھا جب الوہیت کا دعویدار ہوا تو غالیوں میں اس کا بھی شمار ہوا۔[6]

1۔ محمد بن علی بن أبی طالب یقال له محمد بن الحنفية كنيته أبو القاسم وقد قيل أبو عبد الله كان من أفاضل أهل البيت وكانت الشيعة تسميه المهدى كان مولده لثلاث سنين بقيت من خلافة عمر بن الخطاب ومات برضوى سنة ثلاث وسبعين ودفن بالبقيع-(مشاهير علماء الامصار، 1/ 103، رقم: 419، دار الوفاء المنصورة)

2۔ هو أبو هاشم عبد الله بن محمد بن الحنفية، يقال له عبد الله الأكبر، قال ابن سعد: كان أبو هاشم صاحب رواية وكان ثقة قليل الحديث وكانت الشيعة يلقونه ويتولونه، أخرج له البخاري ومسلم في صحيحيهما، توفى سنة 98هـ. طبقات ابن سعد: 5/ 327؛ التاريخ الكبير: 6/ 14؛ تهذيب التهذيب: 6/ 14.

3۔ قال عنه الذهبي: الإمام القانت، ولد عام قتل الإمام علي فسمي باسمه، قال ابن سعد: كان ثقة قليل الحديث لقب بالسجاد لكثرة صلاته، ومن نسله كان خلفاء بني العباس، توفى سنة 118هـ. طبقات ابن سعد: 5/ 313و الذهبي، سير أعلام النبلاء: 5/ 284.

4۔ مقالات الإسلاميين: ص 21و الفرق بين الفرق: ص 242و الملل والنحل: 1/ 153.

5۔ يعرف بالمقنّع الخراساني، من أهل مرو وكان يعرف شيئا من السحر، فادعى الربوبية من طريق المناسخة، يقال إنه اتخذ قناعا من ذهب لقبحه، تبعه خلق كثير، وقتل سنة 163هـ. تاريخ الطبري: 4/ 560 وما بعدها و وفيات الأعيان: 3/ 263.

6۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص 79و الفرق بين الفرق: ص215.

اس ساری تفصیل سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مذہب غلات کا دارومدار نبی، امام کو الہ یا اس میں اللہ کے حلول کو ماننے پر ہے، لیکن تعین میں امام کے بارے میں تو وہی تین مذہب کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ پیش نظر ہیں، ان غلاۃ میں بعض کیسانیہ ہیں اور بعض امامیہ البتہ زیدیہ میں سے اب تک کسی کو غلاۃ نہیں سنا گیا کہ وہ حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ میں سے یا ان کی اولاد میں سے کسی کو الہ مانتے یا ان میں الہ کے حلول کے قائل ہوں، اس لئے ان چوبیس فرقوں میں ان کا نام نہیں آیا۔

کیسان، اور اس کے فرقے

فرقہ کیسانیہ سے متعلق ہے واضح رہے کہ کیسان کے متعلق تحقیق میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، جوہری صاحب صحاح اللغت کی تحقیق ہے کہ مختار کا نام ہی کیسان ہے اور صاحب قاموس اور اکثر اہل لغت بھی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن ثقہ اور معتمد اہل تاریخ کے نزدیک وہ ایک الگ شخصیت ہے جو حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا پیرو اور جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا، آپ سے اس نے اکتساب فن کیا اور بہت سے عجیب و غریب علوم حاصل کئے، اس کیسان کے متعلق اور پیروکاروں کو کیسانیہ کہتے ہیں، کیسان کے پیروؤں کے چھ گروہ اور فرقے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے:

1۔ فرقہ کریبیہ:

یہ ابو کریب ضریر کے ساتھیوں کا فرقہ ہے، یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد جناب ابو القاسم محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں نشان لشکر ان ہی کے سپرد کیا تھا گویا ان کے نزدیک یہ امامت پر دلیل قطعی ہے، یہ لوگ ان ہی محمد بن الحنفیہ کے متعلق حی لا یموت (زندہ ہیں مریں گے نہیں) کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ صاحب الزمان ہیں، کوہ رضوی کے دروں میں قدرت الٰہی سے ان کے لئے وہیں دو چشمے شہد اور دودھ کے جاری ہیں، ایک شاعر کثیر عزہ نامی بھی اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کے یہ اشعار اس عقیدہ کا ثبوت دیتے ہیں وہ کہتا ہے:

وسبط لا یذوق الموت حتی　　یقود الخیل یقدمها اللواء

یغیب فلا یری فیهم زمانا　　برضوی عنده عسل وماء

(ترجمہ) یہ وہ بیٹا ہے جو اس وقت تک موت سے ہمکنار نہیں ہو گا جب تک اس کے آگے اڑتے ہوئے جھنڈے والے لشکر کی قیادت نہ کر لے، اس وقت تک وہ غائب رہے گا اور لوگ اپنے میں ان کو نہ دیکھیں کے کوہ رضویٰ میں اس کے پاس پانی اور شہد موجود ہے۔

شیعوں میں ابو کریب وہ پہلا شخص ہے جو امام صاحب الزماں کے غائب ہو جانے کا قائل ہوا اور امام کا دشمنوں کے خوف سے چھپنا اور کچھ عرصہ ظاہر ہونے کے عقیدہ کا بھی یہی موجد ہے، شیعوں کے تمام فرقوں نے امام مفقود کے بارے ہیں دل کی تسلی کے لئے یہ سبق اسی ابو کریب سے سیکھا ہے۔[1]

2۔ فرقہ اسحاقیہ:

یہ فرقہ اسحاق بن عمر کے ساتھیوں پر مشتمل ہے، یہ لوگ جناب محمد بن الحنفیہ کی موت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں ان کی وفات کے بعد امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کو منتقل ہو گئی، جو ان کی اولاد در اولاد منتقل ہوئی کیونکہ ہر امام اپنے بیٹے کے لئے وصیت کر جاتا تھا۔[2]

3۔ حرمیہ:

یہ فرقہ کندیہ بھی کہلاتا ہے، یہ لوگ عبد اللہ بن حرب کندی کے پیرو ہیں، یہ جناب ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد عبد اللہ بن حرب کو امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حق میں وصیت فرمادی تھی۔[3]

4۔ فرقہ عباسیہ:

اس فرقہ کے لوگ علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو جناب ابو ہاشم کی وصیت کی بنا پر امام مانتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے منتقل ہوتی ہوئی منصور عباسی تک پہنچی ہے۔[4]

5۔ فرقہ طیاریہ:

ان کا کہنا ہے کہ بمطابق وصیت جناب ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ جناب عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن

1۔ الفرق بين الفرق، الفصل الاول، 1/ 29، ط: دار الآفاق الجديده بيروت و الملل والنحل، الكيسانيه، 1/ 150-

2۔ الملل والنحل، الكيسانيه، 1/ 150، ط: مؤسسة الحلبي-

3۔ المرجع السابق

4۔ المرجع السابق

ابو طالب امام ہوئے۔[1]

6۔ فرقہ مختاریہ:

اس گروہ کے لوگ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں کیسانیہ سے اختلاف رائے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے امامت پائی اور ان کے بعد حضرت محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے، اس اختلاف کا سبب پہلے بیان ہو چکا ہے۔[2]

زیدیہ اور اس کے فرقے

اس فرقہ کے اصحاب اپنے آپ کو جناب زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر اختلاف سے یہ بھی محفوظ نہیں رہے اور نو فرقوں میں بٹ گئے، جن کا بیان یوں ہے:

1۔ خالص زیدیہ:

یہ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب ہیں جنہوں نے اولاد عبد الملک بن مروان پر لشکر کشی کرتے وقت آپ سے بیعت کی، یہ اصول مذہب اور کچھ فروعات کی روایت جناب زید سے کرتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبریٰ نہیں کرتے بلکہ سب کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور اسی تبریٰ نہ کرنے پر مصدقہ روایات حضرت زید سے نقل کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ گو امامت کا حق حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچتا تھا مگر آپ نے جناب شیخین وذی النورین رضی اللہ عنہم کے بارے میں خود اپنے حق سے دست برداری فرمائی تھی۔[3]

یہ اس کے بھی قائل ہیں کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت درست تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے راضی تھے اور معصوم کبھی غلط اور باطل پر راضی نہیں ہوتا، غرض تمام مسائل امامت پر ان کا مذہب اہلسنت کے مذہب سے ملتا جلتا ہے، اختلاف صرف اتنا ہے کہ یہ امام کے لئے فاطمی ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں اور اس کے سپرد کرنے سے کسی دوسرے کو امام مانتے ہیں، گویا شیعان اولیٰ کا فرقہ ثانیہ اس فرقہ کی اصل ہے لیکن ان

1۔ المرجع السابق

2۔ المرجع السابق

3۔ الملل والنحل، الكيلاني، 1/ 154، 155، ط: مؤسسة الحلبي۔

کے پچھلے لوگوں نے معتزلہ اور دوسرے شیعوں کے میل جول اور اثر میں آکر اپنا مذہب بدل ڈالا اور اصل مذہب سے بہت دور جا پڑے، کہا جاتا ہے کہ جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید کی امامت سے متفق تھے، ان کے خروج کو درست جانتے تھے اور لوگوں کو ان کی رفاقت کی ترغیب بھی دیتے تھے اسی لئے زیدیہ فروع میں مذہب حنفیہ سے متفق ہیں مگر اصول ہیں معتزلہ کی پیروی کرتے ہیں۔

2۔ فرقہ جارودیہ:

یہ گروہ ابو الجارود زیاد بن ابی زیاد کے دوستوں کا ہے، یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بدلیل وصف، نہ بدلیل تعیین نام حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چونکہ ان کی اقتداء نہیں کی اس لئے ان کو کافر قرار دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بالترتیب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو امام مانتے ہیں اور ان کی امامت کے بعد ان کی اولاد میں امامت شوریٰ کے معتقد ہیں، کہتے ہیں کہ ان میں جو تلوار تھام کر اٹھ کھڑا ہو اور وہ عالم و شجاع بھی ہو وہی امام وقت ہے، چنانچہ زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن زید کو بھی امام مانتے ہیں، البتہ امام منتظر کے بارے میں ان میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں وہ محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو عہد منصور میں مدعی امامت ہوئے اور مقتول ہوئے ان کے اعتقاد میں یہ اب بھی زندہ ہیں مقتول نہیں ہوئے۔

بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ وہ محمد بن حسن طالقانی ہیں جو معتصم کے عہد میں اٹھے قتال کیا اور قید ہوئے اور حالت اسیری میں ہی وفات پائی، مگر یہ ان کی وفات کے منکر ہیں، ان کی ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ یحییٰ بن عمر ہیں جو جناب زید بن علی بن حسین کے پوتوں میں سے ہیں جن کو صاحب الکوفہ بھی کہا جاتا ہے، یہ مستعین کے عہد میں ہوئے، قتال کیا اور پھر مقتول ہوئے مگر یہ جماعت ان کے قتل کی بھی منکر ہے۔[1]

3۔ فرقہ جریریہ:

اس فرقہ کو سلیمانیہ بھی کہتے ہیں، یہ سلیمان بن جریر کے پیروکاروں کی جماعت ہے یہ بھی امامت شوریٰ کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ دو نیک بخت مسلمانوں کی رضامندی سے بھی امامت درست تسلیم کرلی جاتی ہے، حضرت ابو بکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کو تو مانتے ہیں مگر ان سے بیعت کرنے والوں کو خطاکار

1۔ الفرق الشیعة للنوبختی، ص 48 و الملل والنحل، الکیسانیة، 1/ 157، 158، ط: مؤسسة الحلبی۔

کہتے ہیں اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان حضرات کی بیعت کیوں کی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو کافر بتاتے ہیں۔[1]

4۔ فرقہ تبریہ:

اس کا لقب تومیہ بھی مشہور ہے، یہ مغیرہ بن سعد جس کا لقب تبر تھا کے ساتھیوں کا گروہ ہے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت خطا پر مبنی نہیں تھی کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر سکوت فرمایا تھا اور جس بات پر معصوم سکوت کرے حق ہوتی ہے، البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی امامت تسلیم کرتے ہیں، ان کو تامل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رضامندی و سکوت اس معاملہ میں حسب دلخواہ ثابت نہیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کے وقت سے امام مانتے ہیں۔[2]

5۔ فرقہ نعیمیہ:

یہ نعیم بن الیمان کے دوستوں کا گروہ ہے، ان کا اور تبریہ کا مذہبی مسلک ایک ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں اور ان پر تبرئ بھی کرتے ہیں، باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔[3]

6۔ فرقہ دکنیہ:

جو فضل بن دکین کی طرف منسوب ہے ان کا مذہب جارودیہ سے ملتا ہے فرق یہ ہے کہ یہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں اور باقی اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔[4]

7۔ فرقہ خشبیہ:

یہ خلف بن عبد الصمد کے ساتھیوں کا گروہ ہے، یہ اولاد فاطمہ میں امامت شوریٰ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کوئی غیر مستحق جامہ امامت زیب بر کرے تو اس کی مخالفت واجب ہے ان کو خشبیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے وقت کے بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو تیر و تلوار سے مسلح ہونے کے بجائے لاٹھی اور

1۔ الملل والنحل، الکیسانیہ، 1/ 159، ط: مؤسسۃ الحلبی۔

2۔ المرجع السابق

3۔ المرجع السابق

4۔ المرجع السابق

ڈنڈے ان کا ہتھیار تھے اور لغت عرب میں خشب لکڑی کو کہتے ہیں۔ (1)

8۔ فرقہ یعقوبیہ:

یہ یعقوب کے ساتھیوں کی ٹولی ہے، یہ رجعت کے قائل ہیں، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کو نہیں مانتے بلکہ ہر دو حضرات گرامی پر تبرئ بازی کرتے ہیں۔ (2)

9۔ فرقہ صالحیہ:

جو حسین بن صالح کی طرف منسوب ہے، یہ بھی اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں امامت شوریٰ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ فاطمیوں میں سے جو بھی صفات علم، شجاعت اور سخاوت سے متصف ہو کر ابھرے وہ امام ہے ان کے اور زیدیوں کے نزدیک ایک زمانہ میں ایک ملک میں بیک وقت کئی اماموں کا ہونا ممکن ہے۔ (3)

امامیہ اور اس کے فرقے

اب رہا فرقہ امامیہ تو ان کے مذہب کا دارومدار اور ان کے تمام فرقوں کا مشترکہ عقیدہ یہ ہے کہ زمان تکلیف شرح ائمہ فاطمیہ سے کبھی خالی نہیں رہتا، اس ایک فرقہ سے انتالیس فرقوں نے جنم لیا، جن کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

1۔ فرقہ حسنیہ:

اس فرقہ کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں ان کے بعد ان کے بیٹے حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو جن کو ضامن آل محمد بھی کہتے ہیں، پھر ان کے بعد ان کے صاحبزادے جناب عبد اللہ (4) کو

1۔ المرجع السابق

2۔ المرجع السابق

3۔ المرجع السابق

4۔ عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب (عليهم السلام)، أبو محمد، هاشمي مدني تابعي "قال ابن المهنا في عمدة الطالب، ص 78: " عبد الله المحض بن الحسن المثنى بن الحسن بن علي بن أبي طالب (عليهم السلام)، وإنما سمي المحض لأن أباه الحسن بن الحسن وأمه فاطمة بنت الحسين، وكان يشبه برسول الله (صلى الله عليه وآله)، وكان شيخ بني هاشم في زمانه.(معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة للسيد الخوئي، 11/ 170)

امام تسلیم کرتے ہیں اور وہ تنازع اور رد و کد جو ان کے اور جناب جعفر صادق رحمہ اللہ کے درمیان ہوا اور جس کا حوالہ کتب اثنا عشریہ میں موجود و مذکور ہے اور اس کو ملا محمد رفیع واعظ نے ابواب الجنان میں کلینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

ان عبد اللہ کے بعد ان کے بیٹے محمد نفس زکیہ (1) کو پھر ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ (2) کو امام مانتے ہیں ، یہ دونوں بھائی منصور دوانقی (3) کے زمانہ میں نکلے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی لوگوں کی کافی جمعیت نے ساتھ دیا بالآخر جنگ و جدل اور میدان کارزار گرم ہوا مگر امرائے منصور کے ہاتھوں دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ (4)

2۔ فرقہ نفسیہ:

یہ بھی حسنیہ ہی کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب اور چھپے ہوئے ہیں چند روز بعد پھر ظہور فرمائیں گے۔ (5)

3۔ فرقہ حکمیہ:

اس کا نام ہشامیہ بھی ہے، کیونکہ یہ اصحاب ہشام بن حکم (6) پر مشتمل ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امامت حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں آئی، اور اسی سلسلہ امامت کو بالترتیب حضرت جعفر رحمہ اللہ تک پھیلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جسم صریح رکھنے کے قائل ہیں گویا وہ اپنے معبود کو مجسم شکل میں مانتے ہیں جو طول و عرض و عمق ہر سہ اطراف تو برابر رکھتا ہے مگر ان ظاہری اجسام میں سے کسی صورت سے مشابہ نہیں۔ (7)

1۔ هو محمد بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب، خرج في خلافة المنصور بالمدينة، فقتل سنة 145هـ وادعى أعوانه عدم موته وأنه المهدي. الملل والنحل: 1/ 176 سير أعلام النبلاء: 6/ 210 وتهذيب التهذيب: 9/ 224.

2۔ قتله أيضا المنصور العباسي سنة 145هـ بعد خروجه في البصرة. سير أعلام النبلاء: 6/ 218.

3۔ اس سے مراد دوسرا عباسی خلیفہ ابو جعفر عبد اللہ بن محمد المنصور ہے۔

4۔ الملل والنحل، الكيلاني، 1/ 162، ط: مؤسسة الحلبي۔

5۔ الفصل: 4/ 137 والتبصير في الدين: ص 31.

6۔ هو هشام بن الحكم الشيباني الكوفي، سكن بغداد، قال الحافظ ابن حجر: كان من كبار الرافضة ومشاهيرهم يزعم أن ربه طوله سبعة أشبار بشبر نفسه، توفي نحو 190هـ لسان الميزان: 6/ 194۔

7۔ مقالات الإسلاميين: 1/ 31 والفرق بين الفرق: ص 216 والملل والنحل: 1/ 72۔

4۔ فرقہ سالمیہ:

اس فرقہ کا نام جوالقیہ بھی ہے، کیونکہ یہ ہشام بن سالم جوالیقی کے ساتھیوں پر مشتمل ہے امامت اور اللہ تعالیٰ کی جسمیت کے بارے میں ان کے عقائد بھی فرقہ حکمیہ سے ملتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بصورت انسانی مانتے ہیں۔[1]

5۔ فرقہ شیطانیہ:

اس فرقہ کا ایک نام نعمانیہ بھی ہے کیونکہ یہ محمد بن نعمان صیرفی جو کہ شیطان الطاق[2] کے لقب سے مشہور ہے ماننے والوں کا گروہ ہے، یہ امامت کا سلسلہ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ[3] تک چلاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کو مجسم مان کر اس کے اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔[4]

6۔ فرقہ زراریہ:

یہ فرقہ زرارہ بن اعین کوفی کے اصحاب پر مشتمل ہے، ان کے نزدیک امامت کا سلسلہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تک آتا ہے یہ صفات الٰہی کو حادث مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نہ حیات رکھتا تھا نہ

---

1 ـ هشام بن سالم الجواليقي العلاف، زعم أن معبوده على صورة الإنسان. الفرق بين الفرق: ص216و الملل والنحل: 1/ 185. وهو من ثقات الرواة عن الصادق عند الإمامية قال عنه النجاشي: ثقة ثقة، رجال النجاشي: 2/ 339، وذكره الكشي في رجاله: ص 281. انظر التفصيل: التبصير في الدين: ص 133و تلبيس إبليس: ص 104.

2 ـ ويسميه الشيعة "مؤمن الطاق" و "مؤمن آل محمد" وهو الذي اخترع لهم في الإمامة أن الأشخاص منصوص عليهم بأعيانهم—وشيطان الطاق أيضا هو الذي زعم في الكتاب الذي ألفه في الإمامة أن الله عز وجل لم يقل (ثاني اثنين إذ هما في الغار). ينظر: اعتقادات فرق المسلمين: ص 65و الملل والنحل: 1/ 186و منهاج السنة النبوية: 2/ 227و لسان الميزان: 5/ 300. وهو من أوثق الرجال عند الإمامية، قال النجاشي: فأما منزلته في العلم وحسن الخاطر فأشهر، وقد نسب إليه أشياء لم تثبت عندنا. رجال النجاشي: 2/ 203؛ تنقيح المقال: 3/ 162.

3 ـ هو موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، قال أبو حاتم: ثقة صدوق إمام من أئمة المسلمين، توفي سنة 183هـ. تاريخ بغداد: 13/ 27؛ سير أعلام النبلاء: 6/ 270؛ تهذيب التهذيب: 10/ 302.

4 ـ اعتقادات فرق المسلمين: ص 65؛ الفرق بين الفرق: ص 53؛ التبصير في الدين: ص 40؛ الملل والنحل: 1/ 186.

علم نہ قدرت نہ سمع وبصر۔[1]

7۔ فرقہ یونسیہ:

یہ یونس بن عبدالرحمن قمی کا گروہ ہے، یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔[2]

8۔ فرقہ بدائیہ:

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ بعض باتوں کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے ارادہ پر نادم ہوتا ہے کہ ایسا ارادہ کرنا خلاف مصلحت تھا، ہر سہ خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت اور ان کے مناقب ومحاسن پر اسی خیال کو منطبق کرتے ہیں۔[3]

9۔ فرقہ مفوضہ:

ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کا معاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ رکھا ہے لہذا دنیا اور اس کی مخلوقات سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا کردہ ہیں، ایک گروہ انہیں میں سے اس خیال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرتا ہے، اور ایک تیسرا طبقہ ہر دو پر![4]

مذکورہ بالا میں سے سات فرقے غلاۃ امامیہ کے ہیں یہ باتفاق کافر ہیں، ان سب کا مشترک عقیدہ ائمہ ستہ کی امامت ہے۔

1۔ ان کا اصلی نام عبدربہ (اپنے مالک کا غلام) اور لقب زرارہ تھا، زرارہ، امام باقر کو رحمہ اللہ کہتا تھا اور امام جعفر صادق سے منحرف تھا کیونکہ حضرت امام صادق نے اس کی رسوائیوں کا پردہ چاک کیا تھا، امام ابوالحسن کہتے ہیں: استطاعت میں زرارہ کا مذہب بالکل غلط تھا۔ (رجال کشی، صفحہ 96) بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق فرماتے ہیں: اسلام میں جو بدعتیں زرارہ نے نکالیں اور کسی نے نہیں نکالیں، اس پر اللہ کی لعنت ہو، دوسری روایت میں ہے کہ: امام جعفر صادق نے اس پر تین مرتبہ لعنت کی، ایک روایت میں فرمایا: زرارہ، یہود ونصاریٰ سے بدتر ہے اور ان سے بھی جو تین خدا مانتے ہیں، (رجال کشی، صفحہ 101،107) زرارہ کی وفات کو سنہ 148 ہجری قمری میں امام صادق کی شہادت کے دو ماہ یا اس سے کمتر یا بیشتر عرصے کے بعد ذکر کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ امام صادق کی شہادت کے وقت زرارہ بیمار تھے پھر اسی بیماری میں فوت ہوا۔

2۔ ذكره أهل السنة في كتب الملل والنحل فقد زعم أن الله تعالى يحمله حملة عرشه. مقالات الإسلاميين: ص 35؛ الفرق بين الفرق: ص 52؛ الملل والنحل: 1/ 140. أما عند الشيعة الإمامية فهو من رواتهم الثقات عن الكاظم والرضا، قال عنه النجاشي: كان وجها في أصحابنا متقدما عظيم المنزلة، مات سنة 208هـ. رجال النجاشي: 2/ 420؛ الخلاصة: ص 184. وانظر للتفصيل: مقالات الإسلاميين: ص 35؛ الفرق بين الفرق: ص 52؛ الملل والنحل: 1/ 188.

3۔ المواقف: ص 684.

4۔ الفرق بين الفرق: ص 238؛ المواقف: ص 684. وقد ظهرت البدائية والمفوضة سنة ظهور الزرارية.

10۔ فرقہ باقریہ:

یہ فرقہ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حی لا یموت کا عقیدہ رکھتا ہے، اور ان کو امام منتظر مانتا ہے۔[1]

11۔ فرقہ حاضریہ:

ان کا کہنا ہے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے بیٹے زکریا امام ہوئے جو اب حاصریہ پہاڑ میں چھپے ہوتے ہیں، اور اس وقت تک چھپے رہیں گے تا آنکہ ان کو غیبت سے خروج کا حکم نہ ملے۔[2]

12۔ فرقہ ناوسیہ:

اصحاب عبد اللہ بن ناوس کا یہ فرقہ کہتا ہے کہ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہیں مگر پردہ غیب میں ہیں وہی مہدی موجود ہیں اور وہی قائم منتظر، ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ بالکلیہ غائب نہیں ان کے دوست کبھی ان کو خلوت و تنہائی میں دیکھ بھی لیتے ہیں۔[3]

13۔ فرقہ عماریہ:

یہ اصحاب عمار ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ جناب جعفر رحمۃ اللہ علیہ مر چکے ہیں اور ان کے بعد ان کے بیٹے محمد امام ہیں۔[4]

اسماعیلی اور ان کے فرقے

(اسمٰعیلی بھی اگرچہ امامیہ میں شامل ہیں مگر الگ شاخ ہے اس لئے ان کے فرقوں کا علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے) یہ فرقے جن کی تعداد آٹھ بلکہ دس ہے، ان کا مشترک عقیدہ یہ ہے کہ خود جناب جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول صریح یعنی "إِنَّ هَذَاالأَمرِ فِي الأَكبَرِ مَا لَم يكن به فاهَةٌ "[5] (یہ امامت بڑے بیٹے میں ہی رہے گی تا

1۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص 53؛ الفرق بين الفرق: ص 53؛ التبصير في الدين: 35؛ الملل والنحل: 1/ 165.

2۔ المواقف: ص 680.

3۔ مقالات الإسلاميين: ص25؛ الفصل في الملل والأهواء والنحل: 4/ 138؛ الملل والنحل: 1/ 166.

4۔ العمارية: ينسبون إلى رجل يقال له: عمار، كان يقول: بموت جعفر الصادق، ونصه على إمامة ابنه عبد الله الأفطح.(مذكرة التوحيد، 1/ 133 و مقالات الإسلاميين: ص28؛ الملل والنحل: 1/ 29)

5۔ الاصول من الكافي، باب الإشارة والنص على أبي الحسن موسى عليه السلام، 1/ 309، ط: تهران

آنکہ اس میں کوئی عیب نہ ہو) کے مطابق بڑے بیٹے اسماعیل امام ہیں۔[1] علاوہ ازیں حضرت جعفر ؒ کی اولاد میں سب سے زائد شریف النفس ہیں کیونکہ ان کی ماں فاطمہ بن حسن بن علی کی بیٹی ہیں۔

1۔ فرقہ مبارکیہ:

یہ فرقہ اسی مبارک کے ساتھیوں کا ہے جس کا کچھ حال پہلے بیان ہو چکا ہے یہ لوگ جناب اسماعیل کے بعد ان کے بیٹے کے محمد کو امام مانتے ہیں اور ان کو خاتم الائمہ قائم منتظر اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔[2]

2۔ فرقہ باطنیہ:

یہ جناب اسماعیل ؒ کے بعد ان کے قول سابق کی وجہ سے جو بعد میں آتا گیا امام ہوتا گیا کے قائل ہیں وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عمل باطن کتاب پر واجب ہے نہ کہ ظاہر پر۔[3]

3۔ فرقہ قرمطیہ:

اس کے متعلق اہل لغت بہت مختلف الخیال ہیں بعض کہتے ہیں کہ قرمط مبارک[4] مذکورہ کا نام یا لقب ہے، بعضے کہتے ہیں کہ نہیں یہ کسی اور شخص کا نام ہے، جو کوفہ کے مضافات میں سے کسی جگہ کا رہنے والا تھا، اور مذہب قرمطیہ کا بانی تھا، بعض کے نزدیک اس کا نام حمدان بن قرمط ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ واسط کے ایک

1۔ شیعوں کا یہ گروہ اسماعیل بن جعفر ؒ کی طرف منسوب ہے جو امام جعفر صادق ؒ کے سب سے بڑے بیٹے تھے جو آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے فاطمی اور اسماعیلی انہیں امام جعفر صادق ؒ کا جانشین سمجھتے ہیں ان کی امامت کا عقیدہ اسماعیلیہ کی شیعہ اثنا عشریہ سے جدائی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا اور شیعوں کے اس فرقے کو اسماعیلیہ کہنے کی علت بھی آپ کے نام سے منسوب ہونے کی بنا پر ہے، بعض مورخین اسماعیل اور ابوالخطاب کے درمیان ارتباط کے قائل ہیں اور اسماعیل سے منسوب غلو آمیز عقائد کو ابوالخطاب کی طرف نسبت دیتے ہیں، اسماعیل سے کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی ہے، اسماعیل کے دو بیٹے محمد اور علی تھے اور آپ کی نسل ان دو فرزندوں سے چلی ہے سن 133، 138 اور 145 ہجری قمری کو اسماعیل کی تاریخ وفات کے طور پر مختلف منابع میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بعض دلائل کی بنا پر سن 138 ہجری قمری ان کی وفات واقع ہونے کا احتمال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

2۔ مقالات الإسلاميين: ص27 و الفرق بين الفرق: ص47 و الملل والنحل: 1/ 168.

3۔ الفرق بين الفرق: ص265 و الملل والنحل: 1/ 167 و فضائح الباطنية: ص16.

4۔ يقال اسمه حمدان بن الأشعث، رجل من سواد الكوفة، ظهر سنة 281 هـ في خلافة المعتضد، وقويت شوكتهم وأخافوا السبيل، لهم مقالات كثيرة. تاريخ الطبري: 5/ 603؛ الكامل في التاريخ: 6/ 364.

گاؤں کا نام ہے، حمدان یہاں کا رہنے والا تھا تو وہ قرمطی ہوا اور اس کے متبعین قرامطہ کہلائے، بہرحال یہ کوئی بھی ہوں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اسمٰعیل بن جعفر رحمہ اللہ خاتم الائمہ ہیں، اور حی لا یموت. محرمات شرعیہ کو یہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔[1]

4۔ فرقہ شمطیہ:

یہ یحیٰ بن ابی شموط کا فرقہ ہے، ان کا قول ہے کہ جناب جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعد امامت اس ترتیب سے ان کے بیٹوں تک پہنچی (۱) اسمٰعیل (۲) محمد (۳) موسیٰ کاظم (۴) عبد اللہ افطح اور (۵) اسحاق رحمہم اللہ[2]

5۔ فرقہ میمونیہ:

اس میں عبد اللہ بن میمون اقداح اہوازی[3] کے ساتھی شامل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ظاہر پر عمل حرام ہے اور یہ قیامت کے بھی منکر ہیں۔[4]

6۔ فرقہ خلفیہ:

یہ کہتے ہی کہ نماز، روزہ، حج، زکواۃ یا دیگر اعمال کتب واحادیث میں جہاں مذکور ہیں وہاں ان کے لغوی معنٰی مراد ہیں اصطلاحی نہیں، یوم آخرت اور جنت ودوزخ کے یہ بھی منکر ہیں۔[5]

1۔ مقالات الإسلاميين: ص26و الفرق بين الفرق: ص272و الفصل في الملل والأهواء والنحل: 4/ 143.

2۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص45والملل والنحل: 1/ 167.

3۔ كان من الزنادقة فانسلك في خدمة جعفر الصادق، ثم ابنه إسماعيل، فلما مات لزم خدمة محمد، وتبنى الباطنية، تركه محدثو أهل السنة. قال البخاري والترمذي: منكر الحديث، وقال أبو زرعة: واهي الحديث. اعتقادات فرق المسلمين: ص 76؛ الفرق بين الفرق: ص 267؛ تهذيب التهذيب: 6/ 44. وعند الإمامية فرغم أنه من الباطنية وإليه تنسب الميمونية، فهو من ثقات الرواة عن الباقر والصادق، مع أنه لا يقول بإمامة موسى الكاظم بعد أبيه الصادق بل بإمامة إسماعيل بن جعفر الصادق ثم ابنه محمد، فرجال الإمامية لفقوا من معظم الفرق الشيعية. ينظر: رجال النجاشي: 2/ 8؛ تنقيح المقال: 2/ 186.

4۔ مقالات الإسلاميين: ص93و الفرق بين الفرق ص 75و الملل والنحل: 1/ 129.

5۔ مقالات الإسلاميين: ص93و الفرق بين الفرق: ص75و الملل والنحل: 1/ 130.

7۔ برقعیہ:

یہ محمد بن علی برقعی[1] کے ساتھیوں کا فرقہ ہے، یہ احکام شرعیہ کا انکار کرتے ہیں، نصوص میں تاویل کرتے ہیں، بعض انبیاء کی نبوت کو بھی نہیں مانتے بلکہ ان پر لعنت کو واجب مانتے ہیں۔[2]

8۔ فرقہ جنابیہ:

یہ ابو طاہر جنابی کے پیروکاروں کا گروہ ہے، وہ اس مذہب میں اور بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں، قیامت واحکام شرعیہ سے منکر ہی نہیں ان پر عمل کرنے والوں کو واجب القتل سمجھتے ہیں، اسی لئے انہوں نے حجاج بیت اللہ الحرام کو قتل کیا، حجر اسود کو کھود کر لے گئے،[3] تاکہ لوگ بد عقیدہ ہو کر خانہ کعبہ کا قصد نہ کریں اور اس کا طواف چھوڑ دیں۔

مذکورہ فرقوں میں سے شمطیہ، میمونی، خلفیہ برقعیہ اور جنابیہ قرامطہ میں داخل ہیں اور ان ہی میں ان کا شمار ہے، اس لیے اسماعیلیہ فرقوں کو آٹھ بتایا ہے ورنہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں، چنانچہ اسماعیلی اصول کی بناء پر نواں فرقہ سبعیہ ہے۔[4]

9۔ فرقہ سبعیہ:

ان کا قول ہے کہ وہ انبیاء جو شریعت لائے اور رسول ہیں ان کی تعداد سات ہے، آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد و مہدی (علیہم السلام) اور ہر دو رسولوں کے درمیان سات اور دوسرے آدمی ایسے ہوتے ہیں جو

1۔ هو محمد بن علي بن عبد الرحيم البرقعي، يعرف بصاحب الزنج، ادعى أنه من نسل زيد بن علي بن الحسين، وخرج سنة 249ھ أولا بهجر، ثم خرج بالبصرة فالتف عليه خلق من الزنج (العبيد)، وبقي مدة خمسة عشر عاما. واستمرت فتنته حتى قتل سنة 271ھ. ينظر تاريخ الطبري: 5/ 332؛ البداية والنهاية: 11/ 18

2۔ تاريخ الطبري: 5/ 332؛ البداية والنهاية: 11/ 18 وما بعدها.

3۔ تفاقم أمرهم حتى استحلوا المسجد الحرام سنة 317ھ فسفكوا دم الحجيج وسط المسجد حول الكعبة، وكسروا الحجر الأسود واقتلعوه من مكانه وأخذوه إلى البحرين، وبقي عندهم إلى سنة 339ھ قال ابن كثير: وكل ذلك من ضعف الخليفة وتلاعب الترك بمنصب الخلافة واستيلائهم على البلاد وتشتت الأمر. البداية والنهاية: 11/ 63.

4۔ الفرق بين الفرق: ص 267 و منهاج السنة النبوية: 6/ 343.

سابق شریعت کو آنے والی شریعت تک باقی رکھتے ہیں، چنانچہ اسماعیل بن جعفر ان ہی سات آدمیوں میں سے ایک تھے کہ انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور امام مہدی کے درمیان شریعت کو باقی رکھا، اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے سات آدمیوں کا ہونا ضروری ہے جو اقتداء کے قابل ہوں۔[1]

10۔فرقہ مہدویہ:

یہ اصول اسماعیلیہ پر ایک فرقہ ہے، یہ فرقہ ملک کے طول و عرض میں کافی پھیلا ان میں صاحبان تصنیف و تالیف اہل علم بھی گزرے ہیں اور ملک مغرب کے سلاطین و ملوک بھی اس مذہب کے ماننے والوں میں شامل ہیں، گویا تسلط و اقتدار اس فرقہ کے حصہ میں آیا، امامت کا سلسلہ اس طرح مانتے ہیں:

اسماعیل کے بعد ان کے بیٹے محمد وصی[2] پھر ان کے بیٹے احمد وفی،[3] ان کے بعد ان کے بیٹے محمد تقی،[4]

---

1 ۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص80وتلبيس إبليس: ص125و منهاج السنة النبوية: 3/ 481.

2 ۔ ان کو شیعہ ائمہ مستورین میں شمار کرتے ہیں۔

3 ۔ یہ اسماعیلیہ کے آٹھویں امام ہیں،وهو الإمام الثامن عند الإسماعيلية رغم أن محمد بن إسماعيل لم يعقب، إلا أن الإمامية والإسماعيلية أثبتوا له ولدا اسمه عبد الله أو أحمد واختلفوا في اسمه، فهو أحمد عند الإمامية وعبد الله عند الإسماعيلية الذين يعتقدون إمامته ويلقبونه بأحمد الوفي ويؤرخون ولادته بسنة 159 هـ لكنهم يعترفون بأنه يعرف بين الناس باسم عبد الله بن ميمون القداح! وكان ذلك كما ادعوا لإخفاء شخصيته كما ذكر مؤرخهم عارف تامر في تاريخ الإسماعيلية: 1/ 130 . وهذا دليل صريح على فساد مذهبهم وبعدم وجود ابن أصلا لمحمد بن إسماعيل بن جعفر. فسلك القداح مقالة (غيبة الإمام) قبل الإمامية باعتباره لحل معضلة موت الإمام بلا ذرية. ومن ثم فإن الشيعة الإمامية قالوا بغيبة الإمام بعد أن مات الحسن بن علي (العسكري) بلا ذرية، وبهذا يتضح تلفيق العبيديين لنسبهم، فهم يعودون إلى القداح الفارسي مولاهم المخزومي لا إلى البيت العلوي، وهذا النسب هو ما ذهب إليه الباقلاني. ينظر: النجوم الزاهرة: 4/ 76.

4 ۔ اسمه عند الإسماعيلية: أحمد بن عبد الله بن محمد بن إسماعيل ولقبه (محمد التقي)، وهو الإمام التاسع عند الإسماعيلية ومن الأئمة المستورين عنده، ولد سنة 179هـ وفق قولهم. مات (محمد التقي) على قول مؤرخهم عارف تامر سنة 225هـ. تاريخ الإسماعيلية: 1/ 132. ولا يظهر وجود ترجمة له إلا في هذا الكتاب. وهو ابن القداح رغم ادعائه النسب العلوي.

پھر ان کے بیٹے عبد اللہ رضی[1] پھر ان کے بیٹے ابو القاسم عبد اللہ[2] پھر ان کے بیٹے محمد ملقب محمد مہدی[3] ان کے بعد ان کے بیٹے احمد قائم بامر اللہ،[4] پھر اسماعیل بن احمد منصور بقوۃ اللہ[5] پھر معد بن اسمٰعیل معز لدین اللہ[6]

---

1 ـ والمحقق أنه الحسين بن أحمد بن عبد الله بن ميمون القداح الأهوازي، يعرف عند الإسماعيلية برضي الدين عبد الله، وهو الإمام العاشر عندهم، وفي عهده تأسس النظام السياسي للدعوة الميمونية الباطنية التي سميت لاحقا بالدعوة العبيدية (الفاطمية) فأرسل أبو عبد الله الشيعي إلى المغرب، ومات سنة 289هـ على قول الإسماعيلية. تاريخ الإسماعيلية: 1/ 133.

2 ـ المعروف أن الأئمة المستورين ثلاثة عند الإسماعيلية: أحمد الوفي ومحمد التقي وعبد الله الرضي، أما أبو القاسم هذا فهو اسم آخر لمحمد المهدي فهو اسمه المستور قبل أن يستولي على بعض بلاد المغرب.

3 ـ أما عند ابن خلكان فاسمه أبو محمد عبيد الله الملقب بالمهدي، قال الذهبي: أول من قام من الخلفاء الخوارج العبيدية الباطنية الذين قلبوا الإسلام وأعلنوا بالرفض وأبطنوا مذهب الإسماعيلية وبثوا الدعاة يستغوون الجبلية والجهلة، وقد مهد له أبو عبد الله الشيعي وهو من دعاة الباطنية الطريق في إفريقية، وخلصه من أسر القبائل، ويذكر ابن خلكان أن المهدي هذا قد قتل في الأسر في سجلماسة، فخاف أبو عبد الله الشيعي أن ينتقض عليه ما دبره إن علمت العساكر بقتل المهدي، فأخرج رجلا كان يخدمه وقال: هذا هو المهدي». ومهما يكن فلا صلة له بلبيت العلوي، لكنه بويع للخلافة بالمغرب سنة 296هـ ولما استتب له الأمر قتل أبا عبد الله الشيعي وقتل أخاه بتهمة المؤامرة، ثم بنى مدينة المهدية بإفريقية وفرغ منها سنة 308هـ، وبقي في الحكم خمسا وعشرين عاما، ومات سنة 322هـ. وفيات الأعيان: 3/ 117؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 141.

4 ـ اسمه في المصادر محمد وليس أحمد. تولى بعد أبيه سنة 322هـ وتلقب بالقائم بأمر الله، حاول احتلال مصر وفشل، مات سنة 334هـ. أخبار بني عبيد: ص 53؛ الاستقصا في أخبار المغرب الأقصى: 2/ 6.

5 ـ هو إسماعيل بن محمد بن عبيد الله المهدي، أبو طاهر المنصور، ثالث خلفاء الدولة العبيدية بالمغرب بويع سنة 336هـ وتوفي سنة 341هـ. أخبار بني عبيد: ص53؛ وفيات الأعيان: 1/ 234.

6 ـ هو أبو تميم معد بن إسماعيل بن محمد بن عبيد الله المهدي، الملقب بالمعز لدين الله، تولى أمر بني عبيد سنة 341هـ وانتقل إلى مصر سنة 262هـ ووطد حكم العبيديين فيها فبنى القاهرة واستقر بها، وكانت وفاته سنة 365هـ. وفيات الأعيان: 5/ 224؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 159؛ النجوم الزاهرة: 3/ 308.

ان کے بعد ابو منصور نزار بن معد عزیز باللہ [1] پھر ابو علی منصور بن نزار حاکم بامر اللہ [2] پھر ابو الحسن علی بن منصور ظاہر لدین اللہ [3] پھر معد بن علی بن منصور مستنصر باللہ۔ [4]

کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں باپ اپنے اپنے بیٹوں کے لئے وصیت کرتے گئے، جب امامت مہدی کا عہدہ آیا تو اس نے اپنا حکم ملک مغرب میں نافذ کیا اور وہاں کا بادشاہ بنا چاہا اسوقت بے شمار مخلوق اس کے زیر اثر تھی، اس نے اوّل بلاد افریقہ پر اقتدار قائم کیا پھر رفتہ رفتہ بلاد مصر پر قبضہ جمالیا، مغرب اور مصر اس کی اولاد کے قبضہ میں رہے بلکہ اس کی اولاد میں سے کچھ نے بلاد شام پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا، اہل یمن نے بھی اس مذہب پر لبیک کہا اور یہی مذہب اختیار کیا۔

مستنصر کے بعد امام کون ہو؟ اس مسئلہ پر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مستنصر نے پہلے تو اپنے بھائی [5]

---

1 ۔ هو نزار بن معد بن إسماعيل بن محمد بن عبيد الله المهدي، الملقب بالعزيز بالله، آل إليه الأمر في القاهرة سنة 365هـ ومات سنة 380هـ. وفيات الأعيان: 5/ 371؛ أخبار بني عبيد: ص 93؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 167.

2 ۔ سادس خلفاء العبيديين، تولى سنة 386هـ وصفه الذهبي ب: الرافضي بل الإسماعيلي الزنديق المدعي للربوبية ... وقال عنه: كان شيطانا مريدا جبارا عنيدا، كثير التلون سفاكا للدماء خبيث النحلة عظيم المكر ... كان فرعون زمانه يخترع كل وقت أحكاما يلزم الرعية بها، أمر بسب الصحابة - رضي الله عنهم -، وبكتابة ذلك على أبواب المساجد والشوارع وأمر عماله بالسب، تولى مصر 411هـ ومات سنة 427هـ. سير أعلام النبلاء: 15/ 173؛ النجوم الزاهرة: 4/ 276؛ شذرات الذهب: 3/ 192.

3 ۔ بويع وهو صبي بعد مقتل أبيه في شوال سنة 411، مات سنة 427هـ. أخبار بني عبيد: 1/ 301؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 184؛ النجوم الزاهرة: 4/ 247.

4 ۔ تولى بعد أبيه وله سبع سنين، وذلك في شعبان سنة 427هـ فامتد حكمه ستين سنة وأربعة أشهر، وخطب له بأمرة المؤمنين على منابر العراق سنة 451هـ بعد تغلب بعض دعاة الإسماعيلية عليها وهروب الخليفة العباسي القائم بأمر الله، مات المستنصر سنة 487هـ. أخبار بني عبيد: ص 104؛ وفيات الأعيان: 5/ 229؛ سير أعلام النبلاء 15/ 186.

5 ۔ یہاں بھائی کی بجائے دیگر کتب میں بیٹا مذکور ہے: وكان المستنصر عقد ولاية العهد لابنه الكبير نزار، وعندما مات المستنصر مال رجال القصر لبيعة أحمد، وبايعوه ولقبوه بالمستعلي، لكن خرج نزار إلى الإسكندرية، وبويع فيها ولقب

نزار کی امامت کے احکامات جاری کیے، مگر کچھ عرصہ بعد اپنے بیٹے ابو القاسم احمد مستعلی باللہ[1] کے امامت کا اعلان کر دیا، جن لوگوں نے حکم ثانی کو اوّل کا ناسخ قرار دے کر مستعلی کو امام مانا ان کو مستعلویہ کہتے ہیں[2] اور مستعلی کے بعد اس کے بیٹے منصور بن احمد آمر باحکام باللہ[3] کو امام مانتے ہیں، اس کے بعد دوسرے بھائی عبد الحمید ابو میمون بن احمد حافظ الدین اللہ[4] کو، اس کے بعد اس کے بیٹے ابو منصور محمد بن عبد الحمید ظافر بامر اللہ[5] کو اس کے بعد

بالمصطفى لدين الله، وتحارب الطرفان، حتى تغلبت جيوش المستعلي ودخلت الإسكندرية سنة 437هـ. النجوم الزاهرة: 5/ 143، 145.

1 ـ هو أبو القاسم أحمد بن معد المستنصر، ولي الأمر سنة 487هـ، قال الذهبي: وفي أيامه وهت الدولة العبيدية واختلت قواعدها وانقطعت الدعوة لهم من أكثر مدائن الشام واستولى عليها الإفرنج وغيرهم .. ، مات سنة 495هـ. أخبار بني عبيد: ص 105؛ وفيات الأعيان: 1/ 178؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 196.

2 ـ اسی اختلاف کی بنا پر اسماعیلیہ کے دو فرقے ہوئے جن میں سے ایک آج کل آغا خانی اور دوسرا فرقہ بوہریہ کے نام سے مشہور ہیں۔

3 ـ ولي أمر مصر وهو صغير سنة 495هـ فاستولى الصليبيون على معظم المدن الساحلية الشامية، وصفه الذهبي بالرافضي الظلوم، كان متظاهرا بالمكر واللهو والجبروت، قتل سنة 524هـ من غير عقب فبويع ابن عمه عبد المجيد الحافظ لدين الله. أخبار بني عبيد: ص 105؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 197؛ شذرات الذهب: 4/ 72.

4 ـ عبد المجيد بن محمد بن المستنصر، ولي الأمر سنة 524هـ وكان ضعيف الرأي فتغلب على الأمر أمير الجيش أبو علي بن الأفضل بن بدر الجمالي، وهذا على مذهب الاثني عشرية، فأصبحت الدعوة في مصر للمنتظر صاحب السرداب، ولذلك قتل على يد فارس من خاصته سنة 526هـ فعاد الأمر إلى الحافظ، مات سنة 544هـ. سير أعلام النبلاء: 15/ 199؛ النجوم الزاهرة: 5/ 237؛ شذرات الذهب: 4/ 138.

5 ـ ابن الحافظ، ولي أمر مصر بعد أبيه سنة 544هـ قال الذهبي: وكان شابا جميلا وسيما لعابا عاكفا على الأغاني والسراري .. ، وفي عهده انقطعت دعوة الباطنية في سائر الشام والمغرب والحرمين، وبقي لهم إقليم مصر، وقد تغلب عليه وزيره العادل ابن سلار الذي كان سنيا شافعيا، ولكنه قتل، ثم قتل الظافر بعده بعام سنة 459هـ. أخبار بني عبيد: ص 106؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 205و شذرات الذهب: 4/ 152.

اس کے بیٹے ابوالقاسم علی بن محمد فائز بنصر اللہ (1) اور پھر اس کے بیٹے محمد بن علی عاضد لدین اللہ (2) کو امام تسلیم کرتے ہیں، جب امامت پر عاضد فائز تھا تو امراء وملوک شام نے اس پر چڑھائی کی اور اس کو گرفتار کر کے حوالہ زنداں کر دیا اور وہیں قید خانہ میں اس کی موت واقع ہوگئی، اب مہدی کی اولاد میں امامت کا کوئی دعویدار باقی نہ رہا۔

ادھر دوسرے گروہ نے حکم اوّل کی موجودگی میں دوسرے حکم کو لغو اور اہل قرار دے کر نظر انداز کر دیا اور نزار کو امام تسلیم کر لیا، اس کے بعد اس کے بیٹے ہادی (3) کو پھر اس کے بیٹے حسن (4) کو! مگر ان کی یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں مؤرخین نے اس معاملہ میں کہا ہے کہ احمد مستعلی جب بادشاہ ہوا تو اس نے نزار اور اس کے دو چھوٹے بیٹوں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور ان تینوں کی موت جیل ہی میں واقع ہوئی، ان کی نسل میں کوئی نہیں رہا۔

---

1 ـ بويع وهو ابن خمس سنوات بعد مقتل أبيه على يد وزيره عباس بن أبي الفتوح سنة 549هـ وحاول الوزير الاستئثار بالأمر لكن أعوان ونساء الظافر راسلوا طلائع بن رزيك الأرمني الرافضي والي المنية، فدخل القاهرة بلا قتال فهرب عباس إلى الشام، مات الفائز سنة 555هـ. سير أعلام النبلاء: 15/ 205؛ النجوم الزاهرة: 15/ 207؛ شذرات الذهب: 4/ 222.

2 ـ هو عبد الله بن الأمير يوسف بن الحافظ لدين الله، أقامه طلائع بن رزيك بعد موت الفائز، فكان تحت سطوته: لا حل لديه ولا ربط. ووصف بأنه كان سبابا خبيثا متخلفا، وقد قمع أمر العاضد والعبيديين على يد صلاح الدين الأيوبي الذي أزال دولة الرفض، وخلع العاضد سنة 567هـ. وفيات الأعيان: 2/ 528؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 207؛ شذرات الذهب: 4/ 222.

3 ـ عند الإسماعيلية هو علي بن نزار بن معد بن الحاكم بأمر الله منصور العبيدي، أول أئمة الإسماعيلية النزارية في قلعة ألموت، ولد ونشأ في القاهرة، وارتحل إلى ألموت فتولى إمامة الإسماعيلية بعد موت أبيه وتلقب بالهادي، وعلي هذا هو صاحب فرقة (الفدائية أو الحشاشين) كانت مهمتهم اغتيال أعداء الإسماعيلية، مات سنة 530هـ. الأعلام: 5/ 29؛ تاريخ الإسماعيلية: 4/ 187.

4 ـ اسماعیلیہ اس کو مہتدی کا لقب دیتے ہیں جیسا کہ تاریخ اسماعیلیہ میں مذکور ہے: ويلقب عند الإسماعيلية بالمهتدي، ولد سنة 503هـ وتسلم أمور الإسماعيلية سنة 530هـ بعد موت أبيه، وكان محمد كيا بزرك هو المتصرف الحقيقي في القلعة حتى وفاة المهتدي سنة 552هـ. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 94.

فرقہ نزاریہ کو مصباحیہ و حمیریہ بھی کہتے ہیں جس کی وجہ تسمیہ ابھی معلوم ہو گی، نیز نزاریہ کو ہی مسقطیہ اور سقطیہ کہتے ہیں، اس لئے کہ ان کے مذہب میں امام فروعی احکامات کا مکلف نہیں اور اسے حق پہنچتا ہے کہ کچھ یا سب کی سب تکلیفات شرعیہ لوگوں سے ساقط کردے، اور ان سے وابستہ لغویات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے کہ حسن بن صباح حمیری [1] مصری آیا اور نزار کی جو عورتیں اس کے بھتیجے کی قید میں تھیں ان سے ملا، ان سے ایک چھوٹا بچہ لے لیا اور ظاہر یہ کیا کہ یہ نزارہ کا بیٹا ہے، اس بچے کو رے لے گیا اور اسے ہادی کے نام سے شہرت دی اور اسی کے نام سے لوگوں کو دعوت دینے لگا، جب اس کے پاس اچھی خاصی جمیعت اکٹھی ہو گئی تو قلعہ الموت اور دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا، اپنے اہل وعیال مال واسباب اور ہادی کو قلعہ الموت میں رکھا جب موت کا وقت آیا تو ہادی اس وقت بچہ ہی تھا، اس وقت اس نے ابن کیّا نامی ایک شخص کو اپنا نائب بنایا۔

اور ہادی کی تربیت اور اس کے اکرام وتوقیر کی بڑے زوردار طریقہ پر وصیت کی، جب ابن کیّا بھی مرنے لگا تو اپنے بیٹے محمد [2] کو اپنا نائب مقرر کیا اور حسن کی طرح اس نے بھی ہادی کی خدمت وتوقیر کی زوردار وصیت کی۔

ایک روز ہادی پر شہوت غالب ہوئی اور اس نے ابن کیّا کی بیوی کو بلا کر اپنی خواہش پوری کی، اس لئے کہ ان کے گمان میں امام کے لئے تمام چیزیں حلال ہیں اور اس کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے کرے، گویا " لا یسئل عما یفعل " اسی کی شان ہے، اتفاقاً اس صحبت سے ابن کیّا کی بیوی حاملہ ہوئی، اور ایک بچہ جنا جس کا نام حسن رکھا، اس دوران ہادی کا انتقال ہو چکا تھا، یہ واقعہ ابن کیّا کی بیوی نے بتایا، جس پر ہادی کے اکثر متبعین نے اعتبار کر لیا، مگر بعض لوگوں نے اسے مشکوک قرار دیا اور کہا کہ ہادی کی صحبت شدہ عورت کوئی اور تھی، ابن کیّا

1۔ الحسن بن الصبّاح بن علي الإسماعيلي، من دعاة الباطنية، اتصل سنة 479ھ بالمستنصر العبيدي، وعرض عليه الدعوة لهم في خراسان، فأمده بالمال، واستولى على قلعة ألموت من نواحي قزوين سنة 483ھ. قال الذهبي: كان من كبار الزنادقة ومن دهاة العالم ، مات سنة 518ھ والفرقة التي أنشأها امتداد للإسماعيلية، وتعرف أيضا بالنزارية. الكامل في التاريخ: 8/ 220.

2۔ محمد بن كيا بزرك أميد ثالث الحجج عند الإسماعيلية، تولى الأمر بعد أبيه سنة 532ھ وعاش حتى سنة 557ھ. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 94.

کی بیوی بھی اسی زمانہ میں حاملہ ہوئی اور اتفاقاً دونوں کے ہاں ولادت ایک ہی وقت ہوئی، ابن کیا کی بیوی نے چالاکی سے اپنے بیٹے کو ہادی کے بیٹے سے بدل لیا اور اس کا نام حسن رکھا۔

بہر حال حقیقت جو بھی ہو ابن کیا کے مرنے کے بعد حسن نے خود کو ہادی کا بیٹا اور نزار کی اولاد ظاہر کیا، اور امامت کا مدعی ہوا، یہ حسن نہایت زیرک، بلیغ کلام اور حاضر جواب تھا نہایت خوش گو خطیب تھا خطبے بہت دیتا تھا، اپنے خطبوں میں اس مضمون پر بتاکید و تکرار بہت زور دیتا تھا کہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ جو چاہے کرے، بلکہ اسے تو یہ بھی حق ہے کہ شریعت کا جو حکم چاہے لوگوں سے اسے ساقط کرے۔

اپنے متعلق کہتا تھا کہ مجھے غیب سے یہ امر الٰہی ہوا ہے کہ تم لوگوں کو احکام شرعیہ سے آزاد کر دوں اور تمام حرام چیزوں کو تمہارے لئے حلال کر دوں، تم جو چاہو کرو، مگر آپس میں متحد رہو، جدال و قتال نہ کرو اور امام کی اطاعت نہ چھوڑو، اس کے بعد اس کا بیٹا محمد، پھر پوتا علاء الدین محمد[1] بن جلال الدین حسن محمد ابن حسن اسی نہج اور روش پر چلتے رہے، مگر جلال الدین حسن[2] جو محمد بن حسن کا صلبی بیٹا تھا اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے منکر و متنفر ہو کر سچا اور پکا مسلمان بن گیا، اس کے حسن اسلام کا حال تاریخ کی کتابوں میں مشہور و معروف انداز میں درج کیا ہے، اس نے تو یہاں تک کیا کہ باپ دادا کے اس کتب خانہ کو جو زندقہ والحاد اور کفر و کذب کے مخطوطوں اور کتابوں سے بھرا ہوا تھا نذر آتش کر دیا، یہ اپنے اسلاف پر بڑے واضح اور پر زور انداز میں لعن و طعن کرتا تھا اس نے تو گویا باطنی فرقہ کی جڑ کھود کر رکھ دی تھی، اپنے پیروکاروں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا، بری باتوں سے روکتا تھا، قلعوں میں شاندار مساجد بنائیں، ان کو آباد کرایا، اہل بغداد کو اپنے حسن اسلام سے واقف کیا، اپنی ماں کو تحفے تحائف دے کر خانہ کعبہ کے حج کو روانہ کیا۔

1۔ محمد بن الحسن الملقب ب (أعلا محمد)، تسلم إمامة الإسماعيلية سنة 561ھ وكان من المتعصبين الغالين، مات سنة 607ھ. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 95.

2۔ تولى إمامة الإسماعيلية في (ألموت) بعد محمد بن الحسن (أعلا محمد) ابنه حسن المعروف بجلال الدين تولى أمر الإمامة عندهم سنة 607ھ وكان حريصا على نشر مذهب الإسماعيلية في بلاد الشام وفارس، مات سنة 619ھ. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 96.

لیکن اس کا بیٹا (علاء الدین)[1] اپنے باپ کی روش کو چھوڑ کر اپنے ملحد وزندیق اسلاف کے رویہ پر چلا، اور اس کا بیٹا جس کا لقب رکن الدین[2] تھا وہ بھی ملحد ہی رہا، اس کے عہد میں تاتاری ترک یعنی چنگیزیوں نے اس کے ملک کو برباد اور اس کی عزت کو خاک میں ملا دیا، چند روز تو قلعہ الموت[3] میں پناہ گزیں رہا، آخر کار ان کی اطاعت قبول کر کے ان کے ساتھ ہو گیا، وہ اس کو ساتھ لے کر اپنے وطن روانہ ہوئے مگر یہ راستہ ہی میں مر گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا جو قلعہ الموت ہی میں رہ گیا تھا، امامت کا مدعی ہوا اور جدید الدولہ لقب اختیار کیا، جب تاتاری امراء کو اس کی خبر ہوئی تو اس کی سرکوبی کے لئے فوج بھیجی جس نے قلعہ تباہ و برباد کر دیا، اس کے ساتھی ادھر ادھر پراگندہ و منتشر ہو گئے اور یہ خود طبرستان[4] کے کسی گاؤں میں مر کھپ گیا، اس کے بعد پھر کوئی مدعی امامت نہ اٹھا۔[5]

گویا اسمٰعیلی فرقوں میں باطنیہ، قرامطہ، سبعیہ اور حمیریہ ملحد ہیں، مہدویہ بظاہر شرع کے معتقد ہیں، ان فرقوں میں حمیریہ زیادہ شدید الکفر ہیں، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسماعیلیہ کے دس فرقے ہیں، اور یہ لامیہ کے تیرہ فرقوں کا تذکرہ ہوا دونوں مل کر تعداد میں تیئس ہو گئے، باقی فرقوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

---

1 ـ كان صغيرا عند مقتل والده سنة 619هـ فتسلمت أمه أمور الإسماعيلية بالوصاية عليه، وعندما بلغ الخامسة عشر تسلم الأمر، واشتهر بالصلاح وعودته إلى دين الحق، ولذلك ذمه مؤرخو الإسماعيلية واتهموه بأنه لسبب انهيار دولتهم في قلعة (ألموت). تاريخ الإسماعيلية: 4/ 97.

2 ـ تسلم بعد مقتل والده سنة 653هـ وفي عهده بدأ غزو المغول للعالم الإسلامي، حيث سيطر المغول على قلعة ألموت فأخذ ركن الدين أسيرا سنة 655هـ فأمر بقتله إمبراطور المغول وبقتل أولاده أينما كانوا. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 99 ـ.

3 ـ القلعة في جبال (البرز) شمال غربي مدينة قزوين، بناها البويهيون ثم استولى عليها الحسن بن الصباح فحصنها وجعلها مقرّ أئمة الإسماعيلية. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 92.

4 ـ مدينة كبيرة في خراسان. معجم البلدان: 4/ 13.

5 ـ ادعى الإسماعيلية أن ركن الدين هرب أحد أبنائه عندما فتك المغول به وبأسرته، وهو محمود وكان عمره يومئذ سبع سنوات، ولقبه شيعته بشمس الدين، وهو الإمام الخامس والعشرون عندهم، وآخر أئمتهم في قلعة (ألموت) وبسبب المغول عاش مشردا إلى أن مات سنة 711هـ بقونية. تاريخ الإسماعيلية: 4/ 96.

24۔ فرقہ افطحیہ:

اس فرقہ کو عمائیہ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ عبدالرحمن بن عمار کے پیرو ہیں یہ گروہ عبداللہ بن جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کا قائل ہے اس کا لقب افطح تھا کیونکہ اس کے پاؤں چوڑے تھے اور یہ اسماعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی تھے یہ لوگ ان کی موت اور پھر ظاہر ہونے کے معتقد ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی کہ نسل میں امامت کا سلسلہ چلتا۔[1]

25۔ فرقہ اسحاقیہ:

یہ لوگ اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ[2] کی امامت کے معتقد ہیں، یہ واقعی علم وتقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے عالی قدر پدر بزرگوار کے بہت مشابہ تھے، چنانچہ سفیان ابن عیینہ اور دیگر ثقہ محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔[3]

26۔ فرقہ قطعیہ:

یہ مفضل بن عمر کا گروہ ہے اس لئے مفضلیہ بھی کہلاتے ہیں یہ جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کی وفات پر امامت کے سلسلہ کو ختم کرتے ہیں۔[4]

27۔ فرقہ موسویہ:

یہ لوگ جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی موت وحیات میں متردد اور مشکوک الخیال ہیں اس لئے ان کی امامت پر توقف کرتے ہیں اور سلسلہ امامت ان کے آگے نہیں چلاتے۔[5]

28۔ فرقہ ممطوریہ:

یہ جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے قائل ہیں اور ان کو مہدی موعود اور منتظر مانتے ہیں اپنے

1۔ مقالات الإسلاميين: ص 28؛ الملل والنحل: 1/ 167.

2۔ هو إسحاق بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، قال أبو حاتم كان صدوقا. الجرح والتعديل: 2/ 215؛ الثقات: 8/ 111؛ تهذيب التهذيب: 1/ 200.

3۔ الملل والنحل: 1/ 188 و الصواعق المحرقة: 2/ 485.

4۔ مقالات الإسلاميين: ص13 و الملل والنحل: 1/ 181.

5۔ الفرق بين الفرق: ص41 و الملل والنحل: 1/ 168.

عقیدہ کے ثبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دلیل لاتے ہیں "سابعهم قائمهم سمی صاحب التوراة"[1] یعنی ساتواں امام خروج کرے گا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم نام ہوگا۔[2]

ان کو ممطورہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرقہ قطعیہ سے مناظرہ کیا، قطعیہ کے رئیس یونس بن عبدالرحمن نے ان سے کہا کہ تم ہمارے نزدیک بھیگے ہوئے کتوں سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ یہ فقرہ ان پر ایسا چسپاں ہوا کہ اس کے بعد یہ ان کا لقب ہی بن گیا جو آج تک باقی ہے۔

29۔ **فرقہ رجعیہ:**

اس فرقہ کے لوگ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی موت کے تو قائل ہیں مگر دوبارہ ظہور کے منتظر ہیں، مذکورہ بالا یہ تینوں فرقے واقفیہ بھی کہلاتے ہیں کیونکہ یہ تینوں امامت کو جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ پر ختم مانتے ہیں۔[3]

30۔ **فرقہ احمدیہ:**

یہ جناب موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے لڑکے احمد بن موسیٰ کو امام مانتے ہیں۔[4]

31۔ **فرقہ امامیہ:**

یہ گویا اس فرقہ کے اصل اصول ہیں، لفظ امامیہ جب بغیر کسی قید کے بولا جائے تو یہی فرقہ مراد ہوتا ہے، یہ اثنا عشریہ ہیں ان کے نزدیک مسلسل امامت اس طرح ہے: پہلے علی موسیٰ الرضا رحمہ اللہ[5] ان کے بعد ان

1۔ الملل والنحل للشهرستاني، 1/ 168، ط: دار المعرفة بيروت.

2۔ مقالات الإسلاميين: ص 29؛ اعتقادات فرق المسلمين: ص 54؛ الفرق بين الفرق: ص 53؛ الملل والنحل: 1/ 29.

3۔ مذكرة التوحيد، الامامية، 1/ 134، وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد السعودية.

4۔ أحمد بن موسى بن جعفر الصادق، لم يذكره مؤرخو أهل السنة، قال العاملي: كان كريما جليلا ورعا، وكان أبوه يحبه ويقدمه ووهب له ضيعته المعروفة باليسيرة، أعتق ألف مملوك، يقال خرج في عهد المأمون مع بعض أتباعه في شيراز، فقتل وليس له عقب. أعيان الشيعة: 3/ 192؛ دائرة المعارف الشيعية العامة: 2/ 680.

5۔ ثامن الأئمة عند الإمامية، ومن أجلاء أهل البيت، كانت علاقته قوية بالخليفة المأمون، فعهد إليه بالخلافة، لكنه توفي في حياة المأمون سنة 203هـ. وفيات الأعيان: 3/ 269؛ سير أعلام النبلاء: 9/ 387.

کے بیٹے محمد تقی جو الجواد[1] کے لقب سے مشہور ہیں ان کے بعد اس کے بیٹے علی نقی[2] معروف بہادی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری[3] ان کے بعد ان کے بیٹے محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ[4] ان کو یہ قائم منتظر بھی مانتے ہیں اور ان کے خروج کے منتظر ہیں پھر ان ہی کے وقت غیبت اور سن وصال میں مختلف الخیال ہو کر یہ چند فرقوں میں بٹ گئے بلکہ بعض بعض ان کی موت اور رجعت کے بھی قائل ہیں ان فرقوں کو شامل کر کے گویا اس کی مجموعی تعداد اتالیس تک پہنچتی ہے۔

32۔ فرقہ جعفریہ:

یہ حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جعفر بن علی رحمۃ اللہ علیہ[5] کی امامت کے قائل ہیں جو ان کے بھائی تھے کہتے ہیں کہ حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، یہ تولد مہدی کے بھی منکر ہیں۔[6]

1۔ تاسع الأئمة عند الإمامية، ولد في المدينة وكفله المأمون بعد وفاة والده ثم زوجه ابنته، ومات في بغداد سنة 220هـ. معجم الأدباء: 6/ 480؛ البداية والنهاية: 10/ 238؛ وفيات الأعيان: 4/ 175.

2۔ عاشر الأئمة عند الإمامية، استقدمه المتوكل فأسكنه في مدينة سر من رأى، والتي تسمى مدينة العسكر لأن المعتصم بناها وجعل فيها العسكر، وفيها مات أبو الحسن العسكري سنة 254هـ. تاريخ بغداد: 12/ 56؛ وفيات الأعيان: 3/ 272.

3۔ الإمام الحادي عشر عند الإمامية، ولد بالمدينة سنة 232هـ وانتقل مع أبيه إلى سامراء (مدينة العسكر) فنسب إليها، توفي سنة 260هـ. وفيات الأعيان: 2/ 49؛ شذرات الذهب: 2/ 141.

4۔ الإمام المنتظر عند الإمامية ويعتقدون أنه حي لم يمت منذ سنة 260هـ رغم أن المؤرخين أثبتوا أن الحسن العسكري مات من غير عقب. وفيات الأعيان: 4/ 17 سير أعلام النبلاء

5۔ أبو عبد الله جعفر بن علي الهادي بن محمد الجواد، يلقبه الشيعة الإمامية ب (الكذاب) لأنه أخذ ميراث أخيه الحسن بن علي العسكري وأنكر أن يكون له ولد عندما مات بلا عقب، وأهل مكة أدرى بشعابها. ورغم أنهم يعترفون بأنه شريف النسب اتهموه بالفسق والفجور وشرب الخمر كما روى المجلسي في مرآة العقول: 1/ 422، ويروون الأحاديث عن النبي - صلى الله عليه وسلم - بكذب دعواه كما في كمال الدين: ص185، توفي سنة 271هـ. عمدة الطالب: ص 199؛ دائرة المعارف الشيعية: 7/ 196.

6۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص 55 و التبصير في الدين: ص 77. اور آج کل اثنا عشری بھی خود کو جعفری کہلواتے ہیں۔

اسی بیان کے ذیل میں یہاں چند فائدے لائق تحریر ہیں ناظرین انہیں بغور ملاحظہ فرمائیں!

پہلا فائدہ: اصل شیعہ کون ہیں؟

شیعہ کے لقب سے سب سے پہلے وہ انصار و مہاجرین ملقب ہوئے جو ہر پہلو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی متابعت اور پیروی میں سرگرم رہے اور خلافت کے وقت آپ کے رفیق صحبت رہے، آپ کے مخالفین سے لڑتے رہے، آپ کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرتے رہے، دراصل مخلصین شیعہ یہی حضرات تھے، یہ لقب پہلے 37ھ میں روشناس ہوا، اس کے تین سال بعد فرقہ تفضیلیہ وجود میں آیا۔

ابوالاسود دُوَلی[1] جو علم نحو کا موجد اور امام مانا جاتا ہے اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا، اور آپ ہی سے حکم اور تعلیم کے مطابق علم نحو کے مدون اور تالیف کرنے میں مشغول ہوا، ابوسعید یحییٰ بن یعمر عدوانی جو تابعی تھے اسی فرقہ میں سے تھے اور عبد اللہ بن سوید عدوی سے میل ملاقات رکھتے تھے، یہ قرأت، تفسیر، نحو اور لغات عرب کا بڑا عالم اور ماہر تھا، اس کا شمار بصرہ کے قراء میں ہوتا ہے اور نحو میں ابوالاسود مذکور کا شاگرد تھا۔

قاضی شمس الدین احمد بن خلکان وفیات الاعیان میں بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن یعمر شیعان اولی کے اس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو اہل بیت کی تفضیل کے قائل تھے،[2] بغیر اس بات کے کہ دیگر صاحبان فضل حضرات کی برائی میں ملوث ہوا یہ حضرات بھی اسی فرقہ سے متعلق تھے:

1۔ سالم بن ابی حفصہ، جو امام محمد باقر اور امام جعفر رحمہ اللہ سے حدیث کا راوی ہے۔

2۔ عبد الرزاق صاحب مصنف جو اہلسنت کے معروف و مشہور محدث ہیں۔

1۔ أبو الأسود ظالم بن عمرو بن سفيان بن جندل بن يعمر بن حلس بن نفاثة ابن عدي بن الديل بن بكر الديلي، ويقال: الدؤلي—وهو أول من وضع النحو-(وفيات الاعيان لابن خلكان، 2/ 535، ط: دار صادر بيروت)

2۔ أبو سليمان، وقيل أبو سعيد، يحيى بن يعمر العدواني الوشقي النحوي البصري؛ كان تابعياً، لقي عبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس، رضي الله عنهم، ولقي غيرهما-- وكان شيعياً من الشيعة الأولى القائلين بتفضيل أهل البيت من غير تنقيص لذي فضل من غيرهم.(وفيات الاعيان لابن خلكان، 6/ 173، ط: دار صادر بيروت)

3۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق، جو اصلاح المنطق کے مصنف ہیں، ان کو ہی ابن سکیت کہتے ہیں۔

اس کے بعد تبرائی شیعوں کا فرقہ وجود میں آیا یہ بدبخت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم پر نہ صرف لعن وطعن کرتے تھے بلکہ گالیاں بھی دیتے تھے۔"(1) یہ بیان شدہ ترتیب مذاہب کے اعتبار سے ہے، ورنہ یہ سب فرقے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں عبد اللہ بن سبا کے ورغلانے اور بہکانے سے وجود میں آچکے تھے، باقی کے معروف فرقوں کی سنین پیدائش حسب ذیل ہیں:

کیسانیہ 64ھ میں مختاریہ 66ھ میں ہشامیہ 109ھ میں زیدیہ 112ھ ہیں جوالیقیہ اور شیطانیہ 113ھ میں زرائیہ، مفوضیہ، بدائیہ، ناؤسیہ اور عمائیہ 145ھ میں، اسماعیلیہ 155ھ میں (اسماعیلیہ میں سے) مبارکیہ 159ھ میں (اور امامیہ میں سے) واقفیہ 183ھ میں حسنیہ 195ھ میں، اثنا عشری امامیہ 255ھ میں (اسماعیلیہ میں سے) مہدویہ 299ھ میں۔

اس فرقہ کے لوگ محمد بن عبد اللہ بن عبید اللہ کے جن کا لقب ان کے خیال میں مہدی تھا، کی امامت کے قائل ہیں، یہ مہدی خود کو اسماعیل بن جعفر کی اولاد میں شمار کرتا تھا اور امامت کا مدعی تھا، سنہ مذکور میں اطراف مغرب میں اس نے خروج کیا اور 300ھ میں افریقہ پر اقتدار حاصل کر لیا، یہ اپنا نسب یوں بیان کرتا تھا، محمد بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن قاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر، علماء نسب اس نسب کے بیان میں اسے دروغ گو قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ اسمعیل بن جعفر اپنے والد سے پہلے فوت ہو چکے تھے اور انہوں نے سوائے محمد کے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی، اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ یہ محمد اپنے دادا کے ساتھ بغداد گئے اور وہیں لاولد فوت ہوئے، شیعوں میں بھی سب کو اس نسب نامہ کی صحت سے انکار ہے۔

تو پھر اس کا حقیقی نسب کیا تھا؟ اس میں علماء انساب کا اختلاف ہے، مغرب کے علماء انساب کہتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن سالم بصری کی اولاد میں سے ہے، اور اس کا باپ بصرہ میں نان بائی تھا، اور عراق کے علماء انساب کا

1۔ هم الذين يتبراؤن من اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ويسبونهم وينتقصونهم ويكفرون الائمة الا اربعة: علي وعمار والمقداد وسلمان وليست الرافضة من الاسلام في شئ۔ (السنة للامام احمد، ص:82 تصحيح الشيخ اسماعيل الانصاري)

کہتا ہے کہ وہ بمطابق بیان بالا عبد اللہ بن میمون اقداح اہوازی کی نسل سے ہے۔[1]

بہر حال مہدویہ کا عقیدہ یہ تھا کہ محمد بن عبد اللہ مذکور مہدی موعود ہے اس کے ثبوت میں حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "علی رأس ثلاثمائة تطلع الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا"[2] تیسری صدی کے اختتام پر سورج اپنے غروب ہونے کی سمت سے طلوع ہو گا، اور سورج سے مراد مہدی اور مغرب سے مراد ملک مغرب ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث اور مراد ی معنی دونوں ہی ان کے من گھڑت ہیں۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسماعیلیوں کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ شرع کے احکام کا انکار کیا جائے اور نظم دین کو درہم برہم کیا جائے، چنانچہ اس فرقہ مہدویہ کے ایک بادشاہ نے جو امام بھی تھا، مصر میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ مجلس میں جب اس کا نام آئے تو لوگ سجدہ میں گر گر جائیں، وہ خدا سے ہم کلامی کا بھی دعویدار تھا اور علم غیب کا مدعی بھی! اگر اس کی بد اعمالیاں اور بد فعلیاں دیکھنی ہوں تو کتب تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مہدویہ کفر و الحاد کو دل میں چھپا کر بظاہر پرہیز گاری، کثرت طاعت اور نفاذ احکام شرع میں بڑے سرگرم دکھائی دیتے اور زور دیتے تھے، تاکہ لوگوں کو اپنی طرف زیادہ سے زیادہ مائل رکھ کر فوجیوں کے لئے نفری حاصل کرتے ہیں، یہی طرز عمل حمیریہ کا بھی تھا۔

---

1 ۔ أما عند ابن خلكان فاسمه أبو محمد عبيد الله الملقب بالمهدي، قال الذهبي: أول من قام من الخلفاء الخوارج العبيدية الباطنية الذين قلبوا الإسلام وأعلنوا بالرفض وأبطنوا مذهب الإسماعيلية وبثوا الدعاة يستغوون الجبلية والجهلة، وقد مهد له أبو عبد الله الشيعي وهو من دعاة الباطنية الطريق في إفريقية، وخلصه من أسر القبائل، ويذكر ابن خلكان أن المهدي هذا قد قتل في الأسر في سجلماسة، فخاف أبو عبد الله الشيعي أن ينتقض عليه ما دبره إن علمت العساكر بقتل المهدي، فأخرج رجلا كان يخدمه وقال: هذا هو المهدي». ومهما يكن فلا صلة له بلبيت العلوي، لكنه بويع للخلافة بالمغرب سنة 296هـ ولما استتب له الأمر قتل أبا عبد الله الشيعي وقتل أخاه بتهمة المؤامرة، ثم بنى مدينة المهدية بإفريقية وفرغ منها سنة 308هـ وبقي في الحكم خمسا وعشرين عاما، ومات سنة 322هـ وفيات الأعيان: 3/ 117؛ سير أعلام النبلاء: 15/ 141.

2 ۔ شرح الاخبار فی فضائل الائمة الاطهار، 3/ 418، مؤسسة النشر الاسلامی۔

کفر و الحاد کا بر ملا اظہار قرامطہ کی ایجاد ہے، میرا قرامطی مقتدر عباسی کے خلاف مصروف پیکار ہوئے، بعض شہروں اور دیہات پر قبضہ کر لیا حج کے دنوں میں مکہ معظمہ پہنچے اور تین ہزار حاجیوں کو بیدردی سے شہید کیا، یہ واقعہ 319ھ میں پیش آیا اس گروہ کا سردار ابو سعید جنابی قرمطی تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا بھی باپ کے قدم بقدم چلا، بلکہ دو قدم آگے ہی رہا، اس نے بھی بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کی تمرد و سرکشی کا یہ عالم کہ گھوڑے پر سوار مسجد الحرام میں گیا شراب کا پیالہ ہاتھ میں تھا وہاں شراب پیتا رہا اور حاجی اس کے سامنے اس کے حکم سے قتل کیے جاتے رہے،(1) گستاخی اور پاجی پن کی انتہا کر دی کہ گھوڑے کو شتکار اور عین مسجد الحرام میں پیشاب کرایا، فوجیوں کو حکم دے کر حجر اسود اکھڑوایا، پہلے تو اسے کوفہ کے گھوڑوں پر لدوایا پھر اٹھوا کر اپنے قبضہ میں کر لیا، چنانچہ حجر اسود اس ملعون کے قبضہ میں رہا، عباسی خلیفہ مطیع امر اللہ ابو القاسم فضل بن المقتدر نے تیس ہزار اشرفیوں کے عوض اس سے خریدا، خریداری کے سودے کے وقت یہی ابو طاہر بن ابو سعید حجر اسود لے کر کوفہ کی مسجد میں آیا اور ایک ستون پر اس کو لٹکا دیا، شہر کے سربر آوردہ لوگوں کو جمع کیا اور ان کی موجودگی میں اسے خلیفہ کے وکیل کے حوالہ کیا، اس مجلس میں محدث ابن حکیم بھی موجود تھے، انہوں نے ایک حدیث بیان کی جس میں حجر اسود کی بعض علامات مذکور ہیں:

"یحشر هذا الحجر یوم القیامة وله عینان یبصر بهما ولسان یتکلم به یشهد لمن استلمه بحق وانه حجر یطفو علی الماء ولا یحترق بالنار "(2)

(قیامت کے دن حجر اسود کے آنکھیں بھی ہوں گی جن سے وہ دیکھتا بھی ہو گا، اس کے زبان بھی ہو گی جس سے وہ بولتا ہو گا، جس شخص نے اس کا استلام کیا ہو گا اس سے متعلق گواہی دے گا، یہ

1۔ تفاقم أمرهم حتى استحلوا المسجد الحرام سنة 317ھ فسفكوا دم الحجيج وسط المسجد حول الكعبة، وكسروا الحجر الأسود واقتلعوه من مكانه وأخذوه إلى البحرين، وبقي عندهم إلى سنة 339ھ قال ابن كثير: وكل ذلك من ضعف الخليفة وتلاعب الترك بمنصب الخلافة واستيلائهم على البلاد وتشتت الأمر. (البداية والنهاية: 11/ 72، ط: داراحياء التراث العربي بيروت)

2۔ هامش كتاب المنتزع المختار من الغيث المدرار المفتح لكمائم الأزهار في فقه الأئمة الأطهار، 2/ 108۔

وہ پتھر ہے جو پانی پر تیر تا ہے اور آگ اُسے جلا نہیں سکتی)

ابو طاہر نے اس کے یہ اوصاف سے تو طنز و مذاق سے ہنسنے لگا، امتحان کے لئے آگ منگائی حجر اسود کو اس میں ڈالا مگر وہ نہ جلا، پھر پانی منگوا کر اس میں ڈالا تو وہ پانی پر تیر تا رہا، وہ بڑا حیران ہوا اور بے ساختہ کہنے لگا، آج مجھ پر اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اس کی بیخ کنی میں کامیاب نہیں ہو سکتا، مگر ہٹ دھرمی دیکھئے کہ اس صریح اعتراف کے بعد بھی اپنے مذہب و عقیدہ سے دست کش نہیں ہوا اسی سے چمٹا رہا۔

مہدویہ میں کا فرقہ حمیریہ جس کو المومنیہ بھی کہتے ہیں، اور جس کا بیان اوپر آچکا ہے 483ھ میں ظاہر ہوا اور ان کا فرقہ مستعلیہ بھی فتنہ تاتار شروع ہونے کے بعد وجود میں آیا۔

دوسرا فائدہ: مذکورہ شیعہ فرقوں کی ترویج

جب شیعہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے، تو ہر فرقہ کا داعی مذہب، شہر شہر، ملک ملک پھیل گئے، تا کہ ملکی اور سیاسی اور ریاستی تسلط و غلبہ حاصل کرنے کے لئے اپنے متبعین کی تعداد بڑھائیں، اس سلسلہ میں ان کا باہم ربط قائم رہتا اور وہ اپنی اس جدوجہد میں صلاح مشورہ بھی کرتے رہتے، اپنے مذہب اور فرقہ کی ترویج اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی جتنی کوشش اور سعی شیعی فرقوں نے کی کسی اور فرقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس کا اصل راز یہ ہے کہ ان کے مذہب کی بنیاد بعض خاص اشخاص کی امامت پر منحصر ہوتی تھی، اور امامت چونکہ ریاست کا ایک شعبہ ہے بلکہ اعلیٰ قسم کی ریاست ہے اس لئے ان کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ اپنے امام کے حالات کا زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈا کریں اور لوگوں کو ترغیب دے کر ان کا معتقد بنائیں تا کہ امامت ریاست و اقتدار کی شکل اختیار کرلے، بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ ان کا اصل مذہب ریاست سے کوئی خاص شغف نہیں رکھتا۔

شیعوں کے جن فرقوں کی تقدیر نے یاوری کی ان کو اقتدار و جاہ و ثروت حاصل ہو گئی اور بعض ناکامیوں کا داغ دل پر لئے رخصت ہوئے، پھر جن کو جاہ و ثروت حاصل ہوئی تو بعض کے ہاں دو تین پشت تک اس کا سلسلہ چلا اور بعض دوسروں کے ہاں چار دن کی چاندنی ثابت ہوئی، اس لئے ان میں ہر فرقہ کا زمانہ وجود مختلف رہا، اہل تاریخ کے بیان کے مطابق بغداد میں ناؤسیہ فرقہ کی 500ھ کے دوران بہت کثرت تھی، شیعوں کے دوسرے فرقے اکثر مصر، شام، عراقین، آذربائیجان، فارس اور خراسان میں پھیلے ہوئے تھے، جب تاتاری فتنہ نمودار ہوا تو یہ اپنے

شہر چھوڑ کر دور و دراز اطراف وجوانب میں جا پڑے اور وہاں کے شہریوں کے لئے مصیبت اور وبال جان وایمان بن گئے، لوگ ان کے بہکائے میں آ کر راہ راست سے بھٹک کر گمراہی میں جا پڑے، مگر فتنہ تاتار نے کسی کو نہ بخشا، ان کے اکثر فرقے بے نام ونشان اور نیست ونابود ہو گئے، سوائے چند غلاۃ اور باطنیہ کے، البتہ زیدیہ، امامیہ اثناعشریہ اور مہدویہ کی خاصی تعداد بچ گئی۔

غلاۃ میں سب سے بڑا فرقہ سبائیہ کا ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں، اردبیل اور آذربائیجان کے کچھ شہروں میں یہ برائے نام موجود ہیں، ان کی عبادت صرف یہ ہے کہ سال بھر میں تین روزے رکھ لیے جائیں، کہا جاتا ہے کہ ترکی کے شہر بغراء میں بھی کچھ موجود ہیں، ان کا سردار کہتا ہے کہ وہ بھی بن زید بن علی بن حسین کی نسل سے ہے، عجب بات یہ ہے کہ اس شہر کے سارے باشندے قدرتی طور پر بے داڑھی کے ہوتے ہیں، البتہ سردار لمبی داڑھی والا ہوتا ہے، زابلستان کے دیہات میں بھی ان کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

غلاۃ کے دوسرے فرقوں میں سے مفضلیہ اور نصیریہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان میں مفضلیہ کا زمانہ وجود کافی دراز ہوا اور وہ اب تک بلاد گنجہ میں موجود ہیں، اور نصیریہ بھی کہ ان کا زمانہ وجود بھی کافی دراز ہے اور وہ اب تک کوہستان، خراسان میں اور کہیں کہیں خراسان کے شہروں میں بھی موجود ہیں، ان میں سے بعض محمد شاہ (غالباً رنگیلا) بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہندوستان بھی آئے تھے اور امیر خانی کے گھر اترے تھے، چند معتبرین سے ان کی ملاقات بھی ہوئی، دوران ملاقات انہوں نے بتایا کہ کوہستان خراسان میں ابجیان نام کا ایک گاؤں ہے وہاں کے باشندے سب کے سب غلاۃ اور نصیریہ ہیں، اس گاؤں میں ان کا ایک امام ہے جو خود کو علوی کہتا ہے، خراسان کے ہر ایک شہر میں اپنا ایک نائب اور ایک واقعہ نویس بھیجتا ہے۔

ان کی اصطلاح میں امام کو الٰہ، نائب کو رسول اور واقعہ نویس کو جبرئیل کہتے ہیں، ان کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں، کسی عبادت سے واقف نہیں سوائے اس کے کہ اپنے امام کو خمس ادا کرتے ہیں، ابجیان کے قرب وجوار کے دیہات میں بھی اسی مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ (یہ نصیری اور غلاۃ علوی اب پندرھویں صدی ہجری میں بھی عراق وشام میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ حکومت واقتدار پر بھی آج کل ان کا قبضہ ہے۔ از مترجم نعمانی)

ان کے لغو عقیدوں میں سے چند یہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی زمین کی رہائش سے اکتا جاتا

ہے تو وہ ابر کو حکم دیتا ہے تو وہ سیڑھی کی طرح تو قائم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر چڑھتا ہے اور آسمان پر پہنچ کر وہاں کی سیر کرتا ہے اور پھر زمین پر اتر آتا ہے، وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرستادہ ہیں، یہ قیامت کے منکر ہیں، اور اجسام وابدان میں تناسخ ارواح کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ روحیں ہمیشہ ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، ان کے نزدیک جنت اس انسان کے بدن کا نام ہے جو صاحب ثروت ونعمت ہو اور دوزخ اس انسان کے بدن کا نام ہے جو صاحب فقر ومسکنت ہو (یعنی بھوکا ننگا)

اور زیدیہ بلاد عرب میں پھیلے ہوئے تھے، یہاں تک بعض شرفاء حسینیہ جو زیدی مذہب رکھتے تھے بلاد یمن پر مسلط ہوگئے، انہوں نے زیدیوں کو یمن میں بلا کر اکٹھا کر لیا اور اب تک یہ وہیں جمع ہیں، یمین کا نصف علاقہ جو بلند اور کوہستانی علاقہ ہے اور نجد یمن کہلاتا ہے زیدیہ مذہب کے لوگوں سے آباد ہے اور دوسرے نصف یعنی نشیبی اور ساحلی علاقے میں شافعی المذہب لوگ سکونت پذیر ہیں۔

اور اسماعیلیہ فرقہ میں سے باطنیہ بعض بلاد خراسان، کوہستان، بدخشان دریائے شور کے ساحلوں اور گجرات ہند میں موجود ہیں جن کو اہل خراسان کی اصطلاح میں میمن کہتے ہیں، چیچک میمنان جہاں سے عمدہ اور اچھے گھوڑے برآمد کئے جاتے ہیں میمنوں سے آباد و معمور اور بھرا پڑا ہے، اسمعیلیہ فرقہ کی شاخ مہدویہ کی رسی بہت دراز ہوئی، اور ان کی طاقت وقوت باہم عروج تک پہنچی، چنانچہ محمد بن عبد اللہ کے حالات میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

یہ شخص جس نے اپنا لقب مہدی رکھا 296ھ میں بلاد مغرب میں اٹھا اور مقتدر عباسی کے امراء سے برسر پیکار ہوا جو ان اطراف کے صوبہ دار تھے، بالآخر ان پر قابو پا کر افریقہ پر قابض ہوا اور اپنا اقتدار اور قبضہ جما لیا، مصر و مغرب بھی مدت تک اس کی اولاد کے زیر نگین رہے، رفتہ رفتہ یمن والے بھی ان کے مذہب کے حلقہ بگوش ہوئے، ان کی سلطنت واقتدار کا دروازہ ابتداء تا انتہا دو سو ساٹھ برس ایک رفتار سے چلا تا آنکہ حسن صباح حمیری[1]

1۔الحسن بن الصبّاح بن علي الإسماعيلي، من دعاة الباطنية، اتصل سنة 479ھ بالمستنصر العبيدي، وعرض عليه الدعوة لهم في خراسان، فأمده بالمال، واستولى على قلعة ألموت من نواحي قزوين سنة 483ھ. قال الذهبي: كان من كبار الزنادقة ومن دهاة العالم ، مات سنة 518ھ والفرقة التي أنشأها امتداد للإسماعيلية، وتعرف أيضا بالنزارية. الكامل في التاريخ: 8/ 220.

نے 483ھ میں سر اٹھایا اور ان پر تسلط حاصل کر کے حصن الموت[1] کو اپنا مستقر بنایا، اور حصن الموت سے باہر ایک صومعہ بنا کر ریاضات شاقہ میں مشغول ہو گیا، مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کے تقویٰ و پرہیز گاری کو دیکھ کر دھو کہ کھا جائیں اور اس کے دام تزویر میں پھنس جائیں اور اس کا یہ مکر کامیاب رہا اور قزوین، طبریہ اور کوہستان کے لوگ جوق در جوق اس کی عقیدت کا پھندا گلے میں ڈال کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

اس کے بعد اس نے مذہب نزاریہ کو ظاہر کیا، اور اہلسنت کی جان کا لاگو ہو گیا، اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی مکر، کوئی حیلہ باقی نہیں چھوڑا، اس کا سب سے بڑا مکر یہ تھا کہ اپنے متبعین میں سے فتنہ پرداز اور اندھے مقلد فدائیوں کو چھانٹ چھانٹ کر اسلامی شہروں میں بھیجتا اور ان کو ہدایت کرتا کہ اہلسنت کے علماء، امراء اور حکام کو جس طرح اور جب بھی موقعہ ملے قتل کر دیں، چنانچہ کچھ فدائی طالب علم بن کر بعض علماء کے شاگرد بن کر رہے، جلوت و خلوت میں خدمت کر کے ان کا اعتماد حاصل کیا اور جب موقعہ ملا ان کو شہید کر کے چلتے بنے، اس حیلہ و فریب سے اہلسنت والجماعت کے بہت سے علماء، امراء، اور صلحاء کی ایک جماعت کو قتل کرایا، جب قوت واقتدار میں کافی اضافہ کر لیا تو اب امراء و حکام اور بادشاہوں کے ساتھ بر سر پیکار ہو گیا، اور ان کو شکست دی۔

یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ حسن صباح کا وقت آخر قریب آیا تو اس نے ابن کیا کو اپنا نائب بنا کر اپنا مشن جاری رکھنے کی تاکید کی، ابن کیّا نے مرتے وقت اپنے بیٹے محمد کو اور اس نے اپنے بیٹے حسن کو جو اپنا نسب ہادی بن نزار سے ملاتا تھا اپنا نائب بنایا، یہ حسن کفر و الحاد کا گویا مجسمہ تھا اس کے اسلاف نے جن باتوں کو چھپا رکھا تھا یہ ان کو بر ملا ظاہر کرتا تھا، اس کے نائبوں اور پیروکاروں کی بادشاہت ایک سو اکہتر برس تک چلی بالآخر تا تاریوں نے ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالا، گویا قدرت نے ان کا قلع قمع کرنے کو ہی تا تاری پیدا کئے تھے، فرقہ مستعلیہ کی بادشاہت پانچ سو ساٹھ برس رہی مگر اب ان چند لوگوں کے سوا جن کا کچھ پتہ یمن کے انتہائی اطراف میں یا دریائے سندھ کے کنارے ملتا ہے کوئی باقی نہیں بچا۔ واللہ اعلم

واضح رہے کہ ہندوستان میں ایک اور جماعت ہے جنہوں نے اپنا نام مہدویہ رکھا ہوا ہے جن کا خیال ہے

1۔ یہ قزوین کے شمال مغرب میں جبال برز پر ایک قلعہ تھا جسے حسن بن صباح نے امام کی رہائش گاہ بنایا۔

کہ حضرت مہدی آئے بھی اور چلے بھی گئے، یہ لوگ بلاد دکن اور راجپوتانہ میں کافی تعداد میں ہیں، مگر ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق اسماعیلیہ مہدویہ سے نہیں ہے یہ ایک جدا اور مستقل جماعت ہے اس کا مسئلہ امامت سے کوئی تعلق نہیں، یہ اہلسنت سے فروعی مسائل مثلاً دعا میں ہاتھ اٹھانے یا تقسیم میراث میں کچھ اختلاف رکھتے ہیں، یہ سید محمد جونپوری کے پیروکار ہیں جو اپنے آپ کو مہدی موعود سمجھتے تھے، چنانچہ اسی خیال کے رد میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے صحیح احادیث پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں مہدی موعود کی علامات باتفصیل بیان کی ہیں۔[1]

اب رہے اثنا عشریہ تو یہ ابتداء عراق کے گردونواح میں متفرق جماعتوں کی شکل میں پھیلے ہوئے تھے، یہ لوگ اکثر خود کو اہلسنت میں شمار کرتے اور تقیہ واخفاء سے کام لے کر دور دور رہتے تھے، یہاں تک کہ بلاد عراق میں آل بویا دیالمہ بر سر اقتدار آئے ان کا پہلا بادشاہ عماد الدولہ تھا جس نے اپنے علاقہ کے بادشاہ کو زیر کر کے اس سے حکومت چھین لی، پھر مقتدر عباسی کی خلافت کے زمانہ میں اطراف وجوانب کے بادشاہوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑ کر فتح حاصل کی۔

در حقیقت اس کا باپ اور بھائی باعتبار پیشہ شکاری تھے، جو پرندوں اور مچھلیوں کا شکار کر کے ان کو فروخت کر کے گذر بسر کرتے تھے اسی حال میں انہوں نے دیلم کے کوہستان سے عراق عجم کا سفر کیا، وہاں کسی شہر میں ٹھہرے ذراڈھنگ کا لباس پہن کر ایک امیر سے ملاقات کو گئے، وہ ان کی جسمانی وجاہت اور مچھے دار باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کو بادشاہ کے پاس لے گیا وہاں ان کو لشکریوں میں بھرتی کر لیا گیا، یہ اپنی کارگذاریوں اور تملق وچرب زبانی کے باعث بلند سے بلند عہدوں پر فائز ہوتے رہے تا آنکہ امامت عظمی تک جا پہنچے، جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو عماد الدولہ جو عقل وتدبیر سے اہل خانہ میں اپنا اپنا اعتماد جما چکا تھا تخت شاہی پر متمکن ہو گیا، یہ 321ھ کا ہے ان کا دور حکومت ایک سو تائیس تک درانہ ہوا اور اس دوران ان کی حکومت

1۔ وقد ظهر في البلاد الهندية جماعة تسمى المهدوية، ولهم رياضات عملية، وكشوفات سفلية، وجهالات ظاهرية، من جملتها أنهم يعتقدون أن المهدي الموعود هو شيخهم الذي ظهر، ومات ودفن في بعض بلاد خراسان، وليس يظهر غيره مهدي في الوجود، ومن ضلالتهم أنهم يعتقدون أن من لم يكن على هذه العقيدة فهو كافر. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ، باب اشراط الساعة ، 8/ 3443، ط: دارالفكر بيروت لبنان)

بلاد فارس، عراق عجم اور دیلم میں مضبوط و مستحکم ہو گئی۔

ان کا پورا خاندان غلاۃ اثنا عشری تھا اس لئے سارے کے سارے اثنا عشریہ ادھر اُدھر سے سمٹ کر ان کے شہروں میں اکٹھے ہو گئے، اور آذربائیجان، خراسان، جرجان، مازندراں، جیلان اور جبال دیلم تک جو ان کی قلمرو کی آخری حد تھی اسی مذہب کا زور ہو گیا، اس مذہب میں کثرت سے اہل علم پیدا ہوئے، جنہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن اس غلبہ اور قوت کے باوجود تقیہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، یہاں تک کہ ان کا وزیر اعظم صاحب عباد خود کو معتزلی بتاتا تھا حالانکہ در پردہ بڑا سخت اور کٹر رافضی تھا۔

جب دیالمہ (دیلم والوں) کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہوا اور سلطنت جاتی رہی تو اکثر اثنا عشریوں نے تقیہ سے کام لیا اور معتزلیوں اور اہلسنت سے شیر و شکر ہو گئے تا آنکہ فتنہ تاتار کا ہنگامہ برپا ہوا جس نے سب خشک و تر کو جلا کر خاک کر ڈالا، اس وقت کے عباسی خلیفہ کا نام وزیر علقمی تھا جو غداری کر کے درپردہ تاتاریوں سے ساز باز رکھتا تھا، اول اول تو اس نے بہت زور بھرا مگر بالآخر تباہی و بربادی کی ذلت سے دوچار ہوا، پھر جب اسلام میں کچھ ضعف ہوا اور اہل سنت کا ڈر دلوں سے نکلا تو پھر اس فرقہ نے پر پرزے سے نکالے اور خاصی قوت پکڑ گئے، اور ان شہروں میں پھر اپنے مذہب کی اشاعت شروع کر دی۔

جب 694ھ میں سلطان غازان بن ارغوان بن ابغا بن ہلاکو بن تولی بن چنگیز خاں مسلمان ہوا اور اس کے ساتھ ہزاروں لشکری اور اس کے پیروکار بھی مسلمان ہو گئے اس نے اپنا نام محمود رکھا اور طریق اہلسنت کے موافق نہایت سلامت روی کے ساتھ ساتھ حکومت کی اور زندگی گزاری، اس کے بعد اس کا بھائی الجائیو خدابندہ بادشاہ بنا یہ فن تعمیر کا دلدادہ، کھیل تماشوں اور لہو و لعب کا شوقین تھا اتفاقاً ایک اثنا عشری رافضی جس کا نام تاج الدین تھا اس سے آٹکرایا، اس نے بادشاہ کو اپنے مذہب کی ترغیب دی، بادشاہ اس سے متاثر ہوا اور اس کے بہکائے میں آکر اپنا مذہب ترک کر کے شیعہ ہو گیا، اس بات سے شہ پا کر تاج الدین نے زور شور سے اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی، اپنے مذہب کے علماء خصوصاً ابن مطہر حلی[1] کو دربار شاہی میں کھینچ لایا، بادشاہ کے

1۔ حسن بن یوسف بن مطہر حلی، علامہ حلی کے نام سے مشہور، آٹھویں صدی ہجری کے شیعہ فقیہ اور متکلم ہیں، انہوں نے علم اصول فقہ، فقہ، تفسیر، منطق، علم کلام اور رجال میں 120 سے زیادہ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے اکثر اس وقت بھی شیعہ حوزات علمیہ میں تدریس اور تحقیق کا

سامنے تعریف توصیف کر کر کے ابن مطہر کی قدر و منزلت بادشاہ کے دل میں اتاری اور رفتہ رفتہ سلطان کو یہ باور کرادیا کہ سب اسلامی فرقوں میں نجات یافتہ فرقہ بس اثنا عشری ہی ہے، کھلنڈرا سلطان جو نومسلم ہی تھا حقیقت دین سے ناواقف اور تاریخ اسلامی سے نابلد اس لئے تاج الدین کا جادو اس پر اچھی طرح چل گیا، اور سلطان کو مع اہل خانہ و تبعین اپنے مذہب میں گھسیٹ لایا۔

ابن مطہر کی کتابیں مثلاً نہج الحق، منہج الکرامہ وغیرہ خصوصی طور پر سلطان اور اس کے امراء و تبعین کے لئے لکھی گئیں، غرض اس زمانہ میں مذہب اثنا عشریہ کا غلغلہ خوب بلند ہوا، ابن مطہر نے الفین شرح تجرید، استبصار، نہایہ، خلاصہ اور مبادی در اصول جیسی کتابیں اس فرقہ کے لئے لکھیں۔

710ھ میں سلطان کا بیٹا تخت نشین ہوا تو علماء اہلسنت کے سمجھانے بجھانے سے مذہب رفض سے توبہ کرلی، اور اس عقیدہ بد سے بیزاری کا اظہار کر کے تمام رافضیوں کو اپنی قلمرو سے نکال دیا اور حلی کا بوریا بستر بھی گول ہوگیا، غرض ان کے تمام علماء اور داعی ادھر اُدھر روپوش ہوگئے، تاآنکہ تراکمہ نے جو دراصل اثنا عشری تھے، دیار بکر اور اس کے گردونواح میں قوت حاصل کر کے اپنی سلطنت قائم کرلی، تو بکھرے ہوئے آوارہ گرد، علماء اور فریب کار پھر ایک جگہ جمع ہوگئے اور تقریباً پچاس برس تراکمہ کے زیر سایہ سب وشتم کا غوغہ مچاتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے رہے، جب تراکمہ کی حکومت کمزور پڑی تو اس مذہب کا زور ٹوٹا، مگر جب 910ھ میں سلاطین حیدریہ جو اپنے آپ کو صفوی کہتے تھے اور جن کی تراکمہ سے قرابت داری اور سمدھیانے کی رشتہ داری تھی تراکمہ کی سلطنت پر قابض ہوگئے اور عراق عجم، کرمان، مازندران، آذربائیجان، خراسان اور

اصلی منبع شمار کی جاتی ہیں، جمعہ 29 رمضان سنہ 648ھ میں عراق کے شہر حلہ میں پیدا ہوئے، 21 محرم سنہ 726 ہجری میں 78 سال کی عمر میں "حلہ" میں وفات پائی، فقہ شیعہ کی گسترش اور توسیع میں ان کا بڑا کردار رہا ہے، نیز انہوں نے شیعہ مذہب کے کلامی اور اعتقادی مبانی کو عقلی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کی کتاب باب حادی عشر اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی تجرید الاعتقاد کی شرح میں لکھی جانے والی کتاب کشف المراد شیعہ اعتقادات کے اصلی متون میں شامل ہیں، نہج الحق وکشف الصدق، خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال، الجوہر النضید، تذکرۃ الفقہاء، قواعد الاحکام اور مختلف الشیعہ وغیرہ ان کی دیگر معروف تصانیف ہیں۔ (بحار الانوار، ج1، ص204، 107 تاریخ حبیب السیر، 3/ 197، و مجالس المؤمنین، 3/ 360) علامہ حلی پہلی شخصیت ہیں جنہیں آیت اللہ کا لقب دیا گیا۔ قطب الدین رازی، فخر المحققین، ابن معیہ اور محمد بن علی جرجانی ان کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ ایران اور سلطان محمد خدابندہ کے دربار میں ان کی موجودگی اس ملک میں شیعہ مذہب کے رواج پیدا کرنے کا سبب بنی۔

تبریز بغیر کسی مقابلہ و مجادلہ کے ان کے زیر اقتدار آگئے تو ایک بار پھر ان کو یکجا ہونے کا موقعہ ہاتھ آیا اور اس فرقہ کے علماء بڑے شد و مد سے پھر جمع ہو کر اپنے شیطانی کام میں جٹ گئے، اس دفعہ ایک نئے فتنہ کی داغ بیل ڈالی کسی خوشامدی عالم نے بادشاہ کو نائب صاحب الزمان قرار دے کر سجدہ کی رسم جاری کرائی اس کی چاپلوسی جب کامیاب ہوئی اور مصاحبت شاہی کا اعزاز مل گیا تو بادشاہ کے کان بھرے کہ وہ لوگوں کو سجدہ پر مجبور کرے اور سرتابی کرنے والے کو حوالہ تیغ کردے، جمعہ و جماعت کی ادائیگی سے مسلمانوں کو جبراً روکے، تحویل قبلہ بجانب یسارا کرے، خطیبوں کے لئے فرمان جاری کرے کہ منبروں پر ہی نہیں گلی کوچوں میں بھی جلیل القدر صحابہ کرام، امہات المؤمنین، حضرت صدیقہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم پر علی الاعلان گالی گلوچ کریں، مجوزے تبریٰ[1] اور لعن طعن کے وجوب پر کتابیں شائع کیں، وہ جو کہتا بادشاہ دل و جان سے اس کو مانتا، علماء اہلسنت کی ایک جماعت اس کے ہاتھوں قتل ہوئی، مساجد ویران و برباد ہوئیں، صالحین امت میں سے عین القضاۃ ہمدانی، قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی میتوں کی بے حرمتی کی حتیٰ کہ ان کی قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر نذر آتش کی گئیں، البتہ بہت سے اور بزرگ علماء و صلحاء مثلاً شیخ الاسلام احمد جامی، شیخ ابوالحسن خرقانی، ابویزید بسطامی، شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری اور تمام مشائخ ہرات رحمۃ اللہ علیہم جو وفات پا چکے تھے حمایت ایزدی سے اس فتنہ اور بے حرمتی سے محفوظ رہے۔

اس پر فتن دور میں اہلسنت کی جائے پناہ بلاد ماوراء النہر تھے، جو شخص بھی ان کے جور و ستم سے بچ نکلتا وہ کسی نہ کسی صورت سرزمین توران پہنچتا اور ان کی بربریت و ظلم و شقاوت کی مجسم تصویر وہاں کے حکمرانوں کو دکھاتا، بہت سے اہل دین اور علماء کرام کی طرح ہرات کے ملازادے بھی ان کے مظالم سے نہ بچ سکے، جب وہ

1۔ تبرا کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں: شیعان آل رسولؐ تبرا کو تولی کے ہمراہ جس کا مفہوم تولی کے مفہوم کے متضاد ہے کو فروع دین کا جزء اور واجب سمجھتے ہیں اور تبرا سے ان کی مراد اہل بیت رسولؐ کے دشمنوں سے دشمنی اور ان سے اظہار برأت و بیزاری ہے۔

"پوری تاریخ اسلام میں تبرئیوں کا سرچشمہ یا تو کلامی اور اعتقادی مباحث بجملہ مسئلۂ امامت اور رسول خدا کا جانشین کا مسئلہ تھا یہ پھر سیاسی مقاصد و تنازعات اور کبھی تو افراد کے ذاتی محرکات اس کے موجبات فراہم کرتے رہے ہیں، دریں اثناء تبرا کو تولی کے ساتھ مل کر اصولی طور پر مذہب شیعہ میں خاص منزلت اور معنی و مفہوم حاصل ہے اور یہ دونوں اس مذہب کے پیروکاروں کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں۔ (شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید، ج 4، ص 54، 56۔ 58 و سرمایۃ الایمان، لعبدالرزاق بن علی لاھیجی ص 154۔155)

ظلم و ستم سہ کر اور بے انتہا دکھ جھیل کر توران پہنچے تو خاقان اعظم عبید اللہ خاں کے پاس گئے اور اس کو مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے غیرت دلائی، چنانچہ اس نے اس کا اثر لیا اور خراسان پر چڑھائی کر کے نہ صرف مظلوموں کا پورا پورا بدلہ لیا بلکہ ظالموں کا اقتدار بھی خاک میں ملا کر خراسان سے بے دخل کر کے خود اس پر قبضہ کر لیا۔

عبید اللہ خان کے انتقال کے بعد صفویوں نے گو خراسان پر دوبارہ قبضہ کر لیا، مگر ملوک بخارا و بلخ نے انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا، ازبک اور ترک ہر سال پے بہ پے ان سے برسرپیکار رہتے، دوسری طرف ملوک و امراء خوارزم ان سے برابر جہاد کرتے رہتے اور قتل وغارت اور ان کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے، اُدھر قیصر روم تبریز اور اردبیل کی طرف سے ان کے سر پر سوار رہتا، غرض دو سال بد نظمی اور اختلال کے ساتھ گزار کر بالآخر افاغنہ کے قدموں تلے روندے گئے اور ذلت و خواری سے دوچار ہوئے، ان افغانوں نے بادشاہ وقت کو اصفہان میں نرغے میں لے لیا بالآخر حصار کی بندشوں اور بھوک کی تکلیف سے تنگ آکر انہوں نے اطاعت قبول کر لی، افغانوں کا سردار شہر میں فاتحانہ داخل ہوا بادشاہ اور اس کے گھر والوں کو گرفتار کر کے مملکت پر قابض و متصرف ہو گیا۔

یہی وقت تھا کہ اس مذہب کے لوگ ان شہروں سے بھاگ بھاگ کر ہند و سندھ میں پناہ گیر ہوئے اور اچھا خاصہ جتھہ جمع ہو گیا، وہ یہاں کے امراء، تجار اور ملوک کے سامنے ہر ممکن طریقہ اور حربے سے اپنا اعتبار جما لینے میں کامیاب ہو گئے اور پھر یہاں بھی انہوں نے اپنی فطرت کے جوہر دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، رفتہ رفتہ یہاں بھی ان کا مذہب پھیل گیا، اور بالآخر ہندوستان کی وزارت، امارت اور صوبہ داریاں قبضانے میں کامیاب ہو گئے، اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں انہوں نے عراق و خراسان کی طرح اثر و رسوخ قائم کر لیا۔

تیسرا فائدہ: دعاۃ مذہب شیعہ

شیعی فرقوں میں سے ہر فرقہ میں داعیان مذہب ہوتے تھے جن کو دعاۃ کہتے تھے یہ صرف اپنے اپنے فرقہ کے مذہب کی طرف بلاتے تھے ان کی دعوت کے چار طریقے تھے۔ 1۔ علم، 2۔ مال، 3۔ زبان، 4۔ تلوار

1۔ علم سے وہ اس طرح کام لیتے کہ شبہات کو شہرت دیتے اور ان پر ایسی موزوں اور جچی تلی گفتگو کرتے کہ ہر

خاص و عام کے دل میں اتر جائے اور ہر شخص کی قابلیت، عادت اور مذاق کے مطابق ہم کلامی کرتے، احادیث سے دلائل توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کی تائید و تعریف میں اور دوسرے کے مذہب کی مذمت میں استعمال کرتے۔

2۔ مال سے کام لینے کا طریقہ مثلاً اس مذہب کو قبول کرنے والوں کو ہدیے، تحفے اور انعامات دینا، ان کی بہت تعظیم کرنا اور ان کو انعام و اکرام سے نوازنا، اپنے ہم مذہبوں کو ملازمتوں اور عہدوں کے ذریعہ فائدہ پہنچانا، غیر مذہب والوں کو ملازمتوں سے نکالنا اور ان کو حقیر و ذلیل رکھنا، مقدمات میں ہم مذہبوں کے ساتھ رعایت اور جانبداری کا سلوک کرنا، غیر مذہب والوں کو ملزم و قصوروار ٹھہرانا۔

3۔ زبان سے دعوت کا کام لینے کی صورت، قبولیت مذہب پر اچھے وعدہ کرنا، جو ان کے مذہب کی طرف مائل ہو تو محبت و شفقت آمیز گفتگو کرنا، اور جو ان کے مذہب کا مخالف ہو تو اس سے تیوری چڑھا کر بات کرنا اور سختی و درشتی سے ہم کلام ہونا۔

4۔ اور تلوار سے یوں کام لیتے ہیں کہ مخالف مذہب کو قتل کر دیتے، لوگوں کو مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتے، مخالف مذہب کے امراء و حکام سے جنگ کرتے تاکہ ان کی شوکت کم ہو۔

جو داعی دعوت دینے کے لئے چاروں طریقے استعمال کرے وہ مکمل داعی کہلاتا، مگر ایسا داعی نادر الوجود ہوتا ہے، بعض داعی دو طریقے اور بعض تین طریقے استعمال کرتے، پھر دعوت کے اسباب بھی کئی ہیں۔

دعوت مذہب کے اسباب

پہلا سبب: اہل مذہب کو گمراہ کرنا، ان کی جمعیت میں پھوٹ ڈالنا اور افتراق پیدا کرنا تاکہ اپنے ہم مذہب ان کی برائیوں سے امن و حفاظت میں رہیں، چنانچہ عبد اللہ بن سبا اور اس کے بھائی بندوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

دوسرا سبب: لشکر کی تعداد بڑھانا تاکہ ان کی کثرت کے سہارے اپنے پروگرام پورے کر سکیں جیسا کہ کیسانیوں نے کیا۔

تیسرا سبب: حکومت و اقتدار اور جاہ و مرتبہ کی محبت اور ملک و مال کا حصول جیسا کہ مختار کا حال تھا کہ اس نے مذہب کو زینہ اقتدار و حکومت بنایا، اور اس کے ذریعہ جاہ و مرتبہ اور مال و دولت اکٹھا کیا۔

اس فرقہ میں ائمہ و امامیہ کے درمیان بہت سے لوگ سفیر و وکیل کا کام انجام دیتے تھے خصوصا صاحب

الزمان کی غیر موجودگی میں دور عباسیہ میں تو اکثر ائمہ سر من رائے اور بغداد میں نظر بند ہوتے تھے عوام سے ان کا براہ راست رابطہ نہیں تھا بلکہ یہی سفیر اور وکلاء سرگرم رہتے تھے اور ائمہ کی طرف سے بناوٹی خطوط اور جعلی دستاویزات پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں ائمہ کی صداقت بٹھاتے تھے، صرف اس لئے کہ تمام شیعہ ان داعیوں یا وکلاء اور سفراء کو اپنا پیشوا تسلیم کریں وہ خمس مال کے حقدار ٹھہریں، امہات اولاد اور باکرہ و کنواری لڑکیاں ان کے لئے حلال قرار دی جائیں، وہ پر تکلف دعوتیں اڑا سکیں، انہیں نذرانے پیش کئے جا سکیں، یہ لوگ جو وکلاء اور سفراء کہلاتے تھے مندرجہ بالا فوائد حاصل کرنے کے لئے ائمہ کی طرف سے سراسر جھوٹی روایتیں پیش کیا کرتے تھے، فروعات شیعی میں اکثر خرابی کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔

چوتھا سبب: صاحبان دولت و ثروت کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے رہنا تاکہ وہ ان کے مذہب کا دلدادہ اور اہل مذہب کا بنا رہے۔

پانچواں سبب: دعوت مذہب کے کام میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار رہنا مگر اس فرقہ نے اس سبب کو کبھی مقصد دعوت نہیں بنایا۔

چھٹا سبب: ہم مذہب دوستوں، عزیزوں کے ساتھ مذہبی اتحاد باقی رکھنا، تاکہ باہم روابط استوار رہیں، اور گھر ہی میں نہ پھوٹ پڑ جائے۔

ساتواں سبب: بنی نوع انسان کو عذاب دوزخ سے نجات دلانا، بعض سادہ لوح احمق لوگوں نے اس غرض سے بھی تبلیغ کی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اصفہان میں کسی مشہدی خواجہ نے اپنے گھر میں ایک عجیب باغ لگایا تھا موسم بہار میں اذن عام دیتا کہ ہر خاص و عام آ کر باغ کی خوش منظری سے لطف اٹھائے اور اس کے پھولوں پھلوں سے بہرہ ور ہو اب اگر اس مجمع میں کوئی اہلسنت بھی آ جاتا تو خواجہ ہائے ہائے کر کے چلاتا اور روتا تھا لوگ سبب پوچھتے تو کہتا کہ مجھے بنی نوع انسانی کے ان لوگوں پر رحم آتا اور صدمہ ہوتا ہے کہ یہ بیچارے دوزخ میں جلیں گے۔

آٹھواں سبب: اہلسنت کے درمیان بغض و عناد اور دشمنی کا ایسا بیج بونا کہ ایک گھر والے بھی آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں اور ایک دوسرے کی کاٹ میں لگ جائیں تاکہ ان کا روزگار تباہ اور زندگی تلخ ہو جائے۔

گذشتہ تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر فرقہ کا پہلا واقعی ہی اس فرقہ کا بانی یا موجد ہوا ہے، ان میں

سب سے پہلا داعی عبد اللہ بن سبا تھا، اس کی مذہبی دعوت کا سبب بھی یہی تھا کہ کسی طرح اسلام میں رخنہ اندازی کی جائے اور مسلمانوں میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالی جائے، چنانچہ تاریخ طبری کے ترجمہ میں جس کا مترجم بھی شیعہ ہی ہے اس کی دعوت کا تفصیلی واقعہ درج کیا گیا ہے وہ کہتا ہے کہ:

35ھ کے آغاز میں مذہب رجعت رونما ہوا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فتنوں کا ہجوم ہوا، اس مذہب رجعت کا بانی یہ عبد اللہ بن سبا ہی ہے یہ یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا قدیم کتب کا مطالعہ کئے ہوئے تھا، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں، اس اسلام لانے کا مطلب جو یہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا یہ تھا کہ جب میں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گا تو یہ میری ناز برداری کریں گے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُسے منہ نہ لگایا تو یہ ناراض ہو گیا اب یہ جہاں بیٹھتا آپ کی برائی کرتا جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے اسے شہر بدر کرادیا، وہاں سے یہ مصر پہنچا، پڑھا لکھا، عقلمند وچالاک اور عیار وچرب زبان تھا، چند ہی دنوں میں اس کے پاس اچھا خاصا جمگھٹ ہونے لگا اور جب لوگوں نے اس کی علمی باتیں سنیں تو اس کی قدر کرنے اور اس کی باتوں کی طرف دھیان دینے لگے، جب اسے اطمینان ہو گیا کہ لوگ میری باتوں پر توجہ دیتے اور ان سے متاثر ہوتے ہیں تو ان کے سامنے اپنا یہ نظریہ رکھا کہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل ہیں، اس قسم کا عقیدہ اگر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رکھیں تو زیادہ حق بجانب ہوں گے کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں خود فرمایا ہے کہ "إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ"[1] بے شک وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن نازل کیا تجھے لوٹنے کی جگہ پر دوبارہ لوٹائے گا، کچھ لوگوں نے اس نظریہ کو بڑا پسند کیا اور جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس بات کو ہضم کر گئے اور اس پر جم گئے ہیں تو ایک اور شوشہ چھوڑا اور کہنے لگا کہ اس زمین پر اللہ تعالی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آچکے ہیں اور ہر نبی کا ایک وزیر ہوتا رہا ہے تو ہمارے پیغمبر کا وزیر کیوں نہ ہو؟ ہمارے پیغمبر کے وزیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور انہیں کو جانشینی اور خلافت کا حق تھا مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے ظلم وستم سے یہ حق لے لیا، حضرت عمر

1۔ سورة القصص ،الآية: 85

رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا اہل شوریٰ سب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق الرائے تھے، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دھوکہ دے کر بیعت کرا دی، ادھر خود عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اس ناحق بات کے لئے آمادہ ہو گئے لوگوں نے اس کی یہ بات بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لی، اور اس کے خیال کی تائید کرنے اور اس کی بات ماننے لگے، جب اس نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں لوگوں نے کھلے دل سے قبول کر لی ہیں، تو کہنے لگا کہ دیکھو جس طرح نماز روزہ فرض ہے اسی طرح ہر مسلمان پر امر بالمعروف بھی فرض ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "كُنتُمْ خَيْرَ أمة أخرجت لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ باالله "[1](لوگوں میں تمہیں بہتر امت بنا کر اس لئے اُٹھایا گیا ہے کہ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) اب ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں اتنا کر سکتے ہیں کہ ان کا حکم مانیں اور نہ ان کے کارندوں کا، اور یوں ان کے مظالم سے اپنے کو محفوظ بنالیں۔

غرض ان باتوں سے عبد اللہ بن سبا کی یہ تھی کہ لوگوں کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے احکام کی خلاف ورزی پر ہمت و حوصلہ دلائے، اور انہیں جری و بے باک بنادے، مریض دلوں کے لئے یہ مذہب نسخہ شفا تھا لوگوں کو یہ مذہب بہت اچھا لگا اور رجعت کے قائل ہو گئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو علی الاعلان تو نہیں مگر دل میں کافر کہتے تھے، آخر ابن سبا کا یہ گروہ اس بات پر متفق ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا جائے اور ان کی جگہ کسی دوسرے کو خلیفہ بنایا جائے، ابن سبا نے سب سے وعدہ لیا کہ سب کے سب فلاں دن مدینہ میں جمع ہو جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی اطلاع مل گئی کہ شہروں میں لوگ جمع ہو کر یہ فیصلے کر رہے ہیں کہ ان کو معزول کر دیا جائے، وغیرہ وغیرہ

خلاصہ کلام یہ کہ اس پورے ہنگامہ اور خلفشار میں ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کا یہ کام رہا کہ جب بھی معاملہ کو روباصلاح دیکھیں تو ہر طریقہ سے اُسے ناکام بنائیں اور معاملات کی اصلاح نہ ہونے دیں، بالآخر فتنہ کی یہ

1۔ سورة ال عمران ،الاية: 110

آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی، اور مصر کے غنڈوں اوباشوں نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اس کی دلی مراد پوری کر دی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ہو چکی تو اسے پھر اندیشوں نے گھیر لیا کہ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں میں سکون لوٹ آئے اور جہاد کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے، تو اب اس نے شیعان علی میں شمولیت اور شرکت کا فیصلہ کیا، کیونکہ باہر رہنے کی نسبت اندر رہتے ہوئے حالات پر قابو رکھنا آسان ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جو اپنے اور پرائے جمع ہو گئے تھے، ان میں سے اپنے مطلب کے آدمی چھانٹ کر شیطانی وظیفہ انجام دینے میں خوب موقع ملا، اہل بیت کی نئے سرے سے بنیاد ڈالی اس کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے کام کو کیسان اور مختار ثقفی نے انجام دیا کیونکہ اس کے بعد یہی دونوں اس فرقہ کے داعی تھے۔ (1)

شیعہ مذہب کا طریق دعوت

اب ان کا بھی طریق دعوت ملاحظہ فرمائیے: شام و عراق کے شقی لوگوں نے جب جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اگرچہ قاتلان حسین میں شیعان کوفہ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں تو کیسان نے جس کا حال ماقبل میں بیان ہوا، یہ دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد دراصل محمد بن الحنفیہ امام ہیں نہ کہ حسنین رضی اللہ عنہما کیونکہ یہ دونوں حضرات اہل شام سے نرمی کا سلوک فرماتے اور زمانہ سازی سے کام لیتے تھے، مختار ثقفی بھی کیسان کے پیروکاروں میں شامل تھا اور یہی اس کا مذہب تھا، جب مختار ثقفی کے ہاتھ میں کوفہ اور گردونواح کی زمام ولایت واقتدار آگئی تو اس نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، مگر کوفہ کے شیعوں کی دلداری کی خاطر اپنے اور اپنے مرشد کیسان کے عقیدہ میں ترمیم کر کے جناب حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت کو بھی تسلیم کر لیا اور محمد بن الحنفیہ کو ان کے بعد کا درجہ دیا۔

(گویا تھوک کر چاٹ لیا، اس لئے کہ حسنین رضی اللہ عنہما کی امامت سے یہ اسی لئے منکر تھا کہ وہ حضرات سیاست یا زمانہ سازی سے کام لیتے تھے، اور اب جو اس نے کوفہ کی شیعی اکثریت کی خاطر اپنے عقیدہ کی ترمیم کی تو وہ سیاست یا زمانہ سازی نہیں تو اور کیا تھا۔ از مترجم نعمانی)

1۔ تاریخ الرسل والملوک المعروف بالتاریخ الطبری، ذكر مسير من سار إلى ذي خشب من أهل مصر وسبب مسير من سار إلى ذي المروة من أهل العراق، 4/ 340، 341، دار التراث بيروت)

مختار نے خفیہ طور پر کام کرنا شروع کر دیا تب شیعوں نے ان کی جماعت اختیار کر لی جب ابن زبیر کو اس کا علم ہوا تو ... حسین کے قاتلوں سے انتقام اور بدلہ لینے کے لیے جب محمد بن حنفیہ ... قرار دیا ... اپنے اس مختار کے تحت ... شیعہ ... اور ... اس کے سامنے لے کر گئے اور ... کا خط ... یہ تھا:

"محمد بن حنفیہ کی طرف سے شیعان کوفہ اور ان کے رؤساء کے نام، فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں ... مختار بن ابی عبید کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، پس ان کے حکم کی اطاعت کرو اور ان کی ... دشمنوں سے جہاد کریں اپنے ... اور ... دشمنوں سے لڑنے اور مختار کی اطاعت پر ... کریں۔"

... مختار کی ... اطاعت کو قبول کیا ... سے ... مختار ... کوفہ ... اور ... عراق ... مختار ...

جب عبد الملک بن مروان ... عبید اللہ بن زیاد کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ ... عراق ... شیعوں کی ... مختار ... شیعوں نے ... مختار کے ... اور ... شیعہ ...

... (۸۲۱،۸۲۰)

کر اس کے پاس آنے لگے اور اس کا مذہب اختیار کرنے لگے، مختار کی حکومت تقریباً دس سال تک رہی اور جب دشمنوں کی طرف سے اسے خاطر خواہ اطمینان و تسلی ہو گئی تو وہ اپنے اصلی جامہ میں ظاہر ہو گیا اور دین میں تحریف اور ایجادات میں مشغول ہوا۔

پہلے پہل اس نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرسی کو تابوت السکینہ کا نام دے کر بتوں کی طرح اس کی پوجا کرائی، حالانکہ تاریخی حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امیر المومنین کی کرسی ہر گز نہیں تھی بلکہ طفیل بن جعدہ کسی روغن فروش کی دکان سے اٹھالایا تھا، اس کے بعد وہ بلند بانگ دعووں پر اتر آیا مثلاً کہتا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور مجھے غیب کا علم حاصل ہے،[1] اس قسم کی باتیں بطور عقیدہ اپنے تک نہیں رکھتا تھا بلکہ لوگوں کے سامنے علی الاعلان کہتا تھا اس کی انہیں ہفوات کی بناء پر کوفہ کے شیعوں کی اکثریت اس سے متنفر ہو گئی اور آپس میں بحث و مناظرہ کا دروازہ کھل گیا، بالآخر یہ تمام واقعات حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار ہوئے اور لوگوں نے اس کا مداوا کرنے کی درخواست کی، آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے داماد اور جناب سکینہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے،[2] مختار کی سرکوبی اور اس کے پھیلائے ہوئے فتنہ کے دفعیہ کے لئے نامزد فرمایا تاکہ کوفہ کے شیعہ ان کو مختار کے مقابلہ میں ریاست و سیادت کا زیادہ حقدار سمجھ کر مختار سے کنارہ کش ہو جائیں۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ پہلے بصرہ گئے اور اپنے برتاؤ اور طرز عمل سے ان کو اپنا گرویدہ بنایا، ادھر کوفہ کے شیعوں سے مراسلائی رابطہ قائم کر کے مختار سے برگشتہ اور اپنے ساتھ وابستہ کیا اور ابراہیم بن اشتر کو جو مختار کا دست و بازو اور شمیر براں تھا موصل و دیار بکر کی سرداری کا لالچ دے کہ اپنے ساتھ ملا لیا اور جب ہر طرف سے مختار کو تنہا کر دیا تو اس پر حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا، اور اس کی جمعیت کو پراگندہ و منتشر کر کے اس فتنہ کو پامال کیا، مختار کے زمانہ میں کلیدی اور بڑے بڑے عہدے مختاریوں اور کیسانیوں کے پاس تھے، ان عہدوں پر

1۔ الاعلام للزركلي، مخ، مختار الثقفي، 7/ 192 ط:دار العلم للملايين۔

2۔ مصعب بن الزبير زوج سكينة بنت الحسين أميرا من قبله على العراق إلى أن قتله المختار بن أبي عبيد -(الإنباء في تاريخ الخلفاء، لابن العمراني، ذكر من بويع له بالخلافة فى ايامهم، 1/ 55، ط: دارالآفاق العربية القاهرة)

اہلسنت کو فائز و سرفرانہ کیا، کیسانیوں کی اکثریت نے اپنے مذہب سے توبہ کی اور جو بچ رہے وہ ادھر ادھر روپوش ہو گئے، ان بچے ہوئے کیسانیوں میں تعیین امام میں اختلاف پیدا ہوا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

آخر ان بچے کچھے کیسانیوں کے سرداروں میں سے ہشام احول، ہشام بن سالم اور شیطان الطاق فرقہ امامیہ کے داعی بن کر اٹھے، اور خود کو امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد سے رشتہ عقیدت مندی کے ذریعہ وابستہ کیا اور محمد بن الحنفیہ اور ان کی اولاد پر تبرّیٰ بھیجنے لگے۔

تفضیلیوں کا ایک گروہ اور مختاریوں کے باقی ماندہ میں سے کچھ لوگ بھی ان کے مذہب میں شامل ہو گئے اور اسی وقت انہیں لوگوں کے ذریعہ مذہب امامیہ وجود میں آیا اور یہی لوگ اس مذہب کے داعی ہیں اور امامیہ کے اسلاف اور پیشوا اور راویان اخبار ہیں اور اس مذہب کے پیروؤں نے دین و ایمان، عقیدہ و عمل جو کچھ لیا انہیں مذکور الصدر تین داعیوں سے لیا ان کے نزدیک ان کا قول و فعل قابل تقلید اور لائق اعتماد و پیروی ہے، یہ کیسے لوگ تھے اور ان کے کیا کرتوت تھے ان کا بیان اس کتاب میں عنقریب مذکور ہو گا تو معلوم ہو گا کہ مجسمہ مصرحہ (کھلا بھید) ہیں جو اپنے معبود موہوم کو اپنے ذہن میں ترتیب دے کر اور تراش کر اور ہزاروں برائیوں سے اس کا دامن آلودہ کرتے ہیں، اور وہ ائمہ کرام علیہم السلام جن سے یہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں وہ خود ان سے ان کے لغو عقائد سے ہمیشہ بیزار و متنفر رہے ان پر لعنت بھیجتے رہے، اور ان کو بدبخت اور گمراہ ٹھہراتے رہے۔[1]

ان ہی دنوں میں ایک اور فرقہ زیدیہ پیدا ہوا، اور اس کے داعی اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے، اس فرقہ کا مقصد پیدائش یہ تھا کہ حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم مروانیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، شیعان مخلصین تفضیلیہ اور کوفہ والوں کو اپنی طرف دعوت دی، چنانچہ بہت بڑی جماعت نے ان کی دعوت پر لبیک کہی، جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو مبنی بر حقیقت اور درست سمجھتے تھے اور

1۔ حدثنا محمد بن احمد عن محمد بن عیسیٰ عن علی بن الحکم عن بعض رجالہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال دخلت علیہ فقال متی عھدک بزرارۃ قال قلت ما رأیتہ منذ ایام قال لا تبال وان مرض فلا تعدہ وان مات فلا تشھد جنازتہ قال قلت زرارۃ متعجباً مما قال قال نعم زرارۃ شر من الیھود والنصاریٰ ومن قال ان مع اللہ ثالث .(اختیار معرفۃ الرجال المعروف رجال کشی ص120 ،تحت ترجمۃ زرارۃ بن الاعین، ط، مکتبۃ الاعلمی للمطبوعات)

اہل کوفہ کو آپ کی متابعت کی ترغیب دلاتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس لوگوں کی قابل واپسی امانتیں نہ ہوتیں یا مجھے اپنے پس ماندگان کے متعلق یہ اطمینان ہوتا کہ ہر ایک امانت کو اس کے مالک تک پوری دیانت داری سے سپرد کرنے کی ان میں اہمیت ہے تو میں جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ دشمنوں سے جہاد کرتا۔[1]

(اسی کے ساتھ یہ بات بھی عین ممکن ہے کہ اپنی فراست مومنانہ سے کوفہ کے شیعوں کے متعلق یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ اپنی تاریخ غدر دہرائے بغیر نہیں رہیں گے اور جو یہ ایک مرتبہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے کر چکے ہیں وہی کچھ جناب زید سے بھی کریں گے چنانچہ انہوں نے عملی شرکت کے بجائے ترغیب و تائید کا راستہ اختیار کیا ان شیعوں نے امام زید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو کچھ کیا اب اس کا قصہ پڑھئے۔ از مترجم)

القصہ جب جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ مروانیوں سے ہوا تو کوفہ کے تیس ہزار شیعہ عین عالم جنگ میں امام موصوف کو چھوڑ کر اپنے اپنے بلوں میں جا گھسے، بات یہ تھی یہ لوگ تمام قابل احترام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں اور تبرئی بازیاں کرتے تھے جس کو جناب زید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو سختی سے پر ڈانٹ پھٹکار بھی کرتے تھے، (یہ لوگ بدبخت نہ ہوتے اور ان کو امام کا یہ طرز عمل اچھا نہیں لگتا تھا تو جنگ کے نازک لمحے کے پیش آنے سے پہلے امام کا ساتھ چھوڑ کر چلے جاتے تو ان کا وہ عذر قابل قبول بھی ہوتا اور جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کا موقعہ مل جاتا، مگر عزت و ذلت دینے والے رب کریم نے ان کو ذلت کے قعر عظیم میں دائمی طور پر گرانا ہی تھا اس لئے وہی سرزد ہوا جو ان کی فطرت تھی۔ از مترجم نعمانی) چونکہ اس جنگ میں ان کو موت نظر آگئی تھی اس لئے جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی جانوں کا صدقہ بنا کر دشمنوں کے حوالہ کر کے خود بھاگ گئے اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ جناب زید رحمۃ اللہ علیہ ہم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرئی سے منع کرتے ہیں تو یہ ہمارے مذہب و عقیدہ کے نہیں ہیں اس لئے ہم ان کے جھنڈے کے نیچے کیسے لڑ سکتے ہیں، بہر حال جناب زید رحمۃ اللہ علیہ شہادت کی سعادت و عزت سے سرفراز ہوئے، اور ان کے بچے کھچے لوگوں

1۔ وقضيته في أمر زيد بن علي مشهورة وفي حمله المال إليه وفتياه الناس سرا في وجوب نصرته والقتال معه. (احكام القرآن للجصاص، 1/ 87، ط: دار احياء التراث العربي بيروت)

نے اپنے آپ کو امام زادہ سے وابستہ کر لیا اور ایک نئے فرقہ کی تشکیل ہو گئی، ان لوگوں میں سربر آوردہ داعی یحیٰ بن زید بن علی بن حسین ہیں۔

حسن ابن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی نسل سے ایک شخص یحیٰ بن حسین بن ہاشم حسنی تھا جس کا لقب ہادی تھا، 205ھ میں اس نے خروج کیا، اس نے پہلے بلاد یمن پر اور پھر بلاد حجاز پر اقتدار حاصل کیا، فقہ مذہب زیدیہ میں اس نے ایک کتاب بعنوان احکام اپنی یادگار میں چھوڑی، اس کا بیٹا مرتضیٰ اور دو پوتے، حسین بن احمد بن یحیٰ اور یحیٰ بن احمد بن یحیٰ بھی اس فرقہ کے داعی رہ چکے ہیں، بعض زیدیوں نے اپنے مذہب میں تحریف بھی کر ڈالی، مذہب امامیہ اور اسماعیلیہ سے چند باتیں اپنے مذہب میں شامل کر لیں اور پھر خود ہی اس تحریف شدہ مذہب کے داعی بن بیٹھے، اور صاحب فرقہ کہلائے چنانچہ ابوالجار، سلیمان بن جریر، تبر توفی، حسین بن صالح، نعیم بن الیمان اور یعقوب یہ سب اب زیدیہ فرقے میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

فرقہ امامیہ کے داعی دراصل ہشامین، شیطان الطاق اور اس کے ساتھی ہیں، لوگوں کے بہکانے اور اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے میں جس مرد غریب سے ان لوگوں نے کام لیا حقیقت یہ ہے کہ شیطان بھی ان کے سامنے کان پکڑتا ہے اور دجال بھی اس پر حیران ہے، اسی لئے فرقہ امامیہ کی تعداد دوسرے تمام فرقہ والوں سے بڑھ گئی جب فرقہ امامیہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہوا تو ہر فرقہ کا علیحدہ اپنا داعی بنا، ہر امام کی وفات کے بعد یہ اختلاف اور وسیع ہوتا، بعض تو ان کی وفات تسلیم کر کے ان کے کسی بیٹے کو امام مانتے، بعض کسی دوسرے بیٹے کو اور بعض ان کے بھائی کو امامت کی مسند پر بٹھاتے، اسی طرح ائمہ کے آخری سلسلہ تک اختلاف پیدا ہوتا گیا اور ان کا تفرقہ بڑھتا ہی گیا، درحقیقت یہ اس آیت کریمہ کے صحیح مصداق و محمل ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ[1] (بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے فرقے ہوگئے آپ ان سے بالکل علیحدہ ہیں)

یہاں تک کہ امام عسکری رحمہ اللہ کا زمانہ آیا اور ان کی وفات پر یہ لوگ پھر مختلف الرائے ہوئے بعضوں

1۔ سورۃ الانعام، الآیۃ: 159۔

نے کہا ان کے کوئی بیٹا نہیں لہذا ان کے بھائی جعفر بن علی امام ہیں بعضوں نے کہا انہوں نے ایک لڑکا محمد نامی چھوڑا ہے جو مہدی موعود اور خاتم الائمہ ہیں لیکن دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں البتہ جس بات پر یہ سارے متفق ہوئے وہ ائمہ کی تعداد ہے جو بارہ پر مشتمل ہے اسی لئے ان کو اثنا عشری کہتے ہیں، ائمہ کے خاتمہ کے بعد دعوت کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر ایک داعی مذہب بن بیٹھا پھر دعوت کو سفارت کا نام دے دیا گیا اور ہر ایک سفارت کا مدعی بنا اور کہنے لگا کہ میں امام غائب اور امامیہ کے درمیان سفیر ہوں یہ واقعات 266ھ کے ہیں، ہر سفیر مرتے وقت اپنا ایک خلیفہ بنا جاتا اور سفارت اس کے سپرد کر جاتا سفارت کا یہ سلسلہ 316ھ میں علی بن محمد تک پہنچایا اور وہ خاتم السفراء کہلایا کہتے ہیں علی علی بن محمد کی وفات 328ھ میں ہوئی اس کے بعد پھر کوئی امام غائب کی طرف سے سفارت کا مدعی نہ بنا، گویا امام کو پھر غیبت کبریٰ حاصل ہوگئی۔

ان داعیان مذہب میں سفیروں کی طرح بعض اصحاب کتابت بھی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام کے ساتھ ان کا خط و کتابت کا رابطہ تھا جھوٹے اور جعلی خط شیعوں کے سامنے پیش کر کے کہتے تھے کہ یہ امام کے وہ دستخطی خط ہیں جو انہوں نے ہماری درخواستوں کے جواب میں تحریر فرمائے۔

اور ان میں سے کچھ لوگ وہ علماء ہیں جو مذہبی کتابوں کی تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہو کر علم، فقہ اور کلام کے سرچشمہ بنے اور کچھ وہ راویان اخبار ہیں جو ائمہ یا ان کے اصحاب سے اصول، فروع یا فضائل اعمال کو بواسطہ یا بلا واسطہ روایت کرتے ہیں ان سب کا حال بھی ان شاء اللہ عنقریب رقم ہوگا، اور ان میں سے چند وہ بادشاہ بھی ہیں جو کبھی تلوار کے زور سے اور کبھی انعام و احسان کا لالچ دے کر لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرتے رہے ہیں ان کے حالات بیان کرنے کی ذمہ دار تاریخ ہے۔

ناؤسیہ اور اسماعیلیہ دونوں امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے انکار پر تو متفق ہیں لیکن امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں باہم مخالف! ناؤسیہ کہتے ہیں کہ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ مرے نہیں پوشیدہ ہیں اور پھر چند دن بعد ظاہر ہوں گے ان کا داعی عبد اللہ بن ناؤس ہے، اسمعیلیہ کہتے ہیں کہ امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ مر گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل امام ہیں حالانکہ اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پا کر جنت البقیع، مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

پھر اسماعیل کو ایک گروہ زندہ اور منتظر موعود مانتا ہے، اور اس کا داعی مبارک ہے اور اس کے خلفاء اس کے قدم بقدم چلے ہیں، عام اسماعیلی امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد محمد بن اسمٰعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو امام مانتے ہیں اور ان کے بارے میں امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت نقل کرتے ہیں، ان کا داعی حمدان بن قرمط ہے، چند اور دوسرے لوگ کہتے ہیں اسماعیل نے امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وفات پائی اور امامت ان میں اور ان کی اولا میں جاری رہی اس طرح کہ ہر جانے والا آنے والے کے لئے وصیت کرتا گیا ان کا داعی عبد اللہ بن میمون اقداح اھوازی ہے۔

اب مہدویہ کو لیں جن کا تفصیلی حال بیان ہو چکا ہے، یہ لوگ سلسلہ امامت کو محمد بن عبد اللہ ملقب بمہدی تک کھینچ لے گئے ہیں، ملک مغرب میں انہوں نے اقتدار پایا اور اپنے داعیوں کو مصر و شام اور دوسرے اسلامی شہروں میں پھیلا دیا، ان کے داعی اکثر صاحب شوکت تھے حتیٰ کہ انہوں نے مصر کی زمام حکومت سنبھال لی علماء وقت نے مال و دولت کی حرص میں ان کی صحبت اختیار کی اور ان کے مذہب کی طرف مائل ہوئے، لہٰذا اسی وقت سے ان کے ہاں بھی عالم داعی ہوئے مثلاً نعمان بن محمد بن منصور، علی بن نعمان، محمد بن نعمان، عبد العزیز، محمد بن میسب، مقلد بن میسب عقیلی، ابو الفتوح رجوان اور محمد بن عمار کتابی ملقب بامین الدین، وغیرہ وغیرہ۔

پھر جب مصر و مغرب کی زمام سلطنت مستنصر کے ہاتھ میں آئی تو عامر بن عبد اللہ رواحی کا شمار بڑے داعیان مذہب میں ہونے لگا ادھر علی بن محمد بن علی الصلیحی جن کے والد سنی المذہب، صالح اور مبتدین عالم اور یمن کے قاضی تھے، دولت کے لالچ میں مستنصر سے آملے اور اس کے مذہب کو قبول کر لیا، پھر یہ عامر رواحی کے خلیفہ ہوئے کہتے ہیں کہ عامر سوار ہو کر خود اس قاضی زادے کے پاس جاتا اور بڑی توقیر عزت اور انعام و احسان کا برتاؤ کر کے اسے مسرور و خوش دل کرتا، بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ عامر کے پاس تصویروں کی ایک کتاب تھی جس میں وہ علی صلیحی کی تصویر دیکھ چکا تھا بڑی رازداری اور خفیہ طریقہ سے علی کو بھی وہ تصویر دکھائی اور موجودہ و آئندہ کی خوشخبری سنائی، موت کے وقت اس کو اپنے علم اور کتاب پر خلیفہ بنایا، تصویروں کی یہ کتاب عامر کے بیش بہا ذخیروں میں شمار ہوتی تھی الغرض مہدویہ اور علی صلیحی عامر کے مذہب سے بہت متاثر تھے۔

علی صلیحی نہایت ذکی، فہیم اور زیرک تھا مختصر سی مدت میں، ادبی، کلامی، حکمی اور فقہی علوم میں کمال حاصل کر کے دولت عبیدیہ میں چوٹی کا فقیہ شمار ہوا اور کافی عرصہ تک اس کا یہی حال رہا، یہ بھی کہا جاتا ہے پندرہ

سال تک لوگوں کو حج کراتا رہا وہ حجاج کے قافلے کا امیر الحج بھی ہوتا تھا، ہر خاص و عام اس کی نواز شات اور انعامات واحسانات کا مورد ہوتا تھا، اچانک 428ھ میں ساٹھ آدمیوں کے ساتھ یمن کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جاچڑھا وہاں اپنے ساتھ کے آدمیوں سے پختہ عہد و پیمان لے کر اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں کو مہدوی مذہب کی دعوت دیں گے اور مستنصر عدی کے لئے لوگوں سے بیعت لیں گے وہاں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے پاس اکٹھے ہوگئے اور اس نے اسی پہاڑ پر بہت سنگین اور مضبوط قلعہ کی بنیاد رکھی۔

ظاہر میں تو تہامہ کے رئیس نجاح کے ساتھ اس کے تعلقات بڑے دوستانہ اور خوش گوار تھے مگر در پردہ اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے ساز باز میں لگا ہوا تھا کیونکہ وہ اسے اپنے مقاصد کے حصول میں ایک رکاوٹ سمجھتا تھا، نجاح کو قتل کرنے کے سلسلے میں خفیہ طور پر بذریعہ خط وکتابت اس کا مستنصر سے بھی رابطہ تھا بالآخر اظہار دوستی کے طور پر نجاح کو ایک کنیز تحفہ بھیجی وہ کنیز نہایت حسین ہونے کے ساتھ آداب ملوکانہ سے بھی آراستہ و پیراستہ تھی، آداب مجلس میں ماہر اور انداز گفتگو نشین، خوش گو، خوش محاورہ، ہمہ صفت موصوف تھی رئیس تہامہ نجاح کو یہ کنیز بہت پسند آئی اور دل کو بہت بھائی اور پھر 453ھ میں اسی کنیز نے علی صلیحی کے ایما پر نجاح کو زہر دے کر مار ڈالا، جب یہ کانٹا درمیان سے نکل گیا تو 453ھ میں مستنصر کو لکھا کہ اگر اجازت ہو تو عورت کا کام علی الاعلان شروع کردوں کیونکہ جو رکاوٹ تھی وہ تو راستہ سے ہٹادی گئی مستنصر نے اجازت دے دی چنانچہ اس نے بلاد یمن پر رفتہ رفتہ اپنا تسلط جمانا شروع کیا، بہت سے قلعوں پر قبضہ کرلیا، اور دو سال کی مختصر سی مدت میں حسن تدبیر سے تمام یمن کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا، اور اس کے اثر سے یمن کی اکثریت نے مہدوی مذہب قبول کرلیا، 473ھ میں دو ہزار سواروں کے ساتھ جن میں ایک سو ساٹھ نفر اس کے عزیز و اقارب تھے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا جب بڑام معبد نامی ایک گاؤں میں پہنچا رئیس تہامہ نجاح کا بیٹا سعید اور اس کا بھائی جو شہر زبید میں اس کی گھات لگائے بیٹھے تھے یک بیک اس پر ٹوٹ پڑے فوجیوں کی اکثر یت اپنی ضروریات کے سلسلہ میں ادھر ادھر منتشر تھی اس کے پاس بہت کم آدمی تھے اس لئے ان کے قابو آ گیا سعید نے اسے قتل کردیا اور سر کاٹ کر لے گیا، اس کے علاوہ اس کے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی تہ تیغ کیا اور اس طرح اس فتنہ کی پوری پوری سرکوبی ہوگئی۔

صالح بن زریک ارمنی مہدوی فرقہ کا ایک اور داعی ہے جو بڑے داعیوں میں شمار ہوتا ہے یہ فائز بن ظافر عبیدی کا وزیر تھا اس نے ہزاروں لوگوں کو دولت اور عہدوں کے لالے دے کر شیعی مذہب قبول کرنے پر مجبور ومائل کیا۔

تاریخ یمن کا مصنف فقیہ عمارہ یمنی بھی مہدوی فرقہ کے داعیان مذاہب میں سے تھا۔ یہ خوش کلام مشہور شاعر تھا، اصل میں تو یہ شافعی المذہب تھا مگر دولت کی حرص میں پھنس کر مہدوی مذہب قبول کر کے ان کے مذہب کا داعی بنا، ان تمام حالات کے باوجود آخر عمر تک در پردہ شافعی المذہب ہی رہا، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ فقیہ عمارہ باوجودیکہ در پردہ خود مہدوی مذہب سے بیزار تھا مگر خلفاء، امراء اور وزراء عبیدیہ کا مرہون کرم اور نمک خوار تھا عین اس وقت جب کہ سلطان صلاح الدین ایوبی دولت عبیدیہ کا تختہ الٹ کر مصر کو اپنے زیر اقتدار لایا اور ان کے بچے کچھے لوگوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھا یہ سلطان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اس کوشش میں لگ گیا کہ عبیدی حکومت از سر نو قائم ہو جائے، چنانچہ اس نے اور اس کے ساتھ دولت عبیدیہ کے سات سر بر آوردہ لوگوں نے باہم اتفاق کر کے ساحلی انگریزوں سے سازباز کر لی اور ان سے کہا کہ وہ سامان حرب وضرب جہازوں میں بھر کر لائیں اور عاضد کے بیٹے کو تخت نشین کریں جب سلطان کو اس سازباز اور سازش کا پتہ چلا تو اس نے سارے سرغنوں کو سولی پر چڑھا کر زمین کو ان کے بوجھ سے ہلکا کر دیا اس کے بعد مہدوی فرقہ صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گیا مصر اور اس کے گردونواح میں اس مذہب کا کوئی نام لیوا نہ رہا کیونکہ سلاطین ایوبیہ ان کی بیخ کنی میں لگ گئے، اور ان کا نام ونشان مٹا کر چھوڑا، وہی تھوڑے سے لوگ بچ سکے جو کشتیوں یا جہازوں میں بیٹھ کر ہند کے آخری اطراف یا یمن و جزائر میں نکل گئے، چونکہ قرامطیہ اور نزاریہ کے داعیوں کا حال ہم صفحات ماسبق میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اس لئے اس کے اعادہ کو بے فائدہ سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس باب میں جو کچھ لکھا گیا وہ گو بظاہر قصہ، کہانی یا افسانہ طرازی سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا مگر اس کو بھی بے فائدہ جان کر نظر انداز نہ کرنا چاہیے، بلکہ اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہنا چاہئے کیونکہ اس کے لفظ لفظ میں ایک نقطہ اور اس کے ہر قصہ میں ایک کھلی حکمت ہے آئندہ ابواب میں جن کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

باب دوم

شیعی مکروفریب اور ورغلا کر اپنے مذہب کی طرف لانے کے طریقے

یہ ایک ایسا علم ہے جس کی بنیاد دھوکہ پر استوار ہوئی ہے اور جس کی بے شمار شاخیں ہیں، اس لئے یہ ضروری ہے کہ اول ہم اس فن کے اصول وکلیات بتائیں اور پھر ان کے مکروفریب کی جزئیات پر تفصیل بحث کریں،لہذا یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ومرتب ہے۔

پہلی فصل

ورغلانے اور دھوکہ دینے کے قواعد کلیہ

یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل تشیع کے نزدیک مذہب کی بنیاد کے لئے سات قسم کے آدمی ضروری اور لابدی ہیں:

اول: "**امام**" کہ اس کو پردہ غیب سے بلاواسطہ علم ملتا ہے اور وہ علم حاصل کرنے کے لئے زنجیر کی آخری کڑی ہے۔

دوسرا: "**حجت**" یہ وہ ہے جو مخاطب یا سات کے مذاق کے مطابق اصول خطابت وبرہان کی رعایت کرتے ہوئے امام کے علم کو بیان کرتا ہے۔

تیسرا: "**ذومصہ**" یہ وہ ہے جو علم کو حجت کے ذریعہ چوستا یا کھینچتا ہے کیونکہ عربی لغت میں مَصّ پستان سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔

چوتھا: "**ابواب**" ان کو دوسرے لفظوں میں "دعاۃ" بھی کہتے ہیں ان کے چند مراتب ہیں،سب سے بڑا داعی وہ ہے جو مومنین کا درجہ بڑھائے اور ان کو ترقی کی راہ پر لگا کر امام وحجت کے قریب کردے۔

پانچواں: "**داعی ماذون**" یہ وہ ہے جو لوگوں سے عہد وپیمان لے کر ان کو مذہب میں شامل کرتا ہے اور ان پر علم ومعرفت کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔

چھٹا: "**مکلب**" یہ وہ ہے جو اگرچہ بذات خود بلند مرتبہ کا مالک ہے لیکن وہ دعوت مذہب کا مجازہ نہیں،اس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ دلیل وحجت سے لوگوں کو ہموار کرے،اور ان کو گھیر گھار کر داعی کی صحبت میں کھینچ

لائے اس کو شکاری کتے سے تشبیہ دی ہے جو شکار کو ہانک کر اور ہر طرف سے اس کا راستہ بند کر کے شکاری کے پاس لے آتا ہے، ویسا ہی یہ مکلب ہے کہ آدمی کے مذہب میں شبہات ڈالتا ہے اور اس کے ہر احتمال کا جواب دیتا ہے جب وہ آدمی متحیر ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں حق طلبی کا جذبہ اور حق جوئی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مکلب اس کو داعی ماذون سے پاس لے جاتا ہے اور داعی ماذون اس سے عہد و پیمان لے کر ذومصہ کے حوالے کرتا ہے اگر اس شخص کی استعداد و قابلیت ذومصہ سے بلند تر ہو تو وہ اس کو حجت تک پہنچاتا ہے اور وہ اس کو اسی طرح امام تک بشرطیکہ امام مفقود نہ ہو۔

ساتواں: وہ **"قمیع مومن"** جو کلب اور داعی کی کوشش سے امام کی تصدیق کر دے اور دل میں امام کی متابعت کا عزم بالجزم رکھے۔ (1)

مراتب دعوت

پھر اسی طرح دعوت کے بھی سات مراتب ہیں:

اول مرتبہ: "زرق" یعنی عقل و فراست سے مدعو کے بارے میں صحیح جانچ پرکھ کہ وہ دعوت کے قابل ہے یا نہیں یا اس پر دعوت اثر کرے گی یا نہیں، کیونکہ انہیں کے بقول بنجر زمین میں تخم ریزی نہیں کرنی چاہیے یعنی جو دعوت کی قابلیت نہ رکھتا ہو اسے دعوت نہیں دینی چاہئے، ان کا یہ بھی قول ہے کہ جہاں روشنی ہو وہاں دم میں مارنا چاہیے یعنی جس جگہ اہلسنت کا اصولی، یا متکلم عالم ہو وہاں لب کشائی مناسب نہیں۔

دوسرا مرتبہ: "مدعو کو خود سے مانوس کرنا" اور ہر شخص کے مذاق کے مطابق اس کی دلجوئی کرنا مثلاً اگر ایک شخص زہد و طاعت کی طرف زیادہ مائل اور اس کا دلدادہ ہے تو اس کے سامنے اپنے آپ کو بھی زاہد و متقی ثابت کرنا، ائمہ کرام سے زہد و طاعت کے ثواب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا یا کوئی دوسرا جواہرات و زیورات پر فدا ہے اور ان کا شوقین ہے تو اس کے سامنے عقیق و یاقوت اور فیروزے کی قیمتوں کی روایات بیان کرنا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ

1۔ انظر: الاعلام للزرکلي، 2/ 279، ط: دار العلم للملايين

دینا اسی طرح دیگر تمام امور خصوصاً کھانے، اولاد، عورتوں، باغات یا گھوڑوں یا ان کے علاوہ معاملات میں مخاطب کے طبعی رجحان کے موافق بات کرنا۔

تیسرا مرتبہ: "**تشکیک**" یعنی فریق مخالف کے عقائد واعمال میں شک وشبہ پیدا کرنا مثلاً قصہ فدک بیان کرنا، اور اور اس میں حدیث قرطاس کا بیان چھیڑ دینا اور آنحضرت ﷺ کی تاریخ معین نہ کرنا اور ایسے ہی آپ کے نسک کی تعیین وتشخیص نہ کرنا کہ آیا وہ حج افراد تھا یا قران یا تمتع؟ یا اہلسنت کے مسائل میں فروعی اختلاف کو چھیڑنا مثلاً رفع یدین کرنا نہ کرنا، بسم اللہ بالجہر پڑھنا یا نہ پڑھنا، یا مقطعات قرآنی کا ذکر درمیان میں لانا یا متشابہات کے بارے میں تفاسیری اختلاف کو چھیڑنا موضوع بحث بنانا یا ان جیسی کسی اور بات کی طرف کلام کا رخ بار بار پھیرنا اور اس پر اظہار تعجب کرنا تاکہ سامع کے دل میں تردد اور شک پیدا ہو اور مخاطبان امور کی تحقیق حق کی طرف مائل ہو جائے اور اپنے اہلسنت کے مذہبوں سے مایوس ہو کر دوسرے مذہب کی طرف جھک جائے۔

چوتھا مرتبہ: "**ربط**" یعنی عہد وپیمان کرنا اور ہر شخص سے اس کے اعتقاد کے موافق پختہ قول واقرار کرنا کہ وہ ان بھیدوں کو نمائش نہ کرے اور ان کو منظر عام پر نہ لائے، ان میں بعض ایسے ہیں جو مرتبہ تشکیک کے بعد مرتبہ چہارم میں حوالہ کرتے ہیں ان کی اصطلاح میں حوالہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ جو امور اپنے سے حل نہ ہو سکیں ان کی تشریح کے لئے امام کی طرف رجوع کرنا چاہیے، یہ بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ امام دراصل اسی کام کے لئے ہے کہ علم بلاواسطہ غیب سے حاصل کر کے امت تک پہنچائے اور ایسی پریشانی کے دنوں میں بستہ امور کا حل بیان کر کے اختلافات کی جڑ کاٹے، اگر اہلسنت بھی اپنے علوم کا استفادہ امام سے کرتے تو آج اس زق زق بک بک میں نہ پڑتے اور الٹی سیدھی باتیں نہ کرتے۔

پانچواں مرتبہ: "**تدلیس**" یعنی ان اکابر دین، اکابر علماء اور برگزیدہ اولیاء کے بارے میں جو باجماع امت اس مذہب کے مخالف تھے یہ دعوی کرنا کہ وہ ہمارے ہم مذہب تھے مثلاً انہوں نے یہ کہا کہ حضرت سلمان فارسی ابوذر غفاری، مقداد کندی، اور عمار یاسر رضی اللہ عنہم شیعہ مذہب رکھتے تھے اور ان کے بعض کلمات کو اپنے جھوٹے دعوے پر بطور دلیل پیش کرنا اور کہا کہ حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم حضرت اویس قرنی اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری اور امام غزالی ملقب بحجۃ الاسلام رحمہ اللہ علیہ بھی شیعہ تھے۔

اور کتاب سر العالمین کو جو محض ان بزرگ پر افتراء وبستان ہے اپنے دعویٰ کا شاہد بنانا اور کہنا کہ حکیم سنائی، مولانا روم، شمس تبریز اور خواجہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہم بھی باطن میں شیعہ تھے اور ان ابیات کو جو ان سے منسوب ہیں یا ان کی مثنویات اور دیوانوں سے ملتی ہیں اپنے کلام کا گواہ بنانا۔

یہ ساری دروغ گوئی اس غرض سے کرتے ہیں کہ سامع کا میلان مذہب شیعہ کی طرف زیادہ ہو اور وہ سوچے کہ جس چیز کو ان اکابرین دین نے اختیار کیا اور یہ پوشیدہ رکھا ہے لامحالہ اس میں بھی کوئی بھید اور راز ہے۔

چھٹا مرتبہ: "تاسیس" یعنی اپنے قاعدوں ضابطوں کو سامع کے ذہن میں رفتہ رفتہ جمانا اور ان کے اصول مبادیات کو جو بمنزلہ بنیاد کے ہیں ایسے طریقہ پر ان کے ذہن نشین کرنا کہ جب نتیجہ ان کے سامنے لایا جائے تو سوچ بچار کی گنجائش نہ رہے اور اس کو قبول کرتے ہی بنے، مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کا محور دین وایمان ہے کسی کو اس سے مجال انکار نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ فرمایا ہے واجب القبول اور لائق تسلیم ہے یہ کہہ کر پھر کہتے ہیں کہ آیت " قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى "(سورۃ الشوریٰ ، الآیۃ:23) (آپ کہتے ہیں میں اس ہدایت پر قرابت داروں سے محبت کے کوئی مزدوری نہیں مانگتا) کیا معنی رکھتی ہے؟ اور الفاظ "أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (سورۃ ھود، الآیۃ: 18) (خبردار ہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اور قراۃ متواترہ " وَأَرْجُلِكُمْ "(سورۃ المائدۃ ، الآیۃ:6) (زیر کے ساتھ) کیا مطلب ظاہر کرتی ہے؟ اور قراۃ شاذہ " فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ "(سورۃ النساء ، الآیۃ:24) کیا مضمون ادا کرتی ہے؟

ساتواں مرتبہ: "خلع" یعنی چہرہ کا پردہ ایک طرف رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ظلم وغضب کی نسبت کھلم کھلا کرنا اور اپنے مذہب کے اصول وفروع کو صاف صاف بیان کرنا جب مدعو اس حد تک پہنچ جائے کہ سب امور کو برداشت کرے تو گویا مقصد حاصل ہو گیا، ان میں سے بعض مرتبہ خلع کے بعد ایک مرتبہ اور اضافہ کرتے ہیں جس کو "سلخ" کہتے ہیں یعنی مدعو سے اپنے سابقہ معتقدات سے اظہار بیزاری کرانا اور اس کے آباؤ اجداد جو اس مذہب پر تھے ان سے اس کو متنفر کرنا اور اولاد واقارب سے قطع تعلق کرانا۔

عام طور پر تو ہوتا یہ ہے کہ ساتویں مرتبہ تک پہنچتے پہنچتے یہ باتیں از خود مدعو میں پیدا ہو کر رہتی ہیں اس لیے داعی کو ان امور کی دعوت کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

دوسری فصل

روافض کے دھوکوں کی تفصیلی جزئیات

معلوم ہونا چاہیے کہ دھوکے تین قسموں سے زائد نہیں ہوتے:

1۔ یا تو وہ محض افتراء اور بہتان ہے جو وہ اہلسنت پر باندھتے ہیں۔

2۔ یا انداز گفتگو اور طرز بیان میں کچھ گڑبڑ یا تبدیلی پیدا کرنا مثلاً ایک امر واقعی کو اس ڈھب سے بیان کرتے ہیں کہ اس کو سن کر عوام کے خیالات میں لازمی انتشار پیدا ہو، اور اصل میں۔

3۔ یا مذہب اہل سنت اصل میں تو بغیر تغیر و تبدل کے بے کم کاست ہے اور بطور حقیقت وہ کسی لعن و طعن کے قابل ہے۔

قلت فرصت کے سبب اور محاورہ "سب کچھ نہ پاسکو تو سب کچھ چھوڑو بھی نہ" کے مصداق کے پیش نظر ہم ان کے دھوکوں کی جزئیات میں سے کچھ حصہ بیان کرتے اور ہر سہ اقسام میں گڑبڑ کو بغیر ان میں آپس کے امتیازی فرق کو چھیڑے بیان کرتے ہیں، اس لئے کہ جو کچھ ہم نے بیان میں چھوڑ دیا ہے اس کا اندازہ لگانے میں ہم سامع کی ذہانت وذکاوت پر اعتماد رکھتے ہیں، یہ بات بھی علم میں رہے کہ شیعی فرقوں میں باعتبار دھوکہ دہی اور لعن و طعن میں سب سے زیادہ سخت فرقہ امامیہ ہے! یہ لوگ مذہبی دعوت کو بہت اہمیت دیتے ہیں حالانکہ خود ان کے مذہب میں دوسرے کو اپنے مذہب کی دعوت دینا حرام اور ممنوع ہے،[1] گویا اس دعوت میں وہ اپنے ہی اعتقاد کے مطابق مجرم اور گنہگار ٹھہرتے ہیں چنانچہ کلینی امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

1۔ عن ابی النضر عن یحی الحلبی عن ایوب بن الحر قال سمعت ابا عبد الله علیه السلام یقول ان رجلاً اتی ابی فقال انی رجل خصم اخاصم من احب ان یدخل فی هذا الامر فقال له ابی لا تخاصم احدا فان الله اذا اراد بعبد خیرا نکت فی قلبه حتی انه لیصر به الرجل منکم یشتهی لقائه ، عن ابی عبد الله علیه السلام قال لا تخاصموا الناس فان الناس لواستطاعوا ان یحبونا لاحبونا ان الله اخذ میثاق شیعتنا یوم اخذ میثاق النبیین فلا یزید فیهم احد ابداً ولا ینقص منهم احدابداً. ابی عن صفوان وفضالة

"کفو عن الناس ولا تدعوا احدا الی امرکم"[1]

تم لوگوں سے کنارہ کش رہو اور کسی ایک کو بھی اپنے اس مذہب کی دعوت نہ دو۔

جب امام مرحوم نے دعوت سے ممانعت فرمادی تو دعوت حرام ہوئی اور اس کا ارتکاب بلکہ اس سے بھی زائد اسے عبادت کا درجہ دینا امام معصوم کی صریح مخالفت ہے؟

دھوکہ نمبر 1: اہلسنت خدا کو تارک الواجب مانتے ہیں

یہ کہتے ہیں کہ "اہلسنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ذمہ جو چیز واجب ہے اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور جو بات اس کے مرتبہ الوہیت کے شان شایاں اور لائق ہے اس کو چھوڑتا ہے" یہ کھلا جھوٹ اور محض افتراء ہے، کیونکہ اہلسنت نہ تو صراحتاً واصالتاً اس کے قائل ہیں اور نہ ہی ان کے اصول و قواعد سے یہ بات لازم آتی ہے بلکہ اس کے برخلاف اہلسنت تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں[2] کیونکہ کسی چیز کے وجوب کی نسبت اس کی طرف کرنا تصور وعقل سے باہر ہے جب واقعہ یہ ہو تو پھر کوتاہی کرنے یا چھوڑ دینے کا

عن داؤد بن فرقد قال کان ابی یقول مالکم ولدعه الناس انه لا یدخل فی هذا الامر الا من کتب الله له . (بحار الانوار للمجلسی، 1/ 299، باب ماجاء فی تجویز المجادلة والمخاصمة ...الخ ،ط، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت)

1 ـ الاصول من الکافی ،للکلینی ، 1/ 165، ط:دار الکتب الاسلامیة مرتضی آخوندي تهران و بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، للمجلسی، 65/ 208، ط: دار إحیاء التراث العربي بیروت لبنان۔

2 ـ عند أهل السنة أن الله جل وعلا السید والرب المطلق والمالك لكل شيء، وهذه السیادة والربوبیة والملك المطلق لكل شيء لا یجعل لأحد أن یوجب علیه شیئاً ولا أن یلزمه بشيء، فلهذا قرر أهل السنة أن لا واجب على الله أصلاً وهذه قاعدة مطردة في كل شيء۔ (هامش الانتصار في الرد على المعتزلة القدرية الأشرار، 2/ 456، ط: أضواء السلف، الریاض، المملكة العربیة السعودیة)

سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، البتہ خود شیعوں کے اصول کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے،[1] اور وہ ہی اللہ تعالی کی نسبت ایسی بات کہتے ہیں:

"اللہ تعالی تو در حقیقت ان ظالموں کی کہی ہوئی باتوں سے بہت ہی بلند و بالا تر ہے"[2]

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ایک وقت معلوم تک کے لئے ابلیس کو پیدا کیا اور مہلت دی اور بہکانے اور گمراہ کرنے کی اس کو طاقت بخشی حالانکہ اللہ تعالی کے ذمہ یہ بات لازم تھی کہ گمراہ کرنے اور بہکانے کے ارادہ کے بعد اس کو ایک لمحہ کی فرصت نہ دیتا بلکہ فوراً اس کی جان مارتا کہ اس کے مکلف بندے اطمینان قلب کے ساتھ اس کی عبادت وطاعت میں لگ جاتے اور اگر مہلت دیتا بھی تو اس کو چاہیے تھا کہ گمراہ کرنے کی طاقت اس کو نہ بخشتا کیونکہ شیعی قاعدہ ہے کہ جو اس بندوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو اس کو انجام دینا اللہ تعالی پر فرض وواجب ہے لہذا اللہ تعالی نے اس فرض کو چھوڑ دیا۔

اہلسنت تو اصل وجوب ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ"[3] اللہ تعالی سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے، بلکہ وہ سب سے باز پرس کرے گا، اگر اس پہ کوئی چیز واجب و فرض ہوتی تو وہ بھی مخلوق کی طرح محکوم اور کسی کے زیر فرمان ہوتا حالانکہ وہ جملہ مخلوق پر خواہ وہ عاقل ہو قہر و غلبہ رکھتا ہے۔

1۔ الخامس فی انه تعالیٰ یجب علیه اللطف، السادس فی انه تعالیٰ یجب علیه فعل عوض الالم الصادرة منه ..... ویجب زیادة علی الالم۔ (النافع یوم الحشر فی شرح الباب الحادی عشر، للحلی، ص 54، 55، چاپ خانه سلمان فارسی قم، ایران)

2۔ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ (سورة بنی اسرائیل، الآیة: 43)

3۔ سورة الانبیاء، الآیة: 23۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے محمد بن حسن مہدی صاحب الزمان کے پاس سونے کی مہروں سے مزین ایک کتاب بھیجی تھی جس میں ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ رہیں"[1]

اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو امام کے فیض و ارشاد سے محروم کر دیا، اس کے جواب میں اگر شیعہ یہ کہیں کہ دشمنوں کے خوف سے ان کو اس قسم کا حکم دیا گیا تو اس پہ ہم کہیں گے کہ ان کے دشمنوں کو پیدا ہی کیوں کیا، اور پیدا کیا بھی تھا تو ان کو امام کو تکلیف پہنچانے کی طاقت کیوں نہ سلب کر لی اور ہم سب کچھ نہیں کیا تھا تو امام کو مدافعت کیوں نہ دیدی۔

الغرض یہ لوگ اپنا عیب دوسروں پر چسپاں کرنے میں بڑے چالاک و ماہر ہیں، اس موقعہ کی تحقیق یہ ہے کہ اہلسنت تو اول قدم پر ہی اس کے منکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ہے تاکہ اس قسم کے شبہات میں ان کی عقل نہ چکرائے، یہ تو شیعہ اور معتزلہ ہی ہیں جو وجوب اصلح کے قائل ہوئے اور جب واقعہ کے لحاظ سے اس کے خلاف دیکھا تو لچر اور مہمل تکلفات سے ان شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جو سائل کے دل کی کسی طرح تسلی و تشفی نہیں کر سکتے تھے۔ جب اس سے کام نہ چلا کھسیانی بلی نے کھمبا نوچا، اور اہلسنت پر طعن کرنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے جس چیز کو واجب جانتے ہیں اہلسنت اس کو کیوں نہیں مانتے، بلکہ اس کے ترک کو جائز خیال کرتے ہیں۔

بات کچھ نہیں یہ ایک دھوکہ ہے جو اکثر تہذیبی مسائل میں پیش آتا ہے، اس کا واضح جواب یہ ہے کہ جس چیز کو تم واجب کہتے ہو وہ در حقیقت واجب ہے ہی نہیں، تو اس کا ترک واجب کا ترک کیسے کہلائے گا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک جاہل کسی مفتی کے پاس گیا اور پوچھا کہ بیوی کی ماں بیوی ہو سکتی ہے، مفتی نے کہا نہیں! کہنے لگا میں نے تو ایسا کر لیا، اب کیا ہو؟ یہی حال ان کا ہے کہ عقلی گدوں اور کرتبوں کے باوجود ملحدوں کے شبہات دور کرنے میں جب

1۔ اور شیعوں کے نزدیک امام کی غیبت کی اخبار متواتر شمار کی جاتی ہیں" وأنه قد غاب كما جاءت الاخبار في الغيبة فإنها جاءت مشهورة متواترة وكانت الشيعة تتوقعها وتترجاها كما ترجون بعد هذا من قيام القائم عليه السلام بالحق وإظهار العدل. ونسأل الله عز وجل توفيقا وصبرا جميلا برحمته" (كمال الدين و تمام النعمة ، للصدوق، 1/ 122، ط: مؤسسة النشر الاسلامی بقُم، ایران)

ان کی ن کم ہو جاتی ہے تو عاجز و شرمندہ ہو کر آخر میں کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان کاموں کی مصلحتیں اللہ ہی جانتا ہے۔ ان پر وہی مثال صادق آتی ہے کہ ایچہ دانا کند، کند ناداں، لیک بعد از خرابی بسیار (کہ دانا جو کچھ کرتا ہے ناداں کو بھی بہت مار کر وہی کرنا پڑتا ہے)

دھوکہ نمبر 2: اہلسنت خدا سے برائیوں کا صدور مانتے ہیں

یہ دھوکہ بھی اسی قسم کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اہلسنت اللہ تعالیٰ سے برائیوں کے صدور کو جائز مانتے ہیں مثلاً زنا، چوری کا صدور اللہ تعالیٰ کے خلق و ارادہ کی بنا پر مانتے ہیں نہ کہ انسان و شیطان کے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا سوء ادب اور سخت گستاخی ہے، اور یہ ناداں نہیں جانتے کہ اہلسنت کا تو یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل برا نہیں، وہ فعل جو انسان و شیطان کی نسبت سے برا ہے اور اس پر ان کی گرفت ہوگی وہی فعل اللہ تعالیٰ کی نسبت سے برائی سے پاک اور بری ہے۔ (1)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حسن و قبح، اچھائی، برائی نسبتی امور میں سے ہیں جن کی طرف ان کی نسبت کی جائے ان کے اختلاف کی وجہ سے ان میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے، اصل قباحت اور برائی تو ان دونوں کا اللہ تعالیٰ سے صدور ماننا ہے جس کی وجہ سے الجھنوں کے گرداب میں پڑ جاتا ہے۔

اصول شیعہ کے مطابق جب اچھائی اور برائی کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں پایا گیا تو چاہے برائی پیدا کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ بھی کی جائے تب بھی برے کاموں پر بندوں کو قدرت و اختیار دینا تو اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اور یہ بات چار و ناچار شیعوں کو بھی ماننی پڑ رہی ہے، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے برائیوں کا صدور خود بخود لازم آجاتا ہے کیونکہ برائی پر کسی کو قدرت و اختیار دینا بھی تو برائی ہے، مثلاً ایک شخص کے متعلق ہم یقین سے جانتے ہیں کہ اگر اسے چھری مل گئی تو وہ اپنا پیٹ پھاڑے گا اس کے باوجود اسے چھری تھما دیں تو

---

1 ۔ قال الإمام أحمد رحمه الله لا يوصف الله إلا بما وصف به نفسه أو وصفه به رسوله لا نتجاوز القرآن والحديث ومذهب السلف أنهم يصفون الله بما وصف به نفسه وبما وصفه به رسوله من غير تحريف ولا تعطيل ومن غير تكييف ولا تمثيل. (أقاويل الثقات في تأويل الأسماء والصفات والآيات المحكمات والمشتبهات، ص: 234، ط مؤسسة الرسالة بيروت)

عقلمندوں کے نزدیک قابل ملامت ومذمت ہم ہوں گے نہ وہ خود اور اس کے باوجود کہ اس نے اپنا پیٹ خود پھاڑا ہے، اس کے مار ڈالنے والے ہم ہی ہوں گے۔ یہ دونوں صورتیں بالکل ایک جیسی ہیں، تو اس طعن کے مورد بھی شیعہ خود ہی ٹھہرے۔

اہلسنت نے تو یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ذات افعال قبیحہ کے صدور سے پاک وبری ہے اور صدور فعل میں توحید حقیقی کا اعتقاد رکھ کر بلا شرکت غیر اس سے افعال صادر ہوتے ہیں تمام اعتراضات والزامات کی جڑیں ہی کاٹ دیں، اور امن چین سے ہوگئے۔ ذالک فضل اللہ علیھم (یہ ان پر اللہ کا فضل ہے)۔

اور ایک بات یہ بھی کہ سب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے گوشت کو انسان کے لئے حلال کیا ہے اور ان کو حیوانات پر پورا پورا تسلط دیا ہے، پس ان کو ذبح کرتے ہیں، ان کی کھال کھینچتے ہیں اب انسانوں میں تو بہت سے نافرمان وسرکش بھی ہیں جب کہ جانور سب کے سب مطیع وفرمانبردار اور تسبیح خواں ہیں، تو نافرمانوں کو مطیع وفرمانبردار پر اس حد تک مسلط کرنا کہ وہ انہیں قتل بھی کریں، ان کی کھال بھی کھینچیں اگرچہ یہ برائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ حیوانوں کو یہاں جو دکھ اور تکلیف پہنچ رہی ہے، اس کے عوض آخرت میں یہ کئی گنا بدلہ پائیں گے جیسے کہ شیعہ اور معتزلہ کا مذہب ہے، اور جس تکلیف کے عوض بہت کچھ اچھا بدلہ ملے، وہ ضائع اور رائیگاں نہیں ہوتا، تو اس پر ہم کہیں گے کہ پہلے تکلیف پہنچانا پھر بدلہ دینے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اسے تکلیف پہنچائی ہی نہ جائے کہ اس کا بدلہ دینا پڑے، اکثر عقلمندوں کے نزدیک یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے بیٹے کو اول مار ڈالا جائے اور پھر قتل کی دیت دے دی جائے اور یہ عذر کیا جائے کہ اس سے غرض تو یہ تھی کہ اس دیت کی رقم سے اس شخص کا افلاس دور ہو تو کون عقلمند اس کو عدل وانصاف کہے گا۔

ایک اور صورت کہ اللہ تعالیٰ اپنے اکثر گنہگار بندوں کو بڑی فراوانی سے دولت دیتا ہے حالانکہ ان لوگوں کے حق میں دولت کی کثرت سم قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے، کیونکہ اس وجہ سے زمین پر فساد، تباہ کاری، فسق وفجور، تکبر وبغاوت برپا کرتے اور خوں ریزی، زناکاری، لواطت، شراب نوشی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، بلکہ بعض تو نمرود، فرعون اور مقنع کی طرح خدا بن بیٹھتے ہیں، بعض پیغمبروں، پیغمبر زادوں کو قتل کر

دیتے ہیں تو یہ سارے افعال سب ہی کے نزدیک برے اور قبیح ہیں اور ان برے کاموں پر قدرت دینا یا ان کے
کے اسباب مہیا کر دینا بجائے خود قبیح تر ہے، اس پر اگر شیعہ یہ کہیں کہ پیغمبروں یا پیغمبر زادوں پر قید و بند یا قتل و
ذلت کی جو کچھ مصیبتیں آئیں وہ چونکہ آخرت میں ثواب عظیم کا سبب ہیں اس لئے ان مصیبتوں میں تو حسن و
صلاح ہے نہ کہ قبیح و فساد! تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ ان پیغمبروں یا پیغمبر زادوں کو جو ان مصائب سے دوچار
نہیں ہوئے، یہ ثواب ملے گا یا نہیں؟ اگر ملا تو مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں ترک اصلح
ہوا اور فعل قبیح کا ارتکاب! اور اگر ان کو یہ ثواب نہیں ملے گا تو پھر ان کے حق میں ترک اصلح اور فعل قبیح کا
ارتکاب ہوا کہ وہ ثواب عظیم سے محروم ہوئے؟

اب ہر دو مسئلوں کی تحقیق ملاحظہ ہو کہ وجوب کی اور حسن و قبح کی تین قسمیں ہیں: 1۔ طبعی، 2۔ شرعی
اور 3۔ عقلی تو معلوم ہونا چاہیئے کہ باجماع علماء یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وجوب طبعی و شرعی متصور
نہیں کیونکہ پہلا وجوب بے اختیاری اور بیچارگی کی دلیل ہے کہ طبیعت سے مجبوری کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرا
محکوم و مکلف ہونے کو متقاضی ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے، اب رہا وجوب عقلی کے یہ
معنی کہ ہر خصوصی اور جزئی واقعہ میں عقل کے تقاضے کے خلاف کام کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہ ہو تو یہ معنی
شان الوہیت کے سراسر خلاف ہے اور بحث بھی اسی میں ہے، کیونکہ شیعہ اور معتزلہ اسی معنی کو صرف دین، یا
دین و دنیا دونوں میں ثابت کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کی حیثیت ارسطو، افلاطون یا سکندر اور
اورنگزیب کی سی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب عقلاء اور عقول حادث ہیں اور مخلوق و مقہور اور ہر حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان تو
اب اللہ تعالیٰ کو اسی کی مخلوق اور حوادثات کے زیر فرمان ماننا کتنی بے عقلی اور بد عقلی کی بات ہے، اور اگر وجوب
عقلی کا یہ مطلب ہے کہ تمام عالم کی مصلحتوں کے پیش نظر جو کچھ حکمت کا تقاضہ ہو، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے
فعل سرزد ہو تو یہ بات اہلسنت کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہے "يراعي الحكمة فيما خلق و أمر" (اللہ تعالیٰ ہر

چیز کی پیدائش اور اس کے حکم کے وقت حکمت کو مد نظر رکھتا ہے) جیسا کہ عقائد عضدیہ اور علم کلام کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔[1]

لیکن جب تمام عالم کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے کا نام حکمت الہیہ ہے اور ان مصلحتوں پر خدائے علام الغیوب کے سوا کسی کا احاطہ ممکن نہیں تو ہر خصوصی فرد یا جزئی واقعہ میں اصلح پہلو کو متعین کرنا اور اس کو اللہ تعالی پر واجب ٹھہرانا انتہائی بے ادبی اور حد درجہ کی بے عقلی ہے، اور پھر یہ ممکن بھی نہیں، اس لئے اہلسنت نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ اللہ تعالی سے جو کچھ سرزد ہو، اس کے بارے میں یہ اجمالی عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہ حکمت کے مطابق ہے، اور جو صادر نہ ہو، اسکے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ حکمت کے موافق نہ تھا، یہ نہیں کہ وہ ادھورے جزئی اصول کلیہ جو عقلاء کی ایک جماعت نے گھڑ گھڑا کر مقرر کر لئے ہیں، ان کو اللہ تعالی کی ذات پر چسپاں کر دیا جائے لہٰذا اہلسنت وجوب یہاں بھی استعمال نہیں کرتے تاکہ خلاف مقصود کا وہم تک نہ ہو سکے۔

حاصل کلام یہ کہ ان شبہات کا جواب دینا شیعوں کے احاطہ امکان سے باہر ہے، تا آنکہ وہ اہلسنت کے مذہب کو مان کر عقیدہ لا یسئل عما یفعل تسلیم نہ کرلیں۔

دھوکہ نمبر 3: اہلسنت اللہ تعالی کی طرف ظلم منسوب کرتے ہیں

شیعہ یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ اہلسنت اللہ تعالی کی طرف ظلم منسوب کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی مومن مطیع کو ہمیشہ دوزخ میں رکھ کر ابدی عذاب بھی دے تو جائز ہے۔

اس دھوکہ کا جواب بھی اوپر بیان میں آگیا کہ اہلسنت کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی سے تو ظلم کا صدور ممکن ہی نہیں اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی ملک ہیں، وہ مالک مختار ہے جو چاہے کرے۔

1۔ قال الشاه ولي الله احمد بن عبدالرحيم رحمه الله : والثالثة تدبير عالم المواليد ومرجعه إلى تصيير حوادثها موافقة للنظام الذي ترتضيه حكمته مفضية إلى المصلحة التي اقتضاها-(حجة الله البالغة، باب الابداع والخلق والتدبير، 1/ 42، ط: دار الجيل بيروت)

پھر اس کے علاوہ عذاب کو جائز جاننا اور چیز ہے اور اس کے وقوع کا قائل ہونا دوسری چیز، بلکہ یہاں تو معاملہ الٹا ہے کہ اہلسنت کے بجائے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم جائز بھی ہے اور واقع بھی، چنانچہ ائمہ سے ابن بابویہ وغیرہ نے روایت کی ہے :

إن أولاد الكفار في النار۔[1] (کافروں کی سب اولاد جہنم میں ہے)

اب ظاہر ہے کہ کافرماں باپ کے گناہوں میں معصوم اور بے قصور اولاد کو پکڑنا اور عذاب ابدی کی سزا دینا سراسر خلاف انصاف ہے، اور یہ بھی کہ دنیا میں درندوں کو پیدا کیا کمزور جانوروں کا گوشت ان کی غذا بنایا حالانکہ یہ کمزور جانور بے گناہ ہیں تو قوی کو ضعیف وناتواں پر مسلط کرنا عین ظلم ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں۔

دوسرے انسان کو پیدا کیا اس میں قوت شہویہ رکھ کر نفس شہوانی کو غلبہ دیا پھر دنیاوی لطائف ولذائذ سے اسے باخبر کر کے ایسی شرعی ذمہ داریاں اس پر لگائیں جو اس کے نفس پر شاق اور اس کی طبیعت کے خلاف ہیں، اور دنیاوی مزوں کے استفادہ سے اس کو روک دیا، ایک چھپے ہوئے اور اس کی نظروں سے اوجھل دشمن کو اس پر مسلط کر دیا کہ اس کے دل میں وسوسے ڈالے، ادھر تو دشمن کو دل پر پورا تصرف دیا، وسوسہ ڈالنے کی پوری قدرت بخشی اور دوسری طرف دل کو قوت مدافعت سے محروم کر دیا تاکہ وہ محض بے اختیار ہو کر اس کا تابع ہو جائے امام جو ایک حد تک اس کے شر کو دور کر سکتا تھا، اس کو چھپنے کا حکم دے دیا یہ سب کھلم کھلا ظلم نہیں تو اور کیا ہے! اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک فقیر کو ہم نے ایک مکان میں بند کر کے بھوکا پیاسا رکھا، جب وہ بھوک پیاس سے لب دم ہو گیا تو اس کے لیے طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانے اور مشروبات لذیذہ کا انتظام کیا اس کے ساتھ ایک مصاحب بھی بٹھا دیا جو اس کو بار بار ان لذیذ کھانوں اور مشروبات کی طرف رغبت دلاتا رہے اور ان کی خوبی اس کے دل میں جماتا رہے اور اسے سمجھائے کہ ان کھانوں اور مشروبات کا مالک بڑا سخی بخشش کرنے

---

1 ۔ وأما خبر وهب بن وهب عن الإمام الصادق عليه السلام قال: أولاد المشركين مع آبائهم في النار وأولاد المسلمين مع آبائهم في الجنة ۔ (القواعد الفقهية، لمحمد حسن البجنوردی، 5/ 361، وزارت الثقافة والارشاد الاسلامي)

والا، تجھ پر تیرے ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے، عفو و درگزر اس کی خصلت ہے تو کیوں اپنی جان بھوک پیاس میں ضائع کرتا ہے کھا اور خوب کھا اور اس سے امید عفو رکھ۔

ایسے حالات میں اس بھوکے فقیر کو ہم اگر یہ کہیں کہ دیکھ خبردار جو تو نے ان کھانوں اور مشروبات کی طرف ہاتھ بڑھایا، یا ان پر نظر بھی ڈالی تو تجھے ایسا عذاب دیں گے، ظاہر ہے اس مسکین فقیر کے حق میں یہ صاف صریح ظلم ہے ان سب باتوں سے قطع نظر اہل بیت کرام کا جو مذہب شیعی کتابوں میں منقول ہے و مروی ہے وہ تو لامحالہ قابل قبول ہونا ہی چاہئے، سو ہم ان شاء اللہ الہیات کی بحث میں حضرت سجاد ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی وہ صاف صریح روایات شیعہ کتب سے نقل کریں گے جن میں کہا گیا ہے کہ بے گناہ کو بدلہ دیئے بغیر تکلیف دینا جائز ہے۔

دھوکہ نمبر 4: اہلسنت کا عصمت انبیاء کی نسبت غلط عقیدہ ہے

شیعہ کہتے ہیں کہ اہل سنت انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہ غلط و ناقص عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے، اس کے برخلاف شیعہ ان میں پوری نزاہت اور پاکیزگی کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ اسے درست نہیں سمجھتے کہ نبیوں سے نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے اہلسنت شیعہ مذہب ادب سے زیادہ قریب ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ سرزد ہونا تسلیم کر لیا جائے تو ان کے قول و فعل سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ان کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

مگر یہ سب کچھ افتراء، بہتان، تحریف اور مسخ ہے کیونکہ اہلسنت گناہ کبیرہ کو بعد نبوت عمداً و سہواً ہرگز جائز نہیں رکھتے البتہ گناہ صغیرہ کو سہواً جائز سمجھتے ہیں، بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور جھوٹ نہ عمداً نہ سہواً نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت ان سے منسوب کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اس صورت میں ان سے اعتماد اٹھنے کا سوال ہی نہیں۔[1]

1۔وفی شرح العقائد ان الانبیاء علیهم الصلوة و السلام معصومون عن الکذب خصوصا فیما یتعلق بامر الشرع و تبلیغ الاحکام و ارشاد الامة اما عمدا فبالاجماع، و اما سهوا فعند الاکثرین و فی عصمتهم عن سائر الذنوب تفصیل و هو انهم معصومون عن الکفر قبل الوحی و بعده بالاجماع، و کذا عن تعمد الکبائر عند الجمهور.(منح الروض الازهر شرح فقه الاکبر لملا علی القاری، ص 176، دار البشائر الاسلامیة)

یہاں ایک باریک بات قابل غور ہے کہ شیعہ اکثر مسائل میں زیادتی سے کام لیتے ہیں اور ہر بلند درجہ کو اپنا مذہب بنا لیتے ہیں مگر واقعہ اور حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس لئے ان کا مذہب ایک وہم اور غیر حقیقی بن کر رہ جاتا ہے، بر خلاف اہلسنت کے کہ وہ ہر قدم، جانچ پرکھ اور خوب سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں اور واقعہ و حقیقت کبھی ان کی تکذیب نہیں کرتے، شیعوں کے اکثر اعتقادی مسائل میں یہی نقص پیدا ہو گیا ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے موہوم عقائد کو نفس الامر سے ہم آہنگ کرنے میں مقلی طور پر فرومایہ رہ جاتے ہیں اور حیران و پریشان ہوتے ہیں اور پھر لچر و مہمل اقوال ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں چنانچہ یہ عقیدہ بھی انہی مسائل میں سے ہے۔

بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ اثبات پر ناطق و شاہد ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے لغزشوں کا صدور اور ان پر عتاب الٰہی بھی ہوا اور نتیجتاً ان حضرات کی جانب سے بکا، ندامت، اور اظہار عجز و زاری ہوا اگر ہم عصبیت کو نکتہ عروج پر پہنچا دیں تو پھر ان صریح آیات و احادیث کی توضیح و تشریح میں مہمل و بے معنی کلمات کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو اول ہی مرحلے پر ہم عصبیت کے ایسے معنی کیوں نہ متعین کر لیں کہ بعد میں ان الجھنوں اور پریشانیوں سے سابقہ نہ پڑے۔

پھر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس بلندی اعتقاد کے باوجود یہ خود اپنے معصوم ائمہ سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جن سے انبیاء اکرام علیہم السلام سے نبوت کے بعد گناہ کبیرہ سرزد ہونے کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ کلینی سند صحیح کے ساتھ ان الفاظ سے ابو یعفور سے روایت بیان کرتا ہے اور وہ ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہ:

والمختار عندنا أنه لم يصدر عنهم الذنب حال النبوة ألبتة لا الكبيرة ولا الصغيرة، ويدل عليه وجوه: أحدها لو صدر الذنب عنهم لكانوا أقل درجة من عصاة الأمة وذلك غير جائز، بيان الملازمة أن درجة الأنبياء كانت في غاية الجلال والشرف، وكل من كان كذلك كان صدور الذنب عنه أفحش ألا ترى إلى قوله تعالى: يا نساء النبي من يأت منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين. [الأحزاب: 30] والمحصن يرجم وغيره يحد، وحد العبد نصف حد الحر، وأما أنه لا يجوز أن يكون النبي أقل حالا من الأمة فذلك بالإجماع(التفسير الكبير للرازي، 3/ 455، ط، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اَنَّ یُوْنُسَ عَلَیْہِ السلام قَدْ اَتٰی ذَنْبًا کَانَ الْمَوْتُ علیہ ھلاکاً.[1]

اسی طرح مرتضیٰ جس کا شمار ان کے ان معتبر مجتہدین میں ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام سے قبل البلوغ گناہ کے صدور کو جائز قرار دیتا ہے اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں کے سلوک کو صغر سنی پر محمول کرتا ہے، اس کلام کی کمزوری ظاہر و باہر ہے،[2] غرض ان شیعوں نے جو کام بھی کیے ہیں چھوٹی عمر کے بچوں سے بھی ایسے کاموں کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

دھوکہ نمبر 5: اہلسنت انبیاء سے سہو مانتے ہیں

یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت پیغمبروں سے بھول چوک سرزد ہونے کو جائز کہتے ہیں اور دلیل میں اہلسنت کی یہ روایت لاتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چار رکعت والی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔[3]

---

1 ۔ عن ابن ابی یعفور قال سمعت ابا عبد الله وھو رافع یدیه الی السماء رب لاتکلنی الی نفسی طرفة عین ابداً ولا اقل من ذلک فما کان باسرع من ان تحدرالدمع من جوانب لحیته ثم اقبل علی فقال یاابن ابی یعفور ان یونس بن متی وکله الله الی نفسه اقل من طرفة عین فاحدث ذلک قلت فیبلغ به کفرا اصلحک الله فقال لا ولکن الموت علی تلک الحا ل کان هلاکاً۔ (شرح اصول الکافی،للمازندرانی ، 10/ 459، ط: داراحیاء التراث العربی بیروت)

2- فأكلا منها ثقة بيمينه بالله وكان ذلك من آدم قبل النبوة ولم يكن ذلك بذنب كبير استحق به دخول النار وإنما كان من الصغائر الموهوبة التي تجوز على الأنبياء قبل نزول الوحي عليهم فلما اجتباه الله تعالى وجعله نبيا كان معصوما لا یذنب صغیره ولا کبیره۔(عیون اخبار الرضا ، للصدوق، 2/ 174، ط: مؤسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت)

3 ۔ عن أبي هريرة: صلى بنا النبي ﷺ الظهر ركعتين ثم سلم، ثم قام إلى خشبة في مقدم المسجد، ووضع يده عليها، وفي القوم يومئذ أبو بكر وعمر، فهابا أن يكلماه، وخرج سرعان الناس، فقالوا: قصرت الصلاة. وفي القوم رجل، كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعوه ذا اليدين، فقال: يا نبي الله، أنسيت أم قصرت؟ فقال: لم أنس ولم تقصر قالوا: بل نسيت يا رسول الله، قال: صدق ذو اليدين فقام فصلى ركعتين ثم سلم، ثم كبر فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، ثم وضع مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر-(صحیح البخاری، کتاب الادب ، باب ما يجوز من ذكر الناس، نحو قولهم: الطويل والقصير، 8/ 16، رقم : 6051، ط: دارطوق النجاة)

تو بھلا اس میں طعن کا کون سا پہلو ہے، بھول چوک خاصا بشری ہے، اور چونکہ بشریت میں انبیاء کرام سب انسانوں کے ساتھ شریک ہیں، لہٰذا ان میں امور بشریہ کا ہونا لازمی ہے، مثلاً مرض درد سر، زخم اور قتل جیسے عوارض ان کو بھی لاحق ہوتے ہیں، سانپ بچھو ان کو بھی ڈستے ہیں، دکھ درد ان کو ستاتا ہے، نیند و غفلت ان کو بھی ہوتی ہے، جادو سے یہ بھی متاثر ہوتے ہیں تو اب سہو ان امور میں کون سا بلند مرتبہ رکھتا ہے جس کا لاحق ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات میں نقص کا باعث ہوا،[1] البتہ تبلیغی امور میں ان سے سہو کبھی سرزد نہیں ہوتا نہ اس کا اعتقاد جائز ہے کہ جائز کو ناجائز یا امر کے بجائے نہی فرمائیں۔

بعض محقق علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ہر دم ذات باری کے حضور اور اس کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں اور عوام کا سہو اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دنیوی امور میں پراگندہ دل ہوتے ہیں تو صورت سہو میں تو مشترک ہے مگر سبب اور وجہ میں اختلاف اسی لئے کہا گیا ہے۔[2]

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و بشیر

برگزیدہ لوگوں پر اپنے آپ کو قیاس نہ کرو اگرچہ شیر (درندہ) اور شیر ایک طرح لکھے جاتے ہیں پھر بھی الگ الگ ہیں، شیخ علی نے قصہ ذوالیدین کو اہلسنت پر طعن کا بڑا اچھا مورد خیال کیا ہے حالانکہ واقعہ کے بیان اور امر حق کی روایت میں طعن کیا ہے اس کے بعد باوجود دروغ گورا حافظہ نباشد کے مصداق شیخ مذکور کو یہ یاد نہیں رہا کہ

1۔ قال عبد الله: صلى رسول الله ﷺ - قال إبراهيم: زاد أو نقص فلما سلم قيل له: يا رسول الله أحدث في الصلاة شيء؟ قال: وما ذاك؟ قالوا: صليت كذا وكذا، قال: فثنى رجليه، واستقبل القبلة، فسجد سجدتين، ثم سلم، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: إنه لو حدث في الصلاة شيء أنبأتكم به، ولكن إنما أنا بشر أنسى كما تنسون، فإذا نسيت فذكروني، وإذا شك أحدكم في صلاته فليتحر الصواب، فليتم عليه، ثم ليسجد سجدتين(صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوٰة، باب السهو في الصلاة والسجود له، 1/ 400، رقم: 572، ط: داراحياء التراث العربي بيروت)

2۔ قوله صلى الله عليه وسلم ولكن إنما أنا بشر أنسى كما تنسون فإذا نسيت فذكروني فيه دليل على جواز النسيان عليه صلى الله عليه وسلم في أحكام الشرع وهو مذهب جمهور العلماء وهو ظاهر القرآن والحديث اتفقوا على أنه صلى الله عليه وسلم لا يقر عليه بل يعلمه الله تعالى به(شرح النووى على مسلم، 5/ 61، ط: داراحياء التراث العربي)

خود کلینی اور ابو جعفر طوسی صحیح سندوں کے ساتھ ذوالیدین کے قصہ کو روایت کرتے ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہے،[1] تو جس بات پر وہ اہلسنت کو جھوٹ کہتے ہیں وہ خود اس کا مورد ٹھہرتے ہیں اس لئے کہ اہلسنت تو سہو کو نقص نہیں سمجھتے اور شیعہ اس کو نقص ماننے کے باوجود اس کی روایت کرتے ہیں، جو زیادہ قابل طعن ہے۔

دھوکہ نمبر 6: اہلسنت پیغمبروں سے کلمہ کفر جائز مانتے ہیں

یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت پیغمبروں کے لئے زبان سے کلمہ کفر کی ادائیگی کو جائز کہتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لات اور عزیٰ کی مدح فرمائی۔

ان کا طعن یہ بھی مسخ و تحریف میں شمار ہوتا ہے، اس لئے اہلسنت کی کتب تفسیر میں ضعیف روایت کے حوالہ سے یہ آیا ہے کہ سورۃ نجم کی تلاوت کے وقت شیطان نے اس مجلس میں شریک ہو کر بلند آواز سے چند ایسے کلمات ادا کئے جن سے غرانیق علا کی مدح نکلتی ہے حالانکہ غرانیق کا لفظ بھی ملائکہ اور اصنام ہر دو میں شریک ہے، کفار اس کو اپنے بتوں کی تعریف سن کر بڑے خوش ہوئے، موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے کہ مسلمانوں نے یہ الفاظ بالکل نہیں سنے اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ کو بے انتہا رنج و صدمہ ہوا، چنانچہ آپ ﷺ کی تسلی کی خاطر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللهُ آيَاتِهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۞ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ[2]

1۔ الفروع الكافي، 3/ 357، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية و تهذيب الأحكام في شرح المقنعة للطوسي،2/ 345، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية۔

2۔ سورة الحج، الآية :52، 53۔

وقد أخرجه ابن أبي حاتم والطبري وابن المنذر من طرق عن شعبة عن أبي بشر عنه قال قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة والنجم فلما بلغ أفرأيتم اللات والعزى ومناة الثالثة الأخرى ألقى الشيطان على لسنه تلك الغرانيق

"اور آپ سے پہلے بھی ہم نے کوئی نبی ورسول نہیں بھیجا کہ کسی وقت اس نے تمنا کی ہو اور شیطان نے اس میں کچھ نہ ڈالا ہو پس اللہ تعالیٰ اس کے ڈالے ہوئے کو دور کر دیتا ہے اور مضبوط کرتا ہے اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ دانا بڑی حکمت والا ہے کہ کر دیتا ہے شیطانی ملاوٹ کو ان کے حق میں فساد جن کے دلوں میں روگ ہے اور جن کے دل سیاہ ہیں"

اب بنظر انصاف سیاق آیت پر غور کیجئے کہ یہ آیت اس قصہ پر کس حد تک چسپاں ہوتی ہے، گویا اس کے معنیٰ صرف یہی ہیں پھر اس قصہ پر غور و فکر کی نظر ڈالیں کہ اس میں برائی کونسی ہے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر کون سے کلمات کفر آئے، شیطان کا انسان کو اشتباہ میں ڈالنا، آوازوں اور نغموں کے ذریعہ حکایات کرنا کونسی انوکھی اور تعجب کی بات ہے، ہاں اس بات پر تعجب ہے کہ کفار کے سامنے شیطانی کلمات، فرقانی کلمات سے گڈمڈ کیسے ہو گئے کہ فرقانی کلمات تو اعجازی صفت سے متصف ہوتے ہیں اور شیطانی کلمات اس سے عاری لیکن جب واقعہ کی گہرائی تک پہنچ کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کفار کی عجلت پسندی نے ان کو شیطانی کلمات کے اعجازی پہلو اور بلاغت پر غور او سوچ کا موقع ہی نہیں دیا انہوں نے ان کلمات کے ظاہری مطلب کو اپنے عقیدے کے مطابق پایا تو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سب کلمات فرقانی ہی ہیں جیسا کہ عام شیعہ کی حالت ہے اگر ان کو اپنے امام سے کوئی ضعیف روایت بھی مل جاتی ہے جو ان کے مذہب کے موافق ہو اور مذہب اہلسنت کے مخالف ہو تو اسے سر آنکھوں پر رکھتے اور اس کو اپنا معمول بنالیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں صحیح

العلى وأن شفاعتهن لترتجي فقال المشركون ما ذكر آلهتنا بخير قبل اليوم فسجد وسجدوا فنزلت هذه الآية وأخرجه البزار وابن مردويه من طريق أمية بن خالد عن شعبة فقال في إسناده عن سعيد بن جبير عن ابن عباس فيما احسب ثم ساق الحديث وقال البزار لا يروي متصلا إلا بهذا الاسناد تفرد بوصله أمية بن خالد وهو ثقة مشهور قال وإنما يروي هذا من طريق الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس انتهى والكلبي متروك ولا يعتمد عليه وكذا أخرجه النحاس بسند آخر فيه الواقدي وذكره ابن إسحاق في السيرة مطولا وأسندها عن محمد بن كعب وكذلك موسى بن عقبة في المغازي عن ابن شهاب الزهري- (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن حجر، 8/ 333، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان وتفسير القرطبي، 12/ 84، ط: دار الكتب المصرية، القاهرة)

احادیث کو پس پشت ڈال دیتے ہیں حالانکہ ائمہ کا کلام غیر ائمہ کے کلام کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا لیکن حمیت اور عصبیت کا پردہ آنکھوں میں ایسا پڑا ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی فرصت ہی نہیں دیتا، اگر اہلسنت اتنی سی بات پر مطعون قرار پاتے ہیں تو امامیہ تو جو اپنی کتب صحیحہ میں انبیاء اور رسولوں کی "کفریات" کی روایت بیان کرتے ہیں جس کی مثالیں ان شاء اللہ ان کے عقائد کے بیان میں پیش کی جائیں گی، ملعون ٹھہرتے ہیں اور مطعون و ملعون کے فرق کو یقیناً ہر کوئی جانتا ہے۔ (1)

دھوکہ نمبر 7: پانچ چھ کے علاوہ باقی تمام صحابہ اہلبیت سے بغض رکھتے تھے

شیعہ کہتے ہیں کہ "سوائے پانچ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تمام صحابہؓ اہل بیت کے دشمن اور ان کی طرف سے بغض رکھنے والے تھے"۔ (2)

یہ الزام بھی سراسر بہتان اور افتراء ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اہل شام کا اور متعصب جماعت کا رئیس بتاتے ہیں، ان لوگوں کو خبر نہیں کہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے کہ جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حتی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرضی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مرضی کو ترجیح دی واقعہ یہ ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کا رشتہ ام خالد سے جو حسن و جمال میں یکتا تھی کرنا چاہا، اور مقصد کے لئے حضرت ابوہریرہ

1۔ تفسیر کبیر اور دیگر تفاسیر اور کتب معتبرہ سے بخوبی معلوم ہے کہ یہ قصہ سراسر باطل اور موضوع ہے علامہ بغوی فرماتے ہیں: وقد حكم ببطلان قصة الغرانيق القاضي أبو بكر بن العربي، وكذا الشوكاني والبيهقي وابن إسحاق صاحب "السيرة" حيث سئل عن هذه القصة فقال: هذا من وضع الزنادقة. نقله أبو حيان في "البحر" وقال أبو منصور الماتريدي: هذا الخبر من إيحاء الشيطان إلى أوليائه الزنادقة، والرسالة بريئة من هذه الرواية. (معالم التنزيل في تفسير القرآن المعروف بالتفسير البغوي، 3/ 346، ط: دار احياء التراث العربي بيروت) بعض مورخین اور متملقین کے سوا کسی اہل صحت نے اس کو اخراج نہیں کیا بلکہ ابو بکر بزاز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: هذا الحديث لا نعلمه يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم بإسناد متصل... وإنما يعرف عن الكلبي عن أبي صالح... والكلبي فمما لا تجوز الرواية عنه ولا ذكره لقوة ضعفه وكذبه. (الشفا بتعريف حقوق المصطفى مذيلا بالحاشية المسماة مزيل الخفاء عن ألفاظ الشفاء، 2/ 124، ط: دار الفكر بيروت)

2۔ عن محمد ابن بشير، عمن حدثه، قال ما بقي أحد الا وقد جال جولة الا المقداد بن الأسود فان قلبه كان مثل زبر الحديد. (اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، 1/ 46، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام بقم ايران)

رضی اللہ عنہ کو شام سے مدینہ بھیجا، اس کے علاوہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن جعفر اور عبد اللہ بن مطیع بن اسود نے بھی اپنی منگنی کے مقامات انہی کے توسط سے بھیجے، ادھر غالباً حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس کے خواستگار ہوں گے، جب ام خالد نے اس معاملہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا مشیر بنا کر ان سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں میں سے کس کو ترجیح دوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور فاطمہ الزاہر رضی اللہ عنہا کے لال سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتا تو دنیا کے مال و متاع پر خاک ڈال اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہو بننے کو غنیمت جان ،چنانچہ ام خالد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کے مشورہ سے دولت کو ٹھکرا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا اور اس شرف سے مشرف ہوئی، علاوہ ازیں ابن السمان کی کتاب الموافقہ میں اہلبیت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور ان کی خاصی نسبتوں کے واقعات بیان ہوئے ہیں، وہاں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔[1]

دھوکہ نمبر 8: اہلسنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کے بجائے ان کو دھوتے ہیں حالانکہ قرآن کی آیت صاف طور پر مسح پر دلالت کرتی ہے،[2] اس دھوکہ نے بہت سے ایسے جاہلوں کو راہ راست سے بھٹکا دیا ہے جو نحو اور عربی کی معمولی شد بد کے ساتھ احکام الٰہی کی تحقیق میں قدم رکھتے اور خود کو عالم سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اتنی قابلیت بھی نہیں رکھتے اصول اور قواعد اجتہاد کو سمجھ سکیں یا مختلف مسائل میں باہم تطبیق دے سکیں۔

1۔ صحابہ کرام اور اہلبیت عظام رضی اللہ عنہم کی محبت و یگانگت اہل عقل سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اس پر صحابہ و اہلبیت رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے فضائل بیان کرنا، اہلبیت کا اپنے بچوں کے نام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھنا اور آپس کی گہری اور قریبی رشتہ داریاں دال ہیں تفصیل کے لئے ان موضوعات پر لکھی گئی کتب اور استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قریشی حفظہ اللہ کی کتاب "لوگو! میں حسین رضی اللہ عنہ ہوں" کا مطالعہ فرمائیں۔

2۔ قال الحلي: ذهبت الإمامية إلى وجوب مسح الرجلين وأنه لا يجزئ الغسل فيهما ... وقال الفقهاء الأربعة: الفرض هو الغسل، وقد خالفوا نص القرآن ... . نهج الحق: ص 409.

اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو فریقین کے نزدیک قرآن مجید میں آیت وضو میں "وَأَرْجُلِكُمْ"[1]
لام کے زیر اور زبر کی قرائتیں متواتر صحیح اور درست ہیں، پھر دونوں اس اصولی قاعدہ پر بھی متفق ہیں کہ جب متواتر قرائتیں باہم متعارض ہوں تو وہ دو مختلف آیتوں کا حکم رکھتی ہیں، اس سے پہلے تو ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کرنی چاہیے پھر ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے بارے میں غور کرنا چاہیے اگر دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو ان کو کالعدم تصور کر کے ان سے کم مرتبہ دلائل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے مثلاً دو آیتوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو حدیث کی طرف رجوع کریں، کیونکہ تعارض کے سبب آیتوں پر عمل ممکن نہ ہونے کے سبب وہ کالعدم ہوئیں اور اگر احادیث باہم متعارض ہوں تو اقوال صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہیے یا جو لوگ قیاس کے قائل ہیں ان کو مجتہدین کے قیاس پر عمل کرنا چاہیئے، پس اس آیت وضو میں ہم نے دونوں قرائتوں میں غور کیا تو اہل سنت کے نزدیک ہر دو قرأت میں دو وجوہ سے تطبیق پائی، ایک یہ کہ مسح کو غسل پر محمول کریں جیسا کہ ابو زید انصاری اور دوسرے اہل لغت نے ان الفاظ میں تصریح کی ہے۔

المسح في كلام العرب يكون غسلا ويكون مسحا ومنه يقال للرجل إذا توضأ فغسل أعضاءه قد تمسح[2] ويقال: مسح الله تعالى ما بك، أي أزال عنك المرض، ومسح الأرض المطر إذا غسلها۔[3]

کلام عرب میں مسح کے معنی غسل کے بھی ہوتے ہیں وضو کرنے والے کے لئے کہاجاتا ہے مسح یعنی اس نے وضو کیا، یہ بھی کہتے ہیں مسح اللہ کہ اللہ تعالی تیرے مرض کو دور کرے، اور اسی طرح مسح الارض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بارش نے زمین کو دھو دیا۔

1۔ سورة المائدة، الآية: 6۔

2۔ عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الوضوء، باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة، 2/ 246، ط: داراحياء التراث العربى بيروت۔

3۔ مرعاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ،باب سنن الوضو، الفصل الاول، 2/ 98، ط: بنارس الهند۔

اس وجہ میں اگر شیعہ یہ جرح کریں کہ "برؤسکم" میں مسح کے حقیقی معنی مراد ہیں اور "ارجلکم" میں مجازی معنی تو ایک ہی چیز میں حقیقت ومجاز کا اجتماع ناجائز اور ممتنع ہے؟

اس کا جواب یہ ہوگا کہ "بارجلکم" سے پہلے "امسحوا" کا لفظ مانا گیا ہے، تو اب جب لفظ دو ہو گئے تو دو معنی مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہ رہا، شارح زبدۃ الاصول امامیہ کے ماہرین عربیت سے نقل کرتا ہے کہ حقیقت و مجاز کا اس طرح جمع ہونا جائز ہے، مثلاً معطوف علیہ میں حقیقی معنی مراد ہوں اور معطوف میں مجازی، چنانچہ آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ"[1] میں کہا ہے کہ صلوۃ بحالت معطوف علیہ مخصوص ارکان شریعت میں حقیقی معنی میں یعنی مسجد جو محل نماز ہے میں مستعمل ہے شارح زبدہ کا کہنا ہے کہ یہ استخدام کی ایک قسم ہے۔[2]

امامیہ کے مفسرین کی ایک جماعت اور ان کے فقہاء نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے پس آیت زیر بحث میں بھی یہی صورت ہوگی کہ وہ مسح جو روٴس (سر) سے تعلق رکھتا ہے اپنے حقیقی معنوں میں لیا جائے گا اور وہ مسح جو پاؤں سے تعلق رکھتا ہے مجازی معنی غسل میں لیا جائے گا۔

پھر اس بحث سے قطع نظر اس آیت کے نزول سے کئی سال پہلے ابتداء بعثت ہی میں حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے وضو کی فرضیت اور اس کی تعلیم وقوع میں آچکی تھی، پس اس قسم کا ایہام یہاں مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مخاطبین، وضو کی کیفیت ترتیب تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے بلکہ روزانہ پانچ مرتبہ عملی مظاہرہ کرتے رہتے تھے اس لئے وضو کی کیفیت ترتیب کا سمجھنا ان کے لئے اس آیت پر ہی منحصر نہ تھا، بلکہ ظاہری

1۔ سورة النساء، الآية: 43۔

2۔ قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا إلى قوله ما تقولون المراد بالصلاة المسجد والدليل عليه قوله ولا جنبا إلا عابري سبيل والمقتضي لهذا التجوز قوله حتى تعلموا ما تقولون — وهذا المعنى كما ترى يناسب النهي عن اقتراب الصلاة لكن الصلاة لما كانت أكثر ما تقع تقع في المسجد جماعة على السنة وكان من القصد أن تذكر أحكام الجنب في دخوله المسجد أوجز في المقال وسبك الكلام على ما ترى. (الميزان في تفسير القرآن للسيد الطباطبائي، 4/ 360، ط: قم المقدسة)

طرز کلام سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کلام خاص وضو اور غسل کے متبادل طریقہ تیمم کے لئے ہے اور وضو کا ذکر بطور تمہید و تقریب ہے اور جو بات بطور تمہید و تقریب ہو اس کے بیان میں چنداں وضاحت ضروری نہیں ہوتی۔

دوسرے یہ کہ "ارجل" کا زیر اپنے متصل لفظ "رؤس" کے زیر کی وجہ سے ہے مگر معنی باعتبار زبر کے ہوں گے! اور جو جوار کو سیبویہ، اخفش، ابوالبقاء اور دیگر تمام معتبر نحویوں نے لغت اور عطف دونوں صورتوں میں جائز رکھا ہے اور یہی قرآن میں بھی ہے، لغت کی حالت میں جر جوار کی مثال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے" عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ "کہ اس میں الیم اگرچہ عذاب کی صفت ہے مگر جر جوار یعنی یوم کی وجہ سے مجرور ہوا،[1] عطف کی حالت جر جوار کی مثال "وَحُورٍ عِينٍ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ" ہے کہ اس میں بقرأت حمزہ کسائی اور بروایت مفضل عاصم کی قرأت پر جر جوار "بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ" کی وجہ سے مجرور ہے اور "ولدانٌ مُخَلَّدُونَ" پر معطوف ہے[2] کیونکہ "بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ" پر عطف کرنے سے اس کے کوئی معنیٰ نہیں رہتے، اس کے علاوہ خالص اور اصل شعرائے عرب کے نظم و نثر میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں نابغہ کا ایک شعر ہے:

لم يَبقَ غير أسير غَيرِ مُنفَلِتٍ ومُوثَقٍ في حِبالِ القِدّ مكبولِ

ان میں سے کوئی قیدی زندہ نہیں رہا مگر وہ جو دو رسیوں سے پابستہ ہے۔

اس میں موثق اگرچہ عطف اسیر کی موجودگی میں اس پر معطوف ہے مگر بسبب جر جوار یعنی منفلت کے مجرور ہوا، اب اگر زجاج حرف عطف کی موجودگی کے سبب جر جوار سے انکار کرے تو اس کا قول قابل توجہ نہیں کیونکہ ماہرین لسان اور ائمہ عربیت نے اس کو جائز رکھا ہے، اور قرآن مجید اور بلغاء عرب کے کلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں زجاج کا قول دراصل اس کے تتبع اور تحقیق کی خامی کے سبب ہے اسی کے ساتھ یہ ایک طرح کی شہادت پر نفی ہے اور ایسی شہادت معتبر نہیں اس مسئلہ میں اہلسنت نے تطبیق کی ایک دوسری صورت بھی ذکر کی

1۔ تفسير الطبري: 25/ 94و روح المعاني: 25/ 97.

2۔ إعراب القرآن، للنحاس: 3/ 324و ، إتحاف فضلاء البشر، للنبا: ص 407.

ہے وجہ یہ کہ قراۃ جر (زیر) کو موزہ پہننے کی حالت پر محمول کرتے ہیں اور قرآت نصب (زبر) کو پاؤں میں موزہ نہ ہونے کی صورت پر، لیکن اس صورت میں ہمیں ایک ضمیر ماننے کی مجبوری درپیش ہے جو طبیعت سے کچھ دور ہے۔

شیعہ حضرات کے نزدیک بھی ان دونوں قراءتوں میں دو وجوہ سے تطبیق دی جاتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اہلسنت قرآت نصب کو جس کے ظاہری معنی غسل کے ہیں اصل قرار دیتے ہیں اور قرآت جر کو اسی طرف لوٹاتے ہیں اور شیعہ اس کے برخلاف کرتے ہیں۔

پہلی وجہ تطبیق یہ ہے کہ قرآت نصب کی صورت میں ارجل کا عطف محل رؤس پر ہو اس صورت میں رؤس اور ارجل (سر پاؤں) ہر دو پر مسح کا حکم ہو گا اس لئے کہ اس قرآت پر اگر منصوب پر عطف کرتے ہیں تو معطوف اور معطوف علیہ میں اجنبی جملے کا فاصلہ آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہو جیسا کہ کہتے ہیں "استوی الماء والخشبة"[1] مگر ان دونوں وجوہ پر اہلسنت کی طرف سے چند اعتراضات ہیں اول تو یہ کہ محل پر عطف قرار دینا باجماع فریقین خلاف ظاہر ہے اس صورت میں عطف مغسولات پر ہے اور ظاہر سے انحراف بغیر دلیل ظاہر کے جائز نہیں، اگر اس پر قراءت جر کو دلیل ٹھہرائیں جیسا کہ پچھلے کلام سے معلوم ہوا تو وہ قرآۃ نسب میں ہو سکتا ہے اور اجنبی جملے کا بیچ میں آنے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب "وامسحو برؤسکم وارجلکم" کا تعلق مغسولات سے کچھ نہ ہو اور اگر یہ معنی کئے جائیں کہ دھونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو سر پر ملو تو اجنبی کا فصل کیسے ہوا اکثر اہلسنت کا مذہب بھی یہی ہے کہ بقیہ غسل سے مسح کر سکتے ہیں۔

ایک وجہ اعتراض یہ بھی ہے کہ دو متعاطف یا معطوف علیہ میں کسی بھی اہل عربیت کے نزدیک فصل ممتنع نہیں بلکہ ان کے ائمہ نے بھی اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے اور ابو البقاء نے تو تمام نحویوں کا اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے، ہاں اہل بلاغت کے کلام میں اجنبی کا درمیان میں لانا کسی خاص نکتہ پر مبنی ہوتا ہے۔

1۔ قرره عبد الله التستري في نهاية الإقدام: ص 427.

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ اگر "ارجلکم" کا عطف محل "برؤسکم" پر کریں تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے غسل کے معنی سمجھیں کیونکہ عربی کے مقررہ قوائد میں سے ایک قائدہ یہ بھی ہے کہ جب قرب معنٰی والے دو فعل ایک جگہ جمع ہوں جن میں سے ہر ایک کا ایک متعلق ہو تو ایک فعل کو حذف کر کے اس کے متعلق کا فعل مذکور پر عطف کرنا گویا اسی کا متعلق ہے، عبید بن ربیعہ العادی کا یہ شعر اسی قبیل سے ہے:

فَعَلا فُرُوعُ الأيْهُقَانِ وَأطْفَلَتْ   بالجَلهَتين ظِبَاؤهَا ونَعَامُهَا[1]

چڑیا ایہقان کی شاخوں پر اور بچے دیے پہاڑوں میں ہرنیوں اور شترمرغوں نے۔

یہاں باضت فعل حذف ہوا باضت نعامها، اس لئے کہ شترمرغ بچے نہیں انڈے دیتی ہے اسی قاعدہ کی ایک اور مثال ایک اور شاعر کے کلام سے بھی ملتی ہے:

تَراهُ كأنَّ اللهَ يَجدَعُ أنفَه   وعَينَيهِ إنْ مولاهُ ثابَ له وَفْرُ[2]

تو اسکو دیکھے گا کہ گویا اس کا آقا اس کی ناک کاٹتا ہے، اس کی آنکھیں پھوڑتا ہے، اس کا آقا بہت دولت مند تھا۔

اس شعر میں قاعدہ مذکورہ کے مطابق یفقا فعل محذوف ہے اس کے متعلق کا عطف فعل مذکورہ کے متعلق پر کر دیا ہے، اس قاعدہ کی تیسری مثال میں ایک اور شاعر کا قول ہے:

إذا ما الغانيات برزن يوما   وزَجَّجْنَ الْحَوَاجِبَ والْعُيُونا[3]

جب نکلیں کسی دن گانے والیاں کشیدہ ابرو اور سرمہ لگائے آنکھوں میں۔

یہاں کحلن فعل محذوف ہے یعنی کحلن العیرنا. اسی قاعدہ کے مطابق کسی اعرابی کا قول:

1۔ لسان العرب لابن منظور، 10/ 11، ط: أدب الحوزة قم إيران.

2۔ تاج العروس من جواهر القاموس، للزبيدي، 11/ 57، ط: دارالفكر للطباعة والنشر والتوزيع.

3۔ لسان العرب لابن منظور، 2/ 287، ط: أدب الحوزة قم - إيران.

علفتها تبنا وماء باردا، أي وسقيتها۔[1]

یہاں سقیتھا فعل محذوف ہے جس کا متعلق ماء مذکور ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کہ واو کو مع کے معنیٰ میں لینا بغیر قرینے کے جائز نہیں اور یہاں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف قرینہ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب دونوں طرف تطبیق کی وجوہ ہیں تو اب سوال ترجیح کا رہ جاتا ہے، اس کے لیے اہلسنت کے محققین احادیث نبویہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہی کو بسبب ترجیح قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآنی معانی کو یہی حل کرتی ہیں، پھر زیر بحث وضو ایسا عمل ہے جس کو رسالت ماب ﷺ دن رات میں پانچ مرتبہ عمل میں لاتے تھے اور نو مسلموں کی خاطر ایسے احکام شریعہ کو کھلم کھلا طریقے سے شہرت دیتے تھے جو مسلمان ہوتا تو سب سے پہلے نماز اور اس سے بھی پہلے اس کے شرائط مثلا وضو سیکھنا، ان میں سے کسی نے بھی آنحضرت ﷺ سے پاؤں پر مسح کرنے کی روایت نہیں کی بلکہ غسل کی ہی روایت کی ہے۔ یہاں تک کہ خود شیعہ اسکے معترف ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے غسل رجلین کی ہی روایت ہے البتہ شیعہ حضرات یہ کہہ کر بحث ختم کر دیتے ہیں کہ ائمہ سے ہم کو صحیح روایات پہنچتی ہیں کہ وہ مسح کیا کرتے تھے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہلسنت جن ائمہ سے غسل کی روایت بیان کرتے ہیں وہ صرف تقیہ تھا، اب اس پر اہلسنت کہتے ہیں کہ امامیہ کی کتب صحیحہ میں صاف صاف روایتیں موجود ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ائمہ اطہار ایسے موقعوں پر جہاں تقیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی پاؤں دھویا کرتے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ غسل کی روایت ائمہ سے اتفاق شدہ ہیں اور مسح کی روایت مختلف فیہ کہ بعض شیعہ روایت کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔

بہر حال یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا فعل بالاجماع غسل ہی کا ہے آنحضرت ﷺ سے مسح کی روایت ہر دو فریق میں سے کسی نے نہیں کی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے زیادہ قرآن کے معانی کو کوئی نہیں سمجھتا تھا اور نہ سمجھ سکتا تھا اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ غسل کے جو معنیٰ ہم نے سمجھے ہیں وہ

1۔ شرح رضی علی الکافیۃ، للاستر آبادی، 1/ 520، ط: کلیۃ اللغۃ العربیۃ والدراسات السلامیۃ۔

عین آنحضرت ﷺ کی سمجھ کے مطابق ہیں، اور یہیں سے وہ الزام لوٹ گیا کہ فہم آنحضرت ﷺ کے بموجب قرآن کی مخالفت شیعہ کرتے ہیں اہلسنت نہیں! سچ ہے جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، اس میں خود ہی جا گرتا ہے۔

اور زیادہ تعجب اور اچنبے کی بات یہ ہے کہ ان کے جلیل القدر علماء نے پاؤں دھونے کی روایتیں اپنی کتابوں میں کی ہیں اور ان کا کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی راویوں کا کوئی عذر بیان کیا ان کی اس انوکھی بات کا عذر کوئی ہو سکتا ہے، تو صرف یہ کہ دروغ گورا حافظہ نباشد، اور عذر نسیان واقعی بالا جماع عذر شرعی ہے، اب ذرا ان حضرات کی اس سلسلہ کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

فقد روى العياشي عن علي بن أبي حمزة قال: سألت أبا إبراهيم عن القدمين، فقال تغسل غسلا۔[1] علی بن حمزہ سے عیاشی روایت کرتا ہے کہ علی نے ابو ابراہیم سے قدمین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یقیناً دھوئے جائیں گے۔

وروى محمد بن نعمان عن أبي بصير عن أبي عبد الله عليه السلام: إذا نسيت مسح رأسك حتى تغسل رجليك فامسح رأسك حتى تغسل رجليك، فامسح رأسك ثم اغسل رجليك۔[2]

محمد بن نعمان نے ابی بصیر سے اور انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ اگر سر کا مسح بھول جائے اور پاؤں بھی دھولے تو اب سر کا مسح کر اور پاؤں پھر دھو۔

1۔ عن علي بن أبي حمزة قال: سألت أبا إبراهيم عليه السلام عن قول الله {يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة} إلى قوله تعالى: {إلى الكعبين} فقال: صدق الله، قلت جعلت فداك كيف يتوضأ؟ قال مرتين مرتين، قلت: يمسح؟ قال مرة مرة، قلت: من الماء مرة؟ قال: نعم قلت: جعلت فداك فالقدمين؟ قال: اغسلهما غسلا.(تفسير العياشي: 1/ 301، ط: المكتبة العلمية الاسلامية طهران سوق الشيرازي)

2۔ الكافي للكليني،: 3/ 35 و تهذيب الأحكام للطوسي: 1/ 99 و الاستبصار: 1/ 74.

اس روایت کو کلینی اور ابو جعفر طوسی دونوں نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے، اس میں نہ ضعف کی گنجائش ہے نہ تقیہ کی کیونکہ مخاطب مخلص شیعہ تھا۔

وروى محمد بن الحسن الصفارعن زيد بن علي عن أبيه عن جده أمير المؤمنين قال: جلست أتوضأ فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما غسلت قدمي قال: يا علي خلل بين الأصابع۔[1]

محمد بن حسن صفار نے زید سے زید نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وضو کرنے بیٹھا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، جب میں نے پاؤں دھوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا علی، انگلیوں میں خلال بھی کرلو۔

اس طرح کی اور روایات بھی ان کی کتب صحیحہ میں موجود ہیں اس بیان سے یہ دو باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل تو یہ کہ شیعہ حضرات کو چاہیے کہ بموجب قواعد اصول مسح و غسل ہر دو کو جائز رکھیں نہ صرف مسح کو، دوسرے یہ کہ اگر اہلسنت غسل کی روایت کو جس کی سند پر دونوں کا اتفاق ہے، احتیاطاً اختیار کریں اور مسح کی روایت کو جس کی سند مختلف فیہ ہے نظر انداز کر دیں تو وہ ہر گز قابل الزام اور لائق ملامت نا ہوں گے خصوصاً جب کہ شریف رضی نے نہج البلاغہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی روایات بیان کی ہیں جن میں پاؤں کا دھونا ثابت کیا ہے۔[2]

1۔ تهذيب الأحكام، للطوسی: 1/ 93و الاستبصار: 1/ 65 ووسائل الشيعة لحر العاملي : 1/ 421.

2۔ مشہور شیعہ عالم فضل بن حسن الطبری (م:548ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: (لفظ ارجلکم) کی نصب کے ساتھ قرآت کے بارے میں مفسرین کرام نے فرمایا کہ اس صورت میں اس کا عطف "ایدیکم" پر ہوگا (جس کی وجہ سے "فاغسلوا" امر کا مفعول یہ بنے گا اور ہاتھوں کی طرح پاؤں کے بھی دھونے کا حکم ہوگا نہ کہ مسح کرنے کا) کیونکہ ہر دور کے فقہاء کرام کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے) پاؤں کو دھوتے ہوئے مسح نہیں کرتے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف غسل ہی کی روایت کی ہے، اور وہ ضعیف روایات جو بطریق عباد بن تمیم اور اس کے چچا سے مروی ہیں کہ آپ نے وضو کیا اور قدموں پر مسح کیا وہ سب خلشوں سے خالی نہیں،[1] اس لیے کہ اوّل تو وہ اس روایت میں منفرد ہے اور عام راویوں سے اپنی روایت میں مختلف، دوسرے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے اس وقت اپنے پاؤں میں موزے پہن رکھے ہوں اور راوی نے موزے نہ دیکھے ہوں صرف مسح کا عمل دیکھا ہو اور تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے مسح کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہو اور امیر المومنین سے جو روایت بایں الفاظ مروی ہے کہ:

مسح وجهه بيديه ومسح على رأسه ورجليه وشرب فضل طهوره قائما وقال، وقال: إن الناس تزعم أن الشرب قائما لا يجوز وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع ما صنعت فهذا وضوء من لم يُحْدِث۔[2]

یعنی اپنے چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں کا مسح کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور وضو کا لوگ گمان کرتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز نہیں تو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ میں نے کیا، یہ وضو اس شخص کا ہے جس کا وضو نہ ٹوٹا ہو۔

شیعوں کی طرف سے یہ روایت اس لیے حجت نہیں بن سکتی کہ امر زیر بحث ہے بے وضو کا وضو ہے نہ وضو والے کا وضو، کیونکہ محض نظافت و پاکیزگی اطراف تو مسح سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں چہرے اور ہاتھوں کا مسح بھی بیان کیا ہے، جب کہ خود شیعوں کے ہاں بھی ہاتھوں اور چہرہ کے مسح کا کوئی قائل نہیں گو ان میں سے ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا مذہب یہی

دیکھا اور وضو کرتے وقت پاؤں کی ایڑیاں نہ دھلنے کی وجہ سے سفیدی نظر آ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: ایسی ایڑیوں کے لئے جہنم کی آگ سے تباہی اور ہلاکت ہے۔ (تفسیر مجمع البیان 2/165، مطبوعہ تہران جدید)

1۔ قال ابن الجوزي بعد سرد روايات المسح: ليس في هذه الأحاديث ما يصح ثم أشار إلى الرواية عن عباد بن تميم فقال: في إسناده ابن لهيعة وليس بشيء. العلل المتناهية: 1/ 349.

2۔ شرح معاني الآثار للطحاوي، باب فرض الرجلين في وضوء الصلاة، 1/ 34، ط: عالم الكتب.

مسح ہے، جیسے عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود اور ابو ذر اور انس رضی اللہ عنہم حالانکہ یہ محض [illegible] اصحاب میں سے کسی سے بھی صحیح طریق پر کوئی ایسی روایت مروی نہیں جس سے معلوم ہو [illegible] قائل تھے، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو بطور شبہ و تعجب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم قرآن میں [illegible] ہیں مگر اہل اسلام نے غسل ہی کو مانا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق [illegible] ظاہری الفاظ سے تو مسح کا پتہ چلتا ہے لیکن حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل [illegible] تھے،[2] اس سے واضح طور پر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ زیر کی قراءت قابل تاویل اور [illegible]

اس سے ایک اور بات یہ بھی ظاہر ہوئی کہ ابو العالیہ، عکرمہ اور شعبی سے جو لوگ یہ روایت [illegible] کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مسح کو جائز کہتے تھے، محض افتراء اور ان پر بہتان ہے۔ اسی طرح جناب حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مسح اور غسل ہر دو کو جمع کرنے کے قائل تھے جیسے کہ زیدیہ میں سے [illegible] یہ مذہب ہے تو یہ بھی بہتان اور جھوٹ ہے، یہ محمد ابن جریر طبری کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اختیار کے قائل تھے کہ چاہو مسح کرو اور چاہو تو غسل کرلو یہ بھی جھوٹ ہے ودر حقیقت شیعہ راویوں نے اس قسم کے جھوٹ گھڑ کر ان کو مشہور کیا ہے، اور بعض اہلسنت نے بھی صحیح وضعیف میں تمیز کئے بغیر بے سند، اس کی روایت کر دی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ جو اہلسنت میں آثارِ صحابہ و تابعین کے علم میں بلند مرتبہ کے مالک ہیں عبد الملک بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عطاء سے دریافت کیا کہ کیا تم کو کسی صحابی سے ایسی روایت ملی ہے کہ انہوں نے پاؤں پر مسح کیا ہو تو عطا نے جواب دیا کہ نہیں۔[3]

1۔ وروي عن أنس أيضا أنه قال: نزل القرآن بالمسح والسنة بالغسل. (الجامع لاحكام القرآن المعروف بالتفسير القرطبي، 6/ 92، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

2۔ جاء عن ابن عباس :نزل القرآن بالمسح-(المحلىٰ لابن حزم، 2/ 56، ط: دارالفكر) وفي رواية : لم نجد في كتاب الله إلا المسح ولكنهم أبوا إلا الغسل-(المصنف لابن أبي شيبة: 1/ 27و السنن لابن ماجة: 1/ 156)

3۔ عن عبد الملك، قال: قلت لعطاء: أبلغك عن أحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه مسح القدمين؟ قال: لا .(شرح معاني الآثار للطحاوي، باب فرض الرجلين في وضوء الصلاة، 1/ 41، رقم :220،ط: عالم الكتب)

یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ محمد بن جریر طبری نام کے دو اشخاص ہیں ایک محمد بن جریر بن رستم آملی، اور یہ شیعہ ہے جو کتاب "الایضاح والمسترشد در بیاں امامت" کا مصنف ہے، دوسرے محمد بن جریر بن غالب طبری، ابو جعفر ہے، جو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر کا مصنف ہے یہ اہلسنت میں سے ہے اور انہوں نے صرف غسل کی روایت کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی اعرابی حالت کی توجیہ کرنے کو قرآن کی مخالفت کہنا اس شخص کے لیے ہرگز زیبا نہیں جس میں ذرا عقل بھی ہو، ہاں اگر قرآن کے الفاظ و کلمات کا جو انکار کرے وہ ضرور قرآن کی مخالفت کرتا ہے، جیسا کہ یہ شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن میں "الی المرافق" کا لفظ نہیں ہے بلکہ "من المرافق" ہے،[1] اسی طرح قرآن کے کسی حکم کا انکار کرنا یا اس کے کسی عام حکم کو خاص کرنا قرآن کی مخالفت ہے۔

چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ باپ کی میراث میں سے تلوار، قرآن، انگوٹھی اور بدنی پوشاک بڑے بیٹے کا مخصوص حق ہے اس کے علاوہ اور بھی مال اگر چھوڑا ہو تو اس سے بھی حصہ لے گا، اس طرح شوہر کی میراث میں زمین، جاگیر، مکان، جانوروں، ہتھیاروں اور باغات میں بیوی کا حصہ نہیں مانتے،[2] حالانکہ قرآن مجید، ان ہر دو کے میراث میں حصہ اور حقوق بلا کسی تخصیص اور صاف صاف بتاتا ہے چنانچہ مطہر حلی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، اسی طرح مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے متعلق مدح کی آیات کو ایک خاص زمانہ تک مخصوص کرنا یا ان میں سے بعض کو مدح و تعریف کے لیے مخصوص کرنا قرآن کی سراسر مخالفت ہے۔ (نعوذ باللہ)

---

١ - عن سهل بن زياد عن علي بن الحكم عن الهيثم بن عروة التميمي قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن قوله تعالى: "فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق " فقال: ليس هكذا تنزيلها إنما هي فاغسلوا وجوهكم و أيديكم من المرافق- (تهذيب الاحكام ، للطوسى ، ١/ 57، الناشر دار الكتب الاسلامية تهران)

2 ـ عن زرارة عن محمد بن مسلم، عن أبي جعفر عليه السلام قال: النساء لا يرثن من الأرض ولا من العقار شيئا وفى رواية : عن زرارة، عن أبي جعفر عليه السلام أن المرأة لا ترث مما ترك زوجها من القرى والدور والسلاح والدواب شيئا-(الفروع من الكافى ، 7/ 127 ، دارالكتب الاسلامية وتهذيب الاحكام للطوسى ، 9/ 298، ط: دارالكتب الاسلامية ،تهران وعوالى اللالى العزيزية في الأحاديث الدينية، 3/ 505، ط: مطبعة سيد الشهداء)

دھوکہ نمبر9: اہلسنت حدیث کی صریح مخالفت کرتے ہیں

یہ کہتے ہیں کہ " اہلسنت حدیث کی صریح مخالفت کرتے ہیں، کہ متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے اور صلوۃ الضحیٰ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "مَا صَلَّيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ" کی وجہ سے حرام جانتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں متعہ جائز تھا اور صلوۃ الضحیٰ آپ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ ائمہ سے مروی ہے"۔

اس طعن اور دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت ابتداء اسلام میں اس کے جواز کو مانتے ہیں اور اس کو بھی مانتے ہیں کہ اوّل مرتبہ حرام ہو جانے کے بعد بعض غزوات میں بوجہ ضرورت اس کی اجازت دی گئی تھی البتہ اب تک اور ہمیشہ کے لیے اس کے جواز کے منکر ہیں اس کے متعلق ممانعت اور حرمت اہلسنت کے نزدیک صحیح طریق سند سے ثابت ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس تحریم کو رائج کرنے اور تاکید کرنے والا مانتے ہیں، (نہ کہ حرام کرنے والا)

اسی طرح صلوۃ الضحیٰ اہلسنت کے نزدیک مسنون ہے مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں بسند صحیح اور طبرانی کی کتاب الدعا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أمرت بصلاة الضحى۔[1] مجھ کو صلوۃ ضحیٰ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم، مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں معاذ عدویہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

سالت عائشة كم كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى صلوة الضحى فقالت اربع و يزيد ما يشاء۔[2]

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور ﷺ چاشت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے، آپ نے جواب دیا چار رکعت اور حسب منشاء اس میں اضافہ بھی فرمالیتے۔

1۔ المعجم الكبير للطبرانی، 11/ 301، رقم: 11802، ط: مكتبة ابن تيمية القاهرة۔

2۔ صحيح المسلم، كتاب صلوٰة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة الضحىٰ---الخ، 1/ 497، رقم: 719۔

پس معلوم ہوا کہ صلوۃ الضحیٰ سے انکار کی نسبت اہلسنت کی طرف سراسر کذب، بہتان اور افتراء ہے، و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکار کو دو وجوہ پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے یا تو اس کی ہمیشگی کا انکار فرمایا، اصل نماز سے انکار نہیں فرمایا یا اس نماز کا دیگر نمازوں کی طرح باجماعت پڑھنے سے انکار فرمایا جس کا طریقہ اس زمانے میں رائج ہو چکا تھا یعنی آپ نے اس کا انکار فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیئت اجتماعی اور جماعت بندی کے ساتھ یہ نماز بھی نہیں پڑھی۔

متعہ کے متعلق تحقیق ان شاءاللہ اپنے مقام پر آگے آئے گی، حاصل کلام یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض دوسری روایات پر ترجیح دینے کا نام مخالفت حدیث رکھنا عقل سے بعید البتہ تعصب سے قریب ہے، ہاں مخالفت حدیث یہ ہے کہ جس کا ارتکاب شیعہ حضرات کرتے ہیں اور خلاف حدیث عقائد رکھتے ہیں مثلاً: ترک جمعہ و جماعت کا جائز سمجھنا، وودی، مذی کو طاہر و پاک سمجھنا، اور ان کے خروج سے وضو نہ ٹوٹنا، عضو تناسل کے تین مرتبہ جھٹکنے کے بعد (نکلنے والے) پیشاب کا پاک ہونا، اس کے خروج بلکہ سیلان کے بعد نماز کا جائزہ ہونا،[1] چنانچہ یہ تھوڑے سے چند مسائل باب فرع میں ان شاءاللہ بیان کئے جائیں گے۔

دھوکہ نمبر 10: اہلسنت خود کو شارع جانتے ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت خود کو شارع سمجھتے ہیں کیونکہ جس چیز کا حکم خدا نے نہیں دیا یہ اپنی عقل سے اس کو شریعت میں داخل کر دیتے ہیں مثلاً قیاس کو بھی حکم شرعی کی ایک دلیل قرار دے کر اس سے احکام شرعی نکالتے ہیں۔

حقیقت اگر دیکھی جائے تو یہ طعن اہلسنت پر نہیں بلکہ اہلبیت پر ہے کیونکہ زیدیہ اور تمام اہلسنت قیاس کی روایت اہلبیت ہی سے کرتے ہیں اور انہوں نے طریق قیاس ان ہی بزرگوں سے سنا ہے چنانچہ قیاس کی روایات کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ امامیہ میں سے ابو نصر ہبۃ اللہ ابن احمد بن محمد اور اس کے پیرو اس کے قائل ہیں کہ قیاس بھی ایک شرعی حجت ہے، اس لئے عام اثنا عشری طعن کے طور پر ان کو ثلاثہ عشریہ کہتے ہیں اور تعجب کی

1۔ رسالہ توضیح المسائل، آقا حسین طباطبائی، ص: 31، مطبوعہ: 1429ھ۔

بات تو یہ ہے کہ قیاس کی روایتیں خود اثنا عشریوں کی کتب صحاح میں سند صحیح کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے ایک روایت کو ابو جعفر طوسی تہذیب میں ابو جعفر محمد بن علی الباقر رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ میں روایت کرتا ہے:

انه جمع عمر بن الخطاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما تقولون في رجل يأتي أهله ولا ينزل؟ فقالت الأنصار: الماء من الماء، وقال المهاجرون: إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل، فقال عمر لعلي رضي الله عنهما: ما تقول يا أبا الحسن؟ فقال: توجبون عليه الجلد ولا توجبون عليه صاعا من الماء؟"[1]

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو جمع فرما کر ان سے سوال کیا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے اپنے بیوی سے صحبت کی مگر اس کو انزال نہیں ہوا؟ اس پر انصار بولے کہ قاعدہ الماء بالماء کے موافق غسل انزال پر ہوتا ہے اس پر مہاجرین نے فرمایا کہ جب دو شرمگاہیں باہم مل جائیں تو اس غسل واجب ہوتا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ابو الحسن تم اس بارے میں کیا کہتے ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں تم لوگ اس پر حد کو تو واجب جانتے ہو مگر ایک صاع پانی یعنی غسل اس پر واجب نہیں جانتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا حد شرعی پر غسل کے قیاس کی کھلی اور صاف صورت ہے، بعض دانشمند شیعہ اس قیاس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں ہے بلکہ ایک اولی اور بہتر چیز سے غیر اولی پر دلیل لانا ہے جس کو حنفیہ کی اصطلاح میں دلالت النص کہتے ہیں، جیسے "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ "[2] کا مارنے کی حرمت پر دلالت کرنا، اس کے سمجھنے میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں برابر ہیں، شیعوں کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب صحبت بلا انزال سخت وسنگین مشقت یعنی حد پر اثر انداز ہوئی تو کمزور وضعیف مشقت یعنی غسل پر بطریق اولی اثر انداز ہو گی، اس تقریر کا بے ڈھنگا پن دیکھیے۔

1۔ تهذيب الأحكام للطوسی: 1/ 119 ومستدرك الوسائل للنوری: 1/ 451.

2۔ سورة بنی اسرائيل، الآية: 23۔

اگر آپس میں ایک دوسرے سے مس (رگڑ) کا عمل ہو تو یہ عمل اہلسنت کے نزدیک باعث تعزیر ہے،[1] اور امامیہ کے نزدیک حد شرعی کا موجب ہے اور بالاجماع غسل واجب نہیں ہوتا، اسی طرح دخول کے ساتھ لواطت کا فعل ہو تو وہ بعض اہلسنت اور امامیہ کے نزدیک حد شرعی کا موجب ہے ان کے علاوہ اوروں کے نزدیک موجب تعزیر ہے، اور امامیہ کے نزدیک اس پر غسل واجب نہیں یا مثلاً اجنبی عورت کے ساتھ مباشرت فاحشہ صرف موجب تعزیر ہے نہ موجب غسل بالاتفاق،[2] حلی شارح مبادی الاصول باوجود کٹر اور متعصب شیعہ ہونے کے اس بات کا مقرو معترف ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں قیاس پر عمل ہوتا تھا۔[3]

علاوہ ازیں آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ امام باقر امام صادق اور امام زید شہید رحمہم اللہ نے جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو قیاس کی اجازت دی تھی، باقی یہ بات کہ قیاس کے ثبوت کے دلائل اور منکرین کے اقوال کی تردید تو ان سب کے لئے اہلسنت کی اصول کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

دھوکہ نمبر 11: مذہب شیعہ حق اور اہلسنت باطل پر ہیں

شیعہ کہتے ہیں کہ اثنا عشری مذہب حق ہے اور اہلسنت کا مذہب باطل ہے اس لئے کہ اکثر اوقات اور اکثر شہروں میں اثنا عشری تعداد میں کم اور ذلیل وخوار جب کہ اہلسنت کی تعداد بھی بہت ہے اور عزت وقار بھی ان کو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے بارے میں "وَقَلِيلٌ مَا هُمْ"[4] اہل حق کم ہیں، فرمایا اور

1۔ قوله: كل معصية ليس فيها حد مقدر ففيه التعزير. في شرح الطحاوي كما تقدم، والأصل في وجوب التعزير أن من ارتكب منكرا أو آذى مسلما بقوله أو فعله وجب عليه التعزير.(غمز عيون البصائر في شرح الأشباه و النظائر، كتاب الحدود و التعزير، 2 / 182، ط: دار الكتب العلمية)

2۔ روى الكليني وغيره عن الصادق أنه قال: إذا أتى الرجل المرأة في دبرها فلم ينزل فلا غسل عليهما، فإن أنزل فعليه الغسل ولا غسل عليها. الكافي: 3/ 47؛ الطوسي، تهذيب الأحكام: 1/ 125.

3۔ ألفه علي بن الحسين بن علي الإمامي من تلاميذ الحلي، شارحا كتاب (مبادئ الأصول) لشيخه، وفرغ منه سنة 706هـ الذريعة: 7/ 213۔

4۔ سورة ص ، الآية:24۔

ایک اور جگہ فرمایا "وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ"[1] (میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہیں)[2]

شیعوں کی یہ بات کلام اللہ کی تحریف اور تبدیلی کہی جاسکتی ہے۔انہوں نے کلام للہ کے متعلق غلط بیانی کی ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالی نے اس امت کے اصحاب الیمین (وہ جن کے اعمال نامے قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے کے بارے میں فرمایا ہے" ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ"[3] (ایک انبوہ ہے پہلوں سے اور ایک انبوہ ہے پچھلوں سے) جس سے کثرت معلوم ہوتی ہے۔البتہ جہاں کی بتائی ہے وہاں شکر گزار بندے مراد ہیں جیسا فرمایا "وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ"[4] (ان میں سے اکثر کو آپ شکر گزار نہیں پائیں گے)اور واقعہ بھی یہی ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو ان کی فطری اور خلقی غرض وغایت میں صرف کرنے کا نام ہی شکر ہے،اور حقیقت میں یہ درجہ نادر الوقوع اور بہت ہی کمیاب ہے ،توان آیات میں کسی مذہب کی حقانیت یا بطلان کا ذکر کہاں سے نکل آیا،البتہ شاکرین کی قلت اور ناشکروں کی کثرت کا بیان ہے۔اسی طرح آیت "وَقَلِيلٌ مَا هُمْ" میں اس کا ذکر ہے کہ تمام نیک کام کرنے والے کامیاب ہیں،چنانچہ ارشاد فرمایا "إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ"[5] (مگر جو ایمان لائے اور کام نیک کئے وہ بہت کم ہیں) اس آیت میں بھی حق و باطل عقائد کا ذکر کہاں ہے؟اور اگر ذلت و قلت حقانیت کا سبب ہو تو پھر انہیں مان لینا چاہیے کہ نواصب،خوارج،زیدیہ،افطحیہ،ناوسیہ وغیرہ اثنا عشریہ سے زیادہ

1۔ سورة سبا، الآية:13۔

2۔ قال ابن رستم الطبري: فإنا وجدنا الكثرة في موارد من كتاب الله تعالى هي المذمومة والقلة هي المحمودة...، ثم قال: أفلا ترى أن القلة حمدت وإنما قلوا وما كانت يد الله على جماعة أهل الباطل قط، فإن زعمتم أن يد الله على من قال بقولكم فهذه شيعة أخرى تزعمون أن يد الله على من نسب الحكم إلى غيره.... (الإيضاح: ص 125)

3۔ سورة الواقعة، الآية: 39، 40۔

4۔سورة الاعراف، الآية:17۔

5۔ سورة ص، الآية:24۔

حقانیت وصداقت کے حامل ہوں کیونکہ یہ فرقے باعتبار تعداد بھی اثنا عشریہ سے کم ہیں اور ان کی نسبت ذلیل بھی زیادہ ہیں، اس کے برخلاف اللہ تعالی نے تو اپنی کتاب عزیز میں بار بار یہ فرمایا ہے کہ اہل حق کا ظہور، غلبہ اور تسلط ہو گا چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ[1]

اپنے رسول بندوں کے متعلق ہمارا حکم پہلے ہی جاری ہو چکا کہ ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر بلاشک غالب ہونے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔[2]

(زبور میں نصیحت کی باتوں) کے بعد ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔[3]

ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے پہلوں کو جس طرح اقتدار دیا تھا ان کو بھی زمین پر اقتدار دے گا اور ان کے دین کو مضبوط کرے گا جس کو

1۔ سورۃ صافات، الآیۃ: 171، 172، 173۔

2۔ سورۃ الانبیاء، الآیۃ: 105۔

3۔ سورۃ النور، الآیۃ: 55۔

اللہ تعالی نے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

اسی طرح کی اور بھی آیات ہیں اور احادیث میں بھی جابجا تاکید ملتی ہے کہ امت کی جمہوریت کی موافقت وتابعداری کرنی چاہیے، پھر قرآن واحادیث میں مجاہدین کی تعریف کی گئی ہے اور حدیث میں یوں آیا ہے:

لَا يَزَال مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بامر اللهِ لَا يَضرهُمْ مَنْ خَالَفهم ـ[1]

اور میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر جمی رہے گی، مخالف اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے

اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ شیعوں میں سے آج تک کوئی بھی جہاد پر کمربستہ نہیں ہوا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے کسی ملک یا اس کے حصہ کو کفار سے چھین کر اسے دار السلام بنایا بلکہ اس کے برخلاف انہیں اگر کسی شہر کی سیاست یا حکمرانی ملی بھی جیسے مصر وشام کی ریاست ان کے ہاتھ بھی گئی تو انہوں نے کفار ہی کی طرف دوستی اور یگانگت کا ہاتھ بڑھایا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ کر دار الاسلام کو دار الکفر میں تبدیل کر دیا (یہ ہمیشہ کافروں سے دوستی اور مسلمانوں کے قتل پر شیر رہے) چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں اس مذہب کے (سبز قدم) نہیں پہنچے وہاں کے باشندے ہمیشہ غالب، ذی عزت وشان رہے، چنانچہ توران، ترکستان، روم اور ہندوستان کے بادشاہوں نے شیعوں کے اختلاط اور دوستی سے پہلے عزت وشان کی زندگی بسر کی ہے، اور جب بھی کسی شہر اور ملک میں شیعہ مذہب رائج ہوا وہیں فتنہ وفساد، بدبختی اور ذلت اور باہمی نفاق، جو زوالِ سلطنت کے اندرونی اسباب شمار ہوتے ہیں آسمان سے بارش کی طرح برسنے لگے، اور پھر وہاں کی فضا ناقابل اصلاح ہو گئی، ایران، دکن اور ہندوستان ہی نہیں، ملک عرب شام، روم، توران اور ترکستان وغیرہ کے حالات کو دیکھ لیجیے (تو اس کی تصدیق ہو جائے گی)۔

اور تاریخ کا ایک یہ بھی ناقابل تردید تجربہ ہے کہ جب بھی اتفاق سے کسی ملک میں شیعی غلبہ ہوا ہے تو اس کے متصل بعد ہی اس پر کفار کا غلبہ ہونا گویا لازمی ہو گیا، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا تسلط کفار کے تسلط کا گویا پیش خیمہ ہوتا ہے اور یہ گویا چھوٹے کفار ہیں، بنگال، دکن، پورب، دہلی و گرد و نواح، لاہور، پنجاب میں کفار کو

---

1 ۔مسند ابی یعلیٰ الموصلی، 13/ 375، ط: دارالمامون للتراث۔

یہی بدبخت سیاہ رو، سیاہ کاری بر سر اقتدار لائے، اس سے بھی پہلے فتنہ تاتار، اہل اسلام کا قتل قرامطہ اور اسماعیلیہ کا زور ان ہی کی وجہ سے ہوا، ان رافضیوں کے فرقے عراقین، بغداد، دلی اور کرخ میں پھیل گئے بمطابق آیت کریمہ "وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً"[1] (ایسے فتنے سے بچو جس کی لپیٹ میں صرف ظالم ہی نہیں آئیں گے) نیک وبد سارے ہی تباہی وبربادی کا شکار ہوئے۔

دھوکہ نمبر 12: علماء شیعہ اہلسنت پر اپنی کتب میں ناحق عیب لگاتے ہیں

ان شیعوں کے علماء نے محض اہلسنت پر لعن طعن کرنے اور ان کے اسلاف صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کے مقصد کی خاطر کتابیں اور رسائل تصنیف کئے اور ان میں دانستہ افتراء، جھوٹ اور بہتان کی خوب خوب داد دی کہ مسیلمہ کذاب کی روح بھی وجد میں آگئی ہوگی۔

ان لوگوں میں سے سرفہرست مرتضیٰ ابن مطہر حلی اس کا بیٹا جو محقق کے لقب سے مشہور تھا، محمد بن حسن طوسی اس کا نواسہ جو ابن طاؤس کے نام سے معروف ہے اور ابن شہر آشوب سروی مازندرانی ہیں، اور ان میں سے بھی ابن مطہر حلی زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے، اس دھوکہ کا زیادہ شکار وہ لوگ ہوئے جو اپنے اسلاف کے حالات اور اپنے مذہبی علوم سے ناواقف بے بہرہ اور نابلد تھے وہ ان افترآت اور بہتانات پر اعتماد کر کے اپنے مذہب سے برگشتہ اور بدعقیدہ ہوئے اور بالآخر ان کی گود میں جاگرے۔

دھوکہ نمبر 13: خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں تحریف کی ہے

کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کر کے ان آیات اور سورتوں کو قرآن مجید سے خارج کر دیا جن میں اہلبیت کے فضائل واحکام تھے،[2] جن میں ان کی اتباع کا حکم دیا

1۔ سورۃ الانفال، الآیۃ: 25۔

2۔ شیعہ مذہب کے ایک بہت بڑے عالم حسن بن محمد تقی النوری الطبرسی نے 1292ھ میں ایک کتاب "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب" نامی لکھی ہے جو تقریباً 400 صفحات پر مشتمل ہے اس میں سینکڑوں دلائل اس بات پر قائم کئے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے، بعض شیعہ علماء نے تقیۃً تحریف کا انکار کیا ہے لیکن اصح قول کے مطابق شیعہ قرآن میں تحریف کو ثابت مانتے ہیں: ان

گیا اور ان کی مخالفت سے روکا گیا تھا اور ان کی محبت کو واجب قرار دیا گیا تھا یا جن میں اہلبیت کے دشمنوں کے نام اور ان پر لعن طعن کا بیان تھا، یہ سب کچھ چونکہ ان خلفاء ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) پر شاق تھا، اور ان کی تعریف سے ان کو حسد ہوا، [1] لہذا انہوں نے قرآن کو ان سب سے پاک کر دیا، ان تحریف شدہ حصوں میں سے ایک وہ ٹکڑا تھا جو سورہ الم نشرح کا جز تھا یعنی " وَجَعَلْنَا عَلِيًا صِهْرَكَ "[2] اور ہم نے علی کو تمہارا داماد بنایا ہے (ذرا دیانت تو دیکھئے کہ دو بیٹیوں کے داماد کا ذکر ہی نہیں کیا) اس طرح ایک لمبی سورت "الولایۃ"[3] نامی بھی ساقط کر دی گئی جو فضائل اہلبیت اور ائمہ سے پر تھی۔

شیعوں کے اس الزام کو باطل ٹھہرانے کا زمہ تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر لے لیا: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [4] ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے زمہ دار ہیں، تو جس کتاب و ذکر کی حفاظت کا خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہو، بشر کی کیا طاقت کہ اس میں کمی یا زیادتی کر سکے یا اس کا خیال دل میں لا سکے ہاں اگر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اقتدار کو (نعوذ باللہ) اقتدار الٰہی سے بڑھ کر مانیں یا ان حضرات کو کارخانہ الٰہی کا

الاصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف فى القرآن كلاما و مادة و اعرابا و التصديق بها، (فصل الخطاب، ص31، الانوار النعمانية، ج2، ص357)

1 ـ الاحتجاج للطبرسي: 1 / 82 وبحار الأنوار للمجلسي: 92/ 42 وتفسير الصافي، المقدمة (المقدمة السادسة): 1/ 39-

2 ـ وبالاسناد يرفعه إلى المقداد بن أسود الكندي قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وهو متعلق بأستار الكعبة، وهو يقول: اللهم اعضدني واشدد أزري واشرح صدري وارفع ذكري، فنزل جبرئيل عليه السلام وقال: أقرأ يا محمد، قال: وما أقرأ؟ قال أقرأ: " ألم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذي أنقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك، بعلي صهرك؟ فقال: فقرأها صلى الله عليه وآله وأثبتها ابن مسعود في مصحفه فأسقطها عثمان - (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار للمجلسي، 36/ 116، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان و الروضة فى فضائل امير المومنين ، للقمى ، ص :168، ط: وزيرى مطبعة ، 1423ھ)

3 ـ الانتصار للعاملى 3/ 295، ط: دار السيرة بيروت لبنان -

4 ـ سورة الحجر ، الآية: 9-

شریک غالب تسلیم کرلیں تو کچھ بات بن سکتی ہے، مگر پھر ان حضرات کی توہین و تحقیر کے مذہبی غبارہ میں ہوا کہاں رہے گی۔

دھوکہ نمبر 14: حب علی رضی اللہ عنہ کی جھوٹی روایات بیان کرنا

عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہوتی ہیں کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد کی محبت عذاب آخرت سے نجات دلانے کے لئے کافی ہے (بشرطیکہ یہ محبت شیعوں کی عداوت نما محبت کی مانند ہو، سچی اور حقیقی محبت نہ ہو) اس محبت کے بعد (عذاب آخرت سے بچنے کے لئے) اطاعت بجالانا اور گناہوں سے اجتناب کرنا ضروری نہیں، منجملہ ان کی ایک روایت وہ ہے جس کا راوی بادیہ ہے جو ان کے ہاں صدوق مشہور ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اللہ تعالی اس کو دوزخ کا عذاب نہیں دے گا"[1]

اب چونکہ عام شہوت پرست اور حرص و ہوس کے بندے اس بات کے شوقین ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی قدغن اور پابندی نہ ہو ان کو کھل کر کھیلنے کی آزادی ملے، دنیا بھر کی تمام چیزیں انکے لئے جائز قرار دی جائیں، عیش و عشرت میں ان پر کوئی گرفت نہ ہو، گناہوں اور محرمات کے ارتکاب میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو، عبادت الٰہی سے جان چراتے ہیں اور اس میں سستی اور ڈھیل سے کام لیتے ہیں، اس لئے یہ بشارت ان کے ذہنوں پر کافی اثر انداز ہو کر ان کو اس مذہب کی طرف راغب کر سکتی ہے اور یہ اس کی طرف جھک پڑتے ہیں۔

حالانکہ خود ان شیعوں کی معتبر اور صحیح کتابوں میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور ذریت کو بار بار فرمایا کہ تم اپنے نسب پر گھمنڈ نہ کرو بلکہ طاعات و عبادت کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرو،[2] جب خوف و ہراس میں خود اہلبیت کا یہ حال ہے تو دوسروں کو اہل بیت کی

1۔ روی المجلسی فی بحار الانوار : لا أعذب من والاه وإن عصاني (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 39/ 259، ط: مؤسسة الوفاء بيروت)

2۔ عن ابي هريرة ، قال: " لما انزلت هذه الآية وانذر عشيرتك الاقربين سورة الشعراء آية 214 ، دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا، فاجتمعوا، فعم، وخص، فقال: يا بني كعب بن لؤي، انقذوا انفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب،

محبت پر بھروسہ کر کے ارتکاب معاصی و محرمات کے جائز ہونے کا امکان ہی کہاں ہے؟

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اہل بیت کرام سے حقیقی محبت اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک طاعات و بندگی، زہد و تقویٰ میں ان بزرگوں کی روش اختیار نہ کی جائے، جب اس طریقے سے ان کی محبت حاصل کی جائے گی تو اس ضمن میں تمام کمالات حسنہ خود بخود حاصل ہو جائیں گے، پس الفاظ "لَا يُعَذِّبُ اللهُ بِالنَّارِ مَنْ وَالِي عَلِيًّا"[1] صرف اس معنی میں صحیح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت تمام دینی کمالات پر حاوی اور ان کو شامل ہے نہ صرف زبانی کلامی محبت جو صرف زبان سے ادا ہو اور اقوال و افعال میں جناب امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مناسبت یا مشابہت نہ رکھتی ہو اور آپ کے اقرباء و اصحاب کی شان میں بدزبانی سے نہ رکتا ہو، غرض ہر بات میں تو آنجناب رضی اللہ عنہ کے اقوال کی مخالفت کرنا اور پھر اس قطعہ کا سچا مصداق بننا:

تعصي الإله وأنت تظهر حبّه	هذا محال في القياس بديع
لو كنت تضمر حبّه لأطعته	إن المحبّ لمن أحبّ مطيع

1۔ تو خدا کی نافرمانی بھی کرتا ہے اور محبت بھی جتلاتا ہے، بخدا میرے خیال میں تو یہ بڑی عجیب بات ہے۔
2۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محب تو محبوب کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

دھوکہ نمبر 15: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ خلیفے مقرر کئے

بحوالہ توریت کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ خلفاء مقرر کئے ہیں جو آپ کے بعد آپ کے نائب ہوں گے (1) الیاء (2) فیراز (3) ایرائیل (4) مشوب (5) مسبور (6)

انقذوا انفسكم من النار، يا بني عبد شمس، انقذوا انفسكم من النار، يا بني عبد مناف، انقذوا انفسكم من النار، يا بني هاشم، انقذوا انفسكم من النار، يا بني عبد المطلب، انقذوا انفسكم من النار، يا فاطمة، انقذي نفسك من النار، فإني لا املك لكم من الله شيئا، غير ان لكم رحما سابلها ببلالها-(صحيح مسلم، كتاب الايمان ، باب في قوله تعالى: وأنذر عشيرتك الأقربين،1/ 192، رقم: 348، ط: داراحياء التراث العربي بيروت)

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، باب أنه قسيم الجنة والنار، 39/ 248، ط: مؤسسة الوفاء بيروت

مسوط (7) ذومرا (8) ابراو (9) ثمور (10) قسطور (11) نوفش (12) قدیمونیا۔

حالانکہ توریت کے دستیاب چار نسخوں[1] میں اس افتراء اور جھوٹ کا کوئی سراغ نہیں ملتا، ایک نسخہ فراسین کے پاس ہے، دوسرا ربانیین کے پاس تیسرا انصاری کے پاس جس کا ترجمہ انہوں نے عبرانی سے اپنی زبان میں کر لیا ہے، چوتھا سامرین کے پاس جس میں دیگر نسخوں کی نسبت مضامین کچھ زائد ہیں۔

اس پر طرفہ تماشا یہ کہ ایک شیعہ عالم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں ایک بے اصل قصہ گھڑا ہے، کہتا ہے کہ مجھے شوق ہوا کہ اس تورانی نص کا سراغ لگاؤں اس کے لئے اہل کتاب سے ربط وضبط بڑھایا مگر انہوں نے اس کی اصل کا کچھ پتہ نہ دیا، آخر انہی اہل کتاب میں سے ایک کے پاس اس کا کچھ کھوج ملا، اس نے اس عالم کا نام بھی لکھا اور بڑی شرح وبسط سے اس کو بیان بھی کیا ہے مگر اس روایت میں کئی باتیں قابل توجہ اور وجہ اعتراض ہیں۔

اوّل تو یہ چونکہ یہ شیعہ کی روایت ہے جو ناقابل اعتماد ہے، دوسرا وہ عالم اہل کتاب بھی جس کی یہ روایت ہے کب لائق بھروسہ ہو سکتا ہے جس کا شیوہ خاص ہی اہل اسلام کے ساتھ بغض وعناد ہو اور مسلمانوں کی جماعتوں

1۔ تورات کے مشہور چار نسخے مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عبرانی نسخہ (Masoretic Text - MT) : یہ تورات کا وہ نسخہ ہے جو موجودہ دور کے یہودیوں کے ہاں رائج ہے اور زیادہ تر پروٹسٹنٹ بائبل کے پرانے عہد نامے کے ترجمے اسی پر مبنی ہیں۔ یہ متن ساتویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان "مسوراتی (Masoretes)" کہلانے والے علماء نے مرتب کیا۔ انہوں نے متن پر اعراب (Vowels) اور علامات لگائیں تاکہ اس کے درست تلفظ کو محفوظ کیا جا سکے۔

2۔ یونانی نسخہ (Septuagint - LXX) : یہ تورات کا سب سے قدیم یونانی ترجمہ ہے، جو مسیحیت کے ابتدائی دور میں بہت مقبول رہا۔ یہودی روایات کے مطابق اسے 72 یہودی علماء نے مل کر ترجمہ کیا تھا، اسی لیے اسے "سپتواجنٹ (ستر کا ترجمہ)" کہا جاتا ہے۔ کیتھولک اور آرتھوڈوکس چرچ میں اسے آج بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔

3۔ سامری نسخہ (Samaritan Pentateuch) : یہ نسخہ سامریوں (Samaritans) کے پاس محفوظ ہے، جو بنی اسرائیل ہی کا ایک گروہ ہیں لیکن وہ یروشلم کے بجائے جبل گرزیم کو اپنا قبلہ مانتے ہیں۔ اس نسخے اور عبرانی (مسوراتی) نسخے میں تقریباً 6,000 مقامات پر فرق پایا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر فرق چھوٹے موٹے لفظی تغیرات ہیں، لیکن کچھ مذہبی عقائد (جیسے ہیکل کی جگہ) سے متعلق ہیں۔

4۔ قمران کے نسخے (Dead Sea Scrolls) : یہ نسخے 1947 میں بحیرہ مردار (Dead Sea) کے قریب قمران کی غاروں سے دریافت ہوئے، یہ تورات کے قدیم ترین مادی ثبوت مانے جاتے ہیں۔ ان نسخوں کی دریافت سے یہ ثابت ہوا کہ تورات کا متن ہزاروں سالوں سے کس حد تک محفوظ رہا ہے۔ ان میں کچھ حصے مسوراتی متن سے ملتے ہیں، کچھ سپتواجنٹ سے اور کچھ سامری نسخے سے قریب ہیں۔

میں تفرقہ و عناد اور پھوٹ ڈالنا اور ان میں باہم عداوت و دشمنی پیدا کرنا جن کی دلی آرزو ہو جب بات یہ ہو تو ایسا معاند اور شدید العداوت شخص ایک سادہ ذہن شیعہ کو گمراہ کیوں نہ کرتا جبکہ وہ اپنا قرآن و حدیث کو چھوڑ کر منسوخ شدہ اور تحریف کردہ کتابوں کی طرف لپکتا ہوا وادی ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہو چنانچہ جیسا کہ معلوم ہوا۔

اس شیعہ مذہب کی بنیاد ہی اہل کتاب میں سے ایک بد اصل عبد اللہ بن سبا یہودی صنعانی کے ہاتھوں اور اس کے فریب سے پڑی، اب اگر انہی میں سے ایک اور اپنے بزرگوں کے لگائے ہوئے پودے کو سینچے اور پروان چڑھائے تو تعجب کی کیا بات ہے، پھر بفرض محال اس روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو شیعوں کو اس سے کیا فائدہ ہوگا، اس میں زیادہ سے زیادہ بارہ کا عدد ان کے ہاتھ لگتا ہے اس میں نہ ان بارہ اماموں کے نام متعین کئے گئے ہیں نہ انکا اہل بیت سے ہونا بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی امامت کے دیگر لوازمات و اوصاف کا مذکور، یہ عبرانی الفاظ تو ایسے ہیں کہ نہ ان کے لفظی معنی معلوم نہ معانی کے مفہوم کا پتہ، جو دل چاہے معنی و مفہوم گھڑ لیجئے، اگر اس روایت کو لے کر نواصب و خوارج ان ناموں کو یزید، مروان، حجاج اور ولید وغیرہ پر چسپاں کر لیں تو کس بنیاد پر کوئی ان کو ایسا کرنے سے روک سکے گا۔

اور تعجب تو ان کے ان لوگوں پر ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں اور ایسے مہمل اور لغو خیالات پر پھولے پھرتے ہیں اور بچوں کی طرح شیطانی کھلونوں پر مٹے جاتے ہیں، پھر اسے اپنے مذہب کے لئے پختہ دلیل بھی ٹھہراتے ہیں سچ ہے من يضلل الله فلا هادي له ۔

دھوکہ نمبر 16: تقیہ کی آڑ میں جھوٹی احادیث وضع کرنا

یہ ہے کہ ان کے علماء نے تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو اہلسنت کے محدثین ظاہر کیا اور علم حدیث کے قابل اعتبار محدثین اہل سنت سے علم حدیث حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اور صحیح اسناد یاد اور حفظ کیں ظاہری زہد و تقویٰ سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کیا ان کی اس ظاہری حالت سے اہلسنت کے طلباء حدیث نے بھی دھوکہ کھایا اور ان کی شاگردگی کو قابل اعتماد سمجھا اور ان سے علم حدیث پڑھا۔

اہل علم میں اعتماد پیدا کرنے کے بعد انہوں نے یہ حرکت کرنا شروع کی کہ صحیح اور حسن احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی گھڑی ہوئی احادیث بھی خلط ملط کر دیں، عوام تو کیا خواص تک اس دھوکہ اور

فریب کے شکار ہوئے اس لئے کہ احادیث صحیحہ و موضوعہ میں تمیز کی صورت رواۃ حدیث ہیں اور جب اس چالبازی کی وجہ سے اچھے اور برے راوی مل جل گئے تو اب تمیز کی کوئی صورت نہ رہی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل اہلسنت کے شامل تھا اور ان مکاروں کے کید و فریب کا پردہ چاک کرنا منظور تھا لہٰذا فن رجال کے ماہرین اس طرف متوجہ ہوئے تحقیق و تفتیش میں لگے اور بالآخر اس دھوکے کا پتہ چلا اور پورے طور پر اس سے آگاہ ہو گئے۔

جب دھوکہ اور فریب کھلا اور معاملہ طشت وازبام ہوا تو اس گروہ کے کچھ لوگوں نے تو حدیثیں گھڑنے اور وضع کرنے کا صاف صاف اقرار کر لیا اور بعض دوسروں نے گو زبان سے اقرار نہیں کیا مگر کچھ اور قرائن و علامات نے ان کی سازش اور فریب دہی کا راز کھولا،[1] چنانچہ اب تک ان کی معجون اور مصنفات میں یہی احادیث مشہور و معروف ہیں اور اکثر شیعہ اور تفضیلیہ دلیل میں انہیں موضوع اور گھڑی ہوئی" احادیث "کو پیش کرتے اور انہیں کا سہارہ لیتے ہیں۔

ان میں جابر جعفی[2] وہ پہلا شخص ہے جو اس دھوکہ اور فریب کا صحیح معنوں میں موجد ہے اس لیے بعد تحقیق حال امام بخاری اور مسلم نے احتیاطاً اس کی تمام مرویات کو درجہ اعتبار و اعتماد سے گرا کر نظر انداز کر دیا، ترمذی و ابو داؤد اور نسائی نے اس کی روایات کو متابعات و شواہد کے طور پر تو قبول کیا ہے (یعنی دوسری صحیح احادیث کی تائید مل جانے پر) ورنہ جو روایت وہ تنہا بیان کرتا ہے اس کو رد کر دیا اور نا قابل اعتماد و قبول ٹھہرایا۔

1۔ ابن ابی العوجاء جو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا انتہائی معتقد تھا جب اسے وضع حدیث کے جرم میں قتل کیا جانے لگا تو اس نے کہا تھا:
والله لئن قتلتموني لقد وضعت أربعة آلاف حديث أحرم فيها الحلال وأحلل فيها الحرام، ولقد صومتكم في يوم صومكم وأفطرتكم في يوم فطركم. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، باب أحوال أصحابه وأهل زمانه وما جرى بينه وبينهم، 47/ 217، ط: مؤسسة الوفاء بيروت، لبنان)

2۔ جابر بن يزيد بن الحرث الجعفي الكوفي، اختلف علماء الحديث من أهل السنة فيه، فوثقه بعضهم وضعفه وتركه آخرون، فقد تركه النسائي، وقال يحيى: لا يكتب حديثه ولا كرامة، ونقل عباس الدوري عن زائدة قوله عن الجعفي: بأنه كان كذابا، مات سنة 128هـ ميزان الاعتدال: 2/ 103 . أما عند الإمامية فهو من خيرة رواتهم عن الباقر والصادق حتى قيل إنه روى عنهما سبعين ألف حديث، قال المامقاني: إن الرجل في غاية الجلالة ونهاية النبالة، وله المنزلة العظيمة عليهما السلام بل، من أهل أسرارهما وبطانتهما ومورد ألطافهما الخاصة وعنايتهما المخصوصة وأمينهما على ما لا يؤتمن عليه إلا أوحدي العدول من الأسرار ومناقب أهل البيت عليهم السلام. تنقيح المقال: 1/ 203 و رجال النجاشي: 1/ 313.

اور ان کا دوسرا شخص ابو القاسم سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف اشعری قمی ہے۔[1] وہ میاری و چالاکی میں خوب چاق و چوبند اور سب سے آگے ہے، بعض ناواقف اہلسنت بھی اس کو اسی اختلاط اسناد کی وجہ سے اپنے معتبر رجال اسناد میں سے سمجھتے ہیں، مگر نجاشی نے جو شیعہ رجال اسناد کو پرکھنے میں ماہر ہے، اس کو اپنے فرقہ کا فقیہ و سر کردہ قرار دیا ہے۔

دھوکہ نمبر 17: اہلسنت سے مذمت اصحاب کی حدیثیں وضع کرنا

یہ ہے کہ اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی احادیث اور روایتیں بیان کرتے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت کا ثبوت ملے اور جن سے ان کے ظلم و تعدی پر اہلبیت کی شکایت ظاہر ہو، اور بعض ایسے آثار بیان کرتے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دین سے ارتداد ظاہر ہو، اور جن سے یہ بتائیں کہ قیامت کے دن اہل بیت کے حقوق غصب کرنے والوں پر سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا، اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ اہل بیت کے حقوق کے غاصب ہیں، اس لئے ان کو ان سے محبت رکھنے والوں کو دوزخ میں جلایا جائے گا، اور شیعہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے والے جنت میں رکھے جائیں گے، اور پھر ان احادیث و روایات کی تائید میں وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جو اہلبیت کے ساتھ محبت رکھنے کی فضیلت اور ان کے دشمنوں کی برائی میں اہلسنت کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

اس دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اس میں سے کوئی شک نہیں کہ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں نواصب اور خارجیوں کے ہاتھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کریمہ پر ظلم اور ان کی تحقیر و تذلیل ہوئی، اور بعض اوقات ائمہ اہل بیت نے ان ہی نواصب کی بد اطواریاں اور سیاہ کاریاں دیکھ کر ان کی مذمت کی، مگر اتنی سی بات کو شیعی کینے اور بغض و عداوت نے ان لوگوں پر اپنا عناد نکالنے کا ذریعہ بنایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات گرامی کو اس میں ملوث کر لیا، اور ان مطاعن کو ان پر چسپاں کرنے کی ناپاک جسارت کی، اس کا پورا پورا بیان ان شاء اللہ باب مطاعن کے آخر میں آئے گا اور ہم وہاں شیعوں ہی کی کتابوں سے نقل کر کے اس فریب کا پردہ چاک کریں گے۔

1۔ یہ امامیہ میں سے ہے اور خود نجاشی نے اس پر وضع کا اتہام نقل کیا ہے: سعد بن عبد الله بن أبي خلف الأشعري القمي، يكنى أبا القاسم، جليل القدر، واسع الأخبار، كثير التصانيف، ثقة، شيخ هذه الطائفة وفقيهها ووجهها، ولقي مولانا أبا محمد العسكري (عليه السلام) قال النجاشي: ورأيت بعض أصحابنا يضعفون لقاءه لأبي محمد (عليه السلام)، ويقولون: هذه حكاية موضوعة عليه، والله أعلم۔(خلاصة الاقوال ،للحلى،ص:156، ط: مؤسسة نشر الفقاهة)

دھوکہ نمبر18: موافق مذہب صحیح احادیث وضع کرنا

یہ کہ اپنے مذہب کے موافق رسول اللہ ﷺ سے مرفوع احادیث گھڑ لیتے ہیں اور پھر ان کو رواج و شہرت دیتے رہتے ہیں، ان کی اکثر حدیثیں، قصہ و کہانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں، بعض الفاظ و صیغے احادیث سے اڑا کر اس انداز و طریقے سے ادا کرتے ہیں جن سے ان کے مذہب کی تائید نکل سکے، اور بعض وقت ایسے صیغے بھی گھڑ لیتے ہیں کہ احادیث صحیحہ میں کبھی نہیں دیکھے گئے، مثلاً کہتے ہیں کہ انبیاء اولوالعزم یہ آرزو رکھتے تھے کہ شیعانِ علی میں محشور ہوں (یعنی ان کا حشر انہیں کے ساتھ ہو) اسی جیسے اور الفاظ و صیغے۔ [1]

دھوکہ نمبر19: سنی رجال کے ہم نام رواۃ سے اہلسنت کو دھوکہ دینا

یہ دیتے ہیں کہ اہلسنت کے معتبر رجال اسناد پر نظر رکھتے ہیں ان میں سے کسی کا نام یا لقب ان کے رجال میں سے کسی سے ملتا جلتا ہوتا ہے تو اس کی حدیث اور روایت کو اسی کی سند سے منسوب کر دیتے ہیں، اب چونکہ دونوں کا نام و لقب ایک ہوتا ہے اس لئے تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور ناواقف سنی ان کے راوی کو اپنا معتبر راوی سمجھنے کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور اس کی روایت پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں، مثلاً سدی کے نام سے دو راوی ہیں سدی کبیر، [2] سدی صغیر، [3] اول اہلسنت کے معتبر راوی ہیں اور دوسرا کذاب، روایتیں گھڑنے والا خاص متعصب شیعہ۔

یا مثلاً ابن قتیبہ کہ اس نام کے بھی دو راوی ہیں، ایک ابراہیم بن قتیبہ جو کٹر شیعہ ہے، دوسرا عبداللہ بن مسلم

1۔ عن أبي الحسن عليه السلام قال: ولاية علي عليه السلام مكتوبة في جميع صحف الأنبياء ولن يبعث الله رسولا إلا بنبوة محمد صلى الله عليه وآله ووصية علي عليه السلام. (الاصول من الكافی، 1/ 437، ط: دار الکتب الاسلامیة)

2۔ من المفسرين المشهورين بالرواية، قال الحافظ ابن حجر: مقارب الحديث، توفي سنة 127هـ. طبقات ابن سعد: 6/ 323؛ تهذيب التهذيب: 1/ 373.

3۔ هو محمد بن مروان السدي الكوفي، قال البخاري: لا يكتب حديثه البتة، وقال النسائي: متروك الحديث، وقال الذهبي: تركوه واتهمه بعضهم بالكذب، مات سنة 189هـ. تاريخ بغداد: 3/ 291؛ ميزان الاعتدال: 6/ 328؛ شذرات الذهب: 1/ 325.

قتیبہ [1] جو اہلسنت میں سے ہیں اور کتاب المعارف انہیں کی تصنیف ہے۔ذہیت پن ملاحظہ ہو کہ اس مذکورہ بالا رافضی نے بھی ایک کتاب لکھی اور اس کا نام بھی کتاب المعارف ہی رکھا ہے تاکہ دونوں کتابوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے۔

دھوکہ نمبر20: قرآن کی من مانی تفسیر کرتے ہیں

یہ ہے کہ لغت وعرف کا لحاظ کئے بغیر قرآنی کلمات کی من مانی تفسیر کرتے ہیں اور اس کو اہمیت دینے اور قابل اعتبار ٹھہرانے کے لئے اس کی نسبت اہل بیت کی طرف کر دیتے ہیں، مثلاً رب جہاں کہیں وہ مضاف بضمیر خطاب ہو اور جو نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں یا مومنین یا مومن سے شیعانِ علی مراد لینا اور کافر و کافرین سے اہلسنت اور منافق و منافقین سے کبار صحابہ (رضی اللہ عنہم)۔ [2]

دھوکہ نمبر21: اپنی کتب اہلسنت کی طرف منسوب کرنا

یہ کہتے ہیں کہ ایک ایسی کتاب جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعن طعن ہو اور مذہب اہلسنت کا بطلان ہو خود تصنیف کر کے اس کو اہلسنت کے کسی جلیل المرتبہ عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اس کے خطبہ میں مصنف کی طرف سے یہ وصیت بھی درج کر دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں جو کچھ لکھا ہے یہ ہمارا اصلی اور پوشیدہ عقیدہ ہے، اس کو ایک محفوظ امانت اور پوشیدہ بھید سمجھ کر راز میں رکھیں، اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو

1۔ أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة الدينوري، من علماء الحديث، له تصانيف، توفي سنة 276. سير أعلام النبلاء: 13/ 296.

2۔ وروى بعض أصحابنا عن جابر بن يزيد قال: سألت أبا جعفر عليه السلام عن قول الله عز وجل: " الذين يحملون العرش ومن حوله " قال: يعني الملائكة " يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا " يعني شيعة محمد وآل محمد عليهم السلام "ربنا وسعت كل شئ رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا " من ولاية الطواغيت الثلاثة ومن بني أمية "واتبعوا سبيلك " يعني ولاية علي عليه السلام وهو السبيل، وهو قوله تعالى: " وقهم السيئات " يعني الثلاثة " ومن تق السيئات يومئذ وقد رحمته " وقوله تعالى: " إن الذين كفروا " يعني بني أمية "ينادون لمقت الله أكبر من مقتكم أنفسكم إذ تدعون إلى الايمان " يعني إلى ولاية علي عليه السلام وهي الايمان " فتكفرون ".(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 23/ 364، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

کچھ لکھا ہے اسے ظاہر داری اور زمانہ سازی محض تصور کریں، مثلاً کتاب سر العالمین کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اسی طرح کی اور کئی کتابیں ترتیب دے کر انہوں نے یہی حرکت کی ہے۔

اب چونکہ ایسے صاحب ذوق لوگ بہت ہی کم ہیں کہ وہ اس فرضی بزرگ مصنف کے طرز کلام سے گہری واقفیت رکھتے ہوں کہ ان کے اور دوسروں کے مذاق سخن میں فرق و امتیاز کر سکیں اس لئے لامحالہ عام طلباء دین اس مکر کے چکر میں غوطے کھاتے اور بہت حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

دھوکہ نمبر 22: بطلان اہلسنت میں نادر کتب کا فرضی حوالہ دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برائیاں اور مذہب اہلسنت کا بطلان ایسی کتابوں سے نقل کرتے ہیں جو نہایت کمیاب اور نادر الوجود ہوتی ہیں حالانکہ ان کتابوں میں اس جھوٹ کا دور دور تک ذکر نہیں ہوتا، لیکن چونکہ یہ کتابیں ہر جگہ ہر ایک کو دستیاب نہیں، اس لئے اکثر ان نقلی حوالوں کو دیکھنے والے شک وشبہ میں پڑ جاتے ہیں، اور وہ اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر یہ نقل صحیح ہے تو اہلسنت کی مشہور روایات اور اس روایت میں تطبیق و موافقت کیسے ہوگی؟ حالانکہ ان بیچاروں کی یہ سوچ اور فکر مندی بے کار اور فضول ہے، یہ نہیں سوچتے کہ اگر بالفرض نقل صحیح بھی ہو تو موافقت اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کہ دونوں روایتیں شہرت، صحت ماخذ وضاحت معنی اور عدالت رواۃ میں برابر، وہم مرتبہ ہوں، اور جب یہ امور ان مشہور روایات کے مقابلہ میں جن کا ماخذ معلوم اور جن کی دلالت واضح ہے اس موہوم وبے اصل نقل میں ناپید ہیں تو تطبیق کی ضرورت ہی کہاں رہی!

غرض یہ شیعہ اہلسنت پر الزام لگانے کے لئے جو حوالے لاتے ہیں وہ ایسی ہی نادر الوجود کتابوں سے لاتے ہیں اور اگر بالفرض وہ کتب دستیاب بھی ہوں تو ہم کہیں گے کہ مصنف نے اپنی کتاب کی ہر بات کی صحت کی پابندی نہیں کی بلکہ اس نے اچھا اور برا سب اس میں جمع کر دیا ہے اور اس پر نظر ثانی کا موقعہ دیا ہے کہ چھان پھٹک کر اچھی بات لے لی جائے اور بری کو نکال کر پھینک دیا جائے، اردبیلی مصنف کشف الغمہ، اور حلی مصنف الفین اسی قسم کی کتابوں سے نقل پر نقل کرتے چلے گئے اور بزعم خود سمجھتے ہیں کہ ہم نے پالا مار لیا ہے، اسی طرح ابن طاؤس بھی اپنی تصانیف میں اسی قسم کے بے اصل نقلوں کے انبار پر انبار لگاتا چلا گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے واقعی اہلسنت کو ملزم ثابت کر دیا۔

دھوکہ نمبر 23: اپنے علماء کو متعصب سنی بتانا

امامیہ اثنا عشریہ اور زیدیہ کو چھوڑ کر کسی اور فرقہ کے عالم کا نام لے کر نہایت شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش خام کرتے ہیں کہ وہ متعصب سنی تھا اور بعض تو اس کو کٹر خارجی بتاتے ہیں پھر اس کی طرف سے کوئی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے اہلسنت کے مذہب کا بطلان اور امامیہ اثنا عشریہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور اس حرکت سے غرض مذمومہ یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے والا غلط فہمی میں پڑے اور الجھن میں مبتلا ہو کر یہ سوچے کہ جب مصنف اتنا متعصب سنی ہوتے ہوئے ان روایات کو بیان کرتا ہے اور پھر ان کی تردید کے بجائے اس پر سکوت اختیار کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یہ روایات صحیح ہی ہیں۔

مثلاً زمخشری صاحب کشاف[1] کہ تفضیلی اور معتزلی ہے اخطب خوارزم کہ کٹر زیدی ہے،[2] ابن قتیبہ کہ صاحب معارف کہ رافضی مقروی ہے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ جس نے تشیع اور اعتزال کو جمع کیا ہے، ہشام کلبی مفسر جو شدید العقیدہ رافضی ہے،[3] مسعودی صاحب مروج الذہب[4] اور ابو الفرج اصفہانی صاحب

1۔ ولد سنة 467هـ بزمخشر قرى خوارزم، وقدم بغداد وسمع، قال ابن خلكان: كان إمام عصره وكان متظاهرا بالاعتزال، وله تصانيف بديعة ، وقال عنه السيوطي: اللغوي المتكلم المعتزلي المفسر ، مات سنة 583هـ. وفيات الأعيان: 5/ 168؛ طبقات المفسرين: ص 120.

2۔ كان من غلاة الزيدية، وعده الإمامية من رجالهم فذكره الخونساري، قال الذهبي في ترجمة محمد بن أحمد بن علي بن شاذان: لقد ساق خطيب خوارزم من طريق هذا الدجال ابن شاذان أحاديث كثيرة باطلة سمجة ركيكة في مناقب علي رضي الله عنه ، مات الأخطب الخوارزمي سنة 567هـ. ميزان الاعتدال: 6/ 55؛ السيوطي، بغية الوعاة: ص 401.

3۔ هشام بن محمد بن أبي النضر بن السائب الكلبي، أبو المنذر، مؤرخ وعالم بالنسب وأخبار العرب وأيامها، قال عنه الإمام أحمد: كان صاحب سمر ونسب ما ظننت أن أحدا يحدث عنه، وقال ابن عساكر: رافضي ليس بثقة. مات سنة 204هـ. الفهرست: 140؛ وفيات الأعيان: 4/ 309.

4۔ أبو الحسن علي بن الحسين بن علي من ذرية ابن مسعود، قال عنه الذهبي :كان أخباريا صاحب ملح وغرائب وعجائب وفنون، وكان معتزليا، مات سنة 345هـ. سير أعلام النبلاء: 15/ 569.

کتاب الاغانی[1] یا اور ان جیسے دوسرے اشخاص کو شیعہ پہلے تو اہلسنت میں داخل کرتے ہیں اور پھر ان سے اقوال نقل کر کے اہلسنت کو ملزم ٹھہراتے ہیں۔

دھوکہ نمبر 24: اہلسنت اہل بیت کے دشمن ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت اہل بیت رضی اللہ عنہم کے دشمن ہیں اور بعض بیوقوفوں کے سامنے اس بارے میں قصے کہانیاں بھی بیان کرتے ہیں جن کو سن کر جاہل راستے سے بھٹک جاتا ہے اور اپنے مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے، تو یہ بات بھی تمام باتوں کی طرح جھوٹ اور افتراء محض ہے اس لئے کہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے کہ محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض لازم بلکہ ان کے ایمان کا ایک جزو ہے، اہل بیت کے فضائل میں انہوں نے تنہا بھی اور اجتماعی طور پر بھی کتابیں لکھیں اور ان بزرگوں کے مناقب کی روایات بیان کی ہیں، چنانچہ اسی محبت اہل بیت کے سبب عرصہ دراز تک نواصب مروانیہ و عباسیہ سے بر سر پر خاش رہ کر ایک جماعت نے شہادت پائی۔

جیسے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ جب کہ ایک اور جماعت رنج واذیت کا شکار بنی، اور یہ وہ وقت تھا جب یہ مگرمچھ کے آنسو بہانے والے شیعہ تقیہ کر کرکے نواصب کی گود میں بیٹھتے جارہے تھے، اور مال و دولت اور عہدوں کی خاطر نواصب کا کلمہ پڑھ رہے تھے یہ اہلسنت ہی تھے جو ہر آڑے وقت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے رفیق و مددگار رہے، ہر نماز میں ان پر درود بھیجتے رہے جو سچے دل سے ان سے لگاؤ اور تعلق رکھتے تھے، شیعوں کی طرح نہیں کہ ہر امام کے بعد ان کے بھائی بھتیجوں اور عزیزوں کو کافر بنائیں یا ان کے فرزندوں کو امام مان کر دوسروں پر زبان طعن دراز کریں بات سچی یہی ہے (جو شیعوں کے لئے کڑوی گولی بن کر رہ گئی ہے) کہ اہل بیت سے محبت کرنے والے، ان کی مدد کرنے والے سوائے اہلسنت کے کوئی نہیں ہے۔

1۔ أبو الفرج علي بن الحسين بن محمد الأموي الأصبهاني، اشتهر بكتابه الأغاني، كان من أهل الأدب والأنساب والسير، اشتهر بتشيعه وكان يأتي بأعاجيب على قول الذهبي، مات سنة 356هـ. وفيات الأعيان: 3/ 307؛ ميزان الاعتدال: 5/ 151.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حسنین، جناب امیر رضی اللہ عنہم سادات اور بنو ہاشم تھے نذر آتش کیا، اور اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ناراضگی کے بجائے خاموشی و رضامندی ظاہر کی، اور اپنی تلوار کے قبضہ سے جناب سیدہ بتول الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو پر ایسی ضرب وچوٹ لگائی جو اسقاطِ حمل کا سبب بنی۔[1]

یہ ساری باتیں ان کی من گھڑت، افتراء اور بے اصل و جھوٹ ہیں، ان پر عقل کا اندھا اور بے بہرہ ہی یقین کرے گا، اور پھر مزہ کی بات یہ کہ یہ روایات خود شیعی روایات سے ٹکراتی اور ان کے جھوٹ کا بھانڈہ پھوڑتی ہیں، باب مطاعن میں تقیہ کے تحت ان شاء اللہ ہم ان کو بیان کریں گے۔

دھوکہ نمبر 26: شیعہ اہل بیت کے تابع ہیں اس لئے حق پر ہیں

کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب ہی اتباع کا زیادہ سزاوار و حقدار ہے کہ وہ اہل بیت کے مطیع ہیں جن کی شان میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔[2]

اے اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس وبرائی دور کر کے تم کو بالکل پاک کر دے۔

1۔ علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن احمد شہرستانی (م:548ھ) ایک رافضی کذاب ابراہیم بن سیار ابن ہانی النظام کے حالات لکھتے ہوئے اس کی بدعقیدگی کے پول بھی کھولتے ہیں اس کا ایک جھوٹ علامہ شہرستانی نے یوں بیان کیا ہے کہ اس رافضی کذاب نے کہا: إنّ عمر ضرب بطن فاطمة يوم البيعة حتّى ألقت الجنين من بطنها، وكان يصيح: أحرقوا دارها بمن فيها، وما كان في الدار غير عليّ وفاطمة والحسن والحسين عليهم السلام. (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے بیعت والے دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا اور ان کے پیٹ کا بچہ گر گیا، عمر (رضی اللہ عنہ) پکار کر کہہ رہے تھے کہ اس (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو، گھر میں سوائے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین (علیہم السلام) کے کوئی نہ تھا۔ (الملل والنحل للشهرستاني: 1/ 57، الوافي بالوفيات للصفدي (م: ٧٦٤هـ): 5/ 347) رافضی شیعہ اس روایت کو بنیاد بنا کر خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تبرا بازی کرتے ہیں، لیکن اس روایت کی نہ تو ابراہیم بن سیار تک کوئی سند مذکور ہے نہ ابراہیم سے آگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک کوئی سند دنیا کی کسی کتاب میں موجود ہے۔ یہ روایت دنیا کا سفید جھوٹ اور شیطان لعین کی کارستانی ہے۔ اس طرح کی جھوٹی بے سند اور بے سروپا روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا عاقبت اندیشی ہے۔

2۔ سورۃ الاحزاب، الآیۃ: 33۔

اور ان ہی بزرگوں کے اقوال وافعال سے اپنے دعوے کی دلیل لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے علاوہ تمام فرقے غیر اہل بیت کی پیروی کرتے ہیں اور اہل بیت کے اقوال وافعال سے روگردانی اور احتراز کرتے ہیں اس لئے شیعہ کے لئے نجات لازمی اور یقینی ہے جبکہ دوسرے فرقے گرفت کے خوف وخطر میں ہیں، پھر اسی جھوٹے مفروضے پر حدیث سفینہ سے تائید پیش کرتے ہیں کہ:

إن مثل أهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح، من ركبها نجا، ومن تخلف عنها هلك۔[1] میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی سی ہے جو اس میں سوار ہو گیا بچ گیا اور جو اس سے بچھڑ گیا غرق ہو گیا۔

یہاں انہوں نے خلط مبحث کیا ہے اور حق و باطل کو خلط ملط کر دیا ہے، اس میں کلام کس کو ہے کہ اہل بیت کی اتباع موجب نجات نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ اہل بیت کا متبع کون فرقہ ہے اور شیطان کا پیرو گمراہ فرقہ کون ہے جو ناجائز اور مشموم اغراض کی خاطر اہل بیت کا دامن تھامے ہوئے تھے اور ان کے اور اہل بیت کے رسم و آئین میں زمین و آسمان کا فرق تھا وہ کس منطق کی رو سے اہل بیت کے متبع کہلا سکتے ہیں، اب اس بات کا ثبوت کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے کہ شیعہ اہل بیت کے متبع ہیں، کہنا کچھ اور کرنا کچھ اور، جس کی روش ہو وہ کیا کہلاتا ہے سب جانتے ہیں۔

مشرکین مکہ خود کو ملت ابراہیم کا متبع کہتے تھے اور مسلمانوں کو صابی یا صباۃ کا لقب دیا تھا کیونکہ اپنے خیال میں وہ انکو ملت ابراہیمیہ کا مخالف سمجھتے تھے، اسی طرح یہود و نصاریٰ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اتباع کا دم بھرتے تھے اور عبد اللہ بن سلام اور نجاشی یا ان جیسے دوسروں کو انبیاء کا مخالف بتاتے تھے، در حقیقت کسی کا نام لینا اور عمل میں اسکے خلاف راستہ اختیار کرنا سراسر رسوائی اور بے حیائی ہے، آزاد خیال اور ملحد بھی خود

1۔ فضائل الصحابة، للامام احمد بن حنبل، فضائل الحسن والحسين، 2/ 785، رقم: 1402، مؤسسة الرسالة و أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط وابن عدي في الكامل في الضعفاء. ضعفه ابن كثير في تفسيره وابن حجر في ذخيرة الحفاظ: 2/ 2091. وهو في ضعيف الجامع: رقم 1974.

کو قادری، سہروردی اور چشتی کہتے ہیں، ایسے ہی سر برہنہ لمبے بالوں والوں کا ایک فرقہ اپنے آپ کو مدار یہ کہتا ہے ان سب کو محض ان نسبتوں سے کیا فائدہ پہنچتا ہے جبکہ یہ ایسے طرزِ عمل کے سبب اپنی رسوائی اور خفت کو مزید بڑھا لیتے ہیں، کاش! یہ ان بزرگوں کا نام شروع ہی سے نہ لیتے تو ان سے ان بزرگوں کی رسوم اور طریقوں کی پیروی کا کوئی مطالبہ بھی نہ کرتا۔

اس سلسلہ میں سچ صرف یہ ہے کہ اتباع کا زیادہ حقدار صرف اہل سنت کا ہی مذہب ہے، اس لئے کہ جناب امیر المؤمنین حضرت علی وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم ظاہر و باطن میں اسی مذہب پر تھے، اور اس مذہب کے مخالف کو نہ صرف اپنی مجلسوں اور لشکروں سے باہر نکال دیتے تھے بلکہ جلا وطن بھی کر دیتے تھے، ان حضرات نے امام ابو حنیفہ اور امام مالک (اساطین اہلسنت) رحمہم اللہ کے ساتھ عزت و نرمی روا رکھی پھر ان اساطین اہلسنت نے بھی ائمہ اہل بیت کی شاگردگی اختیار کر کے کسب فیض حاصل کیا، اصول مذہب سیکھے، جب دوسروں کو بھی ائمہ کے موافق دیکھا اور ائمہ نے بھی ان کی حقانیت کو تسلیم کیا تو انہوں نے ان سب سے معاملات دین کی تحقیق کی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر صرف اہل بیت کی طرف نسبت کر دینا حقیقت مذہب کے لئے کافی ہوتا تو چاہئے تھا کہ غلاط، کیسانیہ، مختاریہ، اسمٰعیلیہ، زیدیہ، امامیہ، حمیریہ اور قرامطہ یا شیعوں کے دیگر فرقے بھی حق ہوتے اور پھر کسی کو کسی پر متعین اور مخصوص کر کے فخر کرنے اور بغلیں بجانے کا حق نہ ہوتا حالانکہ یہ سب فرقے ایک ادعاء ایک نسبت کے باوجود ایک دوسرے کو کافر و گمراہ کہتے رہے ہیں اور کہتے ہیں (اور اسی پر بس نہیں ماضی میں ایک دوسرے کی گردنیں تک کاٹتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی کیفیت تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی کے عین مطابق ہے، از مترجم نعمانی)

دھوکہ نمبر 27: ایک حبشی لڑکی نے سنی علماء کو عاجز کر دیا

یہ من گھڑت جھوٹا قصہ ہے کہ ایک سیاہ فام لڑکی ہارون رشید کی مجلس میں پہنچی، وہاں اس نے مذاہب پر بحث چھیڑ دی اور تمام مذاہب کے عیوب اور خامیاں گنائیں، مگر شیعہ مذہب کی تعریف کی اور ناقابل تردید دلائل سے اس کی حقانیت ثابت کر دی، حالانکہ ہارون رشید کی مجلس میں جید علماء اہلسنت موجود تھے مگر اس نے کسی کی پرواہ نہ کی اور نہ ہی اہل مجلس میں سے کسی سے اس کا کوئی جواب بن پڑا اور یہ جبہ و دستار والے اس کی ایک بھی دلیل

توڑنے سے عاجز رہے جب ہارون رشید نے اہل مجلس علماء کا یہ سکوت اور عجز دیکھا تو شہر کے دیگر بڑے علماء کو بلوایا جس میں جناب قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، اب اس چھوکری نے ان سے مناظرہ کیا اور ہر ایک پر ایسے الزام لگائے کہ کوئی بھی انکا جواب نہ دے سکا اور سب لاجواب ہو گئے۔

اس جھوٹے قصے کی گھڑنے کا مقصد یہ تھا کہ علمائے اہلسنت کو بتایا جائے کہ تمہارا مذہب اس قدر بودا اور کمزور ہے کہ ایک معمولی چھوکری اس کا تار پود بکھیر سکتی ہے اور تم کو لاجواب کر سکتی ہے، اور اس کی بحث کا تمہارے جلیل المرتبہ علماء بھی جواب نہیں دے سکتے۔

اب اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ سے بھد شیعی عالموں کی ہی اڑتی ہے اور الزام انہی پر آتا ہے کیونکہ انہوں نے سالوں ہی نہیں پوری عمر فن گویائی اور تقریر بازی کی مشق کرنے میں میں کھپا دی پھر بھی اس سیاہ فام چھوکری کے مقابلہ میں اس کے عشر عشیر تک بھی نہ پہنچ سکے، اس لئے کہ اپنے لحہ پیدائش سے آج تک اتنی طویل مدت میں ان کا کوئی بھی عالم کسی بھی مجلس میں کسی بھی عالم اہلسنت پر ایک بھی الزام نہ لگا سکا، اور جب کبھی اس کی نوبت بھی آئی تو اس مجلس سے خود ہی ملزم بن کر الزمات کا پشتارہ سر پر اٹھا کر نکلا ہے، اور کچھ نہیں تو اس سیاہ فام کنیز کی شاگردی کر کے ہی طریقہ واردات سیکھ لیتے کہ دائمی ندامت اور شرمندگی سے ہی چھٹکارہ پا جاتے۔

سچ تو یہ ہے کہ ان سیاہ دل بد باطنوں کا مذہب جو احمقوں اور بے وقوفوں کا گھڑا ہوا ہے اسی قابل ہے کہ اس کے متکلم، مجتہد یا مناظر ایسی ہی سیاہ فام چھوکریاں ہوں، اگر بلند مرتبہ علماء اہلسنت ایسی جاہلانہ اور سوقیانہ گفتگو پر مہر بلب ہوں تو یہ ان کا نقص نہیں بلکہ جواب جاہلانہ باشد خموشی کے مطابق ایک بلیغ انداز میں مسکت جواب ہے، اور پھر جواب تو وہاں دیا جاتا ہے کہ جہاں مخاطب میں فہم و فراست کی کوئی رمق تو نظر آئے اور وہ ماشاءاللہ ان سیاہ فام چھوکریوں میں تو کیا روشن چہرہ حاملان جبہ و دستار شیعوں میں بھی مفقود ہے۔

دھوکہ نمبر28:شیعہ کتب عورتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں

طریقہ واردات یہ ہے کہ شیعوں کے علماء مذہب اپنے مذہب کے اثبات اور اہلسنت کے مذہب کے بطلان میں ایک کتاب تصنیف کرتے ہیں اور مصنف یا مؤلف کی جگہ کسی کنیز یا عورت کا نام ٹانک دیتے ہیں، اس کے ساتھ اس کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے جاتے ہیں کہ یہ کتاب اہلسنت کے علماء نے بھی مطالعہ کی ہے مگر کوئی بھی اس

کی تردید نہ کرسکا، ایسی ہی ایک کتاب الحسنہ ہے جو لکھی تو شریف مرتضیٰ نے ہے مگر کہتے یہ ہیں کہ وہ کنیز ان اہل بیت میں سے کسی کنیز کی تصانیف ہے۔

دھوکہ نمبر29: فلاں شخص نے دونوں مذاہب میں سے شیعہ کو تسلیم کرلیا

کرتے یہ ہیں کہ اپنے مذہب کے ثبوت میں اور اہلسنت کے مذہب کو باطل ثابت کرتے ہیں، کتاب لکھتے تو خود ہیں مگر لعنت بر کذاب کا مصداق بننے کے لئے ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ایک ذمی نے لکھی ہے اور اس کتاب کے آغاز میں اسی مجہول العلم ذمی کی زبانی بیان کراتے ہیں کہ جب میں بالغ ہوا، اور دین حق کے تلاش کرنے کی فکر ہوئی تو میں نے اس سلسلہ میں بڑی تکلیف اٹھائی، بہت تنگ و تاز کی سرد و گرم زمانے سے دوچار ہوا، تا آنکہ توفیق الٰہی نے رہنمائی و دستگیری فرمائی اور مجھے دارالاسلام پہنچایا، یہاں پہنچ کر میں نے دین اسلام کو جانچا پرکھا اور ہر طرح سے اسے دین حق پایا اور میں نے اسے قبول کرلیا، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد جب میں نے اس کے ماننے والوں میں اندرونی اختلاف رائے کو دیکھا تو میرے تو ہوش اڑ گئے، میں تو بھانت بھانت کے اقوال و آراسن کر سراسیمہ ہوگیا کہ کس کو حق سمجھوں کس کو غلط، مختلف آراء اور مذاہب کا جائزہ دلائل کی روشنی میں لیا تو مجھے معلوم ہوگیا اسلامی مذاہب میں سے صرف شیعہ مذہب ہی حق ہے، اس کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں سب گھڑے ہوئے اور تحریف شدہ ہیں ان ہی دلائل کی روشنی میں علماء اہلسنت سے بحث و گفتگو کی اور ان پر الزام لگایا مگر کسی کو ان کے جوابات کی توفیق نہیں ہوئی اور کوئی بھی لگائے ہوئے الزامات کے جواب پر قادر نہ ہوا، اس کو دیکھ کر میرا عقیدہ پختہ تر ہوگیا کہ شیعہ مذہب ہی حق ہے، اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے سوچا کہ ان دلائل کو ضبط تحریر میں لے آؤں تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں کو بھی راہ راست دکھا سکوں۔

اس نوعیت کی ایک کتاب یوحنا بن اسرائیل ذمی کی ہے، جس کا اصل مصنف شریف مرتضیٰ ہے، اس کو کسی نامعلوم الحال ذمی کی طرف منسوب کرکے اس کے شروع میں لکھتا ہے، کہ اول میں طلب حق میں حیران و سرگرداں رہا، ہر مذہب کی کتابوں کا بنظر غائر اور انصاف پسندی کے ساتھ مطالعہ کیا، اور ہر مذہب کی مشکلات کو اس کے معتبر علماء سے حل کرنے کی کوشش کی مگر میرے دل میں شیعہ مذہب کے سوا کسی مذہب کی حقانیت و صداقت نے اثر نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں ایک حکایت بھی کتاب میں بیان کی گئی کہ فلاں تاریخ کو بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں گیا تو دیکھا کہ ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہے جس میں جلیل القدر علماء میں سے فلاں فلاں عالم موجود ہیں، میں نے ان سے گذارش کی کہ حضرات میں عیسائی ہوں، اللہ کی توفیق سے حقیقت اسلام سے آگاہ ہوا اور بجان و دل اس کا والہ وشیدا ہوا، لیکن اہل اسلام میں میں نے باہم بڑا اختلاف دیکھا کہ ہر ایک کا قول دوسرے کے قول سے ٹکراتا ہے، عرصہ سے میں اسی جستجو میں تھا کہ علماء اسلام کا اجتماع کسی مجلس میں دیکھوں اور اپنی خلش دور کروں، میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک محفل تک پہنچ گیا، آپ حضرات کی بڑی عنایت اور کرم نوازی ہو گی اگر دلائل کی روشنی میں مذہب حق سے مجھے روشناس کرا دیا جائے، چنانچہ اہلسنت کے چاروں فرقوں میں سے ہر ایک نے اپنے حق ہونے کا دعویٰ کیا، اور ہر فرقہ والے نے اپنا مذہب حق ثابت کرنے کے لئے دوسرے فرقہ کے مذہب کو باطل قرار دیا، ہر طرف سے باہم لعن طعن، گالم گلوچ کا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور بات ہاتھا پائی تک آگئی، اس وقت میں نے انہیں للکارا کہ اے ناانصافو! بدراہو! مذہب حق دراصل تم چاروں فرقوں کے مذہب میں کوئی سا بھی نہیں، حق مذہب تو ایک اور ہی ہے جس کو تم رفض کا نام دیتے ہو، اس مذہب کو حقیر اور اس کے ماننے والوں کو ذلیل سمجھتے ہو اس کے بعد جو میں نے مذہب رفض کے دلائل بیان کرنا شروع کئے تو چاروں فرقوں کے عالموں میں سے کسی نے بھی دم نہ مارا بلکہ سب کے سب سرنگوں رہے، اب میں چاہتا ہوں کہ ان دلائل کو بصورت کتاب ضبط تحریر میں لے آؤں، پس ثواب آخرت کی امید اور گمراہوں کو راہ راست دکھانے کی خاطر میں نے یہ کتاب تصنیف کی۔

شریف مرتضٰی پر بڑا تعجب ہے کہ اس نے اختلاف کی نسبت اہلسنت کی طرف کی حالانکہ وہی نہیں ساری شیعہ زریت جانتی ہے اصول وبنیاد عقائد واعمال میں ان میں باہم ہرگز کوئی اختلاف نہیں، فروعات میں البتہ اختلاف ہے سو وہ بھی اتنا سنگین نہیں کہ ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہنے کی حد تک جا پہنچے، پھر اتفاقی مسائل زیادہ ہیں اور ایسے مسائل بہت کم ہیں جن میں اختلاف ہے چھان بین اور جائزہ سے بعد پتہ چلتا ہے کہ چاروں مذاہب میں جن فروعی مسائل میں اختلاف ہے ان کی تعداد تین سو سے کچھ زائد نہیں، اور وہ بھی وہ جن میں صراحت سے کوئی حکم شرعی نہیں ملتا بخلاف مذہب شیعہ کے، کہ ان میں اختلاف ہی اصولی ہے اور بہت زیادہ

ہے، ہر فرقہ دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتا ہے۔

امامیہ کے بارے میں چھان پھٹک سے پتہ چلا ہے کہ اثنا عشریہ ایک ہزار فروعی مسائل میں باہم اختلاف رکھتے ہیں، حالانکہ ان کے مسائل کے بارے میں امام کا حکم صریح موجود ہے، مثلاً شراب کا پاک یا ناپاک ہونا، اور اسی طرح کے دوسرے مسائل! ان کی نئی اور پرانی کتابوں سے جو واقف ہے وہ یہ سب کچھ جانتا ہے، تو پھر مرتضیٰ جس کا لقب ہی علم الہدیٰ ہے، وہ مجتہد کیا مذہب کا بانی مبانی ہے ان باتوں سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے لیکن تعصب اور عناد کی پٹی اس کی آنکھوں پر ایسی چڑھی ہوئی ہے کہ اسے یہ سب کچھ نظر نہیں آتا۔

رہیں وہ دلیلیں اور حجتیں جو وہ ذمی کے منہ سے اگلواتا ہے اور جن کو اپنے خیال خام میں بڑی مضبوط اور قیمتی خیال کرتا ہے وہی برتے برتائے مضامین اور گھسی پٹی دلیلیں ہیں جو حیض کے پرانے چیتھڑوں کی طرح اجڑے ہوئی گھروں سے اٹھالایا ہے، بار بار انہیں کو دھوتا ہے اور انہیں سے شیعہ فرقہ کے لئے نیالباس بنالیتا ہے، حالانکہ وہ ساری دلیلیں اہلسنت کے نزدیک مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور شہتوت کے پتے سے بھی زیادہ بودی ہیں جن کو ان کے مکتب کے بچوں نے روندر کھا ہے اور انگلیوں کے ناخنوں نے ان کا حال خستہ کر رکھا ہے۔

دھوکہ نمبر 30: شیعہ لوگ سنی یا شافعی بن کر کتاب لکھتے ہیں

ان کے علماء مذاہب اربعہ کو باطل ٹھہرانے میں ایک اور گہری چال چلتے ہیں وہ یہ کہ ایک مذہب کو تو اشاروں کنایوں اور پردہ و آڑ میں رد کرتے ہیں اور باقی تین کو کھلم کھلا، چنانچہ ان کے کسی عالم کی ایک کتاب اسی نوعیت کی میری نظر سے گزری ہے، اس میں اس کے شیعی مصنف نے اپنے آپ کو شافعی المذہب ظاہر کیا ہے اور اپنی کتاب کی بنا باقی تین مذاہب کو باطل ثابت کرنے پر رکھی ہے، اب جہاں شافعی مذہب کو صحیح ثابت کرنے کا موقعہ آتا ہے وہاں وہ ایسے کمزور اور ناکارہ دلائل اور ناقابل قبول قیاسات حجت میں لاتا ہے اور دور دراز کی خیالی تاویلات پیش کرتا ہے کہ کوئی بھی اس کے ماننے پر ہرگز تیار نہیں ہوتا مثلاً قیاس طرز، قیاس شبہ، وغیرہ جو خود احناف کے ہاں غیر مستند اور درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں، پھر قیاس کے خلاف ایک حدیث بیان کرتا اور خود ہی اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ حدیث قیاس کے مخالف ہے اور جو حدیث مخالف قیاس ہو وہ متروک الظاہر ہوتی ہے، یعنی اس کے ظاہری معنیٰ چھوڑ دیئے جاتے ہیں گویا اس کتاب کی تصنیف محض یہی بتانے کے

لیے ہوتی ہے کہ سنی قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں پس جب اس نے مذاہب ثلاثہ کو شافعی مذہب کے دلائل سے سر کر دیا مذہبی شافعی کو ایسے اور مذہب شافعی کو ایسے کمزور اور پوچ دلائل سے ثابت کیا جو ہر سننے اور دیکھنے والا ان کے کمزور ناکارہ اور ناقابل استدلال ہونے کو اول نظر ہی میں جان لے تو لا محالہ اس چال کا یہ نتیجہ بر آمد ہونا لازمی ہے کہ چاروں مذہب بیک وقت و بیک نوع دیکھنے والے کی نظر میں پوچ اور بے اصل ثابت ہو جائیں گے، یہ دھوکہ بہت پوشیدہ اور بہت ہوشیاری سے ترتیب دیا جاتا ہے، اس لئے اہلسنت میں سے اکثر اس فریب میں آجاتے اور حیران و دم بخود رہ جاتے ہیں۔

دھوکہ نمبر 31: بعض شیعہ سنی کے نام سے کتاب لکھتے ہیں

شیعہ فرقہ کا کوئی عالم فقہ میں کوئی کتاب تالیف کرتا ہے جو اہلسنت پر لعن وطعن اور رد و قدح پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کی نسبت اہلسنت کے کسی امام کی طرف کر دیتا ہے مثلاً مختصر جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ایک شیعہ کی لکھی ہوئی ہے اس میں یہ بھی لکھ مارا ہے کہ آقا کے لئے اپنے مملوک سے لواطت جائز ہے[1] کیونکہ آیت " أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ "[2] کے معنی بظاہر عام ہیں۔[3]

پھر ایک معتبر شخص کے ذریعہ یہ خبر ملی ہے کہ اس نے اصفہان میں اسی قسم کی ایک کتاب دیکھی ہے جسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا اور جو ناشائستہ اور نازیبا مسائل سے پر ہے اس دھوکہ کی اصلیت غالباً یہ ہے کہ ملک مغرب جہاں مالکی حضرات کی اکثریت ہے وہاں تو اس کتاب کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ظاہر کرتے ہیں اور ہندوستان و توران میں جہاں احناف کی اکثریت ہے اس کتاب کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

1۔ حالانکہ یہ بات کہ مملوکہ سے وطی فی الدبر جائز ہے شیعوں کی اپنی کتاب میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیں:
عن محمد بن مسلم، عن ابي عبدالله (ع) قال: سألته عن الرجل يأتي امته من خلفها؟ قال: لا بأس به.(الفروع من الكافي كتاب النكاح ، باب وطء النساء في اعجازهن، 5/ 540، ط: دار الكتب الإسلامية، تهران ايران)

2۔ سورة النساء ، الآية:3۔

3۔ شیعہ کے نزدیک بیوی کی دبر میں جماع جائز ہے: عن ابن أبي يعفور قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن الرجل يأتي المرأة في دبرها قال: لا بأس به.(وسائل الشيعة ، كتاب النكاح ، 14/ 103، ط: داراحياء التراث العربية بيروت)

منسوب کر دیتے ہیں کیونکہ اہلسنت کو تو اپنے ہی امام کی روایات پر زیادہ عبور ہوتا ہے، دوسرے امام کی روایات کی زیادہ کھوج کرید اور تحقیق نہیں کرتے، اس لئے اس کی صداقت ان کے دل میں جلد بیٹھ جاتی، اس دھوکہ میں بھی اکثر اہلسنت کے جلیل القدر علماء پھنس گئے ہیں، مثلاً متعہ کی حلت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صاحب ہدایہ نے بھی کر دی ہے حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ متعہ پر حد جاری کرنے کو واجب کہتے ہیں،[1] بخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ حد جاری ہونے کو واجب نہیں کہتے۔

دھوکہ نمبر 32: شیعوں نے اہلسنت کی تفاسیر میں تحریف کی ہے

شیعہ علماء کی ایک جماعت بڑی سعی و کوشش سے اہلسنت کی تفاسیر اور سیرت کی ان کتابوں میں جو علماء اور طلباء میں بہت کم معروف و مشہور ہوں یا نادر الوجود ہوں، ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں جو شیعہ مذہب کی تائید اور اہلسنت کے مذہب کی تردید کرتی ہوں، چنانچہ باغ فدک کے ہبہ کا قصہ بعض تفاسیر میں داخل کر دیا ہے اور اس کی روایت یوں بیان کی کہ جب آیت "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حقه"[2] (اور دیجئے اقرباء کو ان کا حصہ) نازل

1۔ صحیح بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کا امام مالک کی جانب اس بات کو منسوب کرنا قطعا درست نہیں ہے، اسی لئے شارح ہدایہ علامہ ابن ہمام نے صاف لفظوں میں لکھا ہے: (قوله وقال مالك هو جائز) نسبته إلى مالك غلط. (فتح القدير لكمال ابن الهمام، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، 3/ 247، ط: دار الفكر)

اس کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا ہے کہ امام مالک نے اس میں نکاح المتعہ کا عنوان قائم کیا ہے، اور اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو ذکر کیا ہے جو اس کے حرام ہونے کی ایک اہم دلیل ہے، اگر ان کا رجحان اس کے جواز کی طرف ہوتا تو اس باب میں کوئی ایسی روایت وہ ضرور ذکر کرتے جس سے اس کا جواز ظاہر ہوتا۔

اسی لئے فقہ مالکی کے بڑے فقیہ علامہ قرافی لکھتے ہیں:

نكاح المتعة وهي باطلة عندنا وعند الائمة لما في الموطأ نهى عليه السلام عن متعة النساء يوم خيبر وعن اكل لحوم الحمر الانسية (الذخيرة للقرافي، كتاب النكاح، الباب الثالث في الانكحة المنهى عنها، 4/ 404، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت) یعنی نکاح متعہ ہمارے (مالکیہ کے) نزدیک اور تمام ائمہ کے نزدیک باطل ہے، اس روایت کی وجہ سے جو کہ موطا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا۔

2۔ سورۃ الاسراء، الآیۃ: 26

ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور باغ فدک ان کو عطا فرمادیا،[1] مگر اس کو کیا کیجئے کہ ان بد بختوں کو جھوٹ بولنا بھی نہ آیا، اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ آیت تو مکی ہے یعنی کہ کے قیام کے زمانہ میں نازل ہوئی ہے اس وقت باغ فدک ملا ہی کہاں تھا وہ مکہ میں تو تھا نہیں، پھر آیت میں صرف "ذو القربی" ہی کو دینے کا حکم تو نہیں تھا مساکین اور ابن سبیل کو بھی بخشش و عطا میں شامل کیا گیا تھا ان کو اس عطیے اور بخشش سے کیوں محروم رکھا گیا؟ اس آیت کے مطابق ان کو بھی تو ان کا حصہ دیا جانا چاہیے تھا تا کہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا۔

علاوہ ازیں "اعطاها فدک" کے الفاظ سے ہبہ و تملیک تو ثابت نہیں ہوتی، اس کے لئے تو ان کو وهبها کا لفظ گھڑنا چاہیے تھا مگر پھر یہ رسوائی اور شرمندگی انہیں کہاں ملتی؟ اسی طرح بعض اور کتب تفاسیر و سیرت میں اسی قسم کی جھوٹی ملاوٹ کا پتہ چلتا ہے اس جھوٹ میں بھی اکثر بے خبر علماء سنت الجھ جاتے اور ذہنی تشویش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کے زمانہ میں امراء شیعہ میں دو افراد، مرتضیٰ خاں اور مرید خاں نامی تھے، ان کا وطیرہ ہی یہ تھا کہ اہلسنت کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوۃ یا بعض تفاسیر کو خوش خط لکھواتے اور امامیہ کی کتابوں سے اپنے مطلب کی کوئی حدیث لے کر ان میں شامل کر دیتے، پھر اس مخطوطہ کو جلدوں، اور آب زر سے مزین کر کے نہایت کم قیمت پر گلی کوچوں میں فروخت کرتے اور دھوکہ دہی کا یہ طریقہ آغا ابراہیم بن علی شاہ کے زمانہ میں جو سلاطین صفویہ کا بڑا بادشاہ تھا، اس کا ایک امیر اصفہان میں استعمال کرتا تھا لیکن ان کا یہ دھوکہ کچھ چلا نہیں اس لئے کہ اہلسنت کی جو مشہور و معروف کتب ہیں وہ تو علماء و طلباء کے ہر دم زیر مطالعہ رہتی تھیں اور بکثرت شائع

1۔ عن أبي عبد الله عليه السلام قال: أتت فاطمة أبا بكر تريد فدك، قال: هاتي اسود أو أحمر يشهد بذلك، قال: فاتت بأم أيمن، فقال لها: بم تشهدين؟ قالت :أشهد ان جبرئيل أتى محمدا فقال: ان الله يقول: (فلت ذا القربى حقه) فلم يدر محمد صلى الله عليه وآله من هم؟ فقال: يا جبرئيل سل ربك من هم؟ فقال: فاطمة ذو القربى فأعطاها فدكا: فزعموا أن عمر محى الصحيفة وقد كان كتبها أبو بكر -(تفسير العياشى ، 2/ 287، ط: المكتبة العلمية الاسلامية تهران و تفسير القمى ، 2/ 155، ط: مطبعة النجف ، 1387ھ)

اور دستیاب تھیں اس لئے ان میں رد و بدل کرنا مشکل تھا، اور اس وجہ سے بھی آسانی سے کہا جا سکتا تھا۔ اور جو کتابیں مشہور نہیں تھیں وہ ناقابل اعتبار سمجھی جاتی تھیں، اس لئے محققین علماء اہلسنت نے غیر مشہور کتابوں سے نقل حوالہ کو جائز نہیں رکھا۔ البتہ ترغیب و خوف دلانے کے مسائل میں ان روایات و اخبار کے ضعف کا اعتبار ہوتا ہے یعنی کہ ان میں رد و بدل اور تحریف کے احتمال کی وجہ سے ان سے عقیدہ و عمل کا کوئی مسئلہ نہیں لے سکتے۔

دھوکہ نمبر 33: نقل روایت میں خیانت کرتے ہیں

یہ ہے کہ روایات کی نقل میں خیانت سے کام لیتے ہیں، نقل تو کتب اہلسنت سے کرتے ہیں مگر بیچ میں کہیں اپنے مفید مطلب ایک دو لفظ ایسے بڑھا دیتے ہیں جن کا اصل کتاب میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا، اب بعض اہلسنت اس نقل پر غور و فکر کے بغیر دیکھتے ہیں اور اس حوالہ کو وہ اصل کتاب میں بھی دیکھ چکے ہوتے ہیں لیکن اور ملاوٹی الفاظ کا لحاظ نہ رکھنے کے سبب جو ان پر یشان ہوتے ہیں چنانچہ علی بن عیسیٰ اربیلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں اور ابن مطہر حلی نے اپنی کتابوں الفین، منہج الکرامہ اور نہج الحق میں اس نوع کی بہت سی نقلیں اور حوالے دیئے ہیں، لہٰذا اس دھوکہ سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔

دھوکہ نمبر 34: خلفاء اربعہ کی قدح بطریق مدح کرتے ہیں

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب تصنیف کرتے ہیں جس میں اہلسنت کی مسانید، سنن، اجزاء اور معاجم سے صحیح احادیث نقل کرتے ہیں، مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کا موقعہ آتا ہے تو خود گھڑ کر یا امامیہ کی کتابوں سے نقل کر کے ایسی بات شامل کر دیتے ہیں جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں موجب قدح ہوتی ہے یا ایسی صریح روایات بیان کر دیتے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احق بالخلافت ہونے کا مضمون ہوتا ہے اور یہ کہا گیا ہوتا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو خلافت کرے وہ ایسا ہے، ویسا ہے، تاکہ سامع و ناظر دھوکہ میں پڑ جائے اس لئے کہ وہ فضائل خلفاء میں اس کے بیان سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ وہ مصنف کوئی اہلسنت ہے، اور اس کا یہی یقین اس کو یہ خیال کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اہلسنت کی تصانیف میں بھی ایسی احادیث موجود ہیں جو تینوں خلفاء کی شان میں قدح کا سبب ہیں، اور یوں اس کے دین و یقین دونوں کو سخت ٹھیس لگتی ہے۔

چنانچہ اسی نوعیت کی ایک ضخیم کتاب پر نظر پڑی جس میں ہر حدیث کے شروع میں حدیث کے راوی اور اس کی تخریج کرنے والے کا نام درج تھا، اس دھوکہ میں بعض بلند مرتبہ علماء حدیث بھی امتیاز نہ کرنے کے سبب پھنس گئے اور فریب کو سمجھنے سے قاصر رہے، چنانچہ ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ کے مصنف بھی اس دھوکہ میں آگئے اور اس قسم کی احادیث مجموعہ فضائل خلفاء اربعہ سے اپنے ہاں نقل کر بیٹھے، البتہ فن حدیث میں جن کی نظر گہری ہوتی ہے وہ اس چال میں نہیں آتا کیونکہ من گھڑت اور خود ساختہ، پرداختہ الفاظ کی کمزوری، بودا پن اور معانی کا لچر پن، ان کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیتے اور اس فریب کا پتہ دے دیتے ہیں اور صاحب سلیقہ، اور باذوق آدمی پہلی ہی نظر میں تاڑ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی شیطان صفت شخص کی کارستانی ہے۔

دھوکہ نمبر 35: اہلسنت کے ڈر سے اپنی کتب کو ضائع کر دیا ہے

پچھلے زمانہ میں اہلسنت شیعوں کے بعض گندے مسائل پر ان کو ہدف لعن طعن بناتے ہیں اس لعن طعن سے بچنے کی علماء شیعہ نے یہ صورت نکالی کہ ان کتابوں کے نئے ایڈیشنوں سے ایسے مسائل کو بالکل نکال ڈالا اور کتابوں کے پرانے نسخوں کو چھپا دیا اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ان مسائل کو اہلسنت کی طرف منسوب کر دیا مثلاً اپنے مملوک سے لواطت کا مسئلہ، کہ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اور "لف حریر یا مادر و خواہر" (کہ عضو خاص پر ریشم لپیٹ کر ماں بہن کو بے حرمت کیا جا سکتا ہے) کا مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

اس قسم کے افتراء آمیز مسائل، سید مرتضیٰ، ابن مطہر حلی، ابن طاؤس اور حلی کے بیٹے نے اپنی کتابوں میں بہت نقل کئے ہیں اور غرض صرف یہ ہے کہ "ناک والوں کو نکٹا کہو تا کہ اپنے نکٹے پن کو چھپایا جا سکے" اور اپنے سر سے لعن و طعن کا بوجھ اہلسنت کے سروں پر لاد دیا جائے کہ اس کی جواب دہی وہ کریں، اور اس طرح ان سے ہمارا پیچھا چھوٹ جائے۔

دھوکہ نمبر 36: اہلسنت کے اشعار میں ملاوٹ کرنا

اہلسنت کے مقتداؤں کے اشعار میں ملاوٹ اور جعل سازی بھی ان کی فریب کاری کا ایک طریق ہے، ان اشعار کے ہموزن و ہم قافیہ، ایک دو شعر اپنے مفید مطلب گھڑ کر، ان کے اشعار میں شامل کر دیتے ہیں، جن کا

مضمون وضاحت سے شیعہ مذہب کی موافقت اور اہلسنت کے مذہب کی مخالفت کرتا ہے اور پھر بے شرمی اور ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت نے شرمندگی اور خفت سے بچنے کے لئے ان اشعار کو اپنی نظم سے نکال دیا ہے۔

اس قسم کی حرکت اکثر وبیشتر اہل سنت کے مشہور اور مقبول شعراء کرام کے کلام میں کرتے ہیں، مثلاً شیخ فرید الدین عطار، شیخ اوحدی، شمس تبریز، حکیم سنائی، مولانا روم، حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ قطب الدین دہلوی، وغیرہ ان سے قطع نظر پہلوں میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی انہوں نے یہی سلوک کیا ہے، اور ان کے اشعار میں بھی اپنے گھڑے ہوئے اشعار خلط ملط کر دیئے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ہیں:

يا راكباً قف بالمحصب من منى ... واهتف بقاع خيفها والناهضِ

سحراً إذا فاض الحجيج إلى منى ... دفعاً كملتطم الفرات الفائضِ

إن كان رفضاً حبُّ آل محمد ... فليشهد الثقلان أني رافضي

1۔ اے شتر سوار، منیٰ کی حد پر وادی محصب میں ٹھہر کے نشیب میں رہنے والوں کو پکار اور وہاں سے اٹھنے والے۔

2۔ حجاج کو جو صبح کے وقت نہر فرات کے پانی کی طرح موج در موج منیٰ کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں بتا۔

3۔ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رفض ہے تو میں جن وانس کو گواہ بنا کر بیان کرتا ہوں کہ میں رافضی ہوں۔

نواصب، اور خارجی محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنے والے کو رافضی کہتے تھے ان اشعار میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو مقابلہ میں للکارا ہے، مگر شیعوں کی بدباطنی اور موقعہ سے غلط فائدہ اٹھانے کی خصلت دیکھئے کہ چند ابیات اپنی طرف سے گھڑ کر انہیں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سر منڈھ دیا، اور شرم وحیاء بالائے طاق رکھ کر انہیں اشعار کی بنا پر امام صاحب موصوف کو بھی شیعہ ثابت کرنے لگے، وہ جعلی اشعار یہ ہیں:

قف ثم نادِ بأنني لمحمد ... ووصيه وبنيه لست بباغضِ

وأخبرهم أني من النفر الذي ... لِوَلاءِ أهل البيت ليس بناقض

وقل ابن إدريس بتقديم الذي ... قدمتموه على علي ما رضي

1۔ اس کے بعد یہ بھی پکار کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وصی، اور وصی کے بیٹوں سے بغض نہیں رکھتا۔

2۔ اور یہ بھی بتادے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اہل بیت سے رشتہ توڑنے والے ہیں۔

3۔ اور یہ بھی کہہ کہ ابن ادریس (شافعی) اسے پسند نہیں کرتا کہ علی (رضی اللہ عنہ) پر کسی کو ترجیح دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل کلام اور ان گھڑے ہوئے اشعار میں جو فرق ہے وہ عربی زبان کے ماہرین پر روز روشن کی طرح عیاں وظاہر ہے اور ان کی یہ دھوکہ بازی بیہودہ اور لچر ہے، اس لئے کہ ان بزرگوں کا تو تمام کام، اور بناء شریعت وطریقت از سر تاپا اہلسنت کے مذہب پر ہے، پھر محض ایک دو شعر کی وجہ سے ان کو شیعہ سمجھنا ایسی حماقت ہے، جس کی توقع کسی طفل مکتب سے بھی بعید ہے، اس کے علاوہ یہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی کے اشعار میں الحاق کئے بغیر ان کا کوئی شاعر خود اپنے کہے ہوئے اشعار کو اہلسنت کے کسی بزرگ شاعر کی طرف منسوب کر کے انہیں ان اشعار کا مصنف بنا دیتا ہے، مثلاً ان شیعوں کی کتابوں میں ان اشعار کو امام شافعی کے اشعار بتا کر درج کر دیا گیا:

شفيعي نبي والبتول وحيدر — وسبطاه والسجاد والباقر المجدي

وجعفر والثاوي ببغداد والرضا — وفلذته والعسكريان والمهدي[1]

1۔ میرے شفیع نبی، بتول اور حیدر ہیں، اور ان کے دونوں نواسے اور سجاد و باقر سخی (بھی)

2۔ اور بغداد کے رہنے والے جعفر اور علی رضا اور ان کے دونوں بیٹے، عسکری و مہدی! (یہ سب میرے شفیع ہیں)

اب قدرت کی طرف سے اس جھوٹ کی پردہ دری ملاحظہ ہو، کہ تاریخ ان کی عقلوں پر ماتم کر رہی ہے، امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ 214ھ میں پیدا ہوئے، اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش تو ان کے بھی بہت بعد کی ہے اور امام تقی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 204ھ میں ہوئی اور وہ کرخ میں مدفون ہوئے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 204ھ میں ہو چکی تھی، تو کیا ان حضرات کی مدح میں یہ اشعار دوبارہ زندہ ہو کر کہے، اس کے علاوہ امام حسن عسکری کا قیام سر من رائے میں تھا جسے اب سامرہ کہتے ہیں اور جو معتصم کا بسایا ہوا تھا، حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے معتصم کا زمانہ پایا ہی نہیں، سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد (اور خیر حافظہ نباشد میں تو گنجائش ہے اور بھول چوک کہہ کر معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے مگر یہ مکار اور عیار گروہ تو یہ سب کچھ جانتے بوجھتے، دھڑے سے علی الاعلان جھوٹ بولتا ہے کہ لعنت الٰہی اس کا محبوب طرۂ امتیاز ہے۔ از مترجم نعمانی)

1۔ منسوبة لأبي الوائق العنبري كما في أعيان الشيعة: 2/ 442.

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ میں جن اہل بیت کرام کا پتہ چلا تو ان کے فضائل و مناقب انہوں نے بیان کئے ہیں، اور یہ بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تمام اہلسنت نے ان کی مدح سرائی کو ایک عبادت سمجھا ہے، اور اہلسنت کی کتابوں میں ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم سے بہت سی احادیث بھی روایت کی گئی ہے اور اہل بیت کے اسی سلسلہ روایات کو سلسلۃ الذہب کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(اغوا اور دھوکہ دہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم نامی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کفریہ اور شرکیہ مضامین پر مشتمل اشعار کو بزرگان اہلسنت کی طرف نسبت دینے کو بڑی شہرت دیتے ہیں، مثلاً فارسی کی یہ رباعی بہت مشہور ہے، شاہ است حسین۔۔۔ الخ اس رباعی کو سرگروہ چشتیاں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، اور کیا عوام اور کیا خواص، سب کے سب اس رباعی کو خواجہ صاحب کا کلام سمجھتے ہیں حالانکہ اس رباعی کے مضمون کو دیکھتے ہوئے معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ایسے جاہلانہ عقیدہ سے ہزار بار پناہ مانگتے ہیں، یہ اشعار دراصل ایک ایرانی شاعر معین الدین حسن سنجری نامی کے ہیں جو شیعہ تھا! اور اہلسنت نادانستہ طور پر اور شیعہ دانستہ طور پر خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[1] از مترجم نعمانی)

دھوکہ نمبر 37: شیعہ اپنے کلام کو کاہنوں کے کلام سے ملا کر دھوکہ دیتے ہیں

جب شیعوں نے تاریخ وسیرت کی کتابوں میں یہ پڑھا کہ بعض عرب کاہنوں ستارہ شناسوں اور دانشمندوں نے اہل کتاب سے معلوم کر کے یا علم نجوم کی مدد سے جو کہ اس وقت تک حقیقت کے کچھ قریب تھا اس لئے کہ اس وقت تک شیطانوں کو کن سوئیاں لے کر آسمانی باتوں کی سن گن لینے کی ممانعت نہیں کی گئی تھی،

1۔ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس رباعی کے بارے میں فرماتے ہیں: جہاں تک اول الذکر رباعی اور اقبال کے شعر کا تعلق ہے یہ خالصتاً رافضی نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں، خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رباعی کا انتساب غلط ہے، اور اقبال کا شعر "فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ" کا مصداق ہے۔ لطف یہ ہے کہ رباعی میں "سر داد و نہ داد دست در دست یزید" کو، اور اقبال کے شعر میں "بہر حق در خاک و خوں غلطیدن" کو بنائے لاالٰہ ہونے کی علت قرار دیا گیا ہے، حالانکہ توحید، جو مفہوم ہے لاالٰہ کا حق تعالیٰ کی صفت ہے، بندہ کا ایک فعل اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی کی علت کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں جو لوگ ائمہ معصومین میں خدا اور خدائی صفات کے حلول کے قائل ہوں ان سے ایسا مبالغہ مستبعد نہیں، الغرض یہ رباعی کسی رافضی کی ہے، اور اقبال کا شعر اس کا سرقہ ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل 2/616، ط: مکتبہ لدھیانوی کراچی)

بت پرستی چھوڑ دی تھی اور نبی موعود کے لیے چشم براہ تھے، آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبریں سنایا کرتے اور لوگوں کو ترغیب دلایا کرتے کہ جب آپ تشریف لے آئیں تو آپ کی متابعت کی سعادت سے مستفید ہوں تو ان شیعوں کی رگ جعل سازی پھڑکی اور ان قصوں کے ضمن میں چند ایسی باتوں کا بھی اضافہ کر دیا جن سے مذہب رفض کی تائید ہوتی ہو، اور اس کو اسی مرد جاہل کے سر تھوپا، بعض جگہ اسی قول کی تصدیق میں آنحضرت ﷺ کی روایت کا پیوند بھی لگا دیا اور پھر ان روایات وحکایت پر فخر کرتے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ،ایسی ہی باتوں میں سے جارود عبدی کا ایک قصہ ہے، جو ان کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے اور ان کی حدیث کی کتابوں میں بڑے طمطراق اور دھوم دھڑکے سے بیان کیا جاتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

جارود عبدی ایک نصرانی شخص تھا جو سال صلح حدیبیہ میں اسلام لایا اس نے حضور ﷺ کی شان میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں، ان میں کا ایک شعر یہ ہے:

أَنبَأَنَا الأَوَّلُونَ بِاسمك فينا　　　وباسم اوصياء كرام

یعنی ہمارے اگلوں نے ہمیں آپ کے نام سے آگاہ گیا، اور آپ کے بزرگ وصیوں کے نام بھی۔

پس حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو قیس بن ساعدہ کو جانتا ہو؟ جارود بولا حضرت یوں تو ہم سے ہر شخص اس کو جانتا ہے مگر میں اس کے حالات اور پردہ واقعات سے بخوبی واقف ہوں، اس مجلس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے جارود سے کہا کہ ہم کو اس کا کچھ حال واشعار سناؤ پھر حضور ﷺ نے بھی یہی خواہش ظاہر فرمائی تو اس نے کہا:

يا رسول الله لقد شهدت قسا وقد خرج من ناد ومن أندية اياد إلى ضحضح ذي قتاد وسمر وغياد وهو مشتمل بنجاد فوقف في أضحيان ليل كالشمس رافعا إلى السماء وجهه وإصبعه فدنوت منه فسمعته يقول: اللهم رب السماوات والأرفعة والأرضين الممرعة، بحق محمد والثلاثة المحاميد معه، والعليين الأربعة، وفاطم والحسنين الابرعة، وجعفر وموسى التبعة، سمي الكليم الصرعة، أولئك

النقباء الشفعة، والطريق المهيعة، ورائثه الأناجيل، ومحاة الأضاليل، ونفاة الأباطيل، والصادقوا القيل، عدد نقباء بني إسرائيل، فهم أول البداية، وعليهم تقوم الساعة، وبهم تنال الشفاعة، ولهم من الله فرض الطاعة، اسقنا غيثا مغيثا. ثم قال: ليتني مدركهم ولو بعد لأي من عمري ومحياي، ثم أنشأ يقول: أقسم قس قسما ، ليس به مكتتما حتى يلاقي أحمدا ، والنجباء الحكما يعمى الأنام عنهم، وهم ضياء للعما لو عاش الفي سنة ، لم يلق منها سلما هم أوصياء احمد ، أفضل من تحت السما لست بناس ذكرهم ، حتى أحل الرجما قال الجارود: فقلت يا رسول الله أنبئني أنبأك الله بخبر هذه الأسماء التي لم نشهدها وأشهدنا قس ذكرها؟ فقال رسول الله: يا جارود ليلة اسرى بي إلى السماء أوحى الله عز وجل إلي ان سل من قد أرسلنا قبلك من رسلنا على ما بعثوا قلت: على ما بعثوا؟ قال: بعثتهم على نبوتك وولاية علي بن أبي طالب والأئمة منكما، ثم عرفني الله تعالى بهم وبأسمائهم، ثم ذكر رسول الله صلى الله عليه وآله للجارود أسمائهم واحدا واحدا إلى المهدي عليهم السلام قال لي الرب تبارك وتعالى هؤلاء أوليائي وهذا المنتقم من أعدائي يعني المهدي۔[1]

یعنی جب قس قوم آبادی کی کسی مجلس سے ایک ایسے فراخ میدان کی طرف باہر نکلا جس میں تناد میوہ اور اسباب کے درخت تھے تو میں اس کے پاس ہی تھا وہ پر تکمہ ڈالے ہوئے چاندنی رات میں اس طرح کھڑا تھا جیسے آسمان میں سورج اس کا چہرہ اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں ہیں اس کے کچھ اور قریب ہوا تو اس کو یہ کہتے ہوئے سنا اے خدا تہہ بر تہہ آسمانوں اور کاشت شدہ زمینوں کے مالک پروردگا بحرمت خاص محمد ﷺ

۔ مناقب آل أبي طالب، لابن شهر آشوب ، 1/ 247، ط: المطبعة الحيدرية النجف۔

اور ہر سہ محمد وہر چہار علی فاطمہ، حسنین کاملین، جعفر اور موسیٰ جو سب کے متبوع بلند مقام ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ہم نام یہ سب سرداروں کا گروہ ہے، شفاعت کرنے والے اور حق کی سیدھی راہ کی طرف بلانے والے، جھوٹ کو مٹانے والے، سچ کہنے والے، جن کی تعداد سرداران اسرائیل سے ملتی ہے انہیں سے دنیا کی ابتدا ہے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی، شفاعت یہی کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کی اطاعت فرض ہے، پس نصیب کر ہم کو فریاد کو پہنچنے والی بارش، پھر کہا کاش میں ان کو پاتا اگرچہ میری عمر اور زندگی کے بدلے میں وہ ملتے، پھر کہنے لگا کہ قیس صاف صاف قسم کھاتا ہے کہ اگر یہ دو ہزار برس بھی زندہ رہے تو بھی ان سے تنگ دل نہ ہوگا، یہاں تک کہ ملاقات کرے محمد سے، وہ لوگ شرفاء ہیں، حکماء اور وصی، آسمان کے نیچے سب سے زیادہ بزرگ، لوگ ان کی طرف سے اندھے ہیں اور یہ لوگ بینائی کے نور، تا آنکہ میں قبر میں نہ آؤں، ان کی یاد بھلانے والوں میں سے نہیں، جارود نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی مجھے ان ناموں سے آگاہ فرمایئے جن کو میں نے کبھی نہیں دیکھا؟ قیس ہی نے مجھے ان کے حالات سے واقف کرایا ہے، حضور نے فرمایا اے جارود معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوئی کہ ان پیغمبروں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے مبعوث ہوئے کہ آپ کی بعثت کس پر ہوئی۔

میں نے کہا کس پر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی نبوت پر اور علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ کی ولایت پر پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے نام بتائے اور پھر یہی نام امام مہدی تک بالترتیب حضور نے مجھے بتائے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے دوست ہیں اور یہ (مہدی) میرے دشمنوں سے بدلہ لینے والے ہیں۔

اب اس روایت کا تجزیہ کیا جائے تو بناوٹ، جھوٹ کے آثار اتنے واضح اور صاف ہیں گویا وہ خود بانگ دھل اپنی تردید آپ کا مصداق ہیں، ماہر عربیت کو اس آیت کے الفاظ کا پھس پھسا پن اس کے من گھڑت ہونے کی چغلی کھاتا نظر آتا ہے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے کلام بلیغ سے ادنیٰ مناسبت بھی نہیں رکھتے، دوسری بات یہ وہی جارود تو ہے جس کا بیٹا منذر نامی جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عامل تھا اور وہ تمام متعلقہ علاقوں کا خراج وصول کر کے فرار ہو گیا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے دشمنوں سے جا ملا، جناب امیر رضی اللہ عنہ نے سرزنش و ملامت کے بہت سے خطوط لکھے، مگر اس نے کسی ایک کو بھی قابل توجہ نہ سمجھا اور ساری رقم ہضم کر گیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس کا باپ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد سے اتنا واقف اور معتقد تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کو آپ کی جلالت شان سے واقف نہ کر دیا ہو اور پھر ایسے باپ کا بیٹا ان کے ساتھ ایسی غداری کرتا اور بے حیائی سے پیش آتا پھر اسی جارود کے بیٹے نے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مصاحب خاص تھا اور شاگرد بھی، اس نے ائمہ اطہار سے علم کیوں حاصل نہیں کیا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی شاگردی ہی پر قانع ہو کر کیوں بیٹھا رہا، صحیح اور قابل اعتبار کتابوں سے جارود کا صرف اتنا سا حال معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کہا:

والذي بعثك بالحق لقد وجدت وصفك في الإنجيل ولقد بشر بك ابن البتول [1]

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ کا وصف ہم نے انجیل میں موجود پایا اور ابن مریم علیہ السلام نے ہم کو آپ کی بشارت دی۔

البتہ قس بن ساعدہ الایادی کا حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں معلوم ہوا ہے:

قال قدم وفد بكر بن وائل قدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما فرغوا من حوائجهم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيكم احد يعرف القس بن ساعدة الإيادي قالوا كلنا يا رسول الله نعرفه قال فما فعل قالوا هلك قال ما أنساه بعكاظ على جمل أحمر وهو يقول أيها الناس اجمعوا واسمعوا وعوا من عاش مات ومن مات فات وكل ما هو آت آت إن في السماء لخبرا وإن في الأرض لعبرا مهاد موضوع وسقف مرفوع ونجوم تمور وبحار لا تغور أقسم قس قسما حاتما لأن كان في الأمر رضا ليكونن سخطا إن الله دينا هو أحب إليه من دينكم الذي أنتم عليه مالي أرى الناس يذهبون ولا يرجعون أرضوا بالمقام فقاموا أم تركوا هناك فناموا ثم انشد ابوبكر شعرا كان يحفظ له، بيت:

1۔ تفسیر الدر المنثور للسیوطی، 3/ 133، 134، ط: دار المعرفة بیروت لبنان۔

في الذاهبين الأولين — من القرون لنا بصائر

لما رأيت مواردا — للموت ليس لها مصادر

ورأيت قومي نحوها — تسعىٰ الأصاغر والأكابر

لا يرجع الماضي إلى — ولا من الباقين غابر

أيقنت أني لا محا — لة حيث صار القوم صائر [1]

آپ ﷺ کی خدمت میں بکر بن وائل کا ایک وفد آیا جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تو رسول ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی قس بن ساعدہ کو جانتا ہے انہوں نے کہا ہم سب اس کو جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اب اس کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے اس کا تو انتقال ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا: میری نظروں میں وہ منظر ابھی تک ہے کہ وہ عکاظ میں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہے لوگو! آؤ سنو اور یاد رکھو کہ جو زندہ ہے وہ مرے گا اور جو مر گیا وہ فنا ہو گیا اور جو آنے والا ہے وہ ضرور آئے گا، البتہ آسمان میں بھلائی ہے اور زمین کی عبر تیں! ایک ستون ہے گڑا ہوا، اس پر چھت ہے ڈالی ہوئی، سمندر موجزن ہے، سودا ہے بے نقصان، رات اندھیری ہے اور آسمان پر برجوں والا ہے اور قس قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس وقت اگر کام میں خوشی ہے تو بعد میں اس میں ناخوشی ہوگی اور اس اللہ کے نزدیک جس کی قدرت سب پر غالب ہے ایک دین ہے جو اس کو تمہارے دین سے زیادہ پسند اور محبوب ہے، کیا بات ہے کہ نہیں لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ دنیا سے چلے جارہے ہیں اور پھر واپس نہیں ہوتے، کیا ان کو کوئی ایسی چیز ملی ہے کہ وہیں رک گئے! یا معاف کر دیئے گئے تو سکون سے وہیں سو رہے، پھر ابو بکر نے ایک شعر پڑھا جو اس کو یاد تھا، (ترجمہ یہ ہے) "پچھلی صدیوں کے گزرے ہوئے لوگوں میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت ہے کہ موت ایک دن آئے گی، اور اس پر اترنے کی جگہ تو ہے مگر واپسی کی جگہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے اور بڑے اسی کی طرف دوڑے جارہے ہیں نہ گیا ہوا کوئی لوٹتا ہے اور نہ ہی بقیہ میں سے کوئی باقی رہے گا، تو میں نے یقین کر لیا کہ میں بھی ضرور وہیں جاؤں گا جہاں میری قوم چلی گئی"

1۔هكذا في السيرة الحلبية في سيرة الأمين المأمون، 1/ 319 بتغيير يسير۔

اب اس عبارت اور پچھلی عبارت میں جو قس کی بتائی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے عربی لغات کا انبار لگا دینے سے بھی کہیں کلام میں بلاغت پیدا ہوتی ہے، قس کا شمار عرب کے چوٹی کے بلغاء میں تھا اور پچھلی عبارت میں بلاغت و فصاحت کا شائبہ تک نہ تھا صرف قاموس کے لغت اکٹھے کر دیئے گئے اور بس اور جن کو فصاحت و بلاغت میں زرا بھی درک ہے وہ اسے خوبی سمجھ لیں گے۔

در اصل وہ قصہ سر تا پا من گھڑت اور جھوٹ کی پوٹ ہے اس کے جھوٹا ہونے کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی ولایت شب معراج میں طے پا جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم با تفصیل اور بالترتیب ان ائمہ کے نام بتاتے اور وہ بطریق تواتر تم تک پہنچے جس طرح نماز کی فرضیت اور دیگر واقعات معراج بوضاحت بیان فرمائے اور وہ بطریق تواتر ہم تک پہنچے، یا کم از کم جناب امیر رضی اللہ عنہ اور آپ کا خاندان تو اس سے مطلع ہوتا تاکہ یہ پھر امت کے معاملہ میں آپس میں نہ جھگڑتے، اور اگر کتب سابقہ میں یہ قصہ مذکور ہوتا تو یہود و نصاریٰ تو باخبر ہوتے جبکہ جاہلیت اولیٰ کے عربوں کو بھی ضرور اطلاع ہوتی اور وہ اس کی خبر دیتے اور سب سے اہم بات یہ کہ شیعوں کے سارے فرقے یہ روایت بیان کرتے اور کیسانیہ، اسماعیلیہ، واقفیہ، زیدیہ، اس معاملہ میں اثنا عشریوں کے ساتھ موافق ہوتے۔

اس کے علاوہ اسی قس کی طرف منسوب کردہ کلام میں ائمہ کی طرف "نفاة الاباطیل" سے کی گئی ہے یعنی برائیوں اور لغویات کے مٹانے والے، جب کہ ان حضرات کرام کو تو باطل کے مٹانے کی قدرت ہی حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ اثنا عشری شیعوں کے گمان و خیال کے موافق تو ان حضرات کی ساری زندگی تقیہ اور دشمنوں کے خوف میں بسر ہوئی، ان کے زمانہ میں عباسی اور مروانی لغویات کا رواج و چرچا ہوتا رہا، مگر یہ ایک حرف زبان سے نہ نکال سکے، اسی طرح ان کو صادق القیل (کہ وہ سچ بولنے والے ہیں) کہا گیا، حالانکہ بقول ان ہی شیعوں کے کہ تقیہ کی وجہ سے ان ائمہ کو عمر بھر حرف سچ زبان پر لانے کا موقعہ ہی نہیں ملا، پھر ان کی مدح میں درستہ الانجیل (انجیل کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں) کے الفاظ بھی ہیں، حالانکہ ان میں سے کسی ایک صاحب سے بھی انجیل کا پڑھنا پڑھانا ثابت نہیں۔

دھوکہ نمبر38: فضائل علی میں جھوٹی احادیث وضع کی ہیں

یہ ہے کہ ایک گھڑی ہوئی حدیث حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیعان علی کے کسی چھوٹے بڑے گناہ کے بارے میں اُن سے باز پرس نہیں کی جائے گی، بلکہ ان کی برائیاں اچھائیوں میں بدل دی جائیں گی، نیز یہ بھی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا أعذب احدا والي عليا وإن عصاني[1]

علی سے محبت والوں میں سے میں ایک کو بھی عذاب نہیں دوں گا خواہ اس نے میری نافرمانی ہی کی ہو۔

ان گھڑی ہوئی روایات نے ہوا و حرص کے بندوں، آزاد خیال لوگوں کو گمراہی کی کھلی چھوٹ دے دی، اب وہ دھڑے سے بدکاریوں کے مرتکب ہوئے اور خوب دادِ عیش دیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سند موجود ہے۔

کیا یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ جن بزرگوں سے صرف اظہارِ محبت جو محض زبانی وکلامی ہے، گناہوں کو نیکیوں میں بدل سکتا ہے تو ان بزرگوں اور پاکباز ہستیوں کو خود طاعت وبندگی کی تکلیف ومشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی اور ہمیشہ گرفت اور باز پرس کے خوف وہراس میں زندگی کیوں گزارتے تھے، اقرباء، اہل خاندان، احباب، خدام اور متبعین کو طاعت وعبادت کی ترغیب وتحریص کیوں دلاتے، کیوں تاکید فرماتے؟ گناہ اور محرمات کے ارتکاب پر دھمکیاں دیتے اور سختیاں کیوں کرتے اور شروع ہی سے لوگوں کو نماز، روزہ، حج اور جہاد اور دوسری مشقتوں کے لئے کیوں دعوت دیتے اور ان کی طبعی خواہشات ومرغوبات کے چھڑانے کا سبب کیوں بنتے؟ نجات کا آسان وقریب ترین راستہ صرف محبت کیوں نہ بتادیتے؟ اور اسی کو نجات کا دارومدار اور دعوت کا مقصد اصلی کیوں نہ ٹھہراتے کہ آسان راستہ ہوتے ہوئے مشکل راستہ اختیار کرنے کا الزام لازم نہ آتا اور مکلفین کے حق میں اختیار اصلح کا اصول بھی ہاتھ سے نہ جاتا، اسی طرح قرآن مجید میں باوجود انتہائی رحمت وشفقت الٰہی کے نجات کے اس راستہ کا پتہ کیوں نہیں دیا اور دعوت کو اعمال طاعت وتقویٰ کے تنگ دائرہ میں کیوں محصور رکھا؟

1۔ روى المجلسي في بحار الانوار: لا أعذب من والاه وإن عصاني (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 39/ 259، ط: مؤسسة الوفاء بيروت)

حاصل کلام یہ کہ ان افتراء آمیز روایات سے ان کی غرض یہ ہے کہ شریعت کے احکام کا شیرازہ بکھیرا جائے، اور اس کے بجائے لادینیت اور لامذہبیت کو رواج دیا جائے۔

دھوکہ نمبر 39: متفق علیہ کو لیں مختلف فیہ کو ترک کردیں

یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں اہل بیت کے بارے میں یا خاص طور سے امامت و فضائل امیر المؤمنین کے سلسلہ میں جو آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں ان کی صحت پر دونوں فریقوں سنی و شیعوں کا اتفاق ہے البتہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم یا خلافت کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ مختلف فیہ ہے، اب عقل کا تو یہ تقاضا ہے کہ جن باتوں پر اتفاق ہے ان کو لے لیا جائے، اور مختلف فیہ کو ترک کر دیا جائے تاکہ تردد اور شک سے بچ جائیں، اور حدیث "دع ما یریبك إلى ما لا یریبك"[1] (مشکوک بات کو چھوڑ کر یقینی بات اختیار کرو) پر بھی عمل ہو سکے۔

(الزاماً ہم کہتے ہیں کہ) شیعوں کا مذکورہ بالا شبہ یہود و نصاریٰ کا چربہ ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت، فضائل و مناقب پر یہودیت، نصرانیت اور اسلام، تینوں مذاہب کا اتفاق ہے، اور نبوت، فضائل و مناقب پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اختلاف عقلمندوں کو چاہیے کہ متفق علیہ کو لیں اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیں، اور پھر خوارج کا نظریہ اور شبہ بھی اسی طرح کا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت اور ان کے مناقب پر ان کے زمانہ میں سب متفق تھے ان کے ساتھیوں میں سے نہ کسی نے مخالفت کی نہ ان کے خلاف بغاوت کی اور نہ ان کی شان میں لعن طعن کی زبان درازی کی، اب عرصہ دراز اور مدت مدید کے بعد جب کہ جھوٹ پھیل چکا ہو ان پر کوئی تہمت دھرے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اسے نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ان پر اعتبار نہ کرنے والوں نے وہ زمانہ تو دیکھا ہی نہیں، صرف یہ گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں سن کر بد اعتقادی میں مبتلا ہو گئے، اس کے برخلاف حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی خلافت خود ان کے زمانہ ہی میں مخالفتوں اور جھگڑوں کا شکار ہو گئی اور ان کے ساتھی بلکہ ان کے عزیز واقارب اور اہل خاندان ان کی خلافت کے منکر ہوئے اور ان کی بزرگی پر طعن کرنے لگے اور تقاضائے عقل یہ ہے کہ متفق علیہ کو لے لیا جائے مختلف فیہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

1۔ صحیح البخاری، باب تفسیر المشبهات، 3/ 53، ط: دار طوق النجاة بیروت

اس قسم کے سارے شکوک وشبہات کا جو شیعہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، جواب صرف ایک ہے وہ یہ کہ متفق علیہ کو لینا اور مختلف فیہ کو چھوڑ دینا عقلاً اس وقت ضروری ہوتا ہے جب ان دو باتوں پر سوائے اتفاق واختلاف کے کوئی اور دلیل موجود ہی نہ ہو، اور اگر کوئی قوی دلیل ایسی مل جائے جو کسی ایک جانب کو ترجیح دیتی ہو تو پھر اتفاق و اختلاف والی صورت سے کوئی سروکار نہ ہوگا بلکہ اسی قوی دلیل کو قابل اتباع اور لائق حجت مانا جائے گا کیونکہ حق بہر حال حق ہے اگرچہ اس کے حامی ومددگار تھوڑے ہی ہوں، اور باطل باطل ہی ہے چاہے اس کے نقل کرنے والے بکثرت کیوں نہ ہوں۔

اور کاش شیعہ حضرات اپنے مقرر کردہ اس قاعدہ واصول پر جمے رہیں مگر ان کا حال تو اس آیت کا مصداق ہے کہ "يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ"[1] (یہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں) خود ان کے فقہ کا مقرر اور تسلیم شدہ قاعدہ واصول ہے کہ جب ائمہ سے دو روایتیں منقول ہوں، ایک عام خیال کے مخالف، دوسری موافق، تو مخالف روایت کو لینا چاہیے نہ کہ موافق کو، اس لئے کہ حقیقت کی بناء مخالفت عام ہی پر تو ہے۔[2]

ان کے اس مقررہ اصول پر غور کرکے ذرا ان کی سوجھ بوجھ فہم وفراست اور عقل ودانش کا اندازہ لگالیا

1۔ سورۃ الشعراء، الآیۃ:226۔

2۔ شیعہ کا اصل مذہب ہمیشہ اہلسنت کی مخالفت کرنا ہی ہے چنانچہ اصول ائمہ میں محمد بن حسن حر العاملی نے لکھا ہے:

وفي رسالة القطب الراوندي باسناده عن الصادق (عليه السلام) قال: اذا ورد عليكم حديثان مختلفان فاعرضوهما على كتاب الله، فما وافق كتاب الله فخذوه، وما خالف كتاب الله فردوه، فان لم تجدوهما في كتاب الله فاعرضوهما على اخبار العامة، فما وافق اخبارهم فذروه، وما خالف اخبارهم فخذوه.(الفصول المهمة في أصول الأئمة،القسم الثاني: في فروع الأصول والاصطلاحات،الباب الثامن والثلاثون ،باب عدم جواز العمل بما يوافق العامة عند التعارض، 1/ 424، ط: مؤسسة معارف إسلامي قم،ايران ،و ص: 225 ، ط: مكتبة بصيرتي قم ايران)

البتہ جہاں کہیں اہلسنت کے موافق ان کا عمل نظر آتا ہے تو وہ بوجہ تقیہ کے ہوتا ہے جیسا کہ خود ان کی کتب میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

قال في الوسائل: "هذا محمول على التقية " أقول: ووجهه غير واضح، فإن الظاهر أن أمير المؤمنين (عليه السلام) كان يعاملهم معاملة المسلمين.(دراسات في ولاية الفقيه و فقه الدولة الاسلامية،2/ 806، ط: مكتب الإعلام الإسلامي، ايران)

جائے آگے چل کر ہم ان شاء اللہ باب امامت اور باب مطاعن میں وضاحت کے ساتھ آپ کو بتائیں گے کہ خلفاء ثلاثہ بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب پر سنی اور شیعہ روایات سب کا اتفاق ہے، اور ان بزرگوں کی برائیاں صرف بعض شیعی روایات میں آئی ہیں، ایسی صورت میں اب عقل کا کیا تقاضا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

دھوکہ نمبر40: شیعوں کو اپنی نجات کا یقین ہے اسلئے وہ جنتی ہیں

شیعہ مذہب کو حق ثابت کرنے اور اہلسنت کے مذہب کو باطل کرنے کا یہ انوکھا طریقہ اختیار کرتے ہیں، کہ شیعوں کو یقین ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے مگر اہلسنت کو اپنے بارے میں دونوں باتوں پر یقین نہیں ہے اور اپنے متعلق یقین رکھنے والا اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اپنے متعلق شک رکھنے والے کے مقابلہ میں اس کا اتباع اور پیروی کی جائے۔

شیعوں کا یہ استدلال بہت بودا ہے اس لئے کہ اہل سنت عمومی طور پر تو اس میں ہرگز شک نہیں کرتے کہ وہ ہر شخص جو ایمان صحیح اور عمل صالح پر مرے وہ یقیناً جنتی ہے اور دوزخ سے اس کی نجات لازمی ہے، لیکن چونکہ عاقبت کا معاملہ نامعلوم الحال ہے اس لئے انفرادی حیثیت سے ہر ہر شخص کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ یقیناً جنتی ہے یا دوزخ سے آزاد ہے ایک بے معنیٰ بات ہے بلکہ اس صورت میں تو اللہ کے خوف کو دلوں سے دور کرنا اور مکر الٰہی سے اپنے آپ کو مامون سمجھنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ[1]

اللہ تعالیٰ کے مکر سے دنیا میں بے خوف فاسق ہی ہوتے ہیں۔

کیونکہ عقبیٰ میں ایسے بے خوف لوگوں کی پوری پوری گرفت ہو گی اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تفسیر میں صراحتاً یہ موجود ہے "کہ جو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ مومن ہی نہیں"[2] اور ادعیہ صحیفہ کاملہ میں جو شیعوں کے نزدیک بطریق تواتر جناب امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، جابجا انجام کار سے خوف دلایا ہے۔

1۔ سورۃ الاعراف، الآیۃ:99۔

2۔ عن الحسن بن أبي سارة قال: سمعت أبا عبد الله (عليه السلام) يقول: لا يكون المؤمن مؤمنا حتى يكون خائفا راجيا، ولا يكون خائفا راجيا حتى يكون عاملا لما يخاف ويرجو. (الأصول من الكافي، 2/71، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

اور پھر یہ استدلال یوں بھی غلط ہو جاتا ہے کہ مثلاً یہود و نصاری غلاط قرامطہ حمیریہ اور اسماعیلیہ فرقے اپنی اپنی نجات کا یقین رکھتے ہیں، ان میں ایک طائفہ اپنے آپ کو "ابناء اللہ" (اللہ کے بیٹے) اور "احباء اللّٰہ" (اللہ کے دوست) کہتا ہے تو دوسرا اپنے اندر اللہ تعالی کا حلول مانتا ہے یا اپنے ساتھ اللہ تعالی کے اتحاد کا قائل ہے تو شیعہ استدلال کے مطابق یہ فرقے اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے حالانکہ یہ فرقے سب بالاتفاق باطل ہیں۔

دھوکہ نمبر 41: اہلسنت غیر معصوم کی پیروی کرتے ہیں

اہلسنت کو الزام دیتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مذہب میں ایسے لوگوں کا اتباع کرتے ہیں کہ جو معصوم نہیں ہوتے اور جب غیر معصوم کو خود اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا یقین نہیں وہ دوسرے کو کیا ہدایت کرے گا اللہ تعالی فرماتا ہے:

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ[1]

جو شخص حق کا راستہ بتائے وہ اتباع کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو اس وقت تک راستہ نہ پائے جب تک کوئی دوسرا اس کو راستہ نہ بتائے پس تمہیں کیا ہو گیا ہے یہ کیسے فیصلے کرتے ہو۔

اہلسنت کی مثال تو اس اندھے کی سی ہے جس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ ہو، اور وہ اپنے گھر پہنچنا چاہتا ہے مگر راستہ بھٹک جانے کا ڈر ہے، اس تردد و حیرانی کے وقت اسے ایک شخص ملتا ہے جو اس کے گھر سے واقف نہیں اور اندھا اپنا ہاتھ اس کو تھما دیتا ہے اور بے کھٹکے اس کے پیچھے ہو لیتا ہے اب جو شخص اس کو کھینچ کر ایسے مہلک و خاردار جنگل میں جا چھوڑ دیتا ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا تھا اور کہہ دیتا ہے تیری منزل مقصود یہی ہے۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت صرف حضور اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہیں اور اس قرآن مجید کی

1۔ سورة یونس، الآیة: 35۔

جو حبل اللہ المتین ہے لیکن احادیث کی روایت کرنے اور قرآن مجید کے معانی سمجھنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کی روایت کے محتاج رہتے ہیں جن کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صداقت، صلاح اور نجات و فلاح کی گواہی دی ہے ایسے ہی ان حضرات کرام نے اپنے برگزیدہ شاگردوں اور بزرگ ہمعصروں کے حق میں شہادت دی ہے، چنانچہ اسی طرح صدی بعد صدی ایک دوسرے کی تصدیق کرتے چلے آتے ہیں، بخلاف شیعہ کے کہ انہوں نے ائمہ اور اپنے درمیاں جھوٹے مفتری اور دنیا طلب لوگوں کو واسطہ بنایا ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ خود ان کی صحیح کتابوں میں یہ بھی مروی ہے کہ ائمہ عظام نے ان بدبخت (واسطوں) سے بہزار زبانی بیزاری ظاہر کی، ان پر تبریٰ بھیجا اور لعنت برسائی، ان میں اکثر مجسمیہ، مشبیہ، اباحیہ اور علولیہ ہوئے ہیں۔

اہلسنت کی مثال ایسے شخص کی ہے جو بادشاہ کی ملازمت کا ارادہ کرکے بادشاہ کے مقرب اور دربار رس سے ملے، وہ کسی امیر کے سپرد کرے اور امیر بادشاہ کے وزیر خاص سے ملائے اور ان واسطوں کے متعلق مشہور یہ ہو کہ ان سب کو بادشاہ کا تقرب خاص حاصل ہے اور یہ بھی زبان زدہ خلائق ہو کہ بادشاہ کی مہربانیاں اور عنایتیں ان پر پیہم ہوتی ہیں (ایسے شخص کے متعلق کون کہے گا کہ وہ منزل سے بھٹکا ہوا ہے)

رہے شیعہ تو ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بلا اطلاع، بے سند اور غائبانہ، بادشاہ سے کوئی جاگیر، جائیداد حاصل کرنے کا پروانہ حاصل کرنا چاہیے اور اس کے مکاروں، دغابازوں، جعلسازوں اور جعلی مہریں بنانے والوں سے خفیہ ساز باز کرلے جو خود ہی بادشاہ کے خوف سے لرزاں ترساں رہتے ہوں اور چھپے چھپے پھرتے ہوں اور جن کے متعلق شاہی فرامین یہ ہوں کہ ان کے ہاتھ قلم ہوں، ناک، کان کاٹے جائیں، (نا مرادی اس کی دیکھنا چاہیئے)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[1]

ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں شاید وہ ان پر غور کریں۔

1۔ سورۃ الحشر، الآیۃ:21۔

دھوکہ نمبر 42: صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن میں تحریف کی ہے

یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افتراء و الزام لگاتے ہیں کہ ان حضرات نے قرآن میں تحریف کر کے ان آیات کو اس سے خارج کر دیا جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں یا جن میں لوگوں کو اہل بیت کی اتباع و اعانت کی رغبت دلائی گئی تھی اور سب لوگوں پر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے خلاف اتفاق کر کے اہل بیت کا حق غصب کیا اور ان کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا۔[1]

ان کی اس ہفوات کی تردید خود قرآن مجید کی آیات میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[2]

قرآن ہم ہی نے اتارا اور ہم ہی محافظ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[3]

1۔ فالخبر صحیح ولا یخفی ان هذا الخبر و کثیرا من الاخبار الصحیحة صریحة فی نقص القرآن و تغیره و عندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنی و طرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راسا بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا یقصر عن اخبار الامامة فکیف بثبوتها بالخبر .(مراة العقول فی شرح آل رسول، بحواله : مجلة تراثنا مؤسسة آل البیت ج 8 ص 248)

2۔ سورة الحجر:الآیة:9-

3۔ سورة النور:الآیة:55-

ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین پر اسی طرح اقتدار دے گا جیسا ان سے پہلوں کو دیا تھا اور ان لوگوں کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے اس کو ثبات و اقرار بھی دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے کسی کو میرا ساجھی نہیں پائیں گے (ان باتوں کو سن لینے کے بعد) جو لوگ کفر کریں گے وہی فاسق ہوں گے۔

نیز ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے :

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ - الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ - الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ [1]

ان کو اجازت دیدی گئی کہ جو تم سے لڑتے ہیں ان سے جنگ کرو، کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور جن لوگوں کو اپنے دیار و امصار سے خواہ مخواہ نکالا گیا، ان کی مدد پر اللہ تعالیٰ یقیناً قادر ہے ان کا یہی تو (قصور اور) کہنا تھا کہ اللہ ہمارا رب و معبود ہے اور اللہ تعالیٰ ایک سے دوسرے کی گوشمالی نہ کراتا ہے، تو درویشوں کے خلوت خانے یہود و نصاریٰ کے صومعے اور عبادت خانے اور مسلمانوں کی مساجد جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے ڈھا دیئے جائیں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کے مددگار ہوتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی قوت و غلبہ والا ہے (اللہ اپنے مددگاروں کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت و اقتدار عطا فرمائیں تو یہ نماز کا نظام عطا فرمائیں یہ نماز (کا نظام) قائم کریں، زکوۃ ادا کریں بھلی

1۔ سورة الحج: الآية: 39، 40، 41۔

باتوں کو نافذ کریں اور بری باتوں سے لوگوں کو روکیں اور تمام کاموں کا انجام و نتیجہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ [1]

(محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں کے حق میں تو بہت سخت ہیں مگر باہم بڑے نرم دل اور مہربان ہیں، تو ان کو (جب دیکھے)، رکوع و سجود میں مشغول پائے گا اور وہ اللہ کا فضل اور خوشنودی کے (ہر وقت) طالب رہتے ہیں، سجدوں کے نشان ان کے چہروں (اور پیشانی) پر نمایاں ہیں۔

اب آپ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ کے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ کچھ فرمایا ہے، یہ بد بخت ان پر کیا بہتان وافتراء باندھتے ہیں۔(ختم اللّٰہ علی قلوبہم)

دھوکہ نمبر 43: پیغمبر شیعان علی میں شامل ہونے کی دعا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ کے اولو العزم پیغمبروں کے متعلق یہ بہتان لگاتے ہیں کہ وہ دن رات صبح و شام میں اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے تھے کہ ان کو شیعان علی میں داخل فرمائے، [2] اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ بہتان اولوالعزم پیغمبروں کی شان میں نقص و کمزوری کا پتہ دیتا ہے، کہ ان کی پیہم دعائیں بھی اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائیں اور ان کو یہ تک نہیں بتایا کہ شیعان علی کا زمانہ ابھی آیا کہاں ہے کہ آپ لوگ قبل از وقت اور بے عمل اظہار خواہش کی تکلیف میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

1۔سورة الفتح:الآية: 29.

2۔عن أبي الحسن عليه السلام قال: ولاية علي عليه السلام مكتوبة في جميع صحف الأنبياء ولن يبعث الله رسولا إلا بنبوة محمد صلى الله عليه وآله ووصية علي عليه السلام.(الاصول من الکافی،1/ 437، ط.دار الکتب الاسلامیہ)

اس ذیل میں اہلسنت کی ضعیف روایات بھی سامنے لاتے ہیں جو شیعان علی کی مدح میں وارد ہیں، اول تو ان روایات کی صحت ہی امکان سے دور ہے پھر اپنے اوپر یا اپنے جیسوں پر لفظ شیعہ کا اطلاق کرنا بھی دعویٰ بلا دلیل ہے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیح شیعہ تو اہلسنت ہی ہیں وہی آنجناب کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے لئے باعث آزار نہیں، ہر ایک کو نیکی اور بھلائی سے یاد کرتے ہیں، عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کا اتباع کرتے ہیں اور سیرت میں آپ کی پیروی۔

ہم صفحات ماسبق میں تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ شیعان علی کا لقب در اصل ان شیعانِ اولیٰ کے ساتھ مخصوص تھا جو اہلسنت کے پیشوا ہیں پھر جب رفتہ رفتہ جھوٹے، بناوٹی دعویدار اُٹھ کھڑے ہوئے تو ان بزرگوں نے اس لقب پر تین حرف بھیجے اور اس کو اپنے لئے ترک کر دیا، اور ان کی جگہ اہل رفض و اباحت اور زندیقوں نے اس کو اپنے لئے طرۂ امتیاز بنالیا اور جب یہ قیمتی لقب رذیل لوگوں کے ماتھے کا جھومر بنا تو اہلسنت نے اگر اس کو ترک کر دیا تو تعجب کی کیا بات کیونکہ اب یہ عزت و شان کا مظہر نہیں رہا تھا بلکہ رذالت و کم بختی کی نشانی بن گیا تھا۔

دھوکہ نمبر 44: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں

یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام انبیاء اور رسولوں پر فضیلت دیتے ہیں البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رتبہ و ہمسر کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور تمام ملائکہ اور عالمین و عرش و کرسی پر بھی ان کی برتری کے قائل ہیں،[1] اور

1۔ اختلف الشیعة فی هذه المسئلة فقالت الجارودیة انه کان علیه السلام افضل من کافة الصحابة فاما غیرهم فلا نقطع علی فضله علی کافة به ویدعوا من سوی بینه وبین من سلف اوفضله او شک فی ذلک وقطعوا علی فضل الانبیاء علیهم السلام کلهم علیه واختلف اهل الامامة فی هذا الباب فقال کثیر من متعلمیهم ان الانبیاء علیهم السلام افضل منه علی القطع والثبات وقال جمهور اهل الآثار منهم والنقل والفقه بالروایات وطبقة من المتکلمین منهم واصحاب الحجاج انه علیه السلام افضل من کافة البشر سوی رسول الله محمد بن عبدالله صلوات الله علیه فانه افضل منه ووقف منهم نفر قلیل فی هذا الباب فقالوا لسنا نعلم اکان افضل من سلف من الانبیاء اوکان مساویا لهم او دونهم فیما یستحق به الثواب فاما رسول الله صلی الله علیه وآله محمد بن عبد الله فکان افضل منه علی غیر ارتیاب وقال فریق منهم اخر ان امیر المومنین صلوات الله افضل البشر سوی اولی العزم من الرسل فانهم افضل منه عندالله۔ (تفضیل امیر المومنین علی رضی الله عنه للشیخ مفید، ص19، کتابخانه مجازی شیعه)

اس معاملہ میں انتہائی مبالغہ سے کام لیتے ہیں اس ساری تگ و دو کا راز صرف یہ ہے کہ جب کوئی اس قدر عزت و منزلت کا معتقد ہو گا تو لا محالہ یہ بھی مان لے گا کہ خلافت ان ہی کا حق تھا کہ دوسرے کو اس میں مداخلت کا حق نہیں تھا، حالانکہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ خلافت کا معاملہ افضلیت مرتبہ پر موقوف نہیں، چنانچہ عالم غیب میں حضرت جبرائیل و میکائیل علیہم السلام کے ہوتے ہوئے حضرت طالوت علیہ السلام کو جن کا پیشہ چمڑا رنگنا تھا، خلافت کے لئے چنا گیا اور دنیا میں حضرت شموئیل پیغمبر (علیہ السلام) کی حیات میں منصب خلافت سے انہیں طالوت کو نوازا گیا، پھر "وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ"[1] (علم و جسم میں ان کو کشادگی بخشی) کے الفاظ سے ان کی مدح سرائی کی، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ امور مملکت کی انجام دہی اور معاملات حکومت کا حل و عقد اور بسط و کشاد دوسری چیز ہے اور نسبت کی شرافت و نجابت، علم کی گہرائی اور ذہن کی رسائی دوسری شے۔

دھوکہ نمبر 45: خلفاء راشدین وازواج رضی اللہ عنہم پر شتم افضل عبادت ہے

شیعوں میں یہ بات معروف و مشہور ہے بلکہ ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی بھی ہے کہ خلفائے راشدین، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ معظمہ رضی اللہ عنہا کو سب شتم کرنا عبادات میں سب سے افضل و اکمل عبادت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا ذکر اللہ اکبر سے زیادہ بہتر،[2] اب ان کے احمق اور بے وقوف لوگ اس عقیدہ سے گمراہ ہو کر بہت سی فرض عبادت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور اس افضل عبادت پر بڑی پابندی سے کاربند رہتے ہیں۔

1۔ سورۃ البقرۃ: الآیۃ: 247۔

2۔ واعتقاد ما در برأت آنست کہ بیزاری جویند از بت ہائے چہار گانہ یعنی ابو بکر و عمر و عثمان و معاویہ و زنان چہار گانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم۔۔ واز جمیع اشیاع و اتباع ایشان و آنکہ ایشاں بدترین خلق خدا اند و آنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول وائمہ مگر بیزاری از دشمنان ایشان۔ (حق الیقین، صفحہ: 519 بحوالہ شیعہ سنی اختلاف اور صراط مستقیم، ص: 357، ط: مکتبہ بینات کراچی)

واعتقادنا في البراءة أنها من الأوثان الأربعة والإناث الأربع ومن جميع أشياعهم، وأتباعهم وأنهم شر خلق الله عز وجل ولا يتم الاقرار بالله وبرسوله و بالأئمة عليهم السلام إلا بالبراءة من أعدائهم. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 8/ 366، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

اور اتنی بات نہیں سمجھتے کہ جو بھی انسان گمراہ ہوتا ہے وہ شیطان کے ورغلانے سے، اور شیطان اپنے اس مشن میں اتنا بلند مرتبہ ہے کہ انسان کا تو خیال بھی اس بلندی کو نہیں چھو سکتا اس کے باوجود کسی مذہب میں بھی شیطان پر لعن طعن کو عبادت شمار نہیں کیا گیا، نہ قربت کا سبب و معیار بنایا گیا (حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حسب موقعہ شعر ملاحظہ فرمایئے)

نئی ترکیب شیطان نے نکالی ہے یہ اغوا کی خدا کی حمد کیجئے ترک بس مجھ کو بُرا کہیئے

چہ جائیکہ ان بزرگ ہستیوں کی شان میں جنہوں نے مدتوں خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت اٹھائی اور آنجناب سے سسرال و قرابت کے گہرے رشتے رکھتے تھے، اہلسنت کی ایک عظیم اکثریت بلکہ ان کے علاوہ دوسرے فرقے مثلاً کرامیہ، معتزلہ اور نجاریہ ان بزرگوں کی ہمیشہ تعظیم و توقیر کرتے رہے۔

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ فرقہ اسلامیہ میں بڑے سے بڑا فرقہ اہلسنت ہی کا رہا ہے ان میں ایک جماعت ایسی بھی گزری ہے جس نے لوگوں کے حالات کو جانچا، پرکھا، مدح کے قابل کی مدح سرائی کی، قابل مذمت کی مذمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے نقل میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جن کی ذکاوت و ذہانت اور سلیم عقول ضرب المثل ہیں، چنانچہ عقلیہ، فلسفیات، ریاضیات اور طبعیات میں انہوں نے ایسی ایسی بحثیں اور گہرے نکات نکالے کہ اگر ان علوم کو مرتب کرنے والے ان موشگافیوں کو دیکھ پائیں تو یقیناً ان کے سر احسان مندی سے ان کے سامنے خم ہو جائیں بلکہ بعض علوم مثل علم اصول یا فنون ادبیہ کے تو یہ حضرات خود موجد بھی ہوئے تو ایسے عقیل و فہیم صاحبان علم و دانش کی اکثریت جن کی مدح و تعریف، عزت و توقیر اور تعظیم پر متفق ہو تو لامحالہ ان کے سامنے متفقہ فیصلہ پر ردوقدح اور لعن طعن کرنے والا کب معتبر قرار دیا جا سکتا ہے؟ ایسے ہی آدمی کا کردار مشتبہ ہوگا نہ کہ ان ہستیوں کا اور دور کی بات پر یقین کسی عقلمند کا کام نہیں ہو سکتا اور پھر ایسے پیشواؤں پر ان کا مغرور ہونا ان سے دھوکا کھانا جن کا حل آگے کھلے گا، دانشمندی سے بعید اور منافی ہے۔

دھوکہ نمبر 46: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ دعا کریں ہم آپ کو حب علی عطاء کریں

انہوں نے اپنی احادیث کی کتابوں میں اس مضمون کی گھڑی ہوئی چند روایات درج کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر و بیشتر یہ وحی بھیجتے رہے ہیں کہ آپ ہم سے یہ دعا کریں کہ ہم آپ کو محب علی بن ابی طالب نصیب

ان کے متاخرین نے ان روایات پر بڑا زور دیا اور بہت مشہور کیا لیکن یہ نادان یہ نہیں سوچتے کہ ان کی افتراء پردازی سے جناب رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس کئی جہت سے مجروح ہوتی اور اس میں تنقص لازم آتا ہے۔

اول: یہ کہ "حب علی" جو ایمان کا جزاور دین کا ایک رکن ہے، آپ ﷺ کو حاصل نہیں۔

دوم: ایسے ضروری امر میں آپ سستی فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار تاکید فرمائی جاری ہے۔

سوئم: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بارے میں محب علی میں سوال و دعا کی احتیاج کیوں رکھی بلا طلب و دعا کیوں عطا نہیں فرما دیا حالانکہ تمام انبیاء کو ضروریات ایمانی ابتدائے خلقت سے مرحمت فرمائیں۔

ان شیعوں کی روایات گھڑنے اور تراشنے میں ایسی مثال ہے جیسے کسی عقلمند نے کسی بیوقوف کے بارے میں کہا تھا "بنی قصرا وهدم مصرا" (ایک گھر تو بنالیا مگر ساتھ ہی ایک شہر اجاڑ دیا)

دھوکہ نمبر 47: بعض شیعہ سنی بن کر دھوکہ دیتے ہیں

ان میں کا کوئی عالم مذاہب اربعہ میں سے دکھاوے کے لیئے کوئی مذہب قبول کر کے اس کو اپنے اوپر اتنا گہرا رنگ چڑھالیتا ہے کہ لوگ ظاہری اور باطنی امتحان اور تجربے کے بعد اپنے مذہب کا مقتدا سمجھ لیتے ہیں، اور اس مذہب کے مدارس میں تدریس بھی ان کے سپرد ہو جاتی ہے اور منصب افتاء میں بھی ممتاز نظر آنے لگتے ہیں، اور جب وہ فرشتہ اجل کو قریب آتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے نزدیک مذہب شیعہ ہی حق ہے اور وصیت کرتا ہے کہ میری تجہیز و تکفین کی رسوم کسی شیعہ سے کرائی جائے اور مجھے شیعوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، اور اس حیلہ کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ شاگردوں مقتدوں اور دوست واحباب کے دلوں میں تردد اور شک وشبہ پیدا کر دیا جائے تا کہ اتنا عالم وفاضل اور پرہیزگار شیعہ مذہب کو حق اور سچ نہ جانتا ہو تو اسکی طرف کیوں جھکتا؟ اور

---

1 ـ قال النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) :يا أخا العرب، أعطيت في علي خمس خصال ـ... الا أنبئك بثانية؟ قال: بلى يا رسول الله ـ..قد فرضت الصلاة، ووضعتها عن المعتل بالجنون وفرضت الصوم، ووضعته عن المسافر، وفرضت الحج، ووضعته عن المقل، وفرضت الزكاة، ووضعتها عن المعدم وفرضت حب علي بن أبي طالب على أهل السماوات والأرض، ولم اعط فيه رخصة.(الروضة في فضائل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب ، ص:154، ط: وزيري المطبعة)

اہلسنت کے مذہب سے کیوں دست بردار ہو جاتا، چنانچہ ابن مطہر علی نے اپنی کتاب نہج الکرامہ میں لکھا ہے:

ترجمہ: ہمارے زمانے کے اکثر شافعی مدرس یہ وصیت کر گئے کہ ان کی تجہیز و تکفین کوئی شیعہ کرے، اور ان کو مشہد امام کاظم میں دفن کیا جائے۔ (1)

دھوکہ نمبر 48: بہت سے مشائخ اہلسنت شیعہ ہو گئے تھے

ان کے کسی عالم معروف و مشہور نے ایک کتاب لکھی اور اس میں یہ افتراء بھی لکھ مارا ہے کہ اہل سنت کے اکثر علماء و مشائخ در پردہ امامیہ مذہب رکھتے ہیں مگر ظاہر داری برتتے اور تقیہ کرتے تھے چنانچہ وفیات الاعیان جو ایک وفاقی شیعہ عالم کی لکھی ہوئی کتاب ہے اس نوع کی ہے کہ اس میں حضرت بایزید بسطامی، حضرت معروف کرخی، جناب شقیق بلخی، جناب سہل بن عبداللہ تستری اور ان کے علاوہ اہلسنت کے مشہور مشائخ رحمہم اللہ کو امامیہ میں شمار کیا ہے، اور ان کے کچھ اقوال و کلمات کو افتراء اور بہتان کے اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے جن سے ان کے امامیہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اور ان بزرگوں کے مناقب اور محاسن اور کرامتیں خوب شرح و بسط کی ساتھ بیان کی ہے، اسی طرح ایک اور کتاب مجالس المومنین جس کا مولف قاضی نور اللہ شوستری شیعی ہے اس نے بھی اس قسم کے افتراء آمیز مضامین کثرت سے اس میں درج کیے ہیں۔

علماء ہرات میں سے اسی قاضی کے ہم مذہب ایک عالم نے اس سے کہا کہ تم نے اس کتاب میں روایات و حکایات وغیرہ جو کچھ بیان کی ہے وہ اہلسنت کے علماء نے نہیں ثقہ شیعہ حضرات نے بھی ان کو جھوٹ اور باطل ٹھہرایا ہے اور یہ بے اصل اور خلاف واقعہ باتیں ہیں، اور کتب تاریخ و اخبار میں ان کا سراغ نہیں ملتا اس کے جواب میں شوستری کہنے لگا کہ میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے، مگر میرا مقصد تو یہ ہے کہ

1۔ وقد كان جماعة من أكابر المدرسين من الشافعية في زماننا يوصون بأن يتولى غسلهم وتجهيزهم بعض الإمامية، وأن يدفنوا في مشهد الإمامين الكاظمين عليهما السلام. (منهاج الكرامة في معرفة الإمامة، ص: 185، ط: مؤسسة عاشورا، مشهد) اور بعض اوقات امام یا کسی مزعومہ معصوم کی کسی شخص کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت کو بھی لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ بناتے ہیں جیسے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: والقول بكون الرجل المعين من أهل الجنة قد يكون سببه إخبار المعصوم وقد يكون سببه تواطؤ شهادات المؤمنين الذين هم شهداء الله في الأرض. (منهاج السنة النبوية: 3/ 497)

روایات بھی یہ کتاب پڑھے گا وہ ان احکامات وواقعات کو دوسرے سے بھی نقل کرے گا، اس طرح یہ روایات دوسروں کے ہاں اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے شہرت پائیں گی اور بالآخر کسی نہ کسی مرحلہ پر قابل اعتبار کتابوں میں اپنی جگہ بنالیں گی اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ شیعوں کی تعداد بڑھ جائے گی دوسرا یہ اہلسنت شک وشبہ میں پڑ جائیں گے، اب اگر اہلسنت کے محقق علماء ان کو نہیں مانتے نہ مانیں عوام تو اختلاف روایت پر ان کو محمول کرکے ان کو تسلیم کریں گے، چنانچہ عراق وخراسان کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مجالس المؤمنین میں جو لکھا ہے وہ سب اسی شوشتری کی من گھڑت اور بے اصل اور سراپا جھوٹ ہے۔

دھوکہ نمبر 49: آنحضرت ﷺ نے کسی تبرا گو شاعر کی خواب میں تعریف کی

ان کے بعض راوی اپنے ائمہ پر بہتان باندھتے ہیں چنانچہ اپنے امام سے یوں روایت منسوب کرتے ہیں کہ "میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، تو آپ ایک شیعہ شاعر کی بڑی ستائش فرمارہے تھے اور اس کے لئے دعاء خیر فرمارہے تھے، کیونکہ اس نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں محبت اہل بیت کا خلفاء ثلاثہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبری کا مضمون باندھا ہے اور وہ حضور بار بار پڑھ اور اس سے لطف اندوز ہورہے ہیں"

چنانچہ سہل بن دینار نے اسی قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں ایک روز اور شیعوں کے آنے سے پہلے امام رضا کی خدمت میں باریاب ہوا امام اس وقت تنہا اور تخلیہ میں تھے میری آمد پر امام نے مجھے خوش آمدید کہی اور فرمایا ابن دینار تم خوب آئے میں تم کو کسی کے ذریعہ ابھی بلوانے والا تھا، امام اس وقت انگشت بر زمین کسی سوچ میں غرق تھے میں نے عرض کیا جناب مجھے کسی غرض سے یاد فرمارہے تھے، فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے مضطرب وبے چین کر رکھا ہے اور میری نیند اڑادی ہے، میں نے عرض کیا خیر تو ہے بات کیا ہے، فرمایا کہ میں نے سوزینوں کی ایک سیڑھی دیکھی جس پر میں چڑھ گیا ہوں میں نے عرض کیا مبارک ہو کہ آپ سو سال تک زندہ رہیں گے، فرمایا پھر میں نے دیکھا کہ سبز رنگ کا ایک برج ہے جو اتنا صاف و شفاف ہے کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے صاف نظر آتا ہے اور اس برج میں رسول اللہ ﷺ رونق افروز ہیں آپ کے دائیں بائیں دو خوش جمال جوان رعنا بیٹھے ہیں، ان میں ایک نے ایک بوڑھے کے زائد کا تکیہ لگایا ہوا ہے بوڑھا اتنا ضعیف وعمر رسیدہ ہے کہ اس کی بھنویں آنکھوں پر پڑی ہوئی ہیں حضور ﷺ مجھ سے

ارشاد فرمارہے ہیں اپنے دادا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو سلام کرو، چنانچہ میں نے ان کو سلام کیا پھر فرمایا اور اس شاعر کو بھی سلام کرو یہ ہمارا شاعر اور دین و دنیا میں ہمارا مصاحب اور دوست ہے یعنی اسماعیل بن محمد حمیری میں نے ان کو بھی سلام کیا اس گفتگو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعر سے کہا ہاں لا! وہی قصیدہ جس میں ہم مشغول تھے بوڑھے شاعر نے ایک طویل قصیدہ پڑھنا شروع کیا جب اس شعر پر پہنچا:

قالوا له لو شئت أعلمتنا إلى من الغاية والمفزع

(انہوں نے اس سے کہا کہ تو اگر چاہتا تو ہم کو بتادیتا کہ مال کار اور جائے پناہ کیا ہے)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسمعیل ذرا ٹھہر! پھر آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور فرمایا "اے میرے خدا اے میرے سردار! تو گواہ ہے کہ میں نے ان کو باخبر کر دیا تھا، کہ خوف کے وقت کس کے پاس جائیں اور کس کی پناہ لیں، اور آپ اس وقت ہاتھ کا اشارہ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کی طرف فرماتے جارہے تھے پھر میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ اے علی، اس قصیدہ کو تو خود بھی یاد کرے اور ہمارے شیعوں سے کہہ دے کہ وہ بھی یاد کرلیں اس قصدہ کو جو بھی یاد کرلے گا اس کا بہشتی ہونے کا میں ضامن ہوں، امام رضا کہتے ہیں کہ میرے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ قصیدہ بار بار دہرا کر مجھے یاد کرواتے رہے تا آنکہ مجھے وہ یاد ہو گیا"

وہ قصیدہ جس کے چار شعر ایسے ہیں کہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ارفع میں نہایت گندی اور سب وشتم سے لبریز زبان استعال کی گئی ہے کوئی بھی مسلمان اس کو زبان پر لانا تو درکنار نوک قلم پر لانا بھی گوارہ نہ کرے، مگر ہم (نقل کفر کفر نباشد کے مصداق) اس کو اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ شیعوں کی طرف سے نرم گوشہ رکھنے والے اور غیر جانبدارانہ رویے والے افراد کہیں اسے محض تہمت سمجھ کر ان کے جرم میں گستاخی کو نظر انداز کر کے ان سے کسی چیز کے متوقع نہ ہو بیٹھیں اور وہ از راہِ انصاف اس پر غور فرمائیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کتنا کینہ اور بغض وعناد بھرا ہوا ہے جو بات اہل عقل ومروت، کے نزدیک فرعون وہامان کے لئے بھی کہنا جائزہ نہیں، ان اساطین اسلام کو ان کا ہدف بنانا کب جائز اور کہاں کی شائستگی اور شرافت ہے، اور پھر اس نازیبا حرکت اور معاندانہ طرزِ عمل کو بہشت کی ضمانت قرار دیتے ہیں، تو ہے اس جسارت وگمراہی کا کوئی جواب؟ وہ قصیدہ یہ ہے:

لام عمرو باللوى مربع	طامسة أعلامه بلقع
ام عمرو کا ریگستان میں مسکن تھا جو اب بے نشان و ویران پڑا ہے	
لما وقفن العيس في رسمها	والعين من عرفانه تدمع
(دوران سفر) جب میں نے وہاں پڑاؤ کیا تو اس کی یاد مجھے رلانے لگی	
ذكرت من قد كنت ألهو به	فبت والقلب شج موجع
مجھے یاد آیا کہ میں اس کے ساتھ یہاں کھیلا کرتا تھا، تو اس یاد نے رات بھر مجھے چین نہ لینے دیا	
كأن بالنار لما شفني	من حب أروى كبدي تلذع
گویا اس کی طرف سے مجھے جو محبت ملی اس کی آگ میرے دل کو جلا رہی ہے	
عجبت من قوم أتوا أحمدا	بخطة ليس لها موضع
مجھے اس قوم کے حال پر تعجب ہے جو احمد کے پاس ایسی خصلت کے ساتھ آئی جس کی وہاں گنجائش نہیں	
قالوا له لو شئت أعلمتنا	إلى من الغاية والمفزع
انہوں نے اس سے کہا کہ اگر تم چاہتے تو ہمیں باخبر کر سکتے تھے کہ قال کار اور جائے پناہ کہاں ہیں	
إذا توفيت وفارقتنا	وفيهم في الملك من يطمع
جب آپ وفات پا جائیں اور ہم سے جدا ہو جائیں اور لوگوں میں کوئی ایسا ہو جو سلطنت کا لالچ رکھتا ہو تو ہم کیا کریں	
فقال: لو أعلمتكم مفزعا	كنتم عسيتم فيه أن تصنعوا
فرمایا اگر میں تم سے فزع کا مرجع بیان کر دوں تو قریب ہے کہ تم اس کے حق میں وہ کام کرو گے	
صنيع أهل العجل إذ فارقوا	هارون فالترك له أودع
جو گوسالہ پرستوں نے ہارون سے جدا ہوتے وقت کیا تھا، اس لئے اس ذکر کو جانے دو	
وفي الذي قال بيان لمن	كان إذا يعقل أو يسمع
اس کلام میں گوش ہوش رکھنے والوں کے لیے بیان ہے	

<table>
<tr><td>ثم أتته بعد ذا عزمة</td><td>من ربه ليس لها مدفع</td></tr>
<tr><td colspan="2">اس کے بعد پیغمبر کے پاس ان کے رب کی طرف سے تاکید آئی کہ اس میں رعایت کی کوئی گنجائش نہیں</td></tr>
<tr><td>أبلغ وإلا لم تكن مبلغا</td><td>والله منهم عاصم يمنع</td></tr>
<tr><td colspan="2">(جو تم سے کہا گیا ہے) پہنچاؤ ورنہ تم پہنچانے والے نہیں ہو گئے، خدا تعالیٰ ان سے تم کو بچانے والا ہے</td></tr>
<tr><td>فعندها قام النبي الذي</td><td>كان بما يأمره يصدع</td></tr>
<tr><td colspan="2">پس اس وقت پیغمبر اللہ کے حکم کو صاف صاف بیان کرنے کے لئے اٹھے</td></tr>
<tr><td>يخطب مأمورا وفي كفه</td><td>كف علي ظاهرا تلمع</td></tr>
<tr><td colspan="2">اور خدا کے حکم سے خطبہ دینا شروع کیا اس وقت ان کے ہاتھ میں علی کا چمکتا ہوا ظاہری ہاتھ تھا</td></tr>
<tr><td>رافعها أكرم بكف الذي</td><td>يرفع والكف الذي يرفع</td></tr>
<tr><td colspan="2">اس ہاتھ کو اٹھایا اور کیا کہنا اس ہاتھ کی برکت کا جو اٹھاتا ہے اور اٹھتا ہے</td></tr>
<tr><td>من كنت مولاه فهذا له</td><td>مولى فلم يرضوا ولم يقنعوا</td></tr>
<tr><td colspan="2">اور کہا جس کا میں دوست ہوں یہ اس کا مولیٰ ہے، پس وہ اس پر راضی نہیں ہوئے نہ اس پر قناعت کی</td></tr>
<tr><td>وضل قوم غاظهم فعله</td><td>كأنما آنافهم تجدع</td></tr>
<tr><td colspan="2">اور وہ ایسے لوگ ہو گئے جن کو پیغمبر کا یہ فعل کینہ میں مبتلا کر گیا اس حال میں گویا ان کی ناکیں کاٹی جا رہی ہیں</td></tr>
<tr><td>حتى إذا واروه في قبره</td><td>وانصرفوا عن دفنه ضيعوا</td></tr>
<tr><td colspan="2">حتی کہ جب پیغمبر علیہ السلام کو قبر میں رکھ کر دفن سے فارغ ہوئے تو انہوں نے بھلا دیا</td></tr>
<tr><td>ما قال بالأمس وأوصى به</td><td>واشتروا الضر بما ينفع</td></tr>
<tr><td colspan="2">وہ قول جو کل کہا گیا ہے اور جس کی وصیت کی گئی تھی اس طرح انہوں نے نفع کے بجائے نقصان خریدا</td></tr>
<tr><td>وقطعوا أرحامه بعده</td><td>فسوف يجزون بما قطعوا</td></tr>
<tr><td colspan="2">اس طرح اپنا رشتہ قرابت کاٹ ڈالا، اور عنقریب اس قطع کا بدلہ پائیں گے</td></tr>
</table>

وأزمعوا غدرا بمولاهم	تبا لما كان به أزمعوا
اور انہوں نے اپنے مولیٰ کے بارے میں فریب کیا ہو، انہوں نے ٹھانا ہے خدا اس میں انہیں ہلاک کرے	
لا هم عليه يردوا حوضه	غدا ولا هو فيهم يشفع
ایسے لوگ کل نہ پیغمبر کے پاس حوض پر آسکیں گے اور نہ پیغمبر ان کی شفاعت کریں گے	
حوض له ما بين صنعا إلى	أيلة والعرض به أوسع
پیغمبر کے اس حوض کا طول صنعا سے ایلہ تک ہے بلکہ اس سے بھی وسیع تر	
ينصب فيه علم للهدى	والحوض من ماء له مترع
وہاں نشان ہدایت قائم ہوگا اور وہ حوض اپنے پانی سے لبالب پر ہوگا	
حصاه ياقوت ومرجانة	ولؤلؤ لم تجنه إصبع
اس کے سنگریزے یاقوت و مرجان اور درنا سفتہ ہوں گے	
والعطر والريحان أنواعه	زاك وقد هبت به زعزع
اس کی خوشبو عطر وریحان کی قسم کی ہوگی، اور تیز ہوا اس پر ملتی ہوگی کہ خوشبو ہر طرف اڑائے	
ريح من الجنة مأمورة	ذاهبة ليس لها مرجع
جنت کی ایک ہوا اس (حوض) پر مامور ہے، جو ہر وقت رہے گی واپس نہیں ہوگی	
إذا دنوا منه لكي يشربوا	قيل لهم تبا لكم فارجعوا
جب یہ لوگ پانی پینے حوض کے قریب آئیں گے تو ان سے کہا جائے گا، تمہارا ناس ہو یہاں سے ہٹو	
دونكم فالتمسوا منهلا	يرويكم أو مطعما يشبع
یہ پانی تمہارے لئے نہیں ہے، اپنی سیرابی کے لئے کوئی اور حوض ڈھونڈلو، اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کوئی اور طعام خانہ تلاش کرو	
هذا لمن والى بني أحمد	ولم يكن غيرهم يتبع

یہ پیشہ تو ان کے لئے ہے جو آل احمد سے محبت رکھتا اور ان کے غیر کا تابع نہیں ہے	
فالفوز للشارب من حوضه	والويل والذل لمن يمنع
پس اس حوض سے پینے والے کے لئے کامیابی ہے اور ان کے لئے ہلاکی ہے جن کو اس سے روک دیا گیا	
والناس يوم الحشر راياتهم	خمس فمنها هالك أربع
قیامت کے دن لوگوں کے لئے پانچ علم ہوں گے ان میں سے چار کے لئے ہلاکی ہے	
فراية العجل وفرعونها	وسامري الأمة المشنع
ایک علم گوسالہ سامری کا ہے، اور اس بد کردار گروہ کا سامری فرعون ہے	
وراية يقدمها حبتر	لا برد الله له مضجع
اور ایک نشان کا پیشوا حبتر وباطل شی ہے خدا کرے اس کی قبر ٹھنڈی نہ ہو	
وراية يقدمها نعثل	كلب بن كلب فعله مقطع
اور ایک نشان کا پیشرو نعثل (موٹا کافر) ہے کلب ابن کلب اس کا انجام ہولناک ہے	
وراية يقدمها أبكم	عبد لئيم لكع ألكوع
اور ایک نشان کا پیشوا گونگا بندہ ہے وہ لئیم سے لئیم ہے	
وراية يقدمها حيدر	ووجهه كالشمس إذ تطلع
اور ایک نشان جس کے پیشوا حیدر ہیں گویا چودھویں رات کا چمکتا ہوا چاند	
إمام صدق وله شيعة	يرووا من الحوض ولم يمنعوا
وہ حیدر امام راستی اور ان کے تابعین ہی حوض سے سیراب ہوں گے کوئی ان کو منع کرنے والا نہیں	
بذاك جاء الوحي من ربنا	يا شيعة الحق فلا تجزعوا[1]

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 47/ 230، 231، 232، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان

ہمیں ہمارے پروردگار نے یہی حکم بھیجا ہے اے گروہ حق تم مت گھبراؤ۔

اب واضح رہنا چاہیے کہ اس قصہ کی رو سے دو بزرگوں اور لائق صد احترام ہستیوں پر الزام آتا ہے، اول تو جناب رسالت مآب ﷺ پر دوسرے جناب امام علی رضا پر اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے خواب سچے اور مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں، اسی طرح امام معصوم کے خواب بھی نفسانی اور شیطانی نہیں ہوتے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان خوابوں میں منکرات وکفریات دین داخل ہو جائیں، پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ اشعار ایسے ناکارہ اور کھوٹے سکے ہیں جو ابن دینار جیسے عبد الدراھم والدنانیر کی تحصیل سے نکلے اور اس کی اختراع محض صد فی صد جھوٹے ہیں، فہم صحیح اور عقل سلیم رکھنے والے کیلئے یوں تو قصیدہ کا ہر مصرع افتراء وبہتان کی پوٹ ہے مگر ہم بارہ اماموں کی گنتی کے مطابق تبرکا بارہ وجوہ بیان کرتے ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ قصہ سراسر خلاف عقل مخالف قرآن وحدیث خلاف دین اور خلاف واقعہ ہے۔

1۔ یہاں بسم اللہ ہی غلط ہوگئی کہ اس شیعہ نے سو زینوں والی سیڑھی کی تعبیر یہ دی تھی کہ امام رضا کی عمر سو سال ہوگی، سو یہ تعبیر غلط نکلی اور دونوں فرقوں کے مورخین کے مطابق ان کی عمر سو سال تک نہیں پہنچی،[1] گو تعبیر کی غلطی خواب کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ یہی راوی کہتا ہے کہ جب میں نے امام کے سامنے یہ تعبیر بیان کی تو امام نے اس پر سکوت فرمایا اور کسی غلطی پر ایسے موقع پر معصوم کا سکوت جہاں تقیہ کی گنجائش نہ ہو جائز نہیں اسکا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قصہ جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ اس خواب میں جناب رسالت مآب ﷺ نے معصوم واجب الاطاعت امام کو حکم دیا کہ وہ ایسے شاعر کو سلام کرے جس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ ہے کہ وہ فاسق در فاجر اور شرابی تھا، تو یہ امام معصوم کی تحقیر ہوئی اور جناب رسالت مآب ﷺ کی شان میں خلاف شرع امر کے ارتکاب کی نسبت ہوئی، اور

1۔ امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش 11 ربیع الثانی 153ھ کو ہوئی (وفیات الاعیان، 3/ 270 و شذرات الذهبية، ص: 97) اوران کی وفات 21 رمضان المبارک 203ھ کو ہوئی (رحلة ابن فضلان الي بلاد الترك والروس والصقالبة، ص: 20، 21) اس حساب سے آپ کی عمر مبارک ساڑھے انچاس سال بنتی ہے۔ (سير اعلام النبلاء، 9/ 393 وديوان الاسلام، 3/ 272)

قلب موضوع و معاملہ الٹ دینا کہ بد نیک کو سلام کرے، نہ کہ نیک بد کو سلام کرے، الزام آیا۔

3۔ راوی نے اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا کہ خواب دیکھنے سے امام کو قلق اور بے چینی ہوئی اس سے پتہ چلا کہ خلفاء ثلاثہ پر تبری کا جواز امام کو پہلے معلوم نہ تھا بلکہ وہ تو اس کے خلاف اس حرکت بد کو حرام اور کبیرہ گناہ سمجھتے رہے اب خواب میں اس کے جواز کا انکشاف ہوا تو اس پر قلق، اضطراب، تشویش اور بے چینی کا یہ پیدا ہونا لازم تھا، اس پر پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب کا وجوب محرمات کی حرمت اور جائز چیزوں کا جواز امام کو معلوم ہونا امامت کے خواص میں سے ہے اگر ان باتوں کا علم نہ ہو گا تو درجہ امامت سے گر جائے گا، اب اگر اس قصے کو سچ مانتے ہیں تو امام علی رضا کی امامت ہاتھ سے جاتی ہے، بلکہ کلینی نے تو کتاب کافی میں اس امر کے اثبات کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ امام کو چاہیے کہ گذشتہ و آئندہ معاملات کا ان کو علم حاصل ہو تو یہاں یہ کیسے ہوا کہ امام اس شاعر کے حال سے اور اس کے اس قدر مقبول قصیدہ سے بے خبر تھے کہ جس کے ایک مرتبہ پڑھنے سے جنت کے داخلے کی ضمانت مل جائے اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے، اور امام کو ایسے اہم معاملہ کا پتہ تک نہ ہو۔[1]

امام کی بعثت تو ہوتی ہی اس لئے ہے کہ وہ خدا سے دور کرنے والی باتوں یا اس سے قرب کرنے والے امور کو وضاحت سے بیان کرے یہی نہیں یہ عیب تو گذشتہ ائمہ پر بھی لگتا ہے کہ وہ ایسے اہم امر سے غافل رہ کر دنیا سے چلے گئے اگر کوئی یہ کہے کہ ان ائمہ کو علم تھا تو یہ سوال ہوتا ہے کہ ان حضرات نے امام علی رضا کو اس کی تبلیغ کیوں نہ کی ان کو بے خبر کیوں رکھا۔

4۔ اس قصیدہ میں یہ سفید جھوٹ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تعیین امام کیلئے گئے اور آپ سے درخواست کی اس لئے کہ یہ بات کسی بھی مورخ نے خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ نہ تو

1۔ عن سدير قال: كنت أنا وأبو بصير ويحيى البزاز وداود بن كثير في مجلس أبي عبد الله عليه السلام ـــــقال: قلت: قد قرأته جعلت فداك قال: أفمن عنده علم الكتاب كله أفهم أم من عنده علم الكتاب بعضه؟ قلت: لا، بل من عنده علم الكتاب كله، قال: فأومأ بيده إلى صدره وقال: علم الكتاب والله كله عندنا، علم الكتاب والله كله عندنا. (الأصول من الكافي، للكليني، باب نادر في علم الغيب، 1/ 257، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

کہی نہ اپنی کسی کتاب میں لکھی بلکہ اس قسم کا جھوٹ جوڑنا، پھر اس کی تکرار پر بہشت کی ضمانت دینا اسلوب نبوت ورسالت کے سراسر خلاف ہے بلکہ باعث توہین بھی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام جھوٹ سے بالکل پاک ہوتے ہیں ان کے کلام میں کذب کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

5۔ قصیدہ کے جھوٹے ہونے کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ قصہ میں ایک صریح جھوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا کرایا گیا کہ آپ نے شاعر مذکور کے بارے میں فرمایا کہ وہ دین دنیا میں ہمارا مصاحب ورفیق ہے حالانکہ اس حمیری شاعر نے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی نہ ہی اس کو رفاقت حاصل رہی اور یہ بات کون نہیں جانتا تو نبی کی نسبت ایسا جھوٹ تراشا ان کے پاک دامن پر دھبہ لگانا ہے۔

6۔ اس قصیدہ میں ایک اور کھلا کفر بھی ہے کہ جہالت بیوقوفی اور ناعاقبت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور پیغمبر کی عقل کو علم الٰہی سے کامل تر مستقیم تر قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ تعین امام کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن نقصانات وخطرات کا اندیشہ تھا وہ سب واقع ہوئے، امن کا شیرازہ بکھر گیا، کتاب کی تحریف ہوئی اور مسلمانوں کی ایک جماعت جس کی جمعیت وقوت سے دین کی اشاعت وشوکت کی امید کی جاسکتی تھی وہ مرتد ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے محض حکمرانی کی غرض سے صبر واکرام سے کام لے کر پیغمبر علیہ السلام سے تعیین امام کرائی اس کے بعد جو سانحات پیش آئے اس کا (نعوذ باللہ) یا تو اللہ تعالیٰ کو علم ہی نہ تھا اگر تھا تو ان کو دفع کرنے کا قصد نہ فرمایا اور نبی کے کئے کرائے کو بلکہ خود اپنی سابقہ تائیدات وتوفیقات کو یک قلم ویک حرف حرف غلط کی طرح مٹاڈالا اور پھر وہ حالت ہوئی کہ جاہلیت اولیٰ بھی اس کے سامنے ماند پڑگئی۔

7۔ ساتویں وجہ یہ کہ ترک اصلح وترک لطف کی رعایت جو بلحاظ اصول مذہب شیعہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ناگزیر ہے، اور جن کی قباحت شیعوں کے نزدیک معلوم ومسلم ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوتاہی لازم آتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کا شیعہ باربار اہلسنت کو الزام دیتے ہیں (لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا)

8۔ جھوٹ کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ صاحب قصیدہ نے لوگوں کو پانچ نشانوں (علموں) میں محصور کیا ہے حالانکہ یہود، نصاریٰ، مجوس، ہنود، صابئین، اہل خطا، اہل حبش، اور یاجوج وماجوج، بظاہر ان میں سے کسی بھی نشان میں نہیں ہیں پھر اس کھلے جھوٹ کو پیغمبر علیہ السلام اپنی زبان مبارک سے کس طرح دہرائیں اور اس پر لطف اندوز ہوں۔

9۔ خلفاء ثلاثہ اور ایسے ہی ان کے پیرو عقیدے اور عمل میں باہم کسی بھی حیثیت سے مختلف نہ تھے تو پھر ان کے نشانات جدا جدا قرار دینا سراسر خلاف عقل ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ یہی اشخاص بعینہ دوسرے نشان میں بھی تھے تو ایک ہی ذات کا ایک ہی وقت میں دو جگہ ہونا لازم آتا ہے اور اگر ان میں سے بعض کو ایک نشان میں اور بعض کو دوسرے نشان میں مانیں تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے (یعنی ایک چیز کو بلا معقول وجہ کے دوسرے پر برتری دینا) اور یہ دونوں صورتیں عقل کے نزدیک یا بالبداہت باطل و لغو ہیں ہاں شاعر کا کلام اس حد تک تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ الناس (لوگ) سے مراد محض شیعہ ہوں کیونکہ دوسروں کو بددیانتی کی وجہ سے ناس سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور پھر یہ پانچ نشان یوں ہوں کہ شیعہ اولی نشان حیدری کے تحت کیسانیہ نشان دوم میں امامیہ نشان سوم میں زیدیہ نشان چہارم میں اور غلاہ نشان پنجم میں تو ایسی صورت میں نشانات کا تعدد کچھ معقول ہو سکتا ہے اس لئے کہ متبوعین اور تبعین آپس میں مختلف ہیں۔

10۔ قرآن مجید میں حضور ﷺ کی شان میں فرمایا " وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ"[1] ہم نے ان کو نہ شعر سکھایا اور نہ وہ فن ان کے شایان شان تھا اور اہل سیرت شیعہ و سنی اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جناب پیغمبر علیہ السلام ایک شعر بھی وزن و قافیہ کی درستگی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے، پھر اتنے طویل قصیدہ کو نہ صرف خود یاد کرنا بلکہ امام رضا کو بار بار پڑھ کر یاد کرانا اس کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔

11۔ تاریخ کے آئینہ میں بھی اس شاعر کا چہرہ دیکھ لیا جائے کہ یہ کس درجہ خبیث، فاسق اور شراب خور تھا، پھر ایسے لعین کی عالم قدس میں آنجناب تک رسائی یعنی چہ؟[2]

1۔ سورة يسين، الآية: 69

2۔ إسماعيل بن محمد ابن يزيد بن ربيعة أبو هاشم الحميري الملقب بالسيد، كان من الشعراء المشهورين المبرزين فيه، ولكنه كان رافضيا خبيثا، وشيعيا غثيثا، وكان ممن يشرب الخمر ويقول بالرجعة----وكان قبحه الله يسب الصحابة في شعره ----وقد أورد ابن الجوزي شيئا من شعره في ذلك كرهت أن أذكره لبشاعته وشناعته، وقد اسود وجهه عند الموت وأصابه كرب شديد جدا. ولما مات لم يدفنوه لسبه الصحابة رضي الله عنهم. (البداية و النهاية، 10 / 186، ط: دار إحياء التراث العربي و لسان الميزان لابن حجر، 1/ 436، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت)

12۔ اللہ تعالیٰ نے شعراء کے بارے میں فرمایا ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ - أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ - وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ - إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللهَ كَثِيرًا۔[1]

شاعر گمراہوں کے پیرو ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شاعر ہر میدان میں سرگشتہ ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک کام کئے اور خوب اللہ کی یاد کی ایسے شاعر گمراہوں کے پیرو نہیں۔

اور یہ حمیری شاعر تمام مؤرخین کے نزدیک نااہل صلاح تھا نہ اہل ذکر میں سے تھا (بلکہ کھلا فاسق وفاجر تھا) پس ایسے شخص کی اتباع بالکل گمراہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم کا ایسے شخص کی اتباع کا حکم دینا محال و ممتنع ہے۔

دھوکہ نمبر 50: بعض شیعہ سنی بن کر اپنی جھوٹی احادیث گڈمڈ کر دیتے ہیں

شیعوں میں سے بعض مکار اہلسنت کے ثقہ محدثین کی صحبت وہم نشینی اختیار کرتے ہیں اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے اور اپنے مذہبی اسلاف کو برا اور مغرب کے فسادات و عیوب کو علی الاعلان بے نقاب کرتے ہیں، تو یہ دیانت، احسن سیرت اور تقویٰ کی صفات سے اپنے آپ کو متصف کرنے کی بظاہر کوشش کرتے ہیں۔ حدیث صرف ثقات سے لینے کی رغبت دکھاتے ہیں، یہاں تک کہ علماء و طلباء ان کو قابل وثوق اور لائق اعتماد سمجھتے اور صدق و پاکدامنی پر اطمینان ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور جب ان کو یہ مرتبہ مل جاتا ہے تو یہ اپنی اصلیت پر آجاتے ہیں اور اپنی مکاری کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں اور معتبر و ثقہ روایات میں اپنی گھڑی ہوئی روایات کا جوڑ لگا دیتے ہیں یا بعض کلمات میں تحریف کر کے روایت کرتے ہیں تاکہ لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں یہ ان کا بہت بڑا اور چلتا ہوا مکر و فریب ہے۔

اس قسم کا پہلا دھوکہ باز اجلح نامی ایک شخص تھا اور اس نے یہ دجل و فریب جاری کیا حتیٰ کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ جو اہلسنت کے نہایت قابل بھروسہ علماء میں سے ہیں دھوکہ کھا گئے اور باب جرح و تعدیل میں اس

1۔ سورۃ الشعراء، الآیۃ: 224، 225، 226، 227

کی توثیق کر گئے، اور اس کی در پردہ مکاریوں کا سراغ نہ لگا پائے اور اس کے بڑے گہرے تقیہ کی وجہ سے پکی توبہ کرنے والوں میں شمار کر لیا، مگر بعض دیگر اہل سنت علماء نے اس کی عیاری اور دھوکہ بازی کو پالیا اور ان پر منکشف ہوا کہ یہ جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے اس کے بر خلاف بڑا عیار مکار اور دھوکہ باز ہے چنانچہ جن روایات میں یہ تنہا ہے ان کو نظر انداز کر دیا گیا، ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

إن عليا وليكم من بعدي [1] علی میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔

دھوکہ نمبر 51: شیعہ سنی مؤرخ بن کر اپنی کتابوں میں جھوٹی روایات داخل کرتے ہیں

ان کی ایک جماعت مؤرخین کو اس طرح دھوکہ دیتی ہے کہ ایک کتاب تاریخ میں تصنیف کرتے ہیں، اور اس میں اخبار وحکایات کے بیان کا ایسا اسلوب رکھتے ہیں جس سے یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کا مولف اہل سنت نہیں ہے، البتہ خلفاء رضی اللہ عنہم کی سیرت احوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے محاربات میں اپنے مذہب کے متعلق بھی کچھ ملا دیتے ہیں۔

پھر بعض سنی مولف یہ سمجھ کر کہ یہ سنی کی تصنیف ہے بطور حوالہ اسے نقل کر دیتے ہیں اور یوں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ان کی یہی غلطی سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتی ہے اور وہ بات ان کے ذہن پر جم جاتی ہے اس طرح مصنفین تاریخ کی ایک بڑی جماعت کو چکر دیتے ہیں اور ایسی تاریخی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے گلے میں طوق ضلالت وگمراہی پڑ جاتا ہے، حتیٰ کہ سید جمال الدین محدث مصنف روضۃ الاحباب بھی بعض جگہ اس قسم کے غلط تاریخی مواد کو نقل کر گئے ہیں۔

خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیعت کا معاملہ اور اس پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سکوت وتامل یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل سے متعلق حوالہ اور جہاں اس قسم کی ملاوٹ ہوتی ہے وہاں وہ بوقت ناقل یوں کہتا ہے کہ بعض روایات میں یوں آیا ہے، اسی لئے محققین اہلسنت نے نامعلوم الحال مصنف کی تاریخوں سے احتراز

1۔ ابن بريدة عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال له: إن عليا وليكم بعدي - (مناقب الامير المومنين عليه السلام لسليمان الكوفي، 1/ 424، ط: مجمع احياء الثقافة الاسلامية)

کرنا ضروری سمجھا۔

دھوکہ نمبر52: شیعہ مؤرخین اہلسنت کی تواریخ میں اپنی روایات شامل کرتے ہیں

مورخین کو یہ ایک اور ڈھب سے دھوکہ دیتے اور نئی چال چلتے ہیں وہ اس طرح کہ تاریخ کی ایک کتاب لکھتے ہیں اور اس میں اہل سنت کی معتبر کتب تواریخ سے بلاخیانت حوالہ جات نقل کرتے ہیں لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر اور ان کے باہمی تنازعات کا موقعہ آتا ہے تو ان کی بعض برائیاں محمد بن جریر طبری شیعی کی تاریخ سے جو اس نے مذمت صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھی ہے نقل کر دیتے ہیں یا اس کی کتاب ایضاح الرشید سے جو امامت کے بیان میں ہے کوئی حوالہ درج کر دیتے ہیں مگر ان کتابوں کا نام وضاحت سے ذکر نہیں کرتے (مثلاً یوں کہ دیں کہ تاریخ طبری میں یوں لکھا ہے یا مصنف تاریخ طبری نے اپنی ایک اور تصنیف میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اور اس عدم وضاحت سے مقصد ناظرین کو یہ دھوکہ دینا ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کرلیں کہ یہ حوالہ محمد بن جریر طبری شافعی کا ہے جو تاریخ کی بہت مشہور کتاب سمجھی جاتی ہے، اسی طبری کی ایک کتاب تاریخ کبیر بھی ہے، اس دھوکہ میں پڑ کر نقل در نقل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس نقل کو صحیح سمجھنے والے بھر ضلالت کے بھنور میں پھنس کر غوطے کھاتے رہتے ہیں طبری کی تاریخ کبیر اب نادر الوجود ہے، اس کا اصل بہت کم دستیاب ہے، جو نسخہ ملتا ہے وہ اس کا اختصار ہے، اور یہ اختصار بھی سماطی نامی شیعہ کا تحریف کردہ ہے، اس کا بیان ان شاء اللہ آگے چل کر ہو گا اور مختصر کے مترجمین میں اکثریت شیعوں کی ہے۔

دھوکہ نمبر53: شیعہ مؤرخین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت بلاسند کرتے ہیں

بعض مصنف تاریخ کو کوئی کتاب از خود لکھتے ہیں اور اس میں تمام تر باتیں جو صحابہ کرامؓ کی شان میں ہتک آمیز اور برائیوں کو ظاہر کرتی ہوں گھڑ گھڑ کر شامل کرتے ہیں تا کہ سطحی ذہن کے لوگ اس کے حوالہ جات اپنے ہاں نقل کریں اور روزمرہ گفتگو میں استعمال کریں تا کہ رفتہ رفتہ وہ شہرت پا جائیں اور لوگ ان کو اختلاف روایات سمجھنے کے فریب میں مبتلا ہو جائیں اس مکاری اور فریب کا موجد اور رائج کرنے والا پہلا شخص ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی نامی شیعہ ہے اس کی کتاب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لڑائیوں کے اکثر قصے از سر تا پا، جھوٹے، بناوٹی اور من گھڑت ہیں۔

دھوکہ نمبر54: بعض شیعہ اپنی کتب کلامیہ میں اہلسنت کی حدیث سے حجت قائم کرتے ہیں

ان کے بعض علماء علم کلام کی کتابوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت کا مستقل باب قائم کرتے ہیں اور اس کے ثبوت میں اس باب کے تحت اہلسنت کی صحیح، حسن اور ضعیف احادیث لفظی یا معنوی معمولی سی تحریف کے ساتھ لے آتے ہیں، حالانکہ اس پر ذراسی توجہ اور معمولی غور بھی کر لیا جائے تو ان میں ان کے مفید مطلب کی کوئی بات بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی تحریف کا بھانڈہ پھوڑ دیتی ہیں اور جو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کی تردید کرتی ہیں اس کی ایک مثال۔

ایک مرتبہ خلیفہ ثانی عمر الفاروق رضی اللہ عنہ بر سر منبر، بھاری بھاری مہر باندھنے پر حاضرین کو سمجھا رہے تھے کہ اگر بھاری مہر دنیا و آخرت میں موجب فخر ہوتا تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے زیادہ لائق تھے کہ یہ فخر حاصل کرتے حالانکہ تم جانتے ہو کہ ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں (رضی اللہ عنہن) کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ نہیں بندھا، ایک عورت جو اس مجلس میں حاضر تھی بولی کہ اللہ تعالیٰ نے تو بھاری مہر کو جائز رکھا جب کہ فرمایا "واتیتم احداهن قنطارا" اور دیا تم نے ان میں سے ایک کو ڈھیر، تو آپ ہم کو اس سے کیوں منع کرتے ہیں جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے کلام الٰہی کے ادب کو ملحوظ رکھتے اور کچھ تواضع برتتے ہوئے فرمایا "كل الناس افقه من عمر حتى المخدرات في الحجال"[1] (عمر سے تمام لوگ زیادہ فقیہ ہیں حتیٰ کہ پردہ نشین خواتین بھی)

اسی شیعی مؤلف نے اس روایت کی ترجمانی یوں کی کہ آپ اس عورت کے جواب سے عاجز رہے لہذا اس کو اس باب مطاعن میں درج کر دیا۔

دھوکہ نمبر55: اپنا من گھڑت مضمون حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں

ان کے بڑے دھوکوں میں ایک بڑا دھوکہ یہ ہے کہ اپنے فریب کے موافق کوئی مضمون گھڑ کر اس کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ آپ اس سے پاک اور بالکل بری الزمہ ہوتے ہیں،

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، الطعن السادس، 30/ 655، ط: دار الرضا بيروت لبنان

بڑی چھان بین اور تگ ودو کے بعد ان کی عیاری کا پتہ چلا کہ وہ یہ دھوکہ چند طریقوں سے دیتے ہیں:

1۔ پورے کا پورا کلام ہی گھڑ لیتے ہیں، آپ کے کلام کا ایک لفظ نہیں ہوتا۔

2۔ آپ کے کلام میں ایک دو لفظ گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔

3۔ روایت بالمعنیٰ کرتے ہیں آپ کے الفاظ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ معنیٰ جو یہ آپ کے کلام سے اپنے خیال خام میں سمجھے ہیں اس کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان کر دیتے ہیں۔

چنانچہ نہج البلاغہ جو مشہور کتاب ہے جس کا مصنف بعضوں نے رضی کو کہا ہے اور یہی صحیح ہے اور بعضوں نے اس کے بھائی مرتضیٰ کو اس کا مصنف کہا ہے وہ کتاب اسی نوعیت کے کلام سے بھری ہوئی ہے کیا یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خطبات، خطوط، مواعظ اور نصائح کو اول یکجا کیا پھر اس میں حسب منشا کانٹ چھانٹ، کمی بیشی الفاظ، کلمات اور جملوں میں تغییر و تبدل اور تحریف کر کے اپنے مذہب کے موافق بنا کر اس کا نام نہج البلاغہ رکھ دیا بالغ نظر ارباب علم بیک نظر پہچان لیتے ہیں اور صاف صاف معلوم کر لیتے ہیں کہ جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے کلام کا مثلہ کیا گیا ہے، اس میں سے کچھ حروف نکال دیئے گئے ہیں اور بے موقعہ کلمات کی آگے پیچھے پیوند کاری کی گئی ہے، آپ کے کلام یا تقریر میں اگر کہیں کچھ نام آگئے ہیں تو بعض جگہ ناموں کی جگہ لفظ فلاں کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ کلام کی صحیح مراد سمجھنے میں دشواری ہو، اہلسنت اس سے دلیل نہ لا سکیں، رجب بن محمد بن رجب البرسی الحلی کی کتاب بھی اسی نوعیت کی ہے بعض اور کتابوں کا بھی حال یہی ہے۔

دھوکہ نمبر 56: اپنی کتاب کو ائمہ طاہرین سے منسوب کر دیتے ہیں

ان کا کوئی عالم کتاب خود تصنیف کرتا ہے مگر اس کو ائمہ طاہرین میں سے کسی کے نام منسوب کر دیتا ہے، اس کتاب کے شروع میں اس امام کے صحیح اقوال اور معتبر روایات درج کرتا ہے تاکہ قاری کو اطمینان ہو جائے کہ کتاب کی نسبت صحیح ہے مگر درمیان میں وہ ایسی روایات ٹھونس دیتا ہے جو من گھڑت اور بناوٹی و جعلی ہوتی ہیں اور اس کے مطلب کے موافق ہوتی ہیں، ایسی کتابوں میں سے ایک وہ تفسیر ہے جس کو امام ابو محمد حسن بن علی عسکری کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ وہ ابن بابویہ کی تالیف ہے۔

دھوکہ نمبر 57: حضرت علی رضی اللہ عنہ دعا میں خلفاء ثلاثہ پر لعن کرتے تھے

ان میں کوئی فصیح البیان شخص ایک ایسی دعا گھڑتا ہے جس میں تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی اور لعن طعن ہوتا ہے، اس دعا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ کی دعائے قنوت یہی تھی، ایسی ہی دعاؤں میں سے ایک وہ دعا ہے جس کو یہ لوگ دعاء صنمی قریش کے عنوان سے مشہور کرتے ہیں کیونکہ اس میں جناب شیخین رضی اللہ عنہما کو صنمی قریش (قریش کے دو بت) کے نام سے یاد کیا گیا ہے، بطور نقل کفر اس کا ترجمہ یہ ہے:

> اے خدا لعنت کر قریش کے دو بتوں، دو طاغوتوں اور دو معبودوں پر جنہوں نے تیرے حکم کے خلاف کیا وحی کے منکر ہوئے تیرے انعام کا انکار کیا تیرے رسول کی نافرمانی کی تیرے دین کو الٹ دیا تیری کتاب کی تحریف کر دی۔۔۔ الی آخر البکواس[1]

اس دعا کے جھوٹ اور بے اصل اور ہفوات ہونے میں کسی کو بھی شک وشبہ نہیں کیونکہ قریش کے ایسے دو بتوں کا وجود شیعوں کے وہم کے سوا کہیں نہیں ہے۔

دھوکہ نمبر 58: فضائل علی کے اشعار یہودی یا نصرانی سے منسوب کر دیتے ہیں

ان کا کوئی شاعر چند ایسی ابیات لکھتا ہے جن میں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی تعریف بعد الانبیاء آپ کی فضیلت، آپ کی امامت کی تعیین اور شیعی مذہب کی حقانیت بیان ہوتی ہے پھر ان اشعار کو یہودی یا نصرانی میں سے کسی ذمی کے سر تھوپ کر اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور مطلب ان کا صرف ایک ہی ہے کہ

---

1 ۔ اللهم العن صنمي قريش وجبتيهما وطاغوتيهما الذين خالفا أمرك وأنكرا وحيك وجحدا انعامك وعصيا رسولك وقلبا دينك وحرفا كتابك وعطلا أحكامك وأبطلا فرائضك وألحدا في آياتك وعاديا أوليائك وأحبا أعدائك وخربا بلادك وأفسدا عبادك، اللهم العنهما و أتباعهما و أوليائهما و أشياعهما ومحبيهما، اللهم العنهما فقد خربا بيت النبوة وألحقا سمائه بأرضه وعلوه بسفله وشاخصه بخافضه إلى آخر الدعاء الشريف المجرب في قضاء الحاجات.
(شرح احقاق الحق للمرعشي، 1/ 338، مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم إيران و بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 82/ 260، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

کسی سنی کو گمراہ کیا جائے ان کی ایسی حرکتوں سے کوئی جاہل سنی دھوکہ کھا بھی جاتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ایک کافر نے جب ایسی باتیں کہیں ہیں تو لا محالہ ان کا مضمون، توریت وانجیل یا کسی صحیفے سے ہی لیا ہو گا، اسی قسم کے وہ اشعار ہیں جن کو شیعوں نے ابن فضلون یہودی کے سر منڈھا ہے:

علي أمير المؤمنين عزيمة　　　　وما لسواه في الخلافة مطمع

باعتبار تحقیق امیر المومنین علی ہی ہیں، ان کے علاوہ کسی کو خلافت کی آرزو کرنے کا کوئی حق نہیں۔

له النسب العالي وإسلامه الذي　　　　تقدم، بل فيه الفضائل أجمع

وہ بلند نسب ہیں، وہ اسلام میں سب سے مقدم ہیں بلکہ ان میں تمام فضائل یکجا ہیں۔

ولو كنت أهوى ملة غير ملتي　　　　لما كنت إلا مسلما أتشيع[1]

اگر میں اپنے مذہب کے سوا کوئی اور مذہب اختیار کرتا تو شیعہ مسلم ہوتا۔

ذیل کے وہ اشعار بھی اسی کی طرف منسوب ہیں:

حب علي في الورى جنة　　　　فامحُ بها يا رب أوزاري

علی کی محبت مخلوق کے حق میں ڈھال ہے اے خدا اس کی برکت سے میرے گناہ معاف کردے۔

لو أن ذميا نوى حبه　　　　حُصن في النار من النار[2]

اگر آدمی ان کی محبت کی نیت کرلے تو وہ آگ میں ہوتے ہوئے بھی آگ جہنم سے محفوظ رہے گا۔

1۔ نسب الأبيات ابن شهر آشوب المازندراني إلى بعض النصارى في كتابه مناقب آل أبي طالب: 2/ 27 وأخرجها ابن طاووس في الطرائف: 2/ 555.

2۔ ومن كذبهم أن المازندراني نسب هذه الأبيات إلى الإمام أحمد في فضائل الصحابة والديلمي في مسند الفردوس قال: قال: عمر بن الخطاب قال النبي صلى الله عليه وسلم: حب علي براءة من النار وأنشد ... . ثم أورد هذه الأبيات في كتابه مناقب آل أبي طالب: 3/ 9 وأوردها أيضا البيضاني في الصراط المستقيم: 2/ 50 وعنهما المجلسي في بحار الأنوار: 39/ 358 وليست في كتب السنة التي زعموا ..

اسی قسم کی اور مثالیں بھی ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

دھوکہ نمبر 59: فضائل اہلبیت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک حدیث کی غلط نسبت

اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں:

سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم نحن الشجرة، وفاطمة فرعها، وعلي لقاحها، والحسن والحسين ثمرتها، والشيعة ورقها، و كلها في الجنة[1]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم ایک ایسا درخت ہیں جس کی جڑ میں ہوں فاطمہ اس کی شاخ، تم اس کے پھل حسن وحسین اس کے میوے اور شیعہ اس کے پتے ہیں، اور یہ پورا درخت جنت میں ہے۔

اسی مضمون کو کسی شیعی شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

یا حبذا شجرة في الخلد ثابتة   ما في الجنان لها شبه من الشجر

وہ درخت جو جنت میں اگا ہوا ہے کیا ہی اچھا ہے کہ زمین میں اس جیسا کوئی درخت نہیں اگا۔

المصطفى أصلها والفرع فاطمة   ثم اللقاح علي سيد البشر

جس کی جڑ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا شاخ، پھر پھل سید البشر علی ہیں۔

والهاشميان سبطاها لها ثمر   والشيعة الورق الملتف بالثمر

پیغمبر کے دو ہاشمی نواسے اس کا میوہ ہیں اور شیعہ اس درخت کے لپٹے ہوئے پتے۔

هذا مقال رسول الله جاء به   أهل الروايات في العالي من الخبر

رسول اللہ کا یہ وہ قول ہے جس کو بلند سند راویوں نے روایت کیا ہے۔

إني بحبهم أرجو النجاة غدا   والفوز مع زمرة من أحسن الزمر

1۔ الأربعون حديثا في إثبات إمامة أمير المؤمنين عليه السلام للماحوزي البحراني،ص: 77، ط: مطبعة أمير 1417ھ و بصائر الدرجات الكبرى في فضائل آل محمد،ص: 80، ط: مؤسسة الأعلمي طهران۔

میں ان کی محبت کے صدقہ نجات کی امید رکھتا ہوں اور کامیابی اسی جماعت کے لئے ہے جو سب جماعتوں سے افضل ہے۔ (1)

اس روایت کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ کہ اس حدیث کی صحت پر کوئی قطعی دلیل نہیں اور دلیل ہو بھی تو اس سے شیعوں کی مطلب برآری نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ نام کے شیعہ نہیں بلکہ وہ اصلی شیعہ مراد ہیں جو دراصل اہلسنت تھے اور ابتدائے عہد میں جو شیعہ اولی کے لقب سے مشہور تھے اس لئے کہ اس درخت سے لپٹے ہوئے پتے وہی تھے کہ باوجود حوادث کے جھگڑ اور آندھیاں بھی ان کو شہر نبوت سے جھاڑنے میں ناکام ہو گئیں، وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے سچے ساتھی اور خوشی و غمی کے جان نثار دوست اور رفیق تھے۔

لیکن جب رافضیوں نے جو جناب امیر و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے دوست نما دشمن تھے یہ لقب ہتھیا لیا تو اہلسنت نے اس سے دست برداری دیدی (کیونکہ اس وقت یہ لقب لائق افتخار نہیں قابل مذمت بن گیا تھا، اس لئے کہ اس کے حاملین محبان و جان نثاران اہل بیت نہیں تھے، سبائیوں کا ایک غول تھا جس پر امیر المؤمنین اور ائمہ کرام نے ہمیشہ لعنت بھیجی) دار قطنی نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ:

وعن أم سلمة قالت كانت ليلتي وكان النبي صلى الله عليه وسلم عندي فأتته فاطمة فسبقها على فقال له النبي صلى الله عليه وسلم يا علي أنت وأصحابك في الجنة الا انه ممن يزعم أنه يحبك أقوام يرفضون الاسلام ثم يلفظونه يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم لهم نبز يقال لهم الرافضة فان أدركتهم فجاهدهم فإنهم مشركون قلت يا رسول الله ما العلامة فيهم قال لا يشهدون جمعة ولا جماعة ويطعنون على السلف(2)

1۔ الغدير، للشيخ الاميني،3/ 8، ط: دار الكتاب العربي بيروت لبنان و التجلي الأعظم في الصلاة على آل النبي الأكرم للسيد فاخر الموسوى، ص:231، مطبوعة: 1421ھ

2۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،10/ 22،ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان۔

حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اور تمہارے متبعین جنت میں جائیں گے مگر ان میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو تمہاری محبت کے دعویدار تو ہوں گے مگر زبان سے اسلام کی توہین کریں گے قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا رافضی لقب سے وہ مشہور ہوں گے ایسے لوگوں سے تم جہاد کرنا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے جناب علی کرم اللہ وجہہ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ ان کی ظاہری نشان کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز جمعہ وجماعت میں حاضر نہیں ہوں گے، اور اسلاف پر لعن طعن کریں گے۔

افاضل اہل بیت جناب موسیٰ بن علی بن حسین بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے شیعہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی اطاعت کی اور ہمارے جیسے کام کئے۔[1]

دھوکہ نمبر60: شیعان علی سے قیامت میں حساب نہ ہوگا

اماموں سے اس قسم کی روایت کر کے اسے شہرت دیتے ہیں کہ شیعانِ علی سے قیامت کے دن کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور بہشت میں صرف وہی داخل ہوں گے۔[2]

اول تو سرے سے یہ روایت ہی جعلی، جھوٹی، اور من گھڑت ہے، بفرض محال اگر اس کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے شیعان اولیٰ اور ان کے متبعین مراد ہیں نہ کہ رافضی۔ (ان کو تو جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی)

1۔ عن جابر، عن أبي جعفر (عليه السلام) قال: قال لي: يا جابر أيكتفي من ينتحل التشيع أن يقول بحبنا أهل البيت، فوالله ما شيعتنا إلا من اتقى الله وأطاعه-(الأصول من الكافي،2/ 74، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

2۔ عن الناصر للحق بإسناده عن النبي صلى الله عليه وآله قال: يدخل من أمتي الجنة سبعون ألفا بغير حساب فقال علي عليه السلام من هم يا رسول الله؟ قال: هم شيعتك يا علي وأنت امامهم- (الشيعة في أحاديث الفريقين، للسيد مرتضى الموحد الأبطحي، ص: 237، ط: المطبعة أمير 1416ھ)

دھوکہ نمبر 61: شیعان علی پر قیامت میں انبیاء بھی رشک کریں گے

ئمہ کی طرف نسبت کرکے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ان شيعة علي يغبطهم الرسل يوم القيامة[1]

لی کے شیعوں پر قیامت کے دن انبیاء بھی رشک کریں گے۔

حسب دستور یہ بھی روایت جعلی اور بناوٹی ہے اور ائمہ پر افتراء ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو اس سے مراد اہلسنت کے وہ اولیاء کرام ہو سکتے ہیں جن کے متعلق حدیث قدسی میں یوں آیا ہے:

المتحابون في جلالي لهم منابر من نور يغبطهم النبيون والشهداء[2]

میرے جلال وعزت کی خاطر باہم محبت رکھنے والے قیامت کے دن ایسے نورانی منبروں پر بیٹھے ہوں گے کہ ان پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس زمرہ میں وہی لوگ آئیں گے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خالصتاً لوجہ اللہ محبت کرتے ہوں گے اور ان کے حسن توسل سے فیضان ہدایت حاصل کیا ہوگا، اور ایسے حضرات جو اس صفت وخوبی پر فخر کر سکیں صرف اور صرف اولیاء اہلسنت ہی ہیں نہ کہ رافضی، کہ جن کے اسلاف نے دنیا کی ناکارہ اغراض کی خاطر مثلاً ملک ومال یا ریاست وسیادت کے لالچ، جاہ وحشمت کی حرص، یا ملکوں وسلطنتوں میں غدر وفساد برپا کرنے یا ان کا تختہ الٹنے کی غرض سے خود کو آنجناب کی طرف منسوب کر رکھا تھا تاکہ اس نسبت سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال کر اور ان کی قربانی کا بکرا بنا کر اپنا الو سیدھا کر سکیں، پھر ان کے اخلاف بمصداق

1۔ عن أبي جعفر عليه السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله :يأتي يوم القيامة قوم عليهم ثياب من نور، على وجوههم نور، يعرفون بآثار السجود، يتخطون صفا بعد صف حتى يصيروا بين يدي رب العالمين، يغبطهم النبيون والملائكة والشهداء والصالحون، فقال له عمر بن الخطاب:من هؤلاء يا رسول الله الذين يغبطهم النبيون والملائكة والشهداء والصالحون؟ قال:أولئك شيعتنا وعلي إمامهم.(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 7/ 180، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان و فضائل الشيعة للشيخ صدوق ،ص: 31)

2۔ مسند الامام احمد بن حنبل، 36/ 399، ط: مؤسسة الرسالة

آیت کریمہ "إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ - فَهُمْ عَلَى آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ"[1] (انہوں نے اپنے باپ داداؤں کو گمراہ پایا تو خود بھی انہیں کے نقش قدم پر دوڑ پڑے)

دھوکہ نمبر62: انبیاء کرام شیعہ علی ہونے کی آرزو کرتے تھے

شیعوں کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف میں زیادتی اور مبالغہ کی حدود بھی پار کر جاتے ہیں، اپنی تفاسیر میں انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ انبیاء آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش ان کا حشر شیعوں میں ہو چنانچہ شب معراج جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام شیعان علی کے چہروں کو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن دیکھا تو غایت تمنا کے ساتھ اللہ تعالی سے التجا کی کہ انہیں بھی شیعان علی میں داخل فرما، چنانچہ دعا قبول ہوئی اور قرآنی آیت "وَإِنَّ مِن شيعة لابراهيم" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔[2] (اس کے شیعوں میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں)

اس ہفوات کی شناعت اور قباحت اور اس افتراء وبہتان کی ذلالت وبرائی ظاہر وباہر ہے کہ اس سے اولوالعزم انبیاء اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شیعوں کی برتری اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبروں کا درجہ امتیوں سے بھی گھٹیا اور کمتر ہے اور پھر آیت کریمہ سے یہ معنی مراد لینا رکاکت و رذالت تو ہے ہی اسی کے ساتھ قرآن کی کھلی تحریف بھی ہے اور نظم قرآن میں اختلال اضمار قبل الذکر اور ایہام خلاف مقصود جیسے عیوب لازم آتے ہیں، جو عام لوگوں کی گفتگو اور کلام تک میں معیوب سمجھے جاتے ہیں چہ جائیکہ کلام ربانی میں یہ پائے جائیں۔

1۔ سورة الصافات، الآية :69، 70۔

2۔ فقال إبراهيم: إلهي وسيدي أرى أنوارا قد أحدقوا بهم لا يحصي عددهم إلا أنت، فقيل: يا إبراهيم شيعتهم شيعة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام، فقال إبراهيم:وبما تعرف شيعته؟ قال: بصلاة إحدى وخمسين، والجهر ببسم الله الرحمان الرحيم، والقنوت قبل الركوع، والتختم في اليمين، فعند ذلك قال إبراهيم: اللهم اجعلني من شيعة أمير المؤمنين قال: فأخبر الله تعالى في كتابه فقال: " وإن من شيعته لإبراهيم ۔ (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 36/ 152، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

دھوکہ نمبر 63: جبرئیل پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا احسان وانعام

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتنے احسانات وانعامات ہیں کہ وہ قیامت تک ان کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے یہ صرف مبالغہ نہیں بلکہ کفر کی حد سے بھی اونچا مبالغہ ہے یہ خالی خولی الزام نہیں اس فرقہ کی کتابوں میں بہت سی روایات موجود ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس کو ان کے معتبر راویوں نے روایت کیا ہے کہ ایک روز جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے، جبریل علیہ السلام اٹھ کر تعظیم بجالائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو جبریل علیہ السلام سلام کہنے لگے مجھ پر ان کا ایک اتنا بڑا احسان ہے کہ زندگی بر اس کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ کس طرح؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تو مجھ سے پوچھا میں کون ہوں؟ تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ مجھے اس کا کوئی جواب نہ سوجھا میں حیران پریشان اور خاموش کھڑا تھا کہ یہ نوجوان عین بروقت آپہنچا اور مجھ سے کہا ڈرمت! کہہ دے تو رب جلیل ہے میں عبد ذلیل ہوں اور میرا نام جبریل ہے، اس وقت میں اسی احسان کے حق کی ادائیگی میں اٹھا اور آداب بجالایا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک ستارہ ہے جو تیس ہزار سال بعد نکلتا ہے اور میں اس کو تیس ہزار مرتبہ نکلتے دیکھ چکا ہوں؟[1]

قصہ اس فرقہ کے جھوٹ کا شاہکار ہے کیونکہ ان دو تین حرفوں کی تعلیم کیا اس پورے قرآن کی تعلیم

---

1 ـ وروى صاحب بستان الكرامة ان النبي (صلى الله عليه وآله) كان جالسا وعنده جبرائيل فدخل علي (عليه السلام) فقام له جبرائيل (عليه السلام)، فقال النبي (صلى الله عليه وآله) :أتقوم لهذا الفتى! فقال له (عليه السلام): نعم انه له علي حق التعليم. فقال النبي (صلى الله عليه وآله) :كيف ذلك التعليم يا جبرائيل؟ فقال: لما خلقني الله تعالى سألني من أنت وما أسمك ومن أنا وما اسمي؟ فتحيرت في الجواب وبقيت ساكتا، ثم حضر هذا الشاب في عالم الأنوار وعلمني الجواب، فقال: قل أنت ربي الجليل واسمك الجليل، وأنا العبد الذليل واسمي جبرائيل. ولهذا قمت له وعظمته (الولاية التكوينية لآل محمد (عليهم السلام) للسيد علي عاشور، ص: 131، 132، و نور البراهين لنعمت الله الجزائري، 1/ 333، ط: مؤسسة النشر الاسلامي، بقم المقدسة)

برابر ہو سکتی ہے جو صاف اور بے شبہ حکم قرآن کے موجب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک اور آپ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی اتنی بڑی اور عظیم الشان نعمت کے مقابلہ میں ان دو حرفوں کی کیا حقیقت اور ان کا کیا حق اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی طالب علم استاد سے قرآن مجید حفظ کرتا ہے اور پھر تراویح میں اپنے استاد کو کہیں کہ ایک لقمہ دی دیتا ہے تو استاد کے اتنے بڑے احسان کے مقابلہ میں اس لقمہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

اب رہا حضرت جبریل علیہ السلام کی عمر کا معاملہ، یہ معاملہ خلاف عقل و مشاہدہ ہے کیونکہ کسی ستارہ کا تیس ہزار سال بعد طلوع محالات میں سے ہے اکثر آباد اقلیموں میں ستاروں کا طلوع و غروب فلک الافلاک کی حرکت سے ہے جس کی رفتار سب سے زیادہ تیز ہے کہ رات دن میں عالم کا پورا چکر طے کر لیتا ہے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آٹھویں آسمان سے جو ثوابت ستاروں کا مرکز ہے دن رات میں کئی مرتبہ گزر جاتے ہیں تو ان کی طرف کسی ستارہ کے طلوع و غروب کے دیکھنے کی نسبت کرنا خلاف عقل ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا وجود ظاہری چونکہ جبریل علیہ السلام سے ہزاروں سال بعد ہے تو آپ کی تعلیم کا مسئلہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے؟ اگر جناب امیر رضی اللہ عنہ کا وجود مثالی یا روحی مانیں تو یہ بھی بیکاری بات ہے اس لئے کہ اس وقت نفس ناطقہ کا وجود کہاں تھا جس پر اختیاری اعمال کا دارومدار ہے جو مدح و ذم ثواب و عقاب اور ثبوت حقوق کا مصداق ہے بلکہ ان وجوہات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو صفات و اسماء کی حیثیت میں اس کی پاک ذات میں ثابت قائم ہیں اس وجود میں جو افعال کسی شخص سے صادر ہوں ان کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی اور وہ مدح و ذم یا اثبات حقوق کے قابل نہیں ہوتا، چنانچہ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ علمی طور پر ثابت شدہ حقیقت کے طور پر بیان و تحریر میں آچکی ہیں، آنے والے دھوکہ کا جواب بھی مندرجہ بالا تحریر میں آگیا۔

دھوکہ نمبر 64: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ملائکہ کو تسبیح و مناجات کی تعلیم دی

ان کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرشتوں کو تسبیح و تہلیل کی تعلیم دی ہے[1]

---

1 ـ قال علي (عليه السلام): فقلت: يا رسول الله فأنت أفضل أو جبرئيل؟ فقال (عليه السلام)-----يا علي لولا نحن ما خلق آدم ولا حوا ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الأرض، فكيف لا نكون أفضل من الملائكة وقد سبقناهم إلى معرفة ربنا وتسبيحه وتهليله وتقديسه؟ لان أول ما خلق الله عز وجل خلق أرواحنا فأنطقنا بتوحيده وتحميده ،ثم

پس معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ کی بے اصل روایتوں اور حکایات میں شمار کیے جانے والا جھوٹ ہے
اور فرشتوں نے تسبیح سیکھی تو وہ آدم سے پہلے کی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (1)

ہم تیرے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔

اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کا وجود ظاہری جو اختیاری افعال کی جائے صدور ہے وجود آدم علیہ السلام سے ہزاروں سال بعد ہے۔

دعویٰ نمبر ۵: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو انبیاء اور فرشتے بھی نہ ہوتے

بعض ایسے کلمات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو زبان زد خلق ہیں اور بہت مشہور و معروف بھی، مگر محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں، جیسے لولاک لما خلقت الافلاک (2) کہ آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ایسی ہی کلمات کو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرتے اور ان کو قطعی الثبوت بتاتے ہیں مثلاً ابن بابویہ نے ایک مرفوع حدیث ان الفاظ میں بیان کی ہے:

خلق الملائكة فلما شاهدوا أرواحنا نوراً واحداً استعظموا أمرنا فسبحنا لتعلم الملائكة أنا خلق مخلوقون، وأنه منزه عن صفاتنا فسبحت الملائكة بتسبيحنا ونزهته عن صفاتنا فلما شاهدوا عظم شأننا هللنا لتعلم الملائكة أن لا إله إلا الله وأنا عبيد ولسنا بآلهة يجب أن يعبد معه أو دونه فقالوا: لا إله إلا الله. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، ج 26، ص 344، دار إحياء التراث العربي بيروت، لبنان)

1۔ سورة البقرة، الآية: 30۔

2۔ لولاك لما خلقت الأفلاك قال الصغاني إنه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً أتاني جبريل فقال يا محمد لولاك لما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا (الموضوعات الكبير لملا علي القاري، ص: 101، مطبوعة كراچی حرف اللام و كشف الخفاء للعجلوني، ج 2، ص 223، مطبوعة بيروت)

لولا علی لما خلق اللہ النبیین والملائکۃ۔[1]

اگر علی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ پیغمبروں اور فرشتوں کو پیدا نہ کرتا۔

دھوکہ نمبر 66: عذاب وثواب کے فرشتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تابع ہیں

ان کا یہ اعتقاد ہے کہ مرنے والا مومن ہو یا فاجر، موت کے وقت اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیدار ہوتا ہے، پس آپ اپنے شیعوں کو دوزخ کے عذاب ملک الموت کے مددگاروں اور عذاب کے فرشتوں سے نجات دلاتے ہیں، اس کو خوش ذائقہ، ٹھنڈا شربت پلاتے ہیں اور دوزخ کو حکم دیتے ہیں کہ ان کے شیعہ کو کسی قسم کا آزار اور تکلیف نہ پہنچائے، اور فاجر کے لئے، اور ان کے نزدیک ہر وہ شخص فاجر ہے جو ان کے مذہب پر نہیں ہے عذاب دیئے جانے کا حکم فرماتے ہیں۔[2]

گویا ثواب و عذاب کے فرشتے ان کے زیرِ فرمان ہیں ان لوگوں کا عقیدہ عیسائیوں کے اس عقیدہ سے ملتا جلتا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ تمام بنی نوع انسان کی ارواح حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے پاس لوٹ کر جاتی ہیں، اور تمام حساب کتاب جزاو سزا، انعام بخشش اور دار و گیر آپ ہی کے سپرد ہیں فرق اتنا ہے کہ عیسائیوں کو ایک حد تک یہ اعتقاد زیب دیتا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور ہر بیٹا اپنے باپ کے مہمات کے اجزاء و تنفید میں اس کا نائب اور ولی عہد اس کے بجائے کاغذات پر دستخط کرتا ہے سلام و مجرا لیتا اور نذرانے وصول کرتا ہے بر خلاف رافضیوں کے کہ وہ امیر المومنین کو وصی اور نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام اللہ کے فرستادہ بندہ، پھر یہ لوگ معلوم نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ کس منطق اور دلیل کے ساتھ دیتے ہیں۔

1۔ قال علي (عليه السلام) : فقلت: يا رسول الله فأنت أفضل أو جبرئيل؟ فقال (عليه السلام)۔۔۔۔يا علي لولا نحن ما خلق آدم ولا حوا ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الأرض۔ (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 26/ 336، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت، لبنان)

2۔ إذا حضره من أمر الله تعالى ما لا يرد ونزل به من قضائه ما لا يصد، وحضره ملك الموت وأعوانه وجد عند رأسه محمدا رسول الله، ومن جانب آخر عليا سيد الوصيين۔(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، ما يعاين المؤمن والكافر عند الموت وحضور الأئمة عليهم السلام، 6/ 173، ط: موسسة الوفاء بيروت لبنان)

بعض شیعی چند اشعار پیش کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حارث اعور ہمدانی سے دوران گفتگو میں یہ اشعار سنائے جو آپ کے اس حق کو ثابت کرتے ہیں یہ حارث اعور ہمدانی دنیا کا مشہور چھٹا ہوا کذاب اور دروغ گو ہے کچھ عجب نہیں کہ اس نے خود یہ شعر گھڑ کر ان کی نسبت جناب امیر کی طرف کر دی ہو، اور یوں لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ بنا ہو پھر ان اشعار کے شروع میں منادیٰ مضاف کی ترمیم واقع ہے جو تمام ماہرین لسان عربی کے نزدیک غلط اور خطا ہے لہٰذا یہ غلطی ہی اس بات کا واضح اور صاف اعلان ہے کہ یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہیں ہو سکتے یہ اسی کذاب نے گھڑے ہوں گے اشعار یہ ہیں:

يا حار همدان من يمت يرني	من مؤمن أو منافق قبلا
اے حارث جو کوئی مرتا ہے تو مجھے دیکھتا ہے خواہ وہ پہلے مومن ہو یا منافق	
يعرفني طرفه وأعرفه	بنعته واسمه وما فعلا
وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور میں بھی اسے اس کے نام اوصاف اور اعمال کے ساتھ پہچان لیتا ہوں	
أقول للنار حين تعرض للعبد	ذريه لا تقربي الرجلا
جب بندہ کے پاس آگ آتی ہے تو میں اس سے کہتا ہوں اسے چھوڑ اس کے قریب نہ جا	
ذريه لا تقربيه إن له	حبلا بحبل الوصي متصلا
اسے چھوڑ اس کے قریب نہ جا کہ اس کا رشتہ وصی سے منسلک ہے	
أسقيك من بارد على ظمأ	تخاله في الحلاوة العسلا
میں پیاس کے وقت اسے ٹھنڈا اور شہد سا شیریں پانی پلاتا ہوں	
قول علي لحارث عجب	كم ثم أعجوبة له جملا[1]

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 34/ 432، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت، لبنان و الامالی للشیخ طوسی، ص :627، ط: مؤسسة البعثة للطباعة والنشر والتوزيع دار الثقافة۔

حارث کے لئے علی کا یہ قول عجیب ہے اور اس کے مثل اور بہت عجوبے ہیں

اور بفرض محال یہ اشعار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی ہوں تب بھی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنے مخلصوں کی مدد اور شفاعت ثابت ہوتی ہے اور یہ بات بھی شیعان اولی اہلسنت کے لئے باعث مسرت ہے نہ کہ رافضیوں کے لئے مگر یہ مبالغہ اس سے کہاں ثابت ہوا کہ دارالجزاء کا پورا کارخانہ ہی جناب امیر کے قبضہ قدرت میں ہے۔

دھوکہ نمبر 67: اہلسنت پر ایک حدیث کے سلسلے میں الزام

اہلسنت پر شیعہ یہ طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ:

"ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال لعلي ان الله عز وجل زوجك فاطمة وجعل الأرض صداقها"[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ کو تمہاری زوجیت میں دیا اور روئے زمین ان کے مہر میں دی۔

جب واقعہ یہ ہے تو خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہیں دیا اور اہلسنت اس معاملہ میں ان کو حق بجانب کیوں کہتے ہیں، یہ تو کھلا تناقض ہے جو ان کے مذہب میں پایا جاتا ہے۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کے ہاں یہ روایت صحیح یا ضعیف کسی بھی طریقہ سے کہیں نہیں ہے یہ شیعوں کا خالص افتراء اور بہتان ہے ہاں بنگال کے جاہلوں میں یہ ضرور مشہور ہے کہ بنگال کا ملک جو ہندوستان کی ترائی میں واقع ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں ہے یہ بات کیوں اور کیسے مشہور ہوئی اس کا کچھ بھید اور سبب نہیں کھلتا ویسے جہلا میں بہت سی بے اصل باتیں مشہور ہوتی ہی رہتی ہیں اور فدک چونکہ بنگال میں نہیں اس لئے اس کا معاملہ ناقابل حل ہی رہا۔

اگر ذرا بھی غور اور عقل سے کام لیا جائے تو اس روایت کی گھڑت اور افتراء صاف نظر آجاتا ہے، اس

---

1 ـ كشف الغمة في معرفة الأئمة، لأبي الفتح الأربلي، 2/ 100، ط: دار الأضواء بيروت لبنان و بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 40/ 78، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نے بغیر ... زمین کا کوئی ٹکڑا اپنی ملک میں لے لے، اور اس کا تقاضا لازم ہو بھی تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کے بعد حضور ﷺ کا ... مفتوحہ علاقوں کو غنیمت پانے والوں میں بطور جاگیر یا انعام تقسیم کر دیا جاتا، کہ ظلم ہو ... اس صورت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کی حق تلفی ہوتی تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کلام فاسد کی برائیاں اور خرابیاں حد وشمار سے بھی زائد ہیں لہٰذا ایسی لغو اور باطل روایت کی نسبت اہلسنت کی طرف کرنا ایک انوکھا افتراء ہے اور کچھ نہیں۔

دھوکہ نمبر 68: اہلسنت مومن کی طرح منافق سے بھی حدیث لیتے ہیں

اہلسنت پر ان کا ایک طعن یہ ہے کہ یہ روایت نقل کرنے میں منافق اور مخلص کی بھی تمیز نہیں کرتے ہر صحابی سے روایت لے لیتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہونے کے سبب منافق ومخلص میں تمیز اٹھ چکی تھی۔ بخلاف شیعہ کے کہ وہ صرف اہل بیت سے ہی روایت کرتے ہیں جن کی پاکی وطہارت اور ان کا گندگی سے پاک ہونا نص قرآنی سے قطعی الثبوت ہے۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ شیعوں نے ائمہ سے براہ راست بلا واسطہ کچھ نہیں سنا اور یہ واسطہ بھی ایسے مفتریوں اور جھوٹوں کا ہے جن پر خود ائمہ لعنت بھیجتے اور ان کی تکذیب کرتے رہے، یہ واسطے زیادہ تر ہشام بن اور زرارہ بن اعین جیسے بد اعتقاد اور ملحد وزندیق لوگوں کے ہیں، اس کی اور تفصیل ہم باب سوم وچہارم میں شیعوں کی کتابوں کے خزانوں کے ساتھ بیان کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ ایسے لوگوں سے روایت کرتے ہیں جن کا نفاق ائمہ معصومین کی قطعی شہادت سے ثابت ہے بخلاف اہلسنت کہ کے ان کے مجتہدین نے بلا واسطہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم سے علمی خوشہ چینی کی ہے اور انہوں نے ان ہی ائمہ کی اجازت اور شہادت سے ہی اجتہاد و فتویٰ کی ذمہ داری کو انجام دیا ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور ان دونوں حضرات

کے بارے میں امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے بشارتیں دی ہیں جو حسب موقع مناسب بیان ہوں گی۔[1]

دوسرے یہ کہ منافق اور بے دین کی روایت لینے میں خلش اس وقت ہے کہ وہ اپنی روایت میں تنہا ہو اور جب اہل بیت یا کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے جن کے مرتبہ کی بلندی نصوص قرآن سے ثابت ہے کسی حدیث کی روایت ہو اور پھر اسی کی تائید میں دوسروں سے بھی روایت ہو جن کے نفاق پہ بظاہر کوئی دلیل نہ ہو تو اس روایت کے قبول کر لینے میں کیا قباحت ہے، خصوصاً قرن صحابہ و تابعین میں تو سب ہی صلاح وصدیق کی صفت سے متصف تھے جب کہ امام الائمہ سرور کونین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس پر شاہد ہے:

خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم---الخ [2]

سب صدیوں سے بہتر میری صدی ہے پھر اس کے بعد والی۔

نیز جناب امیر المؤمنین اور ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا دوسرے خلفاء راشدین اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں اور ان کی تصدیق فرمائی ہے۔

پھر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر حیات کے وقت مومنین اور منافقین باہم ممتاز ہو چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی منافق زندہ نہیں رہا تھا جس پر یہ آیت شاہد ہے:

مَا كَانَ اللهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ [3]

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالی پاک و ناپاک کو جدا کئے بغیر مومنوں کو اس حال میں چھوڑ دے جس پر تم ہو۔

---

1 ۔ إن للإمام الصادق فضل السبق، وله على الأكابر فضل خاص، فقد كان أبو حنيفة يروي عنه، ويراه أعلم الناس باختلاف الناس، وأوسع الفقهاء إحاطة، وكان الإمام مالک يختلف إليه دارساً راوياً، وكان له فضل الأستاذية على أبي حنيفة فحسبه ذلک فضلاً .(الامام الصادق لابي زهرة، ص:٩٥، ط:دار الفكر العربي)

2 ۔ هكذا روي في مسند ابي داؤد الطيالسي بتغيير الالفاظ: عن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم---الخ-(مسند أبي داود الطيالسي، 1/ 239، ط: دار هجر مصر)

3 ۔ سورة آل عمران ، الآية: ١٧٩۔

اور یہ حدیث بھی:

الا ان المدینة تنفي الناس كما ينفي الكير خبث الحديد[1]

یوں سمجھ لو کہ مدینہ لوگوں کو ایسے نکھار دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کو میل سے۔

اور اگر اکا دکا چھپا منافق رہا بھی ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان و شوکت اور ان کے امر بالمعروف ونہي عن المنكر کے دبدبے سے اور ان کی گرفت سے جو وہ روایات میں تساہل برتنے والوں کے خلاف عمل میں لاتے تھے اتنا خوفزدہ و ہراساں رہتا ہو گا کہ دین یا واقعہ کے خلاف کوئی روایت گھڑنے کی اس میں جرأت وہمت ہی کہاں باقی رہتی ہو گی، چنانچہ سیر خلفاء کا گہرا مطالعہ کرنے والوں پہ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے، اور پھر اہلسنت نے بطور اصول ایک قاعدہ مقرر کیا ہے جس کی وجہ سے بفضل خداوہ اس آمیزش کے خطرہ سے محفوظ ہیں کہ بمقتضائے "اتبعوا السواد الأعظم "[2] (اکثریت کی پیروی کرو) ان کو جو روایت خلاف جمہور ملتی ہے وہ اس کو ترک کر دیتے ہیں، برخلاف شیعہ کے کروہ ان منافقین کے کھلونے ہیں جنھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد ہی جمہور کی مخالفت پر رکھی ہے اور نادر و کمیاب روایتوں کا کھوج لگاتے پھرتے ہیں اور ان ہی کو معیارِ عمل بتاتے ہیں پس منافقین کا دخل ایسی ہی روایات میں ہے بلکہ ان کے دین و مذہب اور ان کی روایات کا انحصار ہی ان پر ہے۔

1۔ هكذا روي في الموطا الامام مالك بتغيير الالفاظ: عن يحيى بن سعيد أنه قال: سمعت أبا الحباب سعيد بن يسار يقول: سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أمرت بقرية تأكل القرى. يقولون: يثرب. وهي المدينة. تنفي الناس كما ينفي الكير خبث الحديد- (الموطا الامام مالك، ما جاء في سكنى المدينة والخروج منها،5/ 1305، رقم:3307، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية أبو ظبي الإمارات)

2۔ عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يجمع الله هذه الأمة على الضلالة أبدا وقال: يد الله على الجماعة فاتبعوا السواد الأعظم، فإنه من شذ شذ في النار- (المستدرك على الصحيحين، ١/ ١٩٩، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

دھوکہ نمبر 69: قیامت کا ہول شیعوں کے علاوہ سب کو ہو گا

کہتے ہیں کہ قیامت کے دن محشر کی ہولناکی وزن اعمال اعمال ناموں کی پیشی اور اعمال پر سوال و جواب تمام سب خطرات جو روایات میں منقول ہیں غیر شیعہ کو درپیش ہوں گے شیعہ ان تمام شدائد سے محفوظ و مامون رہیں گے، اور اس بہتان کی نسبت ائمہ کرام کی طرف کرتے ہیں۔[1]

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بالیقین نجات یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ نحن ابناء الله واحبا ئہ (ہم اللہ کے بیٹے اور ان کے محبوب ہیں) اور کہتے ہیں لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا ایاما معدودات ہمیں آگ صرف چند دن ہی چھوئے گی حالانکہ یہ دعویٰ ان نصوص قطعیہ کے خلاف ہے یعنی "مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ"[2] (جو بھی برا کام کرے گا، اس کا بدلہ پائے گا) اور "وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ"[3] (جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا اسے دیکھے گا)

دھوکہ نمبر 70: اہلسنت پر الزام کہ تمام سنیوں کے دل میں بغض علی رضی اللہ عنہ ہے

یہ اہلسنت پر بہتان لگاتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک سنی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف چکور یا مرغی کے انڈے کا برابر بھی بغض نہ ہو۔

اس افتراء اور بہتان کی بنیاد واصل یہ ہے کہ کسی شیعی عالم نے ان ہی الفاظ کی ایک روایت علی بن الجہیم بن بدر بن الجہیم القرشی سے بیان کی ہے، اور یہ علی فرقہ نواصب میں اول درجہ شریر اور چھٹا ہوا لچا تھا جو

1۔ عن الصادق (عليه السلام) في حديث بيان كتاب كتبه الله قبل أن يخلق الخلق بألفي عام، قال فيها: يا شيعة آل محمد قد أعطيتكم قبل أن تسألوني، وغفرت لكم قبل أن تستغفروني، ومن أتاني منكم بولاية محمد وآله أسكنته جنتي برحمتي۔ (مستدرك سفينة البحار، للعلامة البحاثة الحاج الشيخ علي النمازي الشاهرودي، 6/ 115، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المقدسة)

2۔ سورة النساء، الآية: 123۔

3۔ سورة الزلزال، الآية: 8۔

کسی خفیہ مصلحت سے سنی کا روپ دھارے ہوئے تھا اور تقیہ پر عامل تھا اور عمر بھر امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو برگشتہ کرنا اس کا مقصدِ زندگی رہا اور اس نے ایسا کیا تو کیا بعید ہے اور ان کے اخلاف نے جو سطحی ذہن اور بے تحقیق تھے اس روایت کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اہلسنت کے حق میں خاص طور سے مجالس المومنین کے مصنف نے تو بالکل ہی یقین کر لیا ہے کہ ہر سنی کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ضرور بغض ہوتا ہے مگر مخالفین کے ڈر اور خوف سے آپ کے بعض فضائل بھی بیان کر دیتے ہیں، مخالف کے خوف کا کابوس ایسا سوار ہے کہ اب سنی میں بھی انہیں "تقیہ" نظر آنے لگا۔[1]

حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ پڑھا لکھا شخص جو بزعم خود عقلمند بھی ہے، اتنا نہیں سوچتا کہ دلوں کا حال تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا مجھے سنیوں کے دل کا حال کیسے معلوم ہو گیا ہے "المرء يقيس على نفسه" (ہر انسان دوسرے کو بھی اپنے اوپر قیاس کر لیتا ہے) یہ اپنے تقیہ اور خوف کی نسبت کر کے ان کو بھی اپنے جیسا بزدل اور منافق سمجھتا ہے کیا اس نے تاریخ میں نہیں دیکھا کہ علماء اہلسنت نے ظالم و سفاک اور خونخوار امرائے نواصب حجاج ولید کے سامنے بے دھڑک اپنے مذہب کا اظہار کیا اور خاندان نبوت پر اپنی عزیز جانیں نثار کر دیں اور موت سے دوچار ہوئے، چنانچہ اہل سنت کے جلیل القدر محدث و امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس جرم میں کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا تھا جامِ شہادت نوش کیا، اسی طرح حضرت سعید بن جبر رحمۃ اللہ علیہ نے جو جناب حسنین رضی اللہ عنہما کو ذریت رسول کہتے تھے حجاج کے سامنے اس کا اظہار کیا "وتلك حجتنا اتيناها ابراهيم على قومه" سے حجاج کو مسکت جواب دیا اور اس کی پاداش میں خون شہادت سے گلنار ہوئے، اس تعصب اور اندھے پن کا کیا ٹھکانا کہ نادیدہ کو دیدہ بنانا اور ان سنی کو سنی خیال کر لینا

1۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اپنی زبانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے: يهلك في رجلان: محب مفرط، ومبغض مفتر. (فضائل الصحابة للامام احمد بن حنبل، 2/ 565، رقم: 951، ط: مؤسسة الرسالة بيروت) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں قسم کے گروہ محبت میں حد سے بڑھنے والا اور بغض رکھنے والا دونوں ہلاک ہوں گے بغض میں بڑھنے والے خوارج ہیں اور محبت میں خدا کے مقام تک پہنچانے والے شیعہ روافض ہیں اور مذہب اعتدال وہ یقیناً اہلسنت والجماعت ہے۔

سنی اگر ایسے ہی بزدل تھے تو انہوں نے جس طرح مخالفین کے ڈر سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کئے اسی طرح ان کے ڈر سے جناب شیخین رضی اللہ عنہم کی برائیاں کیوں نہ بیان کیں کیونکہ مخالفین کے دلوں میں بھڑکتا ہوا جہنم صرف امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تعریف سے تو ٹھنڈا نہیں پڑتا اس میں تو ٹھنڈک جناب شیخین رضی اللہ عنہما کی قدح سے پڑتی ہے۔

دھوکہ نمبر 71: قیامت میں سنیوں کے تمام اعمال گرد ہو جائیں گے

شیعوں کا کہنا ہے کہ قیامت کے دن اہلسنت کے اعمال وطاعات گرد و غبار کی طرح ہوا میں اڑ کر نیست و نابود ہو جائیں گے، اس طعن کا بہترین جواب ہمارے خیال میں ان آیات میں موجود ہے:

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا[1]

اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ"[2] جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رافضیوں کے علاوہ کوئی اور اگر ہزار سال بھی خدا کی عبادت کرے تقویٰ وزہد کا مجسمہ بھی بن جائے تب بھی اس کو اس کا ہرگز فائدہ نہ ہوگا اور نہ ہی وہ عذاب سے نجات پائے گا، حالانکہ ان کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا-وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا[3]

1۔ سورة الكهف، الآية: 30۔

2۔ سورة الزلزال، الآية: 8۔

3۔ سورة النساء، الآية: 124۔

یہ بات نہ تمہاری آرزو پر نہ اہل کتاب کی آرزو پر منحصر ہے بلکہ امر سب یہ ہے کہ جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کسی کو اپنا حامی و مددگار نہ پائے گا اور جو کوئی نیک کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہو گا تو ایسے سارے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا۔

اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ اہلسنت جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی امامت تسلیم نہ کر کے اپنا ایمان ضائع کر چکے کیونکہ عقیدہ امامت بھی عقیدہ نبوت کی طرح ضروریات ایمان میں سے ہے تو ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور ائمہ طاہرین کی امامت میں اہلسنت کو ذرہ برابر شک ہے نہ ان کا قصور البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی امامت کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ امامت کی مستحقین کی جماعت میں سے جب کسی ایک کی امامت پر اتفاق رائے ہو جائے تو وہی امام وقت ہے، چنانچہ ارباب حل و عقد نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اتفاق کیا اس وقت وہی امام تھے اور اہلسنت میں سے کسی نے ان کو امام ماننے سے انکار نہیں کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہلسنت کے نزدیک اگر امامت کا استحقاق نص سے ثابت ہو تو وہ خلافت راشدہ ہے اور اگر عقل اور قرآئن ظنیہ سے ثابت ہو تو وہ خلافت عادلہ ہو گی اور بغیر استحقاق کوئی جابرانہ طور پر تسلط حاصل کرلے تو اس کی خلافت جابرہ کہلائے گی۔

اہلسنت کے نزدیک چاروں خلفاء کی خلافت خلافتِ راشدہ ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا استحقاق نص سے ثابت ہے اور اگر ہر امام کی امامت پر ہر وقت (چاہے وہ اس وقت خلیفہ ہو یا نہ ہو) اعتقاد رکھنا ضروریات ایمان میں سے شمار کیا جائے گا تو پھر شیعوں کو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیے کہ وہ تلف ہو جائے گا اس لئے کہ وہ جناب علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت کے معتقد نہیں تھے اور اسی طرح امام حسن رضی اللہ عنہ یہ تو ہر امام کی امامت کے زمانہ میں نہ تو ان سے پہلے کی امامت کو مانتے ہیں نہ آئندہ آنے والے کی امامت کو! اس صورت میں شیعہ تمام ہی اماموں کی امامت کے معتقد نہ رہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے بھی معتقد نہیں تھے۔

اور پھر یہ شیعہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ جناب محمد الحنفیہ اور جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے علاوہ

دیگر امام زادوں نے امام زین العابدین اور امام باقر رحمہ اللہ کی امامت اور استحقاق امامت کا صاف انکار کیا ہے اور مزکورہ الصدر دونوں بزرگوں نے ان دونوں کو کبھی امام تسلیم نہیں کیا تو اگر اس انکار کے باوجود محمد بن الحنفیہ اور زید شہید رحمہ اللہ کا ایمان صحیح و سالم ہے تو اہل سنت کا ایمان تو بدرجہ اولی صحیح و سالم ہو گا کیونکہ وہ تو اس کے قائل اور معتقد ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مستحق امامت تو ہر وقت تھے البتہ اپنے زمانہ میں امام و خلیفہ بالفصل ہو گئے۔

اور پھر کیا یہ بات باعث تعجب نہیں کہ شیعہ باوجود اہلسنت کے ساتھ شدید بغض و عناد رکھنے کے ان کی کتابوں میں خود ان ہی کی ایسی صحیح روایات موجود ہیں جن سے اہل سنت کی نجات ثابت ہوتی ہے ہم ان شاءاللہ باب معاد میں ان روایات کو نقل کریں گے انہوں نے جس مبالغہ آرائی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کے سطحی پن اور پست ذہنیت پر دال ہے یہ نواصب اور اہلسنت میں تمیز نہ کر سکے اور ان کے عقائد کو اہلسنت کے سر تھوپ دیا ان کے اگلوں نے تو نہ سمجھی اور مغالطہ میں ایسا کیا مگر ان کے اخلاف نے نودیدہ ودانستہ اس بدتمیزی کو اپنا شعار بنایا۔

اسی طرح ایک اور بات ان کی کتابوں میں ملتی ہے اگر رافضی ہزاروں سال بھی اللہ کی نافرمانی اور محرمات قبیحہ کے مرتکب ہوتے رہے ہوں تب بھی ان سے قطعی بازپرس نہ ہو گی اور وہ بلا حساب جنت میں جائیں گے بلکہ شیعوں کو گناہوں کے عوض بھلائیاں دی جائے گی اور ان کی کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ شیعوں کے بعض اعمال اسلاف پر لعنت کرنا انبیاء کے اعمال کے برابر شمار ہوتے ہیں۔[1]

اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیعہ کا گناہ سنی کی عبادت سے افضل ہے اس لئے کہ شیعہ کا گناہ قیامت کے دن بھلائی سے بدل جائے گا اور اس پر اس کو اجر بھی ملے گا مگر سنی کا نیک عمل قیامت کے دن تلف ہو کر غبار کی

1۔ الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فأولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات وكان الله غفورا رحيما في الأمالي عن الباقر عليه السلام انه سئل عن قول الله عز وجل فأولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات فقال يؤتى بالمؤمن المذنب يوم القيامة حتى يوقف بموقف الحساب فيكون الله تعالى هو الذي يتولى حسابه لا يطلع على حسابه أحدا من الناس فيعرفه ذنوبه حتى إذا أقر بسيئاته قال الله عز وجل للكتبة بدلوها حسنات واظهروها للناس فيقول الناس حينئذ ما كان لهذا العبد سيئة واحدة ثم يأمر الله به إلى الجنة فهذا تأويل الآية وهي في المذنبين من شيعتنا خاصة(تفسير الصافي للفيض كاشاني ، 4/ 24، ط: مؤسسة الهادي قم المقدسة)

طرح نیست ونابود ہو جائے گا۔[1]

دھوکہ نمبر72: اہلسنت کی صحاح میں ہے کہ حضور ﷺ کو نماز میں سہو ہوا ہے

ان کا اہلسنت پر یہ طعن ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح کتابوں میں یہ روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کو چار رکعت والی نماز میں سہو ہوا اور آپ نے چار رکعات کی جگہ دو رکعت ادا کی،[2] گویا آپ کے سہو کی روایت کرنا جرم ہے اور حال یہ ہے کہ یہ روایت خود ان کی بھی صحیح کتابوں میں موجود ہے۔

چنانچہ کلینی نے بھی کتاب کافی اور ابو جعفر طوسی نے بھی تہذیب میں صحیح سندوں سے یہ روایت بیان کی ہے،[3] مگر خیر ہم اس سے قطع نظر کر لیتے ہیں اور وہی جواب دیتے ہیں جو ایک دفعہ پہلے بھی دے چکے ہیں کہ افعال بشری میں سہو انبیاء کی شان میں کوئی عیب نہیں کہ اس سے لا محالہ صحیح بات کا انکار کیا جائے، ہاں البتہ تبلیغ احکام الٰہی میں انبیاء سے سہو ہونا ممتنع ہے اور نہ وہ کبھی واقع ہوا۔

1۔ في كتاب علل الشرايع باسناده إلى أبي اسحق الليثي عن الباقر عليه السلام حديث طويل يقول فيه أبو إسحق بعد أن قال: وأجد من أعدائكم ومن ناصبيكم من يكثر من الصلاة ومن الصيام ويخرج الزكاة ويتابع بين الحج والعمرة، ويحض على الجهاد ويأثر على البر وعلى صلة الأرحام، ويقضي حقوق اخوانه ويواسيهم من ماله، ويتجنب شرب الخمر والزنا واللواط وساير الفواحش، وارى الناصب على ما هو عليه مما وصفته من أفعالهم لو أعطى أحد ما بين المشرق والمغرب ذهبا وفضة أن يزول عن محبة الطواغيت وموالاتهم إلى موالاتكم ما فعل، ولا زال ولو ضربت خياشيمه بالسيوف فيهم ولو قتل فيهم ما ارتدع ولا رجع، وإذا سمع أحدهم منقبة لكم وفضلا اشمأز من ذلك وتغير لونه ورئى كراهة ذلك في وجهه، وبغضا لكم ومحبة لهم؟ قال: فتبسم الباقر عليه السلام ثم قال: يا إبراهيم (هيهنا هلكت العاملة الناصبة تصلى نارا حامية تسقى من عين آنية) ومن ذلك قال عز وجل: (وقدمنا إلى ما عملوا من عمل فجعلناه هباءا منثورا)۔ (تفسير نور الثقلين ،للعروسي الحويزي، 4/ 09، ط: مؤسسة اسماعيليان للطباعة والنشر والتوزيع قم، إيران)

2۔ صحيح البخاري، كتاب الادب، باب ما يجوز من ذكر الناس، نحو قولهم: الطويل والقصير، 8/ 16، رقم: 6051، ط: دار طوق النجاة۔

3۔ الفروع الكافى ، 3/ 357، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية و تهذيب الأحكام في شرح المقنعة للطوسى،2/ 345، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية۔

دھوکہ نمبر73: اہلسنت کی حدیث کہ لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ کی صبح کی نماز قضاء ہوئی

یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت نے اپنی احادیث میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ کی صبح کی نماز قضاء ہو گئی،[1] اور اس وادی میں ایک شیطان تھا جس کے تسلط سے سب پر غفلت چھا گئی تو گویا حضور ﷺ پر بھی شیطان کا تسلط ثابت کرتے ہیں۔

شیعوں کے اس دھوکے میں وہ آسکتا ہے جو ان کی کتابوں سے ناواقف ہو کلینی نے خود اپنی کتاب کافی میں اور ابو جعفر نے اپنی کتاب تہذیب میں لیلۃ التعریس کے اسی قصہ کو مختلف سندوں اور متعدد طریقوں سے روایت کیا ہے،[2] پھر اہلسنت ہی مجرم کیوں؟ اپنے متعلق بھی تو کچھ بولئے!

دھوکہ نمبر74: اہلسنت خارجیوں سے حدیث لیتے ہیں

اہلسنت پر ان کا ایک افتراء یہ بھی ہے کہ انہوں نے خارجیوں اور حروریوں کو ثقہ وعادل تسلیم کر کے اپنی کتابوں میں ان سے احادیث کی روایت کی ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابن ملجم سے بھی روایت کی ہے۔

ان کا یہ الزام بھی افتراء اور سراسر جھوٹ اور بہتان ہے ان کو شرمانے کے لئے اہلسنت کی ان روشن کتابوں کا آئینہ دکھا دینا ہی کافی ہے، یہ کتابیں مشرق سے مغرب تک ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں کیا شیعوں کے علاوہ بھی کسی کو ان کتابوں میں خارجیوں اور ابن ملجم کی کوئی روایت نظر آئی یا آسکتی ہے!

کون نہیں جانتا کہ اہلسنت کے نزدیک اہل بیت اور امیر المومنین رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے کی روایت صحت باطل ہے اگرچہ وہ صادق القول اور صالح العمل ہی کیوں نہ ہو اور اسی بنا پر جریر بن عثمان کی توثیق کو اہلسنت نے غلط ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے ظاہری احوال اور کلام کی سچائی سے متاثر ہو کر جن لوگوں

1۔ صحیح المسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، 1/ 471، رقم: 680، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت۔

2۔ الفروع الکافی ، 3/ 357، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية و تهذيب الأحكام في شرح المقنعة للطوسی،2/ 345، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية۔

نے اسکی توثیق کی ہے ان کو دھوکہ لگا ہے اور انہیں اس کے باطنی عقیدہ کا پتا نہ لگ سکا وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔[1]

اسی طرح اہلسنت کی کتابوں میں ابن ملجم کو اشقی الاخرین کہا گیا ہے کیونکہ حدیث نبوی میں آچکا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا اشقی الاولین تھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا قاتل اشقی الاخرین تھا، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن ملجم نے شہید کر دیا تو بعض حروریوں نے اس کی تعریف و توصیف میں نظمیں لکھیں اور اشعار کہے اور اس کے قابل نفرت فعل کی مدح و ستائش کی تو ان کا جواب بھی شعراء اہلسنت نے دیا اور ان کے جواب میں قصائد لکھے اور ان کو دندان شکن جواب دیئے چنانچہ یہ قصائد اور نظمیں کتاب استیعاب میں موجود ہیں۔[2]

ہاں بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے باوجود یہ کہ وہ نواصب میں سے تھا بلکہ بدبخت گروہ کا سرغنہ اور سربراہ تھا،[3] لیکن اس روایت میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی روایت کا مدار امام زین العابدین

1۔ وحكي عنه أنه كان يشتم علي بن أبي طالب: وحكي رجوعه عنه، ولد سنة 80 هـ ومات سنة 163 هـ. انتهى ملخصا. (التعليق الممجد على موطأ محمد، ابواب الصلاة، باب الوضوء من مس الذكر، 1/ 226، ط: دار القلم، دمشق)

2۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب، باب علي، 3/ 1122، 1127، ط: دار الجيل، بيروت

3۔ مروان بن الحكم: بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف القرشي الأموي. يكنى أبا عبد الملك. ولد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم سنة اثنتين من الهجرة. وقيل: عام الخندق. وقال مالك: ولد مروان بن الحكم يوم أحد. وقال غيره: ولد مروان بمكة. ويقال: ولد بالطائف، فعلى قول مالك توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ابن ثمان سنين أو نحوها، ولم يره لأنه خرج إلى الطائف طفلاً لا يعقل۔(الإستيعاب في معرفة الأصحاب،

محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ مروان کے بارے میں رقمطراز ہیں: کسی مسئلہ میں بھی افراط و تفریط مناسب نہیں ہوتی اس بنا پر مروان کے معصوم عن الخطا اور غلطی سے مبرو ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے بہت ممکن ہے کئی مواقع میں مروان سے غلطی ہوئی ہو لیکن ساتھ ہی مروان کی خوبیوں کو اور دینی و قومی خدمات کو یکسر ختم کر کے اس کے خامیوں کی داستان نشر کرنا بھی کوئی کار خیر نہیں اور نہ اسلام و دین کی یہ کوئی بہترین خدمت ہے سلف صالحین کے طریقہ پر "خذ ما صفا ودع ما كدر" پر عمل کرنا مناسب ہے حق بات کو حق کہنا غلطیات کی حمایت نہ کرنا یہ اسلم طریق ہے اور تعصب سے اجتناب کی بہترین صورت ہے اگر قبول خاطر ہو جائے۔(رحماء بينهم، بحث مروان کا خاتمہ، 4/ 313، 314، ط: دار الکتاب لاہور)

رحمۃ اللہ علیہ پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے اگر امام ہی مروان سے خود روایت کریں تو پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بچنے اور احتراز نہ کرنے کا کب حق ہے۔"(1) اس کے باوجود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تنہا مروان سے کسی بھی جگہ روایت نہیں کی بلکہ مسور بن مخرمہ یا دوسروں کو اس کے ساتھ لائے ہیں اور یہ بات پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی منافق یا بدعتی نقل حدیث میں اہل حق کے ساتھ موافق ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں اور پھر بخاری میں اس کی صرف دو روایتیں ہیں ایک حدیبیہ کے قصہ میں دوسری طائف و بنی ثقیف اور یہ دونوں جگہیں بھی عقیدہ اور عمل سے متعلق نہیں ایسے ہی صحاح کی دوسری کتب میں بھی مروان سے آئی ہیں اور اسی قسم کی روایت ہے۔

اب رہا معاملہ عکرمہ کا جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خاص پروردہ شاگرد رشید تھا اہلسنت کی کتابوں میں اس کی کافی روایات ہیں جن پر بعض ناواقف ناصبی یا خارجی ہونے کا الزام لگاتے ہیں جو حقیقت میں خلاف انصاف ہے اس لئے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خاص غلام تھا، پروردہ اور شاگرد رشید تھا اور ہر دم ان کے ساتھ رہتا تھا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ بالاجماع شیعان اولی میں شامل ہیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے محب و مددگار ہیں چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے بھی ان کو شیعہ شمار کیا ہے۔(2)

ایسی صورت میں اثبات کا کیا امکان کہ ان کا ایسا غلام جو ان کا ہم صحبت اور ہم مشرب ہو ان کے عقیدہ سے اس قدر ہٹ جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے حال سے واقف ہو جانے کے بعد بھی اسے اپنی صحبت سے

1۔ حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن الحكم، عن علي بن حسين، عن مروان بن الحكم، قال: شهدت عثمان، وعليا رضي الله عنهما.....الخ (صحيح البخاري، كتاب الحج، باب التمتع والإقران والإفراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم يكن معه هدي، 1/ 149، رقم: 1563، ط: دار طوق النجاة)

2۔ عكرمة مولى ابن عباس وكنيته أبو مخلد حدثنا يوسف بن يعقوب.....قال يحيى بن سعيد: كان كذابا، وقال أيوب: لم يكن بكذاب. عن عبد الله بن الحارث قال: دخلت على علي بن عبد الله بن عباس فإذا عكرمة في وثاق عند باب الحش فقلت له: ألا تتقي الله، قال: فإن هذا الخبيث يكذب على أبي. (الضعفاء الكبير للعقيلي، 3/ 373، رقم: 1413، ط: دار المكتبة العلمية بيروت)

نکال کر باہر نہ کریں۔

دھوکہ نمبر 75: اہلسنت شیطان کی طرح خاک کی ٹکیہ پر سجدہ نہیں کرتے

کہتے ہیں کہ اہلسنت مٹی کی ٹکیہ پر سجدہ نہیں کرتے اس لئے وہ شیطان کے مشابہ ہیں کیونکہ اس نے بھی خاک پر سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا جس کی وجہ راندہ بارگاہ ہوا اس کا قول اللہ تعالی نے یوں نقل کیا فرمایا:

خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔[1] مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔

شیعوں کے کسی شاعر نے اس طعن کو نظم بھی کیا ہے:

آنکس کہ دل از بغض علی پاک نکرد — بے شک تصدیق شہ لولاک نہ کرد

بر مہرہ نماز کے گزار وسنی — شیطان نزازل سجود بر خاک نہ کرد

جس نے بغض علی سے اپنا دل پاک نہیں کیا بے شک اس نے شہ لولاک کی بھی تصدیق نہیں کی، مٹی کی ٹکیہ پر سنی کب سجدہ کر سکتا ہے شیطان نے بھی تو خاک پر سجدہ نہیں کیا تھا۔

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کو خاک پر سجدہ سے کب اور کہاں انکار ہے البتہ وہ خاک کے علاوہ دوسری اشیاء کپڑا چمڑہ وغیرہ پر سجدہ کرنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔[2]

اخبار مشہور میں آیا ہے کہ راندہ درگاہ ہونے سے پیشتر شیطان نے بھی زمین و آسمان کے چپہ چپہ پر سجدے کئے لیکن جب اس نے آدم خاکی کو جو بصورت گوشت پر پوست تھے سجدہ نہ کیا تو اس کی وجہ سے وہ

1۔سورۃ الاعراف ،الایۃ: 12

2۔(قولہ: وأن یجد حجم الأرض) تفسیرہ أن الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ أبلغ من ذلك، فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة وإن كانت علی الأرض لا علی ظهر حیوان كبساط مشدود بین أشجار، ولا علی أرز أو ذرة إلا في جوالق أو ثلج إن لم یلبده وكان یغیب فیه وجهه ولا یجد حجمه، أو حشیش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا یعلم الجواز علی الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا بحر (قوله: والناس عنه غافلون) أي عن اشتراط وجود الحجم في السجود علی نحو الكور والطراحة، كما یغفلون عن اشتراط السجود علی الجبهة في كور العمامة.(ردالمحتار علی الدر المختار ، کتاب الصلوۃ، 1/ 500، ط:سعید)

سارے سابقہ سجدے رد اور نامقبول قرار پائے اور لعنت وپھٹکار کا موجب بنا پس معلوم ہوا کہ خاک پر سجدہ کرنا اور ان چیزوں کے سجدے سے بچنا جو خاک سے پیدا ہوئی اور دوسری شکل اختیار کرتا ہے اس کا حشر وانجام وہی ہوتا ہے جو شیطان کا ہوا، حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیر یا اہل بیت نبوی کے خلاف ان کا بغض وحسد یا ان کی نبوت سے انکار کے متعلق ان کی کتابوں میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب ان شاء اللہ باب نبوت میں بیان کیا جائے گا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ذات کی تعظیم ترک کرنے پر شیطان اس درجہ پر پہنچا تو اسی ذات کی تحقیر وتذلیل کرنا سے شیعوں کا یہ گروہ لعنت وذلت کے کس درجہ تک پہنچے گا اب ذرا انصاف کو کام میں لا کر فرمایئے کہ شیطان کی مشابہت کیا ہے اور اس شیطان کے مشابہ کون ہے۔

مذکورہ بالا اشعار میں سے پہلا شعر اہلسنت کے عقیدہ کا ترجمان ہے مگر دوسرے شعر کا مضمون کچھ ادھورا رہ گیا اس لیے کہ شیطان نے خاک پر سجدہ کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ خاک سے بنے ہوئے جسم آدم کے سجدے سے منکر ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ شیعہ وسنی ہر دو خاک کو سجدہ نہیں کرتے ان کا مسجود تو کوئی شے دیگر ہی ہے اور تقاضائے انصاف بھی یہی ہے کہ خاک پر سجدہ ضرورت سے جائز ہو ورنہ ان میں کیا مناسبت اور معقولیت ہے کہ ہم اپنے نشست اور بیٹھک کی جگہ سرین جو اعضا بدنی میں کم تر درجہ کی ہے اس کے آرام کے لیے نوزرین مسند یا رنگ برنگ نمدے اور قالین سے آراستہ وپیراستہ کریں، اور جب پروردگار کے سامنے حاضری ہو اور اس سے التجا ومناجات کا وقت آئے تو سامنے خاک ڈال کر اعضاء بدن میں جو ممتاز واشرف حصہ ہے یعنی سر وچہرہ اس کو خاک پر رکھیں (مسند ومصلی موجود ہو تو اسے ہٹا دیں) حالانکہ حدیث کی رو سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے،[1] اس لیے کہ وہ صفات واجب الوجود علم قدرت سمیع وبصر اور کلام کا مظہر ہے ان تمام صفات کا منبع صدور جسم انسانی کا یہی اعلیٰ حصہ ہے جس کو خاک پر ڈالا جا رہا ہے۔

اس معاملے میں شیعہ حضرات کا قول دورِ جاہلیت کے مشرکین کے طرزِ عمل سے ملتا جلتا ہے جو مادر ذات ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ گو انسان سے عبادت وتعظیم کا مطالبہ ہے

1۔ عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا ضرب أحدكم فليجتنب الوجه، فإن الله خلق آدم على صورته-(مسند الحميدي، 2/ 271، رقم: 1154، ط: دار السقا، دمشق سوريا)

مگر انسانی اوصاف کی رعایت کے ساتھ حیوانوں اور درندوں کی طرح ننگے ہو کر نہیں کے شرافت و شریعت میں ستر عورت واجب قرار دیا گیا ہے۔

خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔[1] خوش پوشاک ہو کر مسجد میں جاؤ۔

پھر ایک اور بات کہ ٹکیہ مقام سجدہ پر رکھنے سے کئی وہم پیدا ہوتے ہیں:

اول: ٹکیہ رکھنا کفار اور منافقین کی خصوصیت ہے۔

دوسرے: خاک پر سر رکھنا بد فالی ہے جو عمل کے سوخت ہو جانے کی دلیل ہے۔

تیسرے: اس میں بت پرستوں کے فعل سے مشابہت ہے کہ وہ بھی عبادت کے وقت کسی نہ کسی چیز کو اپنے سامنے رکھتے ہیں (اس طعن میں شیعوں کی ایک فارسی بھی درج ہوئی ہے اس کے جواب میں اہلسنت کی طرف سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصدیق میں آٹھ رباعیاں بیان کی ہیں یہاں سے ایک پر کفایت کی جاتی ہے اس لیے کہ سات نادان کو نہیں کافی دفتر نہ رسالہ!)

سنی دل را بیاد حق رستہ کمند	کافر پے آتش و خور خستہ کند
شیعی کہ خسیس تر بود وقت نماز	دل را بکلوخ خاک وابستہ کند

سنی تو دل کو نماز میں اللہ کی یاد میں لگاتا ہے کافر آگ اور سورج کے پیچھے پڑ کر اسے خستہ حال کرتا ہے اور شیعہ جو کافروں سے بھی زیادہ خیر ہے وہ وقت نماز اپنے وقت کو مٹی کے ڈھیلے سے وابستہ کرتا ہے۔

دھوکہ نمبر 76: شیعوں سے مباہلہ کرنے والے ہلاک ہو گئے

شیعہ مذہب کے حق اور اہلسنت کے مذہب ناحق ہونے کے بارے میں تو گھڑ گھڑ کر روایات بیان کرنا ان کو شائع کرنا تو ان کا وہ وطیرہ ہے ایسی جھوٹی روایات بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے امامیہ مذہب کا انکار کر کے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو وہ فی الفور ہلاک ہو گیا ایسی روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جس کا راوی نجاشی ہے وہ نقل کرتا ہے کہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ بن مہران حمال ابو عبداللہ شیخ الطائفہ نے امامت کے

1۔ سورۃ الاعراف، الآیۃ: 31

معاملے میں ابن حمدان امیر موصل کے روبرو موصل کے قاضی سے مناظرہ کیا بحث کی گرما گرمی میں بات بڑھتے بڑھتے مناظرہ سے مباہلہ تک آگئی قاضی نے کہا کیا کل تم مجھ سے مباہلہ کروگے چنانچہ دوسرے دن دونوں مجلس میں آئے اور مباہلہ کیا قاضی نے اپنا ہاتھ ابن مہران کے ہاتھ میں دیا اور پھر دونوں جدا ہو گئے اور مجلس سے چلے گئے قاضی کا یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ امیر کے ہاں حاضری دیتا تھا دو روز گزر گئے مگر دور قاضی امیر کے پاس نہیں آیا امیر نے اپنے کسی معتمد کو حال دریافت کرنے بھیجا تو معلوم ہوا کہ قاضی جوں ہی مجلس سے نکلا بخار نے آگھیرا اور اس کا وہ ہاتھ جو اس نے مباہلہ کے وقت ابن مہران کے ہاتھ میں دیا تھا سوجھ کر سیاہ پڑ گیا تھا اور دوسرے روز قاضی کا انتقال ہو گیا،[1] (غالباً ابن مہران نے کسی طرح چالاکی سے کسی انگلی میں زہر انجیکٹ کر دیا ہوگا۔ نعمانی)

غرض اسی قسم کی جھوٹی روایات نقل کرتے ہیں جو سراسر افتراء ہے اہلسنت نے اس قصے کو بے اصل بتایا ہے بعض نے کہا ہے کہ ہاتھ سوج کر مرنے والا مہرانی حمال تھا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال تاریخ سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہرانی حمال دنیا طلب اور دروغ گو شخص تھا جھوٹ بولنا اور افتراء پردازی اس کی عادت تھی اسی نے یہ قصہ گھڑ کر شیعوں کے حق میں نقل کر دیا ہو تو کوئی عجب نہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قاضی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی امامت کا منکر ہو اور انکار امامت کو اہلسنت بھی غلط کہتے ہیں[2] اور اصل امامت حضرت امیر رضی اللہ عنہ میں تو وہ بھی شیعوں سے متفق ہیں بحث و اختلاف تو تقدیم و

1۔ كان أصلها أنه ناظر قاضي الموصل في الإمامة بين يدي ابن حمدان، فانتهى القول بينهما إلى أن قال للقاضي: تباهلني! فوعده إلى غد، ثم حضر [وا] فباهله وجعل كفه في كفه، ثم قاما من المجلس، وكان القاضي يحضر دار الأمير ابن حمدان في كل يوم، فتأخر ذلك اليوم ومن غده، فقال الأمير: اعرفوا خبر القاضي، فعاد الرسول فقال: إنه منذ قدم من موضع المباهلة حم وانتفخ الكف الذي مده للمباهلة وقد اسودت ثم مات من الغد.(فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص: 393، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة إيران و قاموس الرجال، 9/ 68، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة)

2۔ شیعوں کے نزدیک عقیدہ امامت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام "مبعوث من اللہ" (اللہ تعالی کی طرف سے بھیجے ہوئے) ہوتے ہیں، ایسے ہی ائمہ معصومین بھی، ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور ان کو حسب منشاء قرآن پاک میں تبدیلی کرنے کی اجازت ہوتی ہے، شیعہ مذہب میں عقیدہ امامت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، بلکہ اہل تشیع کے نزدیک عقیدہ امامت، توحید ورسالت کے عقیدہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے، بارہ ائمہ کو ماننے والا اثنا

تاخیر میں ہے قاضی کے انکار امامت کا قرینہ یہ ہو سکتا ہے کہ موصل کے لوگ شام کے پڑوسی ہونے کے سبب نواصب کے عقیدہ کی طرف مائل تھے ممکن ہے قاضی بھی انہی میں ہو۔

دھوکہ نمبر 77: شیعوں کو آتش دوزخ کچھ نہ کہے گی

یہ اپنے آئمہ کرام سے اس مضمون کی جھوٹی روایات نقل کرتے ہیں کہ شیعوں کو دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی اور ان روایات پر بہت زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے راویوں نے مرتے وقت یہ کہہ کر کہ یہ وقت جھوٹ بولنے کا نہیں ان کو روایت کیا ہے، ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو نجاشی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

الحسن بن علي بن زياد الوشاء بجلي كوفي، قال أبو عمرو: ويكنى بأبي محمد الوشاء وهو ابن بنت الياس الصيرفي خزاز من أصحاب الرضا عليه السلام وكان من وجوه هذه الطائفة روى عن جده الياس. قال: لما حضرته الوفاة قال لنا: اشهدوا علي وليست ساعة الكذب هذه الساعة لسمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول والله لا يموت عبد يحب الله ورسوله (والرسول)

تشیع کا یہ فرقہ "امامیہ" اور اثنا عشری کہلاتا ہے، ملحوظ رہے کہ مذہب شیعہ کی رو سے اس عقیدہ کے منکر، توحید، رسالت اور آخرت کے منکرین کی طرح غیر مومن، غیر ناجی اور جہنمی ہیں، ان لوگوں کے درمیان بھی بعد میں ائمہ کی تعیین کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، اور کئی گروہوں میں بٹ گئے، جس کی تفصیل اس موضوع سے متعلق تفصیلی کتب میں موجود ہے، لہذا شیعوں کا ائمہ کو تسلیم کرنا ایک بنیادی عقیدہ کی حیثیت سے ہے، اور اس کے منکر کو وہ مومن یا جنتی نہیں سمجھتے۔

جب کہ اس کے مقابل اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل طور پر بسہولت عمل کرنے کے لیے چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید و پیروی کرنا شرعاً ضروری ہے، اس لیے کہ تکوینی طور پر اللہ رب العزت نے دین فہمی و نصوص شرعیہ سے استنباط مسائل کا جو ملکہ ان حضرات کو عطا کیا تھا وہ ان کے بعد والوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا، اور ان حضرات کے مذاہب و مسالک کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ کسی اور مجتہد عالم کو حاصل نہ ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ فقہ کے مقلدین میں بڑے بڑے محدثین کے نام ملتے ہیں جو احادیث سے مسائل استنباط کرنے میں اور ان پر عمل کرنے میں ان چار ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے تھے اور ان حضرات فقہاء کرام کے مقلدین ساری دنیا میں موجود ہیں اور تعلیم دین اور دین پر صحیح طریقہ پر عمل کرنے میں مصروف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت حضرات اپنے ائمہ کو نہ نبی کا درجہ دیتے ہیں اور نہ غیر مقلد کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، البتہ نفسانیت اور اتباع ہوی سے محفوظ رہنے کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک متعین امام کی تقلید کو اجتہادی مسائل میں واجب کہتے ہیں۔

ويتولى الأئمة فتمسه النار ثم أعاد الثانية والثالثة[1]

حسن بن علی بن زیاد الوشاء بجلی کوفی سے روایت ہے اور یہ شیعوں کا نامور رئیس الطائفہ اور الیاس صیرفی خزاز کا نواسہ تھا اور یہ صیرفی امام رضا کا ساتھی تھا، وہ اپنے نانا سے روایت کرتا ہے کہ اس نے عین نزع کے وقت سب کو گواہ بنا کہ کہا کہ یہ وقت جھوٹ بولنے کا نہیں ہے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ کہتے سنا کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اللہ و رسول کی محبت اور ائمہ کی دوستی پر مرے اور دوزخ کی آگ اس کو چھولے پھر یہی قول مکرر سہ کرر دہرایا۔

اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو یہاں ائمہ کی دوستی سے مراد ان کا اتباع ہے اور ائمہ کی روش اور طریق زندگی پر عمل کرنے کا فخر اہلسنت کے بڑے بڑے اولیاء کو حاصل ہے اور پھر اس روایت میں شیعوں کے لئے خوشی کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہاں ائمہ سے مراد دین کے سارے ہی پیشوا ہیں جن میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بدرجہ اولی اور سب سے پہلے شامل ہیں۔

دھوکہ نمبر 78: شیعہ خود کتاب لکھ کر کسی امام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں

ان میں کے بعض دروغ گو عیار اپنے مذہب کے اصول و فروغ میں کوئی کتاب تصنیف کر کے اس کی نسبت امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کر دیتے ہیں اور کبھی کوئی رسالہ لکھ کر سیدنا باقر یا سیدنا صادق رحمۃ اللہ علیہم کے اصحاب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ جاہل لوگ اس پر جھٹ پٹ یقین کر لیتے ہیں اور جلدی حرز جان بنالیں حالانکہ تاریخ کے ناقابل تردید ثبوت سے یہ بات ظاہر وعیاں ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی نے بھی تصنیف و تالیف کا کوئی کام کبھی بھی نہیں کیا اور نہ ہی یہ فعل ان کے شایانِ شان تھا اور نہ یہ بھی دیگر مصنفین کی طرح دانشمندان روزگار کی طرف سے لما لا نسلم کے سوالات کا نشانہ بنتے، بقول کسے کہ "من صنف فقد ستهدف" جس نے کچھ تصنیف کیا اس نے اپنے آپ کو نشانہ بنالیا۔

1۔ فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص: 39، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة إيران

دھوکہ نمبر 79: مہاجرین اولین میں ابورافع شیعہ تھے

کہتے ہیں کہ جناب ابورافع رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اور غزوات میں اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم و ہمرکاب بھی رہے اور اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب خانگی پر داروغہ بھی رہے ہیں وہ امامیہ میں سے تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور پھر کوفہ میں بیت المال کے داروغہ بنا دیئے گئے یہ بات علماء شیعہ نیز احمد بن علی النجاشی جو رجال شیعہ کا بڑا نقاد ہے نے بھی بیان کیا ہے۔[1]

یہ ایسا تاریخی جھوٹ ہے کہ اس کی تردید تاریخ نے خود ہی کر دی ہے اس لیے کہ جناب ابورافع رضی اللہ عنہ کا انتقال تو حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بھی پہلے ہو گیا تھا البتہ ان کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور علی رضی اللہ عنہما جناب امیر رضی اللہ عنہ کی ہمرکابی میں تھے انشاء و کتابت کی خدمت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی اہلسنت کی کتابوں میں اسی عبیداللہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایات اکثر آئی ہیں، البتہ ان کے بھائی علی رضی اللہ عنہ کے حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

نجاشی نے اس معاملہ میں افتراء پردازی کی حد کر دی جناب ابورافع رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا بڑا شاگرد قرار دیا شیعہ مذہب فقہ کی ایک کتاب کو ان کی طرف منسوب کیا اور ان کو امامیہ فرقہ میں شمار کیا اسی پر بس نہیں کی امامیہ مذہب کی ایک اور کتاب جو سنن قضایا اور احکام پر مشتمل ہے، اس کا ان کو مصنف بتایا۔[2]

1۔ أبو رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وآله، واسمه أسلم، كان للعباس بن عبد المطلب رحمة الله عليه فوهبه للنبي صلى الله عليه وآله .فلما بشر النبي باسلام العباس أعتقه---وأسلم أبو رافع قديما بمكة، وهاجر إلى المدينة وشهد مع النبي صلى الله عليه وآله مشاهده ولزم أمير المؤمنين عليه السلام من بعده، وكان من خيار الشيعة، و شهد معه حروبه، وكان صاحب بيت ماله بالكوفة .وابناه عبيد الله وعلي كاتبا أمير المؤمنين عليه السلام---ولأبي رافع كتاب السنن والاحكام والقضايا.(فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ذكر الطبقة الأولى، ص: 4، 5، 6، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة إيران)

2۔ ولأبي رافع كتاب السنن والاحكام والقضايا.(فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ذكر الطبقة الأولى، ص: 6، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة إيران)

حالانکہ دنیا بھر کے تاریخ دان اس بات پر متفق ہیں کہ ہجرت سے سو سال بعد تک اسلام میں کوئی تصنیف معرض وجود میں نہیں آئی اسی سے شیعوں کی تاریخ دانی کا پول کھل گیا سچ ہے جب حیا جاتی رہے تو جو چاہو کرو۔

دھوکہ نمبر 80: تاریخ طبری کے خلاصہ میں شیعوں نے اپنی روایات ملا دی ہیں

اپنے مذہب کی بعض روایات علی بن محمد عدوی، ابو الحسن سماطی شیعی کی تاریخ سے نقل کرتے ہیں جو تاریخ طبری کا اختصار ہے جس میں اس نے جعل سازی کر کے بہت سی باتیں اپنی طرف سے بڑھا دی ہیں کیونکہ تاریخ طبری کا اختصار بھی اسی نے کیا ہے اور وہ سہل عبارت کے سبب شہرت و رواج پا گئی ہیں۔

ان روایات کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تاریخ طبری میں موجود ہے حالانکہ اصل تاریخ طبری میں ان کا نام و نشان تک نہیں تاریخ طبری کے اس اختصار نے اہلسنت کے بھی بہت سے مورخین کو گمراہ کیا ہے کیونکہ اس میں ان کو جو ملتا ہے وہ لاعلمی اور جعل سازی سے بے خبری کی بنا پر اصل تاریخ کی طرف سے منسوب کر دیتے ہیں۔[1]

دھوکہ نمبر 81: بعض ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے دھوکہ ہوتا ہے کہ اہلسنت کی ہیں

اپنے مذہب کی بعض روایات یہ ایسے شخص سے نقل کرتے ہیں جو لوگوں کے خیال میں سنی ہوتا ہے حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہوتا ہے، چنانچہ ابن عقدہ جارودی رافضی تھا،[2]

1۔ ومن ذلك محمد بن جرير الطبري الإمام السني المشهور صاحب التفسير والتاريخ، فإنه يوافقه في هذا الاسم محمد بن جرير بن رستم الطبري من شيوخهم ، وكلاهما في بغداد، وفي عصر واحد، بل كانت وفاتهما في سنة واحدة، وهي سنة (310 هـ) وقد استغل الروافض هذا التشابه فنسبوا للإمام ابن جرير بعض ما يؤيد مذهبهم---- وهم إلى اليوم يسندون بعض الأخبار التي تؤيد مذهبهم إلى ابن جرير الطبري الإمام. (أصول مذهب الشيعة الإمامية الإثني عشرية، دخولهم في مذهب أهل السنة في الظاهر للإضلال،3/ 1197)

2۔ وقال ابن عدي سمعت ابن عقدة يثني على أبي مريم ويطريه وتجاوز الحد في مدحه حتى قال لو ظهر على أبي مريم ما اجتمع الناس إلى شعبة قال وإنما مال إليه بن عقدة هذا الميل لافراطه في التشيع .(لسان الميزان لابن حجر، 4/ 43، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان)

ابن قتیبہ کرد شیعی[1] اور اخطب خوارزم متعصب زیدی تھا،[2] اور بعض روایات ایسے شخص سے نقل کرتے ہیں جس کو اہلسنت اپنے میں شمار کرتے ہیں جبکہ واقعتاً وہ شیعہ ہوتا ہے، جیسے ہشام کلبی[3] کہ اکثر لوگ اس کو سنی سمجھتے ہیں مگر نجاشی خود ان کو اپنے رجال میں شمار کرتا ہے اور حقیقت میں وہ ہے بھی انہیں کے رجال میں۔

دھوکہ نمبر82: سنیوں نے بعض ائمہ پر الزام کا ارادہ کیا

اہلسنت کے کسی عالم پر بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے ائمہ اہلسنت میں سے کسی امام پر کوئی الزام لگانا چاہا مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے اور بالآخر خفیف و شرمندہ ہوئے اور ملزم ٹھہرے اور مقصد اس جھوٹ کا یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف اس عالم کے خلاف بلکہ تمام علماء اہلسنت کے خلاف بداعتقادی اور نفرت کی فضا پیدا کی جائے اور لوگ ان کی پیروی اور شاگردی سے گریز کریں چنانچہ عیاشی کی یہ روایت جو وہ اپنی اسناد سے بیان کرتا ہے اس بہتان کی کھلی مثال ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے غول میں سے ہدہد کی عدم موجودگی کو کیوں محسوس کیا؟ اس میں کیا خاص صفت ہوتی ہے؟

حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ بولے:

1۔ وقال الحاكم اجتمعت الأمة على أن القتيبي كذاب قلت هذه مجازفة قبيحة وكلام من لم يخف الله ورأيت في مرآة الزمان أن الدارقطني قال كان ابن قتيبة يميل إلى التشبيه منحرف عن العترة وكلامه يدل عليه وقال البيهقي كان يرى رأي الكرامية۔ (لسان الميزان لابن حجر، 3/ 358، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان)

2۔ يقول محب الدين الخطيب في تعليقه على منهاج الاعتدال ص 312: أخطب خوارزم أديب متشيع من تلاميذ الزمخشري، اسمه الموفق بن أحمد بن إسحاق (484 – 568) له ترجمة في بغية الوعاة 401 وروضات الجنات الطبعة الثانية 722 وغيرهما. وكتابه الذي كذب فيه هذا الخبر على رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمه مناقب أهل البيت، وانظر ترجمة أبي المؤيد الموفق بن أحمد المكي الخوارزمي في: الأعلام 8/ 289 وذكر الزركلي أن كتابه مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب مطبوع.

3۔ هو هشام بن محمد السائب الكلبي في ميزان الاعتدال 3/ 256. قال الدارقطني وغيره: متروك، وقال ابن عساكر: رافضي ليس بثقة. مات سنة أربع ومائتين". وانظر ترجمته أيضا في: الرجال للنجاشي، ص [0 – 9] 39 – 340.

لأن الهدهد يرى الماء في بطن الأرض، كما يرى أحدهم الدهن في القارورة. فنظر أبو حنيفة إلى أصحابه وضحك. قال أبو عبد الله عليه السلام: ما يضحكك؟ قال: ظفرت بك جعلت فداك! قال: وكيف ذلك؟ قال: الذي يرى الماء في بطن الأرض، لا يرى الفخ في التراب حتى يؤخذ بعنقه؟ قال أبو عبد الله عليه السلام: يا نعمان! أما علمت أنه إذا نزل القدر أغشى البصر؟[1]

کیونکہ ہدہد زمین کے اندر کی چیز کو اسی طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شیشی میں تیل کو دیکھ لیتا ہے اس وقت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر ہنس پڑے تو ابو عبداللہ نے فرمایا کیونکہ تم کس بات پر ہنسے انہوں نے کہا میں آپ سے جیت گیا اس لیے کہ جو زمین کے اندر دیکھ لیتا ہے، وہ مٹی میں چھپا ہوا پھندا کیوں نہیں دیکھ پاتا یہاں تک کہ وہ اس میں اپنی گردن پھنسا بیٹھتا ہے، جناب ابو عبداللہ بولے اے نعمان! تم جانتے نہیں کہ جب حکم الٰہی ہو جاتا ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔

یہ اتنا کھلا افتراء اور گندا بہتان ہے جس کے جھوٹ اور بے اصل ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اتنا تو یہ مفتری بھی جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عظیم المرتبت عالم تھے جاہل نہیں تھے، باوقار اور خاص تمکنت کے مالک تھے شیعوں کی طرح سفلے یا چھچھورے نہیں تھے، بزرگوں اور بڑوں سے اس قسم کی چشمک زنی یا ان کی خردہ گیری کی توقع تو ان سے ممکن ہی نہیں تھی۔

اور یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ ایک چیز کو دیکھ لینا اس کے سارے حالات اور نتائج جان لینے کو لازم نہیں اگر ہدہد زمین پر جال دیکھ بھی لے اور شکاری کی غرض سے واقف نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اس کے نزدیک وہ دانے جو جال میں بکھرے بکھرے ہوں اور وہ دانے جو چھلنی میں رکھے ہوں دونوں یکساں ہیں یہ اس کی نظر کا قصور نہیں، اور چھلنی اور جال کی غایت و مقصد کو علیحدہ علیحدہ جاننا بھی اس کی نظر کا کھیل نہیں اور نہ صرف کسی

1۔ مجمع البیان في تفسیر القرآن، لابی علی الطبرسی، 7/ 375، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان

چیز کو دیکھ لینے سے اس کی حقیقت کو سمجھ لینا لازم ہے۔

اور پھر امام اعظم تو جناب امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و خدمت پر ہمیشہ فخر کرتے رہے، اس سلسلہ میں ان کا یہ قول تو بہت ہی مشہور ہے "لو لا السنتان لھلک النعمان"[1] اگر امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کہ یہ دو سال نہ ملتے تو نعمان ہلاک ہی ہو گیا تھا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسے خیال کا گزر بھی ہوتا یا وہ ایسے الفاظ اپنی زبان پر بھی لاتے اور یہ بات تو شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک پایا ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مروانیوں پر چڑھائی کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے 10 ہزار دینار سرخ سے آپ کی مدد کی اور کوفہ میں اہل بیت کے مناقب و فضائل بیان کرنے شروع کیے اور علی الاعلان بتایا کہ اس وقت جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کی مدد عین دین اسلام کی مدد ہے، اور عہد منصور میں امام صاحب کا قید ہونا کوڑے کھانا اور بالآخر زہر سے ہلاک کیا جانا ان سب واقعات کا سبب واحد محبت اہل بیت رسول ہی تھی۔

پھر اولاد زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب نواح خراسان میں منصور کے خلاف چڑھائی کی تو امام صاحب لوگوں کو ان کی اتباع و بیعت پر راغب کرتے تھے جب منصور نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ نے علم کس سے سیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ اصحاب علی سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور پھر خارجیوں سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ اور اس مناظرہ کے نتیجہ میں بعض کا

1۔ وأما إنكار انتفاع أبي حنيفة بجعفر الصادق، فليس إلا من عناد المتعصبين، فقد ثبت أنه أخذ عنه كما أخذ عن غيره، وليس يلزم من الأخذ الملازمة الدائمة، بل العبرة بفائدة السماع والنقل، وقد قال أبو حنيفة: 'لولا السنتان لهلك النعمان'، يشير إلى استفادته من جعفر الصادق وغيره، فمن نفى ذلك فقد جهل معنى التلمذة والاستفادة. (تعليق الكوثري على السيف الصقيل، ص: 410)

نیز مفتی ابو الحسن شریف الکوثری نے اپنی کتاب "امام ابو حنیفہ شہید اہل بیت" میں لکھا ہے کہ: مولانا ابو الوفاء افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ طریقت میں امام جعفر صادق کے مجاز و خلیفہ ہیں اور پھر داؤد طائی امام صاحب کے مجاز و خلیفہ ہیں، امام مناوی سمیت صوفیاء کے کئی سوانح نگار مصنفین نے امام صاحب کو تصوف و سلوک کے بڑے مشائخ میں شمار کیا ہے اور حضرت داؤد طائی جو کہ امام صاحب کے خاص شاگردوں میں ہیں ان کی شہرت ہی تصوف و سلوک سے ہے، شیخ ابو زہرہ نے بھی اپنی کتاب میں امام جعفر صادق کو امام صاحب کا استاذ قرار دیا ہے۔ (ابو الحسن شریف اللہ الکوثری، امام ابو حنیفہ شہید اہل بیت ص 86، اولمپیا آرٹ پریس لاہور 2006ء)

ہدایت یاب ہو جانا یہ سارے واقعات مشہور و معروف اور زبان زد خلق ہیں۔

ان میں سے ایک صحیح روایت یوں ہے کہ امام صاحب کا ایک پڑوسی بڑا کٹر حروری خارجی تھا وہ امام صاحب کو کافر کہتا تھا، آپ حق کے ہمسائیگی کی خاطر از راہ ہمدردی اس کو بہت نصیحت وہ ہدایت فرماتے مگر وہ کسی پہلو مانتا ہی نہیں تھا چنانچہ آپ نے چند روز اس سے ملنا جلنا ترک کر دیا پھر چند روز بعد آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور تنہائی میں اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی وہ کہنے لگا تم میرے پاس آئے ہی کیوں اور تمہارا مقصد کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا مجھے ایک شخص نے تیری لڑکی کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے وہ کہنے لگا کون ہے؟ تو آپ نے اس کے دوات حشمت اخلاق و کردار اور حسب نسب سب کچھ بتائے اور آخر میں فرمایا ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس میں ایک عیب بھی ہے کہ وہ یہودی ہے اس پر وہ بہت بگڑا اور غصہ دکھاتے ہوئے کہنے لگا تم عجیب مسلمانوں ہو کے مسلمان کو مجبور کر رہے ہو کہ وہ اپنی لڑکی یہودی کو دیدے تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کہ مسلمان لڑکی یہودی سے کیسے بیاہی جا سکتی ہے اس پر امام صاحب نے بڑی رسانیت سے کہا خواجہ اتنے گرم کیوں ہوتے ہو تم تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہو میں نے سوچا کہ جب ایک نبی کی لڑکی کافر کو دی جا سکتی ہے تو ایک حروی کی لڑکی ایک یہودی کو مل جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ سنتے ہی حروی کی تو سٹی گم ہو گئی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امام صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے مذہب سے تائب ہو گیا۔

اوپر کی ہدہد والی روایت میں عیاشی کئی غلطیوں کا شکار ہوا، اول تو یہ کہ سائل امام صاحب نہیں بلکہ ایک خارجی تھا اور سوال ابو عبد اللہ سے نہیں حضرت ابن عباسؓ سے کیا گیا تھا اور روایت بھی صرف اسی قدر ہے کہ:

قال نجدة الحروري لابن عباس انك تقول ان الهدهد اذا ابصر الارض عرف ساحة ما بين هو وبين الماء وهو لايبصر شعرة الفخ فقال ابن عباس اذا جاء القضاء غشي البصر.[1]

نجدۃ حروری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہدہد جب زمین دیکھتا ہے تو

1۔ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، 1/ 322، ط: دار الكتب العلمية (بيروت، لبنان)

اس فاصلہ کا اندازہ لگالیتا ہے جو اس کے اور پانی کے درمیان ہے تو پھر وہ پھندہ کا جال کیوں نہیں دیکھ پاتا اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب قضا آتی ہے تو آنکھ بند ہو جاتی ہے۔

اسی طرح طبرسی نے کتاب احتجاج میں ایک روایت لکھی ہے وہ بھی اس طرح گڑبڑ ہے پڑھیے اور وہ یہ ہے:

أنه دخل أبو حنيفة المدينة ومعه عبد الله بن مسلم فقال له:يا أبا حنيفة إن هاهنا جعفر بن محمد من علماء آل محمد فاذهب بنا إليه نقتبس منه علما، فلما أتيا إذا هما بجماعة من علماء شيعته ينتظرون خروجه أو دخولهم عليه، فبينما هم كذلك إذ خرج غلام حدث فقام الناس هيبة له، فالتفت أبو حنيفة فقال:يا ابن مسلم من هذا؟ قال: موسى ابنه.قال: والله أخجله بين يدي شيعته قال له: لن تقدر على ذلك.قال: والله لأفعلنه، ثم التفت إلى موسى فقال:يا غلام أين يضع الغريب في بلدتكم هذه؟قال: يتوارى خلف الجدار، ويتوقى أعين الجار، وشطوط الأنهار، ومسقط الثمار، ولا يستقبل القبلة ولا يستدبرها، فحينئذ يضع حيث شاء.[1]

امام ابو حنیفہ عبداللہ بن مسلمہ کی معیت میں مدینہ منورہ پہنچے ابن مسلمہ نے آپ سے کہا آیئے جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلیں جو آل محمد کے علماء میں سے ہیں وہ ان سے کچھ اکتساب فیض کریں جب دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شیعوں کی ایک جماعت ان کے انتظار میں وہاں بیٹھی ہوئی ہے، ابھی انتظار ہو ہی رہا تھا کہ ایک نو عمر صاحبزادے اندر سے باہر آئے تو سب احتراماً کھڑے ہو گئے، امام صاحب نے ابن مسلمہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے انہوں نے کہا کہ یہ موسیٰ حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں امام صاحب کہنے لگے میں شیعوں کے سامنے ہی ان کی

1۔ الإحتجاج للطبرسي،2/ 158، 159، ط: دار النعمان للطباعة والنشر

پیشانی پر بوسہ دوں گا ابن مسلمہ نے کہا تم ایسا نہیں کر سکتے امام صاحب نے کہا واللہ! میں ضرور ایسا کروں گا، امام صاحب نے موسیٰ سے مخاطب ہو کر پوچھا میاں صاحبزادے تمہارے اس شہر میں آدمی قضائے حاجت کہا کرے؟ موسیٰ بولے دیواروں کی اڑ میں پڑوسی کی نظر سے بچے نہروں کے کنارے پر نہ کرے، میووں کے پھینکنے کی جگہ نہ کرے اور قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پشت ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں چاہیں فارغ ہو لے۔

یہ روایت بھی کسی متعصب شیعہ کی گھڑت اور ان کے گھڑے ہوئے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ اس میں صحیح اسی قدر ہے جو دوسرے شیعوں نے روایت کی ہے یا اہلسنت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے:

لما دخل ابو حنيفه المدينة زار قبر النبي صلى الله عليه وسلم ثم اتى الى دار الصادق فجلس ينتظر خروجه فخرج ابنه موسى وهو صغير فقام ووقره ثم قال اين يضع العرب حاجته في بلدكم فاجاب بما ذكر اسا بقا فقال أبو حنيفة الله اعلم حيث يجعل رسالته.[1]

جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ النبی پہنچے تو پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اور حاضری دی پھر حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوئے اور ان کے انتظار میں وہاں بیٹھے کہ اتنے میں ان کے کمسن بیٹے موسیٰ باہر آئے امام صاحب نے یہ آیت پڑھی الله اعلم حيث يجعل رسالته اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ رسالت کس کو بخشے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے بچے سے سوال اہل بیت کے بچوں کی ذکاوت و تیزی فہم سے متاثر ہو کر اظہار تعجب کے طور پر کیا تھا، اور یہ بات اس زمانہ ہی میں نہیں آج کل بھی ہے کہ بچوں کی ذکاوت ذہانت سے حیرت زدہ ہو کر بطور امتحان اس قسم کے سوالات کر ہی لیتے ہیں، اور مقصد یا تو اس

1۔ بحار الانوار، باب فضله و كماله و مكارم اخلاقه، 48/ 173، ط: دار إحياء التراث العربي (بيروت)

خاندان سے اظہار عقیدت ہوتا ہے یا دوسروں پر اس خاندان کی بلند مرتبت واضح کرنا الزام وطعن کا تو ایسے موقع پر سوال ہی نہیں۔

دھوکہ نمبر 83: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت میں شک تھا

یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اول (رضی اللہ عنہ) جن کی خلافت کے اہلسنت قائل ہیں خود اپنی خلافت میں متردد تھے بر خلاف امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے کہ ان کو شک وتردد کی بجائے پورا یقین وثوق تھا اور ظاہر ہے یقین کی اتباع شک وتردد کی اتباع زیادہ بہتر ہے، اور خلیفہ اول کے شک وتردد ثابت کرنے کے لیے یہ روایت گھڑی کہ عین وفات کے وقت آپ نے یہ الفاظ فرمائے:

یالیتني کنت سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم هل الانصار في هذا الامر شيء[1]

کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ لیتا کہ کیا اس خلافت میں انصار کا بھی کوئی حق ہے۔

اور جب یہ گھڑت شیخ علی کے ہاتھ لگی تو بڑا اچھلا کودا اور بڑے ڈینگ مارنے لگا اور بزعم خود یہ سمجھ بیٹھا کہ ایسی دلیل ہاتھ لگی ہے کہ اس سے اہلسنت کا ناطقہ بند کیا جاسکتا ہے اور اب تو مناظرہ کی بازی اپنے ہاتھ آگئی اور شیعوں کو یہ واقعی حق حاصل ہے کہ وہ افترا بہتان اور جعل سازی پر جتنی چاہیں بغلیں بجائیں کہ یہ تو ان کے مذہب کی بنیاد ہی ہے مگر چونکہ اہلسنت کے نزدیک یہ دلیل بے اصل اور من گھڑت ہے اس لیے وہ اس کے من گھڑت ہونے کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اگر خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو انصار کے معاملے میں کچھ تردد تھا تو وہ خود ایک مہاجر یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں حکم خلافت کیوں صادر فرماتے اور اگر انصار کو خلافت نہیں دی تھی تو کم از کم ان کو کسی نوع امور خلافت ہی میں شریک کر دیتے۔

اور بفرض محال یہ روایت صحیح بھی مان لی جائے تو پھر ان الفاظ کا مقصد یہ تھا کہ کاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

1۔ ومما طعنوا به علی أبي بکر أنه قال عند موته: لیتني کنت سألت رسول الله (صلی الله علیه وآله) عن ثلاثة، فذکر في أحدها: لیتني کنت سألته: هل للأنصار في هذا الامر حق؟ (شرح نهج البلاغة لابن أبي الحدید، 17/ 164، ط: دار احیاء الکتب العربیة و الشافي في الإمامة لشریف المرتضی، 3/ 193، ط: مؤسسة إسماعیلیان قم)

انصار کی موجودگی میں یہ سوال کر لیتا تاکہ حضور ﷺ کے جواب باثواب کو یہ حضرات اپنے کانوں سے سن لیتے اور اس معاملے میں مجھ سے کبیدہ خاطر نہ ہوتے، اور پھر یہ کلام اگر خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا ہی مان لیا جائے تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو ثالث مقرر کرنے کے معاملہ سے تو بڑھ کر نہیں، کیونکہ خارجی فرقہ تو پیدا ہی اس وجہ سے ہوا اور اسی وجہ سے بد عقیدہ ہو کر آپ کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے یہی تو اعتراض کیا کہ اگر اس شخص امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو اپنے برحق ہونے کا یقین ہوتا تو پنچایت کیوں بلاتے لہٰذا معلوم ہوا کہ بغیر صریح اور بلا استحقاق اس اہم کام کا دعویٰ کیا اور جب کچھ بس نہ چلتا دیکھا تو صلح پر رضامندی ظاہر کی اور معاملہ مشورہ پر چھوڑ دیا۔

دوسری بات یہ کہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر آج تک سوائے ان جھوٹے رافضیوں کے کسی نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی، اس کے مقابلہ میں تحکیم کا معاملہ تو ایسا طشت بام ہوا ہے کہ کوئی لاکھ کوشش کرے اس کو چھپا نہیں سکتا پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کوئی خلفشار اور انتشار پیدا نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد اور صورتحال کا علم ہو جانے سے خود انصار رضی اللہ عنہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے، بخلاف معاملہ تحکیم (ثالثی) کے کہ اس کے بعد جو فساد برپا ہوا ایسا برپا ہوا کہ اہل بیت کے خاندان سے خلافت ہی نکل گئی اور پھر کسی نے بھی ان کو خلافت میں دخیل نہ ہونے دیا، اور انہوں نے اپنے طرز عمل کی بنیاد اسی دلیل کو بنایا کہ خاندان اہل بیت کا خلافت میں کوئی حق ہوتا تو وہ امر خلافت کو ثالثوں کے سپرد نہ کرتے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ پنچایت نہ بلاتے نہ اس پر راضی ہوتے یہی وجہ ہے کہ حروری ان سے ناراض ہوئے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ نواصب اور مروانیوں کا جھنڈا بلاد اسلامیہ پر لہرایا اور ان کی امارت کو مستحکم بنانے کے لیے عام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

دھوکہ نمبر 84: حضرت علی کے فضائل ہی ایسے تھے کہ لوگ ان کی الوہیت کے قائل ہوئے

یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت عروج کی اس حد کو پہنچ گئی کہ لوگ ان کی الوہیت کے قائل ہوں گئے لیکن خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو یہ عروج یہ قدر و منزلت حاصل نہ ہو سکی لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سہ خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل اور امامت و خلافت کے زیادہ حقدار ثابت ہوئے اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خرق عادات امور اور معجزات ظاہر ہوئے جو بتاتے ہیں کہ آپ ہی امامت و خلافت کے حقدار ہیں خلفاء ثلاثہ

ہی ﷺ سے ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔

شیعوں کا یہ بیان عیسائیوں کے خیالات کا چربہ (یا ان کا اگلا ہوا نوالہ ہے) کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ لوگوں میں جو بلند اعتقادی ہے وہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے ساتھ نہیں اور خوارق عادات امور مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھوں اور کوڑیوں کو بینا و اچھا کر دینا حضرت مسیح علیہ السلام سے تو ان کا صدور بار بار اور پے در پے ہوا مگر پیغمبر آخر الزماں ﷺ ایسی کوئی بات صادر نہیں ہوئی اگر آپ سے کبھی کبھار دو چار معجزے صادر بھی ہوئے تو وہ شہرت و تواتر کی حد تک نہ پہنچے اس لیے ان وجوہ کے بنا پر پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی نسبت حضرت عیسی علیہ السلام اتباع کے زیادہ حقدار ہیں۔

معلوم نہیں عقل کا جنازہ نکل گیا ہے یا لوگوں کی مت ماری گئی ہے کہ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ اگر لوگوں نے خلاف واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کی مسند پر بٹھا دیا ہے تو کیا جاہلوں کی اس گندی عقیدت ہی کی بنا پر واقعی ان حضرات میں فضیلت و بزرگی کا پھندنا لگ گیا ہے، کیا عرب کے ان پڑھ لوگوں نے لات و منات اور عزیٰ کو مسند الوہیت نہ بخشی! تو کیا ان گھڑ لوگوں کے گھڑے ہوئے پتھروں میں فضیلت و بزرگی پیدا ہو گئی پھر انہی کندنا تراش جاہلوں نے یا ان کے اخلاف عبد اللہ بن سبا یہودی کے بہکانے میں آکر اور اپنی عقل و دانشمندی کو اس کے ہاتھ گروی رکھ کر جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھا منہ سے نکالا کتابوں میں اچھالا تو کیا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی بزرگی میں اس نے کچھ اضافہ کیا؟ اگر بزرگی اور فضیلت کا مدار جہلائے زمانہ اور عوام کالانعام پر ہی ہے تو ہمارے دیار میں تو پھر شیخ سدو وغیرہ فضیلت میں ان حضرات سے بازی لے جائیں گے۔ العیاذ باللہ وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور زیادہ ماتم تو شیعہ علما کی عقلوں کا ہے کہ وہ ایسے لچر عقیدوں کو مطالب اصولیہ کے ثبوت میں دلیل بتاتے ہیں چنانچہ ان کے ہی ایک عالم نے ایک شعر کہا ہے اور حسب عادت و رواج اس کا رشتہ امام شافعی رحمہ اللہ سے جوڑ دیا ہے وہ کہتا ہے:

كفى في فضل مولانا علي   وقوع الشك فيه أنه الله

ہمارے آقا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کی ذات میں خدا ہونے کا شک ہو گیا۔

ومات الشافعي وليس يدري   علي ربه أم ربه الله[1]

شافعی مرتے مر گئے مگر یہ نہ جان سکے کہ ان کا رب علی ہے یا اللہ۔

رہا معجزات کا کثرت سے صادر ہونا تو یہ بھی شیعوں کے نزدیک وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ان ہی کے عقیدہ کے مطابق حضرت مہدی علیہ الرضوان سے اتنے کثیر معجزات کا صدور ہونے والا ہے کہ ان کے بزرگ اجداد سے بھی صادر نہ ہوئے ہوں گے،[2] تو اگر معجزوں کی کثرت کو وجہ فضیلت قرار دیں تو حضرت مہدی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فضیلت وبزرگی میں بڑھ جائیں گے اور یہ بات سنیوں کے نزدیک بھی باطل ہے اور شیعوں کے نزدیک بھی۔

اور زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ اثنا عشری جو غلاۃ کہ اعتقاد سے امکانی برأت اور کنارہ کشی کرتے ہیں اس قسم کی باتوں کی طرف دل ان کا بھی جھکتا ہے ان میں سے بعض صاف الوہیت یا حلول کے عقیدہ سے گھبرا کر سر خفی کے اعتقاد کی چادر میں چھپ گئے ہیں اور کہتے ہیں جو بھی مخفی بھید کھولے گا اس کا خون معاف ہے ان کے بعض شعراء نے اس مضمون کو شعروں میں ادا کیا ہے:

لا تحسبني هويت الطهر حيدرة   لعلمه وعلاه في ذوي النسب

یہ نہ سمجھو کہ میں نے حیدر سے بلندی علم یا نسبی برتری کی وجہ سے محبت کی۔

ولا شجاعته في كل معركة   ولا التلذذ في الجنات من أربي

نہ اس وجہ سے کہ ہر معرکہ میں داد شجاعت دی اور نہ جنت کی ابدی لذتوں کے حصول کے لیے۔

1۔ نور الأفهام في علم الكلام، لسيد حسن الحسيني اللواساني، 1/ 521، ط: مؤسسة النشر الإسلامي بقم المشرفة وإحقاق الحق وإزهاق الباطل، لمرعشي التستري، 3/ 346)

2۔ ما من معجزة من معجزات الأنبياء والأوصياء إلا ويظهر الله تبارك وتعالى مثلها في يد قائمنا، لاتمام الحجة على الأعداء.(معجم أحاديث الإمام المهدي عليه السلام ، 3/ 373، ط: مؤسسة المعارف الاسلامية) وقال ميرزا محمد تقي الموسوي الأصفهاني: أما تفصيل ما ظهر منه من المعجزات فليطلب من الكتب المطولة كالبحار وغيره.(مكيال المكارم في فوائد الدعاء للقائم، 1-220، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان)

ولا التبرأ من نار الجحيم ولا　　　رجوته من عذاب الحشر يشفع بي

اور نہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کے لالچ میں نہ اس امید میں کہ دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لیے میری شفاعت کریں گے۔

لکن عرفت هو السر الخفي فإن　　　أذعته حللوا قتلي

لیکن میں نے انہیں پہچان لیا ہے کہ وہ سر مخفی ہیں اگر میں اسے فاش کر دوں تو میرا خون معاف اور میں سزا کا مستحق ہو جاؤں گا۔

يصد هم عنه داء لا رواء له　　　كالماء يعرض عنه صاحب الكلب[1]

لوگوں کو ان کی حقیقت جان لینے سے بیماری روکتی ہے جس جس کی کوئی دوا نہیں یعنی جہان میں جس طرح کتے کا کاٹا پانی سے بھاگتا ہے۔

ان کے بعض علماء اپنے دعویٰ افضلیت کی تائید میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے کندھے پر ان کا پاؤں رکھا، پورا قصہ یوں نقل کرتے ہیں کہ "فتح مکہ کے دن جب حضور ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کو بتوں سے بھرا ہوا پایا آپ نے سب کو گرا گرا کر توڑ ڈالا ایک بت کسی اونچی جگہ پر رکھا ہوا تھا کہ وہاں تک آپ کا دست مبارک نہ پہنچ سکا حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے کندھے پر پاؤں رکھ کر چڑھ جاؤ اور اس بت کو توڑو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بہ پاس ادب عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے شانے پر چڑھ جائیں اور پھر بت توڑ دیں تو حضور ﷺ نے فرمایا تم بار نبوت کے برداشت کی تاب نہ لا سکو گے" اب اس واقعے سے بات کھلی کہ امیر المومنین حضور ﷺ کے کندھے پر کیوں چڑھے تھے اور اس میں سر مخفی کیا ہے![2]

1۔ مشارق أنوار اليقين في أسرار أمير المؤمنين ،ص:342، 343، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان

2۔ عن علي (عليه السلام) قال: دعاني رسول الله (صلى الله عليه وآله) وهو بمنزل خديجة ذات ليلة، فلما صرت إليه قال: اتبعني يا علي، فما زال يمشي وأنا خلفه ونحن نخرق دروب مكة حتى أتينا الكعبة وقد أنام الله كل عين، فقال لي رسول الله (صلى الله عليه وآله) :يا علي، قلت: لبيك يا رسول الله، قال: اصعد على كتفي يا علي، قال: ثم

اس کے مقابلہ میں یہ قصہ تو اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ ہجرت کی شب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو اپنی پشت پر اٹھا کر پنجوں کے بل کئی کوس تک لے گئے پورا پاؤں ٹیکنے سے اس خدشہ کے پیش نظر احتراز کیا کہیں دشمن کھوج نہ لگالیں سے ایک بات بڑی واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بار نبوت برداشت کرنے کی غایت درجہ طاقت تھی۔

حضور ﷺ کے شانہ مبارک پر چڑھنے کا قصہ اگرچہ زبان زد خلق ہے پھر بھی اس نوعیت سے یہ قصہ صرف شیعہ روایات میں ملتا ہے اہلسنت کی کتب صحاح میں اس کا سراغ نہیں ملتا اس لئے اس سے اہلسنت کو الزام دینا بھی صحیح نہ ہوگا کتب صحاح میں یہ واقعہ اس طرح ملتا ہے:

قال: دخل النبي صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح، وحول البيت ستون وثلاث مائة نصب فجعل يطعنها بعود في يده، ويقول: جاء الحق وزهق الباطل، جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد، [1] فكانت تسقط بإشارة يده

فتح کے دن آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہیں پس آپ اس چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ان کو کچوکے لگاتے اور فرماتے، حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل تو بے شک مٹنے ہی والا ہے لہذا وہ بت آپ کے اشارے کے ساتھ ہی گرتے جاتے۔

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ بت تو آپ ﷺ کے اشارہ ہی سے گرتے جا رہے تھے اس میں کاندھے پر چڑھنے کی ضرورت ہی نہ تھی ممکن ہے یہ واقعہ کعبے کے ارد گرد نصب کئے ہوئے بتوں کا ہو اور اندرون کعبہ کے بتوں کو کسی دوسرے وقت پچھلی روایت میں مذکور صورت کے مطابق توڑا ہو بہر حال اہلسنت کی صحیح کتب میں تو روایت اس قدر ہے کہ وہ تصویریں جو کعبے کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں آپ نے ان کو پانی سے دھویا اسامہ بن

انحنى النبي (صلى الله عليه وآله) فصعدت على كتفه فألقيت الأصنام على رؤوسهم وخرجنا من الكعبة. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 38/ 85، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

1۔ صحيح البخاري، أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح؟ 5/ 148، رقم: 4287، دار طوق النجاة

زید رضی اللہ عنہ زمزم کا پانی لا رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ اپنے دست مبارک سے ان تصویروں کو دھو دھو کر مٹا رہے تھے جب مجسموں کی باری آئی تو آپ کے حکم سے وہ باہر نکالے گئے انہیں مجسموں میں حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسمے بھی تھے ان کے ہاتھوں میں فال دیکھنے کے پانسے تھمائے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کافروں پر لعنت کرے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان بزرگوں نے یہ کام نہیں کیا پھر بھی ناحق ان کے ہاتھوں میں یہ قرعے دیدیے۔[1]

دھوکہ نمبر 85: سنی ائمہ اربعہ کا تو مذہب اختیار کرتے ہیں اہل بیت کا نہیں!

شیعہ اہلسنت پر طعن کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ ابو حنیفہ، شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ کا مذہب تو اختیار کرتے ہیں مگر ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا مذہب اختیار نہیں کرتے حالانکہ وجوہ ذیل سے ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اتباع کے زیادہ حقدار ہیں۔

1۔ وہ رسول اللہ ﷺ کہ لخت جگر ہیں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پرورش پائے ہوئے ہیں آئین شریعت بچپن ہی سے یاد کیے ہوئے ہیں اور "صاحب البيت ادرى بمافيه" کے مصداق گھر کے یہ افراد گھر کے اندرونی حالت سے زیادہ واقف ہیں۔

2۔ صحیح حدیث میں جو اہلسنت کے نزدیک بھی معتبر ہیں ان کی اتباع کا حکم آیا ہے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: اني تارك فيكم الثقلين ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدي كتاب الله وعترتي أهل بيتي،[2] میں تم میں دو ایسی قابل استاد چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے وابستہ رہے تو میرے بعد

1۔ عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة، أبى أن يدخل البيت وفيه الآلهة، فأمر بها فأخرجت، فأخرج صورة إبراهيم وإسماعيل في أيديهما من الأزلام، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "قاتلهم الله، لقد علموا: ما استقسما بها قط "-(صحيح البخارى ، أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح؟5/ 148، رقم : 4288، دار طوق النجاة)

2۔ وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة ،27/ 34 ط، مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث قم المشرفة.

گمراہ نہ ہوں گے ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہل بیت۔

اور آپ ﷺ نے بھی یہ فرمایا ہے: مثل اهل بيتي فيكم كمثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف منها غرق.[1] تم میں میرے اہل بیت کی حیثیت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس میں سوار ہوا بچ گیا اور جو اس سے بچھڑ گیا غرق ہوا۔

3۔ ائمہ اہل بیت کی بزرگی، عبادت ان کا تقویٰ اور زہد و علم شیعہ و سنی ہر دو فریق کو تسلیم ہے بخلاف دوسروں کے اور ظاہر ہے کہ جن کی بزرگی پر اتفاق ہو وہی اتباع کے زیادہ حقدار ہیں نہ کہ دوسرے۔

اس مکر اور کید کا جواب یہ ہے کہ امام دراصل نبی کا نائب ہوتا ہے اور نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ صاحب مذہب اس لئے کہ مذہب اس راستہ کا نام ہے جو امت میں سے بعض ہی کے لیے کشادہ ہوتا ہے پھر وہ چند مقررہ قواعد و اصول کے ذریعے شریعت کے مسائل کا استخراج کرتے ہیں، چنانچہ مذہب میں خطاو ثواب دونوں پہلو ہوتے ہیں، جبکہ امام خطا سے محفوظ ہوتا ہے، اور نبی کا حکم رکھتا ہے عقل کا تقاضا تو نہیں کہ اس کی طرف مذہب کی نسبت کر دیں۔

اسی طرح مذہب کی نسبت خدا تعالیٰ، حضرت جبرئیل اور فرشتوں کی طرف کرنا بھی بے عقلی کی دلیل ہے اور اہلسنت کے فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بھی مذہب کی نسبت کر کے ان کو بھی صاحب مذہب نہیں کہتے باوجودیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امام ابو حنیفہ و امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہ سے افضل و اعلیٰ مانتے ہیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو فقہ کی اصل اور احکام شرعیہ کی دلیل شمار کرتے ہیں اور خود ان کو امت تک علم کے پہنچنے کا قیمتی ذریعہ اور وسیلہ۔

اور فقہاء امت کی اتباع عین ائمہ ہی کی اتباع ہے اس لیے کہ انہوں نے فقہ مذہب اور قواعد ان حضرات ائمہ ہی سے تو سیکھے ہیں وہ اپنی شاگردگی کی نسبت انہی سے قائم کرتے ہیں، پس اہلسنت تو ان ائمہ کی اتباع کو ہی مقصود نظر سمجھتے ہیں مگر مذہب کی نسبت ان کی طرف نہیں کرتے۔

1۔ ميزان الحكمة، لمحمد الري شهري، 4/ 2820، ط، دار الحديث.

اور شیعوں کے حالات وواقعات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ بھی براہ راست ائمہ کی اتباع نہیں کرتے یہ بھی ان واسطوں کی پیروی کرتے ہیں، جو خود کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انہی سے علم حاصل کرنے کا دعوی کرتے ہیں، ہاں اتنا فرق ضرور ہے متبوعین اہلسنت اصل عقائد میں ائمہ کی ہرگز مخالفت نہیں کرتے ان کے متعلق ائمہ کی بشارتیں اور خوشنودی مزاج کی سندیں موجود ہیں، بخلاف متبوعین شیعہ کے مثلا: ہشامین، احول طاق ابن اعین اور ان کے مثل کہ انہوں نے بنیادی عقائد میں ائمہ کے خلاف کیا ہے، اور اللہ تعالی کی جسمیت اور اس کے اعضا ہونے کے قائل ہوئے ائمہ کرام نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے عقائد باطل ہونے پر شہادت دی ان کو دروغ گو اور افترا پرواز بتایا چنانچہ یہ سب مباحث کتاب ہذا کے باب سوم وچارم میں شیعوں کی معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ان شاء اللہ بیان کیے جائیں گے۔

در حقیقت امام کا منصب یہ ہے کہ عالم کی اصلاح کرے رفع شر اور دفع فساد کرے جس فن میں کمی دیکھے اس کی تکمیل کرے اور جو معاملہ ٹھیک چل رہا ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تاکہ تحصیل حاصل نہ لازم آئے، پس ائمہ نے اپنے منصب سے زیادہ مناسب اور اہم طریق سلوک وطریقت کو خیال کر کے اپنی پوری توجہ ادھر ہی مبذول رکھی اور امور شرعیہ کو اپنے بزرگ دوستوں برگزیدہ مصاحبوں اور لائق ترین شاگردوں کے سپرد کیا اور خود انہوں نے عبادت، ریاضت، تربیت باطن تعیین اذکار اور نمازوں اور دعاؤں کی تعلیم تہذیب اخلاق طالبین سلوک کو اس کے فوائد سے آگاہ ومطلع کرتا ہے اور کلام اللہ وکلام رسول سے حقائق و معارف اخذ کر کے ارشاد فرمانا اپنا خاص مشغلہ بنایا ان مشاغل مبارکہ کے لیے خلوت وگوشہ نشینی لازم ہے اس لیے یہ بزرگ حضرت استنباط احکام واجتہاد مسائل کی طرف توجہ مبذول نہ رکھ سکے۔

یہی سبب ہے کہ علم طریقت کے دقائق نکات اسرار اور بعید زیادہ تر انہی بزرگوں سے منقول ہیں اور اہلسنت اسی وجہ سے ولایت کے تمام سلاسل انہی بلند ہستیوں پر ختم کرتے ہیں، حدیث ثقلین بھی ان کی اسی حیثیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ ظاہر شریعت کی تعلیم کے لیے کتاب اللہ کافی ہے اور علم لغت واصول جو وضع اور عقل سے تعلق رکھتے ہیں فہم شریعت میں مدد پہنچانے کے لیے بہت ہیں ان میں امام کی کیا حاجت؟

البتہ امام کی ضرورت سلوک وطریقت کے ان دقائق میں محسوس ہوتی ہے جو بظاہر کتاب اللہ سے سمجھے

نہیں جانتے اور ائمہ نے بھی یہی راز معلوم کر کے اپنی توجہ اسی ضروری امر کی طرف مبذول رکھی اور شریعت کا صرف اجمال بیان فرمایا، علم و عقل کو مجتہدین پر چھوڑا، چنانچہ شیعہ و سنی دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی امام نے تصنیف و تالیف کا کام نہیں کیا، نہ اصول نکالے نہ اصولوں سے فروع، نہ کوئی کتاب لکھی نہ کوئی فن مرتب کیا کہ اس پر کفایت کی جاتی بلکہ مسائل و احکام کی روایات ائمہ کے دوستوں اور شاگردوں میں مشہور و معروف ہوئیں اور مسائل جزئیہ میں قواعد استنباط معرض خفا میں رہے تو لامحالہ اب ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو ان تمام روایات کو جمع کرے قواعد کی چھان بین کر کے ان کو علیحدہ کرے اور اس طرح کا اصول اجتہاد کی بنیاد ڈالے، اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح مذہب کی نسبت کسی خاص امام کی طرف نہیں کی جاسکتی اسی طرح امام کا اتباع بھی بلاواسطہ مجتہد کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا، گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مقلد کے لیے اتباع مجتہد کو واسطہ بنائے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اور شیعہ حضرات پر چند ائمہ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان مسائل میں کہ ائمہ سے ان کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی اپنے علماء مجتہدین ہی کی طرف جھکتے ہیں مثلاً ابن عقیل عمانی، سید مرتضیٰ اور شیخ شہید اور پھر ان کے افعال فتاویٰ صادر کرتے ہیں جو ائمہ کے روایان کی صحیح روایات سے ٹکراتے ہیں، اسی قسم کے مسائل میں سے کچھ تھوڑے سے مسائل بطور نمونہ باب فروع میں ان شاء اللہ حوالہ قلم ہوں گے۔

تو اب اگر خود شیعوں کے نزدیک ایسے مجتہد کی بھی تقلید جائز ہے جس کے اقوال ائمہ کی بعض روایات کے مخالف ہوں اور یہ تقلید مجتہد ائمہ کی اتباع سے مانع نہیں تو اہل سنت کے اتباع امام ابو حنیفہ و شافعی رحمہما اللہ وغیرہ کیوں قابل اعتراض سمجھی جائے، یہ ضرور ہے کہ ان مجتہدین کے بعد اقوال ائمہ کی بعض روایات کے مخالف ہیں مگر یہ مخالفت نہ نقصان دہ ہے اور نہ ائمہ کی اتباع اس سے متاثر ہوتی ہے کیونکہ اصول و قواعد میں یہ مجتہدین ائمہ کے ساتھ متفق ہیں، جیسا کہ امام محمد بن حسن شیبانی اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ دونوں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہوئے بعض مسائل میں ان کے خلاف گئے ہیں اور تمام مذاہب میں ایسا ہوا ہے کہ امام مجتہد کی رائے ان کے شاگردوں نے اختلاف کیا ہے۔

اور ابن الاثیر جزری مصنف جامع الاصول نے امام علی بن موسیٰ الرضا کو جو امامیہ مذہب کا مجدد صدی

سوم کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امامیہ اپنے موجودہ مذہب کا سلسلہ سند ان تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح اس مذہب کی ابتداء ان ہی سے جانتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تابعین میں حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذہب حنفی کے بانی مبانی تھے یا نافع وزہری رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مذہب مالکیہ کے بانی مبانی ہیں، پھر یہ بات بھی ہے کہ ابن الاثیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ امامیہ کے گمان اور عقیدہ کے مطابق لکھا ہے نہ کہ فی الواقعہ ایسا ہے، چنانچہ ہر مذہب کے مجددوں کو اس نے اہل مذہب ہی کے اعتقاد کے مطابق نامزد کیا ہے۔

دھوکہ نمبر 86: اہلسنت کی کتب سے طعن صحابہ کی ناکام کوشش

اہلسنت کی کتابوں سے چھانٹ چھانٹ کر ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان ارفع واعلیٰ میں بدگمانی کا وہم پیدا کریں اور ان روایات کو اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے، وہ اپنے خیال میں اس مکر وکید کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور تمام کیدوں کا سرتاج سمجھتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی ان چالوں اور دھوکوں نے بہت سوں کو راہ ہدایت سے بھٹکا دیا۔

ان تمام اخباروں اور روایات کی تفصیلی بحث تو باب مطاعن میں ان شاء اللہ آئے گی وہاں معلوم ہو گا کہ ان روایات سے نہ ان کی مطلب براری ہوتی ہے اور نہ ان کی غرض پوری ہوتی ہے البتہ یہاں مقام کی مناسبت سے ان کے اس دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کو الزام دینا ہی ہے تو انصاف سے تو کام لو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اہلسنت کی تمام صحیح روایات کا اعتبار کرو جو مناقب وبدائع خلفاء وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اہلسنت کے نزدیک بطریق تواتر منقول ہے اور پھر دونوں قسم کی روایات کو پیش نظر رکھ کر دیکھو ان میں باہم تعارض ہو تو علم اصول میں تعارض دور کرنے کی جو وجوہ مقرر کی گئیں ان کے مطابق تعارض دور کرنے کی کوشش کرو یعنی اکثر کو اقل پر اظہر کو اخفی پر اور راوی کو جو عمل واعتقاد کے موافق ہو اس کے خلاف پر قابل ترجیح جانیں، اب اس جمع کرنے، چھان بین کرنے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے اور ان میں حق وثواب معلوم کرنے کے بعد جو نتیجہ نکلے گا وہ عین اہلسنت کا مذہب ہو گا۔

یہ حرکت خلاف انصاف ہو گی کہ الزام دینے والی روایات کو یا گھڑی ہوئی اور ضعیف کو عام روایات

کے خلاف صرف احاد و تنہا کی روایات کو جو تاویل شدہ اور صحیح معنوں پر محمول ہوں نظر اعتبار سے گرا دینا اور ان روایات سے چشم پوشی کرنا جو متواتر اور قطعی الثبوت ہوں جیسا کہ اس فرقہ کا معمول ہے۔

ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو قرآن مجید سے ایسے جملوں کو جانتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ثبوت دیتے ہیں جیسے "وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى"[1] یا حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے بارے میں سوال کرنا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو اپنا پروردگار کا کہنا اور بتوں کو توڑنے کے جھوٹی نسبت بڑے بت کی طرف کرنا اور خود کو جھوٹ موٹ کا بیمار ظاہر کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو قتل کر دینا اور اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ کر بلا تحقیق و تامل کے کھینچنا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کی بیوی کے معاملہ میں گناہ یا اور اسی قسم کی باتیں! اور پھر اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ چونکہ قرآن مجید ان انبیاء کی برائیاں قطعیت اور تواتر سے ثابت ہیں اس لیے یہ نبوت کے مستحق نہ تھے بلکہ ان کو نیک جاننا فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہے اور یہ بد تمیز اور عقل سے پیدل شخص اتنا نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا بھی ہے تو بدبختی کا پردہ اس کی عقل پر ایسا پڑا ہوا ہے کہ وہ ان قطعی اور متواتر نصوص قرآنی کو دیکھنے سے عاجز ہے جو جابجا قرآن مجید میں آئی ہیں جو ان محترم حضرات کی تعریف اور ان کے حال اور نتیجے کی خیر و خوبی سے بھری ہوئی ہے۔

اگر کسی قصے یا حکم میں دوسروں کی عبرت کے لیے یا ان بزرگوں کی تادیب و ارشاد کے لیے کوئی عتاب آمیز جملہ وارد ہوا ہے تو یہ ان کثیر قطعی الثبوت نصوص کو باطل نہیں کر سکتا لا محالہ اس عتاب آمیز کلام کو کسی ایسے معنی پر محمول کریں گے جو ان کی ارفع و اعلیٰ شان پر کوئی حرف نہ آنے دے جو قطعی طور پر ثابت ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر کوئی چاہے کہ وہ متشابہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں جسمیت یا لوازم جسمیت ثابت کرتی ہیں اور جن میں چہرے سے لے کر پنڈلی تک کے اعضاء و اجزاء جسمانی کا اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر ہونا سمجھا جاتا ہے ان آیات کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص کا تصور لے کر یہ کہے کہ جو ذات ان عیوب سے متصف ہو خدا بننے کے لائق نہیں تو اس قسم کے شبہات اور ہضوات کا ایک ہی جواب ہے کہ "حَفِظْتَ شَيْئًا

1۔ سورة طه ،الآية:121

وَغَابَتْ عَنكَ أشياءٌ" ایک چیز کو بچانے کے لیے تو نے ساری چیزیں کھودی۔

اور شیعوں کا یہ شعبہ اس ملحد کے شبہ سے ملتا جلتا ہے جو نماز کے انکار میں آیت "لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى "[1] پیش کرتا ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اسی آیت کو سیاق وسباق کے ساتھ یا دوسری آیت دیکھ تو کہتا ہے کہ بابا سارے قرآن پر عمل کس نے کیا ایک دو کلموں پر ہی عمل ہو جائے تو غنیمت ہے۔

دھوکہ نمبر 87: اپنی جعلی روایتوں سے انبیاء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں

ان کے دو علماء جن کو اپنی تاریخ دانی پر بڑا غرہ ہوتا ہے بناوٹی اور جھوٹی حکایتوں کو جنہیں تاریخ کذب صریح کہہ کر ردی میں ڈال دیتی ہے اپنی بڑی معتبر کتابوں میں دھڑلے سے جگہ دیتے ہیں اور کذب وبہتان کی اسی پوٹ سے اپنے اعتقادی مسائل ثابت کرتے ہیں، ان حکایات میں بلند درجہ وہ جھوٹی حکایت ہے جو ان کی سیرت نگاروں اور اخبار نویسوں نے گھڑی ہے اور ان کے علماء نے انہیں اخبار نویسوں پر اعتماد کر کے اور حسن ظن سے کام لے کر ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے، اسی حکایت سے وہ انبیاء اولو االعزم علیہم السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرتے ہیں جو اس مسائل نبوت میں ہیں اور تینوں مذاہب یہودیت نصرانیت اور اسلام کے خلاف ہیں، وہ روایت حلیمہ بنت ابی ذویب عبد اللہ بن حراث سعدیہ رضی اللہ عنہا[2] کی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی تھیں۔

یہ ایک وفد کے ہمراہ عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی[3] کے پاس پہنچیں تو حجاج نے ان سے کہا حلیمہ

1۔سورۃ النساء ،الاية:43

2۔كذا في الأصل، وفي كتب الإمامية: حرة بنت حليمة السعدية. لا ترجمة لها، لكن أمها إن صح الخبر حليمة السعدية مرضعة النبي صلى الله عليه وسلم. الاستيعاب: 4/ 1812؛ الإصابة: 7/ 584.

3۔يوسف بن عمر الثقفي المعروف بالحجاج، كان ذا شجاعة وإقدام ومكر ودهاء وفصاحة وبلاغة وتعظيم للقرآن، قال عنه الذهبي: كان ظلوما جبارا ناصبيا خبيثا سفاكا للدماء، ولي ولاية العراق عشرين سنة لبني أمية، مات سنة 127هـ. وفيات الأعيان: 7/ 101؛ سير أعلام النبلاء: 4/ 343.

اچھا ہوا تم خود ہی آگئیں میں تم کو پکڑ کر بلوانے والا تھا تاکہ تم سے انتقام لوں وہ بولیں آخر اس خفگی کی وجہ کیا ہے وہ بولا میں نے سنا ہے کہ تو علی کو ابو بکر عمر رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیتی ہے یہ سن کر حلیمہ نے سر جھکا لیا اور بڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا سن اے حجاج میں اپنے امام کو خدا کی قسم نہ صرف ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہم) پر ترجیح دیتی ہوں کہ ان دونوں کی کیا حیثیت ہے کہ آنجناب کے ساتھ ایک ترازو میں تل سکیں میں تو آپ کو آدم نوح ابراہیم سلیمان موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر فضیلت دیتی ہوں، یہ سن کر حجاج آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں تو اسی بات پر ناراض تھا کہ تو اس شخص (رضی اللہ عنہ) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں رضی اللہ عنہما پر ترجیح دیتی ہے اور اب تو نے میرے منہ پر تمام اولوا العزم پیغمبروں پر ترجیح دے کر اپنے جرم کو اور بھی سنگین اور میرے غصے کو اور بھی بھڑکا دیا ہے اگر تو اپنے اس دعویٰ سے دستبردار نہ ہوئی تو میں تیرے ٹکڑے کر ڈالوں گا اور تمہیں تماشہ عبرت بنا دوں گا، حلیمہ بولیں آخر تیرا مقصد کیا ہے اگر مجھ پر ظلم ہی توڑنا چاہتا ہے اور نہ حق میرے خون سے ہاتھ رنگنا چاہتا ہے تو یہ سر ہے اور یہ پشت اور اگر مجھ سے اس دعوے کی دلیل سننا چاہتا ہے تو میری بات توجہ سے سن، حجاج کہنے لگا ہاں بتا کس دلیل سے تو آدم علیہ السلام پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتی ہے حالانکہ آدم علیہ السلام کے خمیر کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے گوندھا، چالیس دن ان پر رحمت نازل کی پھر ان کے جسم میں اپنی ناس روح پھونکی، ان کو اپنی جنت میں رکھا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرو، حلیمہ نے کہا اس دلیل سے کہ آدم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ "[1] (کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہکا) اور سورۃ ھل اتیٰ میں طاعت وبندگی سے علی رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اور " إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ "[2] میں بھی نماز و زکوۃ کے حوالے کے ساتھ ان کی مدح سرائی کی پھر عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے عین نماز میں فقیر کو بطورِ صدقہ انگوٹھی دی ہو (بجز علی رضی اللہ عنہ کے) حجاج بولا تو نے سچ کہا اچھا اب یہ بتا کہ تو نے نوح (علیہ السلام) پر ان کو کس وجہ سے فضیلت دی؟ حلیمہ نے کہا یہ اس لئے کہ علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نساء عالمین کی سیدہ

1۔ سورۃ النساء، الآیۃ:43

2۔ سورۃ المائدۃ، الآیۃ:55

تھیں جن کا نکاح سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے جبریل علیہ السلام کی سفارت اور ملائکہ کی شہادت و گواہی سے منعقد ہوا بخلاف زوجہ نوح علیہ السلام کے وہ کافرہ و منافقہ تھیں چنانچہ نص قرآن میں اس کا صاف ذکر ہے، حجاج حلیمہ کی اس حاضر جوابی سے بہت متاثر و حیران ہوا اور حلیمہ کی بہت تعریف و ستائش کی۔

اس کے بعد پوچھا کہ اب یہ بتا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر علی (رضی اللہ عنہ) کو کس دلیل سے ترجیح دیتی ہو، وہ بولی کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی "رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي"[1] (میرے رب مجھے دکھادے کہ آپ مردے کس طرح زندہ کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا ایمان نہیں لایا کہا کیوں نہیں لیکن صرف اس لئے کہ میرا دل اطمینان حاصل کرلے) بخلاف اس کے علی رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر فرمایا "لو كشف لي الغطاء ما ازددت يقينا"[2] اگر حجاب کا پردہ اٹھ بھی جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا، پھر حلیمہ نے کہا ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مؤمنین و منافقین کی جماعتوں نے چاروں طرف سے آپ کے گرد حلقہ کیا ہوا تھا، تب میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا اے جماعت مؤمنین معراج کی رات میرے لئے ایک منبر رکھا گیا جس پر میں بیٹھا پھر میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور اسی منبر پر مجھ سے ایک درجہ نیچے بیٹھ گئے دوسرے پیغمبران کرام بھی جوق در جوق آئے اور مجھے سلام کرنے لگے تا آنکہ میرے چچازاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کو جنت کی اونٹنی پر سوار کرکے لایا گیا، ان کے ہاتھ میں لوائے حمد اور ان کے چاروں طرف ایسی مخلوق تھی جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا یہ جوان کونسا پیغمبر ہے؟ میں نے کہا یہ پیغمبر نہیں بلکہ میرے چچا

1۔ سورة البقرة ،الآية:260

2۔ لم يخرجه أحد من أهل السنة بسند معتبر، لكن نسبها أبو نعيم إلى عبد الله بن سهل في الحلية: 10/ 202، ونبه القاري إلى ذلك في المصنوع: ص 149؛ أما الشيعة الإمامية فينسبونها إلى علي رضي الله عنه فأوردها عنه الرضي في نهج البلاغة (بشرح ابن حديد): 7/ 113، ثم نقلها أمثال المازندراني، في مناقب آل أبي طالب: 1/ 318، والخوارزمي، المناقب: ص 376. ومن نقلها من متأخري علماء أهل السنة فإنما نقلوها لشهرتها بين الإمامية، كما فعل السندي في حاشيته على سنن النسائي: 8/ 96.

زاد بھائی علی بن ابی طالب ہیں، پھر پوچھا ان کے ارد گرد کون لوگ ہیں، میں نے جواب دیا ان کے شیعہ اور محبین ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ مجھے بھی علی کے شیعوں میں سے کر، چنانچہ سورۃ صافات کی اس آیت کے یہی معنی ہیں "وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ-إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ "[1] البتہ ابراہیم بھی ان کے شیعہ میں سے ہیں جب کہ آیا وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے پاس آیا۔

حجاج نے کہا تو نے ٹھیک کہا، اب یہ بتا کہ سلیمان (علیہ السلام) پر علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی کیا وجہ ہے حلیمہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ سلیمان (علیہ السلام) نے بادشاہ اور دنیاوی جاہ و عزت کے لئے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ "[2] اے اللہ مجھے اس شان کا مالک فرما جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو بے شک عطا کرنے والا قوی ہے۔ بخلاف اس کے جناب علی (رضی اللہ عنہ) نے دنیا کو تین طلاقیں دیں اور کہا کہ "إليك عني يا دنيا، طلقتك ثلاثا لا رجعة بعدها، حبلك على غاربك، غري غيري، ولا حاجة لي فيك "[3] اے دنیا مجھ سے پرے ہٹ میں نے تجھ کو تین طلاقیں دی جس میں رجوع بھی نہیں ہو سکتا تو جان ترا کام جانے کسی اور کو جا کر بہکا مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں)

حجاج نے کہا یہ بھی تو نے ٹھیک کہا اب یہ بتا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر کس دلیل سے علی (علیہ السلام) کو فضیلت ہے حلیمہ نے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین بھاگے تو ہراساں اور ڈرے ہوئے تھے بفرمان اللہ

1۔ سورۃ الصافات ،الآیۃ:83، 84

2۔ سورۃ ص ،الآیۃ:35

3۔ أخرج الإمام أحمد عن مسلم بن هرمز قال: «أعطى علي الناس في سنة ثلاث عطيات ثم قدم عليه مال من أصبهان فقال: هلموا إلى عطاء الرابع فخذوا، ثم كنس بيت المال وصلى فيه ركعتين وقال: يا دنيا غري غيري، قال: وقدم عليه حبال من أرض فقال: أيش هذا؟ قال: حبال جيء بها من أرض كذا وكذا، قال: أعطوها الناس، قال فأخذ بعضهم وترك بعضهم فنظروا فإذا هو كتان يعمل فبلغ الحبل آخر النهار دراهم . فضائل الصحابة: 1/ 541؛ وأبو م، حلية الأولياء: 1/ 81.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ یقین کریں کہ پوری کہانی جھوٹوں کے سرداروں کی من گھڑت، بناوٹی افتراء اور جھوٹ کی پوٹ ہے اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے باتفاق مؤرخین خلفائے راشدین تک کا زمانہ نہیں پایا تو حجاج تک پہنچنے کا تو امکان ہی نہیں اگر وہ حجاج کے زمانے تک زندہ ہوتیں تو ان کی عمر ایک سو چالیس سال ہونی چاہیے بلکہ مؤرخین کا اس میں ہی اختلاف ہے کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بعثت بھی پایا یا نہیں، اور وہ ایمان بھی لائی تھیں یا نہیں۔

اس کے علاوہ حجاج شرفاء سادات اور خاندان اہل بیت کے وابستگان کے قتل اور خونریزی میں خصوصی طور پر شہرہ آفاق تھا، اور نواصب کا ایک بدترین فرد تھا، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد سے اس کی دشمنی تو زبان زد خلق تھی چنانچہ اہل بیت کی ایک جماعت کو اسی وجہ سے اس نے شہید کیا پھر کسی کو اس کی مجال و تاب کب تھی کہ اس کی مجلس میں بن بلائے گھس جائے، اس کے مصاحبوں اور خدام میں سے بھی اگر کوئی اس کے سامنے جاتا تو جان و آبرو بچانے کی فکر میں لرزاں و ترساں رہتا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کی توہین و تذلیل سے باز نہ آیا۔[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان زمانہ کو مارڈالنے کے کیا کیا جتن نہ کیے اور کہاں کہاں ان کی تلاش نہ کرائی، ان حالات میں یہ ممکن ہی کب تھا کہ حلیمہ ان کے پاس آتیں اور دھڑلے سے گفتگو کر پاتیں، اور پھر یہ راز بھی نہیں کھلتا کہ حلیمہ اس کے پاس آئی کیوں تھیں، حجاج نہ تو سخیوں میں سے تھا، نہ اس کے ہاں بخشش و داد و دہش کا سلسلہ تھا کہ کچھ ملنے یا پالینے کی امید میں اپنی قوم بنی سعد کی فرودگاہ سے جو حجاز میں طائف کے حوالی میں تھی، عراق کے دور دراز مقام میں چلی آتیں۔

اور یہ بات تو تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ اہل بیت کا اتنا کڑا دشمن یہ ساری باتیں سن کر بھی حلیمہ کو ایک ہزار دینار ہی نہیں دے گا بلکہ اس کا مستقل وظیفہ بھی مقرر کر دے گا یہ بات تو اس کے عقیدہ اور

1۔ روى الأعمش قال: شكونا الحجاج بن يوسف، فكتب أنس إلى عبد الملك: إني خدمت النبي صلى الله عليه وسلم تسع سنين، والله لو أن اليهود والنصارى أدركوا رجلا خدم نبيهم لأكرموه. تهذيب الكمال: 3/ 373؛ سير أعلام النبلاء: 3/ 402.

سرشت کے سراسر خلاف تھی اور پھر سارے ہی مؤرخ خواہ سنی ہوں یا شیعہ اس پر متفق ہیں کہ حجاج مرتے دم تک اپنے عقیدہ پر قائم تھا، تائب ہونا تو دور کی بات ہے اس نے اپنے عقیدہ میں نرمی یا کمزوری تک کو داخل نہ ہونے دیا اور یہ بات بھی سب متفق ہو کر کہتے ہیں کہ زندگی کے آخری گھڑی تک امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اور آپ کی ذریت کے ساتھ دشمنی رکھنے اور سادات کشی پر تلا ہوا تھا۔

اب آیئے ذرا حلیمہ مائی کے دلائل پر ایک تنقیدی نظر بھی ڈال لیں جن کو شیعہ نے بڑے طمطراق اور بڑی چمک دمک سے بیان کیا ہے، حالانکہ وہ سب چند در چند وجوہ سے جس پر بڑی طویل گفتگو درکار ہوگی بے حقیقت اور بے معنیٰ ہی نہیں حد درجہ لچر بھی ہیں یہاں ہم اطناب اور طول سے گریز کر کے صرف بارہ وجوہ ہی سپرد قلم کرتے ہیں۔

1۔ یہ سارے دلائل اہل اسلام کے عقائد کے خلاف ہیں بلکہ یہود ونصاریٰ کے بھی کیونکہ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

2۔ یہ سب باتیں قرآنی نصوص کے بھی خلاف ہیں کیونکہ قرآن میں جابجا انبیاء کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کو ساری مخلوقات میں سے چنا اور منتخب کیا گیا ہے۔[1]

3۔ ان استدلالات میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کو شمار کیا گیا اور پھر ان کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب ومدائح سے کیا گیا ہے اور انبیاء کے مناقب ومدائح سے آنکھیں بند کر لیں ہیں اگر دونوں کے مناقب اور مجد وشرف کو برابر رکھ کر کچھ کہا جاتا تو ادھر توجہ کا شائبہ جواز نکل آتا ورنہ یہ طریقہ احتجاج تو ہر جگہ چل سکتا ہے،

1۔ أما عند الإمامية فعلي رضي الله عنه أفضل من جميع الأنبياء، والروايات في ذلك كثيرة، منها ما رواه القمي عن جابر عن أبي عبد الله: قال: قلت: لم سميت فاطمة الزهراء، زهراء؟ فقال: لأن الله عز وجل خلقها من نور عظمته، فلما أشرقت أضاءت السماوات والأرض بنورها، وغشيت أبصار الملائكة، وخرت الملائكة لله ساجدين، وقالوا: إلهنا وسيدنا، ما هذا النور؟ فأوحى الله إليهم: هذا نور من نوري، وأسكنته في سمائي، خلقته من عظمتي أخرجه من صلب نبي من أنبيائي، أفضله على جميع الأنبياء وأخرج من ذلك النور أئمة يقومون بأمري، يهدون إلى حقي، وأجعلهم خلفائي في أرضي بعد انقضاء وحيي . الإمامة والتبصرة: ص 126 .

اس کی بناء پر تو کوئی شورہ پشت اور بدبخت یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ عبس میں اسیر ان بدر سے فدیہ کے معاملے میں ان شاء اللہ چھوڑ دینے پر، منافق کی نماز جنازہ پڑھنے پر، غزوہ تبوک میں منافقین کو عدم شرکت کی اجازت دینے، یا طعیمہ اور اس کے بھائیوں کو جانبداری پر اللہ تعالیٰ نے باندازِ عتاب خطاب فرمایا۔

اور دوسری طرف صرف امیر المؤمنین بلکہ ابوذر، عمار، سلمان اور مقداد (رضی اللہ عنہم) کی فلاں فلاں آیات میں ستائش فرمائی اور اس سے العیاذ باللہ وہ یہ نتیجہ نکالے کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔

4۔ حضرت آدم علیہ السلام کی جو تمام انسانوں کے باپ اور پوری نوع انسانی کے اصل اصول ہیں ان کی اولاد میں جو نیکی اور خوبی وقوع پذیر ہوتی ہے باپ ہونے کے ناطے ان کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے کیونکہ یہ امر مذہباً طے شدہ ہے کہ والدین اگر مومن ہیں تو ان کی اولاد کے اچھے اعمال ان کے نامہ اعمال میں ثبت کئے جائیں گے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بزرگی ان کے حق میں ھل اتی کا نزول اور عین نماز میں فقیر کو انگھوٹھی کا صدقہ، حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت وبزرگی کے مقابلہ میں ذرہ حقیر سے زائد نہیں کیونکہ تمام انبیاء و اولیاء، علماء و صلحاء، ائمہ و اوصیاء اور خود امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے جتنے بھی اعمال خیر ہیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے اعمال نامہ میں درج اور آپ کی ذات پاک میں جاگزیں ہوں گے کہ بندگی وطاعت، توبہ شرمندگی کی سنت آپ ہی سے تو جاری ہوئی اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صریح ہے:

من سن في الإسلام سنة حسنة كان له أجرها ومثل أجر من عمل بها إلى يوم القيامة[1]

اسلام میں جس نے نیک رسم ڈالی اس کو اجراء سنت کے اجر کے ساتھ اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملتا رہے گا۔

5۔ بیان فضیلت کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام اور علی رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں موازنہ بھی عجیب اور انوکھا طرز استدلال ہے (جو کسی بڑے دماغ والے شیعہ ہی کے لئے طرہ امتیاز ہو تو ہو کسی مسلمان کو تو اپیل نہیں کرتا، از مترجم نعمانی) کیونکہ کسی کی بیوی کا کسی دوسرے کی بیوی سے افضل ہونا اس کے شوہر کی افضلیت ثابت نہیں

1۔ المعجم الأوسط، للطبراني، 8/ 384، رقم: 8946، ط: دار الحرمين القاهرة

گر تو اس منطق کی رو سے ماننا پڑے گا کہ فرعون پیغمبروں سے افضل تھا کیونکہ زوجہ فرعون بالاجماع حضرت نوح و حضرت لوط ﷤ کی بیویوں سے افضل تھیں، اور بقول شیعہ حضرت علی ﷛ کی زوجہ محترمہ ازواج رسول اللہ سے افضل تھیں تو اب آپ دیکھ لیجئے کہ اس استدلال کی روشنی میں کون شوہر کا سے افضل ہوا؟ (یہی تو مکر و فریب کے وہ جال ہیں جن سے شیعہ اہل ایمان کا شکار کھیلتے ہیں! از مترجم نعمانی)

6۔ حدیث "لو کشف الخطاء" محض گھڑی ہوئی ہے کیونکہ شیعوں اور سنیوں دونوں کی کتابوں میں مذکور سند کے ساتھ یہ حدیث نہیں ہے، اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ علی ﷛ نے یقین کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور حضرت ابراہیم ﷤ نے اطمینان کی طلب کی ہے اور اطمینان کوئی اور شے ہے اور یقین کچھ اور لہذا اطمینان حاصل ہونے کے بعد یقین میں زیادتی لازم نہیں آتی بلکہ اطمینان تو عیاں سے مشابہ ایک حالت کا نام ہے اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ زیادہ ہونے والی چیز اس چیز کی جنس سے ہونی چاہیے جس پر زیادتی کی گئی ہے۔

7۔ معراج کی رات میں جس طرح حضرت علی ﷛ کا حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے یہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ اس میں اختلاف ہے چنانچہ ابن بابویہ قمی[1] نے کتاب المعراج میں حضرت ابوذر غفاری ﷛ کی ایک طویل حدیث میں یوں بیان کیا ہے کہ آسمان پر فرشتوں نے حضور ﷺ سے یوں کہا "إذا رجعت إلى الأرض فأقرأ على علي منا السلام"[2] (جب آپ زمین پر تشریف لے جائیں تو علی سے ہمارا سلام کہئے) پھر اسی کتاب میں ابن بابویہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ معراج کی رات حضرت علی حضور ﷺ کے ہمراہ نہیں

1۔ محمد بن علي بن الحسين بن موسى بن بابويه القمي، أبو جعفر نزيل الري، قال عنه النجاشي: «شيخنا وفقيهنا ووجه الطائفة بخراسان»، وقال عنه الذهبي: «رأس الإمامية ... صاحب التصانيف السائرة بين الرافضة، يقال له ثلاث مائة مصنف»، مات سنة 381هـ. رجال النجاشي: 2/ 311؛ سير أعلام النبلاء: 16/ 303؛ فهرست الطوسي: ص 93.

2۔ أوردها فرات القمي في تفسيره: ص 372، تأويل الآيات الظاهرة لحسيني: ص 831 وبحار الأنوار لدرر أخبار الأئمة الأطهار، للمجلسي: 17/ 101.

تھے بلکہ زمین پر تھے البتہ حجاب کا پردہ نظر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا جو کچھ حضور ﷺ عالم ملکوت میں مشاہدہ فرما رہے تھے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں زمین سے دیکھ رہے تھے۔[1]

اور صاحب نوادر الاصول نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے اور قطب راوندی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مرفوع روایت نقل کی ہے:

ان عليا كان مع النبي ليلة الاسري و انه راي كلما راي النبي صلي الله عليه وسلم[2]

معراج کی رات جناب علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے جو کچھ نبی ﷺ دیکھتے وہی آپ بھی دیکھتے۔

شیعوں کے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم متناقص ہیں۔

8۔ جارود عبدی کی گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت ولایت علی رضی اللہ عنہ پر ہوئی بلکہ تشیع کے معنی ہی ولایت علی میں مضمر ہیں چنانچہ قاضی نور اللہ شوشتری نے اس کی تصحیح کی ہے ایسی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ابتدائے نبوت سے ہی علی کی ولایت حاصل تھی تو معراج کی رات کو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا تحصیل علم اور پہلے سے موجود چیز کی طلب ہے جو ایک مہمل اور بے معنیٰ عمل ہے۔

9۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈر اور خوف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اطمینان کے متعلق جو اس روایت میں کہا گیا

1۔ وإن اختلف الإمامية في ذلك، ففي رواية نسبها الطوسي لأبي بريدة الأسلمي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: «أتاني جبريل فأسري بي إلى السماء، فقال: أين أخوك؟ قلت: ودعته خلفي، قال: ادع الله أن يأتيك به، فدعوت الله فإذا أنت معي، وكشط لي عن السماوات السبع والأرضين السبع حتى رأيت سكانها وعمارها وموضع كل ملك منها، فلم أر ما هنالك». الأمالي: ص 641. وأخرجها القطب الراوندي في الخرائج والجرائح: 2/ 866.

2۔ لم اجد هذا الالفاظ ولكن ورد هكذا في بحار الانوار نصه: عن أبي عبد الله عليه السلام في قوله تعالى: " وكذلك نري إبراهيم ملكوت السماوات والأرض وليكون من الموقنين " قال: كشط له عن الأرض ومن عليها، وعن السماء وما فيها، والملك الذي يحملها، والعرش ومن عليه، وفعل ذلك برسول الله صلى الله عليه وآله وأمير المؤمنين عليه السلام. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 17/ 146، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

ہے وہ نرا مغالطہ ہے، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ میں نو عمر بچہ ہوں اور پیغمبر کا تابع مجھ سے ان کو کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ اس کے بنا پر مجھے مار ڈالیں اس لئے ان کے ڈرنے کا کوئی سوال تھا ہی نہیں چنانچہ مشرکین مکہ نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا، اس کے علاوہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی تھی اور فرمادیا تھا کہ وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے لہٰذا ان کے اطمینان کا سبب تو پیغمبر پر ایمان تھا، اسی نے ان کے دل کو مطمئن رکھا۔[1]

اس کے علاوہ باہم جنگ و قتال کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی اس کے علاوہ دوسری طرف محبت کے اسباب قرابت و رشتہ داری اور ابو طالب کی ریاست یہ سب چیزیں بدستور قائم اور برقرار تھیں اور اسی کے ساتھ یہ خوف بھی لگا ہوا تھا کہ اگر ان کو کوئی پہنچا تو حمزہ و عباس (رضی اللہ عنہم) اور دوسرے چچا زاد بھائی اس کا بدلہ لینے کو تیار موجود ہیں، ادھر موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں میں سے کوئی بات حاصل نہ تھی بلکہ ان کو یہ گمان غالب تھا کہ یہ لوگ مجھے قبطی کے بدلہ قتل کر ڈالیں گے اور اسی سلسلہ میں رؤسائے قبط کے مشورے اور تدبیریں ایک معتبر ذریعہ سے ان کو بھی معلوم ہو گئی تھیں اور فرعون سے محفوظ رکھنے کا خدائی وعدہ بھی ابھی نہیں ہوا تھا اور جب یہ وعدہ الٰہی "إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ"[2] (میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں) اور "أَنتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ"[3] (تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہیں گے) کے الفاظ میں ان تک پہنچا تو ان کی پوری تسلی ہو گئی اور پھر اس فرعون کے مقابلے کے لئے ڈٹ گئے جس کے دبدبہ اور فوج و لشکر کا حال معلوم ہی ہے کہ کفار قریش کی نسبت تو اس کے سامنے اتنی بھی نہیں جتنی ایک تنکے کی پہاڑ کے سامنے ہوتی ہے اور پھر اسی با سطوت و جبروت بادشاہ کی عین ناک کے نیچے اسی شہر میں چالیس سال تک رہتے بستے رہے، و بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جب (بقول شیعہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے خلافت چھینی تو اس کمزور اور بزدل شخص کا

1۔ روى ابن إسحاق في سيرته أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لعلي بن أبي طالب عندما أوصاه بالنوم في فراشه: «نم على فراشي وتسج ببردي هذا الحضرمي الأخضر فنم فيه فإنه لن يخلص إليك شيء تكرهه منهم». السيرة النبوية: 3/ 8.

2۔ سورة طه، الآية: 46

3۔ سورة القصص، الآية: 35

خوف اور ڈر ان کے دل میں اس قدر بیٹھ گیا کہ امامت سے بھی دست بردار ہو گئے حالانکہ ان کی امامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ تھی اسی خوف اور تقیہ کی وجہ سے بہت سے فرائض اور واجبات کو چھوڑا اور قرآن کی تحریف اور احکام کی تبدیلی گوارا کی اور اس پر راضی رہے۔

اسی طرح جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں (بقول شیعہ) جب ان کی دختر کو چھینا،[1] تو انتہائی خوف اور ڈر کی وجہ سے اس ذلت کو بھی قبول کر لیا حالانکہ یہ سارا خوف و ہراس صرف نقصان پہنچنے کے اندیشہ موہوم پر مبنی تھا، نہ جان جانے کے خطرے پر اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک یہ امر تسلیم کردہ اور طے شدہ امور میں سے ہے کہ ہر امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے مرتا ہے۔[2]

اور اہلسنت کے نزدیک بھی بطریق صحیح یہ ثابت ہے کہ جب ایک دفعہ قصبہ ینبع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیادت کو آئے تو آپ سے کہا کہ یہ آبادی گنوار کسانوں کی ہے اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں اس لئے کہ خدانخواستہ کوئی امر معین وقوع پذیر ہو جائے تو تجہیز و تکفین تو تسلی بخش طریقے سے ہو سکے، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کی حقیقت سے پورے طور پر آگاہ فرما دیا ہے جب تک وہ وقت نہ آجائے ایسی ویسی بات کا مجھے کوئی خطرہ نہیں،[3] اسی طرح متعدد بار آپ نے اپنی شہادت کے متعلق تفصیلات بتائیں بلکہ منقول قول تو یہاں

1۔ عن زرارة، عن أبي عبد الله (عليه السلام) في تزويج أم كلثوم فقال: إن ذلك فرج غصبناه.(الفروع من الكافي، للكليني، 5/ 346، ط: دار الكتب الاسلامية تيراز)

2۔حقيقة علم آل محمد (عليهم السلام) وجهاته آل محمد (عليهم السلام) بين قوسي النزول والصعود ،تأليف العلامة السيد علي عاشور، الخاتمة، علم آل محمد (عليهم السلام) بزمان موتهم الخاتمة في أمور، الامر الأول: علم آل محمد (عليهم السلام) بزمان ومكان موتهم، ص: 159)

3۔ وكان أمير المؤمنين علي (عليه السلام) يعلم بموته وبقاتله على التفصيل- (حقيقة علم آل محمد (عليهم السلام) وجهاته آل محمد (عليهم السلام) بين قوسي النزول والصعود ،تأليف العلامة السيد علي عاشور، الخاتمة، علم آل محمد (عليهم السلام) بزمان موتهم الخاتمة في أمور، ص: 159)

تک ہے کہ آپ نے قاتل کی تعیین بھی فرمادی تھی تو ان معلومات کے ہوتے ہوئے (شیعوں کا بیان کردہ) خوف وہراس کیوں تھا؟

10۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے کہ وہ جاہ وحشمت دنیاوی کے طالب ہوئے ہوں اس لئے کہ یہ عقیدہ رکھنا توان کے دامن نبوت پر دھبہ لگانے کے برابر ہے اور صریحاً ان کی نبوت کے انکار کے مترادف ہے جسے غالباً شیعہ بھی گوارانہ کریں گے اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس دعاوطلب میں وجاہت دنیاوی نہیں بلکہ کوئی صحیح غرض مد نظر ہوگی۔

اس سلسلے میں سید مرتضیٰ کی وہ کتاب قابلِ غور وتوجہ ہے اور تنزیہ الانبیاء والائمہ کے سلسلہ میں شیعوں کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہے اس میں اس نے جو توجیہات بیان کی ہیں، وہ ذرا سمجھنے کی ہیں:

1۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قسم کے ملک کا مطالبہ اس لئے کیا ہو کہ وہ آپ کی نبوت کی دلیل ومعجزہ بن جائے کیونکہ معجزہ وہی ہوتا ہے جس پر کوئی دوسرا قادر نہ ہو جائے۔[1]

2۔ یا ملک کی طلب آپ نے صرف مخلوق خدا میں عدل وانصاف قائم کرنے اور رشد وہدایت پھیلانے کی غرض سے کی ہو کیونکہ یہ مقصد شاہی اقتدار کے تحت آسان طریقے سے حاصل ہوسکتا ہے جوں جوں اقتدار بڑھتا ہے اس مقصد کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

3۔ "لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي"[2] سے مراد صرف ان کی امت ہو گویا درخواست کا یہ مطلب ہوگا کہ اس بادشاہی امتیاز سے وہ بحیثیت نبی اپنی امت سے ممتاز ہو جائیں، اس توجیہ میں صاف خلش ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور اس نص کے ظاہری الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں پھر کوئی توجیہ اس وقت صحیح ہوتی کہ وہ اسی صفت کہ بادشاہت طلب کرتے نہ اصل بادشاہت اس لئے کہ نبی کا امتیاز اپنی امت سے اور دوسری چیزوں سے بھی

1۔ قال فيه: «وهو أن يكون عليه السلام إنما التمس أن يكون ملكه آية لنبوته ليتبين بها عن غيره ممن ليس نبيا».
تنزيه الأنبياء: ص 140.

2۔ سورة ص ،الآية:35

ہو سکتا ہے، بادشاہت ہی کیا ضروری ہے۔

4۔ یا اللہ تعالیٰ نے ان کو باخبر کر دیا ہو گا کہ اس طرح کا ملک ہو جانے کے بعد ہی ان کو دنیا میں صلاح و تقویٰ حاصل ہو گا، نیکیوں، بھلائیوں اور طاعات کی کثرت نصیب ہو گی بخلاف اس کے کہ اگر یہی ملک کسی دوسرے کے ہاتھ آیا تو وہ بجائے اس کے کہ اس کے لئے صلاح و تقویٰ کا سبب بنے توجہ الی الحق اور طاعات و خیرات سے اس کے لئے مانع نہ ہو جائے۔

ان توجیہات کے علاوہ اسی قسم کی اور باتیں بھی اس کتاب میں درج ہیں بہر حال ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کمتری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برتری ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو طلاق دینے کے بعد بھی خلافت کی نہ صرف خواہش کی بلکہ اس کے لئے جدوجہد بھی فرمائی تاآنکہ مسلمانوں میں باہم کشت و خون کی نوبت تک آئی۔

اس طرزِ عمل سے گویا یہ واضح ہو گیا کہ بعض لوگوں کے لئے دنیا سے دست برداری طلب ملک کے مخالف نہیں کیونکہ طلب ملک سے ان کا مقصد حصول جاہ و مال نہیں بلکہ دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا، کفار کی بیخ کنی، حکام شریعت کو رواج دینا، بیت المال کی نگہداشت اور حقداروں پر اس کی تقسیم بھی اس طلب کا مقصد ہو سکتا ہے لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں اس امر میں تو باہم متفق ہیں کہ طلب ملک و خلافت کے وقت دونوں کے دلوں میں یہی نیک ارادے اور نیت صالح تھی اتنا فرق البتہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ بلا امداد و اسباب ظاہری مخلوقات ان کے تابع فرمان اور زیر نگیں ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا "فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ"[1] آپس میں ہوا کو ہم نے ان کے تابع کر دیا" وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ "[2] شیاطین ان کے لئے تعمیر و غوطہ خوری کرتے تھے۔

اور جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسبابِ ظاہری یعنی فوج کشی اور جنگ و قتال کی صورت میں اس قسم کی

1۔ سورۃ ص ،الآیۃ:36

2۔ سورۃ ص ،الآیۃ:37

درخواست کی لیکن ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی صرف اس مصلحت کی وجہ سے کہ ان کی نظر سے اسباب ظاہری کی وقعت و منزلت گر جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خاص بندوں سے کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے اس لئے کہ ان کو ادب ورشد کا سبق دینا ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا سے بالکل قطع تعلق دین محمد ﷺ کا مقصد ہرگز نہیں ہوتا اگر ترک دنیا ہی باعثِ فضیلت ہے تو ہند کے جوگی، کشمیر کے رشی، نصاریٰ کے رہبان، اور چین کے لامے جو دنیا سے اپنا رشتہ بالکل کاٹ چکے ہیں اور عبادت اور خشک خوری کو اپنی عادت بنا چکے ہیں کیا نعوذ باللہ حضرت سلیمان و حضرت یوسف علیہم السلام سے افضل کہلائیں گے۔

11۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے کے سلسلے میں جو بیان ہوا اس کا لب لباب اور خلاصہ دو باتوں پر مبنی ہے:

ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق بد اعتقادی کے مجرموں کو جلا وطن کیا، ان کو سزا دی، جب کہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا! دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باز پرس ہوگی اور وہ اپنا عذر پیش کرنے پر مجبور ہوں گے مگر جناب علی کرم اللہ وجہہ سے نہ باز پرس ہوگی اور نہ وہ عذر و معذرت پر مجبور ہوں گے لیکن ہمیں ان دونوں باتوں پر اشکال و اعتراض ہے اس لئے کہ یہ دونوں باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برتری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ثابت نہیں کرتیں۔

اب دیکھئے سزا دینے نہ دینے کا معاملہ تو ہم کہتے ہیں کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے بڑھ جانے والوں نے تو یہ لغو عقیدہ اور کلماتِ کفر خود جنابِ امیر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں شائع و ذرائع کر دیئے اور عوام و خواص میں پھیلا دیئے تھے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کرنے والوں نے جو کچھ کیا ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد کیا ان حالات کے پیشِ نظر جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے لئے تو سزا دینا ممکن تھا اور اگر یہ قتل ہو جاتا تو فتنہ کی جڑ ہی کٹ جاتی اور پھر کوئی اس کا نام بھی نہ لیتا لیکن چونکہ یہ مقدر نہ تھا اس لئے ایسا نہ ہوا جلا وطنی کے بعد بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ اب محتاط ہو کر ان کو یہ کفر مدائن، عراق اور تبریز میں پھیلانے کا بہتر موقعہ مل گیا۔

اب جواب طلبی کے معاملہ کو لیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باز پرس کا ذکر تو قرآن مجید میں آگیا مگر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس سلسلہ میں کچھ معلوم نہیں اور کسی چیز سے لاعلمی اصل بات یا چیز کے وجود کی نفی کو لازم نہیں، ہاں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی رسول ہوتا یا ان پر وحی اترتی اور اس میں ان سے بازپرس کی نفی ہوتی تو یہ فرق کچھ قابلِ لحاظ ہوتا بلکہ بعض آیات قرآنی کا عموم تو یہ بتاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس بازپرس سے نہ بچیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ[1]

جس دن وہ جمع کرے گا لوگوں کو اور ان کو جس کی وہ خدا کے سوا عبادت کرتے تھے پس ان سے پوچھے گا کہ تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا تھا یا وہ خود ہی بہک گئے تھے۔

اس پر یہ حضرت بھی عذر کریں گے:

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ[2]

وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارے لئے یہ لائق ہی نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو ولی بناتے۔

اور ظاہر ہے اس قسم کی بازپرسی میں کوئی الزامی پہلو نہیں ہے کیونکہ اس بازپرس سے تو ان پرستش کرنے والوں کو ڈانٹنا ڈپٹنا مقصود ہے اور تنبیہ کر کے خود ان کے معبودوں کی زبانی ان کے مذہب وعقیدہ کا کذب ظاہر کرنا ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایسی بازپرس فرشتوں سے بھی ہوگی حالانکہ فرشتے بالاجماع معصوم اور غیر مکلف نہ وہ قابلِ مواخذہ ہیں نہ لائق عتاب! چنانچہ ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ[3]

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا اس وقت فرشتوں سے پوچھے گا کہ یہ لوگ تم کو پوجتے تھے۔

1۔ سورۃ الفرقان، الایۃ:17

2۔ سورۃ الفرقان، الایۃ:18

3۔ سورۃ سبا، الایۃ:40

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باز پرس نہ ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہونا یہ قرین انصاف تو ہے قابل استدلال شاید نہیں اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے اور پیغمبر کا فرمان قطعی دلیل ہوتا ہے اس لئے اس سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر بیان کیا جاسکتا ہے بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ آپ سید الاولیاء تو تھے مگر پیغمبر یا نبی نہ تھے اور ولی کا قول دلیل قطعی بالکل نہیں اور نہ اس سے استدلال کر کے بارگاہ ایزدی میں عذر کیا جاسکتا ہے، اور پھر ایک بات اور بھی ہے کہ امت کی اچھائی اور برائی پر پیغمبر کی شہادت ضروری ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا[1]

یوم بعثت میں ہم ہر امت پر ایک گروہ اٹھائیں گے اور ان سب پر آپ سے گواہی لیں گے۔

اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں مگر امت پر ولی کی شہادت ضروری نہیں لہٰذا معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کی واضح دلیل ہے۔

12۔ روایت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ محض لچر اور تاریخی اعتبار سے سراسر بے اصل و بنیاد ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش میں بڑا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں فلسطین میں ہوئی تو بعض دوسرے مصر میں مانتے ہیں اور بعض دمشق (شام) میں مگر مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت بیت اللحم میں ہوئی مگر یہ بات کسی مؤرخ نے لکھی نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بیت المقدس میں دردزہ لاحق ہوا اور اگر یہ صورت تسلیم کر لی جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ ان کو بیت المقدس سے نکالا گیا قرآنی عبارت تو صاف یہ بتاتی ہے کہ ان کو دردزہ کی وجہ سے سخت بے چینی لاحق تھی انہوں نے چاہا کہ کسی چیز سے پیٹھ لگا کر سہارا لیں چنانچہ ویرانے کی طرف نکل کھڑی ہوئیں۔

چونکہ بچہ بے باپ کا نفخ ملک (فرشتہ) سے تھا اس لئے وہ شرماتی بھی تھیں اسی لئے کسی سے مدد بھی نہ لینا چاہتی ہوں گی، لامحالہ اس وقت جنگل ہی ان کے حال کے مطابق تھا وہاں جا کر ایک کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں جنگل کا ماحول، ولادت کے عمل سے ناواقفیت تنہائی اور دردزہ اس لئے بے ساختہ موت کی دعائیوں پر آ گئیں:

1۔ سورۃ النحل، الآیۃ:89

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا[1]

دردزہ ان کو ایک کھجور کے تنے کے طرف لایا (اس وقت) انہوں نے کہا کاش میں اس سے قبل ہی مر کر بھولی بسری ہو جاتی۔

فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے متعلق جو یہ کہا گیا کہ ان کو وحی ہوئی کہ خانہ کعبہ میں جاکر وضع حمل کریں درحقیقت ایک بے لطف جھوٹ ہے،[2] کیونکہ اسلامی یا غیر اسلامی کسی فرقہ کے نزدیک بھی وہ نبی نہیں تھیں پھر حجاج نے اس کو کس بناء پر تسلیم کرلیا یہ قابل تعجب بات ہے۔

مشہور روایت میں آیا ہے کہ ایام جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ رجب کی پندرہ تاریخ کو کعبہ کا دروازہ کھولتے اور اس مبارک گھر کی زیارت کے لئے اندر داخل ہوتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی چونکہ اسی دن ہوئی تھی اس لئے اس کو یوم الاستفتاح یا روز مریم کہتے ہیں، بزرگوں نے اس دن کے کچھ اوراد و وظائف بھی مقرر کئے ہیں، رسم یہ تھی کہ اس دن سے ایک دو روز پہلے عورتیں کعبہ کی زیارت کرتیں، اتفاقاً عورتوں کے لئے مخصوص انہی دنوں میں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے بھی زیارت کا ارادہ کیا گو ان کی مدت گزر چکی تھی مگر یہ دن چونکہ سال میں ایک ہی مرتبہ آتا تھا اس لئے باوجود ایسے دنوں میں حرکت دشواری اور باعث تکلیف ہوتی ہے

1۔ سورۃ مریم ،الآیۃ:23

2۔ کعبہ کے اندر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کی پیدائش بھی بیت اللہ کے اندر ہوئی تھی، لیکن اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے: الثاني: قال الزبير بن بكار: كان مولد حكيم في جوف الكعبة ،قال شيخ الإسلام: ولا يعرف ذلك لغيره، وما وقع في مستدرك الحاكم من أن عليا ولد فيها ضعيف." (تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي،النوع الستون:التاريخ والوفيات، الثالث في وفيات أصحاب المذاهب المتبوعة، ج:2، ص:880، ط:دارالكتب العلمية) اور اسی طرح کا اختلاف شرح نہج البلاغہ میں بھی لکھا ہوا ہے: واختلف في مولد علي (رضي الله عنه) أين كان؟ فكثير من الشيعة يزعمون أنه ولد في الكعبة، والمحدثون لا يعترفون بذلك، ويزعمون أن المولود في الكعبة حكيم بن حزام بن خويلد بن أسد بن عبد العزي بن قصي. "(القول في نسب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب وذكر لمع بسيرة من فضائله، ج:1، ص:14، ط:دارالجيل)

مگر انہوں نے تکلیف برداشت کر کے اپنے کو کعبہ کے دروازے تک پہنچایا اس زمانہ میں باب کعبہ قد آدم سے اونچا تھا اور سیڑھی وغیرہ بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے عورتوں کو ان کے مرد بدقت تمام اوپر چڑھاتے تھے، چنانچہ اسی اٹھانے بٹھانے کے سبب درد میں اضافہ ہوگیا، فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ تھوڑی دیر میں یہ تکلیف جاتی رہے گی میں اس کی وجہ سے زیارتِ کعبہ سے کیوں محروم رہوں وہ جیسے ہی دروازہ میں داخل ہوئیں داو نے شدت اختیار کرلی اور حضرت علی رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوگئی۔[1]

شیعوں کی روایت میں یہ واقعہ دوسرے انداز سے بیان ہوا ہے کہ مدت حمل گزر جانے اور درد کی شدت میں اضافہ کے سبب جناب ابو طالب مایوس ہو کر شفا طلبی کے لئے ان کو کعبہ میں لے گئے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور جلد ولادت ہوگئی، کتب شیعہ میں یہ روایت جناب امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

اخبرتني زبدة بنت عجلان الساعدية عن أم عمارة بنت عبادة بن فضلة بن مالك بن العجلان الساعدي، انها كانت ذات يوم في نساء من العرب إذ أقبل أبو طالب كئيبا حزينا، فقلت: ما شأنك؟قال: ان فاطمة بنت أسد في شدة من المخاض وأخذ بيدها وجاء بها إلى الكعبة وقال: اجلسي على اسم الله، فطلقت طلقة واحدة فولدت غلاما مسرورا نظيفا فسماه عليا[2]

انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو زبدۃ بنت عجلان الساعدیہ نے خبر دی اور انہوں نے روایت کی ام عمارہ بنت عباد الساعدیہ سے، انہوں نے کہا میں ایک روز مستورات عرب کے ساتھ بیٹھی ہوئی کہ اچانک ابو طالب فکر مند سے وہاں آئے میں نے ان سے خیریت اور حال پوچھا تو کہنے لگے فاطمہ بنت اسد دردزہ کی تکلیف میں مبتلا ہے مگر ولادت نہیں ہو رہی پھر انہوں نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑا

1۔لم اجد هذه القصة في كتب اهل السنة ولكن قال الاربلي هذه القصة خبر من مناقب ابن المغازلي الفقيه المالكي۔ (كشف الغمة في معرفة الأئمة، 1/ 60، ط: دار الأضواء بيروت لبنان)

2۔كشف الغمة في معرفة الأئمة، 1/ 60، ط: دار الأضواء بيروت لبنان۔

اور کعبہ تک لائے اور اندر لے گئے اور کہا اللہ کا نام لے کر بیٹھ جاوہ بیٹھ گئیں تو درد شدت اور بڑھ گئی اور بالآخر ایک بچہ جنم دیا جس کا نام ابو طالب نے علی رضی اللہ عنہ رکھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کعبہ میں پیدا ہونے ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ پر برتری حاصل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کو افضل ہونا چاہیے حالانکہ ایسی بات نہ سنی سوچ سکتے ہیں اور شیعہ اس کے قائل ہیں، اور پھر تاریخ کی معتبر کتابیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ ام خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد بھی کعبہ میں پیدا ہوئے سو شیعہ منطق کی روسے ان کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نہیں تمام انبیاء سے افضل ہونا چاہیے حالانکہ ایسے سوچ وعقیدہ اور قول کی شناخت ظاہر ہے۔

دھوکہ نمبر 88: شریعتیں چھ ہوئیں اور ہر نبی کے بارہ وصی ہوئے

شیعہ توریت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شریعتیں صرف چھ ہیں گزری ہیں اور ہر نبی کے بارہ وصی ہوئے ہیں:

1۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت

2۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت

3۔ حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت

5۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت

6۔ حضور اکرم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت

ملا حیدر آملی (شیعہ) نے محیط اعظم (نامی کتاب) میں ان کے نام تفصیلاً درج کیے ہیں مگر نہ ان کے الفاظ و معنی کے بارے میں صحیح علم ہے نہ ان کے صحیح تلفظ سے کوئی واقف اور مزے کی بات یہ کہ خود توریت میں اس نقل کا کوئی نام ونشان نہیں لہٰذا اس کے جھوٹ ہونے میں کیا شبہ ہے۔[1]

1۔ هامش عيون أخبار الرضا عليه السلام: قد ورد أسماء النبي والأئمة الاثني عشر، صلوات الله عليهم في التورية بلسان العبرانية.وقد نقل عنها بهذه العبارة: ميذميذ: (محمد المصطفى) إيليا: (علي المرتضى) قيذور: (الحسن المجتبى) إيربيل: (الحسين الشهيد (مشقور:(زين العابدين) مسهور: (محمد الباقر) مشموط: (جعفر الصادق (

اور دلیل عقلی سے بھی اس کا افترا ہونا معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام تمام روئے زمین کے لیے مبعوث نہیں ہوتے تھے اس لیے شرائع کو خاص تعداد مثلاً (چھ) میں محدود کرنے کا کیا مطلب؟

دوسری بات یہ کہ اس وقت سلسلہ ختم نبوت نہیں ہوا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت ادریس پھر حضرت ابراہیم و اسحاق علیہم السلام ان کے بعد حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت یوشع علیہم السلام نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے اور دین کی برقراری خود ان انبیاء کرام کی ذوات مبارکہ سے تھی تو ان کے ساتھ اوصیاء کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اگر یہ سب کچھ مان بھی لیا جائے تو تورات کے حوالہ سے بارہ کے عدد کے سوا اور کیا فائدہ حاصل ہوا اور اس میں یہ احتمال ہے کہ ان بارہ میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بحیثیت اوصیاء شامل و داخل ہوں اور حقیقت میں وہ وصی ہونے کے لائق اور حقدار بھی ہیں، کیونکہ جہاد کرنا، شہروں کو فتح کرنا، کفر کو ملیامیٹ کرنا، مسجدوں اور ممبروں کی تعمیر کرنا، شریعت کو مکمل طریقے سے نافذ و رائج کرنا انہی بزرگوں کے مبارک ہاتھوں سے بھلائی کہ یہ سارے کام انجام پزیر ہوئے بخلاف ائمہ کے کہ شیعوں کے صدقے میں انہوں نے ساری زندگی خاموشی، عزلت اور گوشہ نشینی میں گزار تھی (اور وصیوں والا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا)

دھوکہ نمبر 89: اہلسنت خدا کو دیکھنے کے قائل ہیں

الزام لگاتے ہیں کہ اہلسنت ظاہر الثبوت چیزوں کا بھی انکار کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے قائل ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بالوضاحت باطل اور محال ہے کیونکہ کسی چیزوں کو دیکھنا چند باتوں کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ نہ پائی جائیں تو دیکھنا متحقق نہیں ہو سکتا، مثلاً:

1۔ دکھنے والی چیز دیکھنے والے کے مقابل یا مقابل کے حکم (جیسے آئینہ میں صورت دیکھنا) میں ہو۔

ذومرا: (موسى الكاظم) هذاذ: (علي بن موسى الرضا) تيمورا: (محمد التقى) نسطور: (علي النقي) نوقش: (الحسن العسكري) قديمونيا: (محمد بن الحسن) صاحب الزمان روحي وأرواح العالمين له الفداء. (هامش عيون أخبار الرضا عليه السلام: 2/ 248، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان. و موسوعة الإمام الجواد عليه السلام، 1/ 174، ط: مؤسسة النشر للاستانة الرضوية المقدسة قم)

2۔ بالکل قریب نہ ہو۔

3۔ (حد نظر سے) بہت دور بھی نہ ہو۔

4۔ درمیان میں کوئی آڑ حائل نہ ہو۔

5۔ اندھیرے اور تاریکی میں نہ ہو بلکہ اس تک روشنی پہنچ رہی ہو۔

6۔ حد درجہ لطیف بھی نہ ہو کچھ نہ کچھ کثافت بھی ہو جیسے ہوا کے لطافت کے سبب ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

7۔ دیکھنے والے کی نظر بھی سالم ہو اندھے پن، رتوندے یا اسی قسم کے امراض چشم لاحق نہ ہوں۔

8۔ دیکھنے والے کا دیکھنے کا ارادہ بھی ہو، اور ظاہر ہے یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں مقصود نہیں۔

اس سلسلے میں اہلسنت کا یہ جواب ہے کہ بطور عادت دیکھنے کے لیے در حقیقت یہی صورت ہیں کہ ان کے بغیر عام طور سے کسی چیز کا دیکھنا ممکن نہیں لیکن بعض خاص حالات میں ان کے بغیر بھی دیکھا جا سکتا ہے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ عقل بھی ان شرطوں پہ بغیر کسی چیز کو دیکھنے کو جائز نہیں رکھتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بھی عام جاہلوں کی طرح عادیات اور اولیات میں فرق و تمیز نہیں کرتے، عالم اور محقق ایسی غلطی نہیں کر سکتا، ہندوستان میں اکر اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ برف کے بطور بارش گرنے کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے کہ وہ خلاف عادت ہے وہ انکار کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پتھر کے مانند ٹھوس اور جمی ہوئی چیز کے تودے کے تودے زمین و آسمان کے درمیان معلق اور لٹکے ہوئے ہوں اور پھر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر برسیں، اور یہ بھی نہیں مانتے کہ موسم بہار میں چاول کی فصل اسی سے ہوتی ہے حالانکہ سرد ممالک میں یہ بات عام اور مشہور ہے۔

خط استوا میں آٹھ فصلیں ہوتی ہیں اس کو بھی ہندو جاہل نہیں مانتے اور محالات میں شمار کرتے ہیں، اسی طرح ہر ملک کے جاہل اپنے ملک کے مقررہ موسم کے خلاف میوہ جات کی پیداوار کو میں بھی محالات میں شمار کرتے ہیں، اگر بالفرض کسی شخص کی عادت طلوع آفتاب سے سونے اور غروب آفتاب کے بعد جاگنے کی ہو تو وہ ان چیزوں کے علاوہ جو مشعل، چراغ یا موم بتی کی روشنی یا چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتی ہے، ان کی روشنی میں دکھنے والی چیزوں کا کبھی قائل نہ ہو گا کیونکہ وہ دن کی حقیقت ناآشنا اور شعاع آفتاب کی کیفیت سے نابلد ہے وہ نہیں جانتا کہ آفتاب کی شعاع کو اس کی معلوم شدہ شعاعوں سے کیا نسبت ہے وہ کیا جانے کہ آفتاب کی روشنی

ہیں وہ جس چیز کو میل بھرے دیکھ سکتا ہے مشعل اور چراغ کی روشنی میں چند گز کی مسافت سے نہیں دیکھ سکتا اور دکھنے والی چیزوں کی دوسری باریکیاں اور مسامات جس طرح سورج کی روشنی میں دیکھے جاسکتے ہیں دوسری شعاعوں میں ان کو دیکھنا غیر ممکن ہے۔

جب عالم دنیا کے دن رات اور ملکوں اور شہروں کے اختلافات کا یہ حال ہو تو دوسرے عالم کے اختلاف کو کیوں کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے جس کا زمانہ دوسرا، جس کا مکان جدا، اور جس کے دن (یوم آخرت) کو شعاع "وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا"[1] روشن کرے گی، اور جو "تُبْلَى السَّرَائِرُ"[2] اور "يَوْمُ الْفَصْلِ"[3] کا مصداق ہے اس دن کے مقابلے میں تو عالم دنیا کے دن اندھیری کوٹھریوں کی طرح معلوم ہوں گے وہ تو دن اپنے رب کے نور سے منور اور روشن ہو گا اس دن نہ دکھنے والی اشیاء مثلاً پوشیدہ و چھپے ہوئے اخلاق و اعمال بھی دکھائی دیں گے، روح حیوانی میں صرف عالم بدل جانے سے وہ فراخی اور کشادگی پیدا ہو جائے گی اور اس کے تمام حواس دنیاوی حواس کے مقابلے میں ہزاروں گنا برتر اور حساس ہوں گے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ[4]

دار آخرت ہی حیات زندگی ہے، کاش یہ اس کو جانتے ہوتے۔

اور فرمایا:

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا[5]

جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو خوب دیکھتے اور خوب سننے والے ہوں گے

1۔ سورۃ الزمر ،الایۃ:69

2۔ سورۃ الطارق ،الایۃ:9

3۔ سورۃ الصافات ،الایۃ:21

4۔ سورۃ العنکبوت ،الایۃ:64

5۔ سورۃ مریم ،الایۃ:38

پھر فرمایا:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ[1]

پھر ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا بس اسی دن تیری نگاہ تیز ہو گی۔

اب اس بارے میں کہ دیکھنے کے لیے مذکورہ عقلی شرطیں ضروری نہیں دلیل سنئے ہزار سے زائد قرآنی آیات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالی سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے اور خود شیعہ بھی اللہ تعالی کو دیکھنے اور سننے والا مانتے اور کہتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالی میں یہ شرائط ناپید ہیں اور دیکھنے والی آنکھ کی پتلی میں دکھنے والی چیز کی صورت کا چھپنا اور اس سے شعاعوں کا نکلنا اللہ تعالی کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ فلاسفہ جو عادات کے پھندے میں گرفتار اور عقلیات کی بیڑی میں جکڑے ہوئے ہیں دیدار کے لیے ان شرطوں کی ضروری نہیں سمجھتے۔

ثابت قرہ حرانی[2] نے جہاں روحانی اشیاء کو دیکھنے یا ان سے گفتگو و ملاقات کو جائز بتایا ہے وہیں وہ کہتا ہے کہ زحل کی روح کو میرے ساتھ خاص وابستگی اور تعلق تھا وہ میرے دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کرتی تھی ایک دن یہ سانحہ پیش آیا کے خلیفہ وقت موثق باللہ سے کسی نے میری چغلی کھائی کہ تمہارے لڑکے معتضد کو بہکاتا اور برے افعال پر ابھارتا اور ان کا باعث بنتا ہے، خلیفہ اس حاسدانہ چغلی پر بہت برہم ہوا اور میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ادھر مجھے کچھ خبر نہ تھی میں بے خبر اپنے گھر میں سویا ہوا تھا یک بیک وہ روحانیت میرے پاس آئی اور مجھے جگا کر صورت حال سے آگاہ کر کے بھاگ جانے کی ہدایت کی، میں حواس باختہ گھر سے نکلا اور ایک دوست کے گھر جا چھپا ادھر خلیفہ نے ایک جماعت میری گرفتاری کے لیے بھیجی انہوں نے گھر میں مجھے تلاش

1۔ سورة ق،الاية:22

2۔ ثابت بن قرة (221 – 288 هـ = 836 – 901 م) ثابت بن قرة بن زهرون الحراني الصابي، أبو الحسن: طبيب حاسب فيلسوف. ولد ونشأ بحران (بين دجلة والفرات (وحدثت له مع أهل مذهبه (الصابئة) أشياء أنكروها عليه في المذهب، فحرم عليه رئيسهم دخول الهيكل، فخرج من حران، وقصد بغداد، فاشتغل بالفلسفة والطب فبرع، واتصل بالمعتضد (الخليفة العباسي) فكانت له عنده منزلة رفيعة. (الأعلام للزركلي، 2/ 98، ط: مايو 1980ء)

کیونکہ پڑوسی پر بھی سختی کی مگر میرا سراغ نہ ملا میرا لڑکا مستان بھی گھڑی میں رہ گیا تھا میرے ساتھ نہ آسکا حالانکہ وہ انسیں کے ساتھ چل پھر رہا تھا مگر وہ اس کو نہ دیکھ سکے، دوسرے دن وہ روحانیت میرے پاس آئی اور سارا قصہ مجھے بتایا میں نے اس سے کہا کہ پھر مجھے بھی میرے لڑکے کی طرح کیوں نہ کر دیا کہ میں گھڑی میں رہتا اور دوست کا احسان مند نہ ہوتا وہ کہنے لگی کہ تیرا زائچہ مریخ کے مقابلہ میں تھا اس لیے تجھ پر میری پوری توجہ نہ تھی اور تیرے بیٹے کا زائچہ نحوست سے محفوظ تھا اس لیے اس پر میری پوری توجہ تھی۔[1]

ثابت قرہ مذکور نے بھی یہ بھی لکھا ہے کہ فلاسفہ قدیم نے ایک سرمہ تیار کیا تھا جو اس قدر مقوی بصر تھا کہ اس کے لگانے سے دن کے وقت تارے نظر آجاتے تھے اور وہ دور کی چیز ایسی نظر آتی تھی جیسے آنکھوں کے سامنے قریب ہی ہو میں نے وہ سرمہ بابل کے ایک شخص کے بطور تجربہ لگایا وہ شخص کہنے لگا کے ثوابت وسیارے اپنی اپنی جگہ مجھے صاف نظر آرہے ہیں، میری نظر کثیف اور ٹھوس چیزوں سے بھی گزر رہی ہے اور میں ان کے پیچھے کی چیزوں کو بھی صاف دیکھ رہا ہوں، چنانچہ میں اور قسطا بن لوقا بعلبکی بطور امتحان ایک گھر کے اندر گئے اور اس شخص کو باہر کھڑا کر دیا ہے گھر کے اندر ہم نے ایک کتاب لکھنی شروع کی وہ شخص باہر کھڑا ہوا ہم کو کتاب کی عبارت پڑھ کر لفظ بلفظ سنانے لگا وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ پہلی سطر اس عبارت سے شروع ہوتی ہے اور دوسری ان الفاظ سے پھر ہم نے ایک کاغذ لیا اور اس پر کچھ لکھنے لگے اس شخص نے بھی ایک کاغذ لیا اور ہمارے لکھے کی ساتھ ساتھ نقل کرنے لگا پھر ہم نے اپنے لکھے ہوئے سے اس کی تحریر ملائی تو لفظ بلفظ صحیح تھی، ایک مرتبہ قسطا نے اس شخص سے اپنے بھائی کا حال دریافت کیا جو بعلبک میں تھا اس نے نظر ڈالی اور کہا وہ بیمار ہے اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا طالع برج ہے، ثور تو تیسرا درجہ ہے چنانچہ تفتیش و تحقیق سے پتہ چلا کہ اس نے جو بتایا صحیح تھا۔[2]

خلاصہ کلام بتایا تھا یہ کہ جو شخص عالم دنیا اور عالم آخرت کے فرق اختلاف کو جانتا و مانتا ہے اور اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ان تمام امور کو بعید از عقل نہیں مانتا جن کا وعدہ اللہ تعالی نے جنت یا دوزخ

1۔ عيون الانباء في طبقات الاطباء، الباب التاسع: طبقات الأطباء الذين ظهروا في بلاد الشام وغيرها ، ص:295، ط: دار الثقافة، بيروت

2۔ المرجع السابق

میں کیا ہے اور اس میں تو اہل اسلام ہی نہیں ہر سہ مذہب کا بھی اتفاق ہے کہ آخرت میں مومن و کافر کو فرشتے، حوریں اور غلمان دکھائی دیں گے، اسی طرح بہشتی اپنے ملکیتی رتبہ کو ایسے دیکھے گا جیسے ابتدائی حصے کو دیکھتا ہو گا حالانکہ دونوں کناروں کے بین بڑی طویل طویل مسافت اور بُعد ہو گا چنانچہ ابن بابویہ قمی کی روایت مذکورہ کتاب المعراج کا وہ حصہ اس کی تائید کرتا ہے جس میں اس نے بتایا تھا یہ جناب امیر رضی اللہ عنہ زمین پر وہی کچھ دیکھ رہے تھے جو حضور ﷺ آسمان پر ملاحظہ فرما رہے تھے۔

اس کے علاوہ ابن بابویہ نے کتاب الروضہ میں متعدد صحیح طرق سند سے اور ابو جعفر طوسی نے (کتاب) امالی میں روایات بیان کی ہیں کہ ہر مومن جناب پیغمبر علیہ السلام و جناب علی و حسین رضی اللہ عنہما کی آرام گاہوں کو دیکھتا ہے۔[1]

اور روانڈی نے بھی روایت کی ہے جب خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مدت حمل پوری ہو کر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا، حضرت سارہ، حضرت مریم، حضرت آسیہ علیہم السلام کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کی خدمت کریں جیسا کہ ایک زندہ عورت کی زندہ عورتیں خدمت کرتی ہیں حضرت خدیجہ ان کو دیکھتی تھیں ان سے ہم کلام ہوتیں۔[2]

صفار نے کتاب البصائر میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک ملا اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے ابو جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو اور ان کے رفقاء کو علیحدہ علیحدہ حبشہ کے دریا میں کشتی کے واپسی سفر میں دیکھ لیا۔[3]

1۔ یؤید ذلك ما رواه ابن بابویه عن الصادق علیه السلام أنه قال: ما من مؤمن یموت إلا ویحضره محمد وعلي فإذا رآهما استبشر۔(مشارق أنوار الیقین في أسرار أمیر المؤمنین، ص:219، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بیروت لبنان)

2۔ حضور حواء وآسیة وکلثوم ومریم عند ولادة فاطمة رواه جماعة من أعلام القوم۔(إحقاق الحق وإزهاق الباطل، للمرعشي التستري، 10/ 13)

3۔ عن أبي جعفر علیه السلام قال لما کان رسول الله صلی الله علیه وآله في الغار و معه أبو الفصیل قال رسول الله صلی الله علیه وآله اني لأنظر الان إلی جعفر وأصحابه الساعة تغوم بینهم سفینتهم في البحر واني لأنظر إلی رهط

اور شیخ الطائفہ محمد بن النعمان نے کتاب المقالات میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ مذکورہ روایات اور تحریر کردہ آثار و اخبار شیعوں کے نزدیک تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے جب اہلسنت رویت خالق و مخلوق میں کوئی تمیز و فرق نہ کریں اور دونوں رویتوں کو متحد الماہیت مانیں لیکن اگر گفتگو اور کلام کی بنیاد محققین اہلسنت کے مذہب پر رکھیں جو یہ ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کا دیکھنا اور ہے اور خالق کا دیکھنا جدا کہ اس کی رویت دنیا میں ایک دو بار سے زیادہ وقوع پذیر نہیں ہوئی اور وہ بھی صرف پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو تو اس صورت میں اشکال و اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بالکل ظاہر الثبوت چیز ہے، کہ ایک قسم کا مشروط ہونا بعض شرطوں کے ساتھ یہ لازم نہیں کرتا کہ دوسری قسم بھی انہیں شرطوں کے ساتھ مشروط ہو۔

دھوکہ نمبر 90: عذاب قبر صرف سنیوں کو ہوگا

یہ کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب اہلسنت اور دوسرے اسلامی فرقوں کے لیے مخصوص ہے لیکن امامیہ کیسے ہی فاسق و فاجر عاصی و خاطی کیوں نہ ہوں ان کے لیے عالم قبر میں سوائے لذت و نعمت کے دکھ کا کوئی سوال ہی نہیں۔[1]

ان کا یہ اعتقاد بے اصل اور لغو ہے کیونکہ خود شیعوں کی کتابوں میں صاف و صریح روایتیں اور آثار مروی ہیں جو ہر عاصی اور گناہ گار مسلمان کے حق میں ہیں بالخصوص شیعوں کے حق میں چنانچہ ابن بابویہ قمی عمران بن زید سے ان الفاظ میں روایت کرتا ہے:

قلت لأبي عبد الله (عليه السلام): إني سمعتك وأنت تقول: كل شيعتنا في الجنة على ما كان فيهم؟ قال: صدقتك كلهم والله في الجنة، قال: قلت: جعلت فداك إن

من الأنصار في مجالسهم مخبتين بأفنيتهم- (بصائر الدرجات الكبرى في فضائل آل محمد، للصفار، ص : 442، ط: مؤسسة الأعلمي طهران)

1 ۔ روى المجلسي في بحار الانوار : لا أعذب من والاه وإن عصاني (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 39 / 259، ط: مؤسسة الوفاء بيروت)

الذنوب كثيرة كبار؟ فقال: أما في القيامة فكلكم في الجنة بشفاعة النبي المطاع أو وصي النبي ولكني والله أتخوف عليكم في البرزخ. قلت: وما البرزخ ؟ قال :القبر منذ حين موته إلى يوم القيامة.[1]

کہا میں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے شیعہ جنت میں ہیں خواہ وہ کسی بھی حال میں ہوں فرمایا واللہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ سب جنت میں ہیں، میں نے کہا آپ پر فدا، چھوٹے بڑے گناہ کی تو کثرت ہے فرمایا وہ گناہ تو نبی اور ان کے وصی کی شفاعت سے معاف ہو جائیں گے اور وہ سب جنت میں ہیں لیکن واللہ میں برزخ میں تمہارے بارے میں خوفزدہ اور فکر مند ہوں میں نے کہا برزخ کیا؟ فرمایا قبر کا عرصہ موت سے قیامت تک۔

دھوکہ نمبر 91: سنی اہلبیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت اہل بیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں اور دشمنوں کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے، کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ دشمن تین قسم کے ہوتے ہیں، اپنا دشمن، اپنے دوست کا دشمن، اپنے دشمنوں کا دوست، اسی طرح دوست بھی تین قسم کے ہوتے ہیں اپنا دوست، اپنے دوست کا دوست، اپنے دشمن کا دوست۔

بس لا محالہ اہلسنت بھی اہل بیت کے دشمن ہوئے اور یہ کلام اس قاعدہ پر مبنی ہے جو اہل شرع و اہل عقل کا مقرر کردہ اور ثابت کردہ ہے کسی سے محبت رکھنے والا اس کے حبیب اور محبوب دونوں سے محبت رکھتا ہے اور اس کے دشمن کا دشمن یا جس کا وہ دشمن ہوتا ہے اس کا یہ بھی دشمن ہوتا ہے اسی طرح سے دشمنی رکھنے والا محبت رکھتا ہے اس کے دشمن سے اور اس سے جس کا وہ دشمن ہے اور دشمنی رکھتا ہے اس کے حبیب و محبوب سے لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دوست عام ہے دوست رکھنے والے اور دوست رکھے ہوئے سے اور دشمن عام ہے دشمن رکھنے والے اور دشمن رکھے ہوئے سے۔

اہلسنت کی طرف سے طعن کا جواب تو بطریق جدل ہے کہ اہلسنت خوارج و نواصب کے دشمن ہیں اور

1۔ الفروع الکافی، 3/242، ط: دار الکتب الاسلامیة تیراز

وہ اہل بیت کے دشمن ہیں لہذا اہلسنت جب اہل بیت کے دشمن کے دشمن ہوئے تو اہل بیت کے دوست ہوئے، اور شیعہ خوارج نواصب کے دشمن ہیں اور وہ پیغمبر علیہ السلام کے دوست ہیں تو گویا شیعہ پیغمبر علیہ السلام کے دوست کے دشمن ہوئے اور دوست کا دشمن دشمن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ شیعہ پیغمبر علیہ السلام کے دشمن ہیں اس ضمن میں اسی قسم کی اور باتیں بھی کہی جاسکتی ہیں (جن سے شیعوں کی پیغمبر دشمنی ثابت ہوتی ہو)

دوسرے یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی جب براہ راست ہو تو بالواسطہ دوستی اور دشمنی کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح تمام نسبتوں اور تعلقات میں بھی یہی اصول کار فرما ہے کہ بالواسطہ یابلاواسطہ کے مقابلے میں قابل لحاظ نہیں، مثلاً ایک شخص کسی کا سگا بھائی ہے اور اس کے دشمن کا ہم زلف بھی تو یہ اپنے بھائی کا دشمن شمار نہیں ہو گا ایسے ہی اگر ایک شخص کا نوکر اس کے دشمن کے نوکر کا بھائی ہے اور اس نوکر کو اس شخص کے دشمن کا نوکر نہیں کہیں گے یہی حال باقی نسبتوں کا سمجھ لو، پس اب جب اہل سنت بلاواسطہ اہل بیت کے دوست ہوئے تو اسی بلا واسطہ دوستی کا اعتبار ہوگا اور وہ دشمنی جو ان کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنے والوں سے بالواسطہ لازم آتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حاصل گفتگو یہ نکلا کہ بالواسطہ اوصاف کا لحاظ اسی وقت ہے جب بلاواسطہ اوصاف نہ ہوں کیونکہ بلا واسطہ صاف قوی تر اور اولیٰ تر ہیں اور قوی تر کی موجودگی کے وقت کمزور علاقہ کا اعتبار خلاف عقل ہے۔

تیسرے یہ کہ تحقیق یہ ہے کہ نفس دوستی و دشمنی کا اعتبار صفات وحیثیات کے لحاظ کے بغیر خلاف عقل ہے بلکہ دوستی اور دشمنی کی غرض وغایات صفات وحیثیات ہی ہیں، پس اگر کوئی شخص کسی کو خاص وصف وحیثیت کی وجہ سے دوست رکھتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام حیثیت سے اس کو دوست رکھتا ہے اور دوستی اور دشمنی بالواسطہ کی تبدیلی اس وقت ہوتی ہے کہ ایک ہی حیثیت سے اس کو دوست بھی رکھتا ہے اور دشمن بھی، پس اہلسنت اہل بیت کے دشمنوں کو اس حیثیت سے دوست نہیں رکھتے کہ وہ اہل بیت کے دشمن ہیں لہذا یہ الزام ان پر آتا ہی نہیں۔

چوتھے یہ بھی تحقیق شدہ امر ہے کہ اہلسنت ان کو دوست رکھتے ہیں جن کو وہ اپنے اعتقاد میں اہل بیت کا دشمن نہیں سمجھتے بلکہ ان کے دوست اور اعتقاد میں موافق خیال کرتے ہیں اور ان کی روایتوں میں بتواتر یہ ثابت ہے کہ وہ ہمیشہ اہل بیت کے مداح اور ثناخواں رہے، اور ان کے دین وشریعت کے مددگار معاون، بیخ

وقتہ نمازوں اور خطبوں اور دوسری دعاؤں میں ان پر درود بھیجتے رہے البتہ شیعوں نے اپنے گمان میں ان حضرات کو مخالف اور دشمن اہل بیت قرار دیا ہے تو شیعوں کے اس گمان سے وہ واقعہ میں اہل بیت کے دشمن نہیں ہو جاتے پھر اہلسنت اہل بیت کے دشمن کو کس طرح دوست رکھ سکتے ہیں جبکہ خود ان کی کتابوں میں اس مضمون کو صحیح روایات موجود ہیں کہ:

ترجمہ: جو شخص آل محمد سے بغض رکھنے کی حالت میں مر جائے تو اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[1]

اور طبرانی میں یہ روایت ہے:

من أبغض أهل البيت فهو منافق[2]

اہل بیت سے بغض رکھنے والا منافق ہے۔

لا يبغضنا ولا يحسدنا أحد إلا ذيد عن الحوض يوم القيامة بسياط من نار.[3]

ہم میں سے جو کوئی بھی اہل بیت سے حسد و بغض رکھے گا وہ قیامت کے دن حوض کوثر سے آگ کے کوڑے مار کر بھگا دیا جائے گا۔

اسی طرح ترمذی نے نوادر اصول فی اخبار الرسول میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

معرفة آل محمد براءة من النار، وحب آل محمد جواز على صراط،

1۔ عن الباقر (عليه السلام) قال: احب حبيب آل محمد (صلى الله عليه وآله) وإن كان فاسقا زانيا، وابغض مبغض آل محمد (صلى الله عليه وآله) وإن كان صواما قواما.(وسائل الشيعة إلى تحصيل الشريعة، 16/ 169، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

2۔ روي الامام احمد في فضائل الصحابة لفظه : عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أبغضنا أهل البيت فهو منافق- (فضائل الصحابة، 2/ 661، رقم : 1126، ط: مؤسسة الرسالة بيروت)

3۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،9/ 172، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان

والولاية لآل محمد أمان من العذاب.[1]

آل محمد کی معرفت آگ سے برأت ہے اور آل محمد ﷺ کی محبت پل صراط پار کرنے کا پروانہ ہے اور آل محمد ﷺ سے دوستی عذاب سے ضمانت ہے۔

بلکہ فاضل کاشی نے بھی جو شیعہ امامیہ کے فضلاء میں سے ہے اہلسنت کو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت پر معذور سمجھا ہے اور اہلسنت کی نجات کا قائل ہوا تھا یہاں تک کہ ان کو اس پر جناب باری سے ثواب واجر کا امید وار قرار دیا ہے، یہی نہیں پھر ائمہ کرام علیہم السلام کی روایات سے اپنے ان اقوال کو ثابت بھی کیا ہے یہاں ہم اس کے کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس دھوکہ کا ازالہ شیعہ فضلاء کی شہادت سے بالکلیہ ہو جائے:

الْمحِبَّةُ وَالمُبغضةُ إِذَا كَانَا لِله يُوحَدُ صاحبهما وَإِنْ كَانَ الْمَحْبُوبُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَالْمَبْغُوضُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ لاعتِقَادِ الْخَيْرِ فِي الْأَوَّلِ وَالشَّرِ فِي الثَّانِي وَإِنْ أَخْطَاءَ فِي اعْتِقَادِهِ، يَدلُّ عَلَى ذَالِكَ مَا رَوَاهُ فِي الْكَافِي بإسْنَادِهِ عن أبي جعفر (عليه السلام) قال: لو أن رجلا أحب رجلا لله لأثابه الله على حبه إياه وإن كان المحبوب في علم الله من أهل النار ولو أن رجلا أبغض رجلا لله لأثابه الله على بغضه إياه وإن كان المبغض في علم الله من أهل الجنة[2] وَلَا يَخْفَى أَنَّ هَذَا الْحَبُّ وَالْبُغض يَراب إلى محبة المَقَامِ وَالْحَقِيقَةِ دُونَ الشَّخص الْجَرى وَكَذَا الْمُبغَضَةُ خُصُوصًا إِذَا لَمْ يَرَا الْمَحَبُّ وَالْمُبْغِضُ محبوبه ومبغوضه وَإِنَّمَا سَمِعَ بِصِفَاتِهِ وَاخْلَاقِهِ وَمِنْ فَهُنَا يَحْكُمُ بِنَجَاةِ كَثِيرٍ مِنَ الْمُخَالِفِينَ الْمُسْتَضْعَفِينَ سيما الواقعين في عفي خفَاء الإِمَامِ الحَقِّ المُحبينَ لأئمتنَا صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ وَإِنْ لَمْ

1۔ ينابيع المودة لذوي القربى، للقندوزي الحنفي، 3/ 459، ط: دار الأسوة للطباعة والنشر

2۔ الأصول من الكافي، 2/ 127، ط: دار الكتب الاسلامية

يَعْرِفُو اقْدَرهمْ وَإِمَامَكُمْ كَمَا يَدل عَلَيْهِ مَا رَوَاهُ الْكَافِي بِاسْنَادِهِ الصحيح عن زرارة عن ابي عبد الله عليه السلام قَالَ قلت له: أصلحك الله أرأيت من صام وصلى واجتنب المحارم وحسن ورعه ممن لا يعرف ولا ينصب؟ فقال: إن الله يدخل أولئك الجنة برحمته [1] وفى احتجاج الطبرسي عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِي عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ فِي كَلام لَه فمن أخذ بما عليه أهل القبلة الذي ليس فيه اختلاف، ورد علم ما اختلفوا فيه إلى الله، سلم ونجا به من النار، ودخل الجنة، ومن وفقه الله ومن عليه واحتج عليه بأن نور قلبه بمعرفة ولاة الأمر من أئمتهم ومعدن العلم أين هو، فهو عند الله سعيد، ولله ولي [2] ثم قال بعد كلام إنما الناس ثلاثة مؤمن يعرف حقنا ويسلم لنا ويأتم بنا فذلك ناج محب لله ولي. وناصب لنا العداوة يتبرأ منا ويلعننا ويستحل دماءنا ويجحد حقنا ويدينالله بالبراءة منا فهذا كافر مشرك فاسق وإنما كفر وأشرك من حيث لا يعلم كما سبوا الله بغير علم كذلك كثيرا يشرك بالله بغير علم. ورجل أخذ بما لم يختلف فيه وردّ علم ما أشكل عليه إلى الله مع ولايتنا ولا يأتم بنا ولا يعادينا ويعرف حقنا فنحن نرجو أن يغفر الله له ويدخله الجنة فهذا مسلم ضعيف انتهى. [3]

محبت اور دشمنی جب صرف اللہ کے لیے ہو تو وہ ماجور من اللہ ہے اگرچہ اس کا محبوب دوزخی ہو اور دشمن جنتی کیونکہ اس کو محبوب سے اعتقاد نیک ہوتا ہے اور دشمن سے برائی کا اگرچہ وہ اچھے

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 27/ 183، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

2۔ الاحتجاج، للطبرسي، 2/ 6، ط: دار النعمان للطباعة والنشر

3۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 33/ 271، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

اعتقاد میں حق بجانب نہ ہو اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو صاحب کافی نے اپنے سندوں سے کافی میں بیان کی ہے کہ ابی جعفر عبد اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا جس کسی نے کسی سے اللہ کے واسطے محبت رکھی اللہ تعالیٰ اس محبت رکھنے پر اس کو ثواب دے گا اگرچہ اس کا محبوب اللہ کے علم میں دوزخی ہو اسی طرح اگر کسی نہ کسی سے اللہ واسطہ کا بیر (بغض) رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے بغض رکھنے پر اس کو اجر دے گا اگرچہ اس کا مبغوض اللہ تعالیٰ کے علم میں جنتی ہو اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ محبت وعداوت حقیقت اور مقام محبت کی طرف لوٹتی ہے نہ اس خاص شخص کی طرف خصوصاً جبکہ محبت و بغض رکھنے والے نے محبوب و مبغوض کو نہ دیکھا ہو بلکہ اس کے اخلاق واوصاف سنے ہوں، اسی نظریہ کے تحت ان برائے نام مخالفوں کی نجات کا حکم لگایا گیا ہے جو کسی امام کی پوشیدگی کے وقت موجود ہوں مگر وہ ہمارے ائمہ کرام کے ساتھ محبت رکھتے ہوں گروہ ان کی پوری قدر و منزلت اور امامت کو نہ پہچان سکے ہوں، اس پر کافی کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ذرارہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی عبد اللہ سے بایں الفاظ روایت کی ہے میں نے آپ سے کہا اللہ آپ کو نیک بخت کرے مجھ کو اس شخص کے حال سے باخبر کیجیے جو نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے محرمات سے بچتا ہے اور خوب تقویٰ والا ہے مگر ہے ایسے لوگوں میں سے جو نہ ائمہ کے دشمن ہیں نہ ان کی امامت کے قائل ہیں پس آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا، اور احتجاج طبرسی (نام کتاب) میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دوران گفتگو ایک مرتبہ فرمایا جس نے اس بات کو لیا جس پر سب اہل قبلہ متفق ہیں اور اختلافی بات کو حوالہ خدا کیا تو وہ محفوظ رہا اور اس نے دوزخ سے نجات پائی اور جنت میں جگہ پائی اور جس پر اللہ کا احسان ہوا سے توفیق ملی اور محبت قائم ہوئی تو اس کے دل کو صاحب ریاست اور معدن علم ائمہ کی معرفت سے منور کیا ایسا شخص اللہ کے نزدیک نیک بخت ہے اور اللہ کا ولی ہے پھر کچھ مزید گفتگو کے بعد فرمایا کہ لوگ تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو ہمارا حق پہچانتا ہے ہمارے تابعداری اور پیروی کرتا ہے پس وہ نجات پانے والا اللہ کا محب اور ولی

ہے، دوسرا وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے ہم سے بیزار ہے ہم پر لعنت بھیجتا ہے ہماری خون ریزی کو حلال جانتا ہے ہمارے حق سے انکار کرتا ہے اور ہم سے بیزاری کو اللہ تعالیٰ کا دین کہتا ہے پس ایسا شخص کافر مشرک اور فاسق ہے اس نے لاعلمی میں کفر و شرک کیا جیسے بغیر جانے بوجھے کوئی اللہ کو گالی دیتا ہے اسی طرح یہ بغیر علم کے شرک کرتا ہے، اور تیسرا وہ شخص جو متفق علیہ بات کو قبول کرلیتا ہے اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے اللہ کے حوالہ کرتا ہے ہم سے دوستی تو رکھتا ہے مگر ہماری پیروی نہیں کرتا اور نہ ہم سے عداوت رکھتا ہے نہ ہمارے حق کو پہچانتا ہے تو اس کے بارے میں ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ بخش دے اور جنت میں داخل کرے یہ ضعیف الایمان مسلمان ہے۔

فاضل کاشی کا یہ کلام بظاہر تو بڑا معقول اور پر مغز اور نقص سے خالی نظر آتا ہے مگر اس کی تہہ اور گہرائی میں جھانکا جائے تو وہ نقص عیاں ہو جاتا ہے اور یہ کلام اصلاح و درستگی محتاج نظر آتا ہے۔

اس کلام کے نقص تو یہ ہے کہ یہ ائمہ کرام کے کلام کے خلاف اور متضاد معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ائمہ کرام نے تو نواصب کو دوزخی کافر اور فاسق فرمایا ہے جبکہ خود کاشی نے کافی سے نقل کیا ہے حالانکہ نواصب اس بات کے مدعی ہیں کہ ائمہ اہل بیت سے ان کا بغض صرف اللہ واسطے کا ہے اور بموجب قول امام مذکور جب ان کا بغض اللہ واسطے کا ہوا تو چاہے وہ خلاف واقع ہو وہ نجات بلکہ ثواب کا موجب ہوگا ایسی صورت میں ان کو کافر و فاسق سے کہنا کیسے درست ہوگا۔

پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلام میں تفصیل ہے کہ جو شخص خاندان نبوت سے کم اور کمزور سی محبت رکھتا ہو ان کی واقعی قدر و عزت کو نہ پہچانتا ہو اس کو ناجی قرار دیا ہے اور جو ان کے ساتھ عداوت رکھتا ہو اور اس میں خاندان نبوت سے محبت کی بو تک نہ ہو اس کو ہالک ٹھہرایا ہے اس سے یہ پتہ چلا کہ محبوبان خدا سے عداوت کسی صورت میں عذر پذیر نہیں البتہ محبت و تعظیم کے جتنے درجے ہیں سب مقبول ہیں اور درجہ اولیٰ سے اعلیٰ تک ناجی معذور محبت کے اعلیٰ درجے میں قصور و کمی اور چیز ہے اور عداوت اور چیز قصور کن نظر انداز اور صاحب قصور کو معذور رکھیں تو بجا درست ہے لیکن عداوت میں اس کی گنجائش کہاں۔

اس کلام کی اصلاح ودرستگی پورے اور مکمل طور پر تو کتاب کے بارویں باب تولا و تبرا میں ان شاء اللہ پیش کی جائے گی یہاں صرف ناظرین کے انتظار کی تسکین کے لیے مختصر سا بیان کیا جاتا ہے لہذا اس کا مطالعہ نہایت توجہ اور غور سے کرنا چاہیے، اول تو یہ ہے کہ محبوب و مبغوض میں فرق بہت تمیز کرنی چاہیے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ استحقاق محبوبیت اور مبغوضیت دراصل دو قسموں میں منقسم ہے۔

1۔ ایک یہ کہ شارع کی طرف سے اس کا ثبوت قطعی اور تواتر کے ساتھ ہو اس قسم میں خلاف واقعہ اعتقاد کو قابلِ عفو و درگزر نہیں سمجھنا چاہیے کہ شرعاً جو محبوب ہو اسے مبغوض خیال کرے اور جو مبغوض ہو اسے محبوب اور اس اعتقاد میں نہ کسی باطل تاویل اور فاسد شبہ کو دخل انداز ہونے دیا چاہیے اور نہ ایسی باتوں پر کان دھرنا چاہیے، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاذ اللہ اس شخص کو بھی معذور اور مستحق اجر ماننا پڑے گا جو انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی لغزشوں کی وجہ سے اللہ مبغوض رکھتا ہو اور ابلیس اور فراعنہ کو نیز ائمہ کفر کو صرف اس لیے کہ وہ بھی آخر اللہ کے بندے ہیں اس کی صفات کے مظہر ہیں اللہ واسطے محبوب رکھتا ہو۔

2۔ دوسرے یہ کہ یہ استحقاق بطریق تواتر ہم تک نہ پہنچا ہو حضرت ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیے اور آپ کا وہ کلام جو مطلق ہے وہ اس بنا پر کہ محبت و بغض جو اللہ واسطے کا ہو گا وہ لا محالہ ضروریات کے مخالف نہ ہو گا اگر غور کیا جائے تو آپ کا کلام صاف صاف اس قید کی خبر دیتا ہے جہاں آپ نے فرمایا ہے "وان كان فى علم الله خلاف اعتقاده" کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ علم کی طرف حوالہ اسی جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے جہاں شریعت سے اس کا قطعی ثبوت صراحت کے ساتھ نہ ہو۔

قسم اول کے محبوبین کی مثال اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان میں قرآن مجید میں ارشاد ہے "قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ"[1] آپ فرماتے ہیں تم سے کسی مزدوری کا بجز اپنے عزیز و اقارب سے محبت کے خواہاں نہیں ہوں، دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ

1۔ سورة الشوري ، الاية : 23

عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ "(1) اے اہل بیت اللہ تعالیٰ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے رجس دور کر دے، یا اس کی مثال وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کی ہجرت و نصرت پیغمبر کے فخر سے سرفراز ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدین کے فتنہ کا قلع قمع کرنے اٹھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ "(2) ان کو اللہ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں، یا جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی " رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ "(3) اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یا "وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا "(4) جو ایمان لائے ان کی طرف سے ہمارے دل میں کھوٹ پیدا نہ کر۔

اسی طرح قسم اول کے مبغوضین کی مثال ابلیس اور دیگر تمام معاندین کفار ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا "(5) البتہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس کو اپنے دشمن جانو، یا فرمایا " لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ "(6) مومنوں کو چاہیے کہ وہ مومنین کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائے اور جو کوئی ایسا کرے گا اللہ کی طرف سے اسے کچھ نہ ملے گا نہ حمایت نہ امداد نہ نصرت، یا فرمایا "لَا تَجِدُ

1۔ سورۃ الاحزاب، الآیۃ : 33

2۔ سورۃ المائدۃ، الآیۃ : 54

3۔ سورۃ البینۃ، الآیۃ : 8

4۔ سورۃ الحشر، الآیۃ : 10

5۔ سورۃ فاطر، الآیۃ : 6

6۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ : 28

قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ"[1] تم کسی قوم کو ایسا نہ پاؤ کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاکر بھی ایسے شخص کو دوست بنائیں جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی ہو۔

ان ارشادات ربانی کی موجودگی میں اب کوئی ناصبی اہل بیت کی عداوت میں اور کوئی رافضی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بغض رکھنے میں خاص کر ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جن کا شمار مہاجرین اولین اور انصار سابقین میں ہوتا ہے اور جنہوں نے بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا اور مرتدین اسلام کو تہ تیغ کیا ہرگز معذور نہیں سمجھا جائے گا ہاں کوئی فرقہ ان بزرگوں کی حقیقی اور واقعی قدر و منزلت سے کمتر جانتے اور اپنی جہالت یا نادانی کے سبب یا کسی فتنہ فساد کی بنا پر ان کے کسی مرتبہ یا درجہ کا انکار کر بیٹھے تو وہ البتہ معذور شمار ہوگا، جیسے تفضیلی شیعہ یا خود حضرت ائمہ علیہم السلام کے وہ دوست یا محب جنہوں نے ان کی امامت کا انکار کیا مثلاً محمد بن الحنفیہ اور زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلام میں بھی اسی قسم کے لوگوں کو معذور قرار دیا گیا ہے۔

قسم ثانی کے محبوبین کی مثال عام نیک بخت مسلمان خصوصاً عام صحابہ رضی اللہ عنہم عرب اور قریش ہیں اور اسی قسم کے مبغوضین کی مثال عام فاسق، نافرمان، ظالم اور کاذب لوگ ہیں کہ ان ہر دو فریق کی محبت و بغض کا ثبوت شریعت میں اوصاف عامہ کے تحت یا مفہومات کلیہ کے ضمن میں ہے، مثلاً فرمایا "إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"[2] تحقیق اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، یا "وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ"[3] بے شک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، یا فرمایا " إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ "[4] بے شک اللہ ان غازیوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، صف بستہ ہو کر گویا وہ

1۔ سورۃ المجادلۃ، الایۃ : 22

2۔ سورۃ البقرۃ، الایۃ : 195

3۔ سورۃ البقرۃ، الایۃ : 195

4۔ سورۃ الصف، الایۃ : 4

سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں، اور فرمایا " إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ "[1] بے شک اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے، نیز فرمایا "إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ"[2] بے شک اللہ تعالی خائنوں کو دوست نہیں رکھتا، یا حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان " أحبوا العرب لثلاث: لأني عربي، والقرآن عربي، ولسان أهل الجنة عربي "[3] عربوں کو تین باتوں کے سبب دوست رکھو میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہے، یا فرمایا" من اعانا قريشا اعانه الله ومن عادى قريشا اكبه الله "[4] جو قریش کی اہانت کرے اللہ اس کی اہانت کرتا ہے اور جو قریش سے دشمنی رکھے اس کو اللہ تعالی نگوفساد و شرمسار کرے۔

یا اللہ تعالی کا یہ فرمان "وَاللهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ"[5] اللہ تعالی ظالموں کو دوست نہیں رکھتا، نیز فرمایا "لَعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ" [6] جھوٹے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے، اور فرمایا" يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ"[7] جس دن اللہ اپنے نبی اور اس کے اصحاب کو رسوا نہیں کرے گا" الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا من بعدي، من أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي

1۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ : 146

2۔ سورۃ الانفال، الآیۃ : 58

3۔ المعجم الأوسط، للطبراني، 5/ 369، رقم: 5583، ط: دار الحرمين القاهرة

4۔ لم اجد هذا اللفظ ولكن روي ابن ابي شيبة في مصنفه نصه: إن قريشا أهل صدق وأمانة، فمن بغى لهم العواثر كبه الله على وجهه. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، 6/ 401، رقم : 32383، ط: مكتبة الرشد الرياض)

5۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ : 57

6۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ : 61

7۔ سورۃ التحريم الآیۃ : 8

أبغضهم "[1] دیکھو دیکھو میرے بعد میرے صحابہ کو دشمن نہ بناؤ جو ان سے محبت رکھے وہ مجھ سے محبت کے سبب سے ان سے محبت کرتا ہے جو ان سے بغض رکھے تو مجھ سے بغض رکھنے کے سبب ہے ان سے بغض رکھے گا۔

اس قسم ثانی کے تمام متعلقہ اشخاص میں سے ہر ایک کی محبت و بغض دو وجوہ سے قطعی الثبوت نہیں، اول یہ کہ ان عبارات کی منشا اور مضمون کا ان خاص خاص ذاتوں میں قطعی طور سے پایا جانا نادر و کمیاب ہے، دوم مضمون عبارت یا کلام کو کسی جگہ متحقق ہونا حکم کے تحقق اور وجود کے لیے اس وقت تک کافی نہیں جب تک تمام موانع دور نہ ہو جائیں مثلاً محبت میں جب کہ موانعات نفاق خبث باطل اور فاسد ارادوں کا نہ ہونا ضروری ہے اسی طرح بغض میں اس کے موانعات یعنی صحت ایمان صفائے باطن اور صلاح نیت کار ہونا لازمی ہے اور ان ممانعت کے دور ہو جانے کا قطعی اور یقینی علم تکمیل و ختم نبوت اور سلسلہ وحی بند ہو جانے کے بعد محال ہو گیا ہے وجب تک نبی کریم ﷺ موجود تھے اور سلسلہ وحی جاری تھا کسی بھی معاملہ میں قطعی اور یقینی علم ہو جاتا تھا مثلاً صحیح احادیث میں یغمان صحابی رضی اللہ عنہ پر باوجود ان کے شرابی ہونے کے برائی سے یاد کرنے اور ان پر لعنت کرنے پر زجر و توبیخ کی گئی آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے (اس پر لعنت و پھٹکار نہ کرو)

مالک بن وحیش جن کا منافقین میں اٹھنا بیٹھنا تھا وہ ان کا بہی خواہ بھی تھا جب ظاہری حالات کی بنا پر ان کو منافق کہا گیا تو اس کو رد کیا گیا اور اس کے ایمان صحیح ہونے کی توثیق کی گئی ایک اور ایک اور شخص جو بڑا مسخرہ اور بد زبان تھا اس کے حق میں ارشاد فرمایا گیا "خبیث اللسان وطیب القلب" (زبان کا تو گندا ہے مگر دل کا پاک ہے) اسی طرح کی اور بہتری مثالیں ہیں۔[2]

1۔ شعب الإيمان، للبيهقي، حب النبى ، فصل فى براءة نبينا ، 3/ 93، رقم : 1424، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند

2۔ هكذا روى الهيثمي لصفوان بن معطل لفظه: عن سعد مولى أبي بكر قال شكا رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم صفوان ابن المعطل وكان يقول هذا الشعر فقال صفوان هجاني فقال دعوا صفوان فان صفوان خبيث اللسان طيب القلب. رواه الطبراني وفيه عامر بن صالح بن رستم وثقه غير واحد وضعفه جماعة، وبقية رجاله رجال

علی ہذا محبت سے متعلق بھی بہت سی روایات اور آثار مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے محض گمان اور خیال آرائی پر بھروسہ کر کے کسی کی نجات اور بلندی درجات کی شہادت نہیں دینی چاہیے تاکہ آنکہ حقیقت حال پوری طرح منکشف نہ ہو جائے، بخلاف قسم اول کے جب محبت یا بغض معینہ اشخاص کی قطعی دلیل سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوگئی تو اب مضمون کلام کا مستحق ہونا اور حکم کا پایا جانا لازم ہو گیا جیسے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا حال معلوم ہوا۔

دھوکہ نمبر 92: اہلسنت امامت کے سلسلے میں بزدل کو ترجیح دیتے ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت خلاف و امامت کے معاملہ میں بزدل کو شجاع پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خلافت و امامت کا تو مدار ہی بہادر و شجاعت پر ہے اور کفار کے ساتھ جدال و قتال اور ان پر فوج کشی اس کا خاصہ ہے، مزید وضاحت کے طور پر کہتے ہیں کہ جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ بہادری اور شجاعت میں تمام عالم میں ضرب المثل اور شہرہ آفاق ہیں بخلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ وہ بزدل ہیں جن کی بزدلی پر قران کی یہ آیت دلالت کرتی ہے "إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ"[1] جب کہ وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے کہ غم نہ کرو، معلوم ہوا کہ غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غمگین اور فکر مند تھے اور ایسے صبر آزما مرحلے پر غم کرنا ہی بزدلی کی نشانی ہے۔

اس طعن اور طنز کا جواب کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے:

اول حزن اور غم سے روکنا (صاحب حزن کی) بزدلی کی نشانی بالکل نہیں ہے اس لیے کہ حزن و غم تو شجاع اور بہادر کو بھی ہوتا ہے اس لیے کہ حزن اور غم کے معنی کسی محبوب چیز سے محرومی یا کسی ناگوار چیز کا سامنے آجانا ہے اور یہ شجاعت کے منافی بالکل نہیں ہے، چنانچہ رستم جیسے شجاع کو بھی سہراب کے قتل پر غم ہوا اور اتنا ہوا کہ اس نے ماتمی سیاہ لباس پہن لیا ماتم کیا اور گریبان چاک کیا یہ گھر کی بات نہیں یہ واقعہ تو زمانہ بھر میں مشہور ہے ہاں حزن کے بجائے خوف ہوتا تو البتہ قابل توجہ بات ہوتی۔

الصحيح. قلت وقد ثبت في الصحيح أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ما علمت عليه إلا خيرا. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، 9/ 346، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

1۔ سورة التوبة، الآية : 40

دوسرے یہ کہ اگر حزن سے رونا بزدلی کی علامت ہوتا تو پھر حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہم السلام پر بھی بزدلی وارد ہوتا کیونکہ ان حضرات کو تو حزن سے نہیں خوف سے منع کیا گیا ہے "يَا مُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ"[1] اے موسیٰ ڈرو مت کیونکہ میرے رسول ڈرا نہیں کرتے، یا فرمایا "وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ"[2] فرشتوں نے کہا نہ ڈرو نہ غم کرو کہ ہم تم کو اور تمہارے اہل کو اس عذاب سے نجات دیں گے مگر تمہاری بیوی کہ وہ البتہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

یہی نہیں بلکہ بعض نصوص قرآنی میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی خوفزدہ بھی ہوئے "فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى"[3] پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا۔

تیسرے تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر آپ کا گلا گھونٹا اور دم گھٹنے سے آپ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو گئیں اور آپ کو سخت اذیت ہوئی تو ان کفار کے ڈر اور خوف کے سبب یار دوست عزیز و اقارب میں کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آسکتا تھا ایسے کٹھن لمحے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی جرات تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و حمایت میں آگے بڑھے اور مدد فرمائی۔[4]

1۔ سورۃ النمل، الآیۃ: 10

2۔ سورۃ العنکبوت، الآیۃ: 33

3۔ سورۃ طٰہٰ، الآیۃ: 67

4۔ عن عروۃ بن الزبیر، قال: سألت عبد اللہ بن عمرو، عن أشد ما صنع المشرکون برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: رأیت عقبۃ بن أبي معیط جاء إلی النبي صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلي، فوضع رداءہ في عنقہ فخنقہ بہ خنقا شدیدا، فجاء أبو بکر حتی دفعہ عنہ، فقال: أتقتلون رجلا أن یقول: ربي اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم (صحیح

اسی طرح جب ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیا اور کفار مکہ کے قہر و غلبہ سے آپ کو ڈرایا اور آپ کو اعلانیہ عبادت اور قرآن پڑھنے سے ازراہِ ہمدردی منع کیا تو آپ نے ہمت و دلیری کا مظاہرہ فرمایا کہ اپنے گھر سے باہر ایک جگہ مخصوص کر کے سب کے سامنے عبادت و تلاوت کا عمل شروع کر دیا اور بلند آواز سے قرأت کی۔[1]

ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدوں کے قتل کے معاملہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوف زدہ تھے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جس طرح جرأت و ہمت اور دلیری کا اظہار فرمایا اس پر دنیا بھر کے دلیر اور شجاع انگشت بہ دنداں ہیں۔[2]

چوتھے شیعوں کے شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی روایت کے مطابق جو اس نے امالی میں بیان کی ہے شب معراج کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد تم کو وصی میرا وزیر میرا خلیفہ بنا دیا ہے اور صاحب نوادر الحکمۃ کی روایت کے بموجب جو اس نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بیان کی یا قطب راوندی کی روایت کے موافق جو اس نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے کی، جناب امیر رضی اللہ عنہما معراج کے سفر میں آپ کے ہمراہ تھے اور آپ نے لوح محفوظ کا مطالعہ فرمایا تھا تو ان کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تیس سال زندہ رہوں گا اور امامت و خلافت کی مسند پر فائز ہوں گا اور پھر مجھ کو ابن ملجم مرادی شہید کرے گا تو اس سب کچھ کے باوجود آپ لڑائیوں میں ڈرنے کیوں لگے۔[3]

البخاري، كتاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا، 5/ 10، رقم: 3678، ط: دار طوق النجاة)

1 ـ صحيح البخاري، كتاب الكفالة، باب جوار أبي بكر في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وعقده، 3/ 98، ط: دار طوق النجاة

2 ـ انظر بالتفصيل: منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية، 1/ 75، ط: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية

3 ـ لم اجد هذا الالفاظ ولكن ورد هكذا في بحار الانوار نصه: عن أبي عبد الله عليه السلام في قوله تعالى: " وكذلك نري إبراهيم ملكوت السماوات والأرض وليكون من الموقنين " قال: كشط له عن الأرض ومن عليها، وعن السماء

پانچویں شیعوں کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ امام اپنی مرضی اور اختیار سے مرتا ہے[1] ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائیوں میں شرکت فرماتے اور دشمنوں کے مقابلہ میں آتے تو آپ اپنی موت اختیار نہیں فرماتے تھے اور آپ کی مرضی کے بغیر موت کا آنا محال تھا بخلاف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کو باجماع امت نہ یہ درجہ حاصل تھا اور نہ ان کو اس قسم کا علم اور یہ بھی ظاہر اور فطری بات ہے کہ جس کو اپنی جان کا خطرہ ہو گا وہ امکان بھر جنگ وجدل میں ملوث ہونے میں پس وپیش کرے گا جس کو اپنی جان جانے کا خطرہ نہ ہو گا بلکہ یقین ہو گا کہ وہ ابھی نہیں مرے گا اس کو کسی بات کی پرواہ نہ ہو گی تو ایسی صورت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو باوجود جان جانے کے خطرہ اور خوف کے جان نثاری اور جانبازی دکھائیں، دین کی نصرت فرمائیں اور مرتدین سے بے دھڑک قتال کریں تو یہ جرات اور بہادری اور انتہائی دلیری اور ثبات قلبی کی دلیل ہے ان کو کیسے بزدل کہا جا سکتا ہے۔

چھٹے پھر جب خود جناب امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیری اور شجاعت پر گواہی دی ہو تو اس کے بعد ان کو بزدل کہنا خود جناب امیر رضی اللہ عنہ کی گواہی کا انکار اور رد کرنا ہے چنانچہ محمد بن عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

خطبنا علي قال ايها الناس من اشجع الناس فقلت انت يا امير المؤمنين فقال ذاك ابو بكر الصديق انه لما كان يوم بدر وصنعنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم العريش فقلنا من يقوم عنده لا يدني اليه احد من المشركين فما قام اليه الا ابو بكر وانه كان شاهر السيف براسه فكل ما دنى اليه احد اهوى

وما فيها، والملك الذي يحملها، والعرش ومن عليه، وفعل ذلك برسول الله صلى الله عليه وآله وأمير المؤمنين عليه السلام- (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 17/ 146، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

1۔حقيقة علم آل محمد (عليهم السلام) وجهاته آل محمد (عليهم السلام) بين قوسي النزول والصعود ،تأليف العلامة السيد علي عاشور، الخاتمة، علم آل محمد (عليهم السلام) بزمان موتهم الخاتمة في أمور، الامر الأول: علم آل محمد (عليهم السلام) بزمان ومكان موتهم، ص: 159)

الیہ ابو بکر بالسیف[1]

ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور حاضرین سے پوچھا بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے میں نے کہا اے امیر المومنین آپ، آپ نے فرمایا وہ (بہادر) ابو بکر صدیق ہیں جنگ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھاس پھونس کا ایک سائبان بنایا پھر لوگوں سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس کون کھڑا ہو گا کسی مشرک کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دے تو اس کے لیے ابو بکر کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا آپ شمشیر برہنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے جب بھی کوئی مشرک ادھر کا رخ کرتا آپ تلوار لے کر اس پر ٹوٹ پڑتے۔

ساتویں ایک ایسا شخص جس سے بہادروں اور دلیروں جیسے کام سرزد ہوئے ہوں جس کے ہاتھوں امور خلافت و امامت روز روشن کی طرح انجام پائے ہوں اس کے متعلق بزدلی کا دل میں خیال لانا یا یہ کہنا کہ یہ شخص خلافت و ریاست کے قابل نہ تھا نہایت لغو ولچر اور بے معنی بات ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص عین دوپہر کے دھوپ میں بیٹھے آفتاب کی شعاعوں کی روشنی میں سب کچھ دیکھے پھر یہ کہے یا دل میں خیال لائے کہ آفتاب تو تاریک ہے تو یہ اس شعر کا مصداق ہو۔

اگر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　　چشمہ آفتاب راچہ گناہ

اور جو شخص واقف سیرت ہو اور جنگ وفتوحات عراق وشام کے حالات سے بخوبی آگاہ ہو وہ یقین ہے یہ مانے گا اور اس کی گواہی دے گا کہ سخت ہیجان کے وقت دلی مضبوطی، ارادہ کی انتہائی پختگی اور اس پر ڈٹے رہنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی ہمسر اور مثیل نہ تھا، چنانچہ قاضی فاضل اپنے رسائل میں اس بادشاہ

1۔ لم اجد هذا الالفاظ ولكن ذكر علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي في كتابه بهذا اللفظ: وعن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال لجمع من الصحابة، أخبروني عن أشجع الناس؟ قالوا أنت؛ قال: أشجع الناس أبو بكر، لما كان يوم بدر جعلنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم عريشا فقلنا: من مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أي من يكون معه «لئلا يهوي إليه أحد من المشركين، فوالله، ما دنا منا أحد إلا أبو بكر شاهرا بالسيف على رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يهوي إليه أحد إلا أهوى إليه» (السيرة الحلبية، باب غزوة بدر الكبرى، 2/ 214، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

ز مدح سرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہے جس نے مختصر سی مدت میں ملک شام کو فرنگیوں کے پنجے سے آزاد کرا یوں سے جنگ آزما ہوا اور ان کے قلعوں کو مسمار کیا "له الفرسات الصديقية والفتوحات العمرية و الجيوش العثمانية و الهيجاء الحيدرية"[1] جو صدیق رضی اللہ عنہ جیسے پختہ ارادے رکھنے والا اور عمر رضی اللہ عنہ جیسی فتوحات کرنے والا اور عثمان رضی اللہ عنہ جیسی فوجی طاقت کا مالک اور حیدر رضی اللہ عنہ جیسا حملہ آور تھا۔

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہادری و قوت بازو، شمشیر زنی، نیزہ بازی، پہلوانوں کی پچھاڑنے، نخود بنفس نفیس معرکہ کارزار و جنگ و جدل میں حصہ لینے اور دشمنوں میں گھس بننے کی جتنی روایت منقول ہے اتنی دوسرے کے بارے میں نہیں مگر یہ صفات چونکہ ہتھیار سواری نیزہ بازی کے فنون اور جنگوں اور میدان جنگ کی تجربہ کاریوں سے تعلق نہیں رکھتی ہیں، اصل شجاعت سے جو ایک قلبی صفت زیادہ تعلق نہیں رکھتی اور ریاست کبریٰ و خلافت میں اس کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ مثلاً حضرت امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بہت سے دوسرے ائمہ ان فنون اور باتوں سے بالکل ناآشنا تھے حالانکہ ان سب کو امامت کبریٰ کا مستحق مانا گیا ہے۔

اسی طرح بہت سے بادشاہ مثلاً سکندر، اورنگزیب وغیرہ گزرے ہیں کہ جو شجاع قلب اور شیر افگن تھے مگر میدان جنگ میں کسی ہمسر سے دوبدو نبرد آزمائی یا پہلوانوں سے کشتی لڑنے کا موقع پیش نہیں آیا اس کے باوجود ان کی شجاعت میں کسی نے شک نہیں کیا نہ ان کو بزدل کہا، اور اصل ہر دو صفات شجاعت، جنگی مہارت میں فرق ہے شجاعت ایک قلبی صفت ہے اور یہ خلقی اور فطری ہوتی ہے جبکہ جنگی مہارت بدنی صفت ہے جو شکلی اور کسبی کام ہے عام اصطلاح میں ان کو فن سپاہ گری بھی کہتے ہیں اور شجاعت کو اس سے بالکل الگ صفت شمار کرتے ہیں۔

دھوکہ نمبر 93: اہلسنت خدا کو صاحب جسم و مجبور مانتے ہیں

شیعوں کا ایک گروہ مثلاً ابن مطہر حلی اور اس کے پیرو اہلسنت پر طعن کرکے کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجسمہ مجبرہ ہیں جو تجسیم الٰہی اور جبر مانتے ہیں حالانکہ یہ طعن بھی حسب عادت افترا اور جھوٹ اور سراسر بہتان ہے اہل سنت تو مجسمہ اور مجبرہ کو کافر مانتے ہیں ان کے اقوال وعقائد کے رد میں رسالے اور کتابیں لکھی ہیں البتہ ان شیعی حضرات کے

1۔ هكذا وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، 4/ 233، ط: دار صادر بيروت

سربرآوردہ پیشوا اور راویان اخبار بے شک مجسمہ گزرے ہیں جس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے بیان ہو گی اور انہی میں سے ایک بڑی جماعت مجیرہ کی بھی گزری ہے چنانچہ کلینی نے خود کافی میں اسے روایت کیا ہے، اس سلسلہ میں شہرستانی کے اس قول سے جس میں اس نے اہلسنت کو مجسمہ کہا ہے سند لانا اور دلیل میں پیش کرنا درست نہیں کیونکہ اہلسنت اس گروہ کے قول کو بھی رد کیا ہے اگرچہ اہلسنت کے مذہب کی تعبیر میں لفظ جسم آتا ہے مگر اس سے مراد صرف وجود مستقل ہے اور یہ درست ہے اور اسی لفظی اشتراک کے سبب ان کو بھی مجسمہ کہہ دیا گیا ہے۔

ہاں وجود مستقل پر لفظ جسم کا اطلاق کرنا اور پھر اللہ تعالی کی ذات پاک کو ابعاد ثلاثہ وطول عرض عمق اور لازم جسمانیت سے پاک جاننا شبہ کی گنجائش اور اختلاف اسی میں ہے اس لیے کہ اکثر حضرات نے اللہ تعالی کی ذات پر چہرہ ہاتھ آنکھ وغیرہ کا اطلاق جائز بتایا ہے مگر ان کے نزدیک بھی ذات باری کو اجزاء میں بٹا ہوا ماننا اور اس حیثیت سے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کا اعتقاد رکھنا گمراہی ہے بخلاف شیعہ حضرات کہ وہ ابعاد ثلاثہ کے اعتقاد کے ساتھ ذات باری کی حقیقی جمعیت کو مانتے ہیں اور بعض نے تو ذات باری کی شکل وصورت بھی بیان کی ہے (شنید ہے کہ بعض ملکوں میں ذات باری کہ خیالی فوٹو بھی دستیاب ہیں)

اسی طرح اہلسنت جبر و متوسط کو مانتے ہیں جو بالکل حق اور درست ہے جیسا کہ جناب ابی عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "لا جبر ولا تفويض ولكن أمر بين امرين"[1] نہ پورا جبری ہے اور نہ پوری تفویض بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک چیز ہے۔

دھوکہ نمبر 94: اہلسنت کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کے گھر گڑیاں کھیلتی تھیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت کی اپنی صحیح کتابوں میں یہ روایت مروی ہے کہ " كانت تلعب بالبنات فی بيت النبی صلى الله عليه وسلم "[2] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گڑیاں کھیلا

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 75/ 354، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

2۔ عن عائشة، أنها كانت تلعب بالبنات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، (صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل عائشة رضي الله تعالى عنها، 4/ 1890، رقم : 2440، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت

کرتی تھیں، اب ظاہر ہے کہ اس فعل کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف کرنا اور آپ کی زوجہ محترمہ کو متہم کرنا کہ وہ ناجائز صورت بناتی تھیں اور ایسے گھر میں جو اتنے جلیل القدر پیغمبر کی عبادت گاہ ہو اور وحی فرشتوں اور جبرائیل علیہ السلام کی فرودگاہ ان میں حرام صورتوں کو رکھتی تھیں بہت ہی بری اور نازیبا بات ہے حالانکہ خود اہلسنت نے روایت کی ہے کہ جس گھر میں صورت یابت ہو نماز جائز نہیں اور فرشتے اس گھر میں نہیں آتے،[1] اور انہی میں یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے بت رکھے دیکھے تو ان کو باہر نکالنے کا حکم فرمایا۔[2]

اس طنز و دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت پہ یہ الزام اس وقت لگانا تو کچھ ٹھیک ہوتا جب وہ بجائے بنات کے تصویر تمثال یاصورت کے الفاظ نقل کرتے بنات سے صورت ہی کے معنے کیوں مراد لیے جائیں اس سے مراد وہی لینا چاہیے جو اس زمانہ میں مروج ومشہور ہو، چنانچہ چاہے اس زمانے میں گڑیا کی ہیئت کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ گول شکل کا ایک کپڑا کترتے پھر اس کے بیچ میں دوسرے کپڑے کی گول سی لپٹی ہوئی گولی رکھ دیتے اور گول کپڑے کے اطراف کو سیدھی الٹی سمت سے سمٹ کر گولی کے نیچے دھاگہ سے مضبوطی کے ساتھ سی لیتے کہ وہ گولی آدمی کے سر کی طرح ہو جاتی اور اس کے نیچے کا حصہ آدمی کے دھڑ کی مانند لگتا اور اس دھڑ میں ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء نہیں ہوتے تھے نہ گول حصہ میں منہ ناک آنکھ کچھ ہوتا اس گڑیا کو اوڑھنی کرتا پہناتے اور تیار کردہ شکل کو کھلونے کے طور پر بنات کہتے اور آج کل طرح طرح کی باریکیوں اور نوع بنوع کاریگریوں کا جو رواج ہے اس زمانہ میں بالکل رواج نہ تھا اور ایک گڑیا ہی کیا رہن سہن کھانے پینے زیورات و

1۔ عن أبي طلحة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب أو تمثال۔ (السنن الكبرى، للنسائي، 8/ 452، رقم: 9679، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت۔

2۔ عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم مكة، أبى أن يدخل البيت وفيه الآلهة، فأمر بها فأخرجت، فأخرج صورة إبراهيم وإسماعيل في أيديهما من الأزلام، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "قاتلهم الله، لقد علموا: ما استقسما بها قط "-(صحيح البخاري، أين ركز النبي صلى الله عليه وسلم الراية يوم الفتح؟ 5/ 148، رقم: 4288، دار طوق النجاة)

ملبوسات فرش و فروش میں جو سادگی تھی اس میں اور آج کل کے تکلفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ آج کل کی بت اور صورت سازی تو فقہاء اہلسنت کے نزدیک حرام ہے،[1] البتہ ادھوری تصویر جس سے کوئی حکمت دینی مقصود ہو وہ تو جناب نبی کریم ﷺ سے مروی ہے مثلاً ایک مرتبہ آپ نے ایک خط کھینچ کر اس سے انسانی شکل کو ظاہر فرمایا، اور دوسرے دو خطوں میں سے ایک سے اجل اور دوسرے سے امل کی تصویر کھینچی اور ایسی گڑیوں کی ایجاد بھی اس لیے تھی کہ چھوٹی بچیوں میں کم سنی ہی سے امور خانہ داری پڑھنے لکھنے، سینے پرونے وغیرہ جیسے کاموں میں دلچسپی اور رغبت پیدا کی جائے جیسے ہر زمانہ میں حسب ضرورت و مناسب حالات بچوں کے لیے طرح طرح کے کھلونے بنائے جاتے ہیں تاکہ کم سنی ہی سے ان کے متعلق معلومات و دلچسپی اور واقفیت پیدا ہو اور ان سے کام لینے کی مشق ابھی سے کروائی جائے۔

علاوہ ازیں اس طنز پر زبان کھولنا اس وقت تک تو زیب دیتا ہے کہ اس وقت تک تصویر بنانا یا ان کو گھروں میں رکھنا حرام ہو چکا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ گھر میں تصویر رکھنے سے فرشتے گھر میں نہیں آتے تھے اور یہ ثابت کیا بھی کیسے جا سکتا ہے جب کہ قصہ مذکورہ ہجرت کے متصل زمانہ کا ہے اور تصویروں کا مٹانا اور کعبہ سے ان کا نکالنا آٹھ سال بعد کا واقعہ ہے اور کسی چیز کی حرمت سے پہلے کی کسی بات پر نہ طنز درست ہے اور نہ وہ قابل گرفت مثلاً حرمت خمر سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شراب نوشی حرمت سود سے پیشتر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سودی لین دین۔

اور تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہاں تو ان شیعوں نے زوجہ رسول ﷺ یا آپ کے خانہ مبارک کی

1۔ (قوله وليس ثوب فيه تماثيل) عدل عن قول غيره تصاوير لما في المغرب: الصورة عام في ذي الروح وغيره، والتمثال خاص بمثال ذي الروح ويأتي أن غير ذي الروح لا يكره قال القهستاني: وفيه إشعار بأنه لا تكره صورة الرأس، وفيه خلاف كما في اتخاذها كذا في المحيط، قال في البحر: وفي الخلاصة وتكره التصاوير على الثوب صلى فيه أو لا انتهى، وهذه الكراهة تحريمية. وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها اهـ فينبغي أن يكون حراما لا مكروها إن ثبت الإجماع أو قطعية الدليل بتواتره اهـ كلام البحر ملخصا. وظاهر قوله فينبغي الاعتراض على الخلاصة في تسميته مكروها. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة،ج:1، ص:647، ط:سعيد)

ہمدردی کو اس طعن کی سند بنا کر پیش کیا ہے مگر جہاں ان ظالموں نے ام المومنین صدیقہ وام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سراسر جعلی اور گھڑی ہوئی ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے ان کا ایمان سلب ہوتا اور یہ کفر وارتداد تک پہنچ جاتے ہیں وہاں وہ ایسے ہمدردی کو کیوں بھول گئے، ان پر وہ مثل صادق آتی ہے "مرا یاد ترا فراموش" مجھ کو تو یاد ہے تو بھول گیا ہوگا، ان شاء اللہ باب مطاعن اور باب ہفوات میں ہم ان کے اسی قسم کے بہت سے کھوٹے اور غیر ٹکسالی سکوں کو بیان کریں گے اور ان کا کھوٹ اور جعل برملا بیان کریں گے۔

دھوکہ نمبر 95: اہلسنت کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو تماشا دکھایا

یہ اہلسنت والزام لگاتے ہیں کہ وہ بغیرتی بے حجابی اور برے کام پر سکوت اور اس سے نہ روکنے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے روایت بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

> أنها قالت رأيت رسول الله ﷺ يستوني بردائه وأنا انظر إلى الحبشة يلعبون بالدرق والحرب يوم العيد[1]
>
> فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر سے میرا پردہ کر لیا اور میں نے ان حبشیوں کا کھیل دیکھا جو عید کے دن اپنے ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔

بس اس روایت میں رسول اللہ ﷺ پر یہ بات آتی ہے کہ آپ نے خود بھی یہ کھیل دیکھا اور عین مسجد میں حبشیوں کے کھیل پر اور اپنی زوجہ مطہرہ کے نامحروں پر نظر ڈالنے پر سکوت فرمایا اور یہ سب باتیں خلاف شرع اور منافی عزت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل سنت کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہے:

1۔ عن عائشة رضي الله عنها، قالت: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يسترني بردائه، وأنا أنظر إلى الحبشة يلعبون في المسجد، حتى أكون أنا التي أسأم-(صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب نظر المرأة إلى الحبش ونحوهم من غير ريبة، 7/ 38، رقم :5236، ط: دارطوق النجاة بيروت)

اتعجبون من غيرة سعد وانا أغير منه والله أغير مني [1]

کہ کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے میں ان سے بھی زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والے ہیں

تو پیغمبر تو پیغمبر کوئی ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی یہ گوارانہ کرے گا کہ ان کی بیویاں غیروں کو یاان کے کھیل تماشے کو دیکھیں! اس طنز کا جواب یہ ہے کہ ان کا اتنا بڑھ بڑھ کر بولنا اسلام کے ابتدائی حالات سے ناواقفیت اور تاریخ سے جہالت کی دلیل ہے، اس لیے یہ واقعہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے جبکہ تمام مسلمان عورتیں حتی کے پیغمبر ﷺ کی محرمات اور صاحبزادیاں گھروں سے باہر آتیں اور باہر کے کام کاج انجام دیتی تھیں چنانچہ سنی اور شیعوں ہر دو کی روایات سے ثابت ہیں کہ خاتونِ جنت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جنگ احد کے موقع پر حضور ﷺ کے زخم کو دھویا اور دوا لگائی سہل بن سعد اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ واقعہ دیکھا اور اس کی روایت کی، تو اگر یہ کسی ایسی بات کی روایت کریں جو آیت تحریم سے پیشتر کی ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہی ہو تو اس پر طعن کا کیا جواز ہے؟

اسی طرح صحیح طریق سند کے ساتھ شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں یہ واقعہ ثابت ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو طلحہ اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم نے شراب پی مست ہوئے اور باہم دست گریباں ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ صورت ملاحظہ فرمانے کہ باوجود اس پر سکوت فرمایا اور ان حضرات کو کچھ نہ کہا۔ [2]

منکر پر سکوت کا الزام تو اس وقت آئے گا جب وہ منکر ہو اور حرام ہونے سے پیشتر وہ منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر ایک بات کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت غیر مکلف تھیں کہ عمر ہی کیا تھی اگر کوئی بچی پردہ میں ہو کر

1۔ مسند الدارمي المعروف بـ سنن الدارمي، بدب في الغيرة، 3/ 1428، رقم : 2273، ط: دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية

2۔ صحيح مسلم ،كتاب الاشربة، باب تحريم الخمر، وبيان أنها تكون من عصير العنب، ومن التمر والبسر والزبيب، وغيرها مما يسكر، 3/ 1568، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت۔

غیر مرد نہ دیکھ سکے اس قسم کی جنگی مشق دیکھے تو اس میں قباحت کی بات ہی کیا ہے؟ اور پھر یہ کھیل کود کب تھا ہتھیاروں سے فوجی مشق اور جنگ کی تیاری کے لیے پینترے بازی، آلات حرب کے استعمال کی تربیت کی ایک لائق تعریف شکل تھی گو ظاہر میں کھیل کود تھا مگر در پردہ اور فی الحقیقت اس میں حکمت ہوتی تھی جیسے گھڑ دوڑ اور نیزہ بازی، ایسے کرتبوں کو حضور ﷺ نہ صرف ملاحظہ فرماتے ہیں بعض اوقات عملی شرکت بھی فرماتے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اس قسم کی فوجی کھیلوں میں فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں۔

اب رہی بات اس روایت کی جس سے ان حبشیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جھڑکنا اور ڈانٹنا ثابت ہوتا ہے تو اس کا سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ سے شدت محبت ہے اس محبت ہی نے ان کو اس پر ابھارا کے گو یہ فعل شرعاً جائز ہے مگر محبوب کے وقار اور شان کے سامنے یہ خفیف الحرکتی ہے جو محب کو بری لگتی ہے اور آپ کا سکوت اخلاق کریمانہ کا مظہر ہے لیکن جب محبوب کا یہ فرمان "نادعھم یا عمر وامنا یا بنی ارفدۃ"[1] (عمر انہیں نہ چھیڑو، اور ہاں اے بنی ارفدہ اطمینان سے اپنے مظاہرہ میں لگے رہو) تو نہ صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی سے باز آگئے بلکہ خود بھی خوشدلی کے ساتھ اسے دیکھا اور سمجھ گئے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی مرضی مبارک یہی ہے کہ تو یہ کھیل (اور جنگ کی مظاہرہ) اہل فضل کے وقار و تمکین سے بھی اونچی کوئی چیز ہے۔

شیعوں کی یہ بات باعث حیرت و تعجب ہے کہ قبل تحریم کے واقعات کو تو یہ بے عزتی اور سکوت منکر کہتے ہیں اور خود ائمہ اطہار سے جو رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر اور آپ کے نائب ہیں اور وہ ان کے نزدیک معصوم اور واجب الاطاعت بھی ایسی روایات کی نسبت کرتے ہیں کہ ان کے محبان صادق تو کیا ہر شریف شخص کی زبان ان کی نقل و حکایت سے لڑکھڑاتی اور ان کے سننے سے ہر مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جو ان کی کتب میں بروایت صحیحہ منقول ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ قالت عائشة: رأيت النبي ﷺ يسترني وأنا أنظر إلى الحبشة وهم يلعبون في المسجد فزجرهم عمر، فقال النبي ﷺ: «دعهم أمنا بني أرفدة» يعني من الأمن (صحيح بخارى، ابواب العيدين، باب: إذا فاته العيد يصلي ركعتين، وكذلك النساء، ومن كان في البيوت والقرى، 2/ 23، رقم: 988، ط: دار طوق النجاة)

اپنے دوستوں شیعوں سے فرمایا:

" إن خدمة جوارينا لنا وفروجهن لكم حلال "[1]

ہماری چھوکریاں ہمارے لیے ان کی خدمت کافی ہے اوران کی شرمگاہیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

اسی لغو و بے ہودہ روایت پر بنا رکھتے ہوئے شیعہ علماء نے اس وقت کہ امام حق روپوش تھے، جہاد معطل و بیکار تھا، خمس مال غنیمت سے علیحدہ نہ ہونے کے سبب اپنے مصرف میں صرف نہ ہوتا تھا اور سارے مال غنیمت سے علیحدہ نہ ہونے کے سبب اپنے مصرف میں صرف نہ ہوتا تھا اور سارے مال غنیمت میں مل کر اس کو بھی خراب کر دیتا تھا شیعوں کے لیے چھوکریاں حلال ہونے کا فتوی صادر کیا۔

اب ذرا چشم عبرت وا کریں اور اس ناشائستہ لفظ پر غور کریں کہ کیا اس کو غیرت و شرم سے دور کا واسطہ بھی ہے، اسی طرح اس فرقہ کے بڑے مفسران قرآن میں سے ایک مفسر مقداد کنز العرفان فی احکام القرآن کا مصنف آیت: هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ[2] (یہ میری لڑکیاں ہیں اگر تم کرنا ہی چاہتے ہو) کی تفسیر یوں کرتا ہے:

اراد الاتيان من غير الطريق المهود بين الناس[3]

یہاں اتیان سے مراد مقرر اور رائج طریقے کے خلاف طریقہ مراد ہے

1۔ كتاب الاستبصار، بَابُ أَنَّهُ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُحَلِّلَ مَمْلُوكَتَهُ لِغَيْرِهِ، 3/ 143، ط: دار الكتب الإسلامية، تهران (ايران) و تهذيب الأحكام في شرح المقنعة، بابِ تحليل ، 7/ 243، ط: دار الكتب الإسلامية، تهران

اسی طرح روافض میں سے خطابیہ کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے لئے جھوٹی قسم وغیرہ کو جائز اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لئے حلال سمجھتے ہیں

:الخطابية من الرافضة هم ينسبون إلى أبي الخطاب ولا أدري ممن هو غير انه كان يأمر أصحابه أن يشهدوا على من خالفهم بالزور في الأموال والدماء والفروج وقال إن دماءهم ونساءهم لكم حلال-(المعارف ، لابن قتيبة : 623)

2۔ سورة الحجر ،الاية : 71

3۔ كنز العرفان فی فقه القرآن، 2/ 354، ط: المكتبة المرتضوية بیوی کی دبر میں وطی کرنا تو شیعہ کے ہاں عام سی بات ہے اور جائز بھی ہے وسائل الشیعہ کی روایت ملاحظہ فرمائیں: عن ابن أبي يعفور قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن الرجل يأتي المرأة في دبرها قال: لا بأس به.(وسائل الشيعة ، كتاب النكاح ، 14/ 103، ط: داراحياء التراث العربية بيروت)

یہاں اس کج نہاد مفسر نے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ایسے شرمناک کام کی نسبت کی ہے جس کو رذیل ترین اور اوباش آدمی بھی اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے اور اس سے گریز کرتے ہیں چہ جائیکہ شرفاء اور پیغمبر یا پیغمبر زادے۔

اگر کسی شیعی کے دل میں یہ بات کھٹکے کہ گو اس وقت اجنبیوں کے دیکھنے کا حکم تحریم نہ آیا تھا لیکن سلیم الطبع اشخاص کی فطری خصلت اسے عار ہی سمجھتی ہے اس لیے پیغمبر علیہ السلام کو اس کی اجازت نہ دینی چاہیے تھی بلکہ منع کرنا چاہیے تھا تو اس کا یہ شک قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ طبرسی کی مجمع البیان اور دوسری شیعی تفاسیر میں لکھا ہوا ہے کہ جس وقت خوش جمال اور خوش پوشاک فرشتے مہمانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اس وقت ان کا فرشتہ ہونا ظاہر نہیں ہوا تھا تو حضرت سارہ علیہا السلام بھی وہاں آئیں اور مہمانوں کی باتیں سن کر ہنسیں بھی مسکرائیں بھی،[1] تو حضرت سارہ علیہا السلام کا آنا غیر مردوں کی باتوں پر مسکرانا ہنسنا غیرت و شرم سے کس قدر بعید بات ہے لہٰذا اس سے پتہ چلا عار اور شرم اس وقت لاحق ہوتی ہے کہ ذہنوں میں اس کے متعلق برائی بیٹھی ہو اور برائی دل میں بیٹھنا حکم شرع کے نزول پر موقوف ہے حکم شرع سے پہلے اور کیسی اور کیوں؟

پھر دنیا بھر کی ان مختلف قوموں کے متعلق کہا جائے گا جو مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیلی ہوئی ہیں اور جن کے ہاں عورتوں کا مردوں سے چھپنا یا ان کی طرف نظر نہ کرنا نہ معمول تھا اور نہ مروج اور نہ معیوب کیا ان میں کوئی بھی سلیم الطبع فرد موجود نہ تھا اس کے بادشاہ و امراء، تاجر اور صاحب ثروت لوگ تو مسلمانوں سے بھی زیادہ نخوت و تکبر اور اقتدار کے مالک ہیں غیرت و ناموس کے بڑے بلند آہنگ دعوی دار ہیں بالخصوص ہند کے راجپوت وغیرہ، لہٰذا حکم شریعت کے نزول سے پہلے ایسے امور کو غیرت کے منافی خیال کرنے اور اس کو بے غوری پن سے تعبیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ان میں عادی اور خلقی و پیدائشی باتوں میں فرق و تمیز کرنے کی صلاحیت ہی نہیں اور یہی دھوکے کی جڑ ہے۔

1۔ وفي هذه الحال كانت امرأته " سارة " واقفة هناك فضحكت كما تقول الآية وامرأته قائمة فضحكت. (الأمثل في تفسير كتاب الله المنزل، لمكارم الشيرازي، 7/ 57)

پھر مسلمانوں میں مختلف عادات رواج پا گئی ہیں ان کے امر اُ و سلاطین باوجود مستحکم اقتدار رکھنے اور غیرت و شرم کے بڑے بڑے دعوؤں کے اپنی بیگمات کو بالا خانہ اور جھر کوں میں بٹھا کر فوجی مشقوں، جانوروں کی لڑائیوں یا مردوں کے دوسرے کھیل تماشے دکھاتے ہیں جنگلوں باغات اور دریاؤں سمندروں کی سیر کراتے ہیں البتہ اس کا ضرور خیال اور اہتمام کرتے ہیں کہ غیر مردوں کی نظر ان پر نہ پڑے۔

علاوہ ازیں عورتوں کا اجنبی مردوں کو ایسی حالت میں دیکھنا کہ ان کا ستر کھلا ہوا نہ ہو یا بالا جماع حرام نہیں ہے بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اجنبی مرد کو دیکھنا عورت کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح اجنبی عورت کو کسی مرد کا دیکھنا حرام ہے اور اکثر شرعی دلائل اور قرون سابقہ خلفاء عباسیہ کے عہد تک کے حالات اسی اخیر قول کے موید ہیں۔[1]

پس ایسے فعل کو بری نظر سے دیکھنا یا اس پر اظہار تعجب کرنا جس کے جائز و حرام ہونے میں اختلاف موجود ہو جائے خود محل نظر ہے اور بالفرض اس کو حرام بھی مان لیں تو وہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آیت حجاب و تحریم نازل نہیں ہوئی تھی، اور پھر بات کیوں فراموش کر دی جاتی ہے اور حضور ﷺ کے شارع ہونے کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان امور میں طرز گفتگو اور اعتراض کا لہجہ ایسا کیوں اختیار کیا جاتا ہے جیسا عام آدمی کے متعلق ہوتا ہے نبوت کے بعد حضور اکرم ﷺ کا ہر قول ہر فعل ہر حکم اور سکوت بجائے خود شریعت ہے چاہے اس کے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور یہ کس کو معلوم نہیں کہ آیت تحریم کے بعد بھی حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی کم از کم مستورات نمازوں کے لیے تو مسجد نبوی میں آتی ہی رہی ہیں کیا وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے تشریف لاتی تھیں کہ کسی مرد پر نظر نہ پڑ جائے۔

آیت تحریم کے بعد بھی حضور ﷺ کا صحابیات کو مسجد میں آنے سے نہ روکنے کا صاف مطلب یہ ہے

1۔ الخلوة بالأجنبية حرام ـــ ولا يكلم الأجنبية ـــ (و) ينظر (من الأجنبية) ولو كافرة مجتبى (إلى وجهها وكفيها فقط) للضرورة ـــ (فإن خاف الشهوة) أو شك (امتنع نظره إلى وجهها) فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زمانهم وأما في زماننا فمنع من الشابة ۔ (الدرالمختار مع الرد المحتار ، 6/ 368، 371)

کہ عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھ لینا حرام نہیں (نعمانی) اور پھر وہ کھیل لہو ولعب کے قماش کا نہیں تھا فنون سپہ گری کا مظاہرہ تھا دیکھنے والیاں بھی ان کرتبوں کو دیکھنا چاہتی تھیں مردوں کو تاک جھانک تو ان کے حاشیہ خیال میں تک نہ تھی، اس میں نہ کوئی اعتراض کی بات ہے نہ تعجب کی، تعجب اور ماتم تو ان لوگوں پر کرنا چاہیے جنہوں نے چھوکریوں کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال جانا جس کو سبھی لوگ ننگ وعار سمجھتے اور نازیبا وناشائستہ حرکت خیال کرتے ہیں ان کے لیے کیسے قابل قبول اور لائق تسلیم ہو گیا۔

دھوکہ نمبر 96: سنیوں کی روایت کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل کو تھپڑ مارا

ان کا ایک طنز اہلسنت پر بصورت الزام یہ ہے کہ انہوں نے اپنی صحاح میں یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس قبض روح کے لیے آئے تو آپ نے ان کے منہ میں ایسا طمانچہ مارا کہ ملک الموت کی ایک آنکھ جاتی رہی،[1] حالانکہ اس واقعے میں کئی قابل اعتراض باتیں ہیں اول یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدائی فیصلہ پر راضی نہ ہوئے دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کیا۔

حالانکہ اہل سنت نے یہ روایت بھی بیان کی ہے "ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ"[2] جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات پسند نہیں فرماتا، تیسرے یہ کہ ملک الموت اتنے کمزور عاجز اور بے اختیار ہو گئے تھے کہ تھپڑ کھایا آنکھ گنوائی مگر اتنا نہ ہو سکا کہ روح قبض کر لیتے آخر ناکام ہو کر واپس ہوئے خالق الموت والحیات کے دربار میں شکایت کی یہ ساری خرابیاں اصول شریعت کے خلاف ہیں۔

اس طنز کا جواب یہ ہے کہ روح قبض کا عمل دو طریقوں پر ہوتا ہے پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ جو ملک الموت عام مخلوق کے ساتھ برتتے ہیں کہ اس کو بغیر کوئی اختیار دیئے اور یہ پوچھے اور بتائے بغیر کہ میں ملک الموت ہوں

1۔ عن أبي هريرة، قال: أرسل ملك الموت إلى موسى عليه السلام، فلما جاءه صكه ففقأ عينه۔۔۔الخ۔ (صحيح البخاري، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، 4/ 1842، رقم: 2372، ط: دار طوق النجاة)

2۔ شرح صحيح مسلم، للنووي، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه، 17/ 09، ط: دار الكتاب العربي بيروت لبنان

اگر اجازت ہو تو ایسا کروں اور اس کی روح قبض کر لیتے ہیں، دوسرا طریقہ وہ ہے کہ جو پیغمبروں کے ساتھ اختیار کرتے ہیں کہ اول تو اپنا تعارف کراتے ہیں کہ ملک الموت ہوں پھر چلنے اور رہنے کا اختیار دیتے ہیں اور یہ پیغام دیتے ہیں ارجعی إلی ربك (اپنے رب کی طرف لوٹ چلیے) چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام لقاء رب کے انتہائی شائق ہوتے اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے ان سے قبض روح کی اجازت طلب کرتے ہیں جب اجازت لے چکتے ہیں تو اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

پس موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہلی مرتبہ اسی عام طریقہ سے آئے نہ اپنا تعارف کرایا نہ ہی شکل وصورت فرشتے کی سی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھ سکے کہ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں بلکہ انسانی شکل میں ہونے کے اسباب یہ سمجھے کہ کوئی دشمن ہے جو قتل کرنے کے لیے آیا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دو فرشتوں کو جو محراب کی دیوار پھاند کر اندر آگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے اپنا دشمن خیال کیا اور چلا اٹھے قرآن مجید میں بھی اس کا قصہ ہے،[1] اور اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اعرابی سائل کی شکل میں دیکھ کر نہ پہچانا، حالانکہ جبرائیل علیہ السلام سے آپ کو اتنا لگاؤ اور اتنی زیادہ مجالست رہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا دسواں حصہ بھی میسر نہ تھا اور دشمن سے ہر ممکنہ طریقہ پر دفاع ضروری اور لازمی ہے اس لیے انہوں نے ملک الموت کے ساتھ یہ برتاؤ کیا دشمن سمجھ کر کیا اور ملک الموت نے خصوصی طریقہ اختیار نہیں کیا تھا پھر ان کے مرتبے نبوت اور اس کو قرب جو ذات باری سے ان کو تھا، واقف تھے اس لیے مار کھا کر بھی ان کے سامنے جھک گئے اور کوئی حرکت نہ کی اور آخر تک اپنی حیثیت ظاہر نہ کی پھر دربار الٰہی میں حاضر ہو کر روداد بیان کی اور جو واقعہ گزرا تھا عرض کیا پھر دوسری مرتبہ اسی اصول وامتیاز کے ساتھ جو انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے مخصوص تھا ملک الموت کو بھیجا گیا تب انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چلنے یا رہنے کے متعلق اختیار دیا تو آپ نے چلنے پر آمادگی ظاہر فرمائی اور اتنی مہلت مانگی کہ زمین مقدس کے نزدیک پہنچ جاؤں تو اپنا کام کر گزرنا۔

1۔ وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۔ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۔(سورة ، ص: الآية:21، 22)

اب ذرا اس پر انصاف کی نظر ڈال کر دیکھ لیجیے اس میں اعتراض کی کیا بات ہے اور کون سی خرابی لازم آتی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی آخری گھڑی یہی مقرر تھی اس لیے اس میں موت کے ٹل جانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اور ملک الموت فرشتگانہ طاقت و قوت کے مالک ہوتے ہوئے بھی بہت سی جگہ پر انداز ہو جاتے ہیں ان میں مرتبہ شناسی ہوتی ہے حفظ مراتب کا خیال اور تعظیم کا لحاظ رکھتے ہوئے اجازت طلب ہوتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا واقعہ جو امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے شیعہ سنی دونوں کے ہاں منقول ہے۔[1]

اور جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ یہ ملک الموت ہیں اور بحکم الٰہی روح قبض کرنے کے لیے آئے ہیں تو اس میں قضائے الٰہی سے ناخوشی اور لقاء رب سے ناپسندیدگی کا سوال ہی کہاں سے نکل آیا۔

اب ہم اسی بات کو لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پہلی دفعہ ہی اس ہیئت اور شکل میں کیوں نہ بھیجا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر مقصد آمد جان جاتے تب نہ حیل وحجت کا موقع آتا نہ مار پیٹ کی نوبت آتی تو اللہ تعالیٰ کے معاملات اور طریقے اپنے مخصوص بندوں کے ساتھ جس تنوع کے ہیں ان کی حکمتوں مصلحتوں اور اسرار و رموز تک جو بہت نازک باریک اور گہرے اور پوشیدہ ہیں ہر ذہن کی رسائی نہیں ہوتی اگر کوئی اپنے مذاق و مشرب کے مطابق حکمت کلام تصوف اور فقہ سے اخذ کر کے یا سنی شیعہ معتزلہ کے مذاہب کے اصول کی بنا پر لب کشائی کرے اور کوئی ایک آدھ نکتہ بیان کر دے تو اس نکتہ کی حقیقت اور واقع سے اتنی سی نسبت ہوتی ہے جیسے قطرہ کی دریا سے یا ذرہ کی صحرا سے اس لیے اہل تحقیق نے ان اسرار و رموز کے علم کو اللہ کے حوالے کیا اور خود ہر بلب ہو رہے ہیں اور عقل اجمالی طور پر اتنا جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض معاملات میں بعض بندوں کو مخصوص کر لینا کئی اسباب پہلے ہوتا ہے کبھی درجات قرب کے لحاظ سے کبھی لطائف روحیہ کے درجات کے مطابق اور کبھی ان اسماء وصفات الٰہی کے باعث جو اس بندہ کے مربی ہوتے ہیں انہیں اسباب پر مبنی ہوتا ہے بعض بندوں کا مقصود کر لینا

1۔ عن أبي سعيد الخدري، قال: خطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إن الله خير عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله، فبكى أبو بكر الصديق رضي الله عنه، فقلت في نفسي ما يبكي هذا الشيخ؟ إن يكن الله خير عبدا بين الدنيا وبين ما عنده، فاختار ما عند الله، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو العبد، وكان أبو بكر أعلمنا.
(صحيح البخاري، بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ، 1/ 100، برقم: 466، ط، دار طوق النجاة)

بعض رنگوں اور شکلوں کے ساتھ رزق کی فراخی اور تنگی کے ساتھ عمر کی درازی یا کوتاہی کے ساتھ، چنانچہ بعض اسباب کا اہل طبائع یا اطبا کی نظر سراغ لگالیتی ہے تو بعض تک اہل نجوم واحکام کے غور وفکر پہنچ جاتی ہے۔

غرض کارخانہ خداوندی کا احاطہ اس کی ذات کے سوا کسی کے لیے ممکن نہیں اس وقت اگر ہم اس معاملے کے کہ جس کو علم تاویل الاحادیث کہتے ہیں جو باریک بھی اور باریک اصولوں پر مبنی بھی اسباب کو حل کرنے بیٹھیں تو موضوع اور مزاج کتاب سے بہت دور جاپڑیں گے اور پھر وہ سامع کے اکتاجانے اور گھبرانے کا باعث بھی ہوگا۔

دھوکہ نمبر 97: رسول اللہ ﷺ کو اپنی نبوت میں شک تھا

ایک الزام اہل سنت پر یہ لوگ یہ بھی لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحاح میں ایسی روایات بھی درج کی ہیں جن سے حضرت نبی کریم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف شک کی نسبت پائی جاتی ہے مثلاً یہ حدیث جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

نحن أحق بالشك من ابراهيم اذ قال رب ارني كيف تحي الموت[1]

ہم ابراہیم سے زیادہ شک کے حقدار ہیں، جس کا انہوں نے اللہ تعالی سے مردوں کی دوبارہ زندگی کی کیفیت معلوم کرکے کیا، رب ارني كيف تحي الموت

اس طعن کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ خود شیعوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے مکالمہ میں جو حجاج کے ساتھ ہوا جس کا بیان اوپر آچکا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور صرف ایک ہی پیغمبر کے متعلق شک کا اظہار طعن و تشنیع کے لیے کافی ہے تو جس بات کا اہلسنت کو الزام دیتے ہیں خود اسی الزام کے مورد ہیں۔ جب دونوں ہی اس میں شریک ہیں تو اہل سنت ہی کو اس کے لیے مخصوص کیوں کیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث قیاس استثنائی کے معنے میں ہے کہ اس میں نقیض ثانی کی استثنا کی ہے تاکہ اس سے نقیض مقدم نتیجہ حاصل ہو، دراصل اس کلام سے رسول اللہ ﷺ کا منشا مبارک یہ ہے کہ قرآن مجید کی

1۔ صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب، وإذ قال إبراهيم رب أرني كيف تحيي الموتى، 6/ 31، رقم: 4537.

آیت " وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي "[1] سے یہ نہ سمجھنا چاہیۓ کہ یہ شک کے ہونے اور یقین کے حاصل نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوتا تو ہم کو بھی شک ہونا چاہیے تھا کیونکہ ہم ان سے زیادہ شک کے حقدار ہیں، اور جب ہم کو شک نہیں تھا تو لا محالہ ان کو بھی شک نہیں تھا تو گویا آپ کا سوال صرف علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین تک پہنچنے کے لیے ہے، اور اگر کلام کو ظاہر پر محمول کریں تو بھی درست ہے اس لیے کہ شک یقین کے مقابل ہے اور جس طرح یقین کے درجے تین ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہیں، اسی طرح شک کے بھی تین ہی درجے ہیں لہذا یہاں شک سے مراد یہ ہے کہ علم الیقین رکھتے ہوئے عین الیقین کا حاصل نہ ہونا اور پھر عین الیقین کا حاصل نہ ہونا کوئی نقص یا عیب تو نہیں یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام تمام امور غیبیہ کو ان ظاہری آنکھوں ہی سے ملاحظہ فرمائیں اور نہ شیعوں اور سنیوں میں سے کوئی بھی اس کے واجب ہونے کا قائل ہے۔

پس اس صحیح مطلب کو تو جو راہ حق سے ذرا بھی ادھر ادھر ہٹا ہوا نہیں ہے، یہ مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور اپنے ہاں جو انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں قابل الزام روایات کو اپنی کتابوں میں بھر رکھا ہے، اس کو بھول گئے چنانچہ اس کا کچھ حصہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ان شاء اللہ باب نبوت میں ذکر کیا جائے گا اور اس سے ان کے اس عقیدہ کی قلعی کھل جائے گی جو یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔

دھوکہ نمبر 98: اہلسنت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین جھوٹ ثابت ہیں

کہتے ہیں کہ اہلسنت نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے ہیں،[2] حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹ سے پاک ہونا بالاتفاق واجب ہے ورنہ پھر ان کی تبلیغ پر سے اعتماد اٹھ جائے اور بعثت کی غرض مقصود ہو جائے گی۔

1۔ سورۃ البقرۃ، الآیۃ: 260

2۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: لم يكذب إبراهيم عليه السلام إلا ثلاث كذبات—الخ ۔(صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى: واتخذ الله إبراهيم خليلا، 4/ 140، رقم: 3357، دار طوق النجاة)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں جھوٹ سے مراد تعریض ہے جو صورۃً تو جھوٹ دکھائی دیتا ہے، مگر درحقیقت سچ ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاحات میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "العجائز لا تدخل الجنة"[1] بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی، یا فرمایا "انی حاملك على ولد ناقة"[2] میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا "ان في عين زوجك بياضا"[3] تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے، اسی قسم کی اور مثالیں ملتی ہیں اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی بہت سی تعریضات مروی ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ تین جھوٹ بھی اسی نوعیت کے تھے اس لیے کہ انہوں نے اپنی زوجہ کو تشدد کے خوف سے بہن بنایا اور اس سے مراد اسلامی اخوت تھی اور انی سقیم[4] فرمایا تو اس سے غرض روحانی کدورت اور پژمردگی تھی جو جسمانی مرض سے زیادہ سخت چیز ہے اور فعله كبيرهم[5] کفار کو الزام دیتے ہوئے بطور فرض فرمایا، تو ان باتوں کو جھوٹ کہنا محض جھوٹ سے مشابہت رکھنے اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ بھی ایک ضروری مصلحت کی بنا پر تھا کیونکہ کسی ظالم کو اپنے مال، جان اور آبرو سے باز رکھنے میں اگر صاف جھوٹ بولنا پڑ جائے تو اس کے بھی شرعاً اجازت ہے تعریضیں تو جھوٹ ہے ہی نہیں، بہر حال ان صحیح المعنی روایات کو مورد الزام ٹھہرانا اور اپنی ان روایات کو بھول جانا یا پس پشت ڈال دینا جو انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک دامن پر برائی اور

1۔ أتت عجوز إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله أدع الله أن يدخلني الجنة. فقال يا أم فلان! انّ الجنة لا تدخلها عجوز. (الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: 144، رقم: 230، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت)

2۔ الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص: 142، رقم: 228 ط: دار إحياء التراث العربي بيروت

3۔ خلاصة سير سيد البشر للطبري، مزاحه، ص: 103، ط: مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة السعودية

4۔ سورة الصافات، الآية: 89

5۔ سورة الأنبياء، الآية: 63

... ... ہیں جو کہ انبیاء [illegible] اور [illegible] ہے۔

... گے اگر کوئی [illegible] ہوتے ہیں ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ بعض انبیاء کو تو ہر ایک سے بھی [illegible] کرواتے ہیں [illegible] بعض کو گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہراتے ہیں ان کے ہاں تو بطور [illegible] ہے کہ انبیاء پر کفر کا صدور بطور تقیہ واجب ہے، اہلسنت کو الزام دینے سے پہلے ان کو چاہیے کہ اپنے عقائد اور ان روایات کا مطالعہ [illegible] تحریفات سے توبہ کریں، پھر زبان کھولیں۔

دعویٰ کہ شیعہ و [illegible] اہلسنت کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت کی صحاح میں یہ روایت ہے کہ "إن الشيطان يفر من ظل عمر"[2] "شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے، حالانکہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام پر ظاہر ہوتی ہے، اس لیے کہ انبیاء تو نصوص قرآنیہ کے بموجب شیطان سے محفوظ نہ رہ سکے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا "فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ"[3] شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا "هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ"[4] یہ شیطان کا کام ہے، حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا "أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ"[5] بے شک پہنچائی مجھے

---

1. [illegible] عصمة الأنبياء و خاصة نبي الإسلام (صلى الله عليه وآله) [illegible] سورة البقرة [illegible] (الأمثل في تفسير كتاب الله المنزل: 1/272، ط: [illegible])

2. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الشيطان ليخاف منك يا عمر (الجامع الكبير سنن الترمذي، باب في مناقب أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه 6/62، رقم: 3690، ط: دار الغرب الإسلامي بيروت)

3. سورة طه، الآية 120

4. سورة القصص، الآية 15

5. سورة ص، الآية 41

شیطان نے دشمنی اور تکلیف کے ساتھ، پھر تمام رسولوں اور نبیوں کی شان میں ارشاد ہوا ہے "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ"[1] آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ ان کی تمنا میں شیطان نے گڑبڑ نہ کی ہو۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں اب جب کہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا بلکہ ان کے سائے سے بھی بھاگتا ہے اور انبیاء ورسل کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ان کے دلوں پر قبضہ پاکر ان میں وسوسہ ڈالتا ہے تو لا محالہ حضرت عمر انبیاء سے افضل ہوئے اور یہ بات بالاجماع غلط اور باطل ہے، ان کے ہاں یہ الزام بڑا معرکہ آرا سمجھا جاتا ہے اور ان کے ہاں اہل علم اس شبہ کو بیان کرکے بڑی خوشی اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔

اہلسنت کی طرف سے اس الزام کے کا جواب کئی انداز اور وجوہ سے دیا جاتا ہے، اول ہم خود ان شیعوں سے پوچھتے ہیں کہ تم ان تمام آیات مذکورہ یا ان جیسی دوسری آیات کی روشنی میں انبیاء پر شیطان کا عمل دخل مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو انبیاء وآئمہ کرام کی عصمت کا عقیدہ تمہارے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور نہ ماننے کی صورت میں ان آیات کی تاویل کرکے انبیاء کرام کی عصمت شیطان سے محفوظ وبرقرار رکھو گے تاکہ ان کی ذات پر کوئی الزام نہ آئے، اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صفت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے شریک ہوجائیں گے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ بعض اولیا انبیاء کے ساتھ بعض صفات میں شریک ہوجاتے ہیں، البتہ ان میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر شیطان کا تسلط اور غلبہ ناممکن ہے اور ان کے اسی مرتبہ کا نام عصمت ہے اور اولیاء پر شیطان کا غلبہ ممکن ہے، اور ان کے اس مرتبہ کا نام محفوظیت ہے، شیطان کا غلبہ ممکن ہے اور ان کے اس مرتبے کا پتہ بعض قرآنی آیات سے بھی چلتا ہے کہ خدا کے بعض بندے بھی شیطان کے تسلط سے مامون ہے یہ خاصہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں چنانچہ ارشاد ہے "إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ"[2] بے شک میرے خاص بندوں پر تجھ کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا، نیز

1۔ سورة الحج، الآية:52

2۔ سورة الحجر، الآية:42

فرمایا"إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"[1] "مگر ان میں سے تیرے بعض مخلص بندے، تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ایسے بندوں میں ہو جائے تو اس میں کون سے شرعی یا عقلی خرابی کا لازم آتی ہے۔

اب رہے یہ الفاظ کے خلاف فلاں کے سایہ سے بھاگتا ہے تو یہ محض ایک مثال ہے یہ کیا ضروری ہے کہ ان الفاظوں کے معنیٰ پر محمول کر کے دور از عقل معنی پیدا کریں مقصد صرف اتنا ہے کہ شیطان ان کو بہکانے میں بے بس ہے مثلاً اللہ تعالی کے اس فرمان" قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ"[2] (کہیے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو) مراد بچتے ہو یا یہ فرمایا"جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ "[3] وہ دیوار جو ٹوٹنا ہی چاہتی تھی اس میں گرا ہی چاہتی تھی مراد ہے۔

دوسرے شیطان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر کر بھاگنا اور انبیاء و رسل سے نہ ڈرنا اس بات سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت انبیاء کرام پر ثابت نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ چور کو توال اور پہرے دار سے اور راہزن فوجدار سے جتنا ڈرتے اور کانپتے ہیں اتنا بادشاہ ہے وقت سے نہیں کیونکہ کوتوال اور فوجدار کی توڈیوٹی اور فرض ہی یہ ہے کہ مفسدوں چوروں اور ڈاکو سے ملک و شہر کو پاک کریں اس لیے یہ مفسدوں اور چوروں کے مکر وہ و فریب اور ہتھکنڈوں کو بادشاہ کی نسبت زیادہ جانتے اور پہچانتے ہیں بادشاہ کو ملکی مہمات اور معاملات میں الجھ کر یہ موقع کہا کہ وہ چوروں کی نفسیات اور ان کی وارداتوں کی ٹوہ لگائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ عہدہ احتساب سے سرفراز سے اس لیے بدکرداروں اور بد افعال اشخاص جو درپردہ شیطانی گھر کے تھے ان سے لرزہ و ترساں رہتے تھے بلکہ ان کے احتساب کو تو دریائے نیل بھی مانتا تھا کہ ان کے حکم پر جاری ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کو کسی چیز یا شخص سے ڈرنا اس شخص یا چیز کی اصلیت کو اس شخصیت نے اس چیز پہ ثابت نہیں کرتا جس کی فضیلت قطعی الثبوت ہے، مثلاً اذان کے بارے میں فریقین کے ہاں بروایت

1۔ سورة الحجر، الآية:40

2۔ سورة الجمعة، الآية:8

3۔ سورة الكهف، الآية:77

جیسا کہ مروی ہے کہ اذان سن کے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے اور پھر نماز میں آموجود ہوتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔[1] حالانکہ یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ نماز تمام عبادات پر افضل ہے چہ جائیکہ اذان کہ وہ تو پہلے نماز سے ہے اور نہ اصل عبادت نہ فرض اور نماز سے اس کے برابری کا سوال ہی نہیں اس صورت میں حضرت عمر اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معاملے کو قیاس کر لیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو شیطان مکر و فریب اجمالی طور پر بیان کرکے اس کے راستے بند فرماتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے مکر و فریب کا پیچھا معلوم کرکے اس کے سارے انجر پنجر کو جانتے ہیں، کیسے وہ بہکانے گمراہ کرنے کے ارادے اور وسائل اور اوزاروں کی تفصیلی جانکاری پر تمام کرتے اور ان کا توڑ تلاش کرتے ہیں اور چونکہ عقل مدرک ہیں (سمجھنے والی) احکام کلیات کی ہے اور وہم جزوی احکام کا مدرک ہے اور وہم ہی قوی کیا ہوا ہے وجود انسانی پر حکمرانی کرتا ہے اور اکثر لوگوں میں اکثر اوقات عقل پر غالب رہتا ہے اور عقل کے خوف والے کو خاطر میں نہیں لاتا اس کے خوف سے اپنی مملکت اعضاء انسانی میں من مانے احکام صادر کرنے سے باز رہتا ہے نہ عاجز ہوتا ہے جب تک وہ خود ہی کسی بات یا چیز سے خائف نہ ہو جائے شیطان بھی جب تک اس کی مدد اور موافقت نہ حاصل کرے کوئی کام انجام نہیں دیتا، وہم شیطان کا اتنا بڑا ہتھیار ہے کہ وہ ساتھ نہ دے تو شیطان مفلوج ہو کر رہ جائے۔

لہذا ان وجوہ سے شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خائف ہوگا انبیاء کرام علیہم السلام سے نہیں اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ان جیسی ہستیوں کی فضیلت کی نہیں بلکہ یہ چیز ان کی جزئی کاریگری اور باریک بینی سے حاصل ہوئی ہے جیسے فراست مومنانہ بھی کہا جا سکتا ہے، جو انبیاء کرام علیہم السلام ہی سے ماخوذ اور ان کے انوار و تجلیات کا پرتو ہے یہ زیرکی و دانائی اور ژرف نگاہی نور نبوت ہی کا فیضان ہے۔

چوتھے یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جنت کی نعمتوں کی امید دلا کر اور دوزخ کے شدائد اور ہولناکیوں سے

1۔ عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الشيطان إذا سمع النداء بالصلاة أحال له ضراط حتى لا يسمع صوته فإذا سكت رجع فوسوس فإذا سمع الإقامة ذهب حتى لا يسمع صوته فإذا سكت رجع فوسوس. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، 1/ 291، رقم 389، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت)

ڈر کر اطاعت کی طرف راغب اور معاصی سے نفور و خائف کرتے ہیں، اول تو یہ باتیں نظر سے غائب ہیں، اور بہت سے لوگوں کی عقل میں بھی نہیں آتیں، دوسرے یہ صرف وعدہ وعید ہے اور وہ بھی حشر کے دن کا، اور ایسے آدمی کو شاذ و نادر ہی ملیں گے، جو ان وعدوں پر ایسا ایمان رکھتے ہوں جیسا کہ آنکھوں دیکھی چیز پر اور جن کو انبیاء کرام علیہ السلام کے وعدوں پر اعتماد کلی ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ان جیسی ہستیاں دنیاوی نعائم کے ساتھ رغبت دلا کر یا ڈنڈے کی زور سے اطاعت کی طرف راغب کرتی اور برائیوں سے باز رکھتی ہیں پھر دنیا کے اکثر لوگ تو ترت فائدے اور نفع ہی کو قابل توجہ سمجھتے اور یہیں کے مکافات عمل سے ڈرتے اور خوفزدہ ہوتے ہیں، اس لیے لامحالہ شیطانی فوج اور اس کے گرگے، عمری دبدبہ و قہر سے زیادہ خائف اور ان کے نام سے لرزہ براندام تھے، نہ کہ انبیاء علیہم السلام سے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

السلطان یزع اکثر مما یزع القرآن[1] قرآنی بندوبست سے زیادہ سلطانی بندوبست سخت ہوتا ہے۔

اردو میں بھی ایک مثل مشہور ہے کہ "مار کے آگے بھوت بھی بھاگتا ہے" جو جن بھوت تعویز گنڈوں سے نابھاگے اس کی اگر پٹائی کر دی جائے تو فوراً دفع ہو جاتا ہے۔

پانچویں یہ روایت بھی اس طعن کہ بخئے ادھیڑتی ہے جو شیعوں اور سنیوں دونوں کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے احباب اور دوستوں کے مراتب دریافت کیے گئے تو آپ نے فرداً فرداً بیان فرمائے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ الفاظ فرمائے:

ذالك الذي إجارة الله عن الشيطان على لسان نبيكم[2]

یہ وہ ہستی ہے جس کے شیطان سے پناہ میں رہنے کی اطلاع اللہ تعالی نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دلوائی۔

1۔ شرح رسالة الحقوق للإمام علي بن الحسين زين العابدين، ص: 281

2۔ حدثنا سليمان بن حرب حدثنا شعبة عن مغيرة وقال: "الذي أجاره الله على لسان نبيه ﷺ يعني عمارا". (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، 5/ 229، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

اس روایت سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا شیطان سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے، تو چاہیے انہیں بھی انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت ہو، (اور کسی کے نزدیک بھی ایسا نہیں ہے) بہر حال عمر ہوں یا عمار رضی اللہ عنہما یہ دونوں کا مشترک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ خود شیطان سے محفوظ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود محفوظ ہونے کے ساتھ شیطان کے لئے ہوا بھی ہیں کہ ان کے سایہ تک سے لرزتا ہے اور میدان چھوڑ بھاگتا ہے، اب اگر طعن کرنے والوں کی منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی نتیجہ نکلے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو (نعوذ باللہ) شیطان سے محفوظ نہ رہ سکے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی محفوظیت کی لسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تو گویا یہ بھی انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوئے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

دھوکہ نمبر 100: سنیوں کی روایت سے بلال رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت

یہ کہتے ہیں کہ کتب صحاح میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے آگے دیکھا اور ان کی جوتی کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت میں آئی،[1] اعتراض ان کا یہ ہے کہ اس روایت سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت لازم آتی ہے اور یہ بڑی نازیبا بات ہے۔

اس اعتراض میں بڑے ظلم اور تعصب سے کام لیا گیا ہے، اس لئے کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا بہشت میں آگے چلنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے زمین پر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ آگے آگے ہی چلتے تھے تاکہ راہ کے موانعات اور تکلیف دینے والی چیز کو ہٹاوے ("حمالۃ الحطب" کی طرح بہتر ہے آپ کے دشمن تھے آپ کی ایذا رسانی کے لئے کچھ بھی آپ کے راستے میں ڈال سکتے تھے ویہ بھی نہ ہو تو راستہ میں اینٹ پتھر اور روڑے تو ہوتے ہی ہیں، از مترجم نعمانی) اور وہ اینٹ پتھر جو بھی ہوتا اٹھاتے اور آپ کے لیے راستہ صاف کرتے تھے، عام طور پر خدام اسی لئے

1۔ عبد الله بن بريدة، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ، قال: سمعت في الجنة خشخشة أمامي، فقلت، من هذا؟ قالوا: بلال، فأخبره، قال: بما سبقتني إلى الجنة؟ قال: يا رسول الله ما أحدثت إلا توضأت، ولا توضأت، إلا رأيت أن لله علي ركعتين أصليهما، قال: بها. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، 6/ 396، رقم: 32335، ط: مكتبة الرشد الرياض)

رکھے جاتے تھے اگر ان کو اس کام کے لیے خاص طور پر نہ بھی رکھا جاتا تو خدام از خود اسے اپنا فرض قرار دے لیتے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ آقا کو کلفت اور بے آرامی ہو، اور اس وقت یہ رسم غایت ادب کی علامت اور نشانی تھی، اور خدام کا یہ عام معمول تھا کہ اپنے آقا و مخدوم کے آگے آگے چلیں (اور اس کا مشاہدہ آج بھی برأس العین کیا جاسکتا ہے، سلاطین زمانہ اور احکام وقت کے باڈی گارڈ کہاں چلتے ہیں، پیچھے ہاتھ باندھے یا آگے دندناتے ہوئے، دنیا میں اعتراض کرنے والی یہی ایسی عجیب الخلقت مخلوق ہے جس کو عین ادب بے ادبی نظر آتا ہے۔ از مترجم نعمانی)

اس ادب کے مقابلہ میں یہ بات سوء ادب ہے کہ مخدوم اپنے راستے کے موانعات خود اپنے ہاتھ سے ہٹائے راستہ صاف کرنے اور خدام دست بستہ تماش بین بنے پیچھے ہوں یہی وجہ ہے کہ تمام امراء، اغنیاء اور بادشاہوں اور ذی اقتدار لوگوں میں ادب کی یہی صورت ہمیشہ رائج رہی ہے اور تو اور عرب کے جاہل اکھڑ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے والے ذی حشم لوگ بھی اسی کو شائستہ ادب مانتے تھے چنانچہ مثال کے طور پر ان کے ہاں یہ مشہور ہے "ثلث یتقدم فیھا الاصاغر علی الأکابر اذا سارو کیلا أو خاضوا سبیلاً أو صارفوا خیلاً"[1]

تین مواقع پر چھوٹے بڑوں کے آگے رہتے ہیں جب رات کو کہیں جائیں یا پانی میں گھسیں یا لشکر لے کر چلیں، اور اس قسم کا تقدم نہ جنت میں پہلے داخل ہونے کا متقاضی ہے، اور نہ ہی مرتبے اور درجہ کی بلندی کا، جس سے کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے افضل ہیں، اور فرض کرلیں کہ وہ جنت میں پہلے ہی داخل ہوئے تھے تو بھی جنت میں داخلہ اس وقت بزرگی و فضیلت کا باعث ہوتا ہے، جبکہ ثواب اور اجر اعمال بھی اس سے زائد ہوں ورنہ یوں تو فرشتے بھی انبیاء علیہم السلام سے پہلے جنت میں چلے جاتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام ہمارے حضور ﷺ سے پہلے جنت میں چلے گئے بلکہ جنت میں تو ابلیس حضرت آدم علیہ السلام سے پیشتر چلا جاتا تھا۔

پھر بڑی فضیلت اور برتری تو یہ ہے کہ جیتے جاگتے اس گوشت پوست کے جسم کے ساتھ بہشت میں داخلہ ہو، جیسا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو نصیب ہوا نہ یہ کہ خواب یا استغراق میں صرف روح جنت میں جائے اور

1۔ مجمع الامثال لابی الفضل احمد بن محمد المیدانی النیسابوری (المتوفی 518ھ) حرف الثاء، 1/ 152، ضرب المثل رقم: 830، ط: دار المعرفة، بیروت (لبنان)

خود کو پتہ تک نہ چلے، جب آنحضرت ﷺ کو (معراج کی شب) آپ کی امت کے مراتب اور ان کے ثواب، درجات کی مقدار دکھائی اور بتائی جاری تھی تو ساتھ ساتھ صاحب درجات و مراتب کی صور مثالیہ بھی پیش کی جا رہی تھیں اور بتایا جا رہا تھا کہ آپ کی امت میں سے فلاں شخص کو فلاں عمل کے سبب یہ درجہ و مرتبہ نصیب ہوا تا کہ آپ لوگوں کو اس عمل کے خواص و فضائل سے آگاہ فرمائیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ ان میں سے کسی سے فرماتے کہ میں نے تم کو اس مرتبہ و درجہ پر فائز دیکھا ہے تم ایسا کیا کام کرتے ہو جس کے سبب اس مرتبہ کے مستحق سمجھے گئے مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بھی اس عمل کی اہمیت و افادیت سے واقف ہو اور پھر کبھی وہ عمل ترک نہ کرے اور دوسرے لوگوں بھی اس کام کی طرف راغب ہوں اور ان میں بھی اس کی حرص پیدا ہو، حالانکہ ایسے حضرات کو ان امور کا کچھ پتہ نہ ہوتا تھا اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو خواب میں بھی جنت میں دیکھا تھا، چنانچہ جناب بلال رضی اللہ عنہ کو بہشت میں اپنے آگے دیکھنے کا معاملہ بھی اسی طرح کا تھا، یہ ان کی مثالی صورت ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمائی یا محسوس فرمائی جب حضور ﷺ نے ان سے عمل کے بارے میں دریافت فرمایا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ تحیۃ الوضوء پابندی اور اہتمام سے پڑھتے تھے اور اس سے تحیۃ الوضوء کی فضیلت واضح ہو گئی۔

اسی طرح دوسرے صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے بارے میں متعدد احادیث میں یہ آیا ہے کہ آپ نے نام لے لے کر فرمایا کہ فلاں کو ایسا دیکھا اور فلاں کو ایسا اور یہ فلاں فلاں عمل کے سبب تھے ان میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رمیصاء رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بھی کہ بہشت میں آنحضرت ﷺ نے ان کی قرآت سماعت فرمائی پھر معلوم ہوا کہ ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ ماں کی خدمت کا صلہ نتیجہ اور سبب ہے، طبرانی میں اسی حدیث بلال کے آخر میں فقراء اور ان کی اولاد کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے جس سے یہ شبہ بالکل ہی جاتا رہا:

عن ابي أمامة ان النبي ﷺ قال دخلت الجنة فسمعت حركة امامي فنظرت فاذا بلال و نظرت إلى اعلاها فاذا فقراء امتي و اولادهم و نظرت في اسفلها فاذاهم الأغنياء[1]

1۔ عن جابر بن عبد الله، أن رسول الله ﷺ قال: «أريت الجنة فرأيت امرأة أبي طلحة، ثم سمعت خشخشة أمامي فإذا بلال»(صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل ام سليم ، 4/ 1908 ، رقم : 2457)

ابی امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے کچھ چاپ سنی جب میں نے ادھر نظر ڈالی تو بلال نظر آئے، اوپر کے حصہ کی طرف نظر اٹھائی تو وہاں میری امت کے فقراء اور ان کی اولاد نظر آئی اور نیچے کے حصہ کی طرف جھانکا تو وہاں امراء اور اغنیاء نظر آئے۔

شیعوں کے اعتراض میں اگر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق تعارفی الفاظ غلام ابو بکر پر غور کریں گے تو ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا تعصب اور عناد عیاں ہو کر سامنے آجائے گا، یہ نامنصف متصف اتنا نہیں سوچتے کہ اہلسنت اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل اور نیکی کا اعتقاد صرف اس بنا پر رکھتے ہیں کہ ان کی نسبت اور وابستگی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہے تو ان کی جگہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جنت میں کیوں نہ دکھاتے اور ان کی تعریف کیوں نہ کرتے اس لیے کہ بیٹا بہر حال غلام سے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اہلسنت کے نزدیک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت، ایمانی قوت صدق اخلاص اور طاعات پر مداومت کی برکت سے نصیب ہوا اس لیے یہ روایت تحیۃ الوضو کی طرف رغبت و شوق دلانے کے سلسلہ میں لائی گئی ہے نہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں۔

دھوکہ نمبر 101: سنیوں کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

اعتراض یہ ہے کہ اہلسنت کی کتابوں میں ذکر ہے کہ آنحضرات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان الله تعالی نظر عشية يوم عرفة الى عباده فباها بالناس عامة و بعمر خاصة"[1] اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کی شام اپنے بندوں پر نظر ڈالی تو سب پر عموماً اور عمر رضی اللہ عنہ پر خصوصاً فخر کیا، یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت پیغمبر علیہ السلام پر اور جناب پیغمبر علیہ السلام کی تحقیر ثابت کرتی ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں میں شمار کیا

1۔ عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من أبغض عمر فقد أبغضني، ومن أحب عمر فقد أحبني، وإن الله باهى بالناس عشية عرفة عامة، وباهى بعمر خاصة۔۔۔الخ۔ (المعجم الأوسط للطبراني، 7/ 18، رقم: 6726، ط: دار الحرمين القاهرة)

ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاص ہیں۔

اس اعتراض میں ظلم وناانصافی تعصب ودشمنی حد سے بڑھ گئی اور کلام کو بالکل غیر محل پر استعمال کیا ہے ،اول تو اس میں حضور ﷺ کو عام لوگوں میں شمار کرنے کی کوئی دلیل اور ثبوت نہیں کیونکہ ناس سے مراد وہ تمام حجاج ہیں جو میدان عرفات میں حاضر تھے اصول کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ متکلم عموم کلام سے خارج ہوتا ہے (یہاں متکلم خود حضور ﷺ ہیں تو ان کا عام میں شمار نہیں) دوسرے معترض نے عموم وخصوص کے وہ معنی سمجھے جو آج کل لوگوں میں مشہور ومعروف ہیں کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص عام لوگوں میں سے ہے اور فلاں خواص میں سے ،یہ معنی عربیت کے بالکل مناسب نہیں اور جس نے ایسا سمجھا اس کے کلام عرب سے اپنے کو ناآشنا ثابت کیا اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے اس روز فرشتوں پر حاجیوں کی فضیلت بالعموم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بالخصوص بیان فرمائی بس اس حدیث میں حجۃ الوداع کے سارے ہی حاجیوں کی فضیلت فرشتوں پر مقصود ہے۔

ہاں حضرت رضی اللہ عنہ کو ان کے شرف کے اظہار کے لیے فخر سے مخصوص فرمایا کیونکہ ملاء اعلیٰ میں آپ کی فضیلت شہرت پاچکی تھی اور سب فرشتے آپ کی بزرگی کے معتقد ہوچکے تھے اور اس وقت بھی ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حال سے باخبر یہ بتانے کے لیے کیا کہ میرے محبوب ﷺ کے دوستوں میں سے ایک یہ بھی ہیں جو اس بلند مرتبہ سے شرفیاب ہوئے، یہ فخر تو درحقیقت حضور ﷺ کی عظمت وبزرگی پر ہے کہ آپ کے دوست اور ساتھی ایسے مرتبوں اور عزت کے مالک ہیں۔

دھوکہ نمبر102: اہلسنت کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا

اہلسنت پر ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے اپنی روایت میں ایک رکیک اور نازیبا بات کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی ہے ان کا اشارہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف ہے "انه صلى الله عليه وسلم اتى سباطة قوم فبال قائما"[1] حضور ﷺ کا گزر ایک کوڑی پر ہوا وہاں آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔

1۔ مسند أبي داود الطيالسي، 1/ 324، رقم: 406، ط: دار هجر مصر

اہلسنت کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کے ہاں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح سند کے ساتھ یہ روایت بھی درج ہے کہ:

من حدثكم ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول قائما فلا تصدقوه ما كان يبول الا قاعدا[1]

جو تم سے یہ بات کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا کرتے تھے تو اس کو باور نہ کرو کیوں کہ آپ بیٹھ کر ہی پیشاب فرماتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کی عادت شریفہ یہی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو ازواج مطہرات اور اہل بیت اس سے ضرور واقف ہوتیں کہ اکثر اس کی نوبت اندرون خانہ بھی پیش آتی تھی لہذا جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کی طرف رجوع کیا گیا تو اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مفصل روایت ملی جس میں اس کی پوری تشریح موجود ہے اور اس سے ہر قسم کا شک وشبہ دور ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام حاکم، بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت نقل کی ہے کہ:

انما بال قائما لجرح كان في مابضه[2]

آپ نے رگ مابض میں زخم کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

مابض زانو تلے کی ایک رگ کا نام ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کی وجہ کیا تھی اور تندرستی اور بیماری کی حالت کے فرق کو جو زمین و آسمان کا فرق ہے، کون بے وقوف نہیں جانتا یا نہیں مانتا۔

جو بات صحت و تندرستی کی حالت میں نازیبا اور خلاف مروت سمجھی جاتی ہے وہ بیماری کی حالت میں بری نہیں ہوتی اور نہ کوئی خلاف مروت کہتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے "وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ[3]" مریض

1۔ سنن الترمذي، ابواب الطهارة، باب النهي عن البول قائما، 1/ 162، رقم: 12، ط: دار الغرب الإسلامي بيروت

2۔ فتح الباري شرح صحيح البخاري، قوله باب البول عند سباطة قوم، 1/ 330، ط: دار المعرفة بيروت

3۔ سورة النور، الآية: 61

پر کوئی پابندی یا بندش نہیں، اس فرقے کے اندھے تعصب پر حیرت و تعجب ہوتا ہے کہ اہل سنت کی روایات کی صحیح توجیہہ ہوتے ہوئے جن کو خود اہل سنت نے بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ کا سید مرتضیٰ اور دوسرے امامی علماء نے خود یہ اصول اور قاعدہ مقرر کیا ہے:

ان الخبر متی وجد له محل صحیح فلا یرد[1]

جب حدیث کا صحیح معنوں پر عمل ہو کے تو اسے رد نہیں کرتے مان لیتے ہیں۔

اور خود امام صادق رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ سے "خدمة جوارینا لنا و فروجهن لکم" جیسی روایات نقل کرنے پر ان شیعوں کو شرم نہیں آتی اور اس کو کسی ایسے صحیح معنے پر عمل کیوں نہیں کرتے جو غیرت و مروت کے خلاف نہ ہو بلکہ یہ تو دانستہ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ رحمہم اللہ پر جھوٹ کا الزام اس لیے لگاتے ہیں کہ ان بزرگوں اور قابل تقلید ہستیوں کے اقوال و افعال پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جائے۔

دھوکہ نمبر 103: اہلسنت کے نزدیک کتے کی کھال پر نماز درست ہے

ایک الزام یہ لگاتے ہیں کہ اہلسنت کتے کی کھال پر نماز پڑھنے کو جائز کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک احناف کے ہاں کتے کی ایسی رنگی ہوئی کھال پر جس کی رطوبت مصالحوں اور کیمیکلز کے استعمال سے جاتی رہی ہو، نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ جواز اس حدیث کی روشنی میں ہے جو فریقین کے نزدیک صحیح ہے کہ "دباغ الجلد طهوره"[2] کھال کا رنگنا ہی اس کی پاکی ہے، نیز یوں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے "ایما اهاب دبغ فقد طهر"[3] جو کھال رنگ کی جائے پس وہ پاک ہو جاتی ہے۔

1۔ وأيضا فقد روى عنهم عليهم السلام انهم قالوا: إذا جائكم عنا حديثان فاعرضوهما على كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وآله وسلم فان وافقهما فخذوا به، وما لم يوافقهما فردوه إلينا۔(العدة في أصول الفقه، للحسن الطوسي، 1/ 146، ط: مؤسسة البعثة القلم والألواح قم)

2۔ وفي الحديث: دباغها طهورها۔(الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية للجوهري، 4/ 1318، الطبعة القاهرة)

3۔ سنن الترمذي، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت، 3/ 273، رقم: 1728، ط: دار الغرب الإسلامي بيروت

پھر یہ بات عقلی طور پر بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً حرام جانور، شیر، بھیڑیا، بلی وغیرہ پر ان کی زندگی میں اگر کوئی ان پر ہاتھ پھیرلے تو وہ ہاتھ ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ پسینہ وغیرہ کی تری نہ ہو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ کرام سے اس قسم کے جانوروں پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہے اور گدھوں، خچروں پر سواری تواتر مروی ہے، ان جانوروں کے مرنے کے بعد ان کی کھالوں کی حرمت کا حکم صرف اس لیے لگایا جاتا ہے کہ اس وقت رطوبت خون چربی اور گوشت کے ساتھ مل کر یکجان ہو جاتی ہے جب وہ رطوبت مصالحوں اور کیمیکلز کے ذریعہ کھال سے نکال کر اسے صاف وخشک کر لیا جائے تو کھال پھر اپنی اصل پاکی کی حالت پر لوٹ آتی ہے اور اس کا حکم بدل جاتا ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی نجاست کپڑے پر لگ جائے اور دھو کر صاف کر لیا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

البتہ خنزیر کی کھال اس اصول کل سے خارج ہے کہ کیونکہ قرآن مجید میں اس کو مجسمہ ناپاکی فرمایا گیا ہے" فَإِنَّهُ رِجْسٌ "[1] وہ بالکل نجس ہے، اسی لیے اس کی کھال، بال اور ہڈی تک سب ناپاک ہیں اور اس سلسلہ میں کہ کتا بھی خنزیر کی مانند ہے، کوئی شرعی وجہ موجود نہیں بلکہ قرآن مجید میں کتے کے شکار کو حلال فرمایا گیا ہے[2] اور ایسے شکار کو سنی اور شیعہ دونوں کھاتے ہیں، حالانکہ شکار کے وقت اس کا لعاب دہن شکار کو لگ جاتا ہے ایسی صورت میں کھال اور دوسرے اعضاء، بال وہڈی نیز کیوں ناپاک ہوں گے اگر کتا بھی خنزیر جیسا ہوتا تو اس کا شکار حلال کیوں ہوتا۔

اس کلام سے واضح ہو گیا کہ اس مسئلہ میں اہلسنت پر اعتراض نہ قرآن کی رو سے درست ہے نہ حدیث کی رو سے اور ان معترضین امامیہ کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان کے نزدیک جہاں انسان کا بول وبراز پھیلا ہوا ہو اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے، حالانکہ انسانی براز بالاجماع نجس العین ہے جو کسی طرح بھی پاک نہیں ہو سکتا، چنانچہ شیخ

1۔ سورة الأنعام، الآية:145

2۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (سورة المائدة، الآية:4)

علی نے کتاب ارشاد میں ابو القاسم نے کتاب شرائع میں اور ابو جعفر طوسی نے اس مسئلہ کو بالتصریح بیان کیا ہے[1] غرض جملہ امامیہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، اب آپ انسانی گندگی اور کتے کی کھال میں خود ہی موازنہ کرکے معترضین کی دماغی ساخت کے متعلق غور فرمالیجئے۔

دھوکہ نمبر104: اہلسنت شطرنج کو جائز کہتے ہیں

اعتراض یہ ہے کہ اہلسنت شطرنج کے کھیل کو جائز کہتے ہیں حالانکہ ازروئے شرع ہمہ قسم لہو ولعب برے ہیں، ان کی برائی قرآنی نصوص سے ثابت ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ احناف، مالکیہ اور حنابلہ شطرنج کی حرمت کے قائل ہیں اور اس کی حرمت میں احادیث بیان کرتے ہیں،[2] البتہ شوافع کے نزدیک اس میں دو قول ہیں، اول یہ کہ مندرجہ ذیل پانچ شرائط کی رعایت کے ساتھ یہ مکروہ ہے حرام نہیں:

1۔ اس کی وجہ سے نماز وقت سے مؤخر نہ ہو، نہ اس کی وجہ سے نماز کی ادائیگی میں عجلت کرنے اور نہ آداب سنن نماز کو ترک کرے۔

2۔ شرط لگا کر نہ کھیلے نہ اس میں جوئے کی کوئی اور شکل ہو۔

3۔ اس کی وجہ سے کسی دوسرے واجب میں فرق نہ آنے پائے، مثلاً والدین کی ضروری خدمت، اہل و

---

1 ـ عن علي بن جعفر أنه سأل أخاه موسى بن جعفر (عليه السلام) عن البيت والدار لا تصيبهما الشمس ويصيبهما البول، ويغتسل فيهما من الجنابة، أيصلى فيهما إذا جفا؟ قال: نعم.(وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، باب جواز الصلاة على الموضع النجس وعلى الثوب النجس مع عدم تعدي النجاسة، واستحباب اجتناب ذلك، 3/ 453، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

2 ـ (ويكره اللعب بالشطرنج، والنرد، وكل اللهو)، وذلك لقول الله تعالى: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ﴾. فذم عليه، وأوعد عليه بالعقاب، وقال رسول الله ﷺ: "لست من دد، ولا الدد مني". وقد روي في النهي عن اللعب بالشطرنج عن النبي ﷺ أحاديث. وروي "أن علياً رضي الله عنه مر بقوم يلعبون بالشطرنج، فقال: ﴿ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴾ وهذا يدل على كراهة شديدة لذلك-(شرح مختصر الطحاوي للجصاص 8/ 544)

بہن بھائی، عزیز و اقارب سے میل جول، مریضوں کی عیادت اور جنازہ میں شمولیت۔

4. کھیل کے دوران کھیل سے متعلق لڑائی جھگڑا، جھوٹ قسم وغیرہ قسم کی باتیں پیش نہ آئیں۔

5. اس کے مہروں پر حیوانات یا انسان کی تصاویر نہ ہوں۔

اگر پانچوں شرطوں میں سے ایک کی بھی خلاف ورزی ہوگی تو یہ کھیل حرام ہو جائے گا، اور ان کی پابندی نہ کرنے والا گناہ کبیرہ کا مستحق ہوگا، احیاء وغالباً احیاء العلوم میں بھی اسی طرح ذکر ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول دیگر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے موافق ہے، یعنی وہ بھی بغیر شرط مطلق حرام فرماتے ہیں، اور یہ ثابت شدہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے پہلے قول سے رجوع فرمالیا ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے بالتصریح اس کو رقم کیا ہے۔[1]

اور بالفرض اس کو جائز ہی مان لیں تو گھوڑ دوڑ، تیر اندازی، نیزہ بازی وغیرہ کی طرح یہ بھی ایک مباح کھیل ہوگا کیونکہ اس کھیل میں یہ فائدے ہوتے ہیں، ذہن کو تیز کرتا ہے، جنگ بازی کے ہنر سکھاتا ہے، اور بتاتا ہے کہ دشمن کی چالوں سے کس طرح بچا جائے وغیرہ وغیرہ، برا کھیل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، وہی لہو ولعب بھی کہلاتا ہے اور ایسے کھیل کو اہلسنت جائز نہیں بتاتے، بر خلاف امامیہ کے وہ عین حالت نماز میں جو خالق سماوات والارض کے ساتھ مناجات کا وقت ہے، اور ایک معنیٰ کہ وہ اپنے رب کے ساتھ معراج کی حالت پر ہوتا ہے اعضاء مردانہ سے تعلب کو جائز کہتے ہیں،[2] چنانچہ ابو جعفر طوسی اور دوسروں نے تہذیب نامی کتاب اور دوسروں نے تہذیب نامی کتاب اور دوسری کتابوں میں اسے لکھا ہے، اپنے موقع پر ان شاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

1۔ إحياء علوم الدين، للغزالي، كتاب قواعد العقائد، الفصل الثاني في وجه التدريج إلى الإرشاد وترتيب درجات الاعتقاد، 1/ 98، ط: دار المعرفة بيروت

2۔ وقال الصدوق في الفقيه: إن مس الرجل باطن دبره أو باطن إحليله فعليه أن يعيد الوضوء، وإن كان في الصلاة قطع الصلاة وتوضأ وأعاد الصلاة، وإن فتح إحليله أعاد الوضوء والصلاة والأظهر عدم نقض شيء من ذلك، والأخبار الدالة على نقضها محمولة على التقية وبعضهم حملوها على الاستحباب.(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 77/ 219،ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

دھوکہ نمبر 105: اہلسنت کے نزدیک گانا بجانا جائز ہے

اہلسنت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ گانے بجانے کو جائز کہتے ہیں، حالانکہ اس کی مذمت بے شمار احادیث و آثار میں بیان کی ہے۔

یہ اعتراض افتراء محض اور سراسر بہتان ہے اس لیے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا بجانا چاروں ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے ماننے والے فقہا کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے بڑے اور اونچے درجہ کے مشائخ اور بلند مرتبت صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے حرام گانے نہ سنے اور نہ ان کو اس کی رغبت ہوئی، بلکہ سید الاولیاء الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انه بطالة"[1] یہ بیہودہ اور لغو چیز ہے، اور شیخ بزرق فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "السماع حرام كالميتة"[2] سماع مردار جانور کی طرح حرام ہے۔

سماع نام کی جو چیز بزرگان دین کی طرف منسوب ہے اور جس کا سماع ثابت بھی ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی تھی، قوال مرد خوش آواز ہوتے، نہ مرد یا عورت اجنبی جن کو دیکھ کر سفلی جذبات بھڑکیں، اور کوئی فتنہ برپا ہو، ہرگز ہرگز ان کی محفل میں بار نہ پاسکتے تھے اور آلات موسیقی میں سے کسی چیز کے ہونے کا تو ان کے ہاں سوال ہی نہیں تھا، پھر جو اشعار وہ سنتے تھے اکثر جنت و دوزخ کے ذکر یا طاعات کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے یا پھر ان میں وصل ہجر کا بیان ہوتا تھا، جو محبت الٰہی میں مستغرق حضرات کے حسب حال ہوتا تھا، خلاف شرع کوئی مضمون نہ ہوتا ان کی اس پاکبازانہ مجلس میں مرد یا عورت کی شرکت تو کجا وہ کچے ذہن کے مریدوں کو بھی شریک نہ کرتے تھے نہ ان کی مجلسیں آج کل کی طرح سرعام سجائی جاتی تھیں،

1۔ إذا رأيت المريد يحب السماع فاعلم أن فيه بقية من البطالة. (تاريخ الإسلام للذهبي، 6/ 57، ط: دار الغرب الإسلامي)

2۔ رسالة القدس، در غلطات ارباب سماع، ص: 58، ط: انتشارات طهوری، تهران (ایران) اسی طرح فقہ حنفی کی کتب میں بھی اس کے حرام ہونے کی تصریح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں: قال الشارح: زاد في الجوهرة: وما يفعله متصوفة زماننا حرام لا يجوز القصد والجلوس إليه ومن قبلهم لم يفعل كذلك، وما نقل أنه عليه الصلاة والسلام سمع الشعر لم يدل على إباحة الغناء. ويجوز حمله على الشعر المباح المشتمل على الحكمة والوعظ۔ (الدر المختار وحاشية ابن عابدين، 6/ 349)

تکیہ میں ان پابندیوں کے ساتھ ان بزرگان کرام کا سماع ہوتا تھا، ایسے سماع کو حرام کہنا ہی خلاف شرع ہے بلکہ خود ان شیعوں کے مذہب کے بھی خلاف ہے، چنانچہ ان شیخ مقتول نے کتاب الدروس میں ذکر کیا ہے "يجوز الغناء بشروطه في العرس"[1] شادی کے موقع پر گانا شروط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان کے ہاں گانے کے جواز کے لیے جو شرائط مقرر ہیں، فساد کی جڑ اور فاسقانہ ہے "ان يكون السمع امرأة ولا يكون رجلا ولا يكون الشعر في الهجاء"[2] وہ گانے والی عورت ہو، مرد نہ ہو اور نہ شعر کسی ہجو میں ہو، شرح القواعد میں بھی اسی طرح کا مضمون موجود ہے، اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ کس صورت میں گانا سننا قبیح ہوگا صوفیاء کی شرائط کے مطابق ہے یا ان طاعنوں اور معترضوں کی شرائط پر۔

دھوکہ نمبر106: اکثر شیعہ ائمہ کے پاس جاتے تاکہ ان سے روایتیں لی جائیں

ان کے اسلاف سادہ دل بندوں اور کم عقل لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لیے یہ حربہ استعمال کرتے ہیں کہ ائمہ اور بزرگان دین کی خدمت میں کثرت سے آمدروفت رکھتے، ان کی مجلسوں میں شرکت کرتے اور موقع بموقعہ ان کے مکانوں میں آتے جاتے ہیں تاکہ لوگ اس دھوکہ میں پڑ جائیں کہ یہ ان کے بہت چہیتے شاگرد یا بہت گہرے دوست ہیں، اور اپنے دینی مسائل کا حل انہیں سے حاصل کرتے ہیں، اور ان کی

1۔ وقيل ولا يكره لاستماع الناس إذا كان في العرس والوليمة، وإن كان فيه نوع لهو بالنص في العرس. فالجواب أن التغني لإسماع نفسه ولدفع الوحشة خلافا بين المشايخ. منهم من قال: لا يكره، إنما يكره ما كان على سبيل اللهو احتجاجا بما عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه دخل على أخيه البراء بن مالك وكان من زهاد الصحابة وكان يتغنى، وبه أخذ شمس الأئمة السرخسي رحمه الله-(فتح القدير شرح الهداية،كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل، ج:7، ص:408، ط:مصطفى البابي الحلبي)

2۔ قال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بآلات مطربة هو من شعار شاربي الخمر كالعود والطنبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام-(مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح ، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، ج:7، ص:3024، ط:دار الفكر)

روایات پر اعتماد کرتے ہیں، جب لوگ اس قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں تو ان کا اصل رنگ کھلتا ہے اس وقت یہ اپنی گھڑی ہوئی لغو اور گمراہ کن باتیں ان روایات میں داخل کر کے ان کو پھیلاتے اور خوب شہرت دیتے ہیں اور یوں وہ خوش فہم لوگ ان کے دام مکر میں آکر اپنا دین وایمان برباد کر بیٹھتے ہیں، اس قسم کے مکار اور غداروں کے سرگروہ ہشام بن الحکم، ہشام بن سالم، احول طاق ہیثمی، زید بن جہیم ہلالی، زرارہ بن اعین، حکم بن عتبہ اور عروہ خیمی ہیں جو حضرت سجاد حضرت باقر اور حضرت صادق رحمہم اللہ کے زمانے میں گزرے ہیں، یہ ان ہی اماماں عالی مقام سے روایت کرنے کے مدعی ہیں، پھر ان کے بعد صدی بعد صدی بہت سے گروہ اس قماش کے پیدا ہوتے ہیں، اور مخلوق خدا کا دین وایمان بے باکی سے غارت کرتے رہے، حتی کہ امام محمد بن حسن المہدی کا زمانہ آیا آپ پیدا ہوئے بچپن اور کم سنی ہی میں وصال بھی فرما گئے، ان کے بعد جھوٹ اور مکر کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اصول و فروغ میں جھوٹے اقوال داخل کیے گئے، صحابہ، خلفاء، امہات المومنین رضی اللہ عنہم سے متعلق رکیک، نازیبا اور سراسر جھوٹے الزامات تراشے گئے، شیعوں کی تعریف اور اہلسنت کی مذمت میں روایات کے انبار لگائے گئے حالانکہ ائمہ کرام رحمہم اللہ نے بروقت ان کے عقیدوں کی تکذیب کی، ان کی خرافات اور جعل سازیوں سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا، ان کے عقیدوں کی تکذیب کی ان کی روایات کو بے اصل اور من گھڑت قرار دیا۔[1]

اور یہ ڈھیٹ پنے سے یہی کہتے رہے کہ یہ سب ائمہ کا تقیہ اور زمانہ سازی ہے اور ظاہرداری پر مبنی ہے، ورنہ ہم تو ان کے بڑے چہیتے ہیں ہمیں ان تو ان کی جناب میں وہ قرب و خصوصیت حاصل ہے جو دوسروں کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی، اور اسی ذریعہ سے عام لوگوں کو خصوصاً مدینہ منورہ سے دور دراز ملک اور شہروں کے رہنے والوں مثلاً عراق، فارس قم کاشان سے خمس اور طرح طرح کے نذر و نیاز وصول کرتے رہے اس کام کے لیے جعلی مہر شدہ رقعہ جات حضرات آئمہ کی طرف سے پیش کرتے ہیں، غرض اسی طرح دین کو

1۔ عن كليب الصيداوي، أنهم كانوا جلوسا، ومعهم عذافر الصيرفي، وعدة من أصحابهم معهم أبو عبد الله عليه السلام قال، فابتدأ أبو عبد الله عليه السلام من غير ذكر لزرارة، فقال لعن الله زرارة لعن الله زرارة لعن الله زرارة ثلاث مرات.(اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، 1/ 365، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام قم تاريخ الطبع: 1404 هـ)

... نے عوام پیچھے کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ دعویٰ اتنا بڑھا کہ ان نے ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی، اور کیونکہ ان پر ہے کہ کلینی اور دوسرے امامی علماء نے اپنی صحاح میں ائمہ سے ان ہی روایات کی مذمت بھی نقل کی ہے اور پھر ان ہی روایات کو اپنا قبلہ و کعبہ بھی بنایا ہے۔

چنانچہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے برملا اس گروہ کے عقائد سے انکار کیا ان کو ڈانٹا اپنا یہاں تک کہ ایک روز ہشام احول سے کہا:

> الا تستحي فيما تقول من ابى وهو بريء منه حتى قال الأحول له يوما انك لست بامام انما الامام بعد ابيك اخوك محمد فقال يا احول الا تستحي فيما تقول ان ابى يعلمك مسائل الدين ولا يعلمني وأنه كان يحبني حبا شديدا كان يبرد اللقم فيجعلها في فى فكيف لا يكفي عما يدخلني النار هذا لا يكون ابداً، رواه الكليني وغيره من الأمامية[1]

تجھے میرے باپ پر جھوٹا الزام لگاتے شرم نہیں آئی حالانکہ وہ اس الزام سے پاک ہیں تو ایک روز احول نے ان سے کہا اپنے باپ کے بعد آپ امام ہی کہاں ہیں، امام تو آپ کے بھائی محمد ہیں آپ نے فرمایا تجھے یہ کہتے ہوئے بھی حیا نہیں آتی کہ میرے والد تجھے تو دین کے مسائل سکھاتے تھے مگر مجھے نہیں حالانکہ ان کو مجھ سے بہت محبت تھی وہ لقمہ کو تو ٹھنڈا کر کے میرے منہ میں دیتے تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ مجھے ایسی بات سے آگاہ نہ فرماتے جو مجھے آگ میں لے جانے کا باعث ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہو سکتا اس کی روایت کلینی اور دوسرے امامیوں نے کی ہے۔

پھر امامیہ مذہب کے داعیوں میں سے ایک اور شخص اسحاق بن ابراہیم نامی، جس کا لقب دیک الجن تھا اور وہ شاعر بھی تھا، خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں گزرا ہے وہ خود کو حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرتا

---

1 ـ هكذا روي الكليني في باب فيمن دان الله عزوجل بغير امام من الله جل جلاله من اصول الكافي ، 1 / 374، الناشر دار الكتب الاسلامية تهران

تھا مگر در حقیقت پرلے درجے کا پلید اور زندیق تھا، صانع اور نبوت کا منکر تھا آخرت کو بھی نہیں مانتا تھا، اس کے عیوب کا شمارہ تاریخ کی کتابوں میں بکھرا پڑا ہے اور اس معاملہ میں وہ کافی شہرت یافتہ ملزم ہے، اس کے باوجود امامیہ کے شیخ الطائفہ محمد بن نعمان نے جو شیخ مفید کے لقب سے مشہور ہے جو محمد بن بابوقی کا شاگرد اور سید مرتضی اور ابو جعفر طوسی کا استاد ہے اپنی کتاب المثالب والمناقب میں اس زندیق پلید کو اپنے فقہاء اور پیشواؤں میں شمار کیا ہے،[1] قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

ان لوگوں میں سے بعض نے جعلی نسخے جھوٹی اور کتابیں مرتب کر لی ہیں اور ان کی نسبت حضرت باقر، حضرت صادق اور دوسرے ائمہ کی طرف کر دی ہے، اور اسی کے ساتھ یہ شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ ان ائمہ علیہم السلام نے اپنی زندگی میں بطور تقیہ ان کو چھپائے رکھا اور ہم کو وصیت کی کہ وقت آنے پر ان روایات کو یاد کر کے ان کو پھیلائیں اور شائع کریں، جب یہ کتابیں شیعوں کے ہاتھ لگیں تو انہوں نے چوم چاٹ کر سر پر رکھا اور بے دھڑک آزادی سے نقلی روایات کا کاروبار جاری ہو گیا اور جعلی ٹکسال کے سکوں کی خوب قدر و منزلت ہوئی، جیسا کہ کلینی نے ابو خالد شنبولہ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ان میں سے ایک جماعت نے ایک کتاب ائمہ کے کسی رشتہ دار کی طرف منسوب کر دی جیسے کتاب "قرب الاسناد امامیہ" پھر ان کے اسلاف میں بعض نصرانی بھی ہوئے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کے مدعی بن کر خود کو شیعوں میں داخل کیا اور کہہ دیا کہ ہم فلاں امام کے ساتھی ہیں، حالانکہ اپنی قوم وقبیلہ میں اپنا اسلام تک ظاہر نہیں کیا نماز، روزہ، عبادات، غور و طریق اور رسوم میں ان کے ساتھ رہے اور ان ہی میں گھلے ملے رہے ساری عمر کھانا، پینا اور دوسرے معاملات نصرانیوں کی طرح کرتے رہے اور ادھر شیعہ ان کو اپنے میں شمار کر کے دین و ایمان و عقائد سے متعلق ان کی روایات بے دھڑک قبول کرتے رہے، چنانچہ زکریا بن ابراہیم نصرانی اس قماش کا شخص ہے جس سے ابو جعفر طوسی نے بھی تہذیب (کتاب) میں روایت کی ہے اور اسی طرح

1۔ إسحاق بن إبراهيم ديك الجن: ذكره العلامة المامقاني في آخر الكتاب في مستدركاته، وكان عالما " فاضلا " شاعرا " أديبا " فقيها " حاويا " لكثير من العلوم، وكان شيعيا" (مستدرك علم رجال الحديث، لعلي النمازي الشاهرودي، ١/ 544، ط: المطبعة: شفق تهران)

دوسرے بھی کرتے رہے۔[1]

دھوکہ نمبر 107: سب سے بڑا ان کا دھوکہ تقیہ ہے

ان کے کید ومکر کا سب سے بڑا حربہ تقیہ ہے اس پر یہ باب اختتام کو پہنچ رہا ہے، تقیہ کا مطلب ہے اہل عقل وشعور سے اپنے باطل مذہب اور غلط عقیدوں کو چھپائے رکھنا سادہ لوحوں، بے وقوفوں، جاہلوں بچوں اور عورتوں پر اس کو پیش کرنا،[2] اہل عقل ودانش سے چھپانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی گمراہی اور جھوٹ پر کئی مطلع ہوکر کہیں وہ ان کا تارپور نہ بکھیر دیں، اہل علم کی طرف سے جب ان کی گرفت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں کتاب میں تو ائمہ سے ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو تمہاری روایت اور عقیدہ دونوں کی تردید کرتی ہیں، تو جان چھڑانے کو ان کا بہترین جواب ایک یہ ہے کہ یہ ان کا تقیہ تھا، گویا یہ تقیہ ان کے مذہب کا سب سے بڑا اصول ہے اگر یہ بھی ان کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو وہ بے وقوف اور احمق بھی ان کے ہاتھ نہ آتے اور ان کی نظروں

1۔ زكريا بن إبراهيم الحبري [الكوفي] وفي بعض النسخ: الحيري، في الكافي: زكريا بن إبراهيم قال: كنت نصرانيا فأسلمت وحججت، فدخلت على أبي عبد الله (عليه السلام)...، إلى أن قال: فلما قدمت الكوفة ألطفت لأمي، الحديث. وفي هذا الحديث: " اللهم اهده ثلاثا سل عما شئت يا بني " ولعل المراد بالحبري أن أباه كان من الأحبار " جع. " (إكليل المنهج في تحقيق المطلب، لمحمد جعفر بن محمد طاهر الخراساني الكرباسي، ص: 255، ط: مؤسسه فرهنگی دار الحديث قم)

2۔ تقیہ دراصل جھوٹ کا دوسرا اور خوبصورت نام ہے اور جھوٹ بولنا تمام مذاہب میں بدترین گناہ ہے، پوری دنیا کے عقل مند لوگوں نے بھی اس کو سخت ترین عیب تسلیم کیا ہے لیکن مذہب شیعہ نے اس کو اعلی ترین عبادت قرار دیا ہے، دین کے دس حصے بتلاتے ہیں اور ان میں سے نو حصے جھوٹ بولنے کے لئے وقف کر دیئے ہیں، جھوٹ بولنا اللہ کا دین اور انبیاء وائمہ کا دین بتایا گیا ہے... نعوذ بالله من ذلك- قال السيد المرعشى فى شرح احقاق الحق نصه: وإنما الذي ذكروه في ذلك أن التقية جائزة، وربما وجبت، وعرفوها بأنها إظهار موافقة أهل الخلاف فيما يدينون به خوفا.(إحقاق الحق وإزهاق الباطل، 1/ 313، ط: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفى قم إيران) وقال مرتضىٰ الانصارى : فإن المكلف يجب عليه إذا اقتضت الضرورة موافقة أهل الخلاف فيه وإظهار الموافقة لهم. (التقية، الشيخ مرتضى الأنصاري ص 48 تحقيق: الشيخ فارس الحسون نشر: مؤسسة قائم آل محمد قم)

سے بھی ان کا یہ مذہب گر جاتا اور استناد واتخ نہ پاتا۔

اب چونکہ اس فرقہ کی ساری خوشی اور تمام فخر اس بناء پر ہے کہ ہم نے اپنا مذہب اہل بیت سے لیا ہے اور ہم خاندان نبوت کے خاص شاگرد ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس مذہب کے معاون مرتب اور مصنفین براہ راست ائمہ کرام سے تو نہ شرف ملاقات رکھتے ہیں اور نہ ہی بلاواسطہ شاگرد ہیں، اس لیے لا محالہ ان کے اور ائمہ کے درمیان ان کے وہی پیشوا واسطہ ہیں جو خود کو ائمہ سے منسوب کرتے ہیں اور ان ہی سے نقل مذہب کا دعویٰ کرتے تھے۔

تو ان حالات میں یہ ضروری اور مناسب ہے کہ ان کے اسلاف، پیشواؤں اور واسطوں کا کچھ حال بھی ضبط تحریر میں لے آیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ ان کے اس مذہب کی حقیقت و قوت کا پول بھی کھل جائے جو کچھ ان کے اسلاف سے لیا گیا ہے وہ بھی بے نقاب ہو جائے اور اس اہم مقصد کی خاطر ایک علیحدہ مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔

باب سوم

شیعوں کے اسلاف کے حالات کے بیان میں

اگرچہ یہ بحث اجمالی حیثیت سے باب اول میں آچکی ہے جس میں شیعہ مذہب کی پیدائش کے حالات اس کے چند در چند شاخوں میں بٹ جانے کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس باب میں ان کے اسلاف کے حالات خوبیاں اور بزرگیاں بالتفصیل سپرد قلم ہوں گی اور بحث و نظر کا رخ اصالتاً اسی مقصد کی سمت رکھا جائے گا کیونکہ بالقصد نظر تخنی نظر پر لامحالہ اہمیت رکھتی ہے اور تفصیلی بحث اور اجمالی بحث میں بہت فرق و تفاوت ہوتا ہے، یہاں پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ شیعوں کے اسلاف چند در چند طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں:

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو عبد اللہ بن سبا کے ساتھی ہیں

ان ان لوگوں کا ہے جنہوں نے براہ راست ضلالت و گمراہی کے سرگروہ اور اصل الاصول ابلیس لعین سے فائدہ اٹھایا، یہ طبقہ منافقین کا ہے جو درپردہ اپنے دلوں میں اہل اسلام سے دشمنی چھپائے ہوئے تھے زبان سے اسلام کا نام اس لیے لیتے تا کہ اہل اسلام میں میل جول، آمد و رفت کی راہ کھلی رہے اور ان کی مخالفت، بغض و عناد ڈالنے اور ان کے بہکانے کے مواقع حاصل رہیں، اس طبقہ کا سرگروہ اور پیشوا وہی عبد اللہ ابن سبا یہودی صنعانی تھا جس کا ابتدائی حال تاریخ طبری کے حوالہ سے باب اول میں تحریر کیا گیا اس نے پہلے قدم کے طور پر حضرت علی کی فضیلت و برتری کے عقیدہ کی طرف لوگوں کو بلایا اس میں کامیابی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء عظام رضی اللہ عنہم کی تکفیر و ارتداد کا شوشہ چھوڑا، اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسند الوہیت پر لا بٹھایا،[1] اس کی کامیابی کا اصل راز مردم شناسی تھا وہ اپنے گرگوں میں جس قسم کی باتوں کو قبول کرنے کی

---

1 ـ يعترف الإمامية بأن ابن سبأ أول من أظهر الطعن بالصحابة، قال الكشي: «وذكر أهل العلم أن عبد الله بن سبأ كان يهوديا فأسلم ووالى عليا، وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون [وصي موسى]، فقال في إسلامه في علي مثل ذلك، وكان [ابن سبأ] أول من أشهر القول بإمامة علي، وأظهر البراءة من أعدائه [أي الصحابة]، وكاشف مخالفيه وكفرهم، فمن هنا قال من خالف الشيعة عن أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهود». تنقيح المقال: 2/ 184؛ بحار الأنوار: 25/ 287.

استعداد دیکھتا اس کو وہی باتیں اور عقیدہ بتاتا تاکہ قابو میں آیا ہوا پنچھی بھاگ نہ جائے، چونکہ بہت کائیاں اور منصوبہ باز تھا اس لئے کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر معاملہ کے ہر پہلو کو جانچ کر قدم اٹھاتا۔

چنانچہ وہی لعین سارے رافضی فرقوں کا سرغنہ اور سرتاج ہے کہ گندگی سے بھرا ہوا یہ مذہب اس کے سینے پر کینہ سے ابلا ہے، اور اہل زمین کو ملوث اور ان کے دلوں میں اترا ہے اگرچہ ان فرقوں میں سے اکثر اس کا احسان نہیں مانتے اور اس کو برائی سے یاد کرتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہو گیا تھا اس لئے اس کو صرف غلاۃ غالی شیعوں کا پیشوا سمجھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اس کے شاگرد اور اسی کے فیض کے خوشہ چین ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سب فرقوں میں یہودیت کی جھلکیاں صاف اور نمایاں دکھائی دیتی ہیں اور یہودیوں کے اخلاق خفیہ اور غیر محسوس طریقہ سے ان میں جڑ پکڑ گئے ہیں، مثلاً جھوٹ، افتراء، بہتان، بزرگوں اور اسلاف کو گالیاں دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار، رفیقوں اور دوستوں پر لعنت و تبری بھیجنا، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو غلط معانی پر محمول کرنا ان کا مطلب کچھ کا کچھ بتانا، اہل حق کی طرف سے دل میں دشمنی چھپائے رکھنا (کہ موقعہ مل جائے تو اس کے اظہار سے نہ چوکنا) خوف و طمع اور لالچ کی وجہ سے چاپلوسی اور خوشامد درآمد سے کام نکالنا، نفاق کو بطور پیشہ اپنانا، تقیہ کو دین کا رکن رکین شمار کرنا، بناوٹی رقعے اور جعلی خطوط و دستاویزات بنالینا اور بے شرمی کے ساتھ پیغمبر اور ائمہ کی طرف ان کو منسوب کر دینا، دنیاوی اغراض فاسدہ اور چند ٹکوں کی خاطر حق کو باطل، باطل کو حق کہہ دینا۔ [1]

یہ جو کچھ بیان کیا گیا یہ تو کچھ نہیں پہاڑ کی مانند ڈھیر کے بانگی کے چند دانے ہیں، ان کے تفصیلی حال سے جو آگاہ ہونا چاہے، وہ سورہ بقرہ سے سورۃ انفال کا بغور مطالعہ کرے قرآن کے اس حصہ میں یہودیوں کے

1۔ ويعترفون بدخوله على الأمير، حيث روى ابن بابويه القمي والطوسي عن أبي بصير ومحمد بن مسلم: «إن عبد الله بن سبأ قال يا أمير المؤمنين أليس الله في كل مكان؟ قال عليه السلام: بلى، قال: فلم يرفع العبد يديه إلى السماء قال: أما تقرأ: {وفي السماء رزقكم وما توعدون} ...». من لا يحضره الفقيه: 1/ 325؛ تهذيب الأحكام: 2/ 322. وفي هذه الرواية يتضح أن هؤلاء القوم لم يكونوا زاهدين بروايات ابن سبأ إلا عندما يتعلق الأمر بنفي تهمة الرفض عنهم وبأن صاحبها هو عبد الله بن سبأ اليهودي.

اوصاف اعمال واخلاق جو کچھ ملتا جائے ذہن میں محفوظ کرتا جائے پھر اس فرقہ کے اوصاف اعمال واخلاق سے ان کا موازنہ کرے اور انہیں آمنے سامنے رکھ کر ملائے ہم کو یقین ہے کہ ہمارے قول کی سچائی اس کے دل میں اتر جائے گی اور زبان سے طابق النعل بالنعل کے محاورہ کی تصدیق پر مجبور ہو جائے گا اور دونوں کے اوصاف حرف بحرف گلے ملتے نظر آئیں گے۔

دوسرا طبقہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ ساتھی جو بظاہر مخلص مگر منافق تھے

ان ضعیف الایمان، منافق، قاتلین ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن سبا کے ان پیروؤں کا ہے، جو صحابہ کبار رضی اللہ عنہ کی شان میں دریدہ دہنی اور بدزبانی سے کام لیتے تھے،[1] یہ جن برائیوں اور بڑی بڑی ہرزہ سرائیوں کا سرچشمہ ہے، بلاد اسلامیہ میں کس منہ سے رہ سکتے تھے اس لئے چاروناچار ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر جناب علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس پڑتے تھے، اور اپنے آپ کو شیعان علی شمار کرتے تھے اور یہی مخلص صادقین کہلاتے تھے ان میں سے کچھ ملازمتوں اور عہدوں کے لالے میں دامن امیر سے چمٹ کر رہ گئے تھے اس کے باوجود اس کی بدباطنی جب بھی وقت وموقع دیکھتی پردہ شفا سے نکل کر منظر عام پہ آجاتی، اور کھلم کھلا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے اور آپ کے ارشاد پر کان نہ دھرتے نہ آپ کی دعوت قبول کرتے نہ آپ کے اوامر ونواہی کی پروا کرتے اور اگر عہدوں اور مرتبوں پر فائز ہوتے تو خدا وخلق کے اموال وحقوق میں خیانت کرتے اور ظلم وستم کی گرم بازاری کرتے اور صرف اپنی گرم بازاری کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر زبان طعن وتشنیع دراز کرتے، یہی بدکردار خائن وظالم اور بدزبان لوگ رافضیوں کے پیشوا ان کے اسلاف اور ان کی مسلم الثبوت مقتدر ہستیاں ہیں جن کی روایات ومنقولات پر انہوں نے اپنے دین وایمان کی بنیاد رکھی کیونکہ جناب امیر رضی اللہ عنہ سے اکثر روایات ان ہی فاسق منافقین کی وساطت سے اس فرقہ تک پہنچی ہیں۔

واقعہ تحکیم پیش آیا تو ان منافقین فساق کے چہرے سامنے آگئے، تاریخ بتاتی ہے کہ مسئلہ پنچائیت پیش

1۔ ولا زال لعن الصحابة عندهم إلى اليوم. روى الطوسي بإسناده عن الحسين بن ثوير وابي سلمه السراج قالا سمعنا: «أبا عبد الله وهو يلعن في دبر كل مكتوبة: أربعة من الرجال وأربعا من النساء التيمي والعدوي وعثمان ومعاوية وعايشة وحفصة وهند وأم الحكم أخت معاوية». تهذيب الأحكام: 2/ 321؛ وسائل الشيعة: 6/ 462.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

برداشت نہیں ہوں گے اور ہماری زیادتیاں چاروناچار برداشت کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے حوالہ سے اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی حالت کا مطالعہ کرے جس میں آپ گھر گئے تھے کہ ایک طرف تو وفادار دوستوں کا مجمع آپ کے پاس سے چھٹ چکا ہے اور ان کی جگہ ایسے نامشربوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے، دوسری طرف شام، مصر اور مغرب کے دوسرے شہروں پر آپ کے دشمن چھائے ہوئے تھے تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی یقیناً تصدیق کرے گا کہ:

أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل[1]

سب سے سخت آفت انبیاء پر آتی ہے پھر ان کے ہم جنسوں پر درجہ بدرجہ۔

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ان منافقوں کے ساتھ یا ان منافقوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو بہو ایسا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقین کا کہ نہ تو یہ لشکر سے اپنا منہ کالا کرتے تھے اور نہ اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے بلکہ ہمیشہ رنج و ملال خاطر کا سبب اور سوہان روح بنے رہتے تھے، اب چونکہ شیعہ اہلسنت کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اس لیے اس باب میں اہل سنت کی روایات کو چھوڑ کر مجبورا جناب علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات خود شیعوں کی معتبر کتابوں سے جن کے اکثر مصنفین زیدیہ امامیہ ہیں نقل کرتے ہیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں اور انصاف کو کام میں لائیں امام معید باللہ یحیٰی بن حمزہ زیدیہ اپنی کتاب اطواق الحمامہ فی مباحث الامامہ کے آخر میں سوید بن غفل سے یوں روایت بیان کرتا ہے:

مررت بقوم ينتقصون ابا بكر و عمر فاخبرت عليا و قلت لولا أنهم يرون أنك تضمر ما أعلنوا ما اجترأوا على ذلك فقال علي أعوذ بالله رحمهم الله ثم نهض وأخذ بيد ذلك المخبر وأدخله المسجد فصعد المنبر ثم قبض على لحيته وهي بيضاء فجعلت دموعه تتحادر على لحيته وجعل ينظر البقاع حتى اجتمع الناس ثم خطب خطبة بليغة من جملتها " ما بال أقوام يذكرون أخوي رسول الله

1۔ مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، 3/ 349، رقم: 1150، ط: مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة

صلى الله عليه وآله وسلم ووزيريه وصاحبيه وسيدي قريش وأبوي المسلمين وأنا برئ مما يذكرون، وعليه معاقب، صحبا رسول الله صلى الله عليه وآله بالجد والوفاء والجد في أمر الله تعالى يأمران وينهيان ويقضيان ويعاقبان لا يرى رسول الله صلى الله عليه وآله كرأيهما رأيا ولا يحب كحبهما حبا لما يرى من عزمهما في أمر الله فقبض وهو عنهما راض والمسلمون راضون فما تجاوزا في أمرهما وسيرتهما رأى رسول الله صلى الله عليه وآله وأمره في حياته وبعد موته فقبضا على ذلك رحمهم الله تعالى فوالذي فلق الحبة وبرأ النسمة لا يحبهما إلا مؤمن فاضل، ولا يبغضهما ويخالفهما إلا شقي مارق، وحبهما قربة وبغضهما مروق ـــــ الخ وفي رواية لعن الله من أضمر لهما إلا الحسن الجميل وستري ذلك إن شاء الله ثم أرسل إلى ابن سبأ فسيره إلى المدائن وقال لا تساكني في بلدة أبدا [1]

میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی توہین کے مرتکب ہو رہے تھے تو میں نے اس کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی اور ان سے کہا کہ اگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ ہوتا کہ جس بات کو وہ برملا کہہ رہے ہیں اسی بات کو آپ دل میں چھپائے ہوئے ہیں تو وہ اس دیدہ دلیری کی کبھی ہمت نہ کرپاتے ان میں عبد اللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے اس کو ظاہر کیا کہا سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا پناہ میں رکھے اللہ تعالی ان دونوں رفیقوں پر رحم فرمائے پھر وہاں سے اٹھے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر مسجد میں ائے ممبر پر تشریف فرما ہوئے اپنی سفید ریش مبارک مٹھی میں تھام کر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ

1۔ الصوارم المهرقة في جواب الصواعق المحرقة، ص: 292، ط: چاپخانه نهضت تهران

رسول اللہ ﷺ کے دو بھائیوں دو وزیروں اور دو ساتھیوں کا اور قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے ہیں اور میں ان کے اس قول سے بری ہوں ذمہ ہوں اور ان کو ایسی باتیں کہنے کی وجہ سے سزا دی جائے گی ہمہ قسم جد وجہد وفا اور حدود اللہ کے معاملات میں یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے امر و نہی کا فرض ادا کرتے رہے، یہ فیصلہ بھی کرتے اور سزا بھی دیتے رسول اللہ ﷺ ان کی رائے کے سامنے کسی کی رائے کو اہمیت نہ دیتے تھے اور نہ ان کے برابر کسی سے محبت کرتے تھے ان کی یہ قدر و عزت اللہ کے حکم میں ان کے ارادوں کے سبب تھی پس جناب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ان دونوں سے راضی تھے اور مسلمان بھی ان دونوں سے خوش اور مطمئن تھے کیونکہ انہوں نے اپنے حکم اور سیرت میں نہ رسول اللہ ﷺ کے حین حیات نہ بعد وصال آپ کی رائے اور حکم سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا اور اسی حال پر ان کی وفات ہوئی اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنا رحم فرمائے اس ذات پاک کی قسم جس نے دانہ کو اگایا اور جان کو پیدا کیا اور ان کو بلند درجہ مومن ہی دوست رکھ سکتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والا مرتد بد بخت ہی ہو سکتا ہے ان کی محبت قرب الی اللہ کی نشانی ہے اور ان سے بغض بے دینی کی علامت والی آخر الحدیث، اور ایک روایت میں یوں ہے اللہ اس پر لعنت کرے جو ان کے متعلق اچھائی کے سوا کوئی اور بات اپنے دل میں رکھے اور عنقریب ہی تم اس کا نتیجہ دیکھ لوگے پھر آپ نے اپنے کارندے کو بھیج کر عبد اللہ بن سبا کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا اور کہلا بھیجا تو میرے ساتھ ایک شہر میں کبھی نہیں رہ سکتا۔

پھر جب محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما[1] کے قتل کی جو مصر میں ہوا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہ آپ کی طرف سے بصرہ کے صوبہ دار تھے ایک خط لکھا جس میں اس بدبخت

1۔ هو محمد بن أبي بكر الصديق، أمه أسماء بنت عميس تزوجها علي بعد وفاة الصديق فنشأ محمد في حجر علي رضي الله عنه، وشهد معه الجمل وصفين ثم ولاه على مصر لكن هزمه جيش عمرو بن العاص، ثم قتل في سنة 38هـ تهذيب الكمال: 24/ 541؛ الإصابة: 6/ 245.

اور شقی کے گروہ کے متعلق شکایتوں کے انبار لگادیئے اب ہم کتاب نہج البلاغہ سے جو ان شیعوں کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد کتب کا درجہ رکھتی ہے اور متواتر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے کرامت نامہ کی بعینہ نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے اسلاف کی بزرگی اور امام معصوم کی شہادت کی خوبی سے روز روشن سے زیادہ واضح اور گزرے کل سے زیادہ صاف ہو جائے خط کی عبارت یہ ہے:

أما بعد فإن مصر قد افتتحت ومحمد بن أبي بكر رحمه الله قد استشهد. فعند الله نحتسبه ولدا ناصحا وعاملا كادحا وسيفا قاطعا وركنا دافعا. وقد كنت حثثت الناس على لحاقه وأمرتهم بغياثه قبل الوقعة، ودعوتهم سرا وجهرا وعودا وبدءا، فمنهم الآتي كارها، ومنهم المعتل كاذبا، ومنهم القاعد خاذلا، أسأل الله أن يجعل لي منهم فرجا عاجلا، فوالله لولا طمعي عند لقائي عدوي في الشهادة وتوطيني نفسي على المنية لأحببت أن لا أبقى مع هؤلاء يوما واحدا ولا التقي بهم أبدا[1]

بعد حمد و ثنا مصر فتح ہو گیا اور محمد بن ابی بکر شہید ہوئے ہم اللہ سے اس کے لیے ثواب و اجر کی دعا کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ لڑکا خیر خواہ، محنتی، ننگی تلوار اور ارکان کو بلند کرنے والا تھا اس سانحہ سے پہلے میں نے لوگوں کو اس کی رفاقت کی تاکید کی تھی اور ان کو حکم دیا تھا کہ اس کی فرمانبرداری کریں تو اس وقت بعض لوگوں نے ابتدا ہی تاکید کے ساتھ اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور دعوت دی تو اس وقت بعض لوگوں نے اس کو برا سمجھتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور بعض نے جھوٹ بولتے ہوئے بہانہ بازی کی اور بعض مدد سے دستکش ہو کر بیٹھ رہے ہیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو ان لوگوں سے جلد خلاصی عطا فرمائے خدا کی قسم اگر دشمن کے

1 ـ نهج البلاغة، ومن كتاب له عليه السلام إلى عبد الله بن العباس، 3/ 60، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

مقابلہ کے وقت مجھے شہادت کی آرزو نہ ہوتی اور میں اپنی جان کو موت پر آمادہ نہ کر لیتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہوں اور ان کی شکل تک نہ دیکھوں۔

اور پھر جب یہ خبر پہنچی کہ سفیان بن عوف جو قبیلہ بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ[1] میں سے تھا کہ سواروں نے شہر انبار پہنچ کر وہاں کی رعایہ کو تحت کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جس کا ایک حصہ یہ ہے:

والله يميت القلب ويجلب الهم من اجتماع هؤلاء القوم على باطلهم وتفرقكم عن حقكم فقبحا لكم وترحا حين صرتم غرضا يرمى بغار عليكم ولا تغيرون وتغزون ولا تغزون. ويعصى الله وترضون فإذا أمرتكم بالسير إليهم في أيام الحر قلتم هذه حمارة القيظ أمهلنا يسبخ عنا الحر وإذا أمرتكم بالسير إليهم في الشتاء قلتم هذه صبارة القر أمهلنا ينسلخ عنا البرد، كل هذا فرارا من الحر والقر فإذا كنتم من الحر والقر تفرون فإذا أنتم والله من السيف أفر. يا أشباه الرجال ولا رجال حلوم الأطفال وعقول ربات الحجال لوددت أني لم أركم ولم أعرفكم معرفة[2]

اس خدا کی قسم جو دلوں کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج کو کھینچ لیتا ہے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ اہل شام تو باطل پر جمع ہو گئے ہیں اور تم حق پر بچھڑ گئے وہ تمہارا ناس ہو اور ذلیل و خوار ہو کے تم تیروں کا نشانہ نہ بن گئے ہو تم پر تیر اندازی ہوتی ہے تم پر حملہ کیا جاتا ہے مگر تم حملہ آور نہیں

1۔ معاوية بن أبي سفيان بن حرب بن أمية، من مسلمة الفتح، وأحد من كتب لرسول الله صلى الله عليه وسلم الوحي، ولاه عمر بن الخطاب رضي الله عنه على الشام سنة 19 هـ وأقره عثمان رضي الله عنه عليه، بويع له بالخلافة سنة 41هـ في عام الجماعة، توفي سنة 60هـ. الاستيعاب: 3/ 1418؛ الإصابة: 6/ 151.

2۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام أما بعد فإن الجهاد باب من أبواب الجنة، 1/ 69، 70، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

ہوتے تم سے جہاد کیا جاتا ہے تم جہاد نہیں کرتے جو نافرمانی کرتا ہے تم اس کی نافرمانی پر خوش ہوتے ہو میں اگر گرمی میں تم سے جہاد کا مطالبہ کرتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ جھلملاتی گرمی ہے اتنی مہلت دیجئے کہ یہ گزر جائے اور جب موسم سرما میں جہاد کا تقاضا کرتا ہوں تو تم کہتے ہو یہ تو چلے کا جاڑا ہے ذرا ٹھہر جائیے پس یہ سردی گرمی سے فرار ہے اور جب تم سردی گرمی سے اتنے حواس باختہ ہو اور اس کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تو خدا کی قسم تلوار سے تو تم کہیں زیادہ بھاگو گے اے مرد نمامردو بچوں جیسی عقل رکھنے والو اور عورتوں جیسی سمجھ رکھنے والوں کاش کہ میں نے تم کو دیکھا ہی نہ ہوتا اور جانا ہی نہ ہوتا۔

پھر اسی خطبہ میں یہ بھی فرمایا:

قاتلكم الله لقد ملأتم قلبي قيحا. وشحنتم صدري غيظا. وجرعتموني نغب التهمام أنفاسا وأفسدتم على رأيي بالعصيان والخذلان حتى لقد قالت قريش إن ابن أبي طالب رجل شجاع ولكن لا علم له بالحرب لله أبوهم وهل أحد منهم أشد لها مراسا وأقدم فيها مقاما مني لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين، وها أنا ذا قد ذرفت على الستين ولكن لا رأي لمن لا يطاع[1]

اللہ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرا دل زخموں سے بھر دیا سینہ غموں سے لبریز کر دیا دم بدم تم نے مجھے دکھ ہوں اور رنجوں کے جرع پلائے میرا ساتھ چھوڑ کر میری نافرمانی کر کے تم نے میری تدبیروں کو تلپٹ اور برباد کر دیا اور قریش کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ ابن ابی طالب آدمی تو بہادر ہے مگر جنگ کی اونچ نیچ اور داؤ پیچ نہیں جانتا بخدا یہ غلط ہے کیا کوئی ہے جو جنگ کا مجھ سے زیادہ ماہر ہو اور آزمودہ کاری میں مجھ سے بڑا ہو میری عمر بیس سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں

---

1 ۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام أما بعد فإن الجهاد باب من أبواب الجنة، 1 / 70، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

مہار بات میں کود پڑا اتھاب تو میری عمر ساٹھ سال سے بھی تجاوز کر گئی لیکن جس کی بات ہی کوئی نہ مانے اس کی رائے ہی کیا۔

ایک دوسرے خطبے میں ارشاد فرمایا:

أيها الناس، المجتمعة أبدانهم، المختلفة أهواؤهم كلامكم يوهي الصم الصلاب، وفعلكم يطمع فيكم الأعداء. تقولون في المجالس: كيت وكيت، فإذا جاء القتال قلتم: حيدي حياد! ما عزت دعوة من دعاكم، ولا استراح قلب من قاساكم، أعاليل بأضاليل، دفاع ذي الدين المطول.[1]

اے لوگو جسمانی خواہشوں میں گھرے ہوئے لوگوں باتیں تو ایسی کرتے ہو کہ پتھر موم ہو جائے اور تمہارا عمل ایسا ہے کہ لوگ تم کو زم چارہ سمجھ کر تم پر جھپٹ پڑے مجلسوں میں بڑے چرب لسان ہو لیکن جب جنگ کا موقع آتا ہے تو ساری چوکڑیاں بھول کر ہکا بکارہ جاتے ہو جس نے تم کو اپنے زیر علم جمع کیا اس نے تم سے کوئی تقویت نہ پائی اور جس نے تمہاری خاطر تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی تم سے ان کہ دل کو کوئی ارام و سکون نہ ملا قرض خواہوں کو ٹرخانے کی طرح تمہارے پاس جھوٹے بہانے بہت ہیں۔

دوسرے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا:

المغرور والله من غررتموه. ومن فاز بكم فقد فاز والله بالسهم الأخيب ،ومن رمى بكم فقد رمى بأفوق ناصل أصبحت والله لا أصدق قولكم. ولا أطمع في نصركم. ولا أوعد العدو بكم.[2]

1۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام ،2/ 111، ط: دار احياء الكتب العربية

2۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام أما بعد فإن الجهاد باب من أبواب الجنة، 1/ 74، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

وہ دھوکہ کھایا ہوا ہے جس کو تم نے دھوکہ دیا اور جس نے تم کو پایا اس کے حصہ میں ایک ردی اور ناکارہ حصہ ایا اور تم جس کے پالے پڑے اس کو لبے تیروں سے پالا پڑا اللہ کی قسم میری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ نہ میں تمہاری بات کو سچ سمجھتا ہوں نہ تمہاری مدد کی مجھے خواہش ہے اور نہ تمہارے ذریعہ میں دشمن کو مرعوب کر سکتا ہوں۔

پھر ایک اور مرتبہ شامیوں کے بارے میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

أف لكم لقد سئمت عتابكم. أرضيتم بالحياة الدنيا من الآخرة عوضا. وبالذل من العز خلفا. إذا دعوتكم إلى جهاد عدوكم دارت أعينكم كأنكم من الموت في غمرة، ومن الذهول في سكرة يرتج عليكم حواري فتعمهون فكأن قلوبكم مألوسة فأنتم لا تعقلون ما أنتم لي بثقة سجيس الليالي وما أنتم بركن يمال بكم ولا زوافر عز يفتقر إليكم ما أنتم إلا كإبل ضل رعاتها. فكلما جمعت من جانب انتشرت من آخر لبئس لعمر الله سعر نار الحرب أنتم تكادون ولا تكيدون وتنقص أطرافكم فلا تمتعضون لا ينام عنكم وأنتم في غفلة ساهون.[1]

میں تم سے بہت دل تنگ ہو گیا میں نے تمہارا عتاب سن لیا کیا تم آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی سے خوش ہو گے اور عزت کے عوض ذلت پسند کر لی جب میں تم کو تمہارے ہی دشمنوں سے جہاد کے لیے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں یوں چڑھ جاتی ہیں جیسے مرنے والے کی نزا کے وقت یا بے ہوشی کی حالت میں جان دینے والے کی طرح میرا جواب تمہارے ذمہ ہے اور تم سرگشتہ ہو گئے ہو گویا تمہارے دل سخت گھٹن میں ہے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا نہ تم حملہ کے وقت کی ایسی قوت ہو کہ سختی سے ڈٹ جاؤ نہ ایسے ستون ہو کہ تمہاری طرف میلان کیا

1۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام في استنفار الناس إلى أهل الشام، 1/ 82، 83، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

جائے نہ ہی تم عزت و قار ہو کے کوئی کسی کی حاجت کی تم سے امید رکھے تم تو در حقیقت ایسے بھٹکے ہوئے اونٹوں کی طرح ہو جن کے چرواہے گم ہو گئے ہوں ایک طرف سے اگر ان کو گھیرا جائے تو دوسری طرف سے نکل بھاگتے ہیں اور اللہ کی قسم جو لڑائی بھڑکانے والا ہے اور تم پر چالیں چل رہا ہے مگر تم کوئی چال اور داؤ نہیں کھیلتے تمہارے ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں مگر تم کو جوش و غصہ نہیں آتا تمہارے فکر میں تمہارے دشمنوں کی تو نیندیں حرام ہو رہی ہیں اور تم میٹھی نیند میں پڑے سو رہے ہو۔

ایک اور خطبہ میں یوں ارشاد ہے:

منيت بمن لا يطيع إذا أمرت ولا يجيب إذا دعوت. لا أبا لكم ما تنتظرون بنصركم ربكم. أما دين يجمعكم ولا حمية تحمشكم أقوم فيكم مستصرخا وأناديكم متغوثا فلا تسمعون لي قولا ولا تطيعون لي أمرا حتى تكشف الأمور عن عواقب المساءة فما يدرك بكم ثار ولا يبلغ بكم مرام دعوتكم إلى نصر إخوانكم فجرجرتم جرجرة الجمل الأسر وتثاقلتم تثاقل النضو الأدبر ثم خرج إلي منكم جنيد متذائب ضعيف كأنما يساقون إلى الموت وهم ينظرون[1]

میرے لیے وہ لوگ مصیبت بن گئے ہیں جو نہ میرا حکم مانتے ہیں نہ میری پکار پر کان دھرتے ہیں تمہارے باپ مریں کیا تم اللہ کی مدد کا انتظار کر رہے ہو جب کہ نہ دین تم کو اکٹھا کرتا ہے نہ غیرت تمہارے دلوں کو گرماتی ہے میں تم میں کھڑا چیخ رہا ہوں اور فریاد رسی کے لیے چلا رہا ہوں لیکن تم نہ میری بات سنتے ہو نہ میرا حکم بجالاتے ہو یہاں تک کہ کاموں کا نتیجہ بدنجانوں میں کی شکل میں ظاہر ہو تو پھر نہ تمہارے ذریعہ کسی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے اور نہ تم سے مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے میں نے تمہیں تمہارے بھائیوں کی مدد کے لیے بلایا تو تم نے اس طرح گردن ڈال دی

1۔ نهج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام، 1/ 90، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

جیسے اڑیل اونٹ گردن ڈال دیتا ہے اور ایسے بھاری پڑ جاتے ہو جیسے کمزور اور زخمی پیٹھ والا اونٹ اور تم میں سے ایک لشکر نکلا بھی تو پاؤں گھسٹتا ہوا سست اور کمزور جیسے کوئی موت کی طرف گھسیٹے لیے جاتا ہو اور موت سامنے نظر آ رہی ہو۔

پھر انہی جیسے یاروں کے بارے میں فرمایا:

كم أداريكم كما تدارى البكار العمدة والثياب المتداعية كلما حيصت من جانب تهتكت من آخر أكلما أطل عليكم منسر من مناسر أهل الشام أغلق كل رجل منكم بابه وانجحر انجحار الضبة في جحرها والضبع في وجارها[1]

میں کہاں تک نازک بدن کنواریوں یا ان پرانے کپڑوں کی طرح تمہارے حفاظت کروں کہ ان کو اگر ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے مسک جائے جب کوئی شاہی افسر تمہارے سر پر قاد دھمکتا ہے تو تم سے ہر شخص اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے اور گوہ کی طرح اپنے بل میں اور بجو کی طرح اپنے بھٹ میں گھس پڑتا ہے۔

پھر ایک اور خطبے میں یوں فرمایا:

ومن رمي بكم فقد رمي بأفوق ناصل وإنكم والله لكثير في الباحات قليل تحت الرايات.[2]

جس کے پلے تم پڑے اس پر لبے لبے تیر برے اللہ کی قسم تم نام و نمود کی مجلسوں میں تو بہت ہوتے ہو مگر جھنڈوں کے نیچے خال خال ہی ہوتے ہو۔

رضی نے یہ سارے خطبے نہج البلاغہ میں درج کیے ہیں اس کے علاوہ دوسرے امامیوں نے بھی اپنی کتابوں میں ان کی روایت کی ہے چنانچہ علی بن موسیٰ بن طاؤس سبط محمد بن حسن طوسی شیخ الطائفہ نے کہا ہے:

1۔ نهج البلاغة، ومن كلام له عليه السلام في ذم أصحابه، 1/ 117، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

2۔ نهج البلاغة، ومن كلام له عليه السلام في ذم أصحابه، 1/ 117، 118، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

"... أمير المؤمنين كان يدعو الناس على منبر الكوفة إلى قتال البغاة فما أجابه إلا رجلان، فتنفس الصعداء ودعا لهما وقال: أين تقعان؟"[1]

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کوفے میں بر سر منبر باغیوں سے جنگ کے لیے بلایا تو دو آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کے بلاوے کا جواب نہ دیا تو آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر ان سے کہا میں تم دو کا کیا کروں؟

پھر ابن طاؤس[2] کہتا ہے:

إن هؤلاء خذلوه مع اعتقادهم فرض طاعته وأنه صاحب الحق، وأن الذين ينازعونه على الباطل وكان عليه السلام يداريهم ولكن لا تجديه المداراة نفعا. وقد سمع قوما من هؤلاء ينالون منه في مسجد الكوفة ويستخفون به فأخذ بعضادتي الباب وأنشد متمثلا:

هنيئا مريئا غيرَ داء مخامِرِ　　　لعزة من أعراضنا ما استحلت

فيئس منهم كلهم، ودعا عليهم[3]

ان لوگوں نے آپ کا ساتھ ایسی حالت میں چھوڑا کہ ان کی عقیدت کے بھی مدعی تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اپ کی اطاعت فرض ہے اور وہ اطاعت کرانے کے صحیح حقدار بھی ہیں اور اپ سے لڑنے والے ناحق جناب امیر رضی اللہ عنہ ان کے رکھوالی کرتے تھے گویا ان کو ان کی رکھوالی

1۔ هامش الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل، للزمخشري، 1/ 605، ط: مطبعة مصطفى البابي

2۔ هو علي بن موسى بن جعفر بن محمد المعروف بابن طاووس، من مشاهير علماء الإمامية ومؤلفيهم، ولي نقابة الطالبيين بعد استحلال هولاكو لبغداد بتوصية نصير الدين الطوسي، رغم أنه امتنع عنها في عهد المستنصر العباسي، مات سنة 644هـ. طبقات أعلام الشيعة: ص 116؛ الذريعة: 2/ 343؛ الأعلام: 5/ 26.

3۔ روى ابن أبي الحديد أن الشعبي مر بقوم يغتابونه في المسجد فأخذ بعضادتي الباب ... الخ، والرواية ليست للأمير لأن البيت من قول كثير عزة الذي عاش في زمن بني أمية بعد وفاة الأمير.

سے کچھ فائدہ نہ تھا اور ان میں سے ایک جماعت کو عین مسجد کوفہ میں اپ کی تحقیر و توہین کرتے سنا گیا اس وقت آپ کے دروازے کے دونوں پٹ پکڑ کر تمثیلا یہ شعر پڑھا: ہمارے محبوب کو بغیر کسی آزار کے گوارا و مرغوب ہو ہماری عزتیں اور جو کچھ وہ حلال جانے پس آپ ان سے نہ امید ہو گئے اور ان کے لیے بد دعا فرمائی۔

ان تمام خطبوں اور ابن طاؤس کی روایت سے ثابت ہوا کہ اس فرقہ کے حق میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیعت کے دعویدار دار تھے آپ نے " فاتلکم الله و قبحا لکم و ترحا "[1] جیسے کلمات فرمائے اور قسم کھا کر فرمایا کہ ان کے کہے کو کبھی سچ نہ جانیں گے، جابجا آپ کے حکم کی نافرمانی کرنے اور آپ کی بات نہ سننے کی شکایت کی بلکہ اپ تو ان کو دیکھنے یا ان کی بات سننے تک سے بیزار تھے اور ادھر وہ بھی اپنی عادت کے پکے تھے کہ ہمیشہ آپ سے دغا کرتے رہے رنج پہنچاتے اور آپ کے دل میں غیض و غضب پیدا کرنے کا سبب بنتے رہے عین مسجد میں آپ کے پس پشت آپ کی شان میں بد گوئی کرتے اور آپ کی تحقیر و توہین کرتے رہے، ایک اور بات کا ہیں سے پتہ چلا کہ اس وقت کے سارے شیعہ بجز دو آدمیوں کے اس بد اطواری ذلت و توہین میں شریک کار تھے اب قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب پہلی مبارک صدی کے پہلے طبقہ کا یہ حال ہو جو ان کے نزدیک چھٹے ہوئے تیر اور چیدہ پھول تھے تو پھر ان کے بعد والوں کا جو حال اور رویہ ہو گا اس کے افسوسناک ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا طبقہ: جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے بعد میں غداری کی

شیعی اسلاف میں سے اس جماعت کا ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سید مجتبیٰ کی جگہ پارہ زہراء حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو امام تسلیم کیا چالیس ہزار افراد نے موت پر بیعت کر کے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ و قتال پر آمادہ کیا اور کوفہ سے باہر نکال لائے مگر در پردہ یہ ناپاک پخت و پز کر چکے اور دل میں ٹھان چکے تھے کہ آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے، چنانچہ راستہ میں تنخواہ کی بابت جھگڑا اٹھا کر آپ کو آزردہ خاطر

1۔ نہج البلاغة، ومن خطبة له عليه السلام أما بعد فإن الجهاد باب من أبواب الجنة، 1/ 69، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

کیا اور بد زبانی اور بد عملی اور بے ادبی سے پیش آئے یہاں تک کہ مختار ثقفی جو بڑا حمایتی بنا پھرتا تھا اور اپنے آپ کو شیعان اولی میں گنتا تھا آپ کے قدم مبارک کے نیچے سے مصلی کھینچ کر لے گیا ایک دوسرے لعین نے آپ کے قدم مبارک پر کدال جیسی کوئی چیز اٹھا ماری اور جب نوبت لڑائی اور مقابلے کی آئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھک گئے اور آپ کی مدد سے کنارہ کش ہو کر دنیا و آخرت کی بربادی اپنے لیے مول لی حالانکہ دعویٰ یہ تھا کہ ہم آپ کے اور جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے شیعوں میں سے ہیں اور مذہب شیعہ انہی کا نکالا ہوا ہے اور اس کی بنیاد انہی نے رکھی ہے۔

سید مرتضی نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اس جماعت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں جہاں کہ اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لینے اور خلافت سے دستبرداری کا عذر بھی بیان کیا ہے،[1] کتاب الفصول امامیہ[2] میں لکھا ہے کہ:

> اس لشکر غدار کے رؤسا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خفیہ خط و کتابت کا رابطہ رکھے ہوئے تھے ان کو تاکیداً لکھتے اور ورغلاتے کہ آپ جلد کاروائی کریں تا کہ ہم امام کو آپ کے حوالے کر دیں اور یوں دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی چند ٹکوں کے عوض خرید سکیں بلکہ ان میں سے بعض تو اپنے دل میں یہ ناپاک ارادہ چھپائے بیٹھے تھے کہ موقع پائیں اور امام کو دھوکہ سے قتل کر ڈالیں، ادھر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو ان غداریوں اور مفسدوں کے فاسد ارادوں کے ثبوت کے ساتھ یقینی اطلاعات کی خبریں مل چکی تھیں اس لیے انہوں نے مصالحت پر گردن خم کی اور خلافت سے مجبوراً دستبرداری اختیار کی۔[3]

1۔ فقد قال المرتضى: «فأظهروا له (عليه السلام) النصرة وحملوه على المحاربة والاستعداد لها طمعا في أن يورطوه ويسلموه ... ».(تنزيه الأنبياء: ص 221)

2۔ كتاب (الفصول المهمة في إثبات الأئمة) لمحمد بن الحسن المعروف بالحر العاملي (ت 1104هـ)، طبع بطهران سنة 1304هـ (الذريعة: 16/ 246)

3۔ أن رؤساء هذه الجماعة كانوا يكاتبون معاوية خفيا على الخروج للمحاربة مع الإمام، بل بعضهم أراد الفتك به رضي الله تعالى عنه. فلما تحققت هذه الأمور عنده رضي بالصلح مع معاوية وخلع الخلافة عن نفسه.(تنزيه الأنبياء: ص 222.)

یہ کتاب فصول کی عبارت کا صحیح خلاصہ اور لب لباب ہے جو امامیہ کی معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

چوتھا طبقہ: جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلا کر ان سے غداری کی

اسلاف شیعہ میں سے ان کثیر تعداد کوفیوں کا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور خاتون جنت فاطمہ البتول رضی اللہ عنہا کے جگر پارے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اصرار بھری عرضیاں اور خلوص بر خط بھیج کر ان سے دغہ بازی کی چال چلی اول آپ کو مجبور کیا کہ دار الامن حرم نبوی کو چھوڑ کر کوفہ روانہ ہوں اور جب آنجناب کوفہ کے نزدیک پہنچے اور دشمنوں سے مقابلے اور مقاتلے کی نوبت آئی اور صدق اخلاص کے امتحان کا وقت آیا تو ان سب نے آپ کو دغا دی اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود امام مظلوم کی مدد و نصرت سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ہاتھ کھینچ لیا بلکہ ان میں سے کچھ تو آپ کے دشمنوں کے ساتھ ڈر یا لالچ کے سبب جا ملے اور جناب امام رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقا کی شہادت کا سبب بنے اور کربلا میں کچھ پیش آیا یہ سب کچھ اسی فرقہ کی بے وفائی اور دغابازی کی وجہ سے پیش آیا۔[1]

پانچواں طبقہ: وہ گروہ جس نے امام زین العابدین سے انحراف کر کے مختار کو نبی مانا

اسلاف شیعہ میں سے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے مختار ثقفی[2] کے عراق وغیرہ پر اقتدار قائم کر لینے کے بعد امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے محض مختار کی موافقت کی خاطر منہ پھیر کر جناب محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلمہ

1۔ وكان قتله رضي الله عنه من المصائب العظيمة فإن قتل الحسين، وقتل عثمان قبله: كانا من أعظم أسباب الفتن في هذه الأمة وقتلتهما من شرار الخلق عند الله- (مجموع الفتاوى، لابن تيمية، فصل في وجوب الاقتصاد والاعتدال في أمر " الصحابة " و " القرابة "رضي الله عنهم،3/ 411، ط: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية المملكة العربية السعودية)

2۔ المختار بن أبي عبيد الثقفي، قال الذهبي: «الكذاب لا ينبغي أن يروى عنه شيئا لأنه ضال مضل كان يزعم أن جبرائيل عليه السلام ينزل عليه، وكان ممن خرج على الحسن بن علي بن أبي طالب في المداين ثم صار مع ابن الزبير بمكة فولاه الكوفة فغلب عليها ثم خلع ابن الزبير ودعا على الطلب بدم الحسين فالتفت عليه الشيعة وكان يظهر لهم الأعاجيب ثم جهز عسكرا مع إبراهيم بن الأشتر إلى عبيد الله بن زياد وقتله سنة خمسوستين ثم توجه بعد

پڑھا اور انہی کو امام تسلیم کیا حالانکہ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب و نسل سے تعلق رکھتے تھے نہ ان کی امامت کی کوئی وجہ جواز تھی، چنانچہ ان اسلاف شیعہ کا پورا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آخر تو یہ دین ہی سے پھر کر بے دین ہو گئے تھے کیونکہ یہ مختار کی نبوت اور اس کے پاس وحی آنے کے قائل ہو گئے تھے۔[1]

چھٹا طبقہ: جنہوں نے حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کو ناصبیوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا

ان کے اسلاف میں سے ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پہلے تو وعدے وعید کر کے حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مقابلہ میں نکلنے کے لیے مجبور کیا اور ان کا ساتھ دیا مگر جب نوبت دوبدو مقابلہ اور مقاتلہ کی آئی تو ان کی امامت سے انکار کر کے کوفہ میں جا گھسے اور بہانہ یہ گڑا کہ یہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر تبرا نہیں کرتے۔ اس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح اس امام زادے کو دشمنوں کے پنجے میں دے دیا اور یوں وہ شہید ہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ تازہ ہوا اگر وہ امام نہ تھے تو امام زادہ ہونے میں تو ان کے کوئی شک نہ تھا اور خلفاء پر تبرا نہ کرنا اتنا بڑا جرم تھا کہ ان کو موت کے جبڑے میں دے دیا۔[2]

ذلك مصعب بن الزبير إلى الكوفة فقاتله فقتل المختار سنة سبع وستين»، وقال ابن حجر: «ويقال إنه الكذاب الذي أشار إليه النبي صلى الله عليه وسلم يقوله يخرج من ثقيف كذاب ومبير والحديث في صحيح مسلم». ميزان الاعتدال: 6/ 386؛ لسان الميزان: 6/ 6.

1۔ آج کل کے شیعہ مختار کو آزادی کا ہیرو شمار کرتے ہیں: أخرج الكشي عن أبي جعفر [محمد الباقر] قال: «لا تسبوا المختار فإنه قتل قتلتنا، وطلب بثأرنا، وزوج أراملنا، وقسم فينا المال على العسرة». رجال الكشي: ص 125؛ رجال ابن داود: ص 513. قال الأعلمي: «وما ورد في ذمه إنما أعداؤه عملوا له المثالب ليباعدوه من قلوب الشيعة». دائرة المعارف الشيعية العامة: 17/ 24.

2۔ أخرج ذلك الطبري حيث قال في حوادث سنة 122 هـ: «اجتمعت إليه (زيد بن علي) جماعة من رؤوسائهم [أي الشيعة] فقالوا: رحمك الله ما قولك في أبي بكر وعمر؟، قال زيد: رحمهما الله وغفر لهما ما سمعت أحدا من أهل بيتي يتبرأ منهما ولا يقول فيهما إلا خيرا ... ففارقوه ونكثوا بيعته وكانوا يزعمون أن أبا جعفر محمد بن علي [الباقر] أخا زيد بن علي هو الإمام، وكان قد هلك يومئذ، وكان ابنه جعفر بن محمد حيا فقالوا جعفر إمامنا اليوم بعد أبيه وهو أحق بالأمر بعد أبيه ولا نتبع زيد بن علي فليس بإمام فسماهم زيد الرافضة». تاريخ الطبري: 4/ 204؛ المنتظم: 7/ 211.

ائمہ کی صحیح روایات جو فاضل کاشی[1] کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہیں کہ خلفاء کی شان میں بدگوئی کرنا جنت میں جانے کے لیے کوئی ضروری نہیں،[2] اگر وہ امام محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے قائل نہ تھے تو دائرہ ایمان سے تو خارج نہیں ہوئے تھے یہ بھی انہی کی روایات سے معلوم ہوا ہے، ان سب باتوں کے باوجود آخر وہ مظلوم تھے پھر اہل بیت کے دشمنوں کے حوالے کر دینے کی آخر تک کیا تھی حالانکہ قدرت ہوتے ہوئے ایسے مظلوم کافر کی اعانت خصوصا جبکہ وہ کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہو فرض قطعی ہے۔[3]

ساتواں طبقہ: وہ ائمہ کی شاگردی کے مدعی ہیں جبکہ ائمہ ان کو کافر کہتے ہیں

ان کے اسلاف میں لوگوں کا ہے جو خود تو ائمہ کی صحبت و شاگردی کا دعوی کرتے ہیں مگر ائمہ ان کو کافر ٹھہراتے اور جھوٹا کہتے ہیں اگر ہم ان کو نام بنام گنائیں اور ائمہ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا یا کتب امامیہ ہی سے اس کو نقل کریں تو بڑا لمبا چوڑا دفتر اور ایک طول طویل کتاب چاہیئے لیکن مطابق اصول "مالا یدرک کله لا یترک کله" یعنی جو چیز پوری حاصل نہ کی جائے تو اس کو بالکل چھوڑا بھی نہ جائے، ہم ان بزرگواروں کے فضائل و مناقب اور کچھ عقائد ضروری جان کر ان کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

واضح رہنا چاہیے کہ شیعیت اور خصوصا مذہب امامیہ کا دارومدار اس جماعت پر ہے جو اللہ تعالی کے لئے ایسا جسم جس میں لمبائی چوڑائی اور موٹاپا پایا جائے مانتی ہے، مثلاً ہشامین،[4] شیطان الطاق، اور میثمی ان کا یہ عقیدہ

1۔ هو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشي، صاحب كتاب الرجال، قال النجاشي: كان ثقة عينا وروى عن الضعفاء كثيرا، مات سنة 340هـ. رجال النجاشي: 2/ 282؛ تنقيح المقال: 2/ 92.

2۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 33/ 271، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

3۔ وفيه الروايات الدالة على ذلك، منها: رواية قرب الإسناد وثواب الأعمال عن الباقر (عليه السلام) :لا يحضرن أحدكم رجلا يضربه سلطان جائر ظلما وعدوانا، ولا مقتولا ولا مظلوما إذا لم ينصره، لأن نصرة المؤمن على المؤمن فريضة واجبة.(مستدرك سفينة البحار، 7/ 488، ط: مؤسسة النشر الاسلامي، بقم المشرفة)

4۔ هما هشام بن الحكم مولى كندة اتفق الشيعة الاثنا عشرية على وثاقته مع ما ترى من كفر وإلحاد، وهشام بن سالم الجواليقي مولى بشر بن مروان يقول عنه علماء الجرح والتعديل من الشيعة: إنه ثقة ثقة.

مشہور شیعی مصنف کلینی کی کتاب کافی میں مذکور رہے جس سے انکار کی کسی کو مجال نہیں، پھر ان میں سے ہشام بن حکم اور شیطان الطاق نے اللہ تعالیٰ کے لئے صورت بھی ثابت کی ہے[1] اور بعض کے ناف تک کا حصہ پولا اور کھوکھلا جانا ہے اور اس سے نیچے کا حصہ ٹھوس اور موٹا تصور کیا ہے جیسے ہشام بن سالم اور میثمی اور زرارہ بن اعین، سلیمان جعفری اور محمد بن اسلم وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کو ازل میں جاہل مانا ہے،[2] ان میں سے اکثر نے اللہ تعالیٰ کے لئے مکان اور جہت بھی ثابت و تسلیم کی ہے۔[3]

ان کے پیشواؤں میں بعض ملحد و بے دین بھی ہوئے ہیں جیسے دیک الجن شاعر اور اس کے مثل جو صانع، انبیاء اور بہشت کسی کے بھی قائل نہیں، ان میں کے بعض نصرانی بھی تھے جنہوں نے اپنی قومی وضع قطع، طرز بود و باش اور لباس معاشرت کو بالکل نہیں بدلا اور انہیں میں ان کا حشر ہوا جیسے زکریا بن ابراہیم نصرانی جس سے ان کے شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے کتاب تہذیب میں روایت لی ہے، اور اس کی جماعت اسلاف شیعہ میں گزری ہے جس کے بارے میں امام صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"يَرْوِي عَنَّا الاكَاذِيبَ وَيَفْتَرِي عَلَيْنَا اهل البيت"[4]

1۔ عن محمد بن الفرج الرخجي قال: كتبت إلى أبي الحسن عليه السلام أسأله عما قال هشام بن الحكم في الجسم وهشام بن سالم في الصورة فكتب: دع عنك حيرة الحيران واستعذ بالله من الشيطان-(الأصول من الكافي، 1/ 105، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

2۔ وقال بعضهم: لا نقول: لم يزل الله عالما لان معنى يعلم يفعل فإن أثبتنا العلم فقد أثبتنا في الأزل معه شيئا-(الأصول من الكافي، 1/ 108، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

3۔ عن علي بن أبي حمزة، قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: سمعت هشام بن الحكم يروي عنكم أن الله جسم، صمدي نوري، معرفته ضرورة، يمن بها على من يشاء من خلقه-(الأصول من الكافي، 1/ 104، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

4۔اختيار معرفة الرجال (المعروف به رجال الكشى) 1/ 302، ط:مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث قم (ایران) ائمہ اہل بیت میں سے ہر صادق کے ساتھ ایک کاذب رہا ہے ذیل میں ہم ان کی کچھ تفصیل بیان کئے دیتے ہیں:

ابن سنان سے روایت ہے کہ حضرت ابو عبداللہؒ نے فرمایا: "انا اهل بيت صادقون لا نخلو من كذاب "ہم اہل بیت سچے ہیں مگر ہمارے ساتھ کذاب ضرور لگا رہا، جو ہم پر جھوٹ بولتا تھا اور اس کے جھوٹ کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ہمارا صدق بھی ساقط ہو جاتا ہے، رسول اللہ

(یہ لوگ ہم سے جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں اور اہل بیت پر افتراء باندھتے ہیں)

مثلاً بیان جس کی کنیت ابو احمد ہے،[1] ان میں سے ایک گروہ شیعہ ایسا بھی گزرا ہے جن کے سے عقائد رکھنے سے حضرات ائمہ نے لوگوں کو ڈرایا ہے، اور ان شیعوں کی احادیث و آثار کے راوی اور ناقل بھی یہی لوگ ہیں جن کے عقائد سے ائمہ نے ڈرایا ہے:

روي الكلبي عن إبراهيم بن محمد الخزاز ومحمد بن الحسين قالا: دخلنا على أبي الحسن الرضا عليه السلام.... وقلنا: إن هشام بن سالم وصاحب الطاق والميثمي يقولون: إنه أجوف إلى السرة والبقية صمد؟ فخر ساجدا لله ثم قال: سبحانك ما

ﷺ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ سچے تھے ان پر مسیلمہ کذاب جھوٹ بولتا تھا رسول کریم کے بعد حضرت علیؓ سب سے سچے تھے عبداللہ بن سبا ملعون ان پر جھوٹ بولتا تھا حضرت حسین مختار کے فتنہ میں مبتلا ہوئے پھر آپ نے مغیرہ بن سعید، بزیع سری، ابو الخطاب معمر، ابو بشار الاشعری، حمزۃ الزبیدی اور صائد النہدی کا ذکر فرمایا اور کہا اللہ ان پر لعنت کرے ہم جھوٹوں سے بھی محفوظ نہیں رہے اللہ انہیں عذاب شدید میں مبتلا کرے یہ ہم پر جھوٹ افتراء کرتے رہے۔ (رجال کشی ص 197)

اسی طرح حضرت ابو عبداللہ ہی نے فرمایا کہ مغیرہ بن سعید میرے باپ پر جھوٹ وضع کرتا تھا اور میرے والد محترم کے اصحاب سے (مکر و فریب سے) کتابیں حاصل کرتا تھا۔ پھر ان میں کفر و زندقہ کی باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر ملا دیتا اور اس کی سند میرے والد کی طرف بیان کرتا تھا پھر وہ کتابیں اپنے گروہ والوں کو دیتا تھا اور انہیں کہتا تھا کہ شیعوں میں ان کی اشاعت کریں، پس میرے باپ کی کتابوں میں جو غلو ہے یہ سارا وہ ہے جو مغیرہ بن سعید نے ان کی کتابوں میں خود گھڑ کر ملا دیا تھا۔ عن هشام بن الحكم، انه سمع أبا عبد الله عليه السلام يقول: كان المغيرة بن سعيد يتعمد الكذب على أبي، ويأخذ كتب أصحابه وكان أصحابه المستترون بأصحاب أبي يأخذون الكتب من أصحاب أبي فيدفعونها إلى المغيرة، فكان يدس فيها الكفر والزندقة، ويسندها إلى أبي (اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، 2/ 491، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام)

اسی طرح زرارہ بن اعین جس سے سبائی مذہب کی ایک تہائی روایات مروی ہیں اس کے بارے میں حضرت جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كذب علي والله كذب علي والله لعن الله زرارة لعن الله زرارة لعن الله زرارة. خدا کی قسم میرے اوپر جھوٹ بولا (تین بار فرمایا) پھر تین بار فرمایا اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔ حتی کہ یہاں تک فرمایا: زرارة شر من اليهود والنصارى ومن قال ان مع الله ثلاثة على ﷺ. زرارہ یہود و نصاریٰ اور ان سے بھی زیادہ باعث شر ہے جنہوں نے کہا حضرت علیؓ اللہ کے ساتھ تیسرا ہے۔ (رجال کشی، ترجمة زرارہ بن اعین ص 98)

1۔ هو بنان التبان .. كان يقول في تفسير آية {وهو الذي في السماء إله وفي الأرض إله} إن إله الأرض غير إله السماء

عرفوك ولا وحدوك فمن أجل ذلك وصفوك[1]

کلینی نے ابراہیم بن محمد بن الخزاز اور محمد بن حسین سے روایت کی ہے کہ یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم ابوالحسن رضا کے پاس گئے اور اپ سے کہا کہ ہشام بن سالم میثمی اور صاحب الطاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناف تک کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس تو آپ یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے اور فرمایا اے اللہ تو پاک ہے تجھ کو انہوں نے نہ پہچانا نا واحد جانا اسی لیے تیرے بارے میں ایسی باتیں بنائیں۔

اور اسی جماعت کو نیز زرارہ بن عین کو حضرت صادق علیہ السلام نے بد دعا دی اور فرمایا "اخزاهم الله" اللہ ان کو ذلیل کرے اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، اور کلینی نے علی بن حمزہ سے یہ بھی روایت بیان کی ہے:

قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: سمعت هشام بن الحكم يروي عنكم أن الله جسم، صمدي نوري، معرفته ضرورة، يمن بها على من يشاء من خلقه، فقال عليه السلام: سبحان من لا يعلم أحد كيف هو إلا هو، ليس كمثله شيء وهو السميع البصير، لا يحد ولا يحس ولا يجس ولا تدركه [الابصار ولا] الحواس ولا يحيط به شيء ولا جسم ولا صورة ولا تخطيط ولا تحديد[2]

کہ میں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہا کہ میں نے ہشام بن حکم کو آپ کے حوالے سے روایت بیان کرتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایک ٹھوس نوری جسم ہے جس کا پہچاننا ضروری ہے اپنے جس بندہ پر چاہتا ہے (پہچان کرا کر) اس کے ساتھ احسان کرتا ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا پاک ہے وہ جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسا ہے اس کے ہم شکل کوئی چیز نہیں وہ سننے والا دیکھنے والا ہے نہ عقل سے سمجھا جا سکتا ہے نہ حس سے جانا جاتا ہے نہ اس کو کوئی چیز گھیرتی ہے نہ جسم ہے نہ صورت نہ خطوط میں گر سکتا ہے نہ حد بندی میں۔

1۔ الأصول من الكافي، 1/ 101، ط: دار الكتب الاسلامية تهران۔

2۔ الأصول من الكافي، 1/ 104، ط: دار الكتب الاسلامية تهران۔

ان کے اسلاف میں سے کچھ ناؤسیہ ہیں جو حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ کی موت کے منکر ہیں اور وہ آپ کو مہدی موعود جانتے ہیں باقی ائمہ امامت سے انکار کرتے ہیں، ان کے اکثر راوی واقفیہ ہیں جن کے نام ان کے اسماء الرجال میں جابجا اس حوالہ سے ملتے ہیں کہ فلاں واقفیہ فلاں واقفیہ ہیں۔[1]

یہ دونوں فرقے (ناؤسیہ وواقفیہ) ائمہ کی تعداد اور تعیین کو نہیں مانتے جیسا کہ کتاب ہذا کے باب اول مذکور ہوا اس کے برخلاف شیعہ منکر امامت کو منکر نبوت مانتے ہیں (تو یہ دونوں فرقے بھی شیعوں کے نزدیک منکر نبوت ہوئے) اس کے باوجود دونوں فرقوں سے بے دھڑک اپنے سہا میں بہت سی روایات درج کی ہیں حالانکہ یہ دونوں فرقے خود بھی ان ائمہ سے روایت بیان کرتے ہیں اس طرح ان کا جھوٹ صاف کھل گیا۔

ان کے اسلاف میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے امام وقت کو ہی نہیں پہچانا اور ساری عمر تردد و حیرانی میں رہے چنانچہ یہ وعید ان پر صادق آئی" من مات ولم يعرف إمام زمنه مات ميتة جاهلية"[2] جو امام زمانہ کو پہچانے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا، ایسے لوگوں میں حسن بن سماعہ[3]....

1۔ وروايات الإمامية عن الواقفية كثيرة جدا، منهم للمثال فقط: إبراهيم بن أبي بكر بن أبي سمال، وأخوه إسماعيل كانا من الواقفية، روى الكشي عن أحمد بن محمد البزاز، قال: «لقيني مرة إبراهيم بن أبي سمال، قال: فقلت يا أبا حفص ما قولك؟ قال: قلت قول الذي تعرف، قال: فقال يا أبا جعفر إنه ليأتي علي تارة ما أشك في حياة أبي الحسن عليه السلام ، وتارة يأتي علي وقت ما أشك في مضيه، ولكن إن كان قد مضى فما لهذا الأمر أحد إلا صاحبكم، قال الحسن: فمات على شكه» معجم رجال الحديث: 1/ 168 . ومن الواقفية الذين أخذوا عنهم: الحسين بن قياما (رجال الكشي: رقم 427)، والحسين بن كيسان (معجم رجال الحديث: 7/ 72)، والحسين بن مخاريق (معجم رجال الحديث: 7/ 92)، والحسين بن موسى (معجم رجال الحديث: 7/ 105).

2۔ رواية شيعية أوردها المجلسي في بحار الأنوار: 46/ 186.

3۔ الحسن بن سماعة بن مهران، ذكره الكشي في رجاله (رقم 339) وقال: واقفي، وهو غير الحسن بن محمد بن سماعة. وحاول الخوئي في معجم رجال الحديث إثبات أنهما رجل واحد في كتابه معجم رجال الحديث: 5/ 344؛ لكن التصريح وقع في أصول الشيعة كما في روايات ابن مهران الجزء 5، باب نزول المزدلفة من كتاب الحج،

ابن فضال اور عمرو بن سعید[2] اور انہی جیسے اور ان کے راوی نے حدیث ہیں یہ (امامیہ) جارودیہ سے بھی اپنی تمام کتب میں روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کا مذہب معلوم ہو چکا۔

ان کے بعد اسلاف نے کورا جھوٹ گھڑا اور پھر اسی پر چلتے رہے مثلاً عمر ابن معروف اور تستری، بعض راوی جنہوں نے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مسجد سے نکال دیا اور پھر اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی جیسے ابن مسکان[3] ان میں کا ابو بصیر[4] وہ ہے جس نے اپنی دروغ گوئی کا خود اقرار و اعتراف کیا ہے، ان میں داؤد بن حکم، ریان بن صلت، ابن بلال حجی، زرارہ اور ابن سالم کا تعلق فرقہ بدائیہ عائیہ سے ہے اس عقیدہ کے یہ لوگ جمہور شیعہ کے نزدیک مذہبی بدترین اور باطل ترین ہیں اس کے باوجود اسلاف میں شمار ہیں۔

ان اسلاف میں ایسے بھی ہیں جو باہم ایک دوسرے کی تکذیب کرتے اور ایک دوسرے کی روایات کو خود ثابت کرتے ہیں مثلاً ہشامین صاحب طاق اور میثمی ان کے راویان احادیث و آثار میں سے ایک ابن عیاش

الحديث 727، والاستبصار الجزء 2، باب وقت الخروج إلى منى، الحديث 896. وينظر ما كتبه العاملي في أعيان الشيعة: 3/ 107.

1- علي بن فضال بن عمر بن أيمن، مولى عكرمة بن ربعي الفياض. كان فطحيا على قولهم، قال الكشي قال من الفطحية جماعة من فقهاء أصحابنا منهم ابن فضال. رجال النجاشي: 1/ 212؛ تنقيح المقال: 1/ 193.

2- عمرو بن سعيد المدائني، روايته عندهم عن الرضا، رغم أنه فطحي لكنهم قبلوا روايته، فوثقه النجاشي (في رجاله 2/ 133) والطوسي (في رجاله رقم 488)، الذي صرح بأنه فطحي حيث قال: «ذكر عمرو بن سعيد المدائني وكان فطحيا قال: كنت عند أبي الحسن العسكري عليه السلام». الغيبة: ص 349. وأقر الكشي في رجاله بأنه كان فطحيا. رجال الكشي: ص 612.

3- هو عبد الله بن مسكان الكوفي مولى عنزة. زعموا أنه كان لا يدخل على الإمام جعفر الصادق شفقة أن لا يوافيه حق إجلاله

4- في رجالهم أكثر من واحد كنيتهم «أبو بصير» منهم عبد الله بن محمد الأسدي وليث ابن البختري المرادي. وقد قال عنه ذوهم في الجرح والتعديل: كان الإمام جعفر الصادق يتضجر من أبي بصير ليث بن البختري ويتبرم، وأصحابه مختلفون في شأنه. قال ابن الغضائري الشيعي: وعندي أن الطعن وقع على دين ليث لا على حديثه، وهو عندي ثقة. قالوا: إن الطعن في دينه لا يوجب الطعن!

بھی ہے جس کو انہوں نے اپنے رجال میں کذاب تک لکھا ہے اور ائمہ سے اس کے بارے میں ایسی روایات بیان کی ہیں جس میں اس کو جھوٹا کہا گیا ہے (پھر بھی اس سے روایات قبول کرتے ہیں)

ان کے متقدمین میں سے ابن بابویہ صاحب رقعہ مزورہ اور متاخرین میں سے شریف رضی بھی مسیلمہ کذاب کی صحیح یادگار ہیں۔

مذکورہ بالا دعوؤں کے دلائل آئندہ باب میں انہی کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے بیان کیے جائیں گے اس کے علاوہ ان کے وہ علماء جو کتب اسماء الرجال اور اپنی اسلاف کے حالات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں ان کے لیے ممکن نہیں کہ اس سے انکار کر سکیں اگر کوئی جاہل یہاں شک وتردد بھی کرے تو اس کا کوئی گلہ بھی نہیں کہ ان شاء اللہ اس کا شک وتردد بھی آئندہ دور ہو جائے گا۔

شیعوں کا دعویٰ کہ وہ مذہب اہلبیت پر ہیں

یہاں ایک بڑا عمدہ نقطہ جو انتہائی توجہ طلب ہے یہ ہے کہ شیعوں کے جملہ فرقوں کا یہ دعوی ہے کہ انہوں نے علوم اہل بیت ہی سے حاصل کیے ہیں ان میں ہر ایک کسی امام زادے سے اپنی نسبت اور تعلق جوڑتا ہے اور انہی سے اپنی نسبت و تعلق جوڑتا ہے اور انہی سے اپنے مذہب کے اصول و فروع کی روایات لیتا ہے اسی کے ساتھ یہ واقعہ بھی ناقابل تردید ہے کہ یہ سب فرق باہم ایک دوسرے کو جھٹلانے گمراہ بتانے اور کافر قرار دینے میں بھی مشغول و مصروف رہتے ہیں حتی کہ اصول عقائد خصوصا امامت کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان کے اس باہم اختلاف ونزاع سے عقلمند اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں اس لیے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک ہی گھر سے یہ سب مختلف متناقض توجیہات وروایات بیان کی جائیں اگر اہل خانہ میں کسی ایک کو صدق میں ترجیح دیں گے تو بعض دوسرے اہل خانہ کی تکذیب لازم آئے گی اور ان پر غلط گوئی اور مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کے الزام آئے گا اور یہ بات نص قرانی کے خلاف تو ہے ہی واقعہ کے بھی خلاف ہو گی اللہ تعالی نے فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔[1]

1۔ سورۃ الاحزاب، الآیۃ: 33۔

بے شک اللہ تعالی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت وہ تم کو ہمہ قسم برائی سے ایسا پاک کر دے جو پاک کر دینے کا حق ہے۔

پھر تاریخ سے بھی گواہی اس کی ملتی ہے کہ اہل بیت کے بزرگ خصوصا دیگر بندگان خدا میں سب سے بڑے کہ متبع اور پیروں تھے اس کا کوئی امکان ہی نہیں کہ وہ اپنی ریاست و سیاست کی خاطر جھوٹ بولیں یا لوگوں کو دھوکہ اور فریب دیں لامحالہ اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام ان روایات وحکایات سے بری وذمہ بھی ہیں اور بے خبر بھی، اور ان مختلف فرقوں نے جس طرح مذہب تراشے اسی طرح اس کی اس تائید اور مخالف کی تردید میں حکایت وروایت بھی گھڑلی جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ بنیاد اور جن کا مذہب جعلی ہو اس کو اس جعل سازی کے لیے صحیح روایات کہاں سے میسر آسکتی ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا[1]

اگر یہ کلام پاک اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نازل کردہ ہوتا تو البتہ وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

معلوم ہوا کہ کلام الہی کی طرح دین ومذہب کے اصول بھی خدا کی طرف سے اس کے رسول ہی متعین و بیان کرتے ہیں اس لیے اس کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا دین ومذہب کے اصول میں اختلاف وتضاد اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ دین باطل اور مذہب جعلی ہے۔

سنی اور شیعہ کا اختلاف

اب رہا اہلسنت کا باہم اختلاف تو اول تو یہ اختلاف اجتہادی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر فقہاء کے زمانہ تک سب کو مجتہد تسلیم کیا ہے، اور مجتہد کو اپنی رائے پر عمل کا اختیار ہوتا ہے اور وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرتا ہے اور اجتہاد وارا کا اختلاف نوع انسانی کی فطری بات، اسے روایات کا اختلاف نہیں کہتے جس سے جھوٹ اور افتراء کا ثبوت ہو۔

دوسرے عقائد اہلسنت کا جو بھی باہم اختلاف ہے وہ فروعات فقہیہ میں ہے اصول عقائد میں نہیں اور

1۔ سورۃ النساء الآیۃ: 82

فروعی اختلاف جو اجتہاد کا نتیجہ ہوتا ہے بطلان مذہب کی دلیل نہیں بن سکتا جس طرح مجتہدین امامیہ آپس میں فروع میں مختلف ہیں کہ مثلا شراب پاک ہے یا ناپاک یا عرق غلاب سے وضو جائز ہے یا نہیں اب اس کے مقابلہ میں اہل بیت کے اختلاف میں جو شیعی علوم کے ماخذ ہیں یہ بحث کو اجمالی طور پر باب اول میں گزر چکی ہے مگر تفصیل کی بات ہی کچھ اور ہے۔[1]

فرقوں میں غالی فرقہ تمام فرقوں کا سر تاج ہے اور غلات دراصل عبد اللہ بن سبا کے شاگرد ہیں جو خود کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاص الخاص شاگرد اور آپ کا محرم راز کہتا تھا اور مختاریہ وکیسانیہ حضرت علی، حضرات حسنین، محمد بن علی اور ابو ہاشم بن محمد بن علی رضی اللہ عنہم کی روایات سے اپنے مذہب کو متعین کرتے ہیں۔

زیدیہ: حضرت علی، حضرات حسنین، امام زین العابدین زید بن علی بن یحیی اور یحیی بن زید رضی اللہ عنہم سے۔

باقریہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام باقر رحمۃ اللہ علیہ تک پانچ اماموں سے۔

ناؤسیہ: چھ ائمہ سے پانچ تو اوپر والے اور چھٹے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ۔

مبارکیہ: سات سے چھ اوپر والے ساتویں اسماعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ۔

قرامطہ: آٹھ سے سات مذکورہ بالا اور آٹھویں محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ۔

شمطیہ: بارہ سے آٹھ مذکورہ بالا اور چار یہ محمد بن جعفر، موسیٰ بن جعفر، عبد اللہ بن جعفر اور اسحاق بن جعفر رحمہم اللہ

مہدویہ: بائیس سے ان کے نام باب اول میں بیان ہو چکے ہیں، اور یہ لوگ مصر اور دیار مغرب کے بادشاہوں کو جو محمد مہدی کی اولاد میں سے تھے امام مانتے ہیں اور ان کی عصمت اور ان کے علم محیط کے معتقد ہیں چنانچہ ابو محمد نجم الدین عمارہ بن علی بن زید الفرجی مشہور شاعر اپنے قصیدہ میمیہ میں جو اس نے فائض بن جعفر اور اس کے وزیر کی تعریف میں لکھا کہتا ہے:

1۔ محمد بن علي بن الحسين قال: سئل أبو جعفر وأبو عبد الله (عليهما السلام) فقيل لهما: إنا نشتري ثيابا يصيبها الخمر وودك الخنزير عند حاكتها، أنصلي فيها قبل أن نغسلها؟ فقالا: نعم، لا بأس، إنما حرم الله أكله وشربه، ولم يحرم لبسه ومسه والصلاة فيه.(وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، باب نجاسة الخمر والنبيذ والفقاع وكل مسكر، 3/ 472، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

أقسمت بالفائز المعصوم معتقدا   فوز النجاة وأجر البر في القسم[1]

یہ وصال ہے میں فائز معصوم کی قسم اس اعتقاد کے ساتھ کھاتا ہوں کہ میری قسم کامیابی اور سچائی کا اجر رکھتی ہے۔

اور پھر یہ بادشاہ خود بھی اپنے متعلق معصوم ہونے اور علم غیب اور دیگر مخفی علوم مثلاً کیمیا سیمیا وغیرہ کے حامل ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے چنانچہ مصر و دیار مغرب کی تواریخ اس پر گواہ ہیں۔

نزاریہ: یہ اپنے مذہب کی روایت اٹھارہ حضرات سے کرتا ہے جن میں پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری مستنصر

امامیہ: بارہ سے اول ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آخر میں امام محمد مہدی، امامیہ کے معتقدات کی اگر کچھ اصلیت ہوتی تو حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ سب کے روبرو احول پر غضبناک ہو کر شدت سے اس کی برائی کیوں کرتے اور اس کو اپنی مجلس سے کیوں نکالتے،[2] یہی حال دوسرے فرقوں کے معتقدات کا بھی سمجھنا چاہیے۔

ان تمام فرقوں کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ ان سب نے اپنے لیے کتابیں اور دفتر کے دفتر تیار کیے اور ان میں علماء فضلا اہل زبان اور صاحب تصنیف سب ہی گزرے مگر اس ملک میں صرف امامیہ ہی کی کتب نظر آتی ہیں اور دوسروں کی کمیاب بلکہ نادر الوجود ہیں بہر حال ان فرقوں کے علماء کا حال علماء امامیہ کے حال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سب کے سب ایک ہی شجر کے ثمر اور شاخیں ہیں۔

علماء امامیہ اور ان کے راویان حدیث کی حقیقت ابھی معلوم ہو چکی کہ بعض تو ان میں سے مرتکب کبائر تھے جن کے شکایت جناب امیر رضی اللہ عنہ فرمار ہے ہیں بعض مذہب و دیانت میں خراب اور مجسمہ و مشبہ ہیں بعض ضعیف اور نامعلوم الحال جھوٹے اور جعل ساز ہیں اور بعض وہ جن کی جراح و تعدیل میں یہ خود مختلف الخیال ہیں اور ان کے بارے میں کسی جانب کو ترجیح نہ دے سکے بعض ان میں صرف خطوط اور رقعات کے راوی ہیں جن کی صحت

1۔ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، 3/ 433۔

2۔ وشيطان الطاق هذا أكبر دعاة الشيعة في زمن الإمامين زيد وابن أخيه جعفر الصادق، وهو الذي ابتدع أكذوبة أن الإمامة معهود بها إلى أشخاص بأعيانهم، ولم يكن أحد يقول بذلك قبل شيطان الطاق هذا. وأنكرها عليه الإمام زيد في مجلس جعفر.(هامش العواصم من القواصم، ص:69، ط: وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - المملكة العربية السعودية)

پر کوئی اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک تحریر کو دوسری تحریر سے ملا دینا اس فن کے ماہرین کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے خصوصاً امام غائب کا خط ورقہ بنا لینا جن کا نہ کسی کو حال معلوم نہ کسی نے دیکھا بھالا!

اس میں سے بعض ایسا کرتے ہیں کہ ایک پرچہ پر کوئی سوال لکھ کر رات کے وقت کسی درخت کے سوراخ میں رکھ آتے اور صبح اسی پرچہ کو نکال لاتے اور شیعوں کو سناتے اور کہتے کہ اس رقعہ کے بین السطور میں لکھا جواب امام کے ہاتھ کا ہے اور امامیہ آنکھ بند کر کے اس پر یقین کر لیتے۔

شیعی علماء اور ان کی کتابیں

اب ہم ہر فرقے کے عالموں اور ان کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو زیر نظر کتاب کے اہم مسائل میں سے ہے اس غرض سے کہ اگر کوئی عبارت کسی کتاب سے یا کسی عالم کے حوالہ سے نقل کی جائے تو سامع اور ناظر کو بھی معلوم رہے کہ یہ کتاب یا یہ عالم کس فرقہ سے متعلق ہے اور شیعوں کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہے یا اس کا قول اور اس کی روایت قابل اعتبار ہے یا نہیں؟

غلاۃ: ان کا سب سے پہلا عالم عبد اللہ بن سبا ہے، اس کے بعد ابو کامل، اور مغیرہ عجلی ہیں، امام صادق رحمہ اللہ نے ان دونوں سے نفرت ظاہر فرمائی اور ان کو جھوٹا قرار دیا اور فرمایا:

"انهما يفتريان علينا اهل البيت و يرويان عنا الاكاذيب"[1]

یہ دونوں ہم اہل بیت پر افتراء کرتے اور ہم سے جھوٹی روایات منسوب کرتے ہیں۔

نصیر، اسحاق، علباء راز، مفضل صیرفی، صریع، بزیغ اور محمد بن یعفور بھی غلاۃ کے علماء میں سے ہیں ان کا سارا کلام لغو و بیہودہ ہے کہنے کے لائق نہ سننے کے قابل!

1۔ اختيار معرفة الرجال (معروف به رجال الكشى)1/ 302، ط: مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث قم، ایران اسی طرح رجال کشی ہی میں ایک اور مقام پر دوسری روایت اس طرح ہے: عن هشام بن الحكم، انه سمع أبا عبد الله عليه السلام يقول: كان المغيرة بن سعيد يتعمد الكذب على أبي، ويأخذ كتب أصحابه وكان أصحابه المستترون بأصحاب أبي يأخذون الكتب من أصحاب أبي فيدفعونها إلى المغيرة، فكان يدس فيها الكفر والزندقة، ويسندها إلى أبي (اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، 2/ 491، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام)

کیسانیه: ان کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا عالم خود کیسان ہے جو خود کو جناب محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد کہتا تھا، اس کے بعد ابو کریب ضریر اسحاق بن عمرو اور عبد اللہ بن حرب اور ان کے علاوہ دوسرے تھے۔

زیدیه: ان کا سب سے بڑا عالم یحییٰ بن زید ہے اور دوسرے زید بن علی کے دوست، ان کی زیادہ تر روایات حضرت علی، جناب حسنین، امام سجاد اور خود زید شہید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ان کے ائمہ میں سے ایک ناصر بھی ہے جس کا یہ مذہب مشہور ہے کہ پاؤں کا مسح بھی کرنا چاہیئے اور دھونا بھی چاہیئے، اور ان کے کبار علماء میں ہادی ہے جس نے 280ھ کے بعد اس مذہب کو رواج دیا اس کا بیٹا مرتضیٰ بھی ان کے بڑے عالموں میں شمار ہوتا ہے یہ دونوں سادات حسینی سے تعلق رکھتے ہیں خود کو خالص زیدیہ کہتے تھے کیونکہ غیر خالص زیدیوں کی ایک اور جماعت بھی ہے جو اپنے آپ کو زیدیہ کہتے ہیں حالانکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے ان کے علماء یہ ہیں:

جارود بن احمد بن محمد بن سعید سبیعی ہمدانی، ابن عقدة، سلیمان، تبرتوی، خلف بن عبد الصمد، نعیم بن الیمان، یعقوب، حسین بن صالح اور اخطب خوارزمی صاحب مناقب امیر المومنین بھی زیدی ہیں۔

زیدیہ غیر خالص میں سے سوائے چند مسائل کے مثلاً امامت صاحب الکبیرہ کا فر نعمت فاسق کے اصول میں معتزلہ کے پیرو ہیں اور فروع میں جناب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے، ان میں سے بعض فروع میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے ہیں سوائے چند مسائل میں اختلاف کے مثلاً موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں۔

اسماعیلیه: ان کے علماء یہ ہیں: مبارک، عبد اللہ بن میمون قداح، غیاث مصنف کتاب البیان، محمد بن علی برقعی اور مقنعی۔

مهدویه: یہ اسماعیلیہ ہی میں سے ہیں ابتدا میں ان کے ہاں نہ کوئی عالم تھا نہ کتاب کیونکہ ان کا سرگروہ محمد بن عبد اللہ جو مہدی کے لقب سے مشہور تھا اکثر عراقی، حجازی، مصری اور شامی اس کی شرافت وسیادت کے منکر تھے اور اس کی ہمراہی میں شورش پسند اور سپاہی پیشہ اور اکھڑ لوگوں کے سوا کوئی نہیں تھا یہاں تک کہ عزیز جو اس کی اولاد میں سے تھا خلافت تک پہنچا ایک جمعہ کو خطبہ دینے ممبر پر چڑھا تو وہاں ایک رقعہ رکھا ہوا پایا جس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

إنا سمعنا نسبا منكرا　　　يتلى على المنبر في الجامع

إن كنت فيما تدعي صادقا | فاذكر أبا بعد الأب الرابع
وإن ترد تحقيق ما قلته | فانسب لنا نفسك كالطائع
أو لا دع الأنساب مستورة | وادخل بنا في النسب الواسع
فإن أنساب بني هاشم | يقصر عنها طمع الطامع[1]

جامع مسجد کے ممبر پر ہم نے ایک غیر مشہور لقب کا ذکر ہوتے سنا اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ذرا اپنے چوتھے باپ سے اوپر کے پانچویں باپ کے نام تو بتا اگر تم اپنی بات کو مؤثر بنانا چاہتے ہو تو یا تو ہمارے سامنے اپنے نسب کو چمکتے سورج کی روشنی کی طرح صاف بیان کر دیا اس کو اسی طرح چھپا رہنے دو اور ہمارے ساتھ کھلے اور وسیع نسب میں شامل ہو جاؤ کیونکہ بنو ہاشم کے نسبوں میں شرکت کی طمع رکھنے والا اپنی طمع کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

ان اشعار میں طالع کے لفظ سے اشارہ عباسی خلیفہ طالع مابعد کی طرف ہے جو اسے زمانہ میں بغداد کے اور دیگر اسلامی شہروں کا خلیفہ تھا یہ واقعہ اسی کے عہد میں پیش آیا تھا اور اس کا نسب شہرت میں اتنا واضح تھا جیسے پہر دن چڑھے گا سورج، اور فاذکر ابا بعد الاب الرابع جو کہا ہے وہ اس لیے کہ طالع کا چوتھا باب مہدی کا بھی باپ تھا اور اس کا نام عبید اللہ بن عبد اللہ تھا اس لیے ان کو عبیدین بھی کہتے ہیں۔

جب مہدی کے دماغ میں یہ خناس سمایا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعوی کرے تو یہ دعوی اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک اس کا باپ کا وہی نام نہ ہو جو حضور ﷺ کے والد ماجد کا تھا یعنی عبد اللہ اور مہدی کے باپ کا نام عبید اللہ تھا اس لیے اس نے اپنے دادا کو باپ بنایا اور باپ کو دادا اور یوں اس نے بجائے مہدی بن عبید اللہ کے اپنا نسب یوں چلایا مہدی بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن القاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق، جب دیار مصر میں ان کا اقتدار مستحکم ہوا اور عرصہ اقتدار طویل ہوا تو نوکریوں اور عہدوں کے لالچ میں لوگ ان کے مذہب کے حلقہ بگوش ہونے لگے تو ان میں بھی علماء فضلا اور ادباء پیدا ہوئے، یا وہ بھی ملازمت یا قدردانی کے

1۔ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، لابن خلكان، 5/ 373.

خیال سے مذہب بدل کر ان میں شامل ہو گئے چنانچہ ان کے چوٹی کے علماء میں ابو الحسن علی بن نعمان اور ابو عبد اللہ محمد بن نعمان تھے جو معز اور عزیز کے زمانہ میں گزرے ہیں پھر ابو القاسم مشہور ہوئے یہ عبد العزیز حاکم کے زمانہ میں ہوئے اور عامر بن عبد اللہ رواحی اور علی بن محمد بن علی صلیحی مستنصر کے دور میں۔

جن لوگوں نے مال وجاہ کی طمع میں ان کا مذہب قبول کیا ان میں فقیہ عمارہ یمنی ہے کہ عبیدین کے پورے عہد سلطنت میں اس کا کوئی مثل پیدا نہیں ہوا علم وفضل میں یہ بہت بلند پایا تھا اس لیے جب اس نے مذہب تبدیل کر لیا تو اس کے بے شمار پیرو اور شاگردوں کی ایک بڑی جماعت بھی گمراہ ہو گئی اور اس پر یہ مثل صادق آئی:

ان الفقيه اذا غوي و اطاعه　　　قوم غروا معه فضاع و ضيع

مثل السفينة اذا هوت في لجة　　　غرقت ويغرق ما هناك جميعا

بے شک جب ایک عالم فقیہ گمراہ ہو جائے جس کی ایک قوم پیروی کرتی ہو تو وہ قوم بھی گمراہ ہو جاتی ہے پس وہ خود بھی ضائع ہو جاتا ہے اور وہ قوم بھی اس کی مثال کشتی کی سی ہے کہ جب وہ دریا میں ڈوبنے لگتی ہے تو اس کے ساتھ جو بھی ہوتا ہے ڈوب جاتا ہے۔

خود مہدی کی اولاد میں بھی بعض اہل علم ہوئے مثلاً عزیز باللہ کہ وہ شاعر کے ساتھ ادیب اور فاضل عالم تھا ایسے ہی معز اور اس کا بیٹا حاکم ان میں سے اکثر علم غیب کا دعوی کیا کرتے خصوصاً حاکم کے وہ تو کہتا تھا کہ کوہ طور پر میرے ساتھ مناجات ومکالمہ ہوتا ہے جس طرح کے موسی علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا وہ کوہ طور پر بار بار جاتا تھا علم کیمیا بھی جانتا تھا چنانچہ فن کیمیا میں تعویذ الحاکم اس کی مشہور کتاب ہے اسی طرح کتاب الھیاکل بھی اس کی مشہور کتابوں کے من جملہ ایک کتاب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان لوگوں کی ہمہ دانی اور غیب دانی میں مؤرخین رطب اللسان ہیں اور اوراق تاریخ میں ان کے یہ اوصاف ثبت ہیں کہتے ہیں کہ ایک روز عزیز جمعہ کے خطبہ کے لیے ممبر پر چڑھا تو وہاں ایک رقعہ رکھا ہوا تھا جس پر یہ قطعہ تحریر تھا:

بالظلم والجور قد رضينا　　　وليس بالكفر والحماقه

إن كنت أوتيت علم غيب　　　بين لنا كاتب البطاقه[1]

ہم ظلم وجور کی وجہ سے تمہارے تسلط سے راضی ہوئے ہیں مگر کفر وحماقت کو ہم برداشت نہیں کریں گے اگر تمہیں علم غیب عطا ہوا ہے تو ذرا ہمیں اس رقعہ کے کاتب کا نام تو بتا؟

ان میں حاکم بڑا سڑا ہوا رافضی تھا اس نے چند آدمی بطور خفیہ طور سے مدینہ منورہ بھیجے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے جسموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ مبارک سے نکال دیں یہ بدبخت مدینہ منورہ پہنچے اور روزہ مطہرہ کے پاس ایک علوی کو دھوکر اس کے مکان میں مقیم ہوئے رات کو موقع پاکر نقب لگائی اور وہ نقب جسد مبارک تک پہنچی ہی تھی کہ یکایک مدینہ پر سخت آندھی اور جھکڑ چلنے لگے، ہیبت ناک بجلیاں کوندنے لگیں، گرد و غبار کا گویا طوفان آگیا اور مدینہ منورہ میں گھپ اندھیرا چھا گیا، فضا کی ہولناکی اتنی بڑھی کہ لوگ سمجھنے لگے کہ ہلاکی یقینی ہے اور اس سے نجات وخلاصی سے ناامید ہوگئے کسی طرح اس علوی اور اس کے اہل خانہ کو بدکرداروں کی حرکت ناشائستہ کا علم ہوا تو انہوں نے امیر مدینہ کو اس کی اطلاع دی حاکم مدینہ نے فی الفور ان کو پکڑ کر تہ تیغ کیا تو اس کے بعد طوفان تھما فضاء سے گرد وغبار صاف ہوا اندھیرا دور ہوا اور لوگوں کی جان میں جان آئی، قاضی فاضل ابو عبداللہ ابو منصور سمنائی نے اپنی کتاب الاستنصار میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔

نزاد دیہ: ان کا سب سے بڑا عالم فاضل حسن بن صبا حمیری تھا اس کے بعد ابوالحسن سلیمان بن محمد جو راشد ین کے لقب سے مشہور تھا یہی اسماعیلی قلعوں کا مالک تھا یہ ایک فاضل ادیب اور بہت اچھا شاعر بھی تھا فن انشاء میں عالمانہ مقالے اور رسالے بھی لکھے ہیں، انہی تحریروں میں اس کا وہ خطبہ بھی ہے جو اس نے سلطان نور الدین محمود ابن سلطان علاؤالدین شہید زنگی شاہ شام کو اس وقت لکھا تھا جب صلاح الدین بن ایوب نے سلطان کی طرف سے مصر فتح کیا تھا اور یہودیوں کے پنجے سے نکالا تھا مصر پر چڑھائی کے ساتھ سلطان نور الدین زنگی نے اس راشد الدین کو بھی تنبیہی خط لکھا تھا کیونکہ یہ بھی تو خود کو عبیدین کے پسماندوں میں شمار کرتا تھا چنانچہ اس نے بادشاہ کے خط کے جواب میں لکھا:

1۔ تاریخ الاسلام، للذهبي، 27/ 131

يا للرجال لأمر هال مفظعه ما مر قط على سمعي توقعه

يا ذا الذي بقراع السيف هددنا لا قام مصرع جنبي حين تصرعه

قام الحمام إلى البازي يهدده واستيقظت لأسود البر أضبعه

أضحى يسد فم الأفعى بإصبعه يكفيه ما قد تلاقي منه إصبعه

وقفنا على تفاصيله وجمله وعلمنا ما هددنا به من قوله وعمله فيالله العجب من ذبابة تطن في أذن فيل وبعوضة تعد في التماثيل ولقد قالها من قبلك قوم آخرون فدمرنا عليهم وما كان لهم من ناصرين أو للحق تدحضون وللباطل تنصرون وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون وأما ما صدر من قولك في قطع رأسي وقلعك لقلاعي من الجبال الرواسي فتلك أماني كاذبة وخيالات غير صائبة فإن الجواهر لا تزول بالأعراض كما أن الأرواح لا تضمحل بالأمراض كم بين قوي وضعيف ودني وشريف وإن عدنا إلى الظواهر والمحسوسات وعدلنا عن البواطن والمعقولات فلنا أسوة برسول الله صلى الله عليه وسلم في قوله (ما أوذي نبي ما أوذيت) ولقد علمتم ما جرى على عترته وأهل بيته وشيعته والحال ما حال والأمر ما زال ولله الحمد في الآخرة والأولى إذ نحن مظلومون لا ظالمون ومغصوبون لا غاصبون وإذا جاء الحق زهق الباطل إن الباطل كان زهوقا ولقد علمتم ظاهر حالنا وكيفية رجالنا وما يتمنونه من الفوت ويتقربون به إلى حياض الموت (فتمنوا الموت إن كنتم صادقين ولا يتمنونه أبدا بما قدمت أيديهم والله عليم بالظالمين) (الجمعة 6 – 7) وفي أمثال العامة السائرة أو للبط تهددون بالشط فهيئ للبلايا جلبابا وتدرع للرزايا

أثوابا فلأظهرن عليك منك ولأفتنهم فيك عنك فتكون كالباحث عن حتفه بظلفه والجادع مارن أنفه بكفه....فإذا وقفت على كتابنا هذا فكن لأمرنا بالمرصاد ومن حالك على اقتصاد واقرأ أول النحل وآخر صاد....

بنا نلت هذا الملك حتى تأثلت — بيوتك فيها واشمخر عمودها

فأصبحت ترمينا بنبل بنا استوى — مغارسها منا وفينا حديدها[1]

لوگو وہ ہولناک خطرہ ہمیں ڈرارہا ہے جس کے متعلق میرے کان میں کبھی بھنک بھی نہ پڑی وہ شخص جو ہم کو تلواروں کی جھنکار کا ڈراوادے رہا ہے جب تو اس پر جھپٹے تو پھر اس کو میرے پاس اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہنا چاہیے کبوتر باز کو دھمکا رہا ہے اور بجو شیروں کو پچھاڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں وہ اژدہ ہے کہ منہ کو اپنی انگلی سے بند کرنا چاہتا ہے اس تنگ ودو میں اژدہ کی طرف سے اس کی انگلی کو جو تکلیف پہنچے گی وہی اس کے ہوش ٹھکانے لگا دے گی اس نے ہمیں اشاروں میں اور صراحت سے جتا دیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے پس خدا کی شان ہے کہ مکھی اور مچھر ہاتھی کو زچ کرنے کے لیے اس کے کانوں پر بھن بھنانے لگے ہیں اور وہ بھی تصاویر میں شامل ہوتے ہیں دوسرے لوگوں نے بھی اس کو اسی طرح دھمکایا تھا ہم نے ان کو ایسی حالت میں موت کے گھاٹ اتارا کہ کوئی مددگار بھی نہ ملا کیا تم باطل کی مدد سے حق کو ڈگمگانا چاہتے ہو؟ ظالموں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس پہلو پلٹتے ہیں، تم نے اپنے خط کی ابتدا میں میرا سر قلم کرنے اور میرے پہاڑی قلعوں کو پیوند زمین کرنے کے متعلق کہا ہے تو یہ تمہاری ناکام تمنا اور خام خیالی ہے کیونکہ جواہر اعراض سے ملیامیٹ نہیں ہوتے اور نہ امراض سے روحیں کمزور و مضمحل ہوتی ہیں طاقتور اور کمزور کے نیز ذلیل اور شریف کے درمیان بہت فرق ہے اور اگر ہم ان عقلی اور باطنی چیزوں میں جواب دینے کی بجائے ظاہر اور حسی طور پر کچھ

1۔ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، لابن خلكان، 5/ 187.

کہنا چاہیں تو ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اور مسرت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جتنی اذیت وتکلیف مجھے دی گئی اتنی اور کسی نبی کو نہیں پہنچی اور تمہیں پتہ ہی ہے کہ آپ کی اولاد آپ کے اہل بیت اور آپ کے شیعوں پر کیا کچھ نہیں گزرا دنیا و آخرت میں حمد و تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اس وقت ہم ظالم نہیں مظلوم ہیں ہم کسی پر غضب و غارت نہیں ڈالتے ہم پر غارت ڈالی جا رہی ہے کبھو حق ایا باطل مٹا بے شک باطل تو مٹتا ہی ہے، ہماری ظاہری حالت اور طاقت و قوت کو تم جانتے ہی ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے ادمی کیسی بے جگری سے لڑتے ہیں اور موت کی ان کو کتنی تمنا رہتی ہے وہ جان ہار دیتے ہیں مگر میدان جنگ سے منہ نہیں موڑتے اگر تم اپنے قول میں سچے ہو اور ایسا ہی کرنا چاہتے ہو تو موت کی تمنا کرو مگر وہ ہرگز ان عملوں کی وجہ سے جو وہ آگے بھیج چکے ہیں موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ تعالی ظالموں کو خوب جانتا ہے بطور مثل کہتے ہیں کہ کیا تم بطخ کو دریا سے ڈراتے ہو تو اب تم مصیبت سے بچنے اور آفتوں کو سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور خود اپنے ناخن سے اپنی موت کریدنے والے نہ بنو نہ اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹنے والا بنو جب تم ہمارے جواب سے آگاہ ہو جاؤ تو ہم سے بچاؤ کے لیے جو تدابیر کر سکتے ہو کر لو اور ہمارے کام سے ہوشیار رہو اور پھر سورہ نحل کا ابتدائی اور سورہ ص کا آخری حصہ مطالعہ کرو، تم نے ہمارے طفیل ملک حاصل کیا تا آنکہ اپنے مکانات کو محفوظ و مضبوط بنالیا اب تم ہم پر ہی تیر اندازی کرنے لگے ہم میں پوری ہمواری ہے۔

امامیہ: اور خصوصا اثناء عشریہ میں تو ان کے علماء کی حد و شمار ہی نہیں البتہ ان کے قدماء میں جو مشہور ہیں یہ ہیں:

قیس بن سلیم بن قیس ہلالی،[1]

---

1 ـ عدوه من أصحاب علي رضي الله عنه إلى الباقر، وادعوا أن الحجاج طلبه ليقتله فهرب وأوى إلى أبان بن أبي عياش، فلما حضرته الوفاة قال لأبان: «إن لك علي حقا وقد حضرني الموت يا ابن أخي أنه كان من أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم كيت وكيت وأعطاه كتابا»، فلم يرو عن سليم بن قيس أحد من الناس سوى أبان، وذكر أبان حال شيخه فقال: «كان شيخا متعبدا له نور يعلوه»، ولذا شكك بعض علماء الإمامية بمصداقية الكتاب، فقال المفيد:

ابان،[1] ہشام بن حکم، ہشام بن سالم صاحب الطاق، ابو الاحوص،[2] علی بن منصور،[3] علی بن جعفر،[4] بیان بن سمعان جن کی کنیت ابو احمد ہے اور جزری لقب سے مشہور ہے، ابن ابی عمیر، عبد اللہ بن مغیرہ،[5] نظری،[6]

«غير أن هذا الكتاب غير موثوق به ولا يجوز العمل على أكثره، وقد حصل فيه تخليد وتدليس فينبغي للمتدين أن يتجنب العمل بكل ما فيه ولا يعوّل على جمله والتقليد لروايته»، مات قيس سنة 90هـ. رجال النجاشي: 1/ 68؛ تنقيح المقال: 2/ 52؛ أعيان الشيعة: 7/ 293.

1 ـ أبان بن تغلب بن رباح، أبو سعيد البكري مولاهم الجريري، قال عنه النجاشي: «عظيم المنزلة في أصحابنا لقي علي بن الحسين، وأبا جعفر وأبا عبد الله عليهم السلام، وروى عنهم، وكانت له عندهم منزلة عظيمة»، وهو غير أبان بن تغلب الربعي أبي سعد الكوفي، فهذا من رجال مسلم، وأخرج له الأربعة (ترجمته في تهذيب التهذيب: 1/ 81) فهما يختلفان في الكنية والنسب، ولم يثبت له أهل السنة رواية عن علي بن الحسين أو عن جعفر الصادق

2ـ أبو الأحوص داود بن أسد بن غفير البصري، قال عنه النجاشي: «شيخ جليل فقيه متكلم من أصحاب الحديث، ثقة ثقة». رجال النجاشي: 1/ 364؛ تنقيح المقال: 1/ 407.

3ـ أبو الحسن علي بن منصور الكوفي، كان من تلاميذ هشام بن الحكم، لم يذكره الشيعة الإمامية بجرح ولا تعديل. رجال النجاشي: 2/ 71 معجم رجال الحديث: 13/ 201.

4ـ علي بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين، أبو الحسن سكن المدينة ونسب إليها، ذكره الإمامية من الرواة عن أهل البيت وقالوا يروي عن الصادق والكاظم والرضا، ورغم شرفه لكنهم لم يوثقوه. رجال النجاشي: 2/ 72؛ عمدة الطالب: ص 241. وذكره من أهل السنة ابن حجر وغيره، وله حديث واحد في الترمذي ذكره الترمذي واستغربه، قال الذهبي: «وحديثه هذا منكر جدا»، مات سنة 210هـ تهذيب التهذيب: 7/ 258؛ ميزان الاعتدال: 5/ 144.

5ـ في المطبوع عبد المغيرة، والتصحيح من كتب الإمامية، قال عنه النجاشي: «ثقة ثقة، لا يعدل به أحد من جلالته ودينه وورعه، روى عن موسى الكاظم»، قيل إنه صنف ثلاثين كتابا. رجال النجاشي: 2/ 11.

6ـ الحارث بن المغيرة النضري أو النصري، نسبه النجاشي إلى نصر بن معاوية، وقال: «بصري روى عن الباقر والصادق وزيد بن علي، ثقة ثقة، له كتاب يرويه عدة من أصحابنا». رجال النجاشي: 1/ 333. ذكره الحافظ ابن حجر، لسان الميزان: 2/ 160.

ابو بصیر،[1] محمد بن حکیم،[2] محمد بن فرج الرخجی،[3] ابراہیم خزاز، محمد بن حسین،[4] سلیمان جعفری،[5] محمد بن مسلم، بکیر بن اعین، زرارہ بن اعین اور ان دونوں کے بیٹے،[6] سماعہ بن مہران، علی بن ابی حمزہ بطئی، عثمان علی یہ تینوں بنی فضال ہیں،[7] احمد بن محمد بن ابو نصرہ البزنطی،[8]

---

1 ـ محمد بن حكيم الخثعمي، قال النجاشي: «يروي عن الصادق والكاظم، وله كتاب يرويه عنه ابنه جعفر»، ولم يذكروا له جرحا ولا تعديلا. رجال النجاشي: 2/ 257؛ تنقيح المقال: 3/ 109.

2 ـ محمد بن حكيم الخثعمي، قال النجاشي: «يروي عن الصادق والكاظم، وله كتاب يرويه عنه ابنه جعفر»، ولم يذكروا له جرحا ولا تعديلا. رجال النجاشي: 2/ 257؛ تنقيح المقال: 3/ 109.

3 ـ في الأصل (الرجعي). والتصحيح من كتبهم. الرخجي (نسبة إلى قرية أسفل بغداد)، ذكره النجاشي وقال: «يروي عن الكاظم له كتاب مسائل»، ولم يذكروا له جرحا ولا تعديلا. رجال النجاشي: 2/ 279؛ تنقيح المقال: 3/ 171.

4 ـ محمد بن الحسين بن أبي الخطاب (زيد)، أبو جعفر الزيات الهمداني، قال النجاشي: «جليل من أصحابنا عظيم القدر كثير الرواية، ثقة عين حسن التصانيف مسكون إلى روايته»، قالوا بأنه عاش أكثر من 105 سنوات حيث مات سنة 262هـ. رجال النجاشي: 2/ 220؛ تنقيح المقال: 3/ 106.

5 ـ سليمان بن جعفر بن إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر الطيار، أبو محمد الجعفري، روى عن الرضا والعسكري، قال النجاشي: «كان ثقة وله كتاب فضل الدعاء». رجال النجاشي: 1/ 412؛ عمدة الطالب: ص 44.

6 ـ قال الخوئي: «وزرارة يكنى أبا علي أيضا وله عدة أولاد منهم: الحسن والحسين ورومي وعبيد وكان أحول وعبد الله ويحيى، بنو زرارة: ولزرارة إخوة جماعة منهم حمران وكان نحويا وله ابنان حمزة بن حمران ومحمد بن حمران، وبكير بن أعين يكنى أبا الجهم وابنه عبد الله بن بكير وعبد الرحمن بن أعين، وعبد الملك بن أعين وابنه ضريس بن عبد الملك، ولهم روايات كثيرة وأصول وتصانيف». معجم رجال الحديث: 8/ 225.

7 ـ وثقوا هؤلاء الثلاثة رغم أنهم من الأفطحية حيث روى الطوسي عن: «الحسن بن علي وقد سئل عن كتب بني فضال فقالوا: كيف نعمل بكتبهم؟ وبيوتنا منها ملئ فقال: خذوا بما رووا وذروا ما رأوا». الغيبة: ص 389، 390.

8 ـ هو أحمد بن عمرو بن أبي نصر (زيد)، أبو جعفر البزنطي الكوفي السكوني مولاهم. قال النجاشي: «لقي الرضا والكاظم وكان عظيم المنزلة عندهما وله كتب»، مات سنة 220هـ رجال النجاشي: 1/ 202؛ تنقيح المقال: 1/ 77.

یونس بن عبداللہ القمی، ایوب بن نوح،[1] حسن بن عیاش الحریش،[2] علی بن مظاہر واسطی، احمد بن اسحاق،[3]
جابر بن جعفی،[4] محمد بن جمہور قمی،[5] حسین بن سعید،[6]

1ـ أيوب بن نوح بن درّاج النخعي، أبو الحسين، قال النجاشي: «كان وكيلا لأبي الحسن وأبي محمد عليهما السلام، عظيم المنزلة عندهما، مأمونا وكان شديد الورع كثير العبادة ثقة في رواياته». رجال النجاشي: 1/ 255.

2ـ قال النجاشي: «يروي عن أبي جعفر، ضعيف جدا له كتاب رديء الحديث مضطرب الألفاظ»، وقال ابن حجر بعد نقل كلام النجاشي، وقيل: «إنه كان يضع الحديث».. رجال النجاشي: 1/ 176؛ لسان الميزان: 2/ 216

3ـ أحمد بن إسحاق بن عبد الله بن سعد بن مالك بن الأحوص الأشعري، أبو علي القمي، كان رسول القميين إلى الأئمة، ذكره الكليني فيمن رأى إمامهم الغائب في كتاب الحجة من الكافي، وذكره الطوسي وعده من السفراء الذين وردتهم كتابات صاحب الزمان، قال: «وقد كان في زمان السفراء المحمودين أقوام ثقات ترد عليهم التوقيعات من قبل المنصوبين للسفارة أصلا ومنهم أحمد بن إسحاق»!، وهو عندهم من أوثق رواتهم. رجال النجاشي: 1/ 234. الطوسي، الغيبة: ص 414.

4ـ جابر بن يزيد بن الحرث الجعفي الكوفي، اختلف علماء الحديث السنة فيه، فوثقه البعض، وضعفه معظمهم وتركوه، فقد تركه النسائي، وقال يحيى: «لا يكتب حديثه ولا كرامة»، ونقل عباس الدوري عن زائدة قوله عن الجعفي: «كان كذابا»، مات سنة 128هـ ميزان الاعتدال: 2/ 103. أما عند الإمامية فهو من خيرة رواتهم عن الباقر والصادق وقيل إنه روى عنهما سبعين ألف حديث، قال المامقاني: «إن الرجل في غاية الجلالة ونهاية النبالة، وله المنزلة العظيمة عليهما السلام بل، من أهل أسرارهما وبطانتهما ومورد ألطافهما الخاصة وعنايتهما المخصوصة وأمينهما على ما لا يؤتمن عليه إلا أوحدي العدول من الأسرار ومناقب أهل البيت عليهم السلام». تنقيح المقال: 1/ 203؛ رجال النجاشي: 1/ 313.

5ـ قال النجاشي عنه: «ضعيف في الحديث فاسد المذهب، وقيل فيه أشياء الله أعلم بها من عظمها، روى عن الرضا عليه السلام». قال النائيني محقق رجال النجاشي: «مر في ترجمة ابنه محمد أنه كان أوثق من أبيه، فيستفاد منه وثاقة أبيه محمد وكونه صالحا فتدبر»!، رغم تضعيف المتقدمين له. رجال النجاشي: 2/ 225.

6ـ الحسين بن سعيد بن حماد بن مهران أبو محمد الأهوازي، يروي عندهم عن الرضا، قال الكشي: «إمامي ثقة أبوه يلقب دندان». رجال النجاشي: 1/ 207. وذكره ابن حجر في لسان الميزان: 1/ 405

عبد اللہ،[1] عبید اللہ،[2] محمد،[3] عمران[4] اور عبد الاعلی[5] یہ سب علی بن شیبہ کے بیٹے ہیں۔

1۔ ورد في بعض كتبهم روايات عبد الله بن علي بن أبي شعبة، لكن قرر الخوئي أنه هو نفسه عبيد الله كما في معجم رجال الحديث: 12/ 87. ويدل على ذلك قول النجاشي حين ذكر أولاد علي بن أبي شعبة أنهم: «عبيد الله وعبد الأعلى وعمران ومحمد». رجال النجاشي: 2/ 38.

2۔ ذكره النجاشي وقال: «ضعيف في الحديث فاسد المذهب، وقيل فيه أشياء الله أعلم بها من عظمها، روى عن الرضا عليه السلام وله كتاب الملاحم الكبير وكتاب نوادر الحج، كتاب أدب العلم». قال النائيني محقق رجال النجاشي: «مر في ترجمة ابنه محمد أنه كان أوثق من أبيه، فيستفاد منه وثاقة أبيه محمد وكونه صالحا فتدبر»!، رغم ما قاله المتقدمون فيه! رجال النجاشي: 2/ 225.

3۔ هو محمد بن علي بن أبي شعبة، أبو جعفر الحلبي، قال النجاشي: «وجه أصحابنا وفقيههم، والثقة الذي لا يطعن عليه هو وأخوته، له كتاب في التفسير»، روايته عندهم عن الباقر والصادق. رجال النجاشي: 2/ 202؛ معجم رجال الحديث: 17/ 325.

4۔ هو عمران بن علي بن أبي شعبة، أبو الفضل الحلبي، روايته عند الإمامية عن الصادق، وثقوه حيث ذكره ابن أبي داود وابن المطهر الحلي في القسم الأول من رجالهم. خلاصة الأقوال: ص 83؛ معجم رجال الحديث: 14/ 159.

5۔ عبد الأعلى بن علي بن أبي شعبة، وثقه النجاشي في ترجمة أخيه محمد بن علي. رجال النجاشي: 2/ 202؛ معجم رجال الحديث: 10/ 377.

اثنا عشریہ میں مصنفین میں یہ لوگ شمار کیے جاتے ہیں صاحب معالم الاصول،[1] فخر المحققین،[2] محمد بن علی الطرازی،[3] محمد بن علی الجعابی،[4] ابو الفتح کراجکی،[5] کفعمی،[6] جلال الدین حسن بن احمد،[7] شیخ مقتول، محمد بن ابی حسن الصفار، ابان بن بشر البقال، عبید بن عبد الرحمن خثعمی،[8] فضل بن شاذان قمی[9] اور محمد بن بابویہ قمی،

1ـ من تصنيف حسن نجل الشهيد الثاني المتوفى سنة 1011هـ. الذريعة: 14/ 70.

2ـ هو أبو طالب محمد بن الحسن بن يوسف بن علي بن المطهر الحلي، وهو الولد الأشهر لابن المطهر الحلي، مات سنة 771هـ. روضات الجنات: 6/ 330؛ جامع الرواة: 2/ 96؛ أمل الأمال: 2/ 260.

3ـ ذكروا له كتابا واحدا هو (كتاب الدعاء والزيارة) وبه اشتهر، والكتاب في عداد المفقود، وكان الطرازي معاصرا للنجاشي المتوفى سنة 450هـ. الذريعة: 8/ 195.

4ـ محمد بن عمر بن محمد التميمي البغدادي الجعابي، محدث وأخباري، قال الذهبي: «له مصنفات كثيرة وله غرائب وهو شيعي»، تولى القضاء بالموصل وتوفي ببغداد سنة 355هـ. ميزان الاعتدال: 6/ 281؛ معجم المؤلفين: 11/ 92. وذكره من الشيعة النجاشي فقال: «كان شيخ شيخنا (المفيد)». رجال النجاشي: 2/ 319؛ تنقيح المقال: 3/ 165.

5ـ هو أبو الفتح محمد بن علي بن عثمان الكراجكي، قال عنه الذهبي: «شيخ الرافضة وعالمهم صاحب التصانيف»، من تلاميذه الشيخ المفيد والشريف المرتضى والطوسي، مات سنة 449هـ. سير أعلام النبلاء: 18/ 121؛ أعيان الشيعة: 9/ 401.

6ـ إبراهيم بن علي بن الحسن بن محمد بن صالح بن إسماعيل الحارثي الكفعمي العاملي، قال المجلسي: «من مشاهير الفضلاء والمحدثين والصلحاء المتورعين»، مات سنة 905هـ. أمل الأمال: 1/ 27؛ أعيان الشيعة: 2/ 184؛ تنقيح المقال: 1/ 27؛ الذريعة: 1/ 355، 1/ 356، 3/ 11.

7ـ جلال الدين أبو محمد الحسن بن أحمد بن إبراهيم بن جعفر بن هبة الله الربعي الحلي، قال الحر العاملي: كان فاضلا عالما، وكان على قول تلميذه المقتول: «شيخ الشيعة ورئيسهم في زمانه»، من مؤلفاته (أخذ الثأر في أحوال المختار بن أبي عبيدة) مات في حدود 766هـ. أعيان الشيعة: 5/ 16؛ الذريعة: 1/ 369.

8ـ ذكره الألوسي بعبد الرحمن، والراجح أنه عبد الكريم بن عمرو بن صالح الخثعمي مولاهم الكوفي، روايته عند الشيعة الإمامية عن الصادق والكاظم، قال الطوسي: «واقفي خبيث»، وقال الكشي: «واقفي»، ومع ذلك وثقه

یہ قمی وہ نہیں ہے جس سے حدیث شفا[2] میں امام بخاری نے استشہاد کیا ہے، صحیح بخاری کی کتاب الطب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "رواہ القمی[3] عن لیث عن مجاهد"[4] اس لیے کہ یہ بابویہ قمی چوتھی صدی کا ہے اور لیث دوسری صدی کے اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ بابویہ قمی نے لیث کو دیکھا ہو اور ان سے روایت کی ہو اور اگر "رواہ عن لیث" کو ارسال اور روایت بالواسطہ محمول کریں تو اگرچہ یہ بخاری کے اصول کے خلاف بھی، پھر بھی اس موقع پر اس کی گنجائش نہیں کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تیسری صدی کے وسط کی ہے جبکہ ابن بابویہ اس کے بہت بعد کا ہے تو اس سے استشہاد کا سوال ہی نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش وفات اور زمانہ حیات کے متعلق کسی نے خوب کہا کہ وہ سچائی کے ماحول میں پیدا ہوئے تعریف کے ساتھ زندہ رہے اور نور میں وفات پائی (یہ حساب ابجد آپ کی تینوں حالتوں کا بیان ہے)

النجاشي فقال: «كان ثقة ثقة عينا له كتاب يرويه عدة من أصحابنا»، وسماه صاحب الذريعة (كتاب الحديث)، أما المامقاني فزكاه ونفى تهمة الوقف! رجال النجاشي: 2/ 62؛ تنقيح المقال: 2/ 37؛ الذريعة: 6/ 343.

1ـ الفضل بن شاذان بن الخليل، أبو محمد الأزدي النيسابوري، قال النجاشي عنه: «روى عن الرضا والهادي، وكان ثقة أحد أصحابنا الفقهاء المتكلمين، وله جلالة في هذه الطائفة، وهو في قدره أشهر من أن نصفه»، ثم قال: «قيل إنه صنف مائة وثمانين كتابا». رجال النجاشي: 2/ 168؛ وذكره ابن النديم، الفهرست: ص 323.

2ـ عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: " الشفاء في ثلاثة: شربة عسل ، وشرطة محجم، وكية نار، وأنهى أمتي عن الكي، رفع الحديث ورواه القمي، عن ليث، عن مجاهد(صحيح البخاري، باب الشفاء في ثلاث، 7/ 122، رقم: 5680، ط: دارطوق النجاة)

3ـ هو الليث بن سعد بن عبد الرحمن الفهري، أبو الحارث المصري، روى عن الزهري وعطاء ونافع وخلق كثير، قال يحيى بن بكير: «ما رأيت أحدا أكمل من الليث بن سعد كان فقيه البدن عربي اللسان يحسن القرآن والنحو ويحفظ الحديث والشعر حسن المذاكرة لم أر مثله»، توفي سنة 175هـ. تذكرة الحفاظ: 1/ 224؛ طبقات الحفاظ: 1/ 102.

4ـ هو أبو الحجاج مجاهد بن جبر الإمام المخزومي مولاهم الكوفي، من كبار التابعين،، قال الذهبي: «كان أحد أوعية العلم»، توفي سنة 103هـ. طبقات ابن سعد: 5/ 466؛ تذكرة الحفاظ: 1/ 83؛ تهذيب التهذيب: 10/ 38.

بعض جلیل القدر اہل علم کو سمعانی کی عبارت سے یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ یہ قمی وہی قمی ہے جس سے امام بخاری نے استشہاد کیا ہے اس لیے یہاں سمعانی کی عبارت نقل کر کے غلطی کے منشا کو واضح کیا جاتا ہے:

قال السمعانی فی المنسوبین الی قم: وأبو جعفر محمد بن علی ابن الحسين بن بابويه القمي، نزل بغداد وحدث بها عن أبيه، وكان من شيوخ الشيعة ومشهوري الرافضية، روى عنه محمد بن طلحة النعالى ويعقوب بن عبد الله بن سعد القمي، استشهد به البخاري في صحيحه في كتاب الطب فقال في حديث «الشفاء في ثلاثة: شرطة محجم، وشربة عسل، وكية نار» قال: رواه القمي عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنهما [في العسل والحجم] والأستاد العميد أبو طاهر سعد ابن على بن عيسى القمي، صار وزير السلطان سنجر بن ملك شاه[1]

سمعانی نے قم کی طرف منسوب لوگوں کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بابویہ قمی بغداد میں آیا وہاں اپنے باپ کی سند کے ساتھ احادیث کی روایت کرتا تھا، یہ شیعوں کے شیوخ میں سے تھا اور مشہور رافضیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا محمد بن طلحہ نعالی اور یعقوب بن عبد اللہ بن سعد قمی نے اسی سے روایت کی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الطب میں حدیث شفا کے ذیل میں اسی سے استشہاد کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت کی اس کی قمی نے لیث سے انہوں نے مجاہد سے مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور استاد عمید ابو طاہر یعنی سعد بن علی ابن عیسی قمی سلطان بحرین ملک شاہ کا وزیر ہو گیا تھا۔

وصرح شراح البخارى بان القمي الذي استشهد به البخاري هو يعقوب بن

1۔ الانساب للسمعانی، القمی، 10/ 487، ط: مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد

عبد الله بن سعد القمي لا ابن بابويه والضابطة في كتاب الانصاب ان يعتفى احد المنسوبين بنسبة واحدة على اخر ببعض عطف مكتوبه بالحمره فلعل ناسخ نسخه ذلك البعض سها فكتب تلك الفاضي بالسواد حتى زن من رواه ابن بابه وانما بعده وهو قوله استشهد به البخاري ما يتعلق بحال ابن بابويه والواقع ليس كذلك بل تمت ترجمة ابن بابويه الى حوله رضى عنه محمد بن طلحة النعالي وابتدا بقوله يعقوب بن عبد الله بن سعد القس استشهد به البخاري في ترجمة اخرى وكل هذا انشاء من غلط الناسخ وتصرف النصاح اشد تغليطا من هذا القدر والله العاصم عن كل زلل.

یہ عبارت انساب سمعانی کی ہے بخاری کے شارحین کی جو تصریحات اس عبارت سے متعلق ہیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس سے استشہاد کیا ہے وہ یعقوب بن عبد اللہ سعد قمی ہے ابن بابویہ قمی نہیں ہے، کتاب الانساب میں یہ قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایک ہی نسبت سے منسوب دو افراد میں سے جب ایک کا عطف بذریعہ و دوسرے پر کیا جاتا ہے تو اس واؤ کو سرخ روشنائی سے لکھتے ہیں اور یہاں کاتب نے بھول کر واؤ خلاف کا قاعدہ سیاہی سے لکھ دیا اور اس طرح اس کے راویوں میں بابویہ قمی کو شمار کر لیا گیا، اور یوں "استشهد به البخاري" کا تعلق بظاہر بابویہ سے ہو گیا حالانکہ یہ خلاف واقعہ اور غلط تھا کیونکہ اس کے متعلق تعارف تو "روی عنه محمد بن طلحة النعالي" پر ختم ہو گیا اور "يعقوب بن عبدالله بن سعد استشهد به البخاري" سے دوسرا تعارف شروع ہوا اور یہ ساری غلط فہمیاں کاتب کی اس غلطی سے ہوئی کہ اس نے عطف کا واؤ سرخ نہیں لکھا اور یہ غلطی تو کیا کاتب حضرات تو اتنی خطرناک غلطیاں کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ اور ہر لفظ سے اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اثنا عشریہ کے علماء و مصنفین میں یہ حضرات مزید ہیں: عبید اللہ بن علی حلبی،[1] علی بن مہزیار اہوازی،[2] سلار،[3] علی بن ابراہیم قمی،[4] ابن براج،[5] ابن زہرہ،[6]

---

1 ـ هو عبيد الله بن علي بن أبي شعبة الحلبي التيمي مولاهم الكوفي، قال النجاشي: «كان يتجر هو وأبوه وإخوته إلى حلب، غلب عليهم النسب إليها ... وكانوا جميعهم ثقات، مرجوعا إلى ما يقولون، وكان عبيد الله كبيرهم ووجههم، وصنف الكتاب المنسوب إليهم وهو كتاب (أبو شعبة)». وتدعي الشيعة أنه أول مؤلفاتهم، وأنه عرض على الصادق وصححه، وسماه صاحب الذريعة ب (كتاب الفقه). رجال النجاشي: 2/ 38؛ تنقيح المقال: 2/ 240؛ الذريعة: 16/ 281.

2 ـ هو أبو الحسن الدروقي، قال النجاشي: «روى عن الرضا وأبي جعفر، واختص بأبي جعفر الثاني (الهادي) وتوكل له وعظم محله منه، فكانت التوقيعات تخرج باسمه من الغائب»، وأضاف: «وكان ثقة في روايته لا يطعن عليه، وصنف الكتب المشهورة»، مات بعد 230هـ. رجال النجاشي: 2/ 74؛ تنقيح المقال: 2/ 310؛ معجم المؤلفين: 7/ 247.

3 ـ قيل اسمه حمزة أو سالار بن عبد العزيز الديلمي، مات سنة 463هـ من تصانيفه (المقنع في الفقه)، (الأبواب والفصول في الفقه)، (التقريب في أصول الفقه). تنقيح المقال: 2/ 42؛ أعيان الشيعة: 7/ 170؛ معجم المؤلفين: 4/ 235.

4 ـ هو علي بن إبراهيم بن هاشم القمي، قال عنه النجاشي: «ثقة في الحديث ثبت معتمد صحيح المذهب، سمع فأكثر وصنف كتبا، وعمي في وسط عمره»، أخذ عنه الكليني، مات القمي سنة 329هـ. وترجم له الحافظ ابن حجر وقال: «رافضي جلد له تفسير فيه مصائب». رجال النجاشي: 2/ 86؛ معجم الأدباء: 12/ 215؛ لسان الميزان: 4/ 191؛ معجم المؤلفين: 7/ 9.

5 ـ هو عبد العزيز بن نحرير بن عبد العزيز البراج الشامي، قال العاملي: «القاضي سعد الدين وجه الأصحاب وفقيهم»، وله مصنفات منها (المهذب)، (المعتمد) (الجواهر) (الكامل في الفقه)، مات سنة 481هـ. أعيان الشيعة: 8/ 18؛ روضات الجنات: 4/ 202؛ معجم المؤلفين: 5/ 262

6 ـ هو حمزة بن علي بن زهرة بن الحسن بن زهرة الحسيني الحلبي، قال عنه الحر العاملي: «فاضل عالم ثقة جليل القدر عظيم المنزلة، وله تصانيف تبلغ نحو العشرين»، مات سنة 585هـ. أمل الآمل: 2/ 105؛ أعيان الشيعة: 6/ 249؛ معجم المؤلفين: 4/ 80.

اور ابن ادریس[1] ہیں، یہ ابن ادریس وہی ہے جس کے فرضی اشعار امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں جیسا کہ باب دوم میں گزرا ہے دراصل یہ جرات کنیت کی یکسانی کے سبب عمل میں آئی ورنہ یہ تو اپنے خیال میں کس بے صریح سے بچا ہے۔

نیز ان کے علماء و مصنفین میں یہ بھی شمار ہوتے ہیں: حسن کیدای، معین الدین مصری،[2] ابن جنید،[3] حمزہ،[4] ابو الصلاح،[5] ابن مشرعہ الواسطی،[6]

---

1 ـ هو أبو جعفر محمد بن منصور بن أحمد بن إدريس بن الحسين العجلي الحلي، قال عنه العاملي: «فقيه الشيعة كان من فضلاء فقهاء الشيعة والعارفين بأصول الشريعة»، وطعن به سديد الدين الحمصي الشيعي فقال: «هو مختلط لا يعتمد على تصنيفه»، من مؤلفاته (السرائر الحاوي لتحرير الفتاوي)، مات سنة 598هـ. أعيان الشيعة: 9/ 12؛ أمل الآمال؛ الذريعة: 12/ 155.

2 ـ هو سالم بن بدران بن علي الحلي المازندي، ومن تلامذته نصير الدين الطوسي، قال عنه الحر العاملي: «كان عالما فاضلا»، له مؤلفات منها (التحرير في الفقه)، (الأنوار المضيئة)، مات نحو 670هـ.. أمل الآمال: 2/ 324؛ أعيان الشيعة: 7/ 172؛ الذريعة: 2/ 230، 2/ 441، 3/ 377، 20/ 383، 21/ 277؛ معجم المؤلفين: 4/ 202.

3 ـ هو محمد بن أحمد بن الجنيد، أبو علي الكاتب الأسكافي، قال النجاشي: «وجه من أصحابنا ثقة جليل القدر، صنف فأكثر، وكان يقول بالقياس»، مات في سنة 381هـ. رجال النجاشي: 2/ 306؛ تنقيح المقال: 2/ 58؛ فهرست الطوسي: ص 134.

4 ـ في الأصل (حمزة أبو الصلاح) والتصحيح من السيوف المشرقة (53/ أ) فهما اثنان، الأول منهما هو حمزة بن القاسم بن علي بن حمزة بن عبيد الله بن العباس بن علي بن أبي طالب، قال النجاشي: «ثقة جليل القدر من أصحابنا كثير الرواية»، رجال النجاشي: 2/ 334.

5 ـ هو تقي الدين علي بن منصور بن نجم الحلبي، أبو الصلاح، قال الطوسي: «ثقة قرأ علينا وعلى المرتضى»، من مؤلفاته: (البداءة)، (غاية الإنصاف في مسائل الخلاف)، (الكافي في الفقه). أمل الآمال: 2/ 46؛ معالم العلماء: ص 29؛ الذريعة: 3/ 57، 16/ 9، 17/ 247.

6 ـ كذا ذكره الطهراني، وسماه العاملي بابن الشريفة، وذكرا له كتاب (اللباب) فقط. الذريعة: 18/ 273؛ أعيان الشيعة: 2/ 266.

ابن عقیل،[1] غضائری، کشی، نجاشی، ملاحیدر عاملی،[2] برقی، محمد بن جریر طبری آملی،[3] ابن ہشام دیلمی رجب بن رجب بن محمد البرسی،[4] الحلی، ابن شہر آشوب سروی مازندرانی[5] منتخب دین، ابوالحسن علی بن عبید اللہ جو علی بن حسین بن بابویہ قمی کا پانچ واسطوں سے پوتا ہے، طبرسی، محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران اشعری، صاحب نوادر الحکمۃ شیخ مقتول، محمد بن مکی، سعد بن عبداللہ کتاب الرحمۃ کا مصنف، محمد بن حسن بن ولید شیخ ابن بابویہ، احمد بن

---

1 ـ هو أبو محمد الحسن بن علي بن عيسى بن أبي عقيل العماني الحذاء. قال النجاشي: «فقيه متكلم ثقة، له كتب في الفقه والكلام». وقال عنه العاملي: «هو من قدماء الأصحاب، ويعبر عنه وعن ابن الجنيد بالقديمين، وهما من أهل المائة الرابعة». رجال النجاشي: 1/ 153؛ أعيان الشيعة: 5/ 158.

2 ـ حيدر بن علي بن حيدر بن علي الحسيني المازندراني، ركن الدين الآملي، قال عنه العاملي: «فاضل عالم جليل مفسر فقيه محدث، كان من عظماء الإمامية». ذكروا له: (المحيط الأعظم في التفسير)، (التأويلات)، (جامع الأسرار)، وكان حيا سنة 787هـ أعيان الشيعة: 6/ 271؛ إيضاح المكنون: 2/ 192، 493؛ معجم المؤلفين: 4/ 91.

3 ـ قال عنه ابن حجر: «رافضي له تصانيف منها كتاب الرواة عن أهل البيت»، ورماه بالرفض الكتاني أيضا، قال ابن بابويه: «هو الأملي قدم الري وكان من جلة المتكلمين على مذهب المعتزلة، وله مصنفات»، ونقل النجاشي أن وفاته كانت سنة 310هـ وهي سنة وفاة الطبري الإمام المشهور صاحب التفسير! وقال عنه النجاشي: جليل من أصحابنا كثير العلم حسن الكلام ثقة في الحديث له كتاب (المسترشد في الإمامة). رجال النجاشي: 2/ 289؛ لسان الميزان: 5/ 103.

4 ـ المعروف برضي الدين البرسي الحلي، قال العاملي: «كان فاضلا شاعرا منشئا أديبا له كتاب وفي كتابه إفراط، وربما نسب إلى الغلو». مات نحو 813هـ. أمل الآمال: 2/ 117؛ أعيان الشيعة: 6/ 465.

5 ـ محمد بن علی بن شہر آشوب سروی مازندرانی، ابن شہر آشوب کے نام سے معروف شیعہ عالم ہیں، ایک فقیہ، مفسر، محدث اور چھٹی صدی ہجری کے بزرگ شیعہ عالم مانے جاتے ہیں، مناقب آل ابی طالب اور معالم العلماء جیسی کتابوں کے مؤلف ہیں، ابن شہر آشوب 488ھ اور ایک قول کی بنا پر 489ھ کو پیدا ہوئے، کچھ انہیں ساروی نام کے علاقے کا مانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ وہ ایران کے مازندران نامی صوبے کے شہر ساروی میں پیدا ہوئے، لیکن کچھ ان کی ولادت بغداد میں ذکر کرتے ہیں، ابو عبداللہ ان کی کنیت اور رشید الدین اور عزالدین لقب تھا، ابن شہر آشوب 22 شعبان سنہ 588ھ جمعہ کی رات شہر حلب میں فوت ہوئے اور جبل جوشن کے نام سے معروف پہاڑ پر مدفون ہیں، شیخ حر عاملی ابن شہر آشوب کے متعلق لکھتے ہیں: وہ ایک عالم، فاضل، ثقہ، محدث، ماہر علم رجال و روایات، ادیب، شاعر اور تمام خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ (لؤلؤۃ البحرین، ص 340. ریحانة الادب، 8/ 58، دائرة المعارف، تشیع، 1/ 337، 2/ 285)

لد میثم بن میثم البحرانی، عبدالواحد بن صیفی نعمانی، ابو عیسیٰ الوزان، ابن راوندی مسیکی ابو عبداللہ محمد بن نعمان ملقب شیخ مفید، [1] عبید بابا ابن المعلم، سید مرتضیٰ، سید رضی، ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جس کا لقب شیخ الطائفہ ہے [2] اور اس کے نواسے علی بن موسیٰ بن طاؤس اور احمد بن طاؤس، جمال الدین ابو علی بن حسن بن یوسف بن مطہر حلی سے مشہور ہے اس کا بیٹا فخر الدین محقق حلی جس کا لقب ہے، نصیر الدین بن محمد طوسی جو خواجہ نصیر سے مشہور ہے، [3] ابو القاسم نجم الدین بن سعید صاحب شرائع اس کا لقب بھی محقق ہے، تقی الدین بن داؤد و سدید الدین محمود حمصی، رضی الدین بن طاؤس، جمال الدین بن طاؤس اس کا بیٹا غیاث الدین مقداد علی بن عبد العال اس کا داماد میر باقر زین الدین مقتول اس جا شاگرد بہاء الدین محمد عاملی غلیق قزوینی شارح عدہ، تقی

1۔ محمد بن محمد بن نعمان، شیخ مفید کے نام سے مشہور چوتھی و پانچویں صدی ہجری کے شیعہ امامی متکلم و فقیہ ہیں، محمد بن محمد نعمان کی ولادت 11 ذی القعدہ 336ھ یا 338ھ میں بغداد کے پاس عکبری نامی مقام پر ہوئی، نقل ہوا ہے کہ شیخ مفید نے علم اصول فقہ کی تدوین کے ساتھ فقہی اجتہاد کی راہ میں ایک جدید روش کو متعارف کرایا جو افراطی عقل گرائی اور روایات کو بغیر عقلی پیمانے پر جانچے قبول کرنے کے مقابلہ میں ایک درمیانی راہ پر مبنی تھی، شیخ صدوق، ابن جنید اسکافی و ابن قولویہ ان کے برجستہ ترین اساتید، شیخ طوسی، سید مرتضیٰ، سید رضی و نجاشی ان کے مشہور ترین شاگرد اور فقہ میں کتاب المقنعہ، علم کلام میں اوائل المقالات اور شیعہ ائمہ کی سیرت پر کتاب الارشاد ان کی معروف ترین تالیفات میں سے ہے، سن 413ھ میں 2 یا 3 رمضان جمعہ کے روز شیخ مفید 75 یا 77 سال کی عمر گزار کر اس دنیا فانی سے رخصت ہوئے، میدان "اشنان" میں ان کی نماز جنازہ سید مرتضیٰ نے پڑھائی اور انہیں ان کے گھر کے صحن میں دفن کیا گیا، دو سال کے بعد ان کے جسد کو حرم کاظمین کی پائنتی کی جانب قریش کی قبروں کی طرف ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ کی سمت دفنایا گیا۔ (تاریخ فقہ و فقہا گرجی، ۱۳۸۵ش، ص143)

2۔ هو محمد بن الحسن بن علي الطوسي ولد سنة 385، ومات في 460 بنجف، ويلقب بشيخ الطائفة" (تنقيح المقال ص105 ج3). "هو عماد الشيعة، ورافع أعلام الشيعة، شيخ الطائفة على الإطلاق، ورئيسها الذي تلوى إليه الأعناق، صنف في جميع علوم الإسلام، وكان القدوة في ذلك والإمام، وقد ملأت تصانيفه الأسماع، تلمذ على الشيخ المفيد والسيد المرتضى وغيرهم" (الكنى والألقاب ج2 ص357). هو من مصنفي الكتابين من الصحاح الأربعة "التهذيب" و"الاستبصار".

3۔ كان عالما بالعلوم العقلية والفلسفة، ومن غلاة الباطنية والمقربين لهولاكو، فكان يشاوره، وهو الذي اقترح على هولاكو استباحة بغداد وإسقاط الخلافة العباسية، مات سنة 672هـ. شذرات الذهب: 5/ 339؛ مفتاح السعادة: 1/ 261؛ طبقات أعلام الشيعة: ص 12.

مجلسی شارح من لا یحضرہ الفقیہ اور اس کا بیٹا باقر مجلسی صاحب بحار الانوار [1]۔

اب ان کے علماء کی تعداد کے شمار کے بعد یہ مناسب بھی ہے اور ضروری بھی کہ ہم ان کی معتبر کتابوں سے بھی روشناس کرائیں کیونکہ ان علماء کا جو علم بھی ہے وہ انہی کتابوں میں تو منضبط اور درج ہے اور ان سے روایت یا نقل ان کتابوں کی طرف رجوع کیے بغیر ممکن نہیں۔

ان میں سلیم بن قیس ہلالی وہ پہلا شخص ہے جس نے ان کے اخبار میں کتاب تصنیف کی اور شیعوں کے تمام فرقوں نے اسے معتبر سمجھا ہے اور اب بھی اسے نایاب اور قیمتی چیز سمجھتے ہیں اور گراں سے گراں تر قیمت پر بھی بڑے شوق سے خرید لیتے ہیں۔

سبائیہ: کی کوئی معقول کتاب نہیں ہے مگر ان کے بے وقوفوں کا جمع کردہ بہت قلیل سا ذخیرہ جس میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی کچھ تعریف آپ کی علامات الوہیت آپ کے خوارق عادات افعال اور کچھ بیان اس بارے میں کہ آپ شہید نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب پھر نزول فرمائیں گے۔ (2)

حلولیہ: کے پاس کچھ تصنیفی ذخیرہ ہے جس کا ماحصل اور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی پہلے محض روح کی

1۔ محمد باقر بن محمد تقی 1037-1110ھ علامہ مجلسی، مجلسی ثانی کے نام سے معروف، شیعہ کے مشہور ترین فقہاء، محدثین اور صفویہ دور حکومت کے بااثر شیعہ علماء میں شمار ہوتے تھے، علامہ مجلسی سنہ 1037 ہجری میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت صفویہ کے دور میں شاہ عباس اول کی بادشاہی کے آخری سال میں ہوئی ان کے والد علامہ محمد تقی مجلسی (مجلسی اول)، اپنے زمانے کے نامور اور شیعہ مجتہدین میں سے تھے اور شیخ بہائی، ملا عبد اللہ شوشتری اور میر داماد جیسے برجستہ علماء کے شاگرد رہے ہیں، ان کی تالیفات میں مشہور 110 جلدوں پر مشتمل مجموعۂ حدیث بحار الانوار، 26 جلدوں پر مشتمل مرآۃ العقول فی شرح الکافی شیخ کلینی، 16 مجلدات پر مشتمل شیخ طوسی کی کتاب تہذیب الاحکام کی شرح، ملاذ الاخیار فی فہم تہذیب الاخبار اور الفرائد الطریفیہ فی شرح الصحیفۃ السجادیہ، وغیرہ ہیں دوسرے شیعہ علماء کی نسبت اس کی کتابوں کو زیادہ معتبر مانا جاتا ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایرانی انقلاب کے سر آوردہ آیت اللہ روح اللہ خمینی نے بھی اپنے شیعوں سے اس کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے، محمد باقر مجلسی 27 رمضان سنہ 1110ھ میں 70 سال کی عمر میں شہر اصفہان میں فوت ہوئے۔ (اعیان الشیعہ، ج 9، ص 182۔ ریحانۃ الادب، ج 5، ص 196 و الذریعہ، ج 1، ص 151۔ بحار الانوار، ج 102، ص 105)

تنبیہ: اکثر شیعہ رجال کے احوال باب اول اور مندرجہ بالا بحث میں ذکر کئے جا چکے ہیں تفصیل کے لئے شیعہ کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔

2۔ الملل والنحل: 1/ 174، ط: مؤسسة الحلبي و منهاج السنة النبوية: 3/ 459، ط: جامعة الامام محمد بن سعود۔

شکل میں تھا پھر قالب آدم میں داخل ہوا جس کی طرف ان کے خیال میں " وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي "[1] سے اشارہ ملتا ہے پھر صدی بعد صدی اور پشت در پشت انبیاء کے اجسام میں حلول کرتا ہوا اور منتقل ہوتا ہوا جناب امیر رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریات تک پہنچا۔[2]

کیسانیه: کے ہاں بھی زٹلیات کے سوا کوئی قابل ذکر علمی کتاب نہیں مثلاً محمد بن الحنفیہ کا کچھ فرضی سا حال ان کے خوارق عادات ان کی کرامات، دیوں اور پریوں سے ان کی نبرد آزمائی اور ان کا جنوں کو مسخر و تابع کر لینا جس طرح داستان امیر حمزہ جو عام افسانہ گویوں اور قصہ خوانوں کی زبان ہے اسی ضمن میں کچھ نصوص امیر المومنین سے ان کی اور ان کی اولاد کی خلافت کے بارے میں لے آئے ہیں۔

زیدیه: ابتداء ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، اصولوں میں معتزلہ کی خوشہ چینی کرتے اور فروع میں حنفیہ کی معدودے چند روایات ان کے ائمہ سے سینہ بسینہ چلی آتی تھیں جو ان دونوں کے خلاف تھی بعد میں ان کے علماء نے مسائل فقہیہ میں اجتہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اکثر مسائل میں حنفیہ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے اختیاری مسائل کو جمع کیا اور یوں تصنیف کا سلسار شروع ہو گیا اس کے بعد اصول و فرع میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں فروع کی کتابوں میں ان کے ہاں کتاب الاحکام ہے جو بلاد یمن و حجاز میں شرفا کے ہاں ملتی ہے، اصول میں عقیدہ الالیاسی ہے جو بہت مدلل اور ابواب و فصول پر مرتب ہے اس کے رد میں شیخ ابراہیم کردی مدنی نے نبراس کے نام سے بہت ضخیم شرح لکھی ہے حدیث و اخبار میں بھی ان کے پاس کچھ ذخیرہ ہے۔

اسماعیلیه: ان کے ہاں دولت عبیدین سے پیشتر سوائے کتاب البیان کے جس کا ذکر باب اول میں ہوا اور کوئی کتاب نہ تھی البتہ مہدی کے خروج کے بعد جب اس کا اور اس کی اولاد کا مصر و دیار مغرب میں تسلط و اقتدار قائم ہو گیا بہت سی تصانیف معرض وجود میں آئیں ان میں سب سے اچھا مصنف نعمان بن محمد منصور قاضی ہے

1۔ سورة ص، الآية:72

2۔ الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية، الفصل التاسع من هذا الباب في ذكر اصناف الحلولية وبيان خروجها عن فرق الاسلام، 1/ 241، ط: دار الآفاق الجديدة بيروت

ان کی کتب میں سے چند کتابیں یہ ہیں، کتاب اصول المذاہب، کتاب الاخبار فی الفقہ، کتاب الرد علی المخالفین اس میں امام ابو حنیفہ امام شافعی امام مالک اور ابن شریح رحمہم اللہ چاروں فقہیوں پر رد لکھا ہے، کتاب اختلاف الفقہاء اس کتاب میں اپنے خیال کے مطابق مذہب اہل بیت کی بہت تائید لکھی ہے، کتاب الانتصار فی الفقہ اس میں بھی اس قسم کا مضمون ہے کتاب المناقب والمثالب، اور کتاب الابتداء الدعوۃ العبیدہ لیکن جب ان کی حکومت و اقتدار کا شیرازہ منتشر ہوا اور تسلط ختم ہوا تو ان کی کتابیں بھی صفحہ ہستی سے نابود ہو گئیں البتہ خال خال بلاد عدن وہ یمن میں جہاں ان کے قریب کے کچھ لوگ رہتے ہیں ان کے پاس ملتی ہیں۔

اہلسنت بھی ان کے مذہب کے بعض اصولی یا فروعی مسائل ان کی معتبر کتابوں سے اپنی تصانیف میں نقل کرتے ہیں بطور نمونہ ان مسائل میں سے کچھ کا تذکرہ ہم بھی یہاں بیان کرتے ہیں تا کہ ان کے طرز کلام کا کچھ پتہ لگایا جا سکے مثلاً کہتے ہیں:

يجب ان يكون الامام معصوما عن المعاصى عند الولاية لا قبلها وقال بعضهم قبلها أيضاً [1]

ولایت سے پہلے یہ ضروری ہے کہ امام گناہوں سے پاک ہو اور ولایت سے قبل یہ ضروری نہیں مگر بعض کہتے ولایت سے پہلے بھی ضروری ہے۔

اور کہتے ہیں:

ان نص الامام على شيء ثم على نقيضه فالثاني ناسخ للاول عند المهدية

1۔ كما قال التفتازانی فی ذكر استدلال الشيعة نصه: واحتج المخالف بقوله تعالي "لا ينال عهدي الظالمين" وغير المعصوم ظالم فلاينال عهد الامامة(شرح العقائد النسفية، هل للامام ان يكون معصوما ؟ ص: 362، ط: مكتبة البشري كراتشي) وقال الحلي : إن الإمام مقيم للحدود والأحكام العامة كالأمربالمعروف والنهي عن المنكر منوطة بقوله وأمره ولا يجوز مخالفته فيها وكل من كان كذلك فهو يجب أن يكون معصوما(الألفين في إمامة أمير المؤمنين، ص: 40، ط: مكتبة الألفين الكويت)

والقدماء وقالت النزاريه يعمل بالاول ويلغى الثاني [1]

اگر امام نے کوئی فرمان جاری کیا اور پھر اس کے خلاف کوئی حکم صادر کیا تو دوسرا حکم پہلے حکم کے لیے ناسخ ہو گا مہدویوں اور قدماء کے نزدیک اور نزاریہ کہتے ہیں کہ پہلے حکم پر عمل کیا جائے گا اور دوسرا حکم لغو سمجھا جائے گا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب امام کو یہ حکم صادر کرے تو مسلمان مرد و عورت پر اس کی تعمیل واجب و لازم ہو جاتی ہے چاہے وہ حکم ان کی مرضی کے خلاف ہو کیوں نہ ہو پس اگر امام کسی عورت کو کسی بے زوجہ مرد کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے نامزد کرتے تو دونوں پر عقد لازم ہو گیا اس کو توڑا نہیں جا سکتا چاہے عورت اسے ناپسند کرے یہی حکم دوسرے معاملات بیع و اجارہ کا ہے۔ [2]

فقیہ عمارہ یمنی نے جو مشہور شاعر تھا کہا ہے کہ سیدہ بنت احمد بن جعفر بن احمد صلیحیہ حسن جمال حسن ادب حسن اخلاق اور نزاکت و رافت میں شہرہ آفاق اور یکتائے روزگار تھی اہل یمن اس کو بلقیس الاسلام کہتے تھے اور اس کا شوہر شاہ یمن مکرم صلیحی تھا شہر ذی جبلہ میں دار العزہ اس کا بنوایا ہوا تھا اس کی وفات کے بعد بخت و اتفاق سے صبا ابن احمد بن مظفر صلیحی یمن کا حاکم بن گیا ملک پر اقتدار و تسلط کے ساتھ اس کی خواہش ہوئی کہ سیدہ پر بھی تسلط حاصل کر لے مگر باوجود صاحب اقتدار و عروج کے سیدہ کی طرف سے پیہم انکار ہوتا رہا اور معاملہ نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ دونوں فریق آمادہ پیکار ہو گئے اور جنگ کی دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگی سبا کے مصاحب ہونے اس کو مشورہ دیا کہ لڑائی میں خطرہ نظر آتا ہے کہیں یہ اقتدار ہی ہاتھ سے نہ جاتا رہے حصول مقصد کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مستنصر عبیدی کو جو والی مصر تھا اور اہل یمن اس کی دعوت پر قائم تھے خط لکھو، ہیں چنانچہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اپنے آدمی میں سے دو معتمد اشخاص کو مناسب پیشکش کے

1۔ مقالات الإسلاميين: ص27 و الفرق بين الفرق: ص47 و الملل والنحل: 1/ 168.

2۔ قوله معرفة الإمام: المراد بها هو الإذعان بأنه إمام والإيقان بأنه واجب الإطاعة من قبله تعالى وليس المراد بها معرفة شخصه وعينه. (شرح أصول الكافي للمازندراني، 6/ 401، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

ساتھ مصر روانہ کیا اور سارا قصہ اسے لکھ بھیجا مستنصر نے اپنا ایک معتمد خواجہ سرا اور دو آدمی بطور ایلچی بھیج دیے خواجہ سرا نے یمن پہنچ کر رؤسا اور امراء کو جمع کیا اور سب کو سیدہ کے گھر لے گیا ان کو دروازہ پر کھڑا کر کے خود سیدہ کے پاس گیا اور کہا کہ امیر المومنین مستنصر نے تم کو حمیر سبا ابن احمد بن مظفر کے عقد میں ایک لاکھ دینار نقد اور بصورت زیور و تحائف وہدایہ قیمتی پچاس ہزار دینار کے عوض دے دیا ہے اور امیر المومنین نے یہ بھی کہا ہے یہاں قرآنی آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حکم دیں تو ان کو اس بات میں کوئی اعتراض باقی رہے اور جس نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا، سیدہ نے اپنے مذہب وعقیدہ کی پاسداری میں اسے قبول تو کر لیا مگر دونوں کی نبھی نہیں اور رنجشیں پیدا ہو گئیں جس کی تفصیل تاریخوں میں موجود ومذکور ہے۔

ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کو اللہ تعالی کے ساتھ موسی علیہ السلام کی طرح ہم کلام ہونا چاہیے چنانچہ حاکم عبیدی اس بات کا مدعی تھا اور کوہ طور پر اکثر جاتا تھا نیز کہتے ہیں اور اثناء عشریہ کا یہ قول ہے کہ امام کے لیے غیب دانی لازم ہے۔ (1)

ان کے فروعی مسائل کے من جملہ ایک یہ مسئلہ ہے کہ درود شریف میں آل پر علی کو لگانا حرام ہے اور اس کے ثبوت میں یہ روایت بیان کرتے ہیں "من فصل بيني وبين آلي بعلى لم ينل شفاعتي " (2) جو

---

1 ۔ عن أبي الربيع الشامي، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: إن الامام إذا شاء أن يعلم علم. (الأصول من الكافي، باب: أن الأئمة عليهم السلام إذا شاؤوا أن يعلموا علموا، 1/ 258، ط: دار الكتب الاسلامية)

وفي شرح الكافي عن ابي عبد الله: لو كنت بين موسى والخضر لأخبرتهما أني أعلم منهما ولأنبأتهما بما ليس في أيديهما، لأن موسى والخضر (عليهما السلام) أعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة وقد ورثناه من رسول الله (صلى الله عليه وآله) وراثة.(شرح أصول الكافي للمازندراني، باب أن الأئمة (عليهم السلام) يعلمون علم ما كان وما يكون وأنه لا يخفى عليهم الشيء صلوات الله عليهم، 6/ 43، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

2 ۔ التجلي الأعظم في الصلاة على آل النبي الأكرم، ص: 361، ط: الطبعة الأولى: 1421 ه)

میرے اور میری آل کے درمیان لفظ علی سے فصل وبعد پیدا کرے وہ میری شفاعت سے محروم ہو گا حالانکہ یہ روایت سراسر افترا اور بہتان ہے وپھر ان کے نزدیک مرد کے لیے بیک وقت اٹھارہ عورتیں نکاح میں رکھنا جائز ہے اور دلیل اس آیت سے لاتے ہیں "فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ"(1) عورتوں میں سے جو پسند ہوں ان سے نکاح کرو دودو تین تین چار چار اور معنیٰ کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اعداد کے مقرر ذکر کا مطلب ہے کہ ہر عدد کو دوگنا کر کے مجموعہ کی تعداد کے مطابق نکاح کرو (2): 2+2+3+3+4+4=18

اہلسنت میں سے کسی نے بطور تعریض اس کے جواب میں کہا کہ انیس بیس عورتیں جائز ہونی چاہیے اس لیے کہ ایک عورت سے نکاح میں تو کسی شبہ کی گنجائش نہیں تو ایک کے عدد کو بھی مذکورہ اعداد میں شامل کر کے ایک کے دگنے دو کو اٹھارہ میں ملا لیا جائے تو تعداد پوری بیس ہو جائے گی۔

تفنن بر طرف، اللہ تعالیٰ کی اس آیت کے مذکورہ بالا معنیٰ لینا کلام اللہ کی کھلم کھلا تحریف کرنا ہے اور اللہ کی کتاب کو بازیچہ اطفال بنانا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ یہ معنیٰ عرف، لغت، شرع اور عقل چاروں کے خلاف ہیں۔

عرف کے خلاف تو اس طرح کے آپ اپنے کسی خادم نوکر کو کچھ روپے دے کر کہیں کہ محتاجوں کو دو، دو تین، تین چار، چار روپے تقسیم کر آؤ اور وہ سب کو اٹھارہ اٹھارہ روپے دے آئے تو آپ اس پر یقیناً غصہ ہوں گے اور کہیں گے میرا یہ حکم تو نہیں تھا تم نے ایسا کیوں کیا اور ہر عقل مند آپ کی برہمی اور غصہ کو حق بجانب سمجھے گا کیونکہ ایسی بات کا عام مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے کہ دو روپے یا تین روپے یا چار روپے فی کس دے دو۔

لغت کے خلاف اس طور پر ہے کہ مثنیٰ دراصل اثنین اثنین درمیان میں واؤ کے بغیر سے بنا ہے پس دوبارہ جو اثنین ہے وہ بعینہ اول ہے نہ یہ کہ دو کو دو میں ملاؤ اور جمع مراد لو تکرار کی غرض یہ ہے کہ اس عدد میں

1۔ سورة النساء، الآية: 3

2۔ يقول ابن حزم في المحلى لم يختلف في أنه لا يحل لأحد زواج أكثر من أربع نسوة: أحد من أهل الإسلام وخالف في ذلك قوم من الروافض لا يحل لهم عقد الإسلام وقال محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام الحنفي: وأجاز الروافض تسعا من الحرائر، ونقل عن النخعي وابن أبي ليلى أي جواز التسع وأجاز الخوارج ثماني عشرة، وحكي عن بعض الناس إباحة أي عدد شاء بلا حصر (هوية التشيع، للدكتور الشيخ أحمد الوائلي، ص: 198، ط: دار الصفوة بيروت لبنان)

شرکت بصورت جمع کا وہم پیدا نہ ہونے پائے اور مثنیٰ و ثلاث تھا کے درمیان جو و ہے وہ معطوف اور معطوف علیہ کی شرکت کی غرض سے ہے حلت نکاح میں، اور اس کے معنی ہیں کہ یہ عدد بھی حلال ہے اور یہ بھی باعتبار لغت تمام معطوفات میں یہی معنی سمجھے جاتے ہیں جمع یا ترتیب کے معنی دینے کے لیے لفظ مع ہے و یا دوسرے حروف عاطفہ اس کے لیے استعمال نہیں ہوتے اور اگر یہاں و کو مع کے معنی میں لے لیں تو گویا عربی زبان کے قاعدہ کے خلاف ہوگا تاہم بھی ان کا مقصد اس سے حاصل نہ ہوگا اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ دو مجموعوں کے ایک جا جمع ہونے سے چھوٹا عدد بڑے عدد سے ساقط ہو جاتا ہے اگر کسی کے ذہن میں شک سر ابھارے کہ ممکن ہے کہ اثنین اثنین میں گو لفظی اعتبار سے حرف عطف نہیں لیکن ممکن ہے معنی میں حرف عطف ملحوظ ہو کیونکہ حرف عطف کا قاعدہ میں حذف جائز ہے جیسا ایک اثنا عشری شاعر کا یہ شعر:

قلت له عدة اعلامهم   اربعة اربعة اربعة

میں نے اس سے کہا ان کے بڑوں کی تعداد کیا ہے تو کہا چار، چار، چار۔

تو یہاں بارہ کی تعداد مراد ہے اور یہاں حرف عطف و درمیان سے گرا دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اہل لغت اس طرح کے معنی مراد لینے کو غلط کہتے ہیں دوسرے اسماعیلیہ مذہب کے ثبوت میں کسی اثنا عشری شاعر کا کلام پیش کرنا چور کا بھائی گرہ کٹ کے محاورہ کے پیش نظر ویسے بھی خطا ہے اس کے علاوہ بھی اس کا کلام سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ مولدین میں سے ہے اور عربی میں سند ا ہے جاہلین اور مخضرمین کے کلام کے سوا کسی اور کا کلام پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ قبول کیا جا سکتا ہے اور یہ بات اپنے مقام اور موقع پر طے شدہ ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ شاعر ضرورت شعری کی بنا پر خلاف قائدہ باتیں بھی استعمال کر لیتے ہیں جو نثر میں بالکل کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

ان سب باتوں سے قطع نظر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس شاعر کے پورے کلام کی بنیاد تقیہ پر ہے جیسا کہ اسی شعر کے ساتھ دوسرے اشعار کے الفاظ "مذهبي السنة يافي ميته ابنه" اس پر دلالت کرتے ہیں اس شعر میں شاعر ان الفاظ کو اس ڈھب اور طریقے پر لایا ہے کہ لغت کے اعتبار سے اہلسنت کے مذہب کے موافق ظاہر ہوں اور خلفائے اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو اس طرح تو اس کے کلام میں بھی اس عدد کی تکرار صرف تاکید کو ظاہر

ی ہے نہ تسع ہو۔

شرع کے خلاف یہ اس وجہ سے ہے کہ اگر معنی مذکور بد نظر ہوں تو یہ لازم آتا ہے کہ ایت مذکور میں جو اعداد بیان ہوئے ہیں ان سے کم کی تعداد میں نکاح جائز نہ ہو کیونکہ مثنی اپنے معطوفات کے حال ہے اور حال با اجماع اہل عرب اپنے عامل کی قید ہوتا ہے جیسے "اضرب زیدا راکبا" حال بھی ہے اور قید بھی کہ بغیر حالت رکوب کے مارنا جائز نہیں اور جب واؤ کو جمع و ترتیب کے معنی میں لیں شرکت فی الحکم کے معنی میں نہ لیں تو لامحالہ حلت نکاح ان اعداد کی جمع و ترتیب کے ساتھ مقید ہوگی حالانکہ یہ صورت بالاجماع باطل ہے۔

پھر اگر اس یت میں یہی معنی مراد ہوں تو اس سے ایک اور بات لازم آئے گی کہ پھر ہر فرشتے کے اٹھارہ اٹھارہ بازو ہوں کیونکہ قرآن مجید میں ان کے لیے بعینہ یہی الفاظ آئے "جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ"[1] کیونکہ یہاں ملائکہ لفظ جمع لایا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جمع پر الف لام داخل ہو تو اس کے سارے ہی افراد مراد ہوتے ہیں۔

عقل کے خلاف اس طور پر کہ اگر یہی معنی مراد ہوتے تو یوں کہنا چاہیے تھا "ماطاب لکم من النساء ثمانية عشر" عورتوں میں سے اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں۔

ایک ظاہر المعنی اور نسبتاً مختصر لفظ کو چھوڑ کر غیر ظاہر اور دراز لفظ کو لانا ایسی بات ہے جو کم فہموں کو بھی خنداستہزا پر مائل کرتی ہے اور پھر ایسی رکیک حرکت کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرنا کہ اس نے اپنی اس کتاب میں جو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی ہے ایسی عبارت درج فرمائی، اور پھر اگر کسی مجلس میں کسی اٹھارہ سالہ نوجوان سے اس کی عمر دریافت کی جائے اور وہ جواب اسی طرح دو، دو تین، تین چار، چار کہہ کر دے تو بھری مجلس میں جو اس کا مذاق اڑے گا اسے کون نہیں جانتا۔

بعض اسماعیلی نو عورتوں تک نکاح جائز سمجھتے ہیں (2+3+4=9) اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس آیت

1۔ سورة فاطر ،الآية : 01

ہیں عطف کے معنی ملحوظ نہیں ہیں یہ گویا عطف اور جمع میں تمیز نہیں کرتے۔''(1)

اسماعیلی فرقہ میں باطنیہ کی کتابیں کثرت سے ہیں ان میں سے ایک کتاب الھیان ہے جو عیاشی کی لکھی ہوئی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا اور کتاب تاویل الاظہار اور کتاب تاویلات بھی ان کی کتابیں ہیں جو ناصر خسرو کی طرف منسوب ہیں۔

متولیہ: ان کے ہاں بھی بہت سی کتب معروف ہیں جن کے مصنف ابن صباح اور نصیر الدین طوسی صاحب تجرید ہیں تو اس اگرچہ خود اثنا عشری ہے مگر بعض سلاطین کی فرمائش پر نزاری مذہب کے لیے اس نے کتابیں لکھی ہیں۔

سلطان جلال الدین جس نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے توبہ کر لی تھی اس نے ان کے کتب خانوں کو نظر آتش کر دیا تھا یوں ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں اور چنگیزی فتنہ کے وقت تو ان کے فرقے ہی باقی نہ رہے کتابیں تو کیا بچتی ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا البتہ امامیہ کے جن ابن الوقتوں نے چنگیزی دربار سے تعلق استوار کر کے امداد و رحمت کی راہ نکال لی تھی وہ خوب پھلے پھولے ان کے مذہب نے بھی خاصہ عروج پایا۔

امامیہ: اب ہم فرقہ امامیہ کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف علوم و فنون مثلا علم کلام تفسیر حدیث اصول فقہ اور فروع فقہ میں تصنیف کی اور بکثرت لکھیں مذہب و کلام ہشام بن حکم کی کتابیں ہیں جو علم کلام پر پہلا مصنف شمار ہوتا ہے اس کے علاوہ ہشام بن سالم، محمد بن نعمان، صیرفی الطاق، ابن جہم ہلالی، ابو الاحفص، علی بن منصور، حسین بن سعید، فضل بن شاذان قمی، کی تصانیف بھی ہیں فضل قمی کی ایک کتاب القائم بہت مشہور ہے قابل اعتبار بھی سمجھی جاتی ہے، ابو عیسی الوزان، ابن راوندی کی کتابیں اور مسکی کی کتاب الیاقوت اور محمد بن حسن سفار کی کتابیں مثلا الدراجات وغیرہ اسی طرح علی بن مظاہر واسطی کی کتاب اور علی بن بابویہ کی کتاب التوحید اور محمد بن علی بن بابویہ کی کتاب التوحید اور اعتقادات جو اعتقادات صدوق کے نام سے مشہور ہے اور حسین بن علی بن بابویہ کی بھی کتاب توحید کے نام سے تصنیف۔

1۔ قال محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام الحنفي: وأجاز الروافض تسعا من الحرائر، ونقل عن النخعي وابن أبي ليلى أي جواز التسع وأجاز الخوارج ثماني عشرة، وحكي عن بعض الناس إباحة أي عدد شاء بلا حصر(هوية التشيع، للدكتور الشيخ أحمد الوائلي، ص: 198، ط: دار الصفوة بيروت لبنان)

مسئلہ امامت میں مرتضیٰ کی کتاب الشافی اور بن محمد بن جریر طبری کی کتاب المسترشد ہیں، طوسی کی کتاب تجرید العقائد اور اس کی شرح اور ابن مطہر حلی کی کتاب الالفین، نہج البلاغہ، منہج الکرامہ اور باب حادی عشر، مقداد کی شرح باب حادی عشر، قواعد، نظم الراہین اور اس کی شرح نہج الراہین اور اس کی شرح نہج المسترشدین اور اس کی شرح واجب الاعتقاد اور اس کی شرح کتاب میثم بن میثم البحرانی اور تقویم وغیرہ وغیرہ۔

ان کی کتب تفسیر میں ایک تفسیر وہ ہے جس کو یہ حضرت امام حسن عسکری کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی روایت ابن بابویہ نے بھی اپنی سند سے کی ہے اور دوسروں نے بھی اپنی اسناد سے قدر کی بیشی کے ساتھ روایت کی ہے۔

اہلسنت نے بھی امام مذکور اور دیگر ائمہ سے تفسیر روایات لی ہیں جس کی تفصیل در منصور میں مذکور ہے اسی طرح تفسیر شاہی میں بھی اس کا پورا ذخیرہ ہے البتہ شیعہ حضرات نے ائمہ سے جو تفسیری روایات بیان کی ہیں اہل سنت کی روایات کے ساتھ بالکل میل نہیں کھاتے مثلاً علی بن ابراہیم کی تفسیر، طبری کی تفسیر مجمع البیان اور محمد بن حسن طوسی کی تفسیر البیان، تفسیر النعمان، تفسیر العیاشی، حیدر آملی کی المحیط الاعظم فی تفسیر القرآن المکرم، مقداد کی تفسیر کنز العرفان فی احکام القرآن اور کسی اور کی تفسیر الاحکام۔

اب رہی ان کی کتب حدیث واخبار تو ان کا کہنا ہے اور ان کے سچ جھوٹ کی پوری ذمہ داری انہی پر ہے کہ چار سو مصنفین کے چار سو نسخے تھے جن کو اصول کہا جاتا تھا رفتہ رفتہ وہ سب نسخے ضائع ہو گئے پھر ایک جماعت نے ان نسخوں کا خلاصہ تیار کیا اور ان سے چند نسخے تیار کیے ان میں سے محمد بن یعقوب کلینی کی کافی، ابی جعفر محمد بن حسن طوسی کی تہذیب، الاستبصار، محمد بن علی بن بابویہ قمی (جو ان کے ہاں صدوق مشہور ہیں) کہ من لا یحضرہ الفقیہ، دیلمی کی معتبر سرائر اور ارشاد القلوب علی بن جعفر کی قرب الاسناد، کتاب المسائل، حسن قمی کی نوادر، برنطی کی جامع، برقی کی کتاب المسائل اور ابن بابویہ کی کتاب العلل، ابن شہر آشوب سروی مازندرانی کی دعا الاسلام وکشف المقنع، والمکارم الملہوف، کتاب العیاشی، فلاح السائل اور کتاب المناقب، ابن معلم کی الارشاد، معانی الاخبار، المجالس، ابی علی بن ابی جعفر طوسی کی کتاب الروضہ، کتاب المجالس، ابن فہد کی عدۃ الداعی، ابن طاؤس کی کتاب الطرف، ابن بابویہ کی کتاب المجالس، الفقیہ اور المجالس، ابن مطہر حلی کی الاستنصار، ابن عیاش کی کتاب انا انزلناہ

فی لیلۃ القدر، برقی کی کتاب الخصائل، سعد بن عبد اللہ کی کتاب البصائر، دیلمی کی اعلام الدین، راوندی کی مجمع البیان، البصائر الصفار، الجامع کتاب النوادر، منتقی الجمان، کتاب الجرائح والحوائج، ابی جعفر طوسی کی کتاب المحاسن، معانی الاخبار، ابن بابویہ کی نوادر الحکمہ، کتاب الرحمۃ، ثواب الاعمال والخصال، کتاب المعراج اور عیون اخبار الرضا، طوسی کی جامع الاخبار والخلاف اور مصباح اور ابن شریفہ واسطی کی اکمال الدین والعیون، عقاب الآمال والامانی البدایہ، علل الشرائع والاحکام، احتجاج، مشارق انوار الیقین فی کشف اسرار امیر المؤمنین، اور کتاب اللباب۔

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اصول حدیث میں اس فرقہ کے ہاں کوئی کتاب نہیں تھی نہ ان کے ہاں اس کے اصول و قواعد منضبط تھے نہ یہ روایات کو کسی کسوٹی پر پرکھتے تھے غرض اس معاملہ میں بہت غفلت سستی اور لاپرواہی ان کا شعار تھا ان کے اگلوں نے اپنے اسلاف کی کتابوں میں جو کچھ لکھا پایا بغیر جانچے پرکھے اس کو قبول کر لیا یہی انہوں نے کیا اور یہ سمجھ لیا کہ ان کے راویان اخبار و احادیث میں وہم، خطا، نسیان اور کذب کا شک محالات میں سے ہے۔

ان کے اخلاف نے اپنے ہاں کی روایات میں اختلاف بلکہ تناقض کو دیکھا اور اس کی ضرورت کو محسوس کیا تو اہل سنت کے اصول حدیث کو لے کر اور حسب منشا ان میں کچھ کمی بیشی کر کے چند ایسے قواعد بنا ڈالے جو ان کے اصول وضع سے نہ ٹکرائیں اور ان سے چند کتب مرتب کر لی ان میں سے ایک کتاب تو بدایہ فی علم الہدایہ ہے اور ایک اسی کی طرح اور دوسری تحفۃ القاصدین فی معرفت اصطلاح المحدثین۔

اسی طرح ان کے اسلاف کے پاس فن جرح و تعدیل میں بھی کوئی کتاب نہ تھی اس فن میں ان کے ہاں پہلی کتاب کشی ہے مگر بہت مختصر اس کے بعد ابو جعفر طوسی جمال الدین بن طاوس کی عضابری اور نجاشی ہیں علامہ حلی کی کتاب الخلاصہ اور ایضاح ہیں اور حسن بن داؤد کی کتاب تقی الدین اس فن میں یہ کتاب بہت مفصل ہے۔

اصول فقہ میں ان کے ہاں مشہور معتمد اور عدہ اور ان دونوں کی شرحیں ہیں پھر علامہ حلی کی مبادی اور اس کی شرح مقداد کی قواعد شیخ مقتول اور اس کی شرح زبدۃ الاصول اور اس کی شرح عراق و خراسان میں اس کی بہترین شرح مازندرانی کی مانی جاتی ہے اور ہندوستان میں مولوی احمد اللہ سندیلوی کی جو انہوں نے صفدر جنگ ابو المنصور خان کے ہاں تقریب حاصل کرنے کی غرض سے لکھی تھی۔

فقہ میں ان کی سب سے پہلی کتاب فقہ الرضا ہے پھر ابن مطہر حلی کی قرب المسائل، مبسوط، اسناد منتہی المطلب، تحریر تذکرۃ الفقہاء ابن بابویہ کی، مقنعہ محمد بن علی بن ابراہیم کی، مقنع معتبر مکارم الاخلاق اور کتاب العلل، کرجلی کی کنز الفوائد، ابن بابویہ کی کتاب الافعال، مدینۃ العلم اور مجلس، کفعمی کی فلاح السائل اور جنۃ الامان، ابن جنید کی لمعہ، اس کی شرح ایضاح، خلاف تحریر ارشاد نافع اس کی شرح نہایہ، قواعد مصباح اور مختصر ابن فہد کی، فتاوی محقق اور مہذب، ابن بابویہ کی ایضاح القواعد، منتہی شرائع اور اس کی شرح مدارک اور مسالک اور ان کے علاوہ خلاصہ، مختلف معالم اور مجالس، شیخ مقتول کے دروس ذکری اور بیان باقر مجلسی کی بحار الانوار۔

وہ کتابیں جو ابن بابویہ نے اپنے اساتذہ کے حالات میں لکھیں یا نجاشی نے اپنے رجال کی سیرت پر لکھیں ان سب کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں البتہ جن کتابوں کا ذکر اوپر آیا ہے بلاد ایران میں رائج اور مستعمل ہیں اور ان کے اکثر نسخے یہاں بھی مل جاتے ہیں (یعنی ہندوستان بر نالہ شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ)

شیعہ کے اصول اربعہ

فائدہ: واضح رہے کہ ان تمام علوم مثلاً کلام، عقائد اور تفسیر ان سب کی بنا احادیث پر ہے اور دارومدار محدثین پر اور باجماع اثناء عشریہ احادیث کا پورا ذخیرہ چار کتابوں پر تقسیم ہے جس کو یہ اپنے ہاں کی اصح الکتب کہتے ہیں اور جو اصول اربعہ کے نام سے مشہور ہیں، کافی جو کلینی کر کے مشہور ہے، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب، اور استبصار، ان چار کتابوں پر عمل کرنے کو انہوں نے صراحت کے ساتھ واجب ولازم قرار دیا ہے،[1] یہ بھی انہوں نے صاف صاف کہا ہے کہ امامی کی روایت پر بشرطیکہ وہ محدثین کی روایت سے نہ ٹکرائے عمل واجب ہے چنانچہ ابو جعفر طوسی، شریف مرتضیٰ، اور فخر الدین ملقب بمحقق حلی نے ان دونوں باتوں کو واضح اور غیر

---

1 ـ إن أصحاب الإمام أبي عبد الله الصادق عليه السلام المصنفين للكتب كانوا أربعة آلاف رجل، فاختاروا – من جملة كتبهم وجملة ما نقله أصحاب سائر أئمتنا عليهم السلام أربعمائة كتاب وسموها (الأصول الأربعمائة) وكانت هذه الأصول عند أصحابنا، يعملون عليها، مع تقرير الأئمة الذين في أزمتهم عليهم السلام على العمل بها، وكانت هذه الأصول عند الكليني والصدوق والطوسي، فجمعوا منها هذه الكتب الأربعة: الكافي، ومن لا يحضره الفقيه، والتهذيب، والاستبصار. (تدوين السنة الشريفة، للسيد محمد رضا الحسيني الجلالي، ص: 188)

مبہم الفاظ میں لکھا ہے،[1] اس لئے ان دونوں قاعدوں خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کیونکہ یہ آئندہ بحثوں میں بہت سی جگہ کام آئیں گے۔

ان چاروں کتابوں میں باہم ایک دوسرے کے مراتب ودرجات فضیلت میں علماء اثنا عشریہ کا اختلاف ہے، بعض کافی کو سب سے بلند درجہ سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے من لایحضرہ الفقیہ کو اور ان کے اخلاف نے جو اسلاف کے کام کو پرکھنے میں زیادہ دسترس رکھتے ہیں ہر دو فریق بالا میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اصول میں احسن کتب کافی کلینی، تہذیب اور استبصار ہیں، اور کتاب من لایحضر الفقیہ حسن ہے احسن نہیں ہے،[2] خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان حضرات کے مذہب کا پورا پورا مدار و قرار ان چار کتابوں پر ہی ہے اصول عقائد فقہی مسائل اور امامت کے مباحث سب کے سب انہیں کتابوں سے لیتے اور ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان کے اخبار کی اسناد پر ایک تحقیقی نظر ڈال لیں اس میں تو شک نہیں کہ ان میں ہمہ رنگ راوی ملتے ہیں مجسمہ مصرحہ مثل ہشامین اور صاحب الطاق جیسے راوی بھی ان میں ملتے ہیں جو دل میں اللہ تعالیٰ کو جاہل جانتے ہیں، جیسے زرارہ بن اعین، احولین،[3] سلیمان جعفری محمد بن اسلم اوران کے علاوہ ایسے بھی بدعقیدہ ان میں موجود ہیں جو کسی بھی امام کو نہیں مانتے یا امام وقت کو نہیں مانتے جیسے بنی فضال، ابن مہران اور

---

1 ـ فليس كل ما جاء في كتب الأخبار حجة، بل الأمر بين الأمرين؛ فكل ما توفرت فيه شروط القبول والملاكات والأصول التي يجب توفرها في قبول الخبر عند الفقهاء والمحدثين، يكون حجة وإلا فلا. وهذه القاعدة جارية أيضا في حجية جميع أخبار الكتب الأربعة التي وقع النزاع فيها بين مثبت وناف-(الأصول الستة عشر من الأصول الأولية، ص :40 ، ط: دار الحديث للطباعة والنشر)

2 ـ والكتب الأربعة: الكافي أحدها، ثم من لا يحضره الفقيه، والتهذيب، والاستبصار. وقال المولى محمد باقر المجلسي صاحب الشرح المعروف على الكافي: " كتاب الكافي... أضبط الأصول وأجمعها، وأحسن مؤلفات الفرقة الناجية وأعظمها.(الكليني والكافي، للدكتور الشيخ عبد الله الرسول عبد الحسين الغفار، ص:420 مؤسسة النشر الاسلامي)

3 ـ احول لقب کے شیعہ میں کئی راوی گزرے ہیں مثلاً:أبو سعيد الأحول، وبكر ابن عيسى أبو زيد الأحول، وجعفر بن محمد بن يونس الأحول الصيرفي مولى بجيلة، وجعفر ابن يحيى بن سعيد الأحول، وحبيب الأحول الخثعمي، والحسين بن عبد الملك الأحول. بل إن الخبيث عدو الله شيطان الطاق كان يلقب بالأحول أيضا.

ابن بکیر اور ان جیسے دوسرے روایات گھڑنے والے جن کے متعلق خود شیعوں کو اقرار ہے کہ ان کا یہی پیشہ ہے، مثلاً جعفر فرادی، ابن عیاش اور بعض ایسے ہیں جو ان کے خود کے نزدیک جھوٹے غلط گو ہیں مثل محمد بن عیسیٰ کے بعض ایسے جو کمزور اور نامعلوم الحال ہیں جیسے ابن عمار، ابن مسکان، ابن سکر اور زید یمامی اور کچھ ایسے جو نا تحقیق الحال ہیں جسے تفلسی، قاسم خزار، ابن فرقد اور ان کے مثل، پھر ان کی سندوں کی آخری کڑی ایسے لوگ ہیں جو گناہ کے مرتکب ہی نہیں امام وقت کے غیظ وغضب کا شکار بھی ہیں، جیسے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکری یا سبط مجتبیٰ امام حسن رضی اللہ عنہ کے فوجی، یا سبط شہید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دغا دینے اور ان کے ساتھ بے وفائی کرنے والے چنانچہ کتاب کلینی ابن عیاش کی روایات سے بھری پڑی ہے اور یہ ابن عیاش وہی ہے جس کے متعلق سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے، کہ وہ جھوٹا اور رواتیوں کو گھڑنے والا ہے۔[1]

اسی طرح ابو جعفر طوسی ایسے راویوں سے روایت لاتا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ براہ راست امام عالی مقام سے روایت کرتے اور انہیں امام کی صحبت بھی نصیب ہے، مگر امام کے دوسرے دوستوں نے نہایت شد و مد سے ان کی تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ ان کو کبھی بھی امام کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، اور نہ ہی ملاقات جیسے ابن مسکان جو براہ راست امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے کا مدعی ہے مگر امام کے دوسرے دوست اس کو جھٹلاتے ہیں۔

اسی طرح ابو جعفر طوسی ابن معلم سے بھی روایت کرتا ہے اور وہ ابن بابویہ صاحب رقعہ مزورہ سے، اور حیرت تو شریف مرتضی پر ہے کہ پڑھا لکھا اور عقلمند ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ ہمارے فرقہ کی تمام احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں،[2] حالانکہ خود ان کے علماء نے تمام کتابوں میں کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ سوائے حدیث:

1۔ هو أحمد بن عبيد الله بن الحسن بن عياش بن إبراهيم الجوهري، قال النجاشي: «كان قد سمع الحديث فأكثر واضطرب في آخر عمره ... ورأيت شيوخنا يضعفونه، فلم أروِ عنه شيئا وتجنبته»، مات سنة 410هـ رجال النجاشي: 1/ 225؛ تنقيح المقال: 1/ 88.

2۔ إن أخبار فرقتنا وصلت إلى حد التواتر-(كذا صرح المقتول الثاني في معالم الدين: ص 212)

"من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"[1]

جس نے قصداً مجھ سے جھوٹ منسوب کیا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

کوئی حدیث متواتر نہیں۔

شیخ مقتول نے بھی اس کی تصریح کی ہے بلکہ اگر کوئی ان کی کتابوں کی چھان بین کرے تو اس پر یہ راز بھی کھلے گا کہ ان کی احادیث میں سے کوئی بھی حدیث حد تواتر کو نہیں پہنچی، بلکہ احاد کے درجہ ہی سے آگے نہیں بڑھی اگر کوئی حدیث کسی جماعت سے لائی بھی گئی ہے تو اس حدیث کے راوی نہ الفاظ حدیث میں متفق ہوتے ہیں نہ قریب قریب ہی پہنچتے ہیں، بلکہ پورا اختلاف موجود ہوتا ہے، اور وہ اختلاف واضطراب بھی اس درجہ کا ہوتا ہے کہ ان میں باہم تطبیق وموافقت دینا دشوار ہو جاتا ہے اور جب راویوں کی کثرت اس رنگ ڈھنگ کی ہو کہ ایک ہی واقعہ میں ہر راوی دوسرے سے مختلف البیان ہو تو یہ بات حدیث کو درجہ صحت ہی سے گرا دیتی ہے، درجہ شہرت اور حد تواتر تک پہنچنے کا کیا سوال؟ پھر اس اختلاف واضطراب کے ساتھ ساتھ ان کی سندوں کا سلسلہ ایسے لوگوں پر جاکر ختم ہوتا ہے جن پر یہ خود جھوٹ کی تہمت لگاتے ہیں۔

ایک دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کے ثقہ حضرات کی ایک جماعت ایک حدیث روایت کرتی اور اسے صحیح قرار دیتی ہے پھر اسی جماعت کے ہم مرتبہ ایک اور جماعت اسی حدیث کو موضوع اور گھڑی ہوئی بتاتی ہے اور ایسی سب روایات ان کی کتب صحاح میں موجود ہیں مثلاً ابن بابویہ نے ان احادیث کو موضوع بتایا ہے جو تحریف قرآن اور اسقاط آیات کے سلسلہ میں وارد ہیں یہی روایات کافی کلینی میں اس کے گمان کے مطابق صحیح سندوں سے لائی گئی ہیں،[2] اسی طرح ابن مطہر حلی نے خبر لیلۃ التعریس اور خبر ذی الیدین کے

1۔ (الأحاديث المتواترة) والحاصل، صرح جدي الشهيد الثاني: بأنه لم يتحقق إلى الآن خبر خاص بلغ حد التواتر إلا حديث: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (نهاية الدراية، للسيد حسن الصدر، ص :99، نشر المشعر تنضيد الحروف كامبيوتايب)

2۔ ان الاصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن كلاما و مادة و اعرابا و التصديق بها. (فصل الخطاب، ص 31، الانوار النعمانية، ج2، ص 357)

موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے جو کافی کلینی میں موجود ہیں،[1] اور شریف مرتضیٰ نے بڑے زوردار الفاظ میں خبر میثاق کو جو اس کے استاذ الاستاذ ابن بابویہ اور محمد بن حسن صفار[2] کی روایت ہے موضوع قرار دیا ہے حالانکہ ان کے خیال میں ان میں سے ہر ایک کی سند صحیح ہے؟

اب جب سلسلہ کلام مرویات واحادیث کے حال تک آپہنچا ہے کہ جن پر در حقیقت ان کے مذہب کا دارومدار ہے اور وہ اپنے اوپر وارد شدہ تمام الزامات کو ان اخبار کے ذریعے ٹالتے ہیں، اور اس بنا پر ان کے محدثین دوسرے علماء پر فخر کرتے اور اس پر خوشی محسوس کرتے ہیں تو اب یہ بات مناسب اور ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اخبار واحادیث کا اصل حال جاننے کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا جائے کیونکہ ان جیسے معاملات میں استقلالی اور تفصیلی بیان کے بجائے ضمنی اور اجمالی بیان ناظر وسامع اور قاری کو مطمئن نہیں کیا کرتا اللہ ہی سے مدد وتوفیق کی دعا ہے۔

1۔ الفروع الكافي، 3/ 357، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية و تهذيب الأحكام في شرح المقنعة للطوسي،2/ 345، ناشر: تهران بازار سلطاني دار الكتب الاسلامية۔

2۔ محمد بن الحسن بن أحمد الصفار :روى رواية في التهذيب والصحيح كما في الطبعة القديمة محمد بن الحسن الصفار "الثقة، وكذا في الوافي والوسائل.(المفيد من معجم الرجال الحديث، محمد الجواهري، ص: 513، ط: مكتبة المحلاتي قم)

باب چہارم

شیعوں کی اقسام احادیث اور حالات راویان اسناد

ان کے نزدیک حدیث کی اصل چار قسمیں ہیں: 1۔ صحیح 2۔ حسن 3۔ موثق 4۔ ضعیف

حدیث صحیح

صحیح وہ حدیث ہے " جس کی سند متصل ہو اور وہ عادل امامی راویوں کے واسطے سے امام معصوم تک پہنچے "[1] ان کی اس تعریف سے مرسل اور منقطع صحیح سے خارج ہو گئیں حالانکہ انہوں نے اپنے کلام میں ان ہر دو کو صحیح کہا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں "روی ابن عمیر فی الصحیح کذا وفی صحیح ابن عمیر کذا"[2] پھر صحیح کے بولنے میں عدالت کا لحاظ نہیں کرتے اگرچہ اس تعریف میں عدالت کو دخل ہے کہ روایت مجہول الحال کو صحیح کہہ دیتے ہیں، مثلاً حسین بن حسین بن ابان کی روایت کو جو مجہول الحال ہے صحیح کہا ہے، چنانچہ حلی نے منتہی میں اور تقی الدین بن داؤد نے اس کی تصریح کی ہے اور خلاصہ میں کہا ہے "طریق الفقیة إلی معاویة بن میسرة والی عابد الاحمسي والی خالد بن نجیح والی عبد الا علی صحیحة"[3] (کہ فقیہ کا سلسلہ سند معاویہ ابن میسرہ اور عابد احمسی اور خالد بن نجیح اور عبد الاعلی تک صحیح ہے) حالانکہ مذکورہ ہر سہ راویوں کا ذکر کسی نے توثیق یا جرح میں نہیں کیا اور چوتھے کی تصدیق انہوں نے خود نہیں کی ہے بلکہ صحیح کے بولنے میں انہوں نے امامی ہونے کا اعتبار بھی درمیان سے اٹھا دیا ہے گویا انہوں نے صحیح کی تعریف کی تمام قیود

1۔ اتصل سنده إلى المعصوم بنقل العدل الضابط عن مثله في جميع الطبقات-وهذا يعني أن الحديث الصحيح هو المسند الذي تتامت فيه سلسلة السند من آخر راو له حتى المعصوم الذي صدر منه الحديث، مع اشتراط أن يكون كل واحد من الرواة في جميع أجيال الرواية إماميا عادلا ضابطا في حفظه للحديث ونقله له-(أصول الحديث تأليف ،للدكتور عبد الهادي الفضلي، ص: 107، ط: مؤسسة أم القرى للتحقيق والنشر)

2۔ معجم رجال الحديث :آیت اللہ سید ابو القاسم خوئی، جلد 15، صفحہ 292

3۔ خلاصة الأقوال المعروف به "رجال العلامة الحلي" ص:430، ط: مؤسسة نشر الإسلام (قم، ایران)

سے غفلت برت کر ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسن بن سماعہ کی روایت کو صحیح کہا ہے اور وہ متعصب واقفی ہے اور امام وقت کی امامت سے منکر اسی طرح ابان بن عثمان کی روایت کو صحیح بتاتے ہیں، جو فطحی تھا اور امام وقت کی امامت سے منکر ہو کر دوسرے امام کو مانتا تھا ایسا ہی علی بن فضال اور عبد اللہ بن بکر کی روایات کو صحیح کہتے ہیں حالانکہ دونوں بدمذہب تھے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سب کچھ ان کے علماء احوال رجال میں لاتے بھی ہیں، اور پھر بھی ان کی روایات لیتے اور بالاتفاق ان کی توثیق و تصحیح بھی کرتے ہیں۔

مثلاً ابن مطہر حلی خلاصۃ الاقوال میں کہتا ہے "علی بن فضال کان فقیها بالکوفة ووجههم وثیقهم وعارفهم بالحدیث"[1] کہ علی بن فضال کوفہ کا فقیہ تھا اور ان سب میں سربلند قابل اعتماد اور حدیث میں کافی درک رکھنے والا تھا، نجاشی کہتا ہے "لم اعتزله علی ذلة"[2] میں اس سے لغزش پر علیحدہ نہیں ہوا۔

پس ان کے اپنے مقرر کردہ قواعد کے بموجب ان جیسوں کی روایتوں کو موثق ہونا چاہیے نہ کہ صحیح کیونکہ صحیح میں راوی کا امامی ہونا شرط ہے محض عدالت سے کام نہیں چلتا، اور یہ تو اس راوی کی حدیث کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں جس کو امام معصوم نے بد دعا دی ہو اور لعنت بھیجی ہو یا اس کے حق میں اخزاہ اللہ، قاتلہ اللہ[3] یا ان جیسے کلمات فرمائے ہوں اس کے عقیدہ کی برائی بیان کی ہو اور خود کو اس سے بری اور بیزار ظاہر کیا ہو۔

1۔ خلاصة الأقوال في معرفة الرجال (المعروف به رجال العلامة الحلي) ص: 175، 176، ط: مؤسسة نشر الإسلام، قم

2۔ رجال النجاشي (المعروف به فهرست أسماء مصنفي الشيعة) ص: 257، ط: مؤسسة النشر الاسلامي، قم (ایران)

3۔ لعن الله المغيرة بن سعيد، كان يدس في كتب اصحاب ابي احاديث لم يحدث بها ابي، فاتقوا الله ولا تقبلوا علينا ما خالف قول ربنا وسنة نبينا ... اخزاه الله (اختيار معرفة الرجال (المعروف به رجال الكشي) 1/ 302، ط: مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث قم، ایران)

هذا فارس - قاتله الله - يفتن الناس ويدعوهم الى البدعة، فلعنه الله ولعن من قبله، ومن كان يبلغه كلامه فيقبله منه (اختيار معرفة الرجال (رجال الكشي) 2/ 805، ط: مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث قم، ایران)

یہ اس کی روایت کو بھی صحیح بتاتے ہیں جس نے امام وقت پر افترا باندھا اور امام نے اس کو اس روایت میں جھٹلایا ہو جو اس نے ان سے کی ہو بلکہ خود اس نے بھی اپنے جھوٹ کا اعتراف و اقرار کر لیا ہو۔

یہ مجسمہ، مشبہ اور مصرحہ راویوں کی روایات کو بھی صحیح کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جسم رکھتا ہے، مکان و جہت رکھتا اور صورت و شکل والا ہے، ہاتھ رکھتا ہے اور یہ کہ ازل میں اس کے اندر یہ صفتیں نہ تھیں حالانکہ یہ سب باتیں بالاجماع کفر ہیں اور کافر کی تو روایت ہی ہرگز قابل لحاظ نہیں چہ جائیکہ اس کو صحیح مانا جائے، پھر ابن بابویہ کے نقل کردہ رقعوں کی روایات کو اور ان خطوط کی جن کو یہ ائمہ کے بتاتے ہیں عمل میں اپنی صحیح الاسناد روایات پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ابن بابویہ نے اس کی تصریح کی ہے آئندہ بیان میں ان شاء اللہ یہ سب کچھ سامنے آئے گا۔

یہ اس شخص کی روایت کو بھی صحیح کہتے ہیں جس نے امام کے راز کو فاش کیا اور یوں خیانت کا مرتکب ہوا مثلاً ابی بصیر اس کا حال بھی ان شاء اللہ ابھی آئے گا اور صحیح حدیث کا اطلاق ایسے شخص کی حدیث پر بھی کر دیتے ہیں جو کاذب الاسناد ہو کہ ایک شخص سے حدیث سنتا ہے مگر اس کو منسوب اس کے باپ یا دادا سے کر دیتا ہے، اور جس کے مجہول الحال ہونے پر سب کا اتفاق ہے اس کی حدیث کو بھی صحیح کہتے ہیں مثلاً حسن بن ابان کہ ابن مطہر نے منتہی اور مختلف میں اور شیخ مقتول نے دروس میں اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے، اسی طرح اس شخص کی حدیث کو بھی قابل اعتماد کہتے ہیں جس کی یہ خود تضعیف کرتے ہیں، جیسے محمد بن سنان جس کو یہ بہت ہی ضعیف شمار کرتے ہیں، اور اس کی روایت کو صحیح کہتے ہیں[1] جس کو امام اور شیعوں کے درمیان ایلچی ہونے کا دعویٰ ہوتا ہے، بغیر کسی گواہ یا دلیل کے بلکہ جس عادل امامی نے صاحب الامر کو دیکھا ہو اگرچہ ایلچی ہونے کا مدعی نہ ہو اس کی حدیث کو بھی صحیح بتاتے ہیں جیسے ابن مہریار اور داود جعفری تو یہ ہے چہرہ ان کی صحیح حدیث کا جو قوی ترین بلند ترین اقسام حدیث میں سے ہے۔

1۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: معجم رجال الحدیث، مصنف: سید ابوالقاسم خوئی، جلد 19 وغیرہ اسی طرح نجاشی نے بعض مقامات پر ایسے راویوں کو "ثقہ" کہا ہے جنہیں دوسروں نے ضعیف کہا، جس کی وجہ سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ "ایک طرف اسے ضعیف شمار کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کی روایت کو صحیح کہتے ہیں"۔

حدیث حسن

اب حدیث حسن کو لیجئے حسن کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ "حدیث حسن وہ ہے جس کا سلسلہ سند متصل ہو، اور ایسے تعریف شدہ امامی کے واسطے سے وہ امام معصوم تک پہنچے جس کی عدالت پر تصریح نہ ہو"[1] اس تعریف سے بھی یہ لازم آتا ہے کہ مرسل و منقطع حسن نہ ہوں حالانکہ مرسل و منقطع کو حسن کہنا ان کے ہاں مشہور و معروف بات ہے۔

چنانچہ ان کے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ زرارہ کی روایت مفسد حج کے بارے میں جبکہ اس کی قضاء کی جائے حسن ہے،[2] حالانکہ وہ روایت منقطع ہے اور یہ واقعہ ان کی احادیث میں بے شمار جگہ ہے، پھر یہ حسن کا اطلاق ان لوگوں کی روایتوں پر بھی کرتے ہیں جو تعریف سے یاد نہیں کئے گئے مثلاً ابن مطہر کہتا ہے "طریق الفَقِيهِ إلى مُنْذِرِ بنِ جَبَرٍ حَسنٌ"[3] کہ فقیہ کا سلسلہ سند منذر بن جبر تک حسن ہے، حالانکہ منذر بن جبر کو اس فرقے میں سے کسی نے بھی تعریف سے یاد نہیں کیا۔[4]

یہی حال فقیہ کے سلسلہ سند کا ادریس تک ہے، یہ واقفیوں کی روایت کو بھی حسن کہتے ہیں حالانکہ اس کا امامی نہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے جیسے فقیہ کا سلسلہ سند سماعہ بن مہران تک جو واقفی تھا۔

1۔ عرفه الشهيد الثاني في (الدراية 21) بقوله: (الحسن: هو ما اتصل سنده إلى المعصوم بإمامي ممدوح من غير نص على عدالته، مع تحقق ذلك في جميع مراتبه أو في بعضها مع كون الباقي من رجال الصحيح). (أصول الحديث تأليف ،للدكتور عبد الهادي الفضلي، ص: 107 ، ط: مؤسسة أم القرى للتحقيق والنشر)

2۔ وأما رواية زرارة في مفسد الحج وأن قضائه حسن، فمعناه أن الإتيان به في السنة القادمة... (معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة،8/ 251 ، ط: نجف اشرف/ قم)

3۔ خلاصة الأقوال في معرفة الرجال،ص:445، ط: مؤسسة نشر الإسلام، قم

4۔ منذر بن جيفر، وقيل: ابن جفر، أبو المنهال، وقيل: ابن جبر... قال ابن الغضائري: منذر بن جيفر لحق ابا عبد الله عليه السلام، ليس بذالك، لم يذكره احد من اصحابنا بجميل (خلاصة الأقوال في معرفة الرجال،ص:260، ط: مؤسسة نشر الإسلام، قم)

حدیث موثق

موثق جس کو قوی بھی کہتے ہیں کی تعریف یوں کرتے ہیں "مَا دَخَلَ فی طَرِیقَةِ مِنْ نَص الْأصحاب علی توثیقه مَع فَساد عَقِیدَته مَعَ سَلَامَة بَاقی الطَّرِیقِ عَنِ الضعف"[1]موثق وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں وہ راوی ہے جس کی توثیق علماء نے بالصراحت الالفاظ کی ہو اور اس کے عقیدہ میں خرابی ہو مگر باقی سلسلہ سند ضعف سے پاک ہو، اس میں بھی ان کو خبط ہو گیا ہے، کہ انہوں نے سکونی کی روایت کو جو اس نے ابی عبد اللہ سے کی ہے اور انہوں نے امیر المومنین سے مؤثق کہا ہے حالانکہ ان کے فرقہ کے نزدیک وہ بالاجماع ضعیف ہے، اسی طرح نوح بن دراج، ناجیہ بن عمارہ صیداوی اور احمد بن عبد اللہ جعفر عمیری کی روایت پر قوی کا اطلاق کیا ہے حالانکہ یہ سب امامیہ ہیں نہ ممدوح نہ مذموم۔

حدیث ضعیف

حدیث ضعیف کی تعریف ان کے ہاں یوں ہے "ما اشتمله طریقه علی مجروح بالفسق ونحوه او مجهول الحال"[2]کہ ہے جس سند میں ایسا راوی ہو جو فسق یا اس جیسے کسی عیب سے متہم ہو یا مجہول الحال ہو۔

حدیث صحیح پر عمل

ان کے ہاں حدیث صحیح پر عمل بلا خوف واجب ہے[3] حالانکہ یہ خود اپنے خیال میں ایک روایت کو صحیح کہتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہے اگرچہ دوسری صحیح روایات سے اس کی تائید

---

1 ـ عرفه الشيخ العاملي في (المعالم 367) فقال: (الموثق: وهو ما دخل في طريقه من ليس بامامي، ولكنه منصوص على توثقه بين الأصحاب) ويسمى القوي أيضا. (أصول الحديث تأليف ،للدكتور عبد الهادي الفضلي، ص: 108، ط: مؤسسة أم القرى للتحقيق والنشر)

2 ـ وعرفوه بأنه الذي لا تجتمع فيه شروط أحد الأقسام الثلاثة المتقدمة وذلك بأن يشتمل سنده على راو مضعف أو مجهول الحال. (أصول الحديث تأليف ،للدكتور عبد الهادي الفضلي، ص: 108، ط: مؤسسة أم القرى للتحقيق والنشر)

3 ـ وقد أوجبوا العمل بالحديث الصحيح والحسن والموثق لقوة السند(الشيعة في الميزان، ص: 319، ط : دارشروق القاهرة)

ہوتی ہو مثلاً سعد بن ابی خلف کی روایت ابا الحسن الکاظم علیہ السلام سے ان الفاظ کے ساتھ "قال سالته عن بنات الابنه وجدة فقال للجدة السدس والباقي لبنات الابنه"[1] راوی کہتا ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے آپ سے نواسیوں اور دادی کے حصے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دادی کے لیے چھٹا حصہ ہے اور باقی نواسیوں کے لیے ہے، یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

پھر امامیہ کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تائید میں مختلف ترک سے روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کا راوی علی بن حسین رقاط ہے اس کا سلسلہ ابی عبد اللہ تک پہنچایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "الجدة لها السدس مع ابنها ومع ابنتها"[2] فرمایا کہ دادی کا چھٹا حصہ ہے بیٹی اور نواسی کے ساتھ۔

اور ایک وہ روایت ہے جو زرارہ نے ابی عبد اللہ سے بایں الفاظ بیان کی ہے "قال أن رسول الله صلى الله عليه وآله أطعم الجدة السدس ولم يفرض لها شيئا. وهذا خبر موثق"[3] فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا اور اللہ تعالی نے اس کے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا اور یہ خبر موثق ہے۔

ایک روایت وہ ہے جو اسحاق بن عمار نے ماں باپ اور نانی کے بارے میں ابی عبد اللہ سے بایں الفاظ روایت کی ہے" قال: للأم السدس وللجدة السدس وما بقي وهو الثلثان للأب"[4] فرمایا ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے اور دادی کے لیے چھٹا حصہ ہے اور باقی جو دو ثمث ہو گا وہ باپ کے لیے ہے۔

1۔علي بن الحسن عن عمرو بن عثمان عن الحسن ابن محبوب عن سعد بن أبي خلف قال: سألت أبا الحسن موسى عليه السلام عن بنات بنت وجد قال: للجد السدس والباقي لبنات البنت.(تهذيب الأحكام، 9/ 314، رقم : 1128، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔جواهر الكلام في شرح شرائع الاسلام ،لمحمد حسن النجفي، 39/ 144، ط: دار الكتب الاسلامية تهران

3۔الفروع من الكافي، 7/ 114، دار الكتب الاسلامية

4۔ جواهر الكلام في شرح شرائع الاسلام ،لمحمد حسن النجفي، 39/ 144، ط: دار الكتب الاسلامية تهران

حدیث حسن پر عمل

حدیث حسن پر عمل کرنے کے بارے میں بھی یہ باہم مختلف رائے ہیں، بعض اس پر صحیح کی طرح مطلقا عمل واجب قرار دیتے ہیں چنانچہ شیخ الطائفہ کا یہی مذہب ہے، بعض نے اس کو بالکل منع کیا ہے اور پیشتر لوگوں نے یہی مذہب اختیار کیا ہے، بعض تفصیل کے قائل ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ حدیث کا مضمون اصحاب میں مشہور ہو تو اس پر عمل واجب ہے ورنہ نہیں، اور یہ حدیث موثق اور ضعیف کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں فخر الدین بن جمال الدن نے یہی مسلک لکھا ہے اور معتبر میں اس کی تشریح کی ہے پھر اس کا شاگرد شیخ مقتول محمد بن کلی اسی کے نقش قدم پر چلا ہے اور ذکریٰ میں اس کی تصریح کی ہے۔[1]

حدیث موثق پر عمل

ان کے اکثر علماء نے موثق پر عمل جائز نہیں رکھا باوجودیکہ ابن بکر اور ابن فضال کی روایات کو صحیح مانتے ہیں اور واجب العمل بھی جیسا کہ پہلے گزرا،[2] اور فخر الدین اور اس کا شاگرد اس پر بھی عمل کو واجب العمل کہتے ہیں مگر ان شرطوں کے ساتھ کہ شہرت سے اس کو تقویت مل چکی ہو یا ایک ہی جیسے یا قریب قریب الفاظ سے وہ روایت رواج میں آگئی ہو اور اکثر و بیشتر کتب میں اس میں جگہ بھی پالی ہو اور علماء نے اسی روایت کے مضمون پر فتوے بھی صادر کیے ہوں۔

پس اس لحاظ سے تو اہلسنت کی اکثر احادیث جو ان کی کتابوں میں ثبت ہیں اور ان کے اندر شہرت یافتہ اور ان کے علماء کے نزدیک مفتی بہ ہوں واجب العمل قرار پائے گی۔

حدیث ضعیف پر عمل

ان کے اخلاق نے ضعیف روایت پر بھی عمل جائز قرار دیا ہے اگر وہ مشہور ہو جائے بلکہ شیخ الطائفہ نے تو فاسقوں کی روایات کو بھی قابل عمل بتایا ہے اور اس میں شہرت کی بھی قید نہیں لگائی اسی طرح کلینی اس

---

1 ۔ انظر التفصيل: الرعاية في: علم الدراية، للعاملي ، ص : ٩٥، ط: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم المقدسة

2 ۔ انظر التفصيل: الرعاية في: علم الدراية، للعاملي ، ص : ٩٥، ط: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم المقدسة

شخص کی روایت کو بھی قابل عمل بتاتا ہے جو صرف ائمہ کے اصحاب میں سے ہو گو وہ ان کی امامت کا منکر ہی کیوں نہ ہو حالانکہ ایسا شخص ان کے نزدیک کافر ہے خصوصا جبکہ امام نے اس کو دعوت دی اور اس نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا ہو۔[1]

پھر یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اکثر علمائے شیعہ زمانہ ماسبق میں اپنے اصحاب کی روایات پر ان کو جانچے پرکھے بغیر عمل کرتے رہے ہیں روات کے اچھے برے کی ان میں تمیز ہی نہ تھی اس لیے رجال کے حالات یا ان کی اچھائی برائی میں ان کے پاس کوئی کتاب ہی نہ تھی اور عرصہ دراز تک یہی حال رہا پھر کہیں جا کر 400ھ کے لگ بھگ کسی نے اسماء رجال اور ان کے حالات میں کتاب کا مختصر سا رسالہ لکھا اس صورتحال سے ناظر کی خیریت اور تشویش اور بھی بڑھی کیونکہ وہ جرح وتعدیل میں متعارض احادیث تو بیان کرتا تھا لیکن ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر وعاجز رہتا تھا، تو گویا تب بھی رجال کے حالات پر اشتباہ کا پردہ پڑا ہی رہا، پھر عضابری نے پرکچھ گفتگو کی اس کے بعد نجاشی اور ابو جعفر طوسی نے جرح وتعدیل میں کتابیں لکھیں اور جمال الدین بن طاوس ابن مطہر تقی الدین بن داؤد نے بھی اس سلسلہ میں دفتر کے دفتر سیاہ کیے لیکن سب ہی نے تعریف ومذمت کے ٹکراؤ اور تضاد کو دور کرنے میں غفلت اور سستی سے کام لیا اور کسی قوی دلیل سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر رہے۔

اس لیے صاحب درایہ نے انصاف سے کام لیتے ہوئے جرہ وتعدیل کے معاملے میں ان لوگوں کی تقلید سے قطعی روکا ہے اور کہا ہے کہ اکثر جگہ وہ ایسے افراد کی تعدیل کر جاتے ہیں جو تعدیل کے بالکل بھی قابل نہیں

1۔وأما الضعيف: فذهب الأكثر: إلى منع العمل به مطلقا "، للامر بالتثبيت عند إخبار الفاسق الموجب لرده.وأجازه آخرون وهم جماعة كثيرة: منهم من ذكرناه : مع اعتضاده بالشهرة، رواية "،بأن يكثر تدوينها وروايتها: بلفظ واحد، أو ألفاظ متغايرة متقاربة المعنى، أو فتوى بمضمونها في كتب الفقه، لقوة الظن بصدق الراوي في جانبها،، أي: جانب الشهرة وإن ضعف الطريق،، فإن الطريق الضعيف، قد يثبت به الخبر، مع اشتهار مضمونه.كما تعلم مذاهب الفرق الاسلامية كقول: أبي حنيفة (2)، والشافعي (3)، ومالك (4)، و أحمد،، بإخبار أهلها مع الحكم بضعفهم عندنا وإن لم يبلغوا حد التواتر.(الرعاية في: علم الدراية، للعاملي ، ص : 92، ط: مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم المقدسة)

ہوتا اور اس بات کا پتہ ان کی کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے خصوصا خلاصہ اول سے جو سارے ہی دفاتر کا خلاصہ ہے چلتا ہے ان حالات میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ خود ان پر ہی ان کے رجال کے حالات نہ کھل سکے اور اتنے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کے باوجود ان سے اشتباہ کا پردہ نہ اٹھ سکا اور پھر یہ ستم کیا کہ ان علماء رجال نے راویوں کے ناموں کو بدل ڈالا جس کی وجہ سے حدیث میں بھی اشتباہ پیدا ہو گیا مثلاً ابو نصیر کو ابو بصیر اور مراجم کو مزاحم لکھ مارا پس اس وجہ سے ان کے نزدیک مقبول و روایت اور غیر مقبول و روایت اپس میں گڈ مڈ ہو گئیں اور تمیز صحیح و غلط کی صورت نہ رہی۔

ناموں کے تبدیلی میں ابن مطہر سب کا گرو گھنٹال ہے اس نے بہت سے ناموں کو بدل ڈالا ہمارے اس قول کی صداقت کی گواہی اگر کسی کو مطلوب ہو تو وہ ابن مطاہر کا خلاصہ ایک طرف اور ایضاح الاشتباہ کو دوسری طرف رکھے پھر دونوں کا تقابلی مطالعہ کرتا جائے اور قدرت الہی کا تماشہ دیکھتا جائے، اس بے ربطی اور گزبڑ پر مطلع ہو کر تقی الدین بن داؤد نے ہر غلطی پکڑی اور اپنے خیال کے مطابق اس کی تصحیح بھی کی مگر پھر بھی قابل گرفت مقامات کی کافی تعداد جوں کی توں رہی (تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم کا معاملہ ہے) بات دراصل یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے محدثین نے حد درجہ غفلت اور سستی بھرتی اور جیسی توجہ اس فن کی طرف دینی چاہیے تھی نہ دی۔

(ہمارا خیال ہے کہ یہ غفلت دانستہ ہے کیونکہ اگر اسماء الرجال کا ذخیرہ صحیح طور پر مرتب ہو جاتا تو کتنی صحیح روایات ان کے ہاتھ آتی اور پھر اس جعل سازی کے کارخانہ کا کیا بنتا اس کو چلانے کے لیے خام مال کہاں سے میسر آتا؟ از مترجم نعمانی)

متفرق اور متفق کی تمیز کا رواج ان کے ہاں تھا ہی نہیں اکثر مرتبہ راوی کا اپنے نام اور باپ کے نام کے ساتھ کسی اور راوی سے اشتراک ہو جاتا ہے تو اس کے محدثین انہی مشترک ناموں کو کسی علامت سے ان میں تمیز کے بغیر روایت میں ذکر کر جاتے ہیں اور اسی طرح ثقہ اور غیر ثقہ آپس میں گڈ مڈ ہو جاتے اور مقبول و روایت و غیرہ مقبول روایت ایک دوسرے کے لباس میں نمودار ہوتی ہیں مثلاً ان کے تمام محدثین محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ نام چار آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے دو محمد بن قیس الاسدی جس کی

کنیت ابی نصر ہے[1] اور محمد بن قیس البجلی جس کی کنیت ابی عبد اللہ ہے ثقہ ہیں[2] تیسرا محمد بن قیس الاسدی مولی بن نصر ممدوح غیر موثق ہے[3] چوتھا محمد بن قیس جس کی کنیت ابو احمد ہے بہت ہی ضعیف ہے،[4] ابن بابویہ اس آخری راوی سے بہت روایات بیان کرتا ہے اور ان کو بغیر تمیز کے یوں ہی مطلق چھوڑ جاتا ہے اس لیے لوگوں کو لامحالہ دھوکہ لگتا ہے اس قسم کی غفلت اور سستی میں شیخ الطائفہ سب کا سرگروہ ہے اور دوسرے بھی اس کی تقلید میں اس لکیر کو پیٹتے جا رہے ہیں یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ان کی روایت خود ان کے ہاں قابل اعتماد نہیں رہیں، کبھی ایک روایت موثق آتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ موثق ہے جس طرح سکونی نے ابی عبد اللہ سے روایت کی اور کہا ہے:

قال أمير المؤمنين (صلوات الله عليه) :بعثني رسول الله (صلى الله عليه وآله) إلى اليمن وقال لي :يا علي لا تقاتلن أحدا حتى تدعوه وأيم الله لان يهدي الله على يديك رجلا خير لك مما طلعت عليه الشمس وغربت ولك ولاؤه يا علي[5]

---

1 ـ محمد بن قيس أبو عبد الله :الأسدي من أصحاب الصادق (ع) يأتي عن النجاشي في ترجمة محمد بن قيس أبي نصر الأسدي انه كان خصيصا ممدوحا. (المفيد من معجم الرجال الحديث، ص : 571، ط: مكتبة المحلاتي قم)

2 ـ محمد بن قيس أبو عبد الله البجلي :ثقة عين من أصحاب الصادق (ع) روى عن أبي جعفر، وأبي عبد الله (ع)، قاله النجاشي له كتاب القضايا وأصل طريق الصدوق اليه صحيح وكذا طريق الشيخ إلى كتابه القضايا-(المفيد من معجم الرجال الحديث، ص : 571، ط: مكتبة المحلاتي قم)

3 ـ محمد بن قيس الأنصاري :مجهول من أصحاب السجاد والباقر (ع) ثم إنه اطلق عنوان محمد بن قيس في اسناده عدة روايات، منها عن الباقر والصادق (ع)-(المفيد من معجم الرجال الحديث، ص : 572، ط: مكتبة المحلاتي قم)

4 ـ محمد بن قيس :له كتاب. قاله الشيخ وطريقه اليه ضعيف-(المفيد من معجم الرجال الحديث، ص : 571، ط: مكتبة المحلاتي قم)

5 ـ الفروع من الكافي، 5/ 28، ط: دار الكتب الاسلامية

امیر المومنین نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرما کر بھیجا کہ اے علی! جب تم اسلام کی دعوت نہ دے دو کسی سے نہ لڑو اللہ کی قسم اگر ایک آدمی بھی تیرے ذریعہ ہدایت پالے تو وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے اے علی اس کی ولا تیرے ہی لیے ہے۔

پس اس روایت پر اس کے موثق ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کر سکتے اور حدیث ضعیف پر جو ان کے ہاں بالاتفاق درجہ موثق سے باعتبار درجہ گری ہوئی ہے عمل کرتے ہیں اس کی یہ مثال ہے:

روي عبيد بن زرارة عن أبي عبد الله عليه السلام انه سئل عن الصبي يزوج الصبية هل يتوارثان قال:نعم إذا كان أبواهما زوجاهما[1]

عبید بن زرارہ نے ابی عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ سے اس بچے کے بارے میں جس نے ایک بچی سے شادی کر لی ہو یوں پوچھا گیا کہ کیا وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر ان کے باپوں نے ان دونوں کا نکاح کیا ہو۔

اس فرقہ کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس سند میں ایک راوی قاسم بن سلیمان ہے جو مجہول العدالت ہے اس کے باوجود اس پر سب نے عمل کیا یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس معاملہ میں شیخ الطائفہ نے بہت آزادی دی ہے اور حدیث ضعیف پر عمل نا صرف جائز بتاتا ہے بلکہ واجب قرار دیا ہے اور اس کی دلیل میں امر بن حنظلہ کی حدیث پیش کی ہے کہ باوجود اس کے وہ حدیث ضعیف ہے مگر سب نے عمل کیا ہے۔

ابن حنظلہ کی روایت کا ضعف اس لیے ہے کہ اس میں محمد بن عیسی اور داؤد بن حسین دونوں بہت ضعیف ہیں مگر ابن حنظلہ نے تعدیل و جراح کسی پر کوئی نص نہیں کی ایسی حدیث کو مقبول المتن کہتے ہیں اور اس قسم کی احادیث ان کے ہاں اتنی ہے کہ حد و شمار سے باہر پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی آزادی اور اتنی گنجائش کے باوجود حدیث موثق پر عمل نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

1۔ هكذا روى فى التهذيب : عن أبي العباس وعبيد بن زياد عن أبي عبد الله عليه السلام في الصبي تزوج الصبية قال: يتوارثان إذا كان أبواهما زوجاهما۔ (تهذيب الأحكام، 9/ 382، ط: دار الكتب الاسلامية)

شیعہ کے ہاں مرسل روایت پر عمل

اور اس سے بڑھ کر یہ بات باعث تعجب ہے کہ کلینی میں ابو عبد اللہ سے مراسیل پر عمل کرنے کی صحیح روایت موجود ہے جو ان شاء اللہ ہم آگے نقل کریں گے اور خود انہوں نے صحیح وحسن میں اتصال سند کی شرط لگائی ہے اس کے باوجود بھی ابن ابی عمیر کی مراسیل پر عمل واجب کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ ابن ابی عمیر صفات کے علاوہ کسی سے مراسیل روایت نہیں کرتا مگر ان کا یہ دعوی بلا دلیل ہے اسی بنا پر بشری شرح ذکری کے مصنف نے اس معاملہ میں جمہور سے نزاع کیا ہے۔

علی ہذا نظیری اور عبد اللہ بن مغیرہ کی مراسیل کو بھی واجب العمل کہتے ہیں،[1] اور ان دونوں کا جو حال ہے وہ عنقریب ظاہر ہوگا شیخ الطائفہ اور متاخرین میں سے اس کے شاگردوں نے سند کے اضطراب کو حدیث پر عمل کرنے میں مانع نہیں سمجھا اضطراب سند کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی راوی کی روایت الفاظ وسند حدیث میں مختلف ہو ایک مرتبہ ایک طریقہ سے روایت کرے اور دوسری مرتبہ دوسرے طریقہ پر بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی پر کسی کو ترجیح دی جائے حالانکہ عقلا بھی اضطراب عمل سے مانع ہوتا ہے کہ دو مخالف اور باہم متضاد باتوں پر بیک وقت کسی طرح اور کیوں کر عمل کیا جاسکتا ہے اور سبب ترجیح کے بغیر ایک کو دوسری پر ترجیح کس طرح دی جاسکتی ہے؟

ان کے اصولیوں نے بھی سند کے اضطراب کو مانع عمل کہا ہے،[2] اور ان کے محدثین نے اس پر اتفاق بھی کیا ہے کہ جب دو حدیثیں باہم مختلف ہوں تو ان میں وہ حدیث جو ائمہ کے خط کی ہو اس حدیث کے لحاظ سے قابل ترجیح ہے جو سند صحیح سے مروی ہو چنانچہ ابن بابویہ نے اس پر نص کی ہے اور خط پر عمل کرنا اس کے خلاف ہے جس کی کلینی نے صحیح سند سے روایت کی ہے اور پھر یہ بات ثابت کرنا بھی تو مشکل اور دشوار ہے کہ یہ خط امام کا ہی ہے اور احکام شرعیہ کو جن پر دین وایمان کا مدار ہے اس قسم کے مشتبہ شہادت سے ثابت کرنا عقل سے بعید اور دیانت سے دور ہے۔

1۔ نهاية الدراية، حجية الخبر المرسل، ص :193، ط: المشعر تنضيد الحروف كامبيوتايب

2۔ أن الاضطراب يمنع من العمل بمضمون الحديث مطلقا.(دراسات في علم الدراية تلخيص مقباس الهداية للعلامة المامقاني، ص :71، ط: چاپخانه نابش حروفچینی)

شیعوں کے وضاع راوی

اور غالی شیعوں کی ایک بڑی جماعت نے تو احادیث گھڑنے کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ابو الخطاب یونس بن ظبیان اور یزید بن صائغ نے اپنے مذہب کی تائید میں بے شمار احادیث گھڑ لیں صاحب تحفۃ القاصدین فی اصطلاح المحدثین نے اس کو بڑے واضح اور صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ (1)

ان میں سے ایک نبان مہدی ہے جو امامیہ کے شیوخ میں سے ہے اور ان کا مجتہد ہے مگر پرلے درجے کا بڑا گبر از ندیق ہے اور دوسرا مغیرہ بن سعید بجلی جو کوفہ کا رہنے والا اور جھوٹا جادوگر ہے اور یہ دونوں حدیث گھڑنے میں بدنامی کی حد تک مشہور ہیں ان دونوں کو خالد بن عبد اللہ القری نے قتل کر کے جلا دیا ان کی عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں ان کی کوئی رائے ہوتی تو اسی کے موافق حدیث گھڑ لیتے۔ (2)

یہ لوگ عبد اللہ بن میمون قداح سے بھی اپنی کتابوں میں بہت سی روایات لاتے ہیں صاحب معالم الاصول تو ابتداءً بطور تبرک اس کے چند حدیثوں کو اپنے ہاں لایا ہے حالانکہ گزشتہ اوراق میں معلوم ہو چکا ہے کہ بڑا گھاگ زندیق اور مجسمہ کذاب تھا علاوہ عظیم ان رجال میں باطنیہ، اسماعیلیہ اور قرامطہ بھی اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں اگر ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں کے تفصیلی حالات ضبط تحریر میں لائے جائیں تو طویل و ضخیم دفتر درکار ہوگا یہاں بطور نمونہ تھوڑا سا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری زرارہ بن اعین شیبانی کوفی کے حالات میزان ذہبی سے نقل کرتا ہے مگر اس پر سکوت اختیار کر لیتا ہے (یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے)

1۔ وذكر الفضل في بعض كتبه: الكذابون المشهورون أبو الخطاب ويونس بن ظبيان ويزيد الصايغ ومحمد بن سنان وأبو سمينة أشهرهم.(اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي لشيخ الطائفة أبي جعفر الطوسي، 2/ 823، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام)

2۔ قال أبو عبد الله عليه السلام يوما لأصحابه:لعن الله المغيرة بن سعيد، ولعن الله يهودية كان يختلف إليها، يتعلم منها السحر والشعبذة والمخاريق، إن المغيرة كذب على أبي فسلبه الله الايمان (معجم الرجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة، للسيد الخوئي، 19/ 301، الطبعة الخامسة)

.. روین امین شیبانی کوفی ہر اور حمران رافضی تھا عقیلی نے جو ضعفا میں سے کہا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی اس نے یزید بن خالد ثقفی سے اس نے عبد اللہ بن خالد صیرفی سے اس نے اجلی سے اس نے زرارہ بن امین سے اس نے محمد بن علی بن عباس سے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے اے علی مجھ کو کوئی تیرے سوا غسل نہ دے۔[1]

حدیث بیان کی مجھ سے یحییٰ نے اس سے اس کے باپ نے اس سے سعد بن منصور نے اس سے ابن اسمان نے وہ کہتا ہے کہ جب میں حج کو گیا تو میری ملاقات ضرارہ بن یمین سے قادسیہ میں ہوئی وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے بہت ضروری کام ہے اور اس کی بڑی اہمیت جتائی میں نے پوچھا وہ کام کیا ہے تو کہنے لگا کہ جب تیری ملاقات جعفر بن محمد سے ہو تو پہلے تو ان کو میرا سلام کہنا پھر میری جانب سے پوچھنا کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں یا جنتیوں میں سے میں اس کی بات پر حیران ہوا اور اس سے کہا وہ کیسے بتاسکتے ہیں تو کہنے لگا کہ وہ اس کو جانتے ہیں پھر جب میں جعفر بن محمد سے ملا تو اس کو یہ سارا قصہ سنایا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو کہا کہ اس کی بد عقیدگی سے۔[2]

قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ زرارہ کے چار بھائی تھے حمران، عبد الملک، بکر، عبد الرحمن اور دو بیٹے حسن اور حسین، حمران کے دو بیٹے تھے حمزہ اور محمد، عبد الملک کا صرف ایک بیٹا حریش تھا، بکیر کے پانچ بیٹے عبد اللہ، جہم، عبد الحمید عبد الاعلی اور عمرو قاضی کے قول کے مطابق یہ ان سب کا وہی عقیدہ تھا جو زرارہ کا تھا۔

پھر قاضی نور اللہ نے عضایری سے جابر بن جعفر بن یزید جعفی کوفی کا حال نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جعفر خود تو ثقہ ہے لیکن اس کی اکثر روایات جو اس سے نقل ہوئی ہیں ضعیف ہیں قاضی نے اس کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے حضرت امام باقر رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد لوگوں پر اس راز کا انکشاف کیا کہ امام موصوف

1۔هكذا في بحار الانوار: يا علي غسلني ولا يغسلني غيرك(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 22/ 546، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

2۔جراب النورة بين اللغة والاصطلاح، للسيد محمد رضا الحسيني الجلالي، ص: 36

نے اپنی زندگی میں مجھے دو کتابیں دی تھیں ایک کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی تھی کہ بنوامیہ کے زمانے تک تو اس کی روایت نہ کرنا اگر تو نے اس کے خلاف کیا تو تجھ پر خدا کی لعنت ہو البتہ ان کے عہد کے بعد اس کی روایت کر سکتا ہے دوسری کتاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تو اس کی روایت کسی سے بھی قطعاً نہ کرنا میں نے اس بھید کو حتی الامکان چھپایا مگر جب تاب برداشت نہ پاسکا اور ضبط راز کے سبب میرے پیٹ میں مروڑ اٹھا تو میں نے ایسے بیابان کا رخ کیا جہاں انسان کا گزر نہ تھا وہاں میں نے اس کتاب کی روایت کی تو مجھے اس مروڑ سے چھٹکارا ملا اب میں اس کتاب کو لوگوں پر ظاہر کر رہا ہوں جس کی روایت کی تو مجھے اجازت مل چکی ہے قاضی یہاں یہ بھی لکھتا ہے کہ ولید کے مارے جانے کے بعد ابھی بنی امیہ کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ جابر نے مسجد میں جا کر اس کی روایت کرنی شروع کر دی یہ حرکت چونکہ امام کی ہدایت و حکم کے خلاف تھی اس لیے وہ ضرور خدائی لعنت کا شکار ہوا ہو گا۔(1)

اب جب گفتگو ان کے رجال کے حالات تک آ پہنچی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بعض راویوں کے حالات نقل کر دیئے جائیں۔

اول تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ شیعوں کے ہر فرقہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے پاس روایات کا جو ذخیرہ ہے وہ سب اہل بیت سے لیا گیا ہے اور نہایت صحیح و معتبر ہے اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ من گھڑت اور بے اصل ہے اور ان کا آپس میں ایک دوسرے کو جھٹلانے کا یہ رویہ ابتدا ہی سے ہے اور اب تک جاری ہے اس کا ایک ہی نتیجہ ہے کہ ان سب ہی سے اعتبار و اعتماد اٹھ گیا ہے دوسری طرف زیدیہ اسماعیلیہ اور امامیہ جو ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور باہم یک دیگر تکذیب کرتے رہے ہیں ان کے قصے مشہور و معروف ہیں اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ امامیہ کے اسلاف اور ان کے مقتدی جو ان کے محدثین سندوں کی آخری کڑیاں ہیں مثلاً ہشام بن حکم ہشام بن سالم جوالیقی اور صاحب الطاق یہ خود آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ایک دوسرے کی روایات کو جو ہر سہ ائمہ امام سجاد امام باقر اور امام صادق رحمہم اللہ سے مروی تھی غلط ثابت کیا کرتے اور ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیتے تھے چنانچہ ہشام بن حکم نے جوالیقی اور صاحب طاق کے رد

1۔ معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة، للسيد أبو القاسم الموسوي الخوئي، 4/ 340، الطبعة الخامسة 1413 ه

میں ایک کتاب لکھی جس کا نجاشی نے بھی ذکر کیا ہے لہٰذا ان سب کی احادیث درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئیں اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے شیعوں کا حال پہلے گزر ہی چکا کہ سب کے سب گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے اور آخر تک امام وقت کی نافرمانی پر جے رہے جناب امیر رضی اللہ عنہ کو رنج پہنچاتے رہے اور ان جناب بھی ان کو جھوٹا قرار دیتے رہے اور ان کے قول کی ہرگز تصدیق نہ فرماتے ان میں بعض نے جناب حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی امداد سے کنارہ کشی ہی نہیں کی جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب یزید سے خفیہ خط وکتابت رکھی اور یوں دین فروشی کر کے دنیا کے خریدار بنے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جنھوں نے اپنے اماموں کے ساتھ ایسی ناشائستہ حرکات کی ہوں ان سے دین لینے اسلام کا پیشوا بنانے اور ان کی روایات کو وہ قدر کے نظر سے دیکھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے اور کیا وجہ بیان کی جا سکتی ہے۔

پھر ان کا آپس کا اختلاف و تعارض اور ان کی احادیث میں اضطراب اس درجہ کا ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں چنانچہ من لایحضر الفقیہ اور استبصار کے مطالعہ سے اس بات کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے غرض ہر عقل مند اس قدر اختلاف تعارف اور اضطراب کے ہوتے ہوئے کسی جانب کی حدیث پر بھی عمل پیرا نہیں ہو سکتا خود ان کے شیخ الطائفہ بھی اس امر کے اعتراف پر مجبور ہوئے کہ جن احادیث سے یہ دلیل لاتے ہیں ان کی سندوں میں ضعیف نامعلوم الحال جھوٹے اور حدیث گھڑنے والے موجود ہیں، ان سب واقعات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اب ذرا تفصیل کی طرف توجہ دینی چاہیے اور ایں خانہ ہمہ آفتاب کی تصویر دیکھنی چاہیے۔

جعفر بن محمد بن عیسی ابن شاپور قواریری جس کی کنیت ابی عبداللہ ہے جھوٹا اور وضاع حدیث ہے پھر بھی ان کے ثقہ اس کی روایات قبول کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں:

أبو عبد الله، كان ضعيفا في الحديث، قال أحمد بن الحسين كان يضع الحديث وضعا ويروي عن المجاهيل، وسمعت من قال: كان أيضا فاسد المذهب والرواية، وقد روي ابو جعفر الطوسي شيخ الطائفة واعتمد عليه[1]

نجاشی کہتا ہے کہ ابو عبداللہ حدیث میں ضعیف ہے اور احمد بن حسین نے کہا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑا

1۔ فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر ، رجال النجاشي، ص :122، ط: مؤسسة النشر الاسلامي

کرتا ہے اور اس میں خوب مشاق ہے نامعلوم الحال راویوں سے روایات بیان کرتا ہے میں نے بعض کو یہ
کہتے سنا کہ وہ بد مذہب ہے حالانکہ شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے اس سے روایت لی اور اس پر اعتماد کیا۔
اسی طرح حسن بن عباس بن حریش رازی جس نے جعفر ثانی سے روایت کی ہے بہت ضعیف ہے "انا أنزلناه في ليلة القدر" اسی کی تصنیف ہے جس میں مضطرب الالفاظ حدیثوں کی روایات لایا ہے،[1] اس کے باوجود بھی کلینی نے اس سے چند حدیثوں کی روایت کی ہے جبکہ کلینی کی کتاب ان کے ہاں صحیح ترین شمار ہوتی ہے حدیثیں گھڑنے والا علی بن حسان بھی ہے:

قال النجاشي: ضعيف جدا، ذكره بعض أصحابنا في الغلاة، فاسد الاعتقاد له كتاب تفسير الباطن، تخليط كله.[2]

نجاشی نے کہا وہ بہت ضعیف ہے ہمارے بعض نے اس کو بد عقیدہ غلات میں بتایا ہے اس کی تفسیر میں ایک کتاب تفسیر الباطن کے نام سے مشہور ہے جو از سر تا پا بے ربط اور بے جوڑ ہے حالانکہ اسی سے کلینی نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔

ایک ایسا ہی شخص محمد بن عیسی ہے جس کے متعلق نصر بن صباح نے کہا ہے وہ جھوٹا تھا حالانکہ ابو عمر کشی اور دوسروں نے اس سے روایت بیان کی ہے اور ایک نام عبد الرحمن بن کثیر ہاشمی کا ہے اس کے بارے میں نجاشی کہتا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس پر ناک بھوں چڑھائی ہے کہ یہ تو حدیثیں گھڑتا ہے،[3] پھر بھی ان کے

---

1 ـ قال النجاشي ":الحسن بن العباس بن الحريش (الجريش) الرازي، أبو علي: روى عن أبي جعفر الثاني (عليه السلام)، ضعيف جدا، له كتاب إنا أنزلناه في ليلة القدر، وهو كتاب رديء الحديث، مضطرب الألفاظ.(معجم رجال الحديث وتفصيل طبقات الرواة، 5/ 361)

2 ـ فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص :251، ط: مؤسسة النشر الاسلامي

3 ـ عبد الرحمن بن كثير الهاشمي مولى عباس بن محمد بن علي بن عبد الله بن العباس، كان ضعيفا غمز أصحابنا عليه وقالوا: كان يضع الحديث. (فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص :234، 235، ط: مؤسسة النشر الاسلامي)

سوا حضرات اس سے روایت کرتے ہیں مثلاً حسین بن علی بن فضال وغیرہ اور کلینی ابن بابویہ اور محمد بن حسن طوسی نے بھی اس کی روایات قبول کی ہیں ہشامین اور ان کے ہم عصروں کے حالات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور صورت ماننے میں ائمہ پر صاف اور کھلا بہتان باندھتے ہیں چنانچہ حضرت امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اس افترا اور بہتان پر گواہی بھی دی ہے پھر بھی ان کے محدثین کا سارا دارومدار انہی پر ہے۔

شیعوں کے ضعیف راوی

ان کے وہ راوی جو مجہول اور ضعیف ہیں اور فقہی مسائل میں یہ جن سے حوالے اور حجت لاتے ہیں بے حد و بے شمار ہیں[1] ان میں سے نمونہ کے طور پر ہم چند نام گناتے ہیں ان میں سے ضعیف یہ ہیں۔

ابراہیم بن صالح انماطی، ابو احاق، حسن بن سہل نوفلی، حسن بن راشد طفاوی، اسماعیل بن عمران بن ابانیل لیثی، اسماعیل بن یسار ہاشمی، حسین بن احمد منقری اور جماعہ بن سعید خشعمی یہ ضعیف کے ساتھ فاسد بھی ہے اس سے کلینی نے روایت لی ہے، عثمان بن عیسیٰ سے شیخ الطائفہ اور دوسروں نے روایت کی عمر بن شمر اس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے جیسے طوسی وغیرہ ساحل بن زیاد اس سے ابو جعفر نے بھی روایت کی ہے اور اس کی روایت پر اعتماد کیا ہے اس کے باوجود کہ اس کے ضعف پر سب نے اتفاق بھی کیا ہے، ابراہیم بن عمرو یمامی اور داؤد بن سارق جو ضعیف اور فاسد ہے اس سے طوسی نے تہذیب اور استبصار میں اور دوسروں نے بھی روایت کی ہے صالح بن امیہ جس کی کنیت ابو خدیجہ ہے معاویہ بن میسرہ، عائذ احمسی، خالد بن نجیح، محمد بن قیس، ابو احمد محمد بن عیسیٰ، داؤد بن حسین، علی بن حمزہ رقہ بن مصقلہ، حسین بن یزید الہرقی، اسماعیل بن زیاد سکونی واحب بن واہب اور حسین بن عبید اور ان جیسے بے شمار دوسرے کے جن کے ضعف

1۔ اس کی بنیاد شیعہ مذہب کے اس ضابطہ پر ہے کہ شیعہ فقہ کے ایک بڑے گروہ (متقدمین) کے ہاں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ اگر کوئی روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہو، لیکن قدیم فقہاء (اصحاب ائمہ کے قریبی دور کے علماء) نے اس پر عمل کیا ہو، تو ان کا عمل اس روایت کی کمزوری کو دور کر دیتا ہے، اسے اصطلاح میں "انجبار ضعف سند بہ شہرت فتویٰ" کہتے ہیں ان کے نزدیک اگر روایت بالکل ہی بے بنیاد ہوتی تو متقدمین اس پر عمل نہ کرتے۔
الجهة الثالثة: هل عمل المشهور على طبق رواية ضعيفة السند جابر لضعفها؟ ذهب المشهور الى انها جابرة(معجم رجال الحديث،1 / 85، ط: مطبوعه نجف/ قم وفرائد الأصول، 1/ 149، ط: مطبوعه مجمع الفكر الاسلامى، قم)

اور برائی پر ان کے تمام علماء حدیث اور خصوصا علماء جرح و تعدیل کا اتفاق ہے مثلا نجاشی، غضایری، تقی الدین بن داؤد سبکی اور حلی جیسا کہ اس نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے اور اس سب کچھ کے باوجود ان کے محدثین نے انہی راویوں کی روایتوں سے اپنی صحاح کا پیٹ بھرا ہے اور پھر ان کے فقہاء انہی روایات سے استدلال کر کے اپنے فقہی مسائل ہی نہیں اعتقادات کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ (1)

شیعوں کے مجہول راوی

اب رہے ان کے مجہول راوی تو ان کا شمار و حساب نہیں ہے مثلا حسن بن ابان کے اس کی حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے حالانکہ ابن مطہر نے مختلف اور منتہی (کتابوں کے نام) اور شیخ مقتول نے دروس میں اس کی جہالت کی تصریح کی ہے اسی طرح قاسم ابن سلیمان اور عمرو بن حنظلہ دونوں مجہول ہیں (کما مر) عمر بن ربان، حسین بن علی اور ابن العالیہ تینوں مجہول الاسم بھی ہیں اور ان کی شخصیت بھی مجہول ہے، اور عباس بن عمر فقمی، فضل بن سکن، علی بن عقبہ بن قیس بن سمعان، ہاشم بن ابی عمار حسینی، بشیر بن یسار الیساری، موسی بن جعفر، فضل بن سکرہ، زید البجامی، سعید بن زید، عبد الرحمن بن ابی ہشام، بکار بن ابی بکر، فلیح بن زید، محمد بن سہیل، عبد اللہ بن یزید، غالب بن عثمان، ابی حبیب الاسدی، ابی سعید المکاری، رکاز بن فرقد، حسن تفلسی، قاسم بن خزاز، صالح سعدی، علی بن دویل، حسین بن علی بن ابراہیم، ابراہیم بن محمد حسن بن علی، اسحاق النحوی، عثمان بن عبد الملک، عثمان بن عبد اللہ، عیسی بن عمر مولی الانصار، ربیع بن محمد سلمی، علی بن سعد السعدی، محمد بن یوسف بن ابراہیم، محمود بن میمون اور خضر بن سوید ابن جعفر بن کلاب۔

پس یہ سب کے سب اور ان جیسے ان گنت راوی مجہول ہیں مگر شیعوں کے شیوخ مثلا علی بن ابراہیم اور اس کا بیٹا ابراہیم محمد یعقوب الکلینی، ابن بابویہ، ابی جعفر طوسی اس کا استاد ابی عبد اللہ ملقب بہ مفید نے اپنی کتاب میں جنہیں یہ صحاح کہتے ہیں انہی مجہول الحال راویوں سے بھری ہیں جن کو ان کے مجتہدین نے واجب العمل قرار دیا ہے

---

1 ـ الشیعة الإمامیة الضعفاء من الرواة فقام بجمع أسمائهم في كتاب خاص أسماه " رجال الشیعة في المیزان " وهو تألیف عبد الرحمن بن عبد الله وقامت بنشره دار الأرقم بالكویت

اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ علم یقینی کو مفید ہیں جیسا کہ مرتضیٰ، طوسی اور حلی نے اس کی تصریح کی ہے۔

اور حد درجہ تعجب و حیرت ہے کہ ان کے علماء حدیث ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن کی تکذیب علماء اسماء الرجال نے کی ہے جیسے عبد اللہ بن مسکان جو ابی عبد اللہ سے روایت کرتا ہے اس کی چند حدیثیں محمد بن یعقوب کافی میں ابن باب وہ فقیہ میں ابو جعفر تہذیب میں اور دوسرے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں جبکہ نجاشی کہتا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ اس نے ابی عبد اللہ سے کسی بھی چیز کی روایت کی ہو اور یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں امامیہ میں خوب مشہور ہے،[1] محمد بن عیسیٰ بھی اسی زمرے میں آتا ہے جو محمد بن محبوب اور دوسروں سے روایت کرتا ہے ابو عمر کشی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہتا ہے کہ محمد بن عیسی محمد بن محبوب سے عمر میں اس قدر چھوٹا ہے کہ اس سے روایت کرنا قرین قیاس ہی نہیں،[2] محمد بن عیسی بن عبید یقطین بھی اسی قماش کا راوی ہے جس کے متعلق محمد بن بابوہ کی نے ابن الولید سے یہ قول نقل کیا ہے:

انه قال ما انفرد به محمد بن عیسی من حدیث یونس وکتبه لا یعتمد علیه[3]

ابن الولید نے کہا محمد بن عیسی جو حدیث یونس سے روایت کرے اور وہ اس میں تنہا ہو اس کو اگر وہ لکھ بھی لے تب بھی اس پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

محمد بن احمد بن یحیی بن عمران الاشوی القمی بھی اسی قماش کا ہے اس میں نجاشی اور دوسروں نے عیب لگایا ہے اور کہا ہے کہ وہ ضعیفوں سے روایت کرتا ہے اور جس سے روایت کرتا ہے اس کی اچھائی برائی سے سروکار نہیں رکھتا اور مراسیل پر بھی اعتماد رکھتا ہے، پھر ان کے بعض معتبر راوی اسناد میں ارسال کرتے ہیں جیسے ابن ابی عمیر نظیری اور عبد اللہ بن مغیرہ حالانکہ ان کے نزدیک ارسال گناہ کبیرہ ہے۔

1۔ عبد الله بن مسكان: أبو محمد مولى عنزة ـ وقيل إنه روى عن أبي عبد الله (ع) وليس بثبت، قاله النجاشي وروى الكشي انه لم يسمع من أبي عبد الله (ع) الا حديثا واحدا۔ (المفيد من معجم الرجال الحديث، ص: 349، ط: مكتبة المحلاتي قم)

2۔ قال نصر بن الصباح: ان محمد بن عيسى بن عبيد، من صغار من يروي عن ابن محبوب في السن. (اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، 2/ 817، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام)

3۔ فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص: 333، ط: مؤسسة النشر الاسلامي

ابن یعقوب کلینی اور دوسرے علماء حدیث ابی عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا شاخ در شاخ جھوٹ کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے کوئی شخص حدیث بیان کرے اور جب تم وہ حدیث بیان کرنے لگو تو جس نے تم سے کوئی حدیث بیان کی اس کا نام تو درمیان سے نکال دو اور اس شخص نے جس شخص سے وہ حدیث تمہیں سنائی تھی تم اس سے روایت کرنے لگو۔[1]

ان کے معتبر راویوں میں سے بہت سے وہ ہیں جو امام وقت کے منکر ہی نہ تھے بلکہ ان کے خلاف دل میں دشمنی رکھتے تھے اور اکثر امامیہ شیعوں کے نزدیک ان کا یہ براعقیدہ پایہ ثبوت تک پہنچ چکا تھا مثلاً واقفیہ میں سے حسن بن محمد سماعہ، ابو محمد الکندی الصیرفی یہ وقف کے معاملے میں دل میں دشمنی اور تعصب رکھتا ہے،[2] حسن بن محمد سعید ہاشم بن حیان المکاری ابو عبد اللہ، حسین بن مہران بن محمد بن ابی نصر اسکونی، احمد بن محمد البطاحی الحیری جو طاہری کے لقب سے مشہور ہے صفوان ابن یحیٰی ابی محمد البجلی، عثمان بن عیسیٰ ابی حمزہ العامری الرواسی، مولی بنی رواس وغیرہ وغیرہ۔

جارودیہ، افطحیہ میں سے مثلاً احمد بن محمد بن سعید سبیعی ہمدانی، حسن بن علی بن فضال، عبد اللہ بن بغیر بن اعین شیبانی، اور عمر بن سعید ابی الحسن مدائنی اور ان جیسے دوسرے، ان سب سے شیعوں کی حدیث کی صحیح کتابوں میں روایات موجود ہیں شیخ مقتول نے ذکر میں یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن مسکان کو اپنے پاس آنے سے روک دیا تھا اور یہ پھر بھی ان سے روایت کرنے سے بعض نہیں آتا۔

ابو جعفر طوسی ذکریٰ میں لکھتا ہے یعنی اعضائے بدنی سے سرزد شدہ بدکاریاں روایت کے قبول کرنے میں حارج نہیں، اور اس کا تو کوئی جواز ہی نہیں کہ نصرانیوں تک سے ان لوگوں نے حدیث کی روایت کی اور اسے

1۔ عن محمد بن علي رفعه قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: إياكم والكذب المفترع، قيل له: و ما الكذب المفترع؟ قال: أن يحدثك الرجل بالحديث فتتركه وترويه عن الذي حدثك عنه. (الأصول من الكافي، باب رواية الكتب والحديث وفضل الكتابة والتمسك بالكتب، 1 / 52، ط: دار الكتب الاسلامية، تهران)

2۔ الحسن بن محمد بن سماعة أبو محمد الكندي الصيرفي من شيوخ الواقفة كثير الحديث فقيه ثقة وكان يعاند في الوقف ويتعصب. (فهرست أسماء مصنفي الشيعة المشتهر برجال النجاشي، ص: 41، ط: مؤسسة النشر الاسلامي)

قبول کرتے اور ان کو اپنے ائمہ کا دوست سمجھتے ہیں مثلاً زکریا بن ابراہیم نصرانی کے اس سے طوسی اور دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے۔[1]

اور ایسا بھی ہے کہ ان کے علماء حدیث اپنے اساتذہ کی کتابوں سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جس کی نسبت امام کی طرف نہیں ہے مگر دعوی یہ کرتے ہیں کہ ان روایات کی نسبت امام ابو جعفر اور امام ابو عبد اللہ کی طرف ثابت ہے اور صحیح! ہمارے اساتذہ نے اسے پردہ خفا میں رکھا اور ائمہ کا نام ظاہر نہیں کیا اس لئے کہ اس وقت تقیہ کی ہوا زور پر تھی، اب اساتذہ کے انتقال کے بعد جب یہ کتابیں ہمارے ہاتھ لگیں تو ہم کو قرائن سے پتہ لگا کہ یہ سب احادیث در حقیقت ائمہ کی ہیں!

اب عقل و انصاف سے کام لے کر سوچا جائے اور بتایا جائے کہ ان حالات میں ان کی روایات پر اعتماد اور بھروسہ کہاں باقی رہا اس کی مثال وہ روایت ہے، جس کو کلینی اپنے چند اصحاب سے اور وہ محمد بن خالد شنبولہ یا دوسروں سے نقل کرتا ہے چنانچہ ان کی اکثر روایات جن میں عن ،من سے روایت ہو اسی قسم کی ہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی احادیث کا تقریبا آدھا ذخیرہ ایسے راویوں سے مروی ہے جو خود اپنی دروغ گوئی کا اعتراف کر چکے ہیں، اور یہ پھر بھی ان کو چیدہ اور ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں مثلاً ابو بصیر کہ کلینی کا چوتھا حصہ اس کی روایتوں سے بھرا ہوا ہے، کلینی نے خود اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

كنت اسمع الحديث من الصادق وارويه عن أبيه واسمعه من أبيه وارويه عنه[2]

میں ایک حدیث سنتا تو امام صادق سے تھا اور اس کی روایت ان کے بجائے ان کے والد سے کر

---

1 ـ وانما الفسق بافعال الجوارح يمنع من قبول شهادته وليس بمانع من قبول خبره (عدة الأصول، لشيخ الطائفة محمد بن الحسن الطوسي،1/ 382، ط: مؤسسة آل البيت (ع) للطباعة والنشر)

2 ـ عن أبي بصير قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: الحديث أسمعه منك أرويه عن أبيك أو أسمعه من أبيك أرويه عنك؟ قال: سواء إلا أنك ترويه عن أبي أحب إلي: وقال أبو عبد الله عليه السلام لجميل: ما سمعت مني فاروه عن أبي.(الأصول من الكافي، باب رواية الكتب والحديث وفضل الكتابة والتمسك بالكتب، 1/ 51، ط: دار الكتب الاسلامية، تهران)

دیتا اور سنتا تو ان کے والد سے تھا مگر روایت امام صادق سے کر دیتا۔

اور یہ ابو بصیر وہی تو ہے جس نے امام کے منع کرنے کے باوجود ان کے راز کو اس شد و مد سے پھیلایا اور شہرت دی کہ وہ شیعہ کتب تک میں جگہ پا گیا اور ان زبانوں پر جاری ساری ہو گیا جو اس قابل نہ تھیں کہ ان پاک اسرار کو ادا کر سکیں۔

میں نے ابی عبد اللہ سے کہا کہ یہ بتائیے کہ قیامت کے دن مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے آپ نے فرمایا ہاں! اور وہ تو قیامت سے پہلے بھی دیکھ چکے ہیں؟ میں نے کہا وہ کب؟ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرمایا پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ مومن قیامت سے پہلے بھی سب کو دیکھتے ہیں اور کیا تو اس وقت سب کو نہیں دیکھ رہا ہے، ابو بصیر نے کہا میں آپ پر قربان کیا یہ حدیث میں آپ سے روایت کروں آپ نے فرمایا نہیں![1]

اس کا لڑکا محمد امام کی نافرمانی میں اپنے والد کا خلف رشید بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے نکلا کلینی نے اس سے یہ روایت کی ہے:

انه قال: دفع إلي أبو الحسن (عليه السلام) مصحفا وقال: لا تنظر فيه، ففتحته وقرأت فيه: " لم يكن الذين كفروا " فوجدت فيها اسم سبعين رجلا من قريش بأسمائهم وأسماء آبائهم[2]

اس نے کہا کہ مجھے ابو الحسن نے ایک قرآن دیا اور کہا کہ اس کو کھول کر نہ دیکھنا مگر میں نے اسے کھول لیا اور اس میں لم یکن سورۃ پڑھی تو نہیں نے اس میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع

1۔ عن أبي بصير، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: قلت له: أخبرني عن الله عز وجل هل يراه المؤمنون يوم القيامة؟ قال: نعم وقد رأوه قبل يوم القيامة . فقلت: متى؟ قال: حين قال لهم: " ألست بربكم قالوا بلى " ثم سكت ساعة ثم قال: وإن المؤمنين ليرونه في الدنيا قبل يوم القيامة، ألست تراه في وقتك هذا؟ قال أبو بصير : فقلت له: جعلت فداك فأحدث بهذا عنك؟ فقال: لا.(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 1/ 44، 45، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

2۔ الأصول من الكافي، باب النوادر، 2/ 631، ط: دار الكتب الاسلامية

ولدیت درج پائے۔

پھر ایک بات اور بھی ہے جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کی کتابوں کی چھان بین کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی اکثر احادیث احاد ہیں، نہ متواتر اور مشہور اور وہ احاد بھی ضعیف یا جن میں سے کچھ کو تو یہ صحیح سمجھتے ہیں کچھ کو موثق اور حسن احادیث خود ان کے نزدیک ضعیف ہیں گویا خود ان ہی کے خیال کے مطابق ان کی کتب میں صحیح و حسن حدیثیں نہیں ہیں ان کے صرف عقلی مفہومات ہیں خارج و ظاہر میں ان کا کوئی جواب نہیں ہے، چنانچہ یہی بات صاحب ہدایہ نے صراحت سے بیان کی ہے، چلئے یہ سب سہی مگر ان کی ضعیف اور موثق حدیثیں بھی تو اس قسم کی ہیں کہ آپس میں ایک دوسری سے متعارض اور مخالف ہیں اور ان کی اسناد و متون ہر دو میں اضطراب ہے، شیخ ابو جعفر نے جس طریقے سے ان متعارض روایات کو جمع کرنے اور تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے وہ در حقیقت اہل تحقیق و اہل نظر کے نزدیک انتہائی مضحکہ خیز ہے ہم اس میں سے صرف ایک نکتہ بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں دوسرے مسائل اس پر قیاس کر لئے جائیں۔

ان کی اکثر روایات میں آتا ہے کہ گلاب کے پانی سے وضو جائز ہے، اور بہت سی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جائز نہیں ہے اس کے بارے میں شیخ ابو جعفر کہتا ہے کہ صحیح تو یہ ہے کہ وضو درست نہیں اور حسن روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے، ان سے مراد عرق گلاب نہیں بلکہ وہ عام پانی مراد ہے جس میں کچھ پھول ڈال دیئے گئے ہوں۔[1]

لہذا ان مذکورہ اسباب سے ان کی روایات خود ان کے آگے گمان کے مطابق نہ قابل حجت رہیں نہ لائق اعتماد، پھر مخالفین کی کیا منہ لے کر مخالفت اور مقابلہ کرتے ہیں؟

یہ حال تو ان ظاہر السند روایات کا تھا جو ظاہر اور عالم وجود میں آئے ہوئے ائمہ ظاہرین سے مروی ہیں کہ

---

1 ـ عن يونس، عن أبي الحسن عليه السلام قال: قلت له:الرجل يغتسل بماء الورد ويتوضأ به للصلاة؟ قال: لا بأس بذلك. ورواه الشيخ بإسناده عن محمد بن يعقوب، ثم قال: هذا خبر شاذ، أجمعت العصابة على ترك العمل بظاهره، قال: ويحتمل أن يكون المراد بماء الورد الماء الذي وقع فيه الورد، فإن ذلك يسمى ماء ورد، وإن لم يكن معتصرا منه(وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، 1/ 204، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

جن کے وجود میں کسی نے شک نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ ملاقاتیں کیں ان کو دیکھا اور ان سے ہم کلام ہوئے۔

امام غائب کی روایات کا حال

اب شیعوں کی ان روایات کا حال سنیئے جو صاحب الزمان سے مروی ہیں، اول تو امامیہ کے نزدیک ان کی پیدائش ہی بالاتفاق ثابت نہیں، کیونکہ بعض ان کی پیدائش سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں امام حسن عسکری نے کوئی پس ماندہ نہیں چھوڑا یہ منکرین جعفریہ ہیں اس لئے کہ وہ حسن بن علی عسکری کی وفات کے بعد جعفر بن علی الہادی کی امامت کے قائل ہیں، ایک طائفہ ان بزرگوار کے وجود کا تو البتہ قائل ہے مگر ان کے بقاء حیات سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ وہ بچپن ہی میں وفات پاگئے، پھر جو ان کو بلوغ تک پہنچاتا ہے ان کے درمیان بھی مختلف الخیالی پائی جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ بحالت نماز اچانک انتقال فرماگئے، بعض کہتے ہیں کہ کسی وقت غائب ہوئے، بعض 256ھ بتاتے ہیں تو بعض دوسرے 265ھ یا 266ھ پھر مکان غیبت کے بارے میں بہت اختلاف ہے ان کے ثقات مثلاً محمد بن یعقوب کلینی اور اس کے ہم خیال اکثر شیعہ متقدمین کہتے ہیں کہ ان کا مکان غیبت بجز خال خال شیعہ کے کوئی نہیں جانتا۔[1]

پس اب یہاں ان کا خاتمہ تباہی اور پریشانی پر ہے کیونکہ ان کے اسناد کی آخری کڑیاں یا جائے انتہا ایسے لوگ ہیں جو خود کو امام کی غیبت صغری کے زمانہ میں جس کی مدت چوہتر برس ہے، سفرائے آئمہ کہتے ہیں، اول سفیر ابو عمرو عثمان بن سعید ہے اس کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر محمد بن عثمان جو 328ھ میں فوت ہوا، اس کے بعد ابو القاسم حسین بن روح جو ماہ شعبان 338ھ میں مرا اور آخری سفیر علی بن محمد ہوا جس کو خاتم السفراء کہتے ہیں، اس کے بعد غیبت کبری کا زمانہ شروع اور سفارت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان میں سے جس کسی نے بھی سفارت کا دعویٰ کیا خالی خال اپنے دعوے کے اپنی سفارت پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکا اور اس پر سارے شیعوں کا اتفاق ہے۔

1۔ يعتقد الإمامية أن إمامهم الثاني عشر ما زال منذ اختفاءه منذ أكثر من مائتي وألف عام حيا يرزق، قال الكفعمي: «يستحب زيارة المهدي في كل زمان ومكان والدعاء بتعجيل فرجه (صلوات الله عليه) عند زيارته، وتتأكد زيارته في السرداب بسر من رأى ...». البلد الأمين: ص 309.

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نفس انسانی میں حب جاہ اکثر اس دعوے کا سبب ہو جاتی ہے، خصوصاً جب اس پر دلیل وگواہ کا مطالبہ بھی نہ ہو تو پھر دعویٰ کا میدان بہت وسیع و فراخ ہو تا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام صاحب الامر سے روایت کرنے میں سفراء کا واسطہ بھی چنداں ضروری نہیں، بلکہ جس نے صرف یہ دعویٰ کیا کہ اس نے آنجناب کو دیکھا ہے اور راوی کو گو سفارت سے کوئی سروکار نہ ہو اس کی روایت بھی ان کے ہاں معتبر اور واجب القبول ہے، چنانچہ ابو ہاشم داؤد بن ابی القاسم جعفری، محمد بن علی بن بلال، احمد بن اسحاق ابراہیم بن مہران اور محمد بن ابراہیم، وغیرہ وغیرہ انہوں نے صرف روایات کا دعویٰ کیا اور آنجناب سے عجیب و غریب روایات بیان کیں،[1] پھر بھی انہوں نے ان روایات میں کسی احتمال و شک کو دخل دیئے بغیر ان کو بسر و چشم قبول کیا، یہ بات دراصل ان جیسے بلند بانگ دعویٰ کرنے والوں کے لئے عبرت کا مقام ہے کہ ایک طرف تو دروغ گوئی خطا و لغزش سے اس قدر احتیاط اور اس درجہ گریز کا دعویٰ کہ اسی مقصد کی خاطر امام کا تقرر خدا تعالیٰ پر واجب وضروری قرار دیا اور خود امام کی فضیلت و عصمت پر نص قطعی متواتر کی شرط لگائی اور دوسری طرف دین کے اہم معاملات میں ایسے بے اصل لغو، لچر احتمالات اور باتوں سے استدلالات کئے اور بلا تحقیق و بلا دلیل ہر کائیں کائیں پر فدا اور انکر الاصوات پر فریفتہ ہو گئے ان پر تو یہ مثل سولہ آنے راست آتی ہے کہ بوچھاڑ سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

اور پھر یہ عجوبہ بھی لائق توجہ ہے کہ یہ صاحب الامر سے صرف روایات ہی پر صبر نہیں کرتے بلکہ ان کے ثقات نے رقعہ جات کی روایت کا شگوفہ بھی چھوڑ رکھا ہے، بعض نے سفراء کے ذریعہ مسائل کے رقعے بھیجے اور ان کا جواب آیا، اور بعض نے سفراء کے واسطہ بغیر ہی رقعے ارسال کئے، اب چونکہ سفیروں کی سفارت کبوتر کے بازوؤں سے بندھی ہوئی ہے رقعہ کا جو جواب ان کے ذریعہ ملے ظاہر ہے وہ کس قدر قابل اعتماد ہو گا اور جو

1۔ منهم أحمد بن إسحاق بن عبد الله بن سعد بن مالك بن الأحوص الأشعري، أبو علي القمي، كان رسول القميين إلى الأئمة، ذكره الكليني فيمن رأى إمامهم الغائب في كتاب الحجة من الكافي، وذكره الطوسي وعده من السفراء الذين وردتهم كتابات صاحب الزمان، قال: وقد كان في زمان السفراء المحمودين أقوام ثقات ترد عليهم التوقيعات من قبل المنصوبين للسفارة أصلا ومنهم أحمد بن إسحاق، وهو عندهم من أوثق رواتهم. رجال النجاشي: 1/ 234. الطوسي، الغيبة: ص 414.

جواب ان کے واسطے کے بغیر ہوگا وہ اس سے زیادہ بدتر ہوگا۔

سفراء کے ذریعہ جوابات ملنے والے بہت سے ہیں، ان میں سے ایک وہ جو علی بن حسین بن روح نے جو سفراء میں سے تھا علی بن جعفر بن اسود کو دیا کہ وہ اس کو صاحب الامر کے پاس پہنچادے پھر یہ رقعہ اس نے یہ گمان کرتے ہوئے اس کے پاس بھیجا کہ وہ صاحب الامر کا جواب ہے، محمد بن عبد اللہ بن جعفر ابن حسین بن جامع بن مالک حمیری ابی جعفر قمی کے ساتھ بھی اس نوعیت کے ہیں۔

اس کے متعلق نجاشی کہتا ہے کہ ابو جعفر قمی صاحب الامر کا منشی تھا اور اس نے بہت سے مسائل شرعیہ کو حل کیا ہے،[1] اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سے احمد بن حسین نے بیان کیا کہ اصل نسخے سے میں نے ان مسائل پر واقفیت حاصل کی جن میں بین السطور دستخط تھے محمد بن حسن طوسی نے بھی کتاب الغیبۃ اور کتاب الاحتجاج میں ان جوابات کا ذکر کیا ہے، ابو العباس جعفر بن عبد اللہ بن جعفر قمی کے رقعے بھی اسی قسم کے ہیں، یہ دونوں قمیوں کا استاد اور سردار ہے، اور اس کے دوسرے بھائی حسین اور تیسرے بھائی احمد کے رقعات ایک ہی جیسے ہیں، ان تینوں بھائیوں کا دعویٰ تھا کہ صاحب الامر سے ان کی خط وکتابت ہے اور یہ کہ ہم مسائل شریعت انہیں سے حل کرتے ہیں، اور ان کے پاس مسائل کے جو جوابات ہیں وہ صاحب الامر ہی کی طرف سے ہیں نجاشی اور دوسروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اسی ابو العباس نے ان رقعہ جات کو جمع کرکے ان سے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام "قرب الاسناد الی صاحب الامر" رکھا۔

علي بن سلیمان بن حسین بن جہم بن بکیر بن اعین ابو الحسین الرازی کے رقعے بھی اسی قماش کے ہیں، ان کے متعلق نجاشی کا کہنا ہے کہ یہ رقعہ جات صاحب الامر تک پہنچے اور ان پر دستخط ثبت ہیں۔

اب رہے بلا واسطہ کے رقعہ جات تو ایسے رقعات محمد بن علی بن حسن بن موسی بن بابویہ قمی کے ہیں جن کی صداقت پر خطوط ہی سے دلیل دیتا ہے، کہتا ہے کہ میں جواب طلب کوئی مسئلہ لکھ لیتا اور شہر قم سے باہر

1۔ قال النجاشي: أبو جعفر القمي كاتب صاحب الأمر، وسأله مسائل في أبواب الشريعة، قال: قال لنا أحمد بن الحسين: وقفت على هذه المسائل من أصلها والتوقيعات بين السطور. (صب العذاب على من سب الأصحاب، 1/ 302، ط: أضواء السلف، الرياض)

ہے درخت کے سوراخ میں رکھ آتا ایک دن رات اس کو وہیں رکھا رہنے دیتا دوسرے دن اس کو لے آتا تو اس مسئلہ کا جواب اس میں لکھا ہوا پاتا۔[1]

صاحب الامر اور گزشتہ ائمہ کی تحریرات جو شیعوں کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہیں، اور ان کے گمان میں وہ ائمہ کی دستی ہیں وہ سب ان کے نزدیک صحیح الاسناد روایات پر قابل ترجیح ہیں، چنانچہ ابن بابویہ فقیہ نامی کتاب میں باب الرجل یوصی الی رجلین میں جناب مقدس سے آنے والی تحریرات میں سے کسی تحریر کو نقل کر کے کہتا ہے کہ میرے پاس ابی محمد حسن بن علی کی یہ دستی تحریر موجود ہے، اور دوسری طرف محمد بن یعقوب کی کتاب کلینی میں جناب امام صادق کے سے ایک روایت مذکور ہے جو اس تحریر کے خلاف ہے، پھر اس نے وہ حدیث نقل کر کے کہا ہے کہ میں اس حدیث پر فتوی نہیں دیتا بلکہ میں اس تحریر پر فتوی دیتا ہوں جو میرے پاس حسن بن علی کی دستی موجود ہے۔

ان میں اگر عقل ہو تو وہ یہاں اس بات پر غور کریں کہ اس کا ثابت کرنا کیسے ممکن ہے کہ یہ تحریر امام ہی کی ہے کیونکہ ایک تحریر دوسری سے اکثر ملتی رہتی ہے، اور اس میں بناوٹ اور جعل سازی اتنی رواج پا چکی ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کے خط کی نقل کر کے اس شخص کے سامنے پیش کی تو وہ بھی چکرا گیا اور تمیز نہ کر سکا اور اس نے یہی خیال کیا کہ وہ اسی کی تحریر ہے، اور پھر اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد کون اس کی تصدیق کر سکتا ہے امام کی تحریر عمر بھر میں اگر کبھی کسی نے دیکھی بھی ہوگی تو ایک دو مرتبہ وہ بھی تبرکا اور بطور تبرک ایک دو دفعہ دیکھنے سے کیا دوسرے خطوں میں کوئی تمیز و فرق کر سکتا ہے، ایسا ممکن نہیں، چنانچہ اب خط کوفی میں اگر کوئی تحریر کسی کی نظر پڑتی ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تحریر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ہے حالانکہ ذریعہ شناخت کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی اب اس کی تصدیق ممکن ہے۔

اور پھر صاحب الامر کا خط جس کو کسی نے دیکھا ہی نہ ہو وہاں اس بات کا تو سوال ہی نہیں کہ اس کے

1۔ کان یزعم أنه یکتب مسألة في رقعة فیضعها في ثقب شجرة لیلا فیکتب الجواب عنها المهدي صاحب الزمان بزعمهم، فهذه الرقاع عند الرافضة من أقوى دلائلهم وأوثق حججهم. (الغدیر في الکتاب والسنة، 3/ 278، ط: دار الکتاب العربي بیروت لبنان)

دیکھنے پڑھنے کا اس کو اکثر واسطہ پڑا ہو گا جس پر خط کی شناخت و معرفت موقوف ہے۔

حاصل کلام ہے کہ دین کے احکامات ان موہوم اور دور از کار احتمالات سے ثابت کرنا کسی بے وقوف اور احمق ہی کا کام ہو سکتا ہے عقلمندوں کے نزدیک تو یہ پاگل پنے کی حرکت کے سوا کچھ نہیں اور امام کو ابھی تک حیات ماننا جب کہ تقریباً ہزار سال کا طویل عرصہ بیت چکا ہے اسی قسم کی حرکت ہے، اور لغو خیال ہے، کیونکہ اس زمانہ میں کسی انسان کی اتنی طویل العمری عادتاً محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام یا لقمان بن ماریا یا اس قسم کے حضرات کے مثال سامنے رکھنے اور اس پر قیاس کر کے حکم لگانے کی حرکت تو اس فرقہ کی مزید بیوقوفی ہو گی اس لئے کہ اگر اس قیاس سے یہ جتلانا مقصود ہو کہ ایسا ہونا ممکن ہے تو اس سے ان کی مطلب بر آری یوں نہیں ہو سکتی کہ اس امکان کا تو کوئی بھی منکر نہیں اور اگر غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ عمر کی اس قدر درازی عادتاً جائز ہے تو یہ بالکل غلط ہے خوارق عادت اور امور نادرہ پر قیاس کرنا جائز نہیں خصوصاً جب کہ اس میں بدن کی ساخت اور زمان و مکان کو بھی دخل ہو یہ تو بالکل ایسا ہی ہو گا کہ کوئی ولایت گرم سیر کو ولایت سرد سیر پر اور اس زمانہ کے لوگوں کو قوم عاد پر اور موسم سرما کو موسم گرما پر قیاس کر لے، اور ظاہر ہے اس زمانہ میں عمر کا اتنا دراز ہونا عادی امر تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تو ندرت سے اتنی لمبی ہو گئی چنانچہ اس زمانہ میں سو یا ایک سو بیس برس کی عمر ندرت میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے برابر کا حکم رکھتی ہے، اور لقمان بن عاد یا کی عمر ان کی دعا قبول ہو جانے کی وجہ سے خلاف عادت اتنی دراز ہوئی اور یہ کیا ضروری ہے کہ جو خرق عادت سابقہ نبیوں یا دوسرے مسلمانوں سے ظہور میں آیا وہ ہمارے پیغبر اور ان کی امت کے ائمہ سے بھی ظہور پذیر ہو، ورنہ پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حضرت نوح و حضرت لقمان علیہما السلام سے کم نہ ہوتی۔

اگر حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام کی درازی عمر کی بات صحیح ہو تو وہ بھی اس امت اور اس زمرے سے خارج ہیں اور پھر وہ فرشتوں کے حکم میں ہیں جس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں۔

ان سے احکام دین و اصول شریعت لینا اور واقعات و حادثات میں ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ولابدی نہیں اور اگر وہ اپنی زندگی پوشیدہ گزار رہے ہیں گزارتے ہیں کسی کو کیا پرواہ بخلاف امام وقت کے کہ امت کا کاروبار احکام شریعت کی حفاظت اور اوامر و نواہی کا اجراء، حدود و تعزیرات کا قائم کرنا، جمعہ و جماعت،

افواج اور لشکروں کی تیاری، کافروں اور سرکشوں کے ساتھ جنگ و قتال ہے، سارے امور ان کی تدبیر سے وابستہ اور ان کے احکام و فرامین پر موقوف ہیں اور پھر وہ نہ کسی کو نظر آتے ہیں نہ کسی سے ملاقات ہوئی ہے بلکہ کوئی نہ ان کو جانتا پہچانتا ہے نہ ان کی آواز سنتا ہے، لوگوں نے ان پر افتراء اور بہتان باندھ لئے ہیں جعلی خطوط اور بناوٹی تحریریں بنابنا کر لوگوں کو ضلالت و گمراہی کے غار میں دھکیل رہے ہیں، یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوتوال شہر بنا کے یہ حکم دے کہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہو نہ کسی کو اپنی صورت دکھاؤ، نہ آواز سناؤ، نہ اپنے مسکن اور ٹھکانے کا لوگوں کو پتہ بتاؤ کہ وہ تم تک پہنچ نہ سکیں اور تمہارا سراغ نہ لگائیں، اب کوئی بتائے ہم بتائیں کیا؟ کیا یہ باتیں عقلمندوں کی ہیں؟ جہالت نے یہ سارے گل کھلائے ہیں۔

اگر طویل العمری کے بارے میں ابوریحان بیرونی، ابو معشر بلخی، ماشاء اللہ مصری، ابن شاذان سیجی اور دیگر اہل نجوم سے اگر یہ فرقہ دلیل لائے تو یہ باطل محض اور بے فائدہ بات ہے، اہل نجوم کہتے ہیں کہ اگر کسی کی پیدائش قران اکبر کی تحویل سے قریب ہو اور طالع، زحل یا مشتری کے دو خانوں میں سے کسی ایک میں ہو اور هیلاج (اصطلاح نجوم میں دلیل عمر آفتاب کا دن میں ہو یا ماہتاب کارات میں ہو اور خمسہ متحیرہ (آفتاب) و ماہتاب کے علاوہ سات ستاروں میں سے پانچ ستارے) تو یہ الحال اوتاد میں ناظر یا کدخدا بنظر تودد! تو ممکن ہے وہ بچہ قیران اکبر کے سالوں کے مطابق نو سو اسی شمسی سال زندہ رہے یا اسباب فلکی اگر اس کے خلاف بنائیں تو اس سے کچھ کم یا زیادہ رہ سکے۔

اول تو نجومیوں کی ہفوات کو شریعت کے اقتصادی امور میں دخل دینا پر لے درجہ کی بے دینی ہے دوسرے ان نجومیوں نے بھی کوئی حتمی و یقینی بات نہیں کہی عمر کی کمی زیادتی کو اسباب فلکیہ کے حوالہ سے کہا ہے اور ایک امکان کا ذکر کیا ہے، اور یہ سطور بالا میں معلوم ہو چکا کہ امکان سے کسی کو انکار نہیں، لیکن ہر ممکن کو یقینی، اور واقع ہونا، جانا یہ تو صحیح مالیخولیا اور جنون ہے یا اس سے بھی کچھ سواء۔

تیسرے تھوڑی دیر کو اگر ان باتوں کو مان بھی لیں تو باتفاق منجمین و مورخین اور بشہادت ان کتابوں کے جن سے ائمہ کی پیدائش کا پتہ چلتا ہے مثل کتاب اعلام الوری وغیرہ حضرت امام صاحب الامر کی پیدائش ایسے حالات و مواقع میں نہیں ہوئی۔

اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو امام مہدی علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں اول یہ کہ ان کی پیدائش شب برات 255ھ میں ہوئی بعد گزرنے چند ماہ قران اصغر سے کہ چوتھا تھا، قران اکبر کا جو قوس میں واقع ہوا اور طالع سرطان سے بچیس تھا، اور زحل قوس کے آٹھویں درجے اور بارہویں دقیقے میں مشتری رجعت میں تھا اور مریخ جوزا کے بیسویں درجے اور چونتیسویں دقیقے میں، اور زہرا جوزا کے پچیسویں دقیقے ہیں اور عطارد اسد کے چوتھے درجے اڑتیسویں دقیقے میں، اور قمر، دلو کے تیئسویں درجے اور تیرہویں دقیقے میں، اور راس، حمل کے انتیسویں درجے اور انسٹھویں دقیقے میں، اور ذنب، میزان کے انٹھائیسویں درجے اور انسٹھویں دقیقے میں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش 23 شعبان 255ھ بوقت صبح ہوئی آپ کا طالع سرطان پچیسواں درجہ اور ساتواں دقیقہ تھا، اور زحل عقرب کے بیسویں درجے اور اٹھارھویں دقیقے میں، مشتری و مریخ، حمل کے آٹھویں درجے اور چونتیسویں دقیقے میں، اور سورج، اسد کے اکیسویں درجے اور اڑتیسویں دقیقے میں اور زہرا، جوزا کے پچیسویں درجے اور سترہویں دقیقے اور چاند دلو کے تیسویں درجے اور تیرھویں دقیقے میں۔

لہذا اس سے پتہ چلا کہ دلائل فلکیہ آپ کی درازی عمر پر دلالت نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے خلاف کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور اس بات کو ماہر نجوم ان دونوں زائچوں کی روشنی میں بخوبی معلوم کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ یہ بھی ثابت نہ ہوا کہ آپ کی پیدائش تحویل قران اکبر کے نزدیک تھی، اور امام صاحب الامر کی پیدائش سے متعلق ان دو اقوال کے علاوہ کوئی اور قول نہ مروی ہے نہ منقول، بخلاف حضرت نوح علیہ السلام کے کہ باتفاق نجومی مؤرخین آپ کی پیدائش تحویل قران اکبر کے نزدیک تھی اور دلائل فلکیہ بھی آپ کی درازی عمر پر صاف دلالت کر رہے تھے چنانچہ نجومیوں نے آپ کے زائچہ ولادت کی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے، پھر قطع نظر ان سب باتوں کے دلائل قطعیہ عقلیہ بھی ایسے موجود ہیں جو امام صاحب الامر کی درازی عمر کو خود اصول شیعہ کے مطابق رد کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر ان کو نہ مانیں تو اللہ تعالی کی طرف ترک واجب کا الزام آتا ہے کہ ایک طرف تو آپ کو اس کے باوجود کہ آپ حکمرانی اور امور امت کو سرانجام دینے میں سب سے زیادہ قابل ولائق تھے، اہل دنیا میں مقبول نہیں بنایا بلکہ اس کے برخلاف اہل دنیا کو ان سے متنفر کیا اور اس حد تک کہ وہ آپ کے

قتل اور ایذا رسانی کے درپے ہو گئے جس کی وجہ سے آپ کو غیبت کبری سے پردہ میں چھپنا پڑا، اور دوسری طرف ظالموں کا فروں، اور فاسقوں کو آپ کے ہوتے ہوئے زمین پر مسلط کیا لہذا اصلح کی جو رعایت اللہ تعالی پر واجب تھی اس نے ترک کردی۔

اس کے ساتھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف امر قبیح کی نسبت بھی کی (نعوذ باللہ) کہ ایک ایسے شخص کے ہوتے ہوئے جو امامت اور ریاست کے قابل ہو دوسرے کو جو قطعی نااہل ہو ملک و سلطنت اور امور دنیا پر تصرف دے دینا سراسر قبیح ہے، پھر ایک شخص کو امامت بخشا اور اس کو غائب و روپوش ہو جانے کا بھی حکم دینا اور ادھر لوگوں کو مجبور کرنا کہ اس پوشیدہ اور روپوش شخص سے جس کے نام کے سوا وہ اس کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں احکام دین کی تحقیق کریں اور مشکلات دنیا میں اسی کی طرف رجوع کریں اور جملہ امور، تقسیم ملک و غنیمت، فوجوں کی تیاری، شہروں کا فتح کرنا جنگ و صلح سب اسی کی صوابدید پر کریں تو یہ سب تکلیف مالا یطاق ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ ہم نے جبرائیل کو تمہارا امام بنایا اپنے تمام دینی مسائل انہی سے سیکھو اور کوئی دنیاوی کام بغیر ان کی مرضی کے نہ کرو تو ہر عقلمند ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کرتا اور ہر دو کو تکلیف مالا یطاق سمجھتا ہے جو بالاجماع محال ہے، اور ایسے امام کو مقرر کرنا ہی عبث اور بے فائدہ ہے کہ جس کی ذات سے امامت کے فوائد سرے سے ظہور پذیر ہی نہ ہوں، فرض کریں کہ کوئی فرقہ عنقا کو اپنا امام مان کر اپنے کو فرقہ عنقائیہ کہنے لگے تو اس کے مذہب کو کوئی کیسے باطل کرے اور ایک عبث فعل کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرنا انتہائی قبیح ہے جس کی نفی اللہ تعالی کی ذات سے کرنا خود شیعوں کے نزدیک بھی واجب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان لوگوں کے خیال فاسد کے رد اور بطلان پر دلائل اتنے ہیں کہ دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں مگر چونکہ یہ ضمنی بحث کا مقام ہے اور اس موقعہ کی مناسبت سے جتنا کچھ تحریر ہوا وہ حق کے متلاشی اور انصاف پسندوں کے لئے ان شاء اللہ کافی ہو گا اس لئے اب اسپ قلم کی باگ اس میدان سے موڑ کر موضوع باب کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان کے راویوں میں سے بعض نے ایسی چیز کی بھی روایت کردی ہے جس کو قطعی اور عقلی دلائل محال قرار دیتے ہیں پھر بھی یہ اس کی کمزوری پکڑنے کے بجائے اس کی روایت کو قبول کر لیتے اور اپنی مہر تصدیق ثبت

کر کے خود کو بھی اس راوی کی سطح پر لے آتے ہیں، مثلاً ابو بصیر نے امام صادق رحمہ اللہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے۔[1]

یہاں تک شیعوں کے اخبار و رجال کے حالات بطور نمونہ مشتے از خروارے بیان کر رہے تھے، اب مناسب اور ضروری معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے بقیہ دلائل کا بھی اجمالی جائزہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیں تاکہ ان پر ان دلائل کی حقیقت بھی منکشف ہو جائے اور ان کے جملہ استدلات کی کمزوری مجموعی طور پر ان کے علم میں آ جائے اور وہ ان کے جزئی و تفصیلی دلائل کو انہی بیانات کلیہ کی کسوٹی پر پرکھ کے ان کے کھوٹے اور ناکارہ ہونے کا بخوبی اندازہ لگالیں۔

1۔ وسئل عليه السلام: كيف أصبحت؟ فقال: أصبحت وانا الصديق الأول والفاروق الأعظم، وانا وصي خير البشر، وانا الأول وانا الآخر وانا الباطن وانا الظاهر وانا بكل شئ عليم، وأنا عين الله، وانا جنب الله، وانا امين الله على المرسلين- (مناقب آل أبي طالب لابن شهرآشوب، 2/ 205، ط: المطبعة الحيدرية النجف)

تتمہ باب چہارم

شیعوں کے بقیہ دلائل

واضح رہے کہ ان کے نزدیک دلیل کی چار قسمیں ہیں، کتاب، خبر، اجماع اور عقل۔[1]

پہلی دلیل کتاب

کتاب یعنی قرآن مجید تو ان کے خیال میں قابل استدلال نہیں، کیونکہ اس کے قرآن ہونے پر اسی وقت اعتماد کیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ امام معصوم کے واسطے سے پہنچے اور ائمہ کے واسطے سے پہنچا ہوا کوئی قرآن ان کے پاس موجود نہیں اور مروجہ قرآن ان کے گمان میں ائمہ کے نزدیک معتبر نہیں تھا اور انہوں نے نہ اس کو قابل استدلال یا حجت کے قابل جانا، چنانچہ یہ سب کچھ کلینی اور ان کے دوسری کتابوں سے نقل ہوگا کتاب کے متعلق ہم نے جو ان کا گمان بیان کیا ہے تو ہمارے اسی قول کا ثبوت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہو سکتا ہے۔

اول امامیہ کی ایک بڑی جماعت نے اپنے ائمہ سے روایت کی ہے کہ کلمات قرآن منزل میں تحریف کی گئی ہے اور نہ صرف آیتیں بلکہ صورتیں تک حذف کر دی گئیں ہیں، اور ترتیب اصلی میں بہت کچھ فرق آچکا ہے اور اب جو نسخہ دستیاب ہوتا ہے وہ مصحف عثمان رضی اللہ عنہ ہے کہ انہوں نے سات نسخے لکھوا کر عالم میں اس کی اشاعت کروائی جو اصلی ترتیب و وضع کے قرآن کو پڑھتا اس سے مارپیٹ کرتے اور ڈراتے دھمکاتے اس لئے مجبوراً سب اہل دنیا نے اس مصحف پر اجماع کر لیا اور یوں یہ قرآن قابل استدلال اور لائق تمسک نہ رہا نہ اس کی عبارت و الفاظ عام و خاص قابل اعتماد ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ احکام جو اس وقت قرآن میں موجود ہیں سب کے سب یا اکثر ان آیات و سورے منسوخ یا مخصوص ہوں جو قرآن سے خارج کر دی گئیں۔[2]

1۔ أن أدلة الفقه عند الشيعة أربعة الكتاب والسنة والاجماع ودليل العقل۔ (أعيان الشيعة، 1/ 112، ط: دار التعارف للمطبوعات بيروت)

2۔ شیعہ مذہب کے ایک بہت بڑے عالم حسن بن محمد تقی النوری الطبرسی نے 1292ھ میں ایک کتاب "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب" نامی لکھی ہے جو تقریباً 400 صفحات پر مشتمل ہے اس میں سینکڑوں دلائل اس بات پر قائم کئے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر

دوسرے یہ کہ اس قرآن کو نقل کرنے والے بلاشبہ توریت و انجیل کے نقل کرنے والوں کی طرح تھے کہ بعض تو اہل نفاق تھے مثل کبار و سربر آوردہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعض زمانہ سازی دنیا طلب دین فروش، جیسے عام صحابہ بجز چار کے جو مال اور عہدوں کے لالچ سے اپنے سرداروں کے پیچھے ہوئے اور مرتد ہو گئے، سنت رسول کو خیر باد کہا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھی، اس کی کتاب تحریف کر ڈالی اور اس کے کلام کو بدل ڈالا مثال کے طور پر "من المرافق" کی جگہ "الی المرافق"[1] بنا دیا اور "ائمة هی ازکی من ائمتکم" کی جگہ "امة هی اربی من امة"[2] لکھ دیا اسی طرح اور بھی، چنانچہ دعائے "صنمی قریش"[3] میں جس کو یہ قنوت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کہتے اور متواتر خیال کرتے ہیں اس کا ذکر ہے، اس کا کچھ بیان باب دوم میں گزر چکا ہے۔

لہذا جس طرح توریت و انجیل کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ عقیدہ و عمل کی کوئی بات لی جا سکتی ہے گویا ہر دو نا قابل تمسک ہیں، اسی طرح قرآن موجود سے بھی تمسک مشکل ہے، اور جس طرح ان دونوں

قسم کی تحریف ہوئی ہے، بعض شیعہ علماء نے تقیۃً تحریف کا انکار کیا ہے لیکن اصح قول کے مطابق شیعہ قرآن میں تحریف کو ثابت مانتے ہیں: ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن کلاما و مادة و اعرابا و التصدیق بها (فصل الخطاب، ص31، الانوار النعمانیة، ج2، ص357)

1 - عن سهل بن زياد عن علي بن الحكم عن الهيثم بن عروة التميمي قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن قوله تعالى: "فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق" فقال: ليس هكذا تنزيلها إنما هي فاغسلوا وجوهكم و أيديكم من المرافق. (تهذیب الاحکام، للطوسی، 1/ 57، الناشر دار الکتب الاسلامیة تهران)

2 ـ ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا تتخذون أيمانكم دخلا بينكم أن تكون " أئمة هي أزكى من أئمتكم، قال: قلت: جعلت فداك أئمة؟ قال: إي والله أئمة قلت: فانا نقرء أربى، فقال: ما أربى؟ (الأصول من الكافي، باب الإشارة والنص على أمير المؤمنين عليه السلام، 1/ 292، ط: دار الكتب الاسلامية)

3 ـ شرح احقاق الحق للمرعشي، 1/ 338، مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم إيران و بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 82/ 260، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان

کتابوں کے احکام قرآن مجید سے منسوخ ہوئے اسی طرح خود قرآن کی بہت سی چیزیں منسوخ ہو چکیں، اور ناسخ کو سوائے ائمہ کے کون جان سکتا ہے!

تیسرے یہ کہ نزول اعجاز قرآن کا ثبوت بلکہ خود نبوت کا ثبوت نقل کرنے والوں کی صداقت سے وابستہ ہے، جب ناقلین نبوت پیغمبر اتفاق سے ایسی جماعت ہو جنہوں نے اپنی لغو اغراض کی بنا پہ اس صریح حکم کو جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے روبرو دیا گیا تھا چھپادیا اور بوقت ضرورت کسی نے اس کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کی حتی کہ خاندان نبوت کا حق تلف ہوا اور اس اصول دین یعنی امامت کا تختہ الٹا جو در حقیقت نبوت کے ہم پلہ ہے تو ایسے لوگوں کی نقل پر کیسے اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکتا ہے، ان سے کیا بعید کہ کسی غرض فاسد کے لئے سب کے سب یک زبان ہو گئے کہ فلاں نبی تھا، معجزے لایا اور اس پر قرآن اترا اور بلغاء عرب وعجم اس کے مقابلہ سے عاجز رہے اور حقیقت میں کچھ بھی نہ ہو۔

دوسری دلیل خبر

اب رہا خبر کا معاملہ تو اس کا بیان اسی باب کے اوراق ماسبق میں گزر چکا ہے، نئی بات یہ ہے کہ خبر کے لئے ناقل درکار ہے اور وہ ناقل یا شیعہ ہو یا غیر شیعہ، غیر شیعہ تو درجہ اعتبار سے یوں گر گئے کہ ان کا پہلا طبقہ جن پر ان کی سندیں ختم ہوتی ہیں مرتد ہو گیا، اور منافق ومحرف کتاب اور خاندان رسول ﷺ کے دشمن گزرے ہیں، رہے شیعہ تو یہ آپس میں خود اصل امامت، اس کی تعیین اور ائمہ کی تعداد میں شدید اختلاف رکھتے ہیں۔

کتاب چونکہ ان امور میں ایسا ثبوت بہم پہنچانے سے ساکت ہے جو مخالف پر چسپاں ہو سکے اس لئے لامحالہ ان میں سے کسی ایک کے قول کا ثبوت خبر سے ہی ہو سکتا ہے، تو اگر خبر کا ثبوت بھی نیز اس کی حجیت اس قول پر موقوف ہو تو یہ صاف دور ہو گا یعنی قول کا ثبوت خب سے اور خبر کا ثبوت قول سے، اور دور باطل اور غلط ہے، اور پھر یہ بات بھی ہے کہ خبر کا حجت ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ معصوم کا قول ہو یا کسی معصوم کا قول بھی کسی معصوم کے واسطے سے پہنچا ہو اور اس شخص معین کی عصمت پھر اس خبر پہ موقوف ہے کیونکہ کتاب تو ساقط ہے ہی عقل بھی ثبوت سے عاجز فرماندہ ہے اسی طرح معجزہ کا ثبوت بھی خبر پر موقوف ہے اس لئے کہ ہر شخص تو بذات خود معجزہ دیکھتا ہی نہیں۔

یہی حال اجماع کا ہے کہ غائبین تک اجماع کی نقل میں خبر ہی ذریعہ لازم اور ضروری ہے اور اس کے حجت ہونے کا مدار بھی اسی پر ہے کہ اس میں معصوم کو دخل ہے اور شخص معین کی عصمت اس معصوم کی خبر سے یا کسی دوسرے معصوم سے جو اس کے واسطے سے ہو ثابت کرنا خلاف اور واضح دور ہے، علاوہ ازیں خبر کی حجت نبی کی نبوت اور امام کی امامت کے ثبوت پر موقوف ہے وہ کیسے ثابت کی جاسکتی ہے؟

غرضیکہ خود شیعوں کے نزدیک تواتر سے بھی اعتماد اٹھ گیا اور وہ بھی معتبر نہیں رہا، اس لئے کہ واقعہ کی پوشیدگی عدد تواتر سے ظہور میں آئی اور یہ حال غیر واقع کا ہے، اس کے علاوہ اخبار آحاد تو وہ اس قسم کے مطالب میں قابل لحاظ نہیں لہذا اب خبر سے استدلال کسی صورت بھی ممکن نہ رہا۔

تیسری دلیل اجماع

اب رہا اجماع تو اس کا بطلان تو سب شقوں سے زیادہ ظاہر ہے و باہر ہے، کیونکہ اجماع کا ثبوت موقوف ہے نبوت و شرع کے ثبوت پر اور جب یہ دونوں ہی اپنے ثبوت کے لئے معرض شک میں ہوں تو اجماع کا ثبوت کیسے ہو گا؟ اور پھر اجماع بذات خود حجت ہے نہیں وہ تو معصوم کے قول کے دخل کی وجہ ہے،[1] اور اس کا معصوم ہونا اور تعین تشخص کہ وہ ایسا کون ہے اور پھر اس کا قول کون اور کیسا شخص بیان کر رہا ہے؟ یہ سب ہی باتیں ابھی موضوع بحث و تفتیش میں ہیں، تو اجماع کے ثبوت کا سوال ہی کہاں رہا؟

قطع نظر اس کے صدر اول و دوم کا اجماع جبکہ ابھی امت میں اختلافات رونما نہیں ہوا تھا یوں غیر معتبر ٹھہرا کہ ان شیعوں نے ان امور خلافت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، حرمت متعہ، تحریف کتاب، منع از میراث پیغمبر، امام حق کو حق سے محروم کرنے اور تعلقات خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غصب کرنے پر اجماع کر لیا، تو اب اس وقت کا اجماع جب کہ امت اختلاف کا شکار ہو کر فرقہ فرقہ ہو گئی، کس طرح معتبر ہو اور یوں بھی مختلف فیہ مسائل میں کہ جن میں استدلال و حجت کی سخت اور خصوصی ضرورت و احتیاج ہے، پھر امت اجماع میں معصوم

1۔ الاجماع عند الشيعة ليس حجة بنفسه بل إما لدخول المعصوم في المجمعين أو لكشفه عن رأيه من باب استكشاف قول الرئيس بقول اتباعه أو عن وجود دليل معتبر، فهو في الحقيقة داخل في السنة. (أعيان الشيعة، 1/ 112، ط: دار التعارف للمطبوعات بيروت)

کا دخل ہونایا اس کا تمام امت کے قول کے مطابق ہونا سب کچھ خبر ہی سے ثابت ہوتا ہے اور خبر کا تعارض، تساقط اور ضعف جیسا کچھ ہے وہ عیاں وظاہر ہے۔

اور ہر مسئلہ مختلف فیہ میں اجماع کا نقل و حوالہ خصوصیت سے ایسا امر ہے کہ جو کبھی واقع نہیں ہو سکتا اور علماء شیعہ خصوصاً اثنا عشریہ کا یہ حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب و تردید میں لگے ہوئے ہیں، ایک فرقہ اگر اپنے فرقہ کا اجماع نقل کرتا ہے تو دوسرا اسے جھٹلاتا ہے اور تکذیب کرتا ہے، تو جب صرف ایک فرقہ امامیہ کا اجماع جو شیعوں ہی کا ایک فرقہ ہے شیعوں کے دوسرے فرقہ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا تو پوری امت کے اجماع کو ثابت کرنا تصور تک میں نہیں آسکتا۔

اس کی وضاحت ذیل کی مثالوں سے اچھی طرح ہو جائے گی مثلاً "سبل السلام الی معالم الاسلام" کا مصنف حدیث عقل کے ذیل میں کہتا ہے:

> كلام الشيخ ابي الفتح الكراجكي في كنز الفوائد يدل على اجماع الأمامية على البداء وانه من خصائصهم وانكرهوا سائر الفرق وكلام الحلي في النهايه والتهذيب وكشف الحقائق يدل على الاصرار في الانكار[1]
>
> شیخ ابوالفتح کراجکی کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ کا مسئلہ بدا و پر اجماع ہے اور یہ مسئلہ ان کے خصائص میں سے ہے (مگر یہ غلط ہے) کیونکہ تمام فرقوں نے اس سے انکار کیا ہے بلکہ علی نے نہایا، تہذیب اور کشف الحقائق میں اس انکار پر اصرار کیا ہے۔

اسی طرح ان کے شیخ شہید ثانی نے ایک پوری فصل صرف اس لئے رکھی کہ ان کے شیخ نے جابجا فرقہ کے اجماع کا دعوی کیا ہے، حالانکہ دوسری جگہ اس نے خود ہی اس کے خلاف رکھا ہے، اس فصل سے مختصر سا حوالہ ہم یہاں تحریر کئے دیتے ہیں۔

1۔ لیکن بقول مجلسی کے فرقہ امامیہ کا اجماع حجت ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں: والدليل على ذلك إجماع الفرقة المحقة الامامية على ذلك، و إجماعهم حجة-(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 8/ 368، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

قال فصل فيما يشتمل على مسائل ادعى الشيخ الاجماع فيه افردناها للتنبيه على ان لا يعتبر الفقيه بدعم الاجماع فقد وقع فيه الخطا والمجاز كثيرا من كل واحد من الفقهاء سيما من الشيخ مرتضى فيما ادعى فيه الاجماع من كتاب النكاح دعواه في الخلاف الاجماع على ان الكتابيه اذا اسلمت وانقضت عدتها قبل ان يسلم الزوج ينفسخ النكاح وقال في النهايه وفي كتاب الاحبار لا ينفسخ النكاح بينهما[1]

یہ فصل ان مسائل کے بیان پر مشتمل ہے جن پر اجماع ہونے کا شیخ نے دعویٰ کیا ہے حالانکہ پھر خود ہی اپنے دعویٰ کی تردید بھی کر دی ہم نے اس پر مستقل فصل اس لئے قائم کی کہ فقیہ ان کے اس دعوی اجماع پر اعتبار نہ کرے کیونکہ یہ شیخ اور اکثر فقہا ایسے دعویٰ میں خطاء لغزش کے مرتکب ہوئے ہیں خصوصیت کے ساتھ شیخ اور مرتضیٰ، مثلاً کتاب النکاح میں اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ اگر ایک کتابیہ عورت اسلام لے آئی اور خاوند کے اسلام لانے سے پہلے اس کی عدت ختم ہوگئی ہو تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا مگر نہایہ اور کتاب الاخبار میں لکھتا ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

اسی طرح ابواب فقہ میں سے ہر باب میں شیخ اور سید مرتضیٰ کی تردید کرتا ہے یہ رسالہ خاصا طویل ہے سو یا اس سے زائد مسائل اس میں درج ہیں۔

چوتھی دلیل عقل

اب رہ گئی عقل تو اس سے تمسک (حجت لانا) یا تو امور شرعیہ میں ہوگا یا غیر شرعیہ میں، امور شرعیہ میں تو اس فرقہ کے نزدیک عقل بالکل ہی غیر معتبر اور ناقابل تمسک و حجت ہے کیونکہ اسی سبب سے تو وہ قیاس کے منکر ہیں اور اسے حجت تسلیم نہیں کرتے۔[2]

1۔ كتاب الحدائق الناضرة في أحكام العترة الطاهرة، 9/ 368، ط: الحوزة العلمية في قم المقدسة

2۔ ودليل العقل عند الشيعة لا يدخل فيه القياس والاستحسان والمصالح المرسلة فكل ذلك ليس حجة عندهم كما مر. (أعيان الشيعة، 1/ 112، ط: دار التعارف للمطبوعات بيروت)

اور امور غیر شرعیہ میں اس کا قابل حجت ہونا اس پر موقوف ہے کہ وہ وہم، عادت، طبیعت کے شبہات سے پاک ہو اور صور واشکال میں ترتیب کی غلطی سے بری اور دور ہو اور ان سب باتوں کا علم امام کے ارشاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر فرقہ کے انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے چند چیزوں کو قبول کرتا اور بعض دوسری چند کا انکار کرتا ہے اور یوں گروہ انسان میں اصولی اور فروعی اختلاف پیدا ہوتا ہے، اب اس اختلاف میں محض عقل سے ترجیح کیسے ہو ورنہ تو پھر ترجیحات میں ہی جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گا اس لیے لامحالہ یہ ضروری ہے کہ عقل سے بالاتر فیصلہ کن ترجیحات دینے والی کوئی اور ہستی ہونی چاہیے جو ایک جانب کو درست اور دوسری جانب کو غلط ٹھہرا سکے اور اس قسم کی ہستی سوائے نبی یا امام کے اور کون ہستی ہے اور چونکہ ثبوت نبوت وامامت کا معاملہ ہی ابھی طے نہیں وہ معرض بحث ہی میں ہے اس لیے یہ عقل بھی بیکار ہو گئی اس سے بھی تمسک نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ بات یہ بھی ہے کہ عنوان گفتگو دلائل شرعیہ ہیں اور شرعی امور عقل کی رہنمائی سے ثابت نہیں کیے جا سکتے اس لیے کہ عقل ان کی تفصیلی علم سے بالاجماع عاجز ہے ہاں جب بذریعہ شریعت شارع سے اصلی حکم حاصل ومعلوم کر لیتی ہے تو دوسرے امور پر قیاس کر سکتی ہے مگر مقطع میں بات ہی یہ پھنسی ہے کہ قیاس کو یہ فرقہ باطل تسلیم کرتا ہے اسے نہیں مانتا ایسی صورت میں صرف عقل کو امور شرعیہ میں دخل دینے کا نہ جواز رہا نہ ہی راستہ! خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ قواعد وکلیات شرع ہی میں تردد واضطراب جاری ہو تو عقل کس کام آئے گی گھوڑے سے پہلے لگام کیسی؟ پہلے چھت تو بناؤ پھر نقش ونگار کرو۔

فائدہ جلیلہ عقلی دلائل وبراہین

واضح رہے کہ تمام عقلی دلائل کا ثبوت بدیہیات (بلا دلیل سمجھ میں آنے والی) کے اعتقاد پر موقوف ہے مثلاً سوفسطائی فرقہ ان تمام بدیہی مقدمات کو نہیں مانتے کہ ایک دو کا نصف ہے، نفی واثبات ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، نہ ایک کے ساتھ بیک وقت اٹھ سکتے ہیں، ایک جسم ایک ان میں دو جگہ نہیں پایا جا سکتا، جو حواس کی گرفت سے باہر اور غائب ہو اسے حاضر نہیں کہہ سکتے اور کسی چیز کا نام عین وہی چیز نہیں ہے یا ان جیسے اور بدیہی امور تو ایسے لوگوں کے نزدیک تو کوئی بھی دعوی عقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اور یہی حال شرعی دلائل اور دینی مقدمات کا ہے جو ملت حنیفیہ کے اس بات کے لیے لائے گئے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک تمام ادیان و مذاہب میں مسلم اور متفق علیہ رہے ہیں مثلاً اللہ ایک ہے وہ ایک رسول بھیجتا ہے جو معجزات اپنے ساتھ لاتا ہے فرشتے اللہ کے فرستادے ہیں جو مخلوق کے پاس آتے ہیں اور جو تبلیغ و ارسال میں جھوٹ و خیانت سے قطعی پاک ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کی تکلیف دیتا ہے جن پر ان کو قیامت کے دن اٹھنے پر جنت کی صورت میں ثواب یا دوزخ کی شکل میں عذاب دے گا۔

اور ملت حنیفیہ کے اصول و قواعد کا ثبوت شیعی طریقے پر تو ممکن نہیں تو پھر کوئی بھی دینی مسئلہ ان کے نزدیک دلیل سے ثابت نہیں تو گویا یہ شیعہ دین کے سوفسطائی ہوئے۔

اس اجمال و اختصار کی تفصیل اور تشریح یہ ہے کہ یہ لوگ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جو تمام اصول و قواعد کا منبع اور سرچشمہ ہے امیر المومنین و ائمہ رضی اللہ عنہم کی روایت اور واسطہ سے ثابت کرتے ہیں اور یہ بات عیاں اور اظہر من الشمس ہے کہ براہ راست روایت کرنا ان کو نہ امیر المومنین سے نصیب نہ ائمہ سے بلکہ واسطوں کے محتاج ہیں اور پھر وہ واسطے بھی ایسے ہیں جن کی تکذیب خود امیر المومنین و ائمہ رضی اللہ عنہم نے فرمائی ان کو متہم کیا اور حقیقت الامر یہ ہے کہ انہوں نے جس طرح نبوت کے متعلق روایت کی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور صورت و شکل کی بھی روایت کی اور یوں بزرگوں کا پر جھوٹ جوڑا اور پھر یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ شرائط امامت اور اس کے تعین میں اتنا شدید اختلاف رکھتے ہیں کہ اس کو رفع کرنا امکان سے باہر ہے ایسی صورت میں ان میں سے کسی ایک فرقہ کا جھوٹا ہونا یقینی ہو اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں کا تواتر جو کسی ناشائستہ غرض سے کسی جھوٹ کی اشاعت پر یک زبان ہو جانا جس طرح قرن اول کے مسئلہ خلافت پر قابل اعتماد بھروسہ نہیں ہے اور پھر ان کے نزدیک تو لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار یا چھ ہی قابل اعتبار ہیں تو صرف ان چار یا چھ کی روایات پر تواتر کا اطلاق کیسا اور بطور فرض محال اس کو مان بھی لیں تو چار یا چھ آدمیوں کی حدیث جس کو عام لوگ عقل سے بعید اور محال جانے یقین کو کس طرح مفید ہوں گی؟

سلیم بن قیس ہلالی نے کتاب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بہتوں نے امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کے سوائے چار کے سب صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے اور جناب صادق کی ایک روایت میں چھ کی تعداد آئی ہے۔[1]

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان شیعوں کے نزدیک مرتد، دین سے خارج فاسد اغراض رکھنے والے اور دروغ گو تھے لہٰذا ان کے خیال فاسد اور گمان غلط کے مطابق مرتدین کی یہ جماعت جو بھی روایت کرے مثلاً دعویٰ رسالت اس دعویٰ کے ثبوت میں معجزہ پیش کرنے، قرآن کے نزول قرآن کے مقابلہ میں فصحاء عرب کا عجز، جنت و دوزخ کے حالات، شرعی تکلیفات، نزول وحی و ملائکہ بلکہ گزشتہ انبیاء کی نبوت توحید کی دعوت، شرک سے روکنے والی ساری روایات مردود ہوں گی کیونکہ یہ ساری روایات آخر اسی جماعت کی توہین جنہوں نے اس وصیت کے خلاف پر اجماع کیا جو ایک لاکھ بیس ہزار پیغمبروں کے مجمع میں بااسرار و تاکید کی گئی تھی خصوصاً جبکہ اس جماعت کی روایت شیعوں اور ان کی ہم مشرف جماعتوں کے نزدیک حد تواتر کو بھی نہ پہنچی ہوں اور اس صدی میں یا مابعد صدیوں میں صرف شہرت اور اشاعت کو ان امور بالا کی صداقت کے لیے کافی سمجھا جائے تو یہ دینی امور میں کمال درجہ کی بے احتیاطی ہے کیونکہ یہ (سنی) اس صدی یا بعد کی صدیوں سب کے سب پیغمبر کے اوامر و نواہی کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہوں نے قرآن کی تحریف کر ڈالی، اور بہت سے ان احکام کو جو اللہ کی طرف سے نازل کئے حکم کے خلاف تھے ان صدیوں میں اتنا مشہور و معروف کر دیا کہ اصل شریعت کو بھی اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی، جیسے وضو میں پاؤں دھونے کا مسئلہ کہ اس نے اس درجہ شہرت پڑی کہ روزانہ پانچ وقت بے شمار اشخاص نے اس کو دیکھا اور سب غلط روایات کرتے چلے گئے، یہی حال موزوں پر مسح کا ہوا اور اسی طرح کی اور بدعتیں ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر ان کو رواج دینے میں اتنا زور لگایا کہ لوگ ان کو ہی اصل شریعت سمجھنے لگے، مثلاً سنت تراویح اور حرمت متعہ وغیرہ تو ایسی بے دین اور بے باک جماعت سے کیا بعید کہ انہوں نے امر نبوت اور نزول وحی و ملائکہ اور ذکر جنت و دوزخ پر لوگوں کو ڈرانے یا ترغیب دلانے کی غرض سے اتفاق و اجماع کر لیا ہو، اور تواتر اس وقت یقین پیدا کرتا ہے جب اہل تواتر اغراض فاسدہ سے پاک ہوں اور

1۔ ارتد الناس بعد الرسول صلى الله عليه وآله إلا أربعة قال سلمان: فقال علي عليه السلام :إن الناس كلهم ارتدوا بعد رسول الله صلى الله عليه وآله غير أربعة.(كتاب سليم بن قيس الهلالي،ص :162)

یہاں تو ان سنیوں کی ان گنت اور بے شمار اغراض موجود ہیں بہت ممکن ہے ان میں چند کسی اپنی پوشیدہ غرض کے تحت دعویٰ نبوت و اظہار معجزات کی روایات بیان کرتے ہوں اور دوسروں نے موافقت کے لالچ میں اور دین میں بے جا سستی کو کام میں لاتے ہوئے اور بغیر تحقیق کئے ان کو قبول کر کے شہرت دیدی ہو۔

اور اس کا بھی احتمال ہے کہ گذشتہ کاہنوں اور نجومیوں سے انہوں نے سن لیا ہو کہ قریش میں عبد مناف کی اولاد میں فلاں شخص کے ہاں فلاں نام کا بیٹا پیدا ہو گا، جو روئے زمین کا اور ان کے خزانوں کا مالک و متصرف ہو گا، تو ہر مفلس فاقہ کشی کا مداوا ڈھونڈتے ہوئے اور ہر عیاش طبع خطہ ایران کی نازک اندام پریزادوں سے لطف اندوزی کے ارادے دل میں چھپائے ہوئے اور ہر دنیا پرست مناظر قدرت کا دلدادہ کسری کے باغات قزوین و شیراز کی تفریح گاہوں، قیصر کے محلات و آسائش گاہوں کے خیالی لطف ولذت سے متاثر ہو کر اس قریشی لقب ہاشمی و مطلبی (فداہ اروا حنا) کے پیچھے لگ پڑے ہوں دوسری طرف یہودیوں کی بھی ایک جماعت اپنی پرانی کتابوں کے ذریعہ اس قصہ وواقعہ سے باخبر ہو کر توریت سے اس مدعی نبوت کی تائید میں کوئی نص نکال لائی ہو، اور توریت کے قصص واخبار کو فصیح وبلیغ عبارات سے آراستہ کر کے اس کو دے دیا ہو، گو ابھی خود توریت کا نزول اور اس کے قصص کی صداقت ہی موت وزیست کے خطرے اور گڑبڑی میں مبتلا ہے، اس کی موافقت یا مخالفت کیسے نتیجہ خیز ہو سکتی ہے؟

اول اول تو عرب کے جاہلوں نے ان اغراض کے سبب اتباع میں پیش قدمی کی پھر لوگ اندھادندھ غلطی پر غلطی کا شکار ہوتے ہوئے نفسانی خواہشات اور دنیاوی طمع ولالچ کے سبب مسلسل اس بھیڑ کے نقش قدم پر چلتے چلے گئے اور دھیرے دھیرے یہی غلط روی اور غلط رفتاری ایک دین ومذہب کی شکل اختیار کر گئی، چنانچہ شیعوں کے خیال کے مطابق اکثر امور شرعیہ میں یہی صورت پیش آئی۔

مثلاً شیعوں نے وضو میں پاؤں دھونے کے مسئلہ میں ہو بہو یہی شبہات واحتمالات پیدا کئے ہیں، جب کہ مسح کے مقابلہ میں پاؤں دھونے میں زیادہ مشقت اور تکلیف ہے، اور مشقت و تکلیف کے کام کو رواج دینے اور مشہور کرنے میں دنیا کا کوئی فائدہ نظر بھی نہیں آتا تو جن امور میں بظاہر آرام ہی آرام اور مزے ہی مزے نظر آتے ہوں وہاں تو ان کے لئے ایسے شبہات واحتمالات نکالنے میں بڑی آسانی اور زیادہ مواقع ہیں مثلاً معاملہ نبوت

۔ کہ وہ ریاست عامہ کا معاملہ ہے، جو دلچسپ بھی ہے اور دل پسند بھی، اور طمع و حرص کے لئے اچھی آماجگاہ بھی، ہزاروں لاکھوں اشخاص سرداری اور ریاست کے لئے اپنی جانیں تک دے ڈالتے ہیں اس کے لئے کوئی ایک بات یا ایک روایت پر یک زبان ہو جائیں تو کوئی تعجب بھی نہیں اور پھر جب اس جھوٹ کے لئے یہ تائید بھی مل جائے کہ جو ان سے آمادہ پیکار ہوا تو ذلت و خواری اور تباہی و بربادی کا شکار ہوا اور یہ ایسی تائید ہے کہ آئندہ آنے والے اپنے اسلاف کے ایسے حالات دیکھ کر اور معلوم کر کے ان کی روایت کی صداقت پر پختہ خیال ہو گئے۔

اور یہی وہ احتمالات و شبہات ہیں جو یہ شیعہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اہل مصر میں ان کی شہرت اور آئندہ آنے والی اہل سنت کی جماعتوں کے متعلق نیز ان کے اعتقادات کے بارے میں نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اسی قسم کے لوگوں کا تواتر مفید ہوتا تو پھر یہود و نصاریٰ کا تواتر بھی مفید ہونا چاہیئے، جب کہ یہود کا تواتر اللہ کی کتاب میں تحریف انبیاء کی مخالفت و تکذیب اور ان کی وصیتوں کو دین موسوی کی خاطر ٹھکرانے میں ان سنیوں سے بھی چند قدم آگے ہے اس لئے کہ یہودی بھی موسیٰ علیہ السلام سے بطریق تواتر یہ نص صریح نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تک آسمان و زمین قائم میں میری شریعت قائم رہے گی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں سنیچر کی تعظیم قائم رہے گی، یہی حال نصاریٰ کے تواتر کا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ نص صریح روایت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، اور یہ کہ انسانی رسالت ان کے آنے سے پہلے ختم ہو چکی۔

اب اس (سنی) جماعت کے پاس جو تحریف شدہ قرآن ہے اس کی وہی حیثیت ہے جو تعریف شدہ توریت اور انجیل کی ہے، کیونکہ اس میں سے بہت سی آیات اور متعدد سورتیں نکال دی گئی ہیں اس کے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا گیا ہے اور ترتیب کو بگاڑا ہے، اگر اس قسم کے متواتر قرآن سے ہم تمسک کر سکتے ہیں تو انجیل سے بھی تمسک ہو سکتا ہے اور انجیل مرقس میں جو صحاح ثانی میں انجیل ثانی ہے یہ نص موجود ہے اور چاروں انجیلیں ان کے نزدیک متواتر ہیں۔

قال غرس رجل اشجارا في ارضه وبنى احواليها الجدران وحفر فيها بئرا وبنى عليها بيوتا فلما كملت عماره البستان اودعه عند الزارع فراب الى بلد اخر واقام بها فلما حان ان ينضج حظ الثمار ارسل عبدا من عبيده الى الزراع لياخذ اثماره

فلما جاءه واراد ان ياخذ ثمره ضربوه وارسلوه خائبا ثم ارسل عبدا آخر فاذوه
واضربوه وعدموه وشجوا راسه ثم ارسل اخر فقتلوه فكان يرسل اليهما عبيده
تترا فيضربون بعضهم ويقتلون بعضهم فكان له ابن واحد يحبه ولم يكن له ولد
سواه فرسله اليهم فلما راه الكفار قال بعضهم لبعض هذا الذي يرث بعده الجنه
فهلموا فقتله ونرث البستان فوثبوا عليه فقتلوه فلا جرم يغضب عليه صاحب
الحائط ويرجع اليهم وينزعه من ايديهم ويدمر ويضعه عند آخرين[1]

ایک شخص نے اپنی زمین میں درخت لگائے اس کے گرد چار دیواری بنائی اس میں کنواں کھدوایا اور عمارات بنوائیں جب باغ کی عمارات مکمل ہو گئیں تو وہ باغ کاشتکاروں کے حوالہ کر کے خود کسی اور شہر میں جا بسا جب باغ پھل سے آیا تو اپنے ایک غلام کو کاشت کاروں کے پاس بھیجا کہ باغ سے پھل لے آئے جب غلام وہاں پہنچا اور پھل لینے کا ارادہ کیا تو کاشتکاروں نے اسے مار پیٹ کر نکال دیا اس نے پھیر اپنا دوسرا غلام بھیجا انہوں نے اسے زدو کوب اور لہولہان کر دیا اور سر پھاڑ دیا اس نے تکبیر غلام بھیجا تو اس کو قتل کر دیا، وہ اسی طرح غلام پر غلام بھیجتا اور یہ بعض کو مار پیٹ کر نکال دیتے اور بعض کو قتل کر دیتے اس شخص کا ایک ہی بیٹا تھا جس سے اسے بہت محبت تھی اس کے سوا دوسرا بیٹا بھی نہ تھا اس نے اسے بھی بھیجا جب کاشتکاروں نے لڑکے کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ اس باغ کا وارث و مالک یہی لڑکا ہو گا آؤ اسے قتل کر دیں تا کہ پھر ہم ہی اس باغ کے مالک بن سکیں پس سب مل کر اس پر پل پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا اب اس کے بعد ظاہر ہے کہ یہی ہو گا کہ باغ کا مالک غصہ میں بھر کر خود ان کے پاس جائے گا باغ ان سے چھینے گا ان کو ہلاک کرے گا اور پھر باغ دوسروں کے سپرد کر دے گا۔

ان تمام تفاصیل سے یہی بات ثابت ہوئی کہ ملت حنیفیہ کا ثبوت و خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے ماننے

1۔ انجیل متی: باب 21، آیات 33تا46۔ انجیل مرقس: باب 12، آیات 1تا12۔ انجیل لوقا: باب 20، آیات 9تا19۔

پر ہو سکتا ہے اہلسنت کے اصول مذہب کا اتباع کئے بغیر ممکن نہیں کیونکہ وہ ان اصول کو ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے حاصل کرتے ہیں، جو عشرہ مبشرہ، عبادلہ اربعہ اور مکثرین میں داخل اور اہل بدر اور اہل بیعت رضوان اور مہاجرین اولین ہیں، کہ جن کی سچائی اور صلاح عمل پر حق تعالی خود اپنی کتاب میں ان مختلف الفاظ سے گواہی دیتا ہے کہ " أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ "[1] سچے وہی ہیں، یا فرمایا "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ"[2] محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں تھے، اور اسی طرح بہت سی آیتوں میں ان کی شان میں خوشنودی ورضامندی کے کلمات ارشاد فرمائے ہیں مثلا: لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ[3] اللہ راضی ہوا مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان جیسی دوسری آیات!

پھر اہلسنت کے اسلاف نے قرآن و احادیث میں یہ نصوص پڑھ اور سن کر ان بزرگوں کے متعلق حالات کی واجبی چھان بین اور تحقیق کی تو یہ پھر بھی اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی یہ سب کے سب سچے عقیدہ والے اور نہایت محبت ورسوخ والے مخلص اور عدول تھے، اس روشن شریعت کے جھنڈوں کو بلند کرنے میں کسی کوکوتاہی سے کام نہیں لیا، نہ اس میں سستی اور غفلت سے کام لے کر ملت حنیفیہ کے احکام کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا، خدا کی کتاب کو اپنے کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھا، دین الہی کی غور وپرداخت اپنے آپ سے بڑھ کر کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو نہ صرف عبادت کی حیثیت دے کر ہی مضبوطی سے کاربند رہے، بلکہ آپ کی عادات کو بھی عبادات ہی کی طرح اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کبار صحابہ کے فیض صحبت سے متاثر ہو کر اور ان کے سیاسی تدبر اور انتظام کے تحت یہی طریق زندگی اختیار کیا، اسی طرح ان کی صحبت اور ان کے انوار کی کرنوں سے فیض یاب ہو کر

1۔ سورۃ الحجرات، الایۃ: 15

2۔ سورۃ الفتح، الایۃ: 29

3۔ سورۃ الفتح، الایۃ: 18

تابعین ؒ بھی اسی وطیرہ زندگی کو تھامے اور عمل پیرا رہے اور صدی بعد صدی یہ طریقہ یونہی جاری وساری رہا، بلکہ ہوتا یوں رہا کہ سرداران عرب میں سے اگر کسی کا دل محبت رسول اللہ ﷺ سے خالی رہا تو وہ اپنی قوم کا سردار و مکھیا ہوتے ہوئے بھی ان کی نظروں میں حقیر و ہلکا ہی رہا، خلیفہ دوم کے ہاں اقرع بن حابس وغیرہ تو مجلس میں نشست کے لئے بڑی مشکل اور جتن سے جوتیوں میں جگہ پاتے تھے، جب کہ اہل ایمان کے فقراء و مساکین اور غلام مثلاً، صہیب، عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم، صدر مجلس ہوتے اختیارات کی تقسیم کے وقت قرابت ورشتہ داری کے لحاظ کی جگہ اسلام میں قدیم ہونے اور نبی کریم ﷺ کی صحبت اور رفاقت میں بلند درجہ ہونے کو باعث ترجیح جانتے پھر ان میں سے بہتوں نے کافی خون خرابے اور قتل وغارت، عزیز واقارب کے کٹ جانے اور کفر پر عرصے تک ڈٹے رہنے کے بعد جب قوی معجزے دیکھ لئے تو ایمان کے سامنے سرنگوں ہوئے اور اس کو قبول کیا، اگر کاہنوں، نجومیوں اور اہل کتاب کے قول کے مطابق مال ودولت اور عہدہ واقتدار کے لالچ میں ایمان لانا ہوتا تو وہ اتنی کشمکش میں پڑتے ہی کیوں شروع ہی میں ایمان لے آتے، اتنے عرصہ تک پیغمبر سے دشمنی مول لینے اور ان کو اذیت دے کر اپنی دنیا و آخرت خراب کرنے کی حماقت کیوں کرتے اور اپنے پیاروں کو کیوں قتل کراتے، اور کیوں اہل ایمان کے کاموں میں ابتری پھیلاتے اور ہل چل مچاتے۔

اور جب ایسے لوگوں کی روایت سے دعویٰ نبوت، ظہور معجزہ، نزول قرآن اور فصحاء عرب کا عجز بمقابلہ قرآن ثابت ہو تو اس پر یقین ہونا لازمی ہے کہ یہ سب واقعی ایسا ہی تھا، اور آپ کی صداقت وسلامت کا علم قرآنی و نبوی شہادت سے دور کی شکل میں نہیں تھا، جس سے کوئی خرابی لازم آئے بلکہ وہ محض اعتقاد کی پختگی اور یقین کی زیادتی کے طریقے پر تھا، ورنہ ان کی متواتر روایات کی صداقت کا اعتقاد اور ان کے طریقوں کی اتباع و پیروی کا لازم ہونا تو ان کے حالات کی تحقیق سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے۔

پس اگر شیعہ قرآن وحدیث رسول یا اجماع سے حجت لائیں تو لامحالہ وہ اپنی شیعیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اہل سنت کے اثر سے آلودہ ہو جائیں گے ورنہ ان کے تمسکات محض سراب کی چمک اور نقش بر آب کی طرح بے حقیقت اور بے اصل ہو جائیں گے، اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اصل شیعیت کی بنا پر ان کی کوئی بھی دلیل ٹھیک نہیں اتری، اور جب انہوں نے قرآن کے ماننے اور اصول ملت حنیفیہ کے قبول کرنے

میں اہلسنت ہی کا دامن پکڑا تو اب انہیں چاہیے کہ وہ تمام متواتر امور مثلاً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کا اختیار دینا ان کے فضائل و مناقب یا غسل رجلین اور مسح خفین، جو قرآن واصول ہی کی طرح متواتر ہیں انہیں بھی قبول کر لیں ورنہ یہ کیا بات ہوئی کہ کھائیں کسی کا اور شکریہ ادا کریں دوسرے کا، اس میں کوئی مزے داری نہیں۔

وجد و منع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است　　　　دشمن مے بودن و ہم رنگ مستان زیستن

اے زاہد یہ کیا ناشکری ہے کہ شراب کی ممانعت بھی اور وجد وحال بھی، شراب کا دشمن بھی اور بد مستوں کی طرح جینا بھی لہذا یہ فائدہ بہت ہی قیمتی اور مفید ہے، اسے معمولی سمجھ کر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

گزشتہ بابوں سے اس کا علم ہو چکا ہے کہ شیعہ مذہب کی تمام تر بنا اصحاب ائمہ کی روایات پر ہے اور آئمہ نیز ان کے اصحاب کے حالات سے اس کا بھی پتہ چلا کہ آئمہ کے اکثر اصحاب جھوٹے تھے، جن کے کذب و دروغ کی ائمہ نے خود شہادت دی،[1] اور کوئی امام ایسا نہیں گزرا کہ آنے والے امام نے اس کے کچھ اصحاب کی تکذیب نہ کی ہو اور سبب اس کا صرف یہ ہوتا تھا کہ یا تو وہ اس امام کی امامت کے قائل نہ رہے یا اس کے علاوہ دوسرے کسی کو امام مان بیٹھے یا وہ تردد اور شک میں پڑ کر سلسلہ امامت رک جانے کے قائل ہو گئے۔

ان حالات کے ہوتے بھی ان شیعوں کو اصحاب امام سے حسن ظن ہے، اور اسی وجہ سے وہ نہ امام وقت کی اور نہ امام لاحق کی تکذیب ذرہ برابر وقعت بھی دینے کو تیار نہیں اور ان سب روایات پر پورا پورا اعتماد بھی کر لیتے ہیں تو پھر کیا بات ہے کہ وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے حسن ظن رکھ کر ان کی روایات کو کیوں قبول کر نہیں لیتے جو تاثیر محبت میں ائمہ سے ہرگز روایات ائمہ کی روایات سے ٹکرائیں گی اور ان کو صحابہ کی صداقت پر

---

1 ۔ رجال الكشي :بالاسناد المتقدم عن سعد عن الطيالسي عن البطائني قال:سمعت أبا الحسن عليه السلام يقول: لعن الله محمد بن بشير وأذاقه الله حر الحديد، إنه يكذب علي، برئ الله منه وبرئت إلى الله منه، اللهم إني أبرأ إليك مما يدعي في ابن بشير اللهم أرحني منه.ثم قال: يا علي ما أحد اجترأ أن يتعمد علينا الكذب إلا أذاقه الله حر الحديد إن بنانا كذب على علي بن الحسين عليه السلام فأذاقه الله حر الحديد، وإن المغيرة بن سعيد كذب على أبي جعفر عليه السلام فأذاقه الله حر الحديد، وإن أبا الخطاب كذب على أبي فأذاقه الله حر الحديد، وإن محمد بن بشير لعنه الله يكذب علي برئت إلى الله منه.(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار،25/ 314، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

شک ہو گا مگر یہ کوئی ایسی اہم اور بڑی بات یوں نہیں کہ آراء اور روایات کا اختلاف و ٹکراؤ تو ہر امام کے اصحاب میں بھی ہوتا رہا ہے، اور یہ اختلاف و ٹکراؤ پھر بھی اصحاب ائمہ کی مرویات قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں بنا تو اصحاب رسول ﷺ کے حق میں قبول روایت سے مانع کیوں ہو گا؟

لہذا معلوم یہ ہوا کہ بات اصول و دیانت کی نہیں، بات صرف تعصب اور دشمنی کی ہے اور اس سے بھی زیادہ تاثیر صحبت رسول اللہ ﷺ کی اہانت و تذلیل کی ہے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم حالانکہ خود ائمہ کرام نے اصحاب رسول ﷺ کو باہمی تخالف میں محدود رکھا، اور ان حضرات کی صداقت بیان فرمائی اور یہ سب کچھ ان کی اپنی صحاح میں موجود ہے، لیکن اس تعصب کا کیا علاج جس نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں کو بہرا کر دیا چنانچہ کتاب کافی کلینی میں باب اختلاف الحدیث میں حذف اسناد کے ساتھ منصور بن حازم سے یوں روایت ہے:

قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: ما بالي أسألك عن المسألة فتجيبني فيها بالجواب، ثم يجيئك غيري فتجيبه فيها بجواب آخر؟ فقال: إنا نجيب الناس على الزيادة والنقصان، قال: قلت: فأخبرني عن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله صدقوا على محمد صلى الله عليه وآله أم كذبوا؟ قال: بل صدقوا، قال: قلت: فما بالهم اختلفوا؟ فقال: أما تعلم أن الرجل كان يأتي رسول الله صلى الله عليه وآله فيسأله عن المسألة فيجيبه فيها بالجواب ثم يجيبه بعد ذلك ما ينسخ ذلك الجواب، فنسخت الأحاديث بعضها بعضا.(1)

میں نے ابی عبد اللہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھوں تو آپ مجھے تو اس کا ایک جواب دیتے ہیں اور جب دوسرا شخص وہی مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کو آپ دوسرا جواب دیتے

1۔الأصول من الكافي، باب اختلاف الحديث، 1 / 56، ط: دار الكتب الاسلامية

ہیں، فرمایا کہ ہم لوگوں کو کسی زیادتی کے ساتھ جواب دیتے ہیں، پھر میں نے یہ کہا کہ ذرا یہ بتایئے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ آپ سے صحیح روایات کرتے ہیں یا جھوٹی تو فرمایا صحیح تو میں نے کہا کہ پھر انہوں نے اختلاف کیوں کیا، فرمایا کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا اور آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا آپ اس کو ایک جواب دے دیتے پھر اس کو اس کے بعد ایسا جواب دیتے جو پہلے جواب کو منسوخ کرتا اسی لئے بعض احادیث نے بعض کو منسوخ کیا۔

پھر حذف اسناد کے ساتھ محمد بن مسلم سے اور وہ ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا ہے:

قال: قلت له: ما بال أقوام يروون عن فلان وفلان عن رسول الله (صلى الله عليه وآله) لا يتهمون بالكذب فيجيء منكم خلافه؟ قال: إن الحديث ينسخ كما ينسخ القرآن[1]

اس نے کہا کہ میں نے پوچھا کیا بات ہے کہ بہت لوگ فلاں فلاں سے روایت کرتے ہیں، اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اور کسی کو جھوٹ سے متہم بھی نہیں کیا جاتا، پھر آپ اس کے خلاف فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قرآن کی طرح حدیث بھی منسوخ ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ قرآن پاک اور اہلبیت سے شیعوں کی مخالفت

یہ دوسرا فائدہ پہلے سے بھی زیادہ اہم ہے، ہم نے اس کو "سعادة الدارين في شرح حديث الثقلين" کے لقب سے ملقب کیا، اگر کوئی چاہے تو اس کو بعد کے پانچ ابواب کے ساتھ ملا کر الگ رسالہ بنالے۔

سعادة الدارين في شرح حديث الثقلين

واضح رہنا چاہیئے کہ شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی یہ فرمودہ حدیث صحیح ہے:

اني تارك فيكم الثقلين ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدي احدهما اعظم

1۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 2/ 325، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

من الاخر كتاب الله وعترتي اهل بيتي[1]

میں تم میں دو ر مرکز ثقل چیزیں بڑی قدر و منزلت والی چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو میرے بعد ہر گز نہ بھکو گے وہ ایک دوسرے سے اہم ہیں، یعنی اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور میری عترت میرے اہل بیت۔

لہذا معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام نے دینی معاملات اور شرعی احکام میں یہ دو عظیم القدر چیزیں ہمارے حوالہ کی ہیں، اب جو مذہب ان دونوں کا مخالف ہو وہ باطل اور نامعتبر ہے، اور ایسے ہی جو ان دونوں بزرگ مرتبہ چیزوں سے منکر ہے وہ گمراہ اور دین اسلام سے خارج ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا اور اس کی تحقیق کرنی ہے کہ دونوں فریق میں سے کون سا فرقہ ان دونوں مضبوط رسیوں کو تھامے ہوئے ہے اور کون سا ان کی تحقیر و اہانت کرتا اور ان سے روگرداں ہے، ان کو درجہ اعتبار سے گراتا اور ان پر طعن کرتا ہے برائے خدا اس بحث کو بہت توجہ اور غور سے نیز از راہ انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بہت انوکھی بات اور عجیب قصہ ہے جس طرح اس پوری کتاب میں سارے کے سارے حوالے شیعوں کی معتبر کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں اس بحث میں بھی یہی التزام ملحوظ رکھا گیا ہے، اور اسی کی پابندی کی گئی ہے۔

اب شیعہ عقیدہ کے مطابق کتاب اللہ موجود قرآن تو توریت و انجیل کی طرح معتبر اور قابل اعتماد ہی نہیں کیونکہ بقول ان کے اس میں تحریف کی گئی ہے، اس کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے ہیں اس کی بیشتر آیات اور سورتیں جو احکام کی ناسخ اور عمومات کی تخصیص کرنے والی تھیں چوری ہو گئی ہیں، باقی جو ہے اس کے بھی الفاظ بدلے ہوئے اور بعض الفاظ میں کمی بیشی کی گئی ہے، چنانچہ کلینی نے ہشام بن سالم سے روایت کی ہے اور اس نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ:

إن القرآن الذي جاء به جبرئيل (عليه السلام) إلى محمد (صلى الله عليه

---

1 ـ قال :إني تارك فيكم الثقلين ما إن تمسكتم بهما لن تضلوا كتاب الله وعترتي أهل بيتي-(وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، باب تحريم الحكم بغير الكتاب والسنة ووجوب نقض الحكم مع ظهور الخطا،27/ 34، رقم : 33144 ،ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث،و سنن الترمذي ، باب مناقب أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم، 6/ 131، ط: دار الغرب الإسلامي بيروت)

وآله) سبعة عشر ألف آية [1]

جس قرآن کو لے کر جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اس میں سترہ ہزار آیات تھیں۔

اور محمد بن نصر نے انہیں سے روایت کی ہے کہ:

في لم يكن اسم سبعين رجلا من قريش بأسمائهم وأسماء آبائهم [2]

کہہ دو کہ سورہ لم یکن میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع ولدیت درج تھے۔

اور سالم بن سلمہ کی روایت یوں ہے:

روي عن سالم بن سلمة قال: قرأ رجل على أبي عبد الله (عليه السلام) وأنا أستمع حروفا من القرآن ليس على ما يقرؤها الناس، فقال أبو عبد الله (عليه السلام): كف عن هذه القراءة اقرأ كما يقرأ الناس حتى يقوم القائم فإذا قام القائم (عليه السلام) قرأ كتاب الله عز وجل على حده [3]

اس نے کہا کہ میری موجودگی میں ابی عبداللہ کے پاس ایک آدمی نے قرآن کے ایسے الفاظ پڑھے جو اور لوگ نہیں پڑھا کرتے آپ نے وہ الفاظ سن کر اس سے کہا ٹھہر ان الفاظ میں قرآت کرنے سے اس وقت تک باز رہو جب تک امام مہدی نہ آجائیں اب تو جیسے اور لوگ پڑھتے ہیں تو بھی پڑھ ان کے آنے کے بعد کتاب اللہ کو صحیح طریق پر پڑھنا۔

اور کلینی نے نیز دوسروں نے جو روایت حکم بن عتبہ سے کی ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ:

علی بن حسین نے آیت" وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي " میں نبی کے بعد لفظ

---

1 ۔الأصول من الكافي، باب النوادر، 2/ 634 ، ط: دار الكتب الاسلامية

2 ۔الأصول من الكافي، باب النوادر، 2/ 631 ، ط: دار الكتب الاسلامية

3 ۔الأصول من الكافي، باب النوادر، 2/ 633 ، ط: دار الكتب الاسلامية

محدث بڑھا کر اسے تلاوت کیا اور کہا کہ جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ محدث وصاحب الہام تھے۔[1]

اور محمد بن جہم ہلالی اور دوسروں نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ "امة هی اربی من امة" اللہ کا کام نہیں بلکہ اس آیت میں تحریف ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تو "ائمة هی ازکی من أئمتکم" یہ امام تمہارے اماموں سے زیادہ پاک ہیں۔[2]

اور ان کے اپنے ہاں یہ بات ثابت وطے شدہ ہے اور مشہور ہے کہ بعض صورتیں پوری کی پوری حذف کر دی گئی ہیں مثلاً "سورة الولاية" اور بعض سورتوں کا اکثر حصہ مثل سورہ الاحزاب کہ وہ سورہ انعام جتنی طویل تھی اور اس سورت میں سے اہل بیت کے فضائل اور ان کی امامت کے مسائل نکال دیئے گئے، اور آیت "لا تحزن ان الله معنا" کے شروع سے "ویلك" تیرا ناس ہو،[3] اور آیت " وقفوهم إنهم مسؤولون" کے آخر سے "من ولاية علی" ساقط ہیں،[4] اور "ویلك بنو امية" کہ بنو امیہ کا ناس ہو آیت "خير من الف" کے آخر سے

1۔قلت:الامام ما منزلته؟ قال: يسمع الصوت ولا يرى ولا يعاين الملك، ثم تلا هذه الآية:وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي ولا محدث (الأصول من الكافي، باب الفرق بين الرسول والنبي والمحدث، 1/ 176، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا تتخذون أيمانكم دخلا بينكم أن تكون " أئمة هي أزكى من أئمتكم، قال:قلت: جعلت فداك أئمة؟ قال: إي والله أئمة قلت: فانا نقرء أربى، فقال: ما أربى؟ (الأصول من الكافي، باب الإشارة والنص على أمير المؤمنين عليه السلام، 1/ 292، ط: دار الكتب الاسلامية)

3۔ فقال لك رسول الله صلى الله عليه وآله :ويلك لا تحزن، فقلت: أخاف الموت، فقال: لا تموت إنما تنقض عليك، ساعة تنقض عهدي و تظلم وصيي؟(مدينة معاجز الأئمة الاثني عشر ودلائل الحجج على البشر، للسيد هاشم البحراني، 2/ 240، ط: مؤسسة المعارف الاسلامية)

4۔ عن الرضا، عن آبائه عليهم السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله في قول الله عز وجل: " وقفوهم إنهم مسؤولون " قال: عن ولاية علي عليه السلام-(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، باب قوله تعالى: وقفوهم انهم مسؤولون، 36/ 77، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

حذف ہے،[1] اور علی بن ابی طالب کو آیت "کفی اللہ المؤمنین القتال" کے بعد سے نکال دیا،[2] لفظ آل محمد کو آیت "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ" میں ظلموا اور ای کے بیچ میں سے نکال دیا،[3] اور لفظ علی تو آیت "لکل قوم ھاد" کے بعد سے حذف ہے،[4] چنانچہ ابن شہر آشوب نے المازندرانی نے کتاب المثالب میں ان تمام تحریفات کا ذکر کیا ہے اور ان آیات کے علاوہ بہت سے کلمات اور بے شمار آیات گنوائیں ہیں۔

پس ایسے حالات میں موجودہ قرآن اور توریت و انجیل میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں رہا اور ان کے نزدیک ان تینوں سے کسی بھی طرح تمسک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تحریف شدہ مسخ شدہ اور کسی نامعلوم الحال کی منسوخ کی ہوئی ہیں۔

اب رہا عترت کا معاملہ تو اہل لغت کا اسپر اتفاق ہے کہ لفظ عترت انسان کے اقارب پر بولا جاتا ہے اور یہ لوگ رسول ﷺ کے نسب کے سب افراد کو عترت سے خارج کرتے ہیں، مثلاً آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو،[5] اور بعض کو عترت میں شمار نہیں کرتے مثلاً آپ کے چچا حضرت عباس

---

1 ـ وأنزل عليه " إنا أنزلناه في ليلة القدر، وما أدريك ما ليلة القدر، ليلة القدر خير من ألف شهر " جعل الله عز وجل ليلة القدر لنبيه (صلى الله عليه وآله) خيرا من ألف شهر ملك بني أمية۔(الفروع من الكافي، باب في ليلة القدر، 4/ 159، ط: دار الكتب الاسلامية)

2 ـ وقيل: وكفى الله المؤمنين القتال بعلي عليه السلام وهي قراءة ابن مسعود۔(التبيان في تفسير القرآن، لشيخ الطائفة أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي، 8/ 331)

3 ـ فقال: [وسيعلم الذين ظلموا] آل محمد حقهم [أي منقلب ينقلبون]۔(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 31/ 579، ط: دار الرضا بيروت لبنان)

4 ـ والذي أنزل الله جل اسمه فيه: (إنما أنت منذر ولكل قوم هاد)، والله لقد نزلت: (وعلي لكل قوم هاد)، فأسقطتم ذلك۔(كتاب سليم بن قيس الهلالي، ص: 314)

5 ـ وصح لنا فيهما ما رواه مشايخنا من أهل العلم عن الأئمة من أهل البيت عليهم السلام وذلك أن الرواية صحت عندنا عنهم أنه كانت لخديجة بنت خويلد من أمها أخت يقال لها هالة قد تزوجها رجل من بني مخزوم فولدت بنتا اسمها هالة ثم

رضی اللہ عنہا کو اور ان کی اولاد کو،[1] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اکثر اولاد کو دشمن جانتے ہیں، اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں، مثلاً حضرت زید بن علی حسین رضی اللہ عنہم کہ بڑے متقی اور عالم تھے، جو مروانیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ان کے بیٹے حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دشمن خیال کرتے ہیں، یہی حال جناب ابراہیم بن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔[2]

اور جناب جعفر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو تو کذاب کے لقب سے یاد کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑے پایا کہ اولیاء اللہ میں سے تھے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے علم طریقت انہی سے سیکھا ہے ان کے بارے میں انہوں نے یہ غلط مشہور کیا کہ وہ حضرت جعفر صادق کے مرید تھے، اور جعفر بن علی امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کو کذاب کہتے ہیں اور حسن بن حسن مثنیٰ کے بیٹے عبد اللہ محض اور ان کے بیٹے محمد جن کو نفس زکیہ بھی کہتے ہیں یہ تینوں کو کافر اور مرتد کہتے ہیں اسی طرح ابراہیم بن عبد اللہ زکریا بن محمد باقر محمد بن عبد اللہ بن حسین بن حسن محمد بن قاسم بن حسن اور یحییٰ بن عمر کے زید بن علی بن حسین کے پوتوں میں سے ہیں سب کو کافر و مرتد کہتے ہیں۔[3]

اور سادات حسنیہ و حسینیہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے ایک جماعت کو جو جناب زید بن علی بن حسین کی امامت اور

خلف عليها بعد أبي هالة رجل من تميم يقال له أبو هند فأولدها ابنا كان يسمى هندا بن أبي هند وابنتين فكانتا هاتان الابنتان منسوبتين إلى رسول الله (ص) زينب ورقية من امرأة أخرى قد ماتت.(الاستغاثة،لابی القاسم الکوفی، 1/ 6)

1 ـ قال: فسمع ذلك الحسن بن علي (عليهما السلام) فبعث إليهما وهما في المسجد الحرام، فقال لهما: أما أنه قد بلغني ما قلتما إذ وجدتما جرادة، فأما أنت يا بن عباس ففيمن نزلت هذه الآية: ﴿لبئس المولى ولبئس العشير﴾ في أبي أو في أبيك؟ وتلي عليه آيات من كتاب الله كثيرا.(موسوعة كلمات الإمام الحسن (عليه السلام)ص: 254، ط: دار المعروف للطباعة والنشر)

2 ـ عن أبي جعفر عليه السلام قال: جاء رجل من أصحاب الحسن عليه السلام يقال له: سفيان بن ليلى--- فقال له الحسن عليه السلام: ما قلت؟ قال قلت: السلام عليك يا مذل المؤمنين---الخ -(الإختصاص للشيخ مفيد ، ص: 82، ط: الحوزة العلمية قم المقدسة)

3 ـ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں " الشیعة واهل البیت" مؤلفہ احسان الٰہی ظہیر، اہل بیت کی توہین، ص:85 تا آخر الکتاب، مطبوعہ: ادارہ دعوۃ الاسلام مئو ناتھ بھنجن یوپی ہندوستان۔

بزرگی کے قائل ہیں گمراہ قرار دیتے ہیں حالانکہ کتب انساب اور کتب تاریخ سادات اس پر بصراحت دلالت کرتی ہیں کہ اکثر اہل بیت حسنی و حسینی حضرت زید بن علی بن حسین علیہم السلام کی امامت وفضیلت کے قائل تھے اور اکثر اثنا عشری ان بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کافر و مرتد تھے اور یہ کہ یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے چنانچہ آگے چل کر باب معاد میں ان کی کتابوں سے سارے حوالے نقل کیے جائیں گے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک منکر امامت ایسا ہی ہے جیسا منکر نبوت! اور منکر نبوت کافر ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہے گا،[1] اس میں کسی کو کیا شک! اور یہ بزرگ حضرات امام وقت کی ہی امامت کے منکر نہیں ہوئے بلکہ بعض ائمہ گذشتہ کی امامت کے بھی منکر ہوئے۔

اثنا عشریہ کی ایک چھوٹی سی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ لوگ مثل حضرت عباس رضی اللہ عنہ اعراف میں رہیں گے، بعض کہتے ہیں کہ سخت عذاب بھگتنے کے بعد اپنے باپ دادا کی شفاعت سے عذاب سے نجات پائیں گے،[2] مگر یہ دونوں ہی قول لغو اور مردود ہیں ان کے اصول و قواعد کے موافق وہ پہلا ہی قول ہے کیونکہ کفار کے حق میں بالاجماع شفاعت مقبول نہیں اور اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ بھی نہیں پھر اعراف میں رہنے کی ان کی کوئی وجہ بھی نہیں کہ یہ تو امامت کے منکر تھے اور امامت کا منکر کافر ہوتا ہے اور کافر کی جگہ دوزخ ہی ہے اعراف نہیں، مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ لوگ یہ یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت رکھنے والا دوزخ میں نہیں جائے گا،[3] اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بزرگ امیر المومنین کو بلا اختلاف محبوب رکھتے ہیں۔

---

1 ـ وأيضا فنحن نعلم أن من حاربه كان منكرا لإمامته ودافعا لها، ودفع الإمامة كفر كما أن دفع النبوة كفر، لأن الجهل بهما على حد واحد. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 29/ 38، ط: دار الرضا بيروت لبنان)

2 ـ عن أبي جعفر (ع) قال: جاء رجل إلى أبي علي بن الحسين (ع) فقال له: إن ابن عباس يزعم أنه يعلم كل آية نزلت في القرآن في أي يوم نزلت وفيمن نزلت فقال أبي (ع): سله في من نزلت: " ومن كان في هذه أعمى فهو في الآخرة أعمى وأضل سبيلا "؟ ــــالخ ـ (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 22/ 289، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

3 ـ روى المجلسي في بحار الانوار : لا أعذب من والاه وإن عصاني (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 39/ 259، ط: مؤسسة الوفاء بيروت)

اب یہاں ذرا اس فرقہ کے ناصبیوں کا تماشا دیکھئے کہ ائمہ کرام کے جگر پاروں اور بھائیوں کی یہ کس قدر توہین و تذلیل کرتے ہیں اور اہل بیت کی معدودے چند ہستیوں مثل بارہ اماموں یا ان کے چند قرابت داروں کی محبت کی آڑ میں ہزاروں عیوب اور برائیوں کو ان کے سر تھوپتے ہیں اور خوارج سے بڑھ کر ان کی توہین و تذلیل کا ارتکاب کرتے ہیں، سچ ہے نادان دوست سے دانا دشمن بہر حال بہتر ہے، چنانچہ ان کی کتابوں اور روایات کے جائزہ اور چھان پھٹک اور تفتیش و جستجو سے ان سب برائیوں کا راز روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے لیکن یہاں ان کی کفر آمیز بکواس اور گندگی کے انبار در انبار سے بطور نمونہ چند باتیں تحریر کرتے ہیں۔

اول: یہ کہتے ہیں کہ امام وقت، صاحب عصر و زماں، امام مہدی، اس قدر بزدل ڈرپوک، خوفزدہ اور ترسیدہ ہیں کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے ڈر سے روپوش ہو گئے اور چھپے ہوئے ہیں ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر ان کو منظر عام پر آنے کی جرأت نہیں ہو رہی گو اس درمیان بڑے بڑے انقلاب برپا ہو چکے، عباسی حکومت کا تختہ الٹا، چنگیزی دنیا پر چھا گئے، پھر وہ مسلمان بھی ہوئے اور محب اہل بیت بھی ہوئے بلکہ بعض تو شیعہ مذہب کے بھی حلقہ بگوش رہے ادھر عراق و خراسان پر جو شیعوں کی کان اور ان کے لئے خطہ مردم خیز ہے صفویوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا اور دوسری طرف ہند و سندھ میں سلاطین دکن، بنگالہ، یورپ کی امامت و وزارت ان کے ہاتھ آئی۔

دوسرے: ان کی تمام کتابوں میں جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت موجود ہے "یا معشر الشیعة خدمة جوارينا لنا وفروجهن لكم"[1] غضب خدا کا بدباطن لوگ کتنی آسانی اور اپنے بزرگوں پر اس گندے بہتان کو تھوپنے میں کتنے جری اور بے شرم ہیں۔

تیسرے: یہ عترت رسول پر یہ تہمت دھرتے ہیں، کہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کے بارے میں

1۔ روافض میں سے خطابیہ کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے لئے جھوٹی قسم وغیرہ کو جائز اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لئے حلال سمجھتے ہیں:
الخطابية من الرافضة هم ينسبون إلى أبي الخطاب ولا أدري ممن هو غير أنه كان يأمر أصحابه أن يشهدوا على من خالفهم بالزور في الأموال والدماء والفروج وقال إن دماءهم ونساءهم لكم حلال-(المعارف ، لابن قتيبة : 623)

حضرت نے یہ کہا "هذا اول فرج غصب لنا"[1] کیسی جرات بے باکی اور آسانی سے یہ گندہ وبیہودہ کلمہ اپنی زبان سے نکال رہے ہیں ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیئے آپ دیکھیں تو سہی کہ اول تو پاکدامن سیدہ کے حق میں جو رسول کے بدن کا حصہ اور بتول کے جگر کا ٹکڑا ہے، یہ کسی قدر گستاخی اور بے ادبی ہے کہ ایسی نجس خصلت کا داغ اس پاکدامن پاک طینت پر لگاتے ہیں، پھر حضرت امیر و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی اس میں کس درجہ بے حرمتی اور بے عزتی ظاہر ہو رہی ہے، اور ایسے ہی حضرت صادق علیہ السلام کی شان میں ان نازیبا کلمات سے کتنی بے غیرتی کا ثبوت ملتا ہے، اول تو ایسے گندے ناشائستہ الفاظ بزرگ لوگ اپنی زبان پر لاتے ہی نہیں، پھر ایسے عضو بدنی کا لفظ جس کے نام و مسمی ہر دو شرمناک اور وہ بھی اپنے بزرگ اقارب کی نسبت کہ اوباش اور شہرہ بھی تو اس سے بچتا ہے، چنانچہ درانیوں کے ہنگامہ کے وقت عورتوں کی جو بے حرمتی ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ دہلی کے بازاری لوگ بھی اس شرمناک حیاسوز فعل کو زبان پر لانا اپنے لئے عار سمجھتے تھے چہ جائیکہ اس گندے واقعہ کا احتمال جگر پارہ رسول کی نسبت کو جبر واکرہ ہی ہو، کسی مسلمان کو کیا تاب کہ اس نازیبا بات کو زبان پر لائے۔

چوتھے: کہتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی صاحبزادیاں اور بہنیں کافروں اور فاجروں کے نکاح میں دیدیتے ہیں کہ حضرت سکینہ، مصعب بن زبیر برادر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اسی طرح اپنی قریبی مستورات کو کافر ناصبوں کے عقد میں دیتے ہیں جس کی تفصیل کتب انساب سادات میں شرح وبسط سے ملتی ہے۔

پانچویں: حضرت صادق علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید زمین پر پھینک دیا اور اس کی توہین کی اس طرح انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کو جلانے کا جو الزام لگایا ہے اس جیسا الزام خود حضرت صادق علیہ السلام پر لگاتے ہیں، چنانچہ کلینی نے زید بن جہم ہلالی سے ان الفاظ کی روایت کی ہے:

انه قراء ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا تتخذون أيمانكم دخلا بينكم أن تكون " أئمة هي أزكى من أئمتكم، قال: قلت: جعلت فداك أئمة؟ قال:

1۔ عن زرارة، عن أبي عبد الله (عليه السلام) في تزويج أم كلثوم فقال: إن ذلك فرج غصبناه. (الفروع من الكافي، للكليني، 5/346، ط: دار الكتب الاسلامية تيراز)

إي والله أئمة قلت: فانا نقرء أربى، فقال: ما أربى؟وأومأ بيده فطرحها اهانه[1]

پڑھی اور جب امة هي اربى من امة پر پہنچے تو اس کی جگہ ائمة هى ازكى من ائمتكم پڑھا

راوی کہتا ہے میں نے آپ سے کہا میں آپ پر قربان کیا یہ لفظ ائمہ ہے کہا ہاں خدا کی قسم میں نے کہا

کہ پڑھا تو اربی جاتا ہے فرمایا اربی کیا؟ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن مجید کو زمین پر پھینک دیا۔

چھٹے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نص سے ائمہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو ایمان کے بالکل منافی اور علامات مومن کے سراسر مخالف ہے، غرض اس سے یہ ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حوالہ سے ائمہ کے ایمان کو مشکوک اور اس میں رخنہ پیدا کریں اور یہ بات ثابت کریں کہ ائمہ اپنی پوری زندگی میں کسی خوف و خطر کے نہ ہوتے ہوئے بھی حق کو چھپانے اور باطل کو ظاہر کرتے (یعنی تقیہ) پر جمے رہے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی وہ نص متواتر جو کہ نہج البلاغہ میں موجود ہے یہ ہے:

الإيمان أن تؤثر الصدق حيث يضرك على الكذب حيث ينفعك[2]

جناب امیر نے فرمایا کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو اس وقت سچ نہ بولے جب سچ تجھے نقصان

اور جھوٹ فائدہ دیتا ہو۔

ساتویں: یہ کہ ائمہ سے بعض قرآنی آیات کی ایسی تفسیر نقل کرتے ہیں جو عربی قواعد نحو کے لحاظ سے بالکل ٹھیک نہیں ہوتی، غرض خفیہ وہی کہ ائمہ کی ثقاہت علمی کو مجروح کیا جائے، ایسی صورت میں لامحالہ سامع کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگی کہ یہ حضرات متون عربیہ اور قواعد نحو سے بھی نابلد ہیں یا اس طرح بعض ایسی تفاسیر نقل کرتے ہیں جن میں کلام کا ربط ناقص عبارت بے جوڑ ضمائر میں گڑبڑ اور سیاق سخن مختل ہو جاتا ہے اور جس کی وجہ سے ان حضرات کے کمال علمی کے بارے میں بدظنی پیدا ہوتی ہے۔

آٹھویں: ائمہ سے ایسی روایت نقل کریں گے جس سے معلوم ہو کہ وہ جہاد سے روکتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں

1۔ الأصول من الكافي، باب الإشارة والنص على أمير المؤمنين عليه السلام، 1/ 292، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔ نہج البلاغة، 4/ 105، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

جس تاکید اور پر زور الفاظ میں جہاد کا حکم دیا ہے، وہ ایک مکتبی بچہ سے بھی پوشیدہ نہیں، اس طرح یہ ثقلین میں اختلاف پیدا کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں اگرچہ خود ہی روایت بھی بیان کرتے ہیں اگرچہ خود ہی یہ روایت کرتے ہیں کہ:

لن يفترقا حتى يردا علي الحوض.[1]

جب تک یہ حوض پر آئیں گے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

لہذا اس عبارت سے صاف پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ لوگ میری عترت پر جھوٹ و افتراء جوڑیں گے اس لئے ہمیں ان جھوٹوں اور مفتریوں کے قول اور مذہب کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے ایک کسوٹی اور ایک معیار عنایت فرما گئے اور وہ ہے قرآن، کہ ہم ان لوگوں سے جو کچھ سنیں ان کو قرآن کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھ لیں ان کی جس روایت یا قول کی قرآن تصدیق کر دے اسے صحیح سمجھیں اور جس کی کسوٹی یہ تصدیق نہ کرے اسے جھوٹ اور افترا سمجھ کر جھوٹوں اور مفتریوں کے منہ پر ماریں۔ اور قرآن چونکہ متواتر ہے ہر وقت ہر جگہ ہر ایک کے پاس ہے یا اس تک رسائی آسان ہے پھر اس کی حفاظت کا انتظام خود اللہ تعالی نے ایسا فرما دیا ہے کہ بقول اس کے فرمان:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ.[2]

کہ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے پیچھے سے پھٹک سکتا ہے، وہ حکمت والے اور لائق تعریف اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

اس لئے وہی معیار اور کسوٹی مقرر کئے جانے کے لائق تھا بخلاف عترت کے کہ تقاضائے بشریت، موت، غیبت مکانی، بعد زمانی اور دوسرے ایسے عوارض ان میں موجود ہیں، جن کی وجہ سے دروغ گوئی، افترا پردازی اور بہتان تراشی کا دروازہ کھل سکتا ہے (اور ہوا بھی یہی کہ قرآن کے متعلق تو ان کی اڑائی ہوئی خاک نے انہیں کے منہ کالے کئے، مگر عترت کے ساتھ جس انداز اور طور طریقوں سے اپنا خبث نکالا اور جس جس طرح ان کی

1۔ وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة للحر العاملي 27/ 34، ط، مؤسسة آل البيت لإحياء التراث قم المشرفة.

2۔ سورة فصلت و الاية : 42

عزت کے در پے رہے وہی آپ یہاں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ از مترجم نعمانی)

نویں: یہ ائمہ کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں، کہ انہوں نے مطلقہ سے جماع جائز بتایا ہے، حالانکہ یہ تو صاف زنا کو جائز قرار دینا ہوا۔[1]

دسویں: عین ادائیگی نماز کی حالت میں مردانہ مخصوص اعضاء سے کھیلنا ائمہ کے حوالہ اور نسبت سے جائز بتاتے ہیں، کھیل آپ سمجھتے ہی ہیں اسے آپ بوقت ضرورت ہاتھ چھو جانے پر محمول نہیں کر سکتے اور پھر ایسے کھیل کی عین نماز میں ائمہ کی طرف سے اجازت بھی نسبت تفو بر تو اے۔۔۔۔![2]

گیارھویں: ائمہ کی طرف یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ جس کپڑے پر نجاست غلیظہ (پاخانہ وغیرہ) لگی ہو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے،[3] حالانکہ امور باطنہ کے متعلق ائمہ کی طرف سے جواز کا تصور بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

بارھویں: یہ بھی ان کا کہنا ہے کہ امام نے مردہ جانور کے بچے کا گوشت کھانا جائز بتایا ہے۔[4]

تیرھویں: حالت نماز میں بیوی کے ساتھ چوما چاٹی کو بھی ائمہ کے حوالے سے جائز کہتے ہیں[5] (باب فروع میں

1۔ وقال السيد المرتضى: مما انفردت به الإمامية القول: بأن الطلاق الثلاث بلفظ واحد لا يقع، وباقي الفقهاء يخالفون في ذلك. (مختلف الشيعة، للعلامة الحلي، 7/ 352، ط: مؤسسة النشر الإسلامي قم المقدسة)

2۔ عن معاوية بن عمار قال: سألت أبا عبد الله (عليه السلام) عن الرجل يعبث بذكره في صلاة المكتوبة؟ فقال: لا بأس. (وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، 7/ 283، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

3۔ إذا لم يعلم أصلا بتنجس البدن أو اللباس ثم علم بذلك بعد الصلاة فصلاته صحيحة، ولا يجب عليه الإعادة أو القضاء۔ (أجوبة الاستفتاءات ولي أمر المسلمين سماحة آية الله العظمى السيد علي الحسيني الخامنئي، 1/ 131. ط: دار النبأ للنشر والتوزيع)

4۔ عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن ابن ابي نجران عن مثنى الحناط عن ابي بصير قال: سألت ابا عبد الله عليه السلام عما يؤكل من الجنين؟ فقال: كل منه ما تم خلقه ونبت الشعر. قلت: فان مات في بطن امه؟ قال: كله فان ذكاته ذكاة امه اذا اشعر. (الكافي للكليني، كتاب الذبائح باب الجنين، 6/ 234، ط: دار الكتب الاسلاميه، تهران)

5۔ هل يجوز للرجل تقبيل زوجه أمام النساء ليلة الزواج؟ الخوئي: لا بأس بذلك في نفسه. (صراط النجاة في أجوبة الاستفتاءات، للسيد أبو القاسم الموسوي الخوئي، 2/ 373، ط: دار الاعتصام للطباعة والنشر)

ان شاء اللہ ان سب کے حوالہ جات انہیں کی کتابوں سے نقل کئے جائیں گے)

چودھویں: عام لوگ خصوصاً عورتوں کو واجبات دینی سے روکنے اور منع کرنے کی نسبت بھی اللہ کی طرف کرتے ہیں شیخ الطائفہ نے ادیم بن حر کی روایت جناب ابی عبد اللہ سے بایں الفاظ نقل کی ہے:

قال سألت أبا عبد الله عليه السلام عن المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل عليها غسل؟ قال: نعم ولا تحدثوهن فيتخذنه علة.[1]

میں نے ایسی عورت کے بارے میں مسئلہ پوچھا جو خواب میں وہ دیکھے جو سونے والا دیکھتا ہے کیا اس پر غسل ہے آپ نے فرمایاہاں مگر عورتوں کو نہ بتادینا ورنہ وہ اس کو بہانہ بنالیں گی۔

اس سے جوبات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ جنابت کی حالت میں عورتوں کے نماز پڑھنے کو جائز خیال فرماتے تھے جو بالاتفاق کفر ہے اور پر کفر پر راضی ہونا بھی بالاتفاق کفر ہے اور دوسری یہ بات کہ ائمہ مکلف انسان کے واجبات شریعت سے لاعلم و جاہل رہنے سے خوش تھے، حالانکہ یہ بات منصب و استحقاق امامت اور عدل و مروت کے سراسر خلاف ہے اور اس سے بھی زیادہ صاف اور زیادہ بدتر وہ روایت ہے کہ جو صاحب محاسن نے امام کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے:

ولا تعلموا هذا الخلق أصول دين الله.[2]

مخلوق کے اس طبقہ کو ان کے دین کے اصولوں کی تعلیم نہ دو۔

اس لغو حکایت وروایت کو کون تسلیم کرے گا کہ جن کا کام ہی دین سکھانا ہے، وہی جب مکلفین کے ایک طبقہ کو دین نہ سکھانے کی تلقین کریں گے تو دوسرا کون دین سکھائے گا، چو کفر از کعبہ برخیزد کجاماند مسلمانی۔

پندرھویں: اللہ کے احکام پر تحرک عمل کے لئے یہ لوگ ائمہ کو خصوصاً امام باقر وامام صادق رحمۃ اللہ علیہ کو موردالزام گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تقیہ پر عمل نہیں کرتے حالانکہ یہ خود ہی امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ:

1۔ تهذيب الأحكام، للطوسی، باب حكم الجنابة وصفة الطهارة، 1/ 121، ط: دار الكتب الاسلامية تهران

2۔ الفروع الكافي، باب، معرفة دم الحيض والعذرة والقرحة، 3/ 93، ط: دار الكتب الاسلامية

"التقية دين آبائي".(1) تقیہ میرے آباد کا دین ہے۔

تو پھر ان حضرات نے اپنے باپ دادا کے دین میں ایسے کیا عیب دیکھے کہ اس کو خیر باد کہہ دیا۔

سولهویں: ایسے امور کی نسبت ائمہ کی طرف کرتے ہیں جو کتاب اللہ کے احکام کے صریح خلاف ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ثقلین کتاب اللہ وعترت رسول میں اختلاف پیدا اور لوگ دین کے معاملہ میں حیرت وپریشانی کا شکار ہوں چنانچہ کہتے ہیں کہ جو سونا چاندی سکوں کی شکل میں نہ ہو تو ائمہ کے نزدیک اس پر زکواۃ واجب نہیں اور نہ ائمہ نے اس کی زکوٰۃ خود دی،(2) اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ چاہتے ہیں کہ قرآنی وعید "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ"(3) جو سونا چاندی جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔۔۔۔ آخر آیت تک کا آئمہ کو مصداق ٹھہرائیں۔

سترھویں: کہتے ہیں کہ بیٹے اور دوسرے اعزہ کی موت پر نوحہ، شور وشیون اور کپڑے پھاڑنا مرد وعورت سب کے لئے اللہ جائز سمجھتے تھے،(4) اس اتہام سے ان کا مقصد ان بزرگان دین کو بے صبروں اور رونے پیٹنے والوں میں شمار کر کے ان کو اس بشارت قرآنی سے محروم کرنا ہے جو صبر کرنے والوں کی شان میں کہاں ہے، اور "ليس منا

1۔ قال أبو جعفر (عليه السلام) :التقية من ديني ودين آبائي-(الأصول من الكافي، 2/ 219، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ أن يكون من الذهب أو الفضة المسكوكين بسكة المعاملة بأن يكون درهما أو دينارا، فلا تصح بالفلوس ولا بالعروض بلا خلاف بينهم-(العروة الوثقى، للسيد محمد كاظم الطباطبائي اليزدي، 5/ 147، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم المشرفة)

3۔ سورة التوبة، الاية: 34

4۔ عن الحسين بن يزيد قال: ماتت ابنة لأبي عبد الله (عليه السلام) فناح عليها سنة، ثم مات له ولد آخر فناح عليه سنة، ثم مات إسماعيل فجزع عليه جزعا شديدا فقطع النوح، قال: فقيل لأبي عبد الله (عليه السلام):أيناح في دارك؟! فقال إن رسول الله (صلى الله عليه وآله) قال لما مات حمزة ،لكن حمزة لا بواكي له.(وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، باب جواز النوح والبكاء على الميت،3/ 241، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث قم المشرفة)

من شق الجیوب"(1) جس نے دامن چاک کیا وہ ہم میں سے نہیں، کی وعید میں ان کو داخل کرتا ہے۔

اٹھارویں: حکم قصاص سے نابینا کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں،(2) جو نص قرآنی کے صریح خلاف ہے، اور نسبت اس کی بھی اماموں ہی کی طرف کرتے ہیں۔

انیسویں: اگر کسی ذمی نے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو اس کی اولاد کو غلام بنا لینے کے حکم کو بھی اماموں کی طرف منسوب کرتے ہیں،(3) حالانکہ " وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ "(4) کے شرعی قاعدہ کے یہ سراسر خلاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، یا یوں آیا ہے کہ " ولا یجني والد علی ولده، ولا مولود علی والده "(5) باپ بیٹے کے بدلے کوئی سزا بھگتے گا نہ بیٹا باپ کے بدلے، اس لئے کہ اگر اس قسم کا انتقام شرعاً جائز ہو جائے تو شرع محمدی اور قانون چنگیزی میں پھر فرق کیا رہ جائے گا البتہ کافر حربی کی ایسی اولاد کو غلام بنانا جائز ہے جس سے یہ خطرہ ہو کہ اس میں جنگ کی صلاحیت ہے وہ بھی اس مصلحت سے کہ اہل عرب کی آبادی کم ہو اور قاتل ذمی کی اولاد نہ تو لڑائی کے قابل ہے اور نہ وہ اہل حرب آبادی میں داخل ہے وہ تو مسلمانوں کی ذمہ داری میں رہنے والی پر امن آبادی ہے، ان کو کس جرم کی بنا پر غلام بنانا جائز ہے، بر خلاف اس کے کہ یہ تو کھلم کھلا عہد شکنی ہے جس کی تمام ادیان و مذاہب مخالفت کرتے اور

1۔ المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، باب الصبر والبكاء والنياحة، 3/ 558 ، رقم : 6683، ط: المجلس العلمي الهند

2۔ فقال أبو عبد الله (عليه السلام)۔۔۔۔۔۔فلا أرى على الذي قتل الرجل قودا، لأنه قتله حين قتله وهو أعمى، والأعمى جنايته خطأ يلزم (1) عاقلته يؤخذون بها في ثلاث سنين في كل سنة نجما۔۔۔۔الخ ۔ (وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة، باب حكم عمد الأعمى، 29/ 399، ط: مؤسسة آل البيت عليهم السلام لإحياء التراث)

3۔ ولو قتل الذمي مسلما عمدا، دفع هو وماله إلى أولياء المقتول، وهم مخيرون بين قتله واسترقاقه.(مسالك الأفهام إلى تنقيح شرائع الإسلام، للشهيد الثاني، 15/ 144، ط: مؤسسة المعارف الإسلامية إيران قم المقدسة)

4۔ سورة الانعام، الآية : 164

5۔ مسند ابن أبي شيبة، 2/ 56، رقم : 562، ط: دار الوطن الرياض

ایفائے عہد کو سب ہی واجب قرار دیتے ہیں، اس کے علاوہ یہ بات قرآنی حکم "ان النفس بالنفس"[1] بے شک جان کا بدلہ جان کے بھی خلاف ہے۔

بیسویں: حضرات ائمہ سے یہ بات منسوب کر کے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یوم قتل سے جو ان کے خیال میں 9 ربیع الاول کو ہوا دو روز بعد تک کسی کے اعمالنامے میں کوئی گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ نہیں لکھا جاتا،[2] اس کی وجہ غالبا یہ ہوگی کہ اعمال نامے لکھنے والے سارے فرشتوں کو دشمنان فاروقی اور ان کے قاتل اور قتل کی شازش میں شریک لوگوں کے اعمالنامے سیاہ کرنے پر لگا دیا ہوگا کہ ان کا جرم اتنا شدید تھا اور فرد جرم اتنی طویل تھی کہ دو روز اس کی تکمیل میں لگ گئے ہوں گے ان گویا یہ کہہ کر وہ اماموں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے تین دن تک لوگوں کو گناہ حتی کہ کفر تک کی اجازت دے دی کہ ان دنوں میں جو چاہو کرو نامہ اعمال سادہ کے سادہ رہیں گے۔

اکیسویں: ان پاک اور برگزیدہ ہستیوں کی طرف یہ بات بھی منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے استنجے کے پانی کو پینے کے کام کے لئے یا طہارت اور دیگر ضروریات میں استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔[3]

بائیسویں: حضرات ائمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امت مرحومہ کا لقب امت ملعونہ ہے، صیرفی نے ابی

1۔ سورة المائدة ، الآية : 45

2۔ كذا ذكر المجلسي اعمال يوم قتل عمر رضي الله عنه و نصه: وفي اليوم السادس والعشرين منه سنة ثلاث وعشرين من الهجرة طعن عمر بن الخطاب، فينبغي للانسان أن يصوم هذه الأيام-------ثم إن صاحب كتاب أنيس العابدين على طبق الكفعمي في ذكر أعمال أيام ربيع الأول قال: وتاسعه روى فيه صاحب مسار الشيعة أن من أنفق شيئا غفر له ويستحب فيه إطعام الاخوان وتطيبهم، والتوسعة في النفقة، ولبس الجديد، و الشكر، والعبادة، وهو [يوم] نفي الهموم، وروي أنه ليس فيه صوم .وجمهور الشيعة يزعمون أن فيه قتل عمر بن الخطاب---الخ ۔(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 55/ 372، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

3۔ ماء الاستنجاء سواء كان من البول أو الغائط طاهر إذا لم يتغير أحد أوصافه الثلاثة ولم يكن فيه أجزاء متميزة الغائط۔ (تحرير الوسيلة ، للسيد روح الله الموسوي الخميني، 1/ 16، ط: مطبعة الآداب النجف الأشرف)

عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی روایت کی ہے، بعض اور جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے امت مصطفویہ کو خنازیر سے تشبیہ دی ہے، یہ روایت کلینی نے امام صادق سے نقل کی ہے،[1] حالانکہ قرآن نے اس امت کو خیر امت کے لقب سے سرفراز کیا اور ان ہی کی شان میں "اُمۃ وسطا"[2] فرمایا۔

تحریر بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس ساری ہفوات کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ ثقلین جو مومن پر پہنچنے تک متحد و متفق رہیں گے ان میں مخالفت، جدائی اور افتراق کی راہ نکالی جائے، تاکہ سرشتہ دین ہاتھ سے جاتا رہے اور مادر پدر آزاد ہو کر چوپایوں اور درندوں کی زندگی بسر کرنے کا سنہرا موقعہ مل جائے، اس لئے کہ جب ایک طرف کتاب اللہ میں تحریف، کمی بیشی، تغیر و تبدل کے سبب تمسک کے قابل نہ رہے، اور دوسری طرف عترت بھی مجروح ہو کر رہنمائی کے قابل نہ رہے تو انسانی اور دینی زندگی کی تصدیق کون کرے گا جب ثقلین سے گلوخلاصی کرالی تو اب حیوانی زندگی کے سوا مخلوق کے پاس کیا ہے اسی کو تو جنگل کا قانون کہا جاتا ہے جس کا جو جی چاہے کرلے کوئی بندش نہیں کوئی پابندی نہیں، کوئی روک ٹوک نہیں جس کی چاہو جان لے لو، جس کی اور جب چاہو آبروریزی کرڈالو اب آپ دیکھ لیں حدیث ثقلین کی پاسداری کون کررہاہے اور اس کی تحقیر و توہین کون؟

ذیلی فائدہ: وہ روایات جو شیعہ ائمہ سے لائے لیکن امام زادوں نے ان کی تکذیب کی

اس اہم فائدہ کے اختتام پر ایک ذیلی فائدہ کا ہم اور اضافہ کررہے ہیں کہ اس کا مضمون بہت عمدہ اور نفیس ہے، واضح رہے کہ شیعہ پیشواؤں نے امامان محترم سے جو کچھ روایات بیان کی ہیں اور ان کی تائید میں حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقوال و افعال بیان کئے ہیں ان سب کی ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے فرزندوں سگے اور چچیرے

1۔ عن سدير الصيرفي قال: سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول: إن في صاحب هذا الامر شبها من يوسف عليه السلام، قال قلت له: كأنك تذكره حياته أو غيبته؟ قال: فقال لي: وما تنكر من ذلك، هذه الأمة أشباه الخنازير، إن إخوة يوسف عليه السلام كانوا أسباطا أولاد الأنبياء تاجروا يوسف، وبايعوه وخاطبوه، وهم إخوته، وهو أخوهم، فلم يعرفوه حتى قال: أنا يوسف وهذا أخي، فما تنكر هذه الأمة الملعونة أن يفعل الله عز وجل بحجته في وقت من الأوقات۔۔۔۔۔۔الخ۔ (الأصول من الكافي، باب في الغيبة، 1/ 336، 337، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔(سورة البقرة، الاية: 143)

بھائیوں نے شدومد اور تکرار واصرار کے ساتھ تردید وتکذیب کی ہے،اور یہ بات ہر عقلمند جانتا اور مانتا ہے کہ انسان کے اقوال وافعال پر جس طرح اس کے بیٹے بھائی، خویش اقربا جتنے واقف ہوتے ہیں، دوسرے لوگ اتنے واقف نہیں ہوتے، اور پھر وہ بیٹے بھائی اور عزیز ان کے ہمدم، دمساز، ہم مشرب اور طریق بود وماند ورسم وآئین میں ان کے ہم جنس بھی ہوں اور ان کی تردید وتکذیب صحیح روایات کی صورت میں خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہو، اس کے مقابلہ میں ایسے لوگ جنہیں ائمہ کی صحبت گاہے بگاہے ہی نصیب ہو ان اقرباء کے مقابلہ میں اعتماد میں کیسے بڑھ سکتے ہیں۔

ہم یہاں دو ایک مسائل بطور نمونہ تحریر کرتے ہیں وہ بھی اس لئے تاکہ ان کے جھوٹ کا پول اچھی طرح کھل جائے چنانچہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندوں میں سے ہیں اور علم وتقوی نیکی وپارسائی اور بزرگی میں سربلند وممتاز، انہوں نے امام موصوف کے راویوں کی بہت سی روایات کو جھٹلایا اور ان کی تکذیب کی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام پر ان کی فضیلت والی روایات، اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر تبرا کرنے اور ان کی شان میں دریدہ دہنی اور گستاخی کرنے پر ان کو گمراہ قرار دیا ہے۔ (1)

مسئلہ امامت

ہم یہاں مختصر طور پر مسئلہ امامت پر گفتگو کرنا یوں ضروری خیال کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک اہم اور اہل بیت کے ایسے اجماعی اور متواتر مسائل میں شمار کیا جاتا ہے، جن سے اس عالی خاندان کے ہر فرد کو پورے طور پر واقف ہونا لازم اور ضروری ہے۔

روي الكليني عن أبان قال: أخبرني الأحول أن زيد بن علي بن الحسين عليهما

1۔ وقد تواتر عن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه أنه قال: خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر وقد روي هذا عنه من طرق كثيرة، قيل: إنها تبلغ ثمانين طريقا. . . . . . عن محمد ابن الحنفية قال: قلت لأبي: يا أبت، من خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فقال: يا بني أوما تعرف؟ فقلت: لا. قال: أبو بكر. فقلت: ثم من؟ قال: عمر. وهذا يقوله لابنه بينه وبينه، ليس هو مما يجوز أن يقوله تقية ويرويه عن أبيه خاصة، وقاله على المنبر. (منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية، 6/ 137، ط: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية)

السلام بعث إليه وهو مستخف قال: فأتيته فقال لي: يا أبا جعفر ما تقول ان طرقك طارق منا أتخرج معه؟ قال: فقلت له: إن كان أباك أو أخاك، خرجت معه قال: فقال لي: فأنا أريد أن أخرج أجاهد هؤلاء القوم فأخرج معي قال: قلت: لا ما افعل جعلت فداك، قال: فقال لي: أترغب بنفسك عني؟ قال: قلت له: إنما هي نفس واحدة فإن كان لله في الأرض حجة فالمتخلف عنك ناج والخارج معك هالك وان لا تكن لله حجة في الأرض فالمتخلف عنك والخارج معك سواء. قال: فقال لي: يا أبا جعفر كنت أجلس مع أبي على الخوان فيلقمني البضعة السمينة ويبرد لي اللقمة الحارة حتى تبرد، شفقة علي، ولم يشفق علي من حر النار، إذا أخبرك بالدين ولم يخبرني به؟ فقلت له: جعلت فداك شفقته عليك من حر النار لم يخبرك، خاف عليك: أن لا تقبله فتدخل النار، وأخبرني أنا، فإن قبلت نجوت، وإن لم أقبل لم يبال أن أدخل النار[1]

کلینی ابان سے روایت کرتا ہے کہ ابان کو احول نے بتایا کہ زید بن علی نے جن دنوں وہ پوشیدہ تھے اس وقت کسی شخص کے ذریعہ مجھے بلوایا جب میں گیا تو فرمایا اے ابو جعفر کیا خیال ہے کہ اگر ہمارے پاس کا کوئی آدمی اچانک تمہارے پاس پہنچے تو کیا تم اس کے ہمراہ نکل کھڑے ہوگے، نہیں نکلوگے نا، میں نے کہا اگر وہ آپ کے باپ، بھائی ہوں تو میں ضروری نکلوں گا تب آپ نے بتایا کہ میرا ارادہ اس قوم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور جہاد کرنے کا ہے، تو تم بھی میرا ساتھ دو !میں نے کہا قربانت شوم میں ایسا نہیں کر سکتا اس پر آپ نے فرمایا تو کیا میرے بغیر زندگی چاہتے ہو؟ اس پر میں نے کہا اچھا تھیے ایک جان ہے جو حاضر ہے اگر زمین میں اللہ کے لئے محبت ہے تو

---

1 ۔الأصول من الكافي، كتاب الحجة، باب الاضطرار إلى الحجة، 1/ 174، ط: دار الكتب الاسلامية

> آپ کے ساتھ چلنے اور نہ چلنے والا دونوں برابر ہیں، اس کے بعد انہوں نے کہا ابو جعفر میں اپنے باپ کے دستر خوان پر ہوتا تھا وہ محمد کو بہتر چیز کا لقمہ کھلاتے اور مجھ پر شفقت کر کے گرم لقمہ کو ٹھنڈا کر کے کھلاتے، تو کیا دوزخ کی آنچ سے بچانے کے لئے ان کی شفقت میرے ساتھ نہ رہی ہو گی کہ اس معاملہ کی تجھے تو خبر دی اور مجھے نہیں بتایا، میں نے کہا کہ ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر آپ نے ان کی وہ بات نہ مانی تو آپ دوزخ میں چلے جائیں گے اور مجھے اس لئے خبر دی کہ میں اسے مان لوں گا، تو نجات پا جاؤں گا، اور انکار کر دوں گا تو مجھے دوزخ میں جانے کا اتنا ڈر بھی نہیں ہے۔

دراصل بات یہ تھی کہ احول کا کہنا تھا کہ جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں ان کے والد نے محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کو امام متعین کیا ہے اور اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے امام باقر کی تعیین کی روایت کو جھٹلایا ہے۔

اب امام صادق جو امام محمد باقر کے بیٹے اور فرزند ہیں ان کی دوسری روایت کو بھی ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ وہ جناب زید شہید کی تائید کر رہی ہے یا اس بھینگے (احول) کے دل کی، قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں فضیل بن یسار کے حالات لکھتے ہوئے امالی شیخ ابن بابویہ سے فضیل کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ:

> اس نے کہا کہ جب زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی شام کے باغی لشکر سے لڑائی ہوئی تو میں ان کے ہمراہ تھا حضرت زید کی شہادت کے بعد میں مدینہ حضرت صادق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا فضیل تم شامیوں کے ساتھ لڑائی میں ہمارے چچا کے ساتھ تھے میں نے کہا ہاں پوچھا تم نے کتنے آدمی مارے؟ میں نے کہا چھ پھر پوچھا کہ تمہارے دل میں یہ شک تو نہیں کہ تم نے ان کو ناحق مارا، میں نے کہا یہ شک ہوتا تو ان کو مارتا ہی کیوں! اس وقت میں نے آپ کو یہ الفاظ فرماتے سنا "اشركني الله في تلك الدماء ما مضى والله زيد عمى وأصحابه إلا شهداء مثل ما مضى عليه علي بن أبي طالب عليه السلام وأصحابه[1] والله

ن أخبار الرضا، لبابويه القمي، 2/ 228، 229، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان

مجھے بھی ان خونوں میں شمار فرمائے اللہ کی قسم میرے چچا زید اور ان کے ساتھی ایسے ہی شہید ہیں جیسے حضرت علی بن ابو طالب اور ان کے ساتھی شہید ہیں۔

اب حق گو امام صادق رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں جو تشبیہ ہے وہ غور طلب ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ کے اعتقاد میں حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کا حال جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حال کے مماثل ہم مرتبہ اور ہم جنس ہے، لہذا معلوم ہوا کہ حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعتقاد کے مطابق دشمن کے مقابلہ میں بنفس نفیس خود بخود جانے میں حق بجانب ہوں گے یہ نہیں ہوا کہ اپنے کسی مناسب نائب کو مقرر کیا ہو اگر ایسا ہوتا اور آپ شریک نہ ہوتے تو آپ کی شہادت کی گواہی اور اس شہادت کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مماثل قرار دینے والی گواہی بے معنی اور بے فائدہ ہوگی، اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احول نے امام زادے کے متعلق جو بکواس کی اور بیوفائی کو اس کا سبب قرار دیا وہ چند وجوہ سے لغو پوچ اور بے معنی ہے:

اول: اس صورت کو اگر درست مانا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پہ اپنے والد کے معاملہ میں ترک اصلاح کا الزام لگے گا کہ ان کو دین کی دعوت ہی کیوں دی کہ جس کا انکار کر کے وہ دوزخ میں چلے گئے ممکن ہے شیعہ اسے تسلیم نہ کریں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے ایمان کے قائل ہیں تو چلئے ہم یہی بات آذر کے متعلق کہتے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرورش کیا اور وہ بمنزلہ باپ کے تھے اس لئے قرآن میں جا بجا اب کے لفظ سے ان کا ذکر کیا گیا ہے تو ان کے معاملہ میں یہ رویہ کیسے روا رکھا۔

اور یہ بات یہیں ختم نہیں ہوگی تمامی پیغمبران حق کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور ان پر بھی اس ظلم اور قطع رحمی کے ارتکاب کا الزام آئے گا (نعوذ باللہ) کیونکہ ان تمام گرامی قدر حضرات نے اپنے اعزہ و اقارب کو دین کی دعوت دی مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لہب کو دعوت دین دی اور اس نے اسے قبول نہ کیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمامی امت کی حیات ابدی کا سبب اور اس پر ماں باپ سے زائد مہربان شفیق اور ہمدرد تھے اور کل عالم و عالیان کے لئے مجسم رحمت ان تمام خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے تعین امام کی مصلحت محسوس نہ فرمائی بلکہ اس پر سکوت فرمایا چنانچہ ملا عبد اللہ مشہدی نے اظہار الحق میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

قال قالوا يا رسول الله ! إن استخلفت عليكم فعصيتموه عذبتم ولكن ما حدثكم حذيفة فصدقوه وما أقرأكم عبد الله بن مسعود فاقرؤه.[1]

ابو حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ نے کوئی خلیفہ مقرر فرمادیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں تم پر کسی خلیفہ کو مقرر کردوں اور تم اس کی نافرمانی کردو تو عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے ہاں ابو حذیفہ جو تم سے کہے اسے سچ جانو اور جو عبد اللہ تم کو پڑھائے اس کو پڑھو!

پھر آخر کیا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی امارت کا حکم صریح فرمادیا اور اس کو کس نے بھی قبول نہیں کیا گویا اپنے تیئیس سال مدت تک کے تمام ساتھیوں اور جانثاروں کو جو آپ نے آئین اسلامی سکھا کر راہ راست پر لگایا تھا ابدی ہلاکت میں ڈال کر سب کو دوزخی بنا گئے، اور ان کی دیکھا دیکھی ساری ہی امت بھٹک کر قعر ضلالت میں جا گری۔

دوسرے: امامت تو اصول واجبات میں سے ہے تو اس سے ناواقفیت عذر کب بن سکتی ہے؟ اگر جناب زید رحمہ اللہ کے والد بزرگوار نے ان کو اصل اعتقادی سے باخبر نہ کیا تھا تو انہوں نے بغیر علم واطلاع کے نام کرکے دوزخی بنانا کیوں چاہا؟ پھر یہی نہیں کہ جناب زید رحمہ اللہ صرف جہل پہ ہی قائم رہے ہوں بلکہ امام باقر رحمہ اللہ کی امامت کے منکر بھی ہوئے اور اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور اگر اس قسم کا جہل بھی عذاب سکتا ہے تو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ نواصب کے ناجی ہونے میں کیا شک رہ جائے گا کیونکہ ان کو بھی تو جناب امیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نصوص قطعی اور تواتر سے نہیں پہنچیں، اور جو پہنچیں وہ صحیح روایات کے معارض تھیں چنانچہ کلینی نے ایک طویل حدیث کے ذیل میں مقرن سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

لا يدخل الجنة إلا من عرفنا وعرفناه، ولا يدخل النار إلا من أنكرنا وأنكرناه.[2]

جنت میں وہی داخل ہو گا جس نے ہم کو پہچانا اور جس کو ہم نے پہچانا اور دوزخ میں صرف وہی

1۔ نفحات الأزهار في خلاصة عبقات الأنوار، للسيد حامد حسين اللكهنوي، 5/ 25، المطبعة: مهر

الأصول من الكافي، باب أنه لو لم يبق في الأرض الا رجلان لكان أحدهما الحجة، 1/ 184، ط: دار الكتب الاسلامية

جائے گا جس نے ہم کو نہ پہچانا اور جس کو ہم نے نہ پہچانا۔

تیسرے: اور جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ قول اور مذہب ہے کہ ان کے والد نے تو ان کو یہ تک نہ بتایا کہ دنیا میں ایک امام کا ہونا بھی ضروری ہے جو قیادت کبری کا مالک ہو اور زمین پر اللہ کی حجت بنے، یہی نہیں بلکہ تعیین امام اور ائمہ کی تعداد سے بھی باخبر نہ کیا، اور پہلی بات اگر ان کے والد بتاتے تو اس میں تو قبول نہ کرنے کا کوئی خوف بھی نہ تھا لہذا اس بھتیجے احول نے جو جواب جناب زید رحمۃ اللہ علیہ کو دیا وہ خطا بر خطا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے امام کی پوشیدہ باتیں کیوں نہ بتائیں کہ وہ خود ہی سمجھ جاتے کہ فلاں ہے میں نہیں ہوں حالانکہ اثنا عشریوں کے نزدیک جو خاص نشانیاں اور خصوصیات ہوتی ہیں مثلا ختنہ شدہ اور ناف بریدہ ہونا[1] کہ یہ دوسرے میں نہیں ہوتیں اور جناب زید کا صفحہ ہستی ان نشانیوں سے سادہ تھا۔

چوتھے: یہ کہ امام چونکہ نبی کا قائم مقام ہے اس پر بھی یہ فرض ہے کہ ہر مکلف کو وہ جو بھی ہو ضروریات دین سے واقف کرے کہ اس کا فیض عام ہو، یہاں باپ کا پیار بیٹے کی محبت کو دخل انداز نہ ہونا چاہیے اور اپنے پرایوں میں فرق کرنا شان نبوت و امامت کے سراسر خلاف ہے بلکہ اپنوں کو پرایوں سے پہلے اور زیادہ ڈرانا چاہیے چنانچہ ارشاد ربانی ہے "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ"[2] آپ اپنے کنبہ والوں کو ڈرایئے یا فرمایا "لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا"[3] تاکہ وہ اہل مکہ اور گردونواح کے لوگوں کو ڈرائے۔

پانچویں: شیعوں کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے کہ بارہ اماموں کی تعیین اور ان کی ترتیب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بحکم صریح منقول ہی نہیں بلکہ منزل من اللہ ہے جب یہ بات ہے تو پھر باپ کے قول کو قبول کرنے نہ کرنے کا سوال ہی نہیں، ان کو تو چاہیے تھا کہ یہ حکم بھی تمام احکام دین کی طرح ان تک پہنچاتے کہ جان

1۔ وللإمام علامات: يكون أعلم الناس... ويولد مطهرا مختونا(من لا يحضره الفقيه، باب نوادر النكاح، 4/ 418، رقم: 5914، ط: جامعه مدرسين قم، ايران)

2۔ سورة الشعراء، الآية :214

3۔ سورة الانعام، الآية :92

کے ساتھ اس کو بھی قبول کرتے!

چھٹے: یہ کہ باپ کی تبلیغ کی اس میں ضرورت ہی کیا تھی جبکہ یہ نص تمام عالم میں شہرت پا چکی تھی کیونکہ یہ متواتر تھی خصوصا اہل بیت میں کہ وہ وہاں تو اس قدر مشہور اور معروف تھی کہ ہر گھر کی لڑکی پڑتی پڑھاتی رہتی تھی مثلا رکعت نماز کی گنتی اور اس کے اوقات کیونکہ امام پر مسائل خفیہ کی تعلیم موقوف ہوتی ہے، نہ ان نصوص متواترہ کی جو صاف ظاہر ہیں۔ (1)

اور پھر تمام مذاہب وادیان میں یہ بات مشہور و معروف اور رائج ہے کہ سن بلوغ سے پہلے بچوں کو دینی مسائل کے اصول سکھائے جاتے ہیں تو یہ مسئلہ جو دین کے اہم مسائل میں سے ہے تو حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح اپنے فرزند دل بند سے چھپائے رکھا حالانکہ جناب زید رحمۃ اللہ علیہ باتفاق شیعہ و سنی سعادت مند بیٹوں میں سے تھے اپنے والد بزرگوار کے ہر دم رفیق صحبت اور زندگی بھر والد کے نقش قدم پر چلے تو ایسے فرزند سے انکار و تکذیب کا کیا خطرہ؟

ساتویں: اگر جناب سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ جناب زید کو نہ بھی بتایا ہو تب بھی امام وقت نے تو بہر حال اپنی امامت کی دعوت دی ہوگی خواہ انہوں نے یہ دعوت قبول کی ہو یا نہ کی ہو لہٰذا اس کا خبر نہ دینا بالکل عبث رہا حالانکہ حضرات ائمہ رحمہم اللہ کا دامن ان تمام لغو اور بے فائدہ حرکات سے پاک ہے۔

بعض ناسمجھ شیعہ اس معاملہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب پر قیاس کرتے ہیں کہ وہاں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو منع فرما دیا تھا کہ بھائیوں کو خواب نہ سنانا کہیں وہ حسد میں اگر کوئی ایذا نہ پہنچائیں حالانکہ یہ قیاس بالکل ہی غلط اور فاسد ہے کیونکہ دونوں صورتیں ایک نہیں ہیں وہاں خواب کا بیان کرنا نہ حضرت یوسف علیہ السلام پر واجب اور ضروری تھا نہ حضرت علیہ السلام پر اور نہ وہ اصول دین تھا نہ مسائل شرعیہ میں کا کوئی مسئلہ وہ محض ایک بشارت جو حضرت یوسف علیہ السلام کے علو وشان کو ظاہر کرتی تھی اور بشارت کا ظاہر کرنا

1۔ الإمام الصادق (علیه السلام)-----عن رسول الله (صلى الله عليه وآله) :من كتم علما عنده، أو أخذ عليه اجرة، لقي الله تعالى يوم القيامة ملجما بلجام من نار- (ميزان الحكمة ،ذم المستأكل بالعلم، لمحمد الري شهري، 3/ 2077، ط: دار الحديث قم)

پیغمبر پر واجب نہیں بلکہ بہت مواقع پر تو عید سے روکا گیا تاکہ صاحب خواب کے لیے باعث عجب و خود بینی اور سامع کے لیے باعث حسد نہ ہو۔

چنانچہ حضور ﷺ کی حدیث صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قریش کے اترا جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو اللہ کے ہاں ان کی جو خوبیاں ہیں انہیں فاش کر دیتا،[1] اس طرح آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی جو صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اس خوشخبری کا چرچہ نہ کرنا کہیں لوگ اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھ رہیں اور عمل چھوڑ بیٹھیں۔[2]

اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت اس خواب کی تعبیر پر موقوف بھی نہ تھی برخلاف انے والے اماموں کی امامت کے کہ وہ پوری کی پوری ائمہ سابقہ کے نص اور تبلیغ پر موقوف ہے اور مکلف کے لیے اس کے بغیر علم حاصل کرنا محال و ناممکن ہے۔

غرضیکہ عترت پاک سے تمسک کا جو طریقہ شیعوں کا ہے اس کا حال واضح ہو گیا اور کتاب اللہ ان کے خیال و گمان کے مطابق پہلے سے ہی قابل تمسک نہیں ہے لہذا دین کی دونوں مضبوط رسیاں و حبل المتین ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور یوں یہ میدان گمراہی میں حیران و پریشان رہ گئے (اور آج تک ہیں اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت رہیں گے)

1۔إن الله تعالى فضل قريشا بسبع خصال لم يعطها أحدا قبلهم ولا يعطيها أحدا بعدهم......الخ - (المستدرك على الصحيحين، 4/ 60، رقم : 6877، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

2۔ حدثنا أنس بن مالك أن النبي صلى الله عليه وسلم، ومعاذ رديفه على الرحل، قال: «يا معاذ بن جبل»، قال: لبيك يا رسول الله وسعديك، قال: «يا معاذ»، قال: لبيك يا رسول الله وسعديك ثلاثا، قال: «ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن [ص:38] محمدا رسول الله، صدقا من قلبه، إلا حرمه الله على النار»، قال يا رسول الله: أفلا أخبر به الناس فيستبشروا؟ قال: «إذا يتكلوا» وأخبر بها معاذ عند موته تأثما-(صحيح البخاري، كتاب العلم ، باب من خص بالعلم قوما دون قوم، كراهية أن لا يفهموا، 1/ 37، رقم : 128، ط: دار طوق النجاة)

اگر شیعہ یہ کہیں کہ گو ہم بعض ائمہ کو کافر یا گمراہ کہتے اور بعضوں کی برائیاں اور عیوب بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کے اقوال وافعال کو اپنے لیے حجت بتاتے ہیں و خلاف اہل سنت کے اور تمسک کے معنی بھی یہی ہیں کہ کسی شخص کے قول و فعل کو اپنے لیے ہدایت کا نمونہ بنایا جائے خواہ وہ تعظیم کی صورت میں ہو یا اہانت وتحقیر کے پیرائے میں مثلاً اگر کوئی شخص خدانخواستہ کتاب اللہ کو کوڑے پر پھینک دے یا اپنے پیر و مرشد کے پاؤں میں رسی باندھ کر جھاڑیوں میں گھسیٹے مگر اسی کے ساتھ قرآن مجید کے احکام کی بجا آوری اور مرشد کے قول و فعل کی بجاآوری میں سرمو فرق نہ آنے دے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اقوال و افعال دونوں کے ساتھ تمسک کیا بر خلاف اس کے کہ قرآن کی تعظیم تو خوب کریں اسے سر پر اٹھائیں آنکھوں سے لگائیں پر اس کے ساتھ اس کے احکام کی پوری خلاف ورزی کریں۔

ایسے ہی پیر و مرشد کی تعظیم و تکریم تو حد سے زیادہ کریں مگر اس کے قول کو ٹھکرا دیں تو اس وقت اس کو متمسک نہ کہا جائے گا ان کے اسی قول کی تردید میں کتاب میں پانچ ابواب کا اضافہ مناسب سمجھا گیا کہ عقائد وفقہ کے ہر مسئلہ میں ثقلین سے جہاں جہاں مخالفت کی ہے اس کو انہی کی معتبر کتابوں میں درج صحیح و مستند روایات سے بیان کیا جائے کہ ان کا منہ بند ہو اور ان کا طریقہ تمسک روز روشن کی طرح سامنے آجائے۔

باب پنجم

مسائل الٰہیات

عقیدہ نمبر 1: معرفت الٰہی میں شیعہ سنی اختلاف

ان مسائل میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت میں غور و فکر کے وجوب کا ہے، اور اس میں اہل سنت اور اہل تشیع مختلف الخیال ہیں۔

امامیہ کہتے ہیں کہ اس میں غور و فکر کا وجوب عقلی ہے شرعی نہیں یعنی قطع نظر اللہ تعالیٰ کے حکم کے صرف عقل کا یہ تقاضہ ہے کہ ہر مکلف اللہ تعالیٰ کو جانے اور اس کی صفات کو پہچانے۔[1]

جبکہ اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ شرعی وجوب ہے عقلی نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قطع نظر کر کے محض عقل سے اس پر غور و فکر واجب نہیں اور اسی مسئلہ پر کیا منحصر کسی بھی دینی معاملہ میں عقل کو حاکم و حکم نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ اس کے حکم کی پیروی کرنی چاہیے۔[2] اس معاملے میں عقل پر انحصار کر کے امامیہ نے ثقلین کی مخالفت کی ہے کتاب اللہ کی مخالفت کا ارتکاب تو اس طرح کے کتاب اللہ میں فرمایا گیا ہے:

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ"[3] حکم صرف خدا ہی کا ہے۔

"أَلَا لَهُ الْحُكْمُ"[4] سن لو حکم صرف اسی کا ہے۔

1۔ بدان کہ اول واجبات بر مکلفان، معرفت صانع عالم است... و بدان کہ وجوب معرفت حق تعالیٰ و صفات او عقلی است، نہ سمعی۔ (حق الیقین از مجلسی، ص:5، ط: کتب فروشی اسلامیہ، تہران فارسی)

2۔ قال ابن أبي العز في بيان عقيدة أهل السنة: «ومن المحال أن تستقل العقول بمعرفة ذلك وإدراكه على التفصيل، فاقتضت رحمة العزيز الرحيم أن بعث الرسل به معرفين وإليه داعين ولمن أجابهم مبشرين، ولمن خالفهم منذرين». (شرح العقيدة الطحاوية، لابن أبي العز الحنفي، ١/ ١٧، ط: وزارة الشؤون الإسلامية، والأوقاف والدعوة والإرشاد)

3۔ سورة الانعام ،الاية :57

4۔ سورة الانعام ،الاية :62

"لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ"[1] اس کے حکم کو ٹھکرانے والا کوئی نہیں۔

"يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ"[2] جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

"يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ"[3] اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے

"وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا"[4] ہم جب تک رسول نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیتے۔

اگر بتقاضائے عقل کوئی چیز واجب ہوتی تو رسول کے بھیجے جانے سے قبل اس پر عذاب دیا جا سکتا تھا۔

اور عترت کی مخالفت اس طرح کے کلینی نے کافی میں امام ابی عبد اللہ علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ:

قال: ليس لله على خلقه، أن يعرفوا وللخلق على الله أن يعرفهم[5]

انہوں نے کہا مخلوق پر خدا کا یہ حق نہیں کہ وہ اسے پہچانے البتہ اللہ تعالی پر مخلوق کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو معرفت بخشے۔

لہذا اگر حکم وتقاضائے عقل معرفت واجب ہوتی تو اللہ تعالی کے معرفت دینے سے قبل ہی معرفت واجب ہو جاتی اور ایسا سمجھنا جناب صادق ابی عبد اللہ کے قول کے خلاف ہے۔

عقیدہ نمبر2: اسماعیلیہ کا اللہ تعالی کے موجود نہ ہونے کا عقیدہ

یہ ہے کہ اللہ تعالی موجود ہے واحد ویکتا ہے، حی ہے، سمیع ہے، بصیر وعلیم ہے اور قدیر ہے اس کے برخلاف اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ زندہ ہے نہ مردہ، نہ سننے والا نہ دیکھنے والا، نہ

1۔ سورة الرعد ،الاية :41

2۔ سورة آل عمران ،الاية :40

3۔ سورة المائدة ،الاية :01

4۔ سورة بني اسرائيل ،الاية :15

5۔ الأصول من الكافي، باب اختلاف الحجة على عباده، 1/ 164، ط: دار الكتب الاسلامية

اندھا ہے نہ بینا، نہ عالم ہے نہ جاہل، نہ قادر ہے نہ عاجز، نہ ایک ہے نہ کئی۔[1]

اس عقیدہ میں ثقلین کی مخالفت اتنی ظاہر وعیاں ہے کہ کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں قرآن مجید کی ہزاروں آیات اور ائمہ کی سینکڑوں احادیث اس عقیدے کی کھلی تردید کرتی ہیں۔[2]

عقیدہ نمبر 3: شیعہ کے مختلف فرقے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے منکر ہیں

اللہ ایک ہے اس عقیدہ کا قرآنی آیات اور احادیث ائمہ ثبوت سے ظاہر وباہر ہونے کے باوجود خطابیہ نمیسیہ، اثنینیہ اور مقنعیہ خدا تعالیٰ کی کثرت کے قائل ہیں اور یہ سب شیعوں کے فرقے ہیں۔[3]

عقیدہ نمبر 4: شیعہ کے بعض فرقے اللہ تعالیٰ کی ابدیت کے منکر ہیں

یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت ابدیت (ہمیشگی) میں یکتا اور اکیلا ہے کوئی اور دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں کیونکہ اس کی ذات وصفات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ فانی اور نوپید ہے مگر امامیہ کے فرقے کاملیہ، عجلیہ، زرامیہ، قرامطہ اور نزاریہ کہتے ہیں کہ آسمان وزمین بھی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کا یہ عقیدہ بھی ثقلین کا مخالف ہے حالانکہ قرانی آیات ان کی پیدائش بالترتیب کو ظاہر کرتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1۔ اسماعیلی داعی ابو یعقوب السجستانی (چوتھی صدی ہجری) کی کتاب "الینابیع" اسماعیلی فلسفہ اور عقیدہ توحید کے قدیم ترین اور مستند ترین ماخذوں میں سے ایک ہے اپنی کتاب کتاب کے "الینبوع الثالث" (تیسرے چشمے) میں توحید کے بارے میں لکھتے ہیں:

فليس مبدع الأشياء موجودا ولا معدوما، ولا عالما ولا جاهلا، ولا قادرا ولا عاجزا، ولا حيا ولا ميتا... ولا يقال له 'هو' ولا 'ليس هو'، لأن الأيسية والليسية إنما حصلا بإبداعه.(كتاب الينابيع،الينبوع الثالث: في نفي الاين والليس عنه تعالى، ص:11، ط: مطبوعه: پيرس/ تهران، 1961ء)

2۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر وکبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوص صریحہ اور قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے۔۔۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیوں کہ وہ مکانی نہیں، بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان وزمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے؟۔۔۔ اور بعض نصوص میں جو خاص مکان کی طرف اشارہ ہے تو وہاں یہ مراد نہیں کہ وہ مکان اللہ تعالیٰ کو محیط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم یا کسی دوسری صفت کا خاص غلبہ اس جگہ مراد ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، باب العقائد، ما یتعلق باللہ تعالیٰ وصفاتہ، 1/ 245 ط: دار الافتاء، جامعہ فاروقیہ کراچی)

3۔ اعتقادات فرق المسلمین: ص 79 و الفرق بين الفرق: ص 215.

"هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ"[1]

وہ وہ ذات ہے جس نے اسمان وزمین کو چھ دنوں میں تخلیق کیا۔

"قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ"[2]

آپ ان سے پوچھئے کیا یہ اس ذات کا انکار کرتے ہیں جس نے زمین کو دو یوم میں پیدا کیا۔

"ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ"[3]

پھر وہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور آسمان دھواں (سا لگتا) ہے۔

"وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا"[4] اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

ان قرآنی آیات کے علاوہ امیر مومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے خطبوں مندرجہ نہج البلاغہ میں اس کی تصریح وضاحت ہے کہ ازل میں اللہ کے سوا کچھ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ ہی ہر فرشتے کو کتم عدم سے عالم وجود میں لایا،[5] اس کے علاوہ مذکورہ بالا فرقے عالم کو بھی ابدی مانتے ہیں منصوریہ معمری یا فرقے بھی اس عقیدہ میں ان کے ہمنوا اور شریک ہو گئے حالانکہ ائمہ کی صحیح و متواتر روایات آسمان و زمین کے فنا ہونے پر ناطق ہیں اور قرآنی آیات میں تو اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر ہی دیا ہے ارشاد ہے:

"إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ"[6] اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔

1۔ سورۃ هود ،الاية :07

2۔ سورة فصلت ،الاية :09

3۔ سورة فصلت ،الاية :24

4۔ سورة النازعات،الاية :30

5۔ أما الأول فلأن كونه تعالى فاطرا لنا أي مخرجا لنا عن كتم العدم إلى الوجود ويتبعه انتهاء كل خير حقيقي إليه وان ليس عند غيره. (الميزان في تفسير القرآن، للطباطبائي، 14/ 183، ط: الحوزة العلمية في قم المقدسة)

6۔ سورة الانشقاق ،الاية :01

"إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ "[1]جب آسمان کھل جائے گا۔

" وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ "[2]جس دن آسمان مع ابر کے شق ہو جائے گا۔

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ "[3]اس پر جو کچھ بھی ہے فانی ہے۔

" كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ "[4]اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز مٹ جانے والی ہے۔

عقیدہ نمبر 5: شیعہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کے منکر ہیں

یہ کہ اللہ تعالیٰ زندگی کے ساتھ زندہ، علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قدرت والا ہے اور اسی طرح اور صفات بھی اس میں موجود ہیں جس طرح اس کے نام اس کی ذات پر اطلاق ہوتے ہیں۔[5]

امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفات سے عاری بلکہ ان صفات کے مشتقات اس کی ذات پر بولے جا سکتے ہیں مثلاً یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ حی ہے، عالم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، قدیر ہے اور قوی ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے لیے حیات ہے، علم ہے، قدرت ہے سمع و بصر ہے،[6] ان کا یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ

1۔ سورة الانفطار ،الاية :01

2۔ سورة الفرقان،الاية :25

3۔ سورة الرحمن،الاية :26

4۔ سورة القصص،الاية :88

5۔(وله صفات) لما ثبت من انه تعالي عالم قادر حي الي غير ذلك ومعلوم ان كلا من ذلك يدل علي معني زائد علي مفهوم الواجب۔ (شرح العقائد النسفية ، ص: 133، ط:مكتبة البشري كراتشي)

6۔فصفات الذات لله تعالى هي الوصف له بأنه حي، قادر، عالم ألا ترى أنه لم يزل مستحقا لهذه الصفات ولا يزال. ووصفنا له تعالى بصفات الأفعال كقولنا خالق، رازق، محيي، مميت، مبدئ، معيد، ألا ترى أنه قبل خلقه الخلق لا يصح وصفه بأنه خالق وقبل إحيائه الأموات لا يقال إنه محيي. وكذلك القول فيما عددناه۔ (تصحيح اعتقادات الإمامية، للشيخ مفيد ، ص:41)

ساتھ ثقلین کے بھی مخالف ہے قرآن کی مخالفت تو اس طرح ہے کہ بہت سی آیات ان صفات کو اللہ تعالی کے لیے ثابت کرتی ہیں مثلاً:

"وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ"[1] وہ اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔

"أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ"[2] اس کو اتارا علم کے ساتھ۔

عترت کی مخالفت اس طرح کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ان خطبوں میں جو نہج البلاغہ میں درج ہیں جا بجا اللہ تعالی کی صفات مذکور ہیں مثلاً:

"عزت قدرته"[3] اس کی قدرت غالب ہے۔

"وسع سمعه الأصوات"[4] اس کا سننا آوازوں پر حاوی ہو گیا۔

علاوہ ازیں ائمہ سے بطریق تواتر یہ صفات مروی ہیں۔

عقیدہ نمبر6: شیعہ اللہ تعالی کو قدیم نہیں مانتے

یہ ہے کہ ذات باری کی صفات قدیم ہے،[5] وہ کسی بھی وقت عاجز و جاہل نہ تھا مگر زرارہ بن اعین، سلیمان جعفری، محمد بن مسلم جو امامیہ فرقہ کے مقتدا اور پیشوا اور ان کی احادیث کے راوی ہیں اور جن کو وہ وجوہ

1۔ سورة البقرة،الاية :255

2۔ سورة النساء،الاية :166

3۔ كذا روي في تفسير مجمع البيان للحسن الطبرسي ، 4/ 331، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان

4۔ نهج البلاغة، 4/ 56، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

5۔ القديم: يطلق على الموجود الذي لا يكون وجوده من غيره، وهو القديم بالذات، ويطلق القديم على الموجود الذي ليس وجوده مسبوقًا بالعدم، وهو القديم بالزمان، والقديم بالذات يقابله المحدث بالذات؛ وهو الذي يكون وجوده من غيره، كما أن القديم بالزمان يقابله المحدث بالزمان؛ وهو الذي سبق عدمُه وجودَه سبقًا زمانيًا، وكل قديم بالذات قديم بالزمان، وليس كل قديم بالزمان قديمًا بالذات، فالقديم بالذات أخص من القديم بالزمان، فيكون الحادث بالذات أعم من الحادث بالزمان؛ لأن مقابل الأخص أعم من مقابل الأعم، ونقيض الأعم من شيء مطلق أخص من نقيض الأخص. وقيل: القديم ما لا ابتداء

طائفہ اور عیون الطائفہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی ازل میں نہ عالم تھا نہ سمیع و بصیر یہاں تک کہ جب تمام مخلوقات کو یہ صفات بخشے تو خود کو بھی علم و سمع وبصر کی صفات سے متصف فرمایا۔[1]

اب اس عقیدہ کی مخالفت کتاب اللہ سے توروز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جابجا "كَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا،[2] عَزِيزًا حَكِيمًا،[3] سَمِيعًا بَصِيرًا"[4] فرمایا۔

اور عترت سے مخالفت سووہ اس طرح کہ کلینی نے ابی جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے:

انه قال :كان الله عز وجل ولا شئ غيره ولم يزل عالما [5]

انہوں نے فرمایا ایک وقت ایسا تھا کہ اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی اور وہ ہمیشہ سے عالم ہے۔

ایسے ہی کلینی اور دوسرے امامیہ مختلف طرق سے ائمہ سے روایت کرتے ہیں:

انهم كانوا يقولون ان الله سبحانه لم يزل عالما سميعا بصيرا[6]

کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی ہمیشہ سے سمیع وبصیر ہے۔

لوجوده الحادث، والمحدث: ما لم يكن كذلك، فكأن الموجود هو الكائن الثابت، والمعدوم ضده. وقيل: القديم هو الذي لا أول ولا آخر له.(التعريفات للجرجاني ، باب القاف، ص: 172، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

1 ـ وقال بعضهم: لا نقول: لم يزل الله عالما لان معنى يعلم يفعل فإن أثبتنا العلم فقد أثبتنا في الأزل معه شيئا-(الأصول من الكافي، 1/ 108، ط: دار الكتب الاسلامية تهران)

2ـ سورة النساء،الاية :17

3ـ سورة النساء،الاية :24

4ـ سورة النساء،الاية :58

5ـالأصول من الكافي، باب صفات الذات، 1/ 107، ط: دار الكتب الاسلامية تهران

6ـعن أبان بن عثمان الأحمر، قال: قلت للصادق جعفر بن محمد عليهما السلام :أخبرني عن الله تبارك وتعالى لم يزل سميعا بصيرا عليما قادرا؟ قال: نعم-(نور البراهين أو أنيس الوحيد في شرح التوحيد للعلامة نعمة الله الموسوي الجزائري، 1/ 363، ط: مؤسسة النشر الاسلامي قم)

عقیدہ نمبر 7: اسماعیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کے مخالف ہیں

اللہ تعالیٰ قادر و مختار ہے، جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے،[1] مگر اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر و مختار نہیں ہے وہ جس چیز کو پسند کر لیتا ہے وہ چیز بے اختیار اس طرح موجود ہو جاتی ہے جس طرح سورج نکلنے پر شعاع موجود ہو جاتی ہے، یہ عقیدہ کتاب اللہ کے یوں مخالف ہے کہ قرآن میں ارشاد ہے:

"وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ"[2]

تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کرنے میں وہ مختار ہے۔

"يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ"[3] جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

"قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ"[4] وہ نازل کرنے پر قادر ہے۔

"بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ"[5]

بے شک ہم اس پر قادر ہیں کہ برابر کریں انگلیوں کو۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں۔

اور عترت کی مخالفت اس طرح ہے کہ امامیہ نے جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قادر ہونا ایک مستقل عقیدہ ہے لیکن کسی چیز پر قدرت ہونے کے لیے اس کا صادر ہونا لازم نہیں ہے، قدرت اللہ کی صفت کمال ہے، اس کے بغیر عجز لازم آتا ہے، جو الوہیت کے منافی ہے اور کسی ایسی چیز کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے صادر ہونا جو اس کی شایان شان نہ ہو، یہ عیب اور نقص ہے، اس لیے اجمالاً بس اتنا عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن قدرت کے لیے فعل کا صادر ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ قدرت کی نفی جیسے کفر ہے، اسی طرح عیب اور اس کی شان کے خلاف کسی فعل کے صدور کا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے، البتہ جو شخص صدور کذب کا قائل ہو گا وہ کافر ہو گا۔

2۔ سورۃ القصص، الآیۃ: 68

3۔ سورۃ آل عمران، الآیۃ: 40

4۔ سورۃ الانعام، الآیۃ: 37

5۔ سورۃ القیامۃ، الآیۃ: 04

"انه قال : ان الله تعالي يريد ولا يحب"[1]

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی ارادہ کرتا ہے اور نہیں پسند کرتا۔

مزید ان شاء اللہ آگے آئے گا اگر مخلوقات کے وجود کے لیے بغیر ارادہ واختیار کے دخل کے صرف پسند کافی ہوئی تو مکلفین کے ہر ہر فرد میں ایمان واطاعت احسان وعدل موجود ہوتے اس کے خلاف صفات موجود نہ ہوتی کیونکہ ان صفات کا محبوب خدا ہونا ایسا ہی یقینی ہے جس طرح ان کی مخالف صفات کا مبغوض خدا ہونا چنانچہ ارشاد فرمایا:

"وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"[2] اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

"اللهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا"[3] اللہ تعالی مومنوں کا دوست ہے۔

"وَاللهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ"[4] اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

عقیدہ نمبر 8: امامیہ اللہ تعالی کے ہر چیز پر قادر ہونے کے مخالف ہیں

اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، مگر شیخ ابو جعفر طوسی، شریف اور امامیہ کی ایک جماعت نے اس عقیدہ کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی عین مقدور بندہ پر قادر نہیں،[5] ان لوگوں کے اس خیال باطل کی تردید کے لیے کتاب اللہ کی یہ آیت کافی ہے:

1۔ فرضى العبد عن الله هو ان لا يكره بعض ما يريده الله ولا يحب۔(الميزان في تفسير القرآن، 9/ 375، ط: الحوزة العلمية قم المقدسة)

2۔ سورة ال عمران ،الاية :134

3۔ سورة البقرة،الاية :257

4۔ سورة ال عمران ،الاية :146

5۔إنه حكى في الخلاصة أن الشيخ كان يذهب إلى مذهب الوعيدية (وهم الذين يكفرون صاحب الكبيرة ويقولون بتخليده في النار)، وهو وشيخه المفيد إلى أنه تعالى لا يقدر على عين مقدور العبد كما هو مذهب الجبائي، والسيد المرتضى إلى مذهب البهشمية من أن إرادته عرض لا في محل۔(كليات في علم الرجال، ص 432، ط: مؤسسة النشر الاسلامي)

"وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"[1] اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

عقیدہ نمبر 9: اللہ تعالی کا علم قدیم ہے شیعہ اس کے منکر ہیں

اللہ تعالی ہر چیز کو اس کے وجود سے پہلے جانتا ہے یعنی معنی تقدیر کہ یہ ہیں کہ اللہ تعالی کے علم میں ہر چیز کا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ ایسی یا ویسی ہو گی چنانچہ وہ اپنے مقررہ وقت پر اسی کے مطابق وجود میں آتی ہے۔

احول طاق کے متبعین جو فرقہ شیطانیہ کہلاتا ہے اس کا مخالف ہے وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی چیزوں کے وجود میں آنے سے پہلے نہیں جانتا، فرقہ حکمیہ اور اثنا عشریہ کے متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت جن میں کنز العرفان کا مصنف مقداد بھی شامل ہے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی جزئیات کو ان کے وجود سے پہلے نہیں جانتا،[2] ان لوگوں کا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں توارشادات خداوندی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

"أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ"[3] اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

"أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا"[4] اس نے ہر چیز کا احاطہ علم سے کر رکھا ہے۔

"مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا"[5]

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت خواہ وہ زمینی ہو یا تمہارے نفسوں میں مگر ہمارے ظاہر کرنے سے پہلے ہی وہ کتاب میں موجود ہے۔

1۔ سورة البقرة،الاية :284

2۔ أوضحها العلامة ابن ميثم البحراني بقوله: ومنهم من أنكر كونه عالما بالجزئيات على الوجه الجزئي المتغير، وإنما يعلمها من حيث هي ماهيات معقولة.(الإلهيات على هدى الكتاب والسنة والعقل، ص :124، ط: الدار الإسلامية)

3۔ سورة البقرة،الاية :231

4۔ سورة الطلاق،الاية :12

5۔ سورة الحديد،الاية :22

"إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ"[1] ہاں میں نے ہر چیز کو اندازے کے موافق پیدا کیا۔

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ[2]

اللہ تعالیٰ نے کعبہ، شہر حرام، ہدی اور قلائد کو اپنی نشانیاں اور تمہارے لیے (جلب منفعت اور دفع مضرت کا ذریعہ) اس لیے بنائی کہ تم جان جاؤ کہ جو کچھ اسمانوں اور زمین میں ہے سب کا علم اللہ کو ہے۔

"وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ"[3] ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے۔

"الم ، غُلِبَتِ الرُّومُ ، فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ"[4]

رومی نزدیکی زمین (یعنی شام) میں مغلوب ہوگئے مگر اس غلبہ کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔

اور یہ آیت فارس پر روم کے غالب ہو جانے سے پہلے کی ہے ان کے علاوہ قرآن مجید میں جابجا اہل جنت و اہل نار کی گفتگو ہے وحالات کی خبریں موجود ہیں اور مصحف فاطمہ بھی آنے والی خبروں سے بھرا ہوا ہے اور پھر یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور اہل سنت نے آنے والے فتنوں اور واقعات کی خبر دی ہے اور ظاہر ہے ان حضرات کو یہ علم وحی اور الہام کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا۔

یہ فرقہ اپنے عقیدہ کے لیے قرآن مجید کی جو ایسی آیات بطور دلیل بیان کرتا ہے جن سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ اشیاء کے وجود کے تحت ہی علم الٰہی کا وجود ہوا جیسے:

1۔ سورۃ القمر،الآیۃ:49

2۔ سورۃ المائدۃ،الآیۃ:97

3۔ سورۃ الانعام،الآیۃ:59

4۔ سورۃ الروم،الآیۃ:01، 02، 03

"وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ"[1] تاکہ صابروں کو جان لے۔

یا وہ آیات جو امتحان یا جانچ پر دلالت کرتی ہیں مثلا:

"لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ"[2] تاکہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں تمہارا امتحان کرے۔ اور

"لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا"[3] تاکہ تمہیں آزمائے کے عمل میں کون اچھا ہے۔

توان کی یہ دلیل بالکل ہی غلط ہے اس لیے کہ یہاں علم کے حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ ظاہر میں چیز کا انتظار اور ممتازنہ ہونا مراد ہے کیونکہ کسی شے کا پیدا کرنا بغیر اس کے علم کے یہ تو محال عقلی ہے جیسا کہ خود فرمایا:

"أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ"[4]

بھلا وہی نہ جانے گا جو پیدا کر رہا ہے وہ تو بہت باریک بین اور باخبر ہے۔

عترت کہ یہ عقیدہ اس طرح مخالف ہے کہ سنی اور شیعہ ہر دو فریق نے جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے:

واللہ لم یجھل ولم یتعلم أحاط بالأشیاء علما قبل کونھا، فلم یزدد بکونھا علما، علمه بها قبل ان یکونها کعلمه بعد تکوینها[5]

فرمایا اللہ جاہل نہیں ہے اور نہ وہ کسی سے سیکھا ہوا ہے اس کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے اشیاء کے وجود میں آنے سے اس کے علم میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی ان کی پیدائش کے بعد کا علم بھی انہی وہی علم ہے جو ان کی پیدائش سے پہلے تھا۔

1۔ سورۃ ال عمران،الایۃ :142

2۔ سورۃ المائدۃ ، الایۃ :48

3۔ سورۃ الملك ، الایۃ :2

4۔ سورۃ الملك ، الایۃ :14

5۔ الأصول من الکافي، 1/ 135، ط: دار الکتب الاسلامیۃ

اور اثنا عشریہ میں سے علی بن ابراہیم قمی نے منصور بن حازم سے اس نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بایں الفاظ روایت کی ہے:

قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام هل يكون اليوم شئ لم يكن في علم الله بالأمس؟ قال: لا، من قال هذا فأخزاه الله، قلت: أرأيت ما كان وما هو كائن إلى يوم القيامة أليس في علم الله؟ قال: بلى قبل أن يخلق الخلق.[1]

میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آج کوئی ایسی شے وجود میں آتی ہے جو کل تک اللہ کے علم میں نہ تھی آپ نے فرمایا جو ایسا کہتا ہے اللہ اسے ذلیل ورسوا کرے میں نے کہا یہ بتایئے کہ جو کچھ ہو چکا اور اب قیامت تک جو ہونے والا ہے یہ کل اللہ تعالی کے علم میں نہ تھا فرمایا ہاں علم میں تھا ان کی پیدائش سے پہلے۔

اس جیسی اور بھی روایات ہیں اب ذرا لفظ "اخزاہ اللہ" پر غور فرمالیں کہ وہ کتنا شدید خوفناک ہے تعجب ہے کہ ان کے علماء پھر بھی معصوم کی بددعا سے نہ ڈرے اور اس بے ہودہ عقیدہ کو اپنے لیے پسند کیا اور پھر اوپر سے عترت کے اقوال سے تمسک کا دعویٰ بھی ہے "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا"[2] یہ کتنی بھاری اور بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے یہ جو کہتے ہیں جھوٹ کہتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 10: موجودہ قرآن اصلی نہیں ہے

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اس میں تحریف یا کمی زیادتی نہ اب تک ہوئی ہے نہ آئندہ ہو سکے گی، مگر امامیہ میں اثنا عشری کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ تمام منزل من اللہ نہیں ہے بلکہ اس میں لوگوں نے کچھ الفاظ زائد بڑھا دیئے ہیں، یہ پورا کا پورا نہ پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہوا اور نہ آپ کی زندگی

1۔ الأصول من الكافي، 1/ 148، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔ سورة الكهف، الاية :05

میں باقی تھا اس کی بہت سی آیات اور سورتیں ساقط و خارج کر دی گئی ہیں چنانچہ کلینی کی وہ روایت جو اس نے ہشام بن سالم اور محمد بن جہم ہلالی سے نقل کی ہیں آپ گزشتہ اوراق میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔[1] کتاب اللہ سے اس عقیدہ کے مخالفت سابقہ تحریر سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد[2]

باطل نہ اس کے پاس سامنے سے پھٹک سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ حکیم و حمید کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"[3]

ہم ہی نے ذکر قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تو جس چیز کا خدا خود محافظ و نگہبان ہو اس میں کیسے تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور پھر یہ حضور ﷺ کے ذمہ واجب تھا کہ اسی قرآن کی تبلیغ فرماتے ہیں جو نازل ہوا تھا چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ[4]

اے رسول آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو اتارا گیا اس کو پہنچا اور اگر تم نے تبلیغ نہیں کی۔

اور پھر یہ واقعہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جو بھی مسلمان ہوتا پہلے قرآن پڑھتا اور پھر دوسروں کو پڑھانے لگتا تا آنکہ حضور ﷺ نے ہزاروں کو قرآن پڑھایا بعض لڑائیوں

1۔ إن القرآن الذي جاء به جبرئيل (عليه السلام) إلى محمد (صلى الله عليه وآله) سبعة عشر ألف آية-(الأصول من الكافي، باب النوادر، 2/ 634، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ سورة فصلت، الآية :42

3۔ سورة الحجر، الآية :09

4۔ سورة المائدة، الآية :67

میں ستر ستر حفاظ قرآن شہید ہوئے، اور اس عہد کے بعد سے آج تک شہر شہر قریہ قریہ اس کی تلاوت کو تمام مسلمان قرب الہی کا ذریعہ اور بڑا سبب جانتے ہیں اور صبح و شام نماز میں، نماز سے باہر اس کی تلاوت میں لگے ہوئے ہیں اور بچہ جب سیانہ ہو جاتا ہے اور اسے مکتب میں بٹھاتے ہیں تو سب سے پہلے اسی کے یاد کرانے پر لگاتے ہیں، یہ قرآن ہے کلینی کی کتاب یا تہذیب نہیں کہ بطور تقیہ گھر کے کسی کونہ میں صندوق میں مقفل پڑی ہو اور تنہائی کے وقت غیروں سے لرزاں و ترساں کے کوئی تورانی نہ دیکھ پائے اس کے ایک دو صفحے پڑھ لیتے ہوں جب اس قسم کی کتابوں میں تغیر و تبدل کو راستہ نہیں ملتا تو قرآن میں اس کی گنجائش کہاں!

اور عترت کی یہ عقیدہ یوں مخالفت کرتا ہے کہ امامیہ کی تمام روایات میں یہی موجود ہے کہ اہل بیت اسی قرآن کو پڑھتے اسی کے عام و خاص اور وجوہ نظم سے تمسک کرتے اور اسی کو دلیل اور شہادت میں پیش کرتے اور انہی آیات کی تفسیر کرتے تھے، چنانچہ وہ تفسیر جو جناب حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اسی قرآن کی تو ہے،[1] اس سے اس کا لفظ لفظ ملتا ہے، علاوہ ازیں اپنے بچوں، بچیوں، کنیزوں اور خادموں اور اہل و عیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور نماز میں اسی کو پڑھنے کا حکم فرماتے تھے یہی وجوہ اور امور تھے جن کے پیش نظر شیخ ابن بابویہ اپنی کتاب الاعتقادات میں اس جھوٹے عقیدہ سے دستبردار ہو گیا اور فارغ خطی دے دی۔[2]

عقیدہ نمبر 11: اسماعیلی اللہ تعالی کے ارادہ قدیم کے مخالف ہیں

اللہ تعالی ارادہ قدیم کا مالک ہے ازل میں ہر ہر چیز کے متعلق جملہ امور طے کر کے ان کو خاص اوقات کے ساتھ معین کیا کہ اس میں آگے پیچھے تقدیم و تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں لہذا ہر چیز اپنے اپنے وقت میں اس کے ارادے کے موافق پیدا ہوتی اور ظہور میں آتی ہے۔

یہ بات گزشتہ اوراق میں آچکی ہے کہ شیعوں میں سے اسماعیلی اللہ تعالی کے ارادہ کے صاف منکر ہیں وہ

1۔ "التفسیر منسوب الی الامام حسن العسکری" اس تفسیر میں، سورہ "فاتحہ الکتاب"، سورہ "بقر" کی آیت نمبر 282 تک روائی صورت میں تفسیر کی گئی ہے کہ قرآنی علوم کی اصطلاح میں اسے تفسیر "ماثور" کہتے ہیں۔ (مؤدب، سید رضا، روشہائے تفسیر قرآن، ص 167، 169، نشر اشراق، قم، طبع اول، 1380ھ)

2۔ إذا كنت ترمي إلى أن القرآن محرف فقد اخطات التقدير. (الإنتصار، للعاملي، 3/ 344، ط: دار السيرة بيروت)

کہتے ہیں کہ اللہ تعالی سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے جیسے آفتاب کے لیے روشنی یا آگ کے لیے گرمی اس عقیدہ کی تردید کے لیے سارا قرآن کافی ہے سارے امامیہ اور زیدیہ کے آٹھوں فرقے جن کے نام ولقب باب اول میں مذکور ہوئے خدا تعالی کے ارادہ کو حادث جانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ تمام کائنات کو شامل نہیں بہت سے موجودات اس کے ارادہ کے بغیر وجود میں آتے ہیں مثلاً فتنہ و فساد، کفر معصیت اس عقیدہ کی تردید میں بھی قرآنی آیات موجود ہیں، مثلاً:

"وَمَنْ يُرِدِ اللهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللهِ شَيْئًا"[1]

اور اللہ جس فتنہ کا ارادہ کرے اس میں اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی دخل نہیں۔

"أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ"[2]

وہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

اگر اس کے بعد ان کے ایمان کا ارادہ کرے تو وہ تناقض لازم آئے گا (لیکن کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالی کا ارادہ نہیں تھا ارادہ تو تھا مگر منفی اس وجہ سے وہ ایمان سے محروم ہوئے اور ان کے دل پاک نہیں ہوئے جو کچھ ہوا اسی کے ارادہ سے ہوا)

"إِنْ كَانَ اللهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ"[3]

اگر اللہ تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ کرے۔

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"[4]

اللہ تعالی ارادہ کرتا ہے کہ اس سے ان کو دنیا میں عذاب دے۔

1۔ سورۃ المائدۃ، الآیۃ: 41

2۔ سورۃ المائدۃ، الآیۃ: 41

3۔ سورۃ هود، الآیۃ: 34

4۔ سورۃ التوبۃ، الآیۃ: 55

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً"[1] جب ہم کسی بستی کو برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

"مَنْ يَشَإِ اللهُ يُضْلِلْهُ"[2] اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

"وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ"[3]

واضح رہے کہ اللہ تعالی انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار آیات پیش کی جاسکتی ہیں۔

اسی طرح عترت کے اقوال بھی اس عقیدے کی تردید کرتے ہیں چنانچہ کلینی نے محمد بن ابی بصیر سے یوں روایت کی ہے:

قال: قلت لأبي الحسن الرضا (عليه السلام). إن بعض أصحابنا يقول بالجبر وبعضهم يقول بالاستطاعة قال: فقال لي: اكتب بسم الله الرحمن الرحيم؛ قال علي بن الحسين: قال الله عز وجل: يا ابن آدم بمشيئتي كنت أنت[4]

میں نے ابی الحسن رضا سے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب جبر کے قائل ہیں اور بعض استطاعت کے پس آپ نے فرمایا بسم اللہ کے بعد لکھو کہ علی بن حسین کہتا ہے کہ میری مشیت اور ارادہ ہی سے تو تو ہے۔

پھر کلینی ہی نے سلیمان بن خالد سے اور اس نے ابی عبداللہ سے روایت کی:

إن الله عز وجل إذا أراد بعبد خيرا نكت في قلبه نكتة بيضاء وفتح مسامع قلبه ووكل به ملكا يسدده وإذا أراد بعبد سوءا نكت في قلبه نكتة سوداء

1۔ سورۃ الاسراء، الآیۃ: 16

2۔ سورۃ الانعام، الآیۃ: 39

3۔ سورۃ الانفال، الآیۃ: 24

4۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 5/ 32، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

وسد مسامع قلبه ووكل به شيطانا يضله.[1]

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نورانی نقطہ لگا دیتا ہے اور اس کے دل کے کان کھول دیتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کو بھلائی پر ثابت قدم رکھتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیتا ہے اور اس کے دل کے کان بند کر دیتا ہے اور اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے اور وہ اس کو گمراہ کرتا ہے۔

پھر یہ آیت پڑھی:

"فَمَنْ يُرِدِ اللهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا"[2]

اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور جس کے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ اور سخت بنا دیتا ہے۔

نیز کلینی اور صاحب المحاسن نے علی بن ابراہیم ہاشمی سے روایت کی ہے:

قال سمعت ابا الحسن موسي عليه السلام يقول لا يكون شيئ إلا ما شاء الله وأراد[3]

میں نے ابو الحسن علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہی چیز وجود میں آتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کا ارادہ کرے۔

اور کلینی نے فتح بن زید جرجانی سے روایت کی اور اس نے ابی الحسن علیہ السلام سے جس میں صراحت سے

1۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 9/ 114، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

2۔ سورة الانعام، الاية :125

3۔ كتاب المحاسن ، للبرقي، 1/ 244، ط: دار الكتب الاسلامية

فرمایا ہے کہ بندہ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر غالب نہیں آسکتا وہ ارادہ خواہش کی حد تک ہو یا اس سے بڑھ کر عزم بالجزم ہو جائے۔[1]

اور کلینی نے ثابت بن عبد اللہ سے بھی روایت کی اور اس نے ابی عبد اللہ سے جو اس کی تصریح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ بالجزم کرتا ہے تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی اور ثابت بن سعید نے بھی اس قسم کی روایت کی ہے۔

پھر اس اصل عقیدہ کی کئی شاخیں ہو گئی ہیں امامیہ تو سب کے سب اور زیدیہ کے آٹھ فرقے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی بات کا حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور صرف اسی سے روکتا ہے جس کا ارادہ نہیں کرتا ان لوگوں کا خیال یہ بھی باطل اور ثقلین کے خلاف ہے کہ کتاب اللہ کے مخالفت تو یوں کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ[2]

اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کوئی تیاری کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا نکلنا ناپسند فرمایا پس ان کو اپنی جگہ پر ہی برقرار رکھا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔

لہذا معلوم ہوا کہ اس جماعت کا نکلنے کا ارادہ ہی نہ تھا اس لیے کہ ناپسندیدگی ارادے کی ضد ہے حالانکہ وہ نکلنے کے لیے بلاشبہ مامور و مکلف تھے ورنہ پھر ان کو ملامت و عتاب کیوں کیا جاتا یا فرمایا:

"يُرِيدُ اللهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ"[3]

اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے۔

حالانکہ ایمان کا حکم ان کو بھی دیا گیا تھا ایسے ہی کافروں کے ایمان نہ چاہنے پر قرآن کی بے شمار آیات

1۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 4/ 273، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

2۔ سورة التوبة، الاية :46

3۔ سورة ال عمران، الاية :176

دلالت کرتی ہیں حالانکہ وہ مامور بایمان تھے۔

اور عترت کی مخالفت اس طرح ہے کہ خود شیعوں کی روایات سے بطریق تواتر ایسا ثابت ہے جو ان کے اس خیال کی ضد ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے اور یہ مخالفت ایسی ہے کہ نہ اسم تاویل کی گنجائش ہے اور نہ انکار کی ان میں سے ایک روایت تو وہی ہے جو برقی نے محاسن میں اور کلینی نے کافی میں علی بن ابراہیم ہاشمی سے روایت کی ہے اور جس کا حوالہ گزر چکا ہے، ایک اور روایت وہ ہے جو کلینی نے حسن بن عبدالرحمٰن حمانی سے اور اس نے ابی الحسن موسیٰ بن جعفر رحمہ اللہ سے کی ہے:

"انه قال : إنما يكون الأشياء بارادته ومشيئته"[1]

کہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ سے وجود میں آتی ہیں۔

ایک دوسری روایت جو کلینی اور دوسروں نے عبداللہ بن سنان سے اور اس نے ابی عبداللہ سے بیان کی ہے کہ:

انه قال :أمر الله ولم يشأ، وشاء ولم يأمر، أمر إبليس أن يسجد لآدم وشاء أن لا يسجد، ولو شاء لسجد، ونهى آدم عن أكل الشجرة وشاء أن يأكل منها ولو لم يشأ لم يأكل.[2]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا مگر اس کو چاہا نہیں اور چاہا مگر حکم نہیں دیا چنانچہ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم تو دیا مگر یہ نہیں چاہا کہ وہ سجدہ کرے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ سجدہ کر لیتا اور حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے کھانے سے منع تو کیا مگر یہ چاہا کہ وہ اسے کھالیں اور اگر وہ نہ چاہتا تو وہ اس کو نہ کھاتے۔

امامیہ اور زیدی فرقوں کا قول اسی کے موافق ہے وہ کہتے ہیں کہ بعض ارادہ کی ہوئی چیزیں واقع نہیں ہوئیں اور شیطان و کافروں کی چاہی ہوئی باتیں وہ خوب پذیر ہوتی ہیں اس عقیدہ میں قیصانیہ بھی انہی کے ساتھ ہیں

1۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 3/ 237، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

2۔ الأصول من الكافي، باب المشيئة والإرادة، 1/ 151، ط: دار الكتب الاسلامية

بخلاف اہل سنت کے کے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا اور اللہ کے ارادہ کے خلاف کسی کا ارادہ نہیں چل سکتا اور نہ ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے جو اس نے چاہا ہو گا جو نہ چاہا نہیں ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امامیہ اور زیدیوں نے یہ عقیدہ زندیق مجوسیوں سے چرا لیا ہے جنہوں نے خیر وشر کے الگ الگ خدا بنا رکھے ہیں ایک کوئی یزدان کہتے ہیں تو دوسرے کو اہرمن اور پھر واقعات عالم کو تقسیم کر کے ہر ایک کی طرف علیحدہ علیحدہ واقعات کی نسبت کرتے ہیں اور کبھی ایک کو دوسرے پر غالب بھی مانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالی کی ذات ان تمام عیوب سے پاک ہے۔

اور امامیہ وزیدیہ کا یہ قول بھی اسی طرح کا ہے کہ اللہ تعالی ایسی چیز کا بھی ارادہ کرتا ہے جو ہونے کے قابل نہیں العیاذ باللہ ان کے اس ناپاک عقیدہ کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ گویا اللہ تعالی کی بے وقوفی ثابت کرنا چاہتے ہیں اللہ بہت ہی پاک ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس پر لگاتے ہیں۔

امامیہ اور زیدیہ کے آٹھوں فرقوں کا یہ قول بھی قول سابق ہی کی مثل ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان اور گمراہ کرنے والے انسان اس کو گمراہ کر دیتے ہیں گویا نعوذ باللہ ان لعینوں کے مقابلے میں اللہ تعالی کی کچھ نہیں چلتی حالانکہ قرآن کی آیت "مَنْ يَهْدِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ "[1] جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اس خیال کو صاف جھٹلا رہی ہے۔

اور عترت کی روایات میں سے وہ روایت بھی امامیہ وغیرہ کے مخالف ہے جو کلینی نے ثابت بن سعید سے اور اس نے ابی عبد اللہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے:

يا ثابت مالكم وللناس، كفوا عن الناس ولا تدعوا أحدا إلى أمركم، فوالله لو أن أهل السماوات وأهل الأرضين اجتمعوا على أن يهدوا عبدا يريد الله ضلالته ما استطاعوا على أن يهدوه[2]

1۔ سورة الزمر، الاية: 37

2۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 5/ 68، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

انہوں نے ثابت سے کہا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا لوگوں کو نہ چھیڑو اور کسی کو اپنے کام کی طرف نہ بلاؤ اللہ کی قسم زمین و آسمان والے سارے مل کر بھی یہ کوشش کریں کہ اس شخص کو گمراہ کر دیں جس کو اللہ تعالی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو سب اس کے گمراہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اسی طرح اگر زمین و آسمان والے سارے مل کر بھی کسی کو ہدایت کریں اور اللہ اس کی ہدایت نہ چاہے تو وہ اس کو سارے مل کر بھی ہدایت نہ کر پائیں گے۔

عقیدہ نمبر12: شیعہ اللہ تعالی کے لئے جسم، طول و عرض مانتے ہیں

اللہ تعالی جسم نہیں رکھتا نہ طول و عرض اور عمق نہ ہی وہ شکل و صورت رکھتا ہے مگر امامیہ کے فرقوں میں حکمیہ، سالمیہ، شیطانیہ اور میثمیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی جسم رکھتا ہے، اس کے ثبوت کے لیے کلینی کی یہ روایت ملاحظہ ہو جو اس نے ابراہیم بن محمد ہمدانی سے کی ہے:

قال: كتبت إلى الرجل عليه السلام: إن من قبلنا قد اختلفوا في التوحيد، فمنهم من يقول: [هو] جسم ومنهم من يقول: [هو] صورة.[1]

میں نے آپ سے متعلق ایک شخص کو لکھا کہ آپ کے جو دوست ہمارے پاس ہیں وہ مسئلہ توحید میں مختلف العقیدہ ہیں بعض اپنا یہ عقیدہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالی جسم والا ہے اور بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اس کے صورت شکل بھی ہے۔

اور ساحل بن زیادہ سے بھی ایک روایت ہے کہ اس نے کہا میں نے ابی محمد کو لکھا کہ اے سردار ہمارے ساتھی عقیدہ توحید میں مختلف القول ہیں بعض اس کو جسم ٹھہراتے ہیں اور بعض صورت۔[2]

1۔الأصول من الكافي،باب النهي عن الصفة بغير ما وصف به نفسه تعالى، 1/ 102، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔سهل، قال: كتبت إلى أبي محمد عليه السلام سنة خمس وخمسين ومأتين: قد اختلف يا سيدي أصحابنا في التوحيد، منهم من يقول: هو جسم ومنهم من يقول: هو صورة.(الأصول من الكافي،باب النهي عن الصفة بغير ما وصف به نفسه تعالى، 1/ 103، ط: دار الكتب الاسلامية)

ان روایات سے مختصراً یہ تو ثابت ہو گیا کہ ان میں ایسے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم صورت شکل مانتے تھے اب ان ترسایان امامیہ کے اس لشکر مذہب کی تفصیل دیکھیے۔

حکمیہ: کہتے ہیں کہ وہ طول عرض اور عموق رکھنے والا ایک جسم ہے جس کے ہر صحت اطراف مذکورہ برابر ہیں اور اس کے ہاتھ بھی ہیں وہ پگلی ہوئی چاندی کی طرح سفید ہے ہر طرف چمکتا ہوا وہ رنگ بھی رکھتا ہے بو بھی مزہ بھی اور محبت بھی وہ اپنے بالشت سے سات بالشت قد کا ہے عرش سے بغیر فاصلہ کے چپٹا ہوا ہے۔[1]

کلینی نے علی بن حمزہ سے روایت کی ہے کہ ہشام بن حکم پیشوائے حکمیہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ٹھوس جسم ہے جس کا پہچاننا ضروری ہے،[2] اس کے علاوہ محمد بن حکم یونس بن طبیان اور حسن بن عبدالرحمن سے بھی مختلف سندوں کے ساتھ اس قسم کی روایت لایا ہے۔

سالمیہ: کہتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) انسان کی شکل کا ایک جسم ہے جو چہرہ، آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں رکھتا اس کے حواس خمسہ بھی ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کان کی تو (جڑ) تک اس کے سیاہ بال بھی ہیں۔[3]

کلینی نے محمد بن خرج سے روایت کی ہے کہ ہشام بن حکم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے،[4] اور ہشام

1۔ وحکی هشام بن الحکم ان ربه جسم له ابعاد من طول وعرض وعمق، وهو سبع اشبار بشبر نفسه، في مكان مخصوص وجهة مخصوصة... وانه كالسبيكة البيضاء يتلألأ من كل جانب، وانه ذو لون وطعم ورائحة ومجسة. (مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين، 1/ 33، ط: المكتبة العصرية، بيروت)

2۔ عن علي بن أبي حمزة، قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام: سمعت هشام بن الحكم يروي عنكم أن الله جسم، صمدي نوري، معرفته ضرورة. (الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة، 1/ 104، ط: دار الكتب الاسلامية مرتضى آخوندي تهران)

3۔ ومن جملة ضلالاتهم انهم قالوا ان الله تعالى صورة واعضاء وشعرا، وانه يرى في القيامة بصورة انسان، وزعموا ان لله حواسا كحواس بني آدم. (التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين، الباب الحادي عشر: في ذكر الرافضة وبيان اصنافهم، ص: 111، ط: عالم الكتب، بيروت)

4۔ إن هشام بن الحكم زعم أن الله جسم. (الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة، 1/ 106، ط: دار الكتب الاسلامية مرتضى آخوندي تهران)

بن سالم سالیہ فرقہ کا بانی اس کو صورت و شکل والا کہتا ہے ناف تک کھوکھلا اور باقی ٹھوس، شیطانی اور میثمیہ بھی سالیہ کے ہم خیال وہاں عقیدہ ہیں، کلینی نے ابن الخزار اور ابن الحسین سے روایت کی ہے کہ میثمی کہتا ہے کہ وہ کھوکھلا ہے ناف تک اور باقی ٹھوس ہے، اور یہی قول جوالیقی اور صاحب الطاق کا بھی ہے۔[1] اب ظاہر ہے کہ امامیہ کا یہ عقیدہ مضحکہ خیز تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ ثقلین کے بھی مخالف ہے۔

کتاب اللہ تو کہتی ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ"[2] اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

اور عترت کی مخالفت یوں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے حوالے سے یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں:

انه قال: ولا يوصف بشيء من الأجزاء، ولا بالجوارح والأعضاء.[3]

آپ نے فرمایا کہ اس کی صفت نہ اجزاء سے بیان کی جاسکتی ہے نہ اعضائے بدنی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے۔

نہج البلاغہ میں بھی اسی طرح ہے اور کلینی نے بھی ابراہیم بن محمد بن الخزار اور محمد بن الحسین سے اسی طرح روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:

وقلنا: إن هشام بن سالم وصاحب الطاق والميثمي يقولون: إنه أجوف إلى السرة والبقية صمد؟ فخر ساجدا لله ثم قال: سبحانك كيف طاوعتهم أنفسهم أن يشبهوك بغيرك، اللهم لا أصفك إلا بما وصفت به نفسك ولا أشبهك بخلقك، أنت أهل لكل خير، فلا تجعلني من القوم الظالمين.[4]

1۔ إن هشام بن سالم وصاحب الطاق والميثمي يقولون: إنه أجوف إلى السرة والبقية صمد. (الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة، 1/ 106، ط: دار الكتب الاسلامية مرتضى آخوندي تهران)

2۔ سورة الشورى، الآية: 11

3۔ نهج البلاغة، 2/ 122، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

4۔ الأصول من الكافي، باب النهي عن الصفة بغير ما وصف به نفسه تعالى، 1/ 101، ط: دار الكتب الاسلامية

ہم جناب ابی الحسن رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے کہا کہ ہشام بن سالم صاحب الطاق اور میثمی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ناف تک پولا اور کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس یہ سن کر توبہ توبہ کرتے ہوئے آپ سجدہ میں گر گیا اور فرمایا اے اللہ تو پاک ہے یہ لوگ اپنے نفسوں کے کتنے مطیع ہو گئے ہیں کہ تیرے غیر سے تجھے مشابہ کرنے لگے اے میرے اللہ میں تیری صفت اسی کے ساتھ کرتا ہوں جس کے ساتھ تو نے اپنی صفت بیان کی ہے اور تیری مخلوق کے ساتھ تجھ کو ہرگز تشبیہ نہیں دیتا تو ہر بھلائی کا مستحق ہے تو مجھ کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرمانا۔

پھر اسی سلسلہ میں کلینی نے حسن بن عبدالرحمن الحمانی سے بھی روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

قلت لأبي الحسن الكاظم عليه السلام :إن هشام بن الحكم زعم أن الله جسم----- قاتله الله أما علم أن الجسم محدود ----- معاذ الله وأبرء إلى الله من هذا القول.[1]

میں نے جناب ابی الحسن کاظم سے کہا کہ ہشام بن حکم کا گمان ہے کہ اللہ جسم ہے فرمایا اللہ اس کا ناس کرے کیا اسے اتنا بھی پتہ نہیں کہ جسم حدوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے خدا کی پناہ میں اللہ کے سامنے اس قول سے مکمل برات ظاہر کرتا ہوں۔

کلینی نے اسی ذیل میں کافی کی کتاب التوحید میں بھی محمد بن فرج زنجی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

كتبت إلى أبي الحسن عليه السلام أسأله عما قال هشام بن الحكم في الجسم وهشام بن سالم في الصورة فكتب:دع عنك حيرة الحيران واستعذ بالله من الشيطان، ليس القول ما قال الهشامان.[2]

میں نے جناب ابی الحسن کو ایک خط لکھا جس میں ہشام بن حکم کا مذہب اللہ کے جسم ہونے میں

1۔ الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة، 1/ 106، ط: دار الكتب الاسلامية مرتضى آخوندي تهران

2۔ الأصول من الكافي،باب النهي عن الجسم والصورة ، 1/ 105، ط: دار الكتب الاسلامية

اور ہشام کا خیال اللہ کی صورت ہونے میں پیش کر کے اس بارے میں آپ سے استفسار کیا تو آپ نے مجھ کو جواباً لکھا کہ تو اس حیرانی میں کیوں پڑ گیا شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ دونوں ہشاموں کا قول لغو ہے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

عقیدہ نمبر 13: اللہ تعالیٰ لامکان ہیں شیعہ اس کے منکر ہیں

اللہ تعالیٰ کے لیے مکانیت نہیں ہے نہ اوپر نیچے کی طرح اس کے لیے کوئی طرف یا سمت ہے یا اہل سنت کا مذہب و عقیدہ ہے مگر امامیہ میں سے حکمیہ اور یونسیہ کہتے ہیں کہ عرش اس کا مکان ہے۔ (1)

حکمیہ کا خیال ہے کہ عرش سے چپٹا ہوا ہے اس فرش کی طرح جو تخت پر بچھایا جاتا ہے کہ اس کے اور عرش کے درمیان کوئی فاصلہ یا حائل نہیں ہے اور وہ جسمیت میں عرش کے برابر نہ وہ زیادہ نہ یہ زیادہ۔ (2)

یونسیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اس طرح برقرار نہیں ہے جس طرح کوئی تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے بلکہ وہ تخت برقراری کے وقت کھڑا بھی ہوتا ہے بیٹھتا بھی ہے اور حرکت بھی کرتا ہے اور اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اگرچہ وہ ان سے قوی تر بھی ہے اور بزرگ تر بھی جیسا کہ کلنگ (جانور) کو اپنے پاؤں اگرچہ بڑائی اور قوت میں کم تر ہیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ (3)

سالیہ شیطانیہ اور میثمیہ کہتے ہیں کہ اس کا مکان آسمان میں ہے مگر مقرر نہیں وہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں ایک آسمان سے دوسرے آسمان میں منتقل ہوتا رہتا ہے اترتا ہے چڑھتا ہے کھڑا ہوتا ہے بیٹھتا

1۔ وحکی عن یونس بن عبد الرحمن انه کان یزعم ان الملائکة تحمل العرش، والعرش یحمل الخالق(مقالات الاسلامیین، 1/ 35) وقال الهشامیة : انه مماس للعرش لا یفضل منه عن العرش ولا یفضل العرش عنه (الملل والنحل، ص: 184)

2۔ مقالات الإسلامیین: 1/ 31و الفرق بین الفرق: ص 216و الملل والنحل: 1/ 72-

3۔ ذکره أهل السنة في کتب الملل والنحل فقد زعم أن الله تعالی یحمله حملة عرشه. مقالات الإسلامیین: ص35؛ الفرق بین الفرق: ص 52؛ الملل والنحل: 1/ 140. أما عند الشیعة الإمامیة فهو من رواتهم الثقات عن الکاظم والرضا، قال عنه النجاشي: کان وجها في أصحابنا متقدما عظیم المنزلة، مات سنة 208هـ رجال النجاشي: 2/ 420؛ الخلاصة: ص 184. وانظر للتفصیل: مقالات الإسلامیین: ص 35؛ الفرق بین الفرق: ص 52؛ الملل والنحل: 1/ 188.

ہے حرکت کرتا ہے سکون میں آجاتا ہے،[1] ربیعہ کہتا ہے کہ اس کی قیام گاہ آسمان میں ہے لیکن موسم بہار میں گلزار مقامات اور شگوفہ ہائے رنگارنگ کی سیر کے لیے زمین پر آتا ہے اور پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے جیسے ہند کا بادشاہ جہانگیر کے اس کی قیام گاہ تو آگرہ میں تھی مگر ہر موسم میں بہار کی سیر کے لیے کشمیر جایا کرتا تھا۔

اس بکواس کی مخالفت کتاب اللہ اور عترت رسول سے بین وظاہر ہے اس لیے کہ قرآن میں تو "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ"[2] فرمایا گیا ہے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض خطبات میں یوں روایت ملتی ہے: "ولا كان في مكان فيجوز عليه الانتقال"[3] وہ کسی مکان میں نہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال ممکن ہو، اور ایک خطبہ میں یوں ہے: "لا تقدره الأوهام بالحدود والحركات"[4] ہمارے وہم وگمان حدود وحرکات سے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، پھر آپ ہی کے ایک اور خطبہ میں یوں آیا ہے کہ اس کو ایک حالت دوسری حالت سے غافل نہیں رکھتی نہ اس کو کوئی مکان گھیرتا ہے۔[5]

یہ سب کچھ نہج البلاغہ میں موجود ہے امامیہ میں سے حکمیہ سالمیہ شیطانیہ اور میثمیہ جہت وطرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے لیے اوپر کی جہت ثابت کرتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اس کی قرار گاہ عرش اور آسمان کو اوپر ہی کی طرف مانا ہے، البتہ اتنا ہے کہ جب وہ آسمان دنیا پر ہوتا ہے تو اوپر کے آسمانوں پر رہنے والے فرشتے، حاملان عرش، خازین کرسی اور جنت میں بود وباش رکھنے والے حور وغلمان، سالمیہ، شیطانیہ اور میثمیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اوپر ہو جاتے ہیں اور وہ جہت وطرف میں ان سے نیچے ہو جاتا ہے لیکن زمین پر رہنے والوں سے تو ہمیشہ اونچا ہی رہتا ہے۔

1۔ اعتقادات فرق المسلمين: ص 65؛ الفرق بين الفرق: ص 53؛ التبصير في الدين: ص 40؛ الملل والنحل: 1/ 186.

2۔ سورة الشوري، الاية: 11

3۔ نهج البلاغة، 1/ 161، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

4۔ نهج البلاغة، 2/ 65، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

5۔ انظر بالتفصيل: الأصول من الكافي، باب الكون والمكان، 1/88، ط: دار الكتب الاسلامية

اور ربیعہ کے نزدیک وہ کوئی جہت نہیں رکھتا کبھی اوپر رہتا ہے اور کبھی نیچے حالانکہ نہج البلاغہ میں سب شیعوں کے نزدیک ثابت ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا یحد"[1] اس کو کسی حد میں محدود نہیں کیا جا سکتا اب اس قول سے نیز ان اقوال سے جو اس کے مکان میں ہونے کی نفی کرتے ہیں جہت کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ جہاد مکان کے اطراف وحدود ہی کا تو نام ہے۔

ایک ضروری وضاحت

اثنا عشری شیعہ لغویات وخرافات کو سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں اور صاف طور پر یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ جب ہم ان تمام اقوال ومذاہب کو مردود وباطل قرار دیتے ہیں تو ان میں ان خرفات کے الزام کیوں دیا جاتا ہے حقیقت میں تو ایسا ہی ہے، لیکن ہمارا روئے سخن تمام شیعوں کی طرف ہونے سے مراد سارے کے سارے امامیہ ہیں وہ ان میں اثنا عشری شیعہ نہ ہوں البتہ عشریوں سے ہماری گزارش یہ ہے کہ جب تم ان اہل مذاہب کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے اور مسئلہ امامت میں اپنا مقتدہ و پیشوا اور معتمد علیہ اور سند بناتے ہو اور انہی کی روایت اور نقل سے اپنا عقیدہ واعتقادات متعین اور مقرر کرتے ہو تو مسئلہ توحید کے معاملہ میں ان بزرگوں کی روایات کی کیوں ذرا برابر قدر نہیں کرتے اور نہ ان کو خاطر میں لاتے ہو، اور پھر جب کہ یہ لوگ روایات حضرات ائمہ ہی سے نقل کرتے ہیں اور اگر ان سے گریز کنارہ کشی کا سبب یہ ہے کہ ان روایات کی ائمہ نے تکذیب فرمائی ہے تو ان حضرات نے ان روایات کی بھی تو تکذیب وتردید کی ہے جو طعن صحابہ اور مسئلہ امامت پر مشتمل ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان روایات کی تکذیب میں دوسرے شیعوں نے بھی ائمہ رحمہم اللہ سے روایت کی ہے اور ائمہ کی تکذیب نقل کی ہے اور طعنے صحابہ مسئلہ امامت میں تکذیب کی روایات ائمہ سے صرف اہل سنت نے نقل کی ہے اور یہ تو واضح عقلی بات ہے کہ جب ایک شخص کسی بزرگ سے کوئی روایت کرے گا تو خود وہ اس کی تکذیب کیوں روایت کرے گا ایسا وہ ہرگز ہرگز نہیں کرے گا اس سے تو اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑے گا اور اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنی ہوگی مثلاً حکمیہ سالمیہ اور میثمیہ جب اللہ تعالیٰ کے جسم بصورت کی روایت

1۔ نہج البلاغة ، 2/ 106 ، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

کرتے ہیں تو یہی ان کی تکذیب وتردید کی روایت کیوں نقل کریں گے اگر یہ ایسا کریں گے تو ان کے مذہب کی تعمیر انہی کے سروں پر نہ آپڑے گی اور یہ اپنی موت آپ نہ مر جائیں گے؟

چنانچہ تمام امامیہ جب اپنی اغراض فاسدہ یا کسی غلط فہمی کے سبب انہی حضرات سے طعن صحابہ یا مسئلہ امامت کی روایت لیتے اور قبول کرتے اور نقل کرتے ہیں تو اب ان سے توقع رکھنا کہ یہی اس کی تکذیب کی روایت بھی نقل کریں عقل سے بہت دور کی بات ہے اگر کوئی عقلمند ان کی سچائی اور جھوٹ پرکھنا اور جانچنا چاہے تو لا محالہ اسے دوسرے فرقہ کی روایات کو دیکھنا چاہیے۔

چنانچہ اہل عقل کے ہاں یہی طریقہ اور اسلوب رائج وجاری ہے اور وہ اسی طور ان جیسے معاملات کو جانچتے اور پرکھتے ہیں جب کسی خبر دینے والے کی خبر کا امتحان مقصود ہوتا ہے تو اسی مخبر سے اس کی روایات کے خلاف روایت کا مطالبہ نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنی بات کی پچ یا اغراض کے ماتحت سخن پروری ہی کرے گا کبھی اپنی غلطی یا جعل کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا بلکہ وہ دوسروں سے جو موقع ومحل پر موجود تھے واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں۔

دین کے معاملہ کو دنیا کے معاملہ سے ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ اس میں سستی وغفلت کو روا رکھنا چاہیے اور اس سے قطع نظر خود شیعو نے کہیں کہیں تان امامت کے بارے میں روایات کرنے میں اپنے معتقدات ومرویات کے بھی خلاف کیا باب متعین وامامت میں ان شاءاللہ ان کا سب ذکر آئے گا اور جھوٹوں کا تو وطیرہ اور قاعدہ یہی ہے کہ اگر کھلم کھلا صاف طور سے ان کی روایت کے خلاف روایت کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس سے انکار کرتے اور راہ فرار اختیار کرتے ہیں لیکن جب کسی دوسرے سلسلے میں وہ خود اس روایت کو بیان کر بیٹھتے اور ایسی بات ظاہر کر دیتے ہیں جو خود ہی ان کی تکذیب وتردید کر دیتی ہے۔

اور دوسری گزارش اثنا عشری حضرات سے یہ ہے کہ جب حضرات ائمہ نے اس جماعت کی تکذیب فرمائی اور اس کی شد ومد سے اور اس حد تک برائی فرمائی کہ ان کے لیے، قاتله الله، اخذاه الله، ولا تجعلني مع القوم الظالمين، اور واستعذ بالله من الشيطان، جیسے سخت الفاظ استعمال فرمائے تو پھر ایسے رسوا وذلیل لوگوں ہی کی روایات دین وایمان کے بارے میں لانا اور ان روایات پر اعتماد کر لینا آخر اس کو کیا سمجھا جائے معمولی سے معمولی ذہن کا آدمی یہی کہے گا کہ سب ایک ہی تھیلی کے چھٹے بٹے ہیں اور یہ حقیقت سے بعید بھی نہیں۔

ایک اشکال کا جواب

ہٹ دھرم امامیہ یہ عذر بھی تراش سکتے ہیں کہ اہل سنت کی روایات حضرات ائمہ سے تقیہ پر محمول ہیں اور امامیہ کی روایات بیان واقع پر، تو ہم کہیں گے کہ ابھی تو حضرات ائمہ رحمہم اللہ کے تقیہ کا معاملہ ہی زیر تصفیہ اور حل طلب ہے اس لیے کہ ان کے تقیہ کی روایات یہی شیعہ حضرات تو کرتے ہیں تو پھر کلام کی توجیہ انہی کی روایات پر کرنا نامناسب اور بے لطف ہے اس کنایا کو عقلمند خوب سمجھتے ہیں۔

اور پھر دوسری بات بھی محتاج بیان و تشریح ہے کہ تقیہ مسئلہ کن کا ہے شیعوں کا یا اہل سنت کا اگر انہیں روایات میں کسی کو انہی اشخاص کی روایت سے ترجیح دی جائے تو پھر وہی بات ہوگی کہ دعوی بھی شیعوں کا اور حجت بھی شیعی روایات سے اور اگر ترجیح دوسری روایات سے ہے تو ان کو بیان کیا جائے یہاں یہ بحث چونکہ ضمناً ہے اس لیے ہم اس کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتے اس لیے بحث کا رخ پھر اصل مقصد کے آغاز کی طرف موڑتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان دو مذکورہ بالا عقیدوں میں سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں اور ان لوگوں نے ہر ایک میں ثقلین کی مخالفت کی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی ترکیب سے پاک ہے مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی اجزاء ہیں جو خارج ہیں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں مثلاً سر، ہاتھ، پاؤں، لمبائی، چوڑائی اور گہرائی حالانکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولا يوصـف بشـيء من الأجزاء، ولا بالجوارح والأعضـاء. ولا بعرض من الأعراض، ولا بالغيرية والأبعاض. ولا يقال له حد ولا نهاية، ولا انقطاع ولا غاية. كذا في نهج البلاغة[1]

اللہ کے اجزاء بدنی ہاتھ، پیر اعضاء انسانی غرض جز جز کرنے یا ٹکڑے کرنے سے صفت بیان نہیں کی جا سکتی نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے کوئی حد و نہایت ہے یا اس کے لیے خاتمہ یا غایت ہے نہج البلاغہ میں اسی طرح ہے۔

1۔ نهج البلاغة، 2/ 122، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

وروي الكليني عن محمد بن حكيم قال: وصفت لأبي إبراهيم عليه السلام قول هشام بن سالم الجواليقي وحكيت له: قول هشام بن الحكم إنه جسم فقال: إن الله تعالى لا يشبهه شيء، أي فحش أو خنى أعظم من قول من يصف خالق الأشياء بجسم أو صورة أو بخلقة أو بتحديد وأعضاء[1]

اور کلینی نے محمد بن حکم سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ابی ابراہیم کے سامنے ہشام جوالیقی کا یہ کلام بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت رکھتا ہے اور ہشام بن حکم کے اس قول کا بھی ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے تو ابی ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کے مشابہ نہیں ہے اس سے برا اور قابل نفرت کھول کیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اس کی صفت صورت وشکل جسم اعضائے جسم حد اور اس کی مخلوق کے حوالہ سے بیان کی جائے۔

عقیدہ نمبر 14: شیعہ غلاۃ اللہ تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں

اللہ تعالیٰ نہ کسی چیز میں سرایت کرتا ہے نہ کسی بدنی قالب میں حلول کرتا ہے یا نمودار ہوتا ہے مگر غالی شیعہ ائمہ کے اجساد و ابدان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں یہاں تک کہ زرامیہ فرقہ نے ابو مسلم مروزی صاحب دعوی کے بدن میں اللہ تعالیٰ کو پیرا ہوا مانا ہے،[2] اور تعجب بغیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ ابن مطہر حلی نے دعویٰ ہمہ دانی کے کتاب میں عقیدہ حلول کو صوفیاء اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا ہے، حالانکہ یہ حضرات اہل حق تو حلول کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں دراصل یہ ساری خرابی اور جہل اور کلام نہ سمجھنے کے سبب سے ہے اس نے مسئلہ وحدت الوجود سے دھوکہ کھایا اور اس کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے حلول پر معمول کر بیٹھا ہیں سے ان کے علماء کے فہم وتدبر کا پول کھلتا ہے اور رسائی فہم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

1۔ الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة 1/ 105، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔ مقالات الإسلاميين: ص 21 و الفرق بين الفرق: ص 242 و الملل والنحل: 1/ 153.

اور جب ائمہ کرام علیہم السلام کے کلام میں ایسے گہرے اور دقیق مطالب آئے تو انہوں نے اپنی کم فہمی بلکہ کج فہمی کے سبب ان کو مسخ کر ڈالا اور اپنی ناقص سمجھ کی وجہ سے ان مطالب میں نامحمود تبدیلی کر ڈالی۔

غالیوں کے بعض فرقے بنانیہ، نصیریہ اور اسحاقیہ حلول کے بجائے اتحاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ اتحاد تو حلول سے بھی زیادہ باطل اور غلط ہے اور اس کا بطلان نہایت واضح بدیہیات میں سے ہے اور شیخ حلی اپنی ناقص وباریک سمجھ کی وجہ سے اتحاد کی نسبت بھی سالکین اہل سنت کی طرف کر بیٹھا ہے حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک اتحاد سے حقیقی معنی مراد ہی نہیں ہے بلکہ یہ دونوں معنی مراد ہیں اول یہ کہ بروقت ظہور و تجلی نور حق بندے کی خودی کا مٹ جانا اور ست و کمزور ہو جانا مراد ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے وقت چراغ کی حالت ہوتی ہے چنانچہ نور تجلی کے وقت بندے کی کیفیت پیدا ہو جانے کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور اقوال عترت سے بھی بالکل ظاہر ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا"[1] پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر ڈالا اور موسی علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، یا فرمایا فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ[2] پس جب وہ آیا اس کے پاس تو ندا دی گئی اس کو کہ برکت دیا گیا وہ جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے اس پاس ہے اور سارے جہان کا رب اللہ پاک ہے۔

اور اقوال عترت سے اس کا ثبوت یوں ہے کہ روایت کلینی سابق جناب صادق ابو بصیر کے ساتھ گفتگو میں کہتے ہیں کہ "ہاں مومن اللہ تعالی کو قیامت سے پہلے اس دنیا میں دیکھیں گے کیا تو اس کو اس وقت نہیں دیکھ رہا؟"[3]

1۔ سورۃ الاعراف، الایۃ : 143

2۔ سورۃ النمل، الایۃ : 08

3۔ عن أبي بصير، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: قلت له: أخبرني عن الله عز وجل هل يراه المؤمنون يوم القيامة؟ قال: نعم وقد رأوه قبل يوم القيامة. فقلت: متى؟ قال: حين قال لهم: " ألست بربكم قالوا بلى " ثم سكت ساعة ثم قال: وإن

اس معنی ومطلب کو شیخ ابن فارغ مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے:

وجاء حديث في اتحادي ثابت روايته في النقل غير ضعيفه

يشير بحب العبد بعد تقرب اليه بنفل او اداء فريضة

وموضع تشبيه الاشاره واضح بكنت له سمعا كنور الظهيرة

وہ حدیث جس سے اتحاد ثابت ہے وہ ضعیف نہیں ہے جو بندے کے ساتھ محبت کرنے کا پتہ دیتی ہے جب وہ اپنے اللہ کی طرف فرائض ونوافل سے تقرب ڈھونڈتا ہے اور میں اس کے لیے کان بن جاتا ہوں سے جو اشارہ ہے وہ تشبیہ کی طرف واضح ہے دوپہر کی دھوپ کی طرح۔

ان اشعار میں جس حدیث کا ذکر ہے وہ یہ صحیح ہے حدیث قدسی ہے:

وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته: كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها[1]

میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب ڈھونڈتا ہے تا آنکہ وہ مجھے محبوب ہو جاتا ہے اور جب وہ میرا دوست ہو جاتا ہے تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے سنتا ہے میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جسے سے وہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جی اس سے وہ چلتا ہے۔

اور دوسرے معنی یہ مراد لیتے ہیں کہ بندہ خود کو حق کا آئینہ اور مظہر جانتا ہے اسی طرح کے بعض احکام ظاہر کے مظہر کی طرف اور بعض مظہر کے ظاہر کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں لیکن وہ صفت جو پاک کی ذات ظاہر کے لیے نامناسب ہو وہ مظہر ہی میں رہتی ہے اور ظاہر کی طرف صعود نہیں کرتی اور وہ صفت جو ذات ظاہر ہی کے لیے

المؤمنين ليرونه في الدنيا قبل يوم القيامة، ألست تراه في وقتك هذا؟ قال أبو بصير: فقلت له: جعلت فداك فأحدث بهذا عنك؟ فقال: لا (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 1/ 44، 45، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

1 ۔ صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع، 8/ 105، رقم: دار طوق النجاة

ذبح ہو وہ ظاہری رہتی ہے مظہر کی طرف نزول نہیں کرتی یہ معنی بھی کتاب اللہ اور اقوال عترت سے ظاہر الثبوت ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ"[1]

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ"[2]

بے شک تم سے بیعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا خطبہ الافتخار یا خطبہ البیان جو امامیہ کی کتب میں مشہور و معروف ہیں اس پر دال ہیں شیخ حلی اگر جان بوجھ کر اتحاد کے اس صحیح و مفہوم معنی سے جاہل بنا رہنا چاہتا ہے تو بنا رہے دوسرے عاقل شیعوں نے اس کو عقل کی ترازو پر تول کر اس کی صحت تسلیم کی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں خواجہ نصیر الدین طوسی کا کلام شرح مقامات العارفین میں بحوالہ کتاب اشارات اور صدر اشیرازی کا کلام شواہد الربوبیۃ اور اسفار میں نیز ابن جمہور اور اس فرقہ کے دوسرے متاخرین کا کلام دیکھنا چاہیے اور اگر ان کا بھی اعتبار نہ ہو کہ انہوں نے تصوف و شریعت کو فلسفہ میں گڑبڑ کر دی ہو تو ہم مقداد کا کلام نقل کرتے ہیں جو علوم دینیہ میں ان کا معنی ہوا پیشوا اور سر گروہ ہے اور جو قواعد کا شارع اور کنز العرفان فی تفسیر احکام القران کا مصنف اس نے شرح الفصول فی علم الاصول میں ان حالات کے ذیل میں جو سالک کو پیش آتے ہیں کہا ہے کہ:

"المراد من الاتحاد هو ان لا ينظر الا اليه من غير ان يتكلف ويقول ما عداه قائم به فيكون الكل واحدا من حيث انه اذا صار بصيرا بنور تجليه لا يبصر الا ذاته للرائي ولا مرئي"[3]

1۔ سورۃ النساء، الایۃ: 80

2۔ سورۃ الفتح، الایۃ: 10

3۔ لم اجد کتاب شرح الفصول فی علم الاصول

اتحاد سے مراد یہ ہے کہ نہ نظر رکھے مگر اسی پر بلا تکلف کے اور کہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسی کے ساتھ قائم پس اس لحاظ سے سب ایک ہی ہوں گے کہ جب وہ شخص اس کے نور کی تجلی دیکھنے والا ہو گیا تو نہیں دیکھے گا مگر اسی کی ذات کو نہ دیکھنے والے کو اور نہ دیکھے گئے کو۔

عقیدہ نمبر 15: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اعراض سے متصف ہیں

یہ کہ اللہ تعالیٰ نظر آنے والے اعراض کے ساتھ متصف نہیں اس لئے رنگ و بو یا ان جیسی دوسری کیفیات جیسے حواس خمسہ وغیرہ نہیں رکھتا، مگر امامیہ کے فرقوں میں سے حکمیہ اس کے لئے مزہ، رنگ و بو وغیرہ ثابت کرتے ہیں، اور اسی کا عقیدہ رکھتے ہیں،[1] اور غالی تو ان سے بھی آگے بڑھ گئے ائمہ کے ابدان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کو مان کر نہ ان کیفیات بالا ہی کو عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ وہ تو اس کے لئے بھوک، پیاس بول و براز جیسی ضروریات اس کی ذات کے لئے جائز رکھتے ہیں۔[2]

اس کی تردید میں ابھی اوپر جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا جا چکا ہے کہ "وہ کسی بھی عرض سے متصف نہیں"۔

عقیدہ نمبر 16: اللہ تعالیٰ کی ذات کا چھپنا اور سایہ ممکن ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کسی بھی چیز میں چھپ نہیں سکتی اور نہ وہ سایہ رکھتی ہے مگر سارے ہی غالب شیعہ کہتے ہیں کہ وہ سایہ رکھتی ہے اور پانی و آئینہ میں چھپتی ہے مغیرہ عجلی جو فرقہ مغیرہ کا سرگروہ ہے کہتا ہے:

لما أراد أن يخلق الخلق تكلم بالاسم الأعظم، فطار، فوقع تاجا على رأسه، ثم إنه كتب على كفه أعمال العباد فغضب من المعاصي، فعرق، فحصل منه بحران أحدهما: مالح مظلم، والاخر حلو نير، ثم اطلع في البحر النير، فأبصر فيه ظله،

1۔ مقالات الإسلاميين: 1/ 31و الفرق بين الفرق: ص 216و الملل والنحل: 1/ 72۔

2۔ أتباع أبي شعيب محمد بن نصير. الملل والنحل: 1/ 188و منهاج السنة النبوية: 2/ 627و الجواب الصحيح: 4/ 303و المواقف: ص 47.

فانتزعه فجعل منه الشمس والقمر، وأفنى الباقي من الظل نفيا للشريك، ثم خلق الخلق من البحرين فالكفار من المظلم، والمؤمنين من النير. [1]

ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے کہ پیدا کرے مخلوق کو تو اس نے اسم اعظم پڑھا وہ اڑ کر اس کے سر کا تاج بن گیا اور سبح اسم ربك الاعلى الذي خلق فسوى کہ یہی معنی ہے پھر اپنی ہتھیلی پر بندوں کے اعمال لکھے اور ان کے گناہوں اور نافرمانیوں سے اس قدر غیظ وغضب میں آیا کہ پسینے پسینے ہو گیا اس کے پسینے سے دو دریا پھوٹے ایک کھاری اور تاریک دوسرا میٹھا اور روشن پھر روشن دریا پر اکر اس میں اپنا عکس دیکھا اس میں سے تھوڑی روشنی لی اور اس سے چاند و سورج بنائے باقی عکس کو مٹا دیا تاکہ شریک مٹ جائے عکس مٹاتے وقت یہ کہا کہ شریک نہیں ہونا چاہیے پھر ساری مخلوق کو ان دو دریاؤں سے پیدا کیا کھاری و تاریک سے کافر میٹھے اور روشن سے مومن۔

اس عقیدہ کا غلط ہونا تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ چھپنا اور عکس کا پڑھنا کثیف اجسام میں سے ہے اور یہ غلاۃ تو صرف اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو اس کی ذات پاک کو تمام نفسانی کیفیات سے متصف مانتے ہیں مثلا رنج، کینہ، حسد، غمی وخوشی وغیرہ اس لیے کہ وہ ائمہ میں اللہ تعالیٰ کے حلول کو مانتے ہیں بہر حال شک ان صفات سے متصف ہیں لیکن یہ ظلم تو ان اوصاف سے بھی آگے بڑھ کر تمام حیوانی صفات کے ساتھ بھی اس کی ذات کو متصف کہتے ہیں مثلا کھانا پینا نیند اونگ جمائی چھینک پیشاب پاخانہ کرنا مذکر و مونث ہونا وغیرہ وغیرہ اور یوں یہ بدبخت اللہ تعالیٰ کو اسی کی بنائی ہوئی مخلوق کے مماثل اور مشابہ مانتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے رہے، اس عقیدہ کے مخالفت ثقلین سے اظہر من الشمس ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ"[2] اسے نا نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

---

1 ـ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 64/ 202، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان

2 ـ سورة البقرة، الاية: 255

"وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ"[1] وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔

"كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ"[2] وہ دونوں (حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام) کھانا کھاتے تھے۔

"وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ"[3] اس کی کوئی بیوی نہیں۔

"لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا"[4] اس نے کسی کو اپنا لڑکا نہیں بنایا۔

نہج البلاغہ میں روایت ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لم يولد سبحانه فيكون في العز مشاركا، ولم يلد فيكون موروثا هالكا.[5]

کسی کو اس نے نہیں جنا کہ وہ اس کا شریک بنے نہ وہ خود جنا گیا کہ مورث چھوڑ کر خود مرنا پڑے۔

ولا يبصر بعين. ولا يحد بأين. ولا يوصف بالأزواج، ولا يخلق بعلاج.[6]

نہ وہ آنکھ سے دیکھتا ہے نہ کسی جگہ سے گھرتا ہے نہ اس کے بیوی ہے اور نہ وہ ہاتھ سے مخلوق تراشتا ہے۔

نیز فرمایا: جل عن اتخاذ الأبناء، وطهر عن ملامسة النساء.[7]

وہ بیٹے بنانے اور عورتوں کو چھونے سے بالاتر ہے۔

اثنا عشریہ میں سے خواجہ نصیر الدین طوسی اور صاحب یاقوت اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ لذت

1۔ سورة الانعام، الاية: 14

2۔ سورة المائدة، الاية: 75

3۔ سورة الانعام، الاية: 101

4۔ سورة الاسراء، الاية: 111

5۔ نهج البلاغة، 2/ 104، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

6۔ نهج البلاغة، 2/ 106، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

7۔ نهج البلاغة، 2/ 122، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

عقلیہ کے ساتھ متصف ہے،[1] انہوں نے گویا غائب کو ظاہر پر قیاس کیا ان کا یہ عقیدہ بھی کتاب اللہ و عترت رسول اللہ کے خلاف ہے قرآن تو اس کی جڑ "لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞ"[2] فرما کر کاٹ دیتا ہے اور عترت رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا اس کو نہج البلاغہ نے یوں روایت کیا ہے:

انه قال: هو الله الحق المبين أحق وأبين مما ترى العيون، لم تبلغه العقول بتحديد فيكون مشبها.[3]

آپ نے فرمایا اللہ تعالی سچا اور صاف بادشاہ ہے عقلیں اس کی حد بندی تک رسائی پیدا نہ کر سکیں کہ اسے تشبیہ دی جاتی نہ وہم اس تک پہنچ سکے کہ اس کی مثال دی جاتی۔

اور نہج البلاغہ میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

انه قال: ما وحده من كيفه..... ولا إياه عني من شبهه.[4]

آپ نے فرمایا جس نے اس کی کیفیت بیان کی اس نے اس کی توحید نہ کی اور جس نے اس کی تشبیہ دی اس نے مجھ میں (مخلوق میں) اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اور کلینی میں جناب رضا رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے تیری ذات پاک ہے یہ اپنے نفسوں کے کیسے غلام ہیں کہ تجھے تیری مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں،[5] اور اسی نے ابی ابراہیم سے بھی یہ بھی روایت کی ہے کہ اللہ تعالی کسی

1۔ وإن كانت عقلية فقد أثبتها الحكماء له تعالى وصاحب الياقوت منا لأن الباري تعالى متصف بكماله اللائق به لاستحالة النقص عليه۔ (النافع يوم الحشر في شرح الباب الحادي عشر، للحلي، ص: 53، ط: دار الأضواء للطباعة والنشر والتوزيع بيروت لبنان)

2۔ سورة الشوري، الاية : 11

3۔ نهج البلاغة، 2/ 45، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

4۔ نهج البلاغة، 2/ 45، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

5۔ قال: سبحانك كيف طاوعتهم أنفسهم أن يشبهوك بغيرك. (الأصول من الكافي، باب النهي عن الصفة بغير ما وصف به نفسه تعالى، 1/ 101، ط: دار الكتب الاسلامية)

شے کے مشابہ نہیں ہے۔[1]

عقیدہ نمبر 17: شیعہ اللہ تعالیٰ کی طرف بدا کی نسبت کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کی نسبت جائز نہیں بدا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اسے کسی دوسری چیز میں کوئی مصلحت نظر آئے جو پہلے سے معلوم نہ ہو سکی لہذا پہلے ارادہ سے دستبردار ہو کر دوسرے ارادہ کو اختیار فرمائے،[2] یہ خیال وعقیدہ اس بات کو چاہتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ناقبت اندیش اور امور کے نتائج سے ناواقف ہیں اللہ تعالیٰ کی شان اس گندے خیال سے بالاتر ہے۔

زراریہ، سالمیہ، بدائیہ اور دوسرے امامیہ فرقے مثلاً مالک جہنی، دار بن حکم، ریان بن ثابت اور ان کے علاوہ بدا کو مانتے ہیں اور ائمہ سے اس کے بارے میں روایات بیان کرتے ہیں چنانچہ کلینی میں زرارہ بن اعین سے روایت ہے کہ "ائمہ میں سے کسی ایک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بدا سے اچھی کوئی چیز نہیں ہشام بن سالم نے ابی عبداللہ سے روایت کی" ما عظم الله بمثل البداء"[3] بدا سے عظیم اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کو نہیں جانتا، اور ریان بن صامت کہتا ہے کہ میں نے جناب رضا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ " اللہ

1۔ إن الله تعالى لا يشبهه شيء (الأصول من الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة 1/ 105، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ اصطلاح میں جب کسی شخص کا نظریہ بدل جائے اس معنی میں کہ اسے پتہ چلے کہ اس کا پہلا نظریہ ایک ایسے نتیجے تک پہنچ رہا ہے جو اس کا ہدف اور مقصد نہیں تھا تو اس صورت میں وہ اپنا نظریہ تبدیل کر دیتا ہے، اس وقت اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے "بداء" حاصل ہوا ہے۔ پس حقیقت میں بداء حاصل ہوتے وقت اس شخص کو اپنے نظرے کی صحت وسقم کا پتہ چلتا ہے اس بنا پر وہ اپنا نظریہ تبدیل کر دیتا ہے۔

اہل تشیع نے عقیدہ بداء کے متعلق مختلف اصطلاحی تعریفیں پیش کی ہیں: فالبداء في عالم التكوين كالنسخ في عالم التشريع، فكما أن لنسخ الحكم وتبديله بحكم آخر مصالح وأسرار بعضها غامض وبعضهاظاهر، فكذلك في الإخفاء والإبداء في عالم التكوين. (اصل الشيعة واصولها، ص 314) بداء عالم تکوین میں عالم تشریع کی طرح ہے کسی مصلحت کی خاطر کسی چیز کو ایک خاص نوعیت کے ساتھ آشکار کرتا ہے لیکن بعد میں کسی اور مصلحت کی خاطر کسی اس چیز سے مختلف کسی اور چیز کو اس کے جگہ پر ظاہر کرتا ہے اور پہلے حکم کو منسوخ وتبدیل کرتا لیکن مصلحت یا مفسدہ کی خاطر پہلے ایک چیز کو اور بعد میں اس کی جگہ کسی اور چیز کو ظاہر کرتا ہے۔

3۔ الأصول من الكافي، باب البداء، 1/ 146، ط: دار الكتب الاسلامية

تعالیٰ نے کسی نبی کو کبھی نہیں بھیجا مگر یہ کہ شراب کو حرام کرنے کے لیے اور بدا کا اقرار کرنے کے لیے۔[1]

زرارہ اور ہشام بن سالم کے حال سے تو آپ آگاہ ہو چکے ہیں کہ یہ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے ائمہ سے جسم اور صورت تک کی روایت بیان کر دی ہیں مگر اثنا عشری بدا کے مسئلہ میں اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں جس سے اس کے منسوخ ہونے کا اشارہ ملتا ہے تاکہ طعن و تشنیع کی گنجائش نہ رہے لہٰذا ہم مجبوراً رسالہ اعلام الہدی فی تحقیق البداء سے مناسب مقام چند عبارات اور ترجمہ پیش کرتے ہیں:

يقال بداله اذا ظهر له راي مخالف للراي الاولي وهو الذي حققه الشيخ في العده وابو الفتح الكراجكي في كنز الفرائد والذي حققه المرتضى في الذريعه ويشعر به كلام الطبرسى وهو ان معنى قولنا بداله تعالى انه ظهر له من الامر ما لم يكن ظاهرا الى آخر ما نقل.[2]

بدا لہ اس وقت بولا جاتا ہے کہ اس کے لیے پہلی رائے کے خلاف کوئی رائے ظاہر ہو چنانچہ شیخ نے عدہ میں اور ابو فتح کراجکی نے کنز الفوائد میں اسی کی تحقیق کی ہے اور اس کو حق ٹھہرایا ہے اور مرتضی نے ذریعہ میں جس کو حق ثابت کیا ہے طبرسی کا کلام بھی اس کی طرف تائیدی اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے اس قول بدا لہ تعالی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی کے لیے کسی معاملہ میں وہ بات ظاہر ہو گئی جو پہلے ظاہر نہ تھی۔

اسی طرح کی اور نقلیں بھی اس کتاب میں درج کی ہیں اس کے بعد امام مہدی کا مصنف کہتا ہے:

---

1 ۔ عن الريان بن الصلت قال: سمعت الرضا عليه السلام يقول ما بعث الله نبيا قط إلا بتحريم الخمر وأن يقر لله بالبداء. (الأصول من الكافي، باب البداء،1/ 148، ط: دار الكتب الاسلامية)

2 ۔ قال في العدة: وذكر سيدنا الأجل المرتضى رحمه الله وجها آخر في ذلك وهو أن قال: يمكن حمل ذلك على حقيقته، بأن يقال: " بدا له تعالى " بمعنى أنه ظهر له من الأمر ما لم يكن ظاهرا له، وبدا من النهي ما لم يكن ظاهرا له. (العدة في أصول الفقه ،لحسن بن الطوسي، 2/ 496، ط: مؤسسة البعثة القلم والألواح قم)

"الحاصل ان علمه سبحانه بالحوادث حادث على ما دل عليه الاحاديث والايه المذكوره ونظائرها وصرح به المرتضى والطبرسي والمقداد قدس الله ارواحهم"

حاصل کلام یہ ہے کہ حوادث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم نہیں چنانچہ احادیث اور ایت مذکورہ اور ان جیسی بہت سی چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں اور مرتضی طبرسی اور مقداد نے بھی اسی بات کی تشریح کی ہے اللہ ان کی روحوں کو پاک کرے۔

پھر بدا کے اقسام کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد کہتا ہے:

من جملتها تحويل الانثى ذكر كما رواه في الكافي عن الحسن بن الجهم عن الرضا عليه السلام في باب بدا خلق الانسان في كتاب العقيقه[1]

اور ان میں سے ایک عورت کو مرد کی شکل میں تبدیل کر دینا ہے جیسا کہ حسن بن جہم سے کافی کی کتاب العقیقہ کے باب بدا خلق الانسان میں روایت کیا گیا ہے اور اس نے یہ روایت جناب رضا سے کی ہے۔

آگے کہتا ہے:

والثاني البداء في الاخبار وصرح الطبرسي بمنعه وما روى في الكافي والامال الصدوق عن امير المؤمنين من قوله: ولولا آية في كتاب الله عز وجل لأخبرتكم بما كان وبما يكون، وبما هو كائن إلى يوم القيامة،[2] يريد بالايه قوله تعالى يمحو الله ما يشاء ويثبت وما رواه علي بن ابراهيم في

1۔ فقال الحسن بن الجهم: فقلت له: أفيجوز أن يدعوا الله فيحول الأنثى ذكرا والذكر أنثى فقال: إن الله يفعل ما يشاء۔ (الفروع من الكافي، باب بدء خلق الانسان وتقلبه في بطن أمه، 6/ 13، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ الأمالي للشيخ الصدوق، ص: 423، ط: مؤسسة البعثة طهران

تفسير قوله تعالى الم غلبت الروم وما رواه الصدوق في عيون اخبار الرضا عليه السلام انه قال اخبرني ابي عن ابائه عليهم السلام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله عز وجل اوحى الى نبي من الانبياء.... الخ، وما رواه صاحب الكافي في باب ان الصدقه تدفع البلاء من كتاب الزكاه في قصه اليهودي وما رواه في الاعمال في المجلس الخامس والسبعين من قصه مرور عيسى عليه السلام بقوم محلبين ورواه الراوندي في قصص الانبياء في اخبار بني اسرائيل عن الصادق عليه السلام ان ورشان كان يفرخ في شجرة، وكان رجل يأتيه إذا أدرك الفرخان فيأخذ الفرخين، فشكا ذلك الورشان إلى الله تعالى فقال: إني سأكفيكه قال: فأفرخ الورشان وجاء الرجل ومعه رغيفان، فصعد الشجرة وعرض له سائل فأعطاه أحد الرغيفين، ثم صعد فأخذ الفرخين ونزل بهما فسلمه الله لما تصدق به.[1] تدل باجمعها على وقوع البداء في الاخبار۔

دوسرا بدا اخبار میں اس کو طبرسی نے صراحت سے روکا ہے ایک وہ روایت ہے جو کافی اور امالی میں امیر المومنین سے بطریق صدوق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم کو قیامت تک ہونے والوں کی خبر دیتا آپ سے مراد اللہ تعالی کا یہ قول ہے "يَمْحُو اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ" آخر آیت تک اور ایک وہ روایت ہے جو آیت "الم ،غُلِبَتِ الرُّومُ" کی تفسیر کے ذیل میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے پھر وہ روایت ہے جو عیون اخبار الرضا میں بطریق صدوق منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھ سے والد نے اور ان سے ان کے باپ دادا نے کہا کہ رسول اللہ

---

1 ۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 14/ 490، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبیوں میں سے کسی نبی کے پاس وحی بھیجی اور روایت جو صاحب کافی نے کتاب الزکوۃ کے باب "ان الصــدقة تدفع البلاء" میں ذکر کی ہے اور وہ روایت جو امالی کی مجلس 75 میں اس قصہ کے دوران کہ حضرت عیسی علیہ السلام قوم مجلبین پر گزر رہے تھے بیان کی ہے اور وہ روایت جو راوندی نے قصص فی اخبار بنی اسرائیل میں جناب صادق سے کی ہے کہ ایک پرند ایک درخت پر انڈے بچے دیا کرتا تھا وہاں ایک آدمی آتا اور بچے اٹھالے جاتا اس پرندے میں اللہ تعالی کی جناب میں اس کی شکایت کی تو اللہ تعالی نے فرمایا میں تیری شکایت جلد دور کردوں گا چنانچہ پرندے نے پھر بچے دیئے اور وہ آدمی پھر آیا اور اپنے ساتھ دو روٹیاں بھی لایا جب وہ درخت پر چڑھنے لگا تو ایک سائل آگیا اس کے سوال پر اس شخص نے ایک سائل کو روٹی دے دی پھر درخت پر چڑھ کر بچوں کو لے گیا تو اس صدقہ کی بنا پر اللہ تعالی نے اس کو سزا سے بچالیا، لہذا یہ ساری روایات مل کر یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ اخبار میں بدا ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ امامیہ کے متاخرین نے بدا کے قول کی برائی محسوس کرکے بدا کو اللہ تعالی کے مخفی علوم کے ساتھ مختص کیا ہے اور کہا ہے وہ علم جو اللہ تعالی فرشتوں یا اہل بیت تک پہنچائے اس میں بدا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی اپنے دوستوں کو جھوٹا کرنا نہیں چاہتا مگر نظام الدین جیلانی صاحب رسالہ علم الہدی جو اثنا عشریوں کا بڑا محقق گزرا ہے اس تحقیق کو نہیں مانا اور اس بارے میں ان کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے:

لا يخفى عليك ان ما نقلنا عن امير المؤمنين عليه السلام من قوله لو لا اية...الخ وما نقلناه من الكافي في قصه اليهودي وعن الامالي في قصة عيسى وما رواه ايضا صــاحب الكافي في كتاب النكاح في باب اللواطة في تضــاعيف حديث رواه بالاسناد ان ابي جعفر وهذا موضع الحاجة منه وقال لهم لوط: يا رسل ربي فما أمركم ربي فيهم؟ قالوا: أمرنا أن نأخذهم بالسحر، قال: فلي إليكم حاجة، قالوا:

وما ها هنالك قال: تأخذونهم الساعة فإني أخاف أن يبدو لربي فيهم[1] وايضا ما رواه صاحب الكافي في باب بدا خلق الانسان من كتاب العقيقة ان الله تعالى يقول للملكين اكتبا عليه قضائي وقدري ونافذ أمري واشترطا لي البداء فيما تكتبان[2] وما رواه الصدوق بالاسناد عن الحسن بن محمد بن ابي طلحة قال قلت للرضا عليه السلام أيأتي الرسل عن الله بشيء ثم يأتي بخلافه؟ قال: نعم إن شئت حدثتك به وإن شئت اتيت به من كتاب الله تعالى: قال الله تعالى: (ادخلوا الأرض المقدسة التي كتب الله لكم...) الآية فما دخلوها ودخل أبناء أبنائهم. وقال عمران: ان الله وعدني ان يهب لي غلاما نبيا في سنتي هذه وشهري هذا ثم غاب، وولدت امرأته مريم،[3] مناف لذلک لان الله تعالي قد اكذب فيها النبي وعيسى عليه السلام وشرط على الملائكه البداء۔

تم پر واضح ہے جو کچھ ہم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ان کا قول آیت لولا آیت آخر تک اور جو کچھ نقل کیا کافی سے یہودی کے قصہ کے سلسلے میں اور امالی سے حضرت عیسی علیہ السلام کے قصہ میں اور وہ روایت بھی جو صاحب کافی نے کتاب النکاح کے باب لواطت میں ایک حدیث کے سلسلے میں اپنے روات کی سند سے ابھی جعفر سے بیان کی ہے اس کا ضرور ہوئی اختصار یہاں کرنا ضروری ہے لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے رب نے ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم فرمایا ہے فرشتوں نے کہا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ صبح دم ان کو آگھیریں لوط علیہ السلام نے کہا کہ تم سے میری ایک

1۔ الفروع من الكافي، كتاب النكاح ،باب اللواط، 5/ 546، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔ الفروع من الكافي،6/ 14، ط: دار الكتب الاسلامية

3۔ النور المبين في قصص الأنبياء والمرسلين، لنعمت الله الجزائري، ص: 455

درخواست ہے کہ تم ان کو ابھی گھیر لو مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے بارے میں میرے رب کو بدا نہ ہو جائے علاوہ ازیں صاحب کافی نے کتاب العقیقہ کے باب بدء خلق الانسان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے جو تخلیق انسان پر مامور ہیں کہتا ہے کہ اس پر میرا فیصلہ میرا اندازہ اور میرا چلنے والا حکم لکھو اور اس لکھنے پر میرے لیے بدا کی شرط کا مزید اضافہ کرو اور وہ روایت جو بطریق صدوق حسن بن محمد بن ابی طلحہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب رضا سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ سے جو احکامات و ہدایات ملتی ہیں اس کے خلاف بھی آپ سے کوئی چیز ملتی ہے انہوں نے کہا ہاں تم کہو تو اس کے ثبوت میں آپ سے بیان کروں اور کہو تو حدیث سے ثابت کروں اور دیکھو آیت میں ہے کہ جو سرزمین مقدس تمہارے لیے لکھ دی گئی ہے اس میں داخل ہو جاؤ مگر وہ تو اس میں داخل نہیں ہوئے ان کے پوتے داخل ہوئے اور دیکھو کہ عمران نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اسی سال اور اسی ماہ لڑکا دینے کا وعدہ کیا ہے پھر وہ تو غائب ہو گیا مگر ان کی عورت نے لڑکے کے بجائے لڑکی کو جنا، پس یہ ساری روایات و واقعات اس خیال کی (جو امامیہ کے متاخرین کا ہے) تردید کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا پڑوا دیا اور یہ کہ فرشتوں پر شرط لگائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس سلسلہ میں شیعوں کی تمام روایات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بدا کے تین اقسام یا معنی ہیں اول علم میں بدا کے اپنے پچھلے اور سابقہ علم کے خلاف انکشاف ہو دوسرے ارادہ میں بتا کہ پہلے ارادہ کے خلاف نظر آئے اور تیسرے حکم میں بدا کے پہلے ایک بات کا حکم دیا جائے پھر اسی کے خلاف حکم دیا جائے، شیعوں کے نزدیک تینوں قسم کا بدا اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود و ثابت ہے۔

تیسرے قسم کا بدا جو نسخ سے ملتا جلتا ہے اسے یہ اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اسے مانتے ہیں ان کی اصطلاح میں پہلا بدا بدا فی الاخبار کہلاتا ہے دوسرا بدا فی التکوین اور تیسرا بدا فی تکلیف، یہاں قابل غور اور لائق توجہ بہت باریک نقطہ ہے وہ یہ کہ آخری بدا نہ تو نسخ ہے نہ ہی اہل سنت کی اکثریت اسے تسلیم کرتی ہے اس مسئلہ کی تحقیق سورت یہ ہے کہ اہل سنت اور شیعہ ہر دو فریق اس پر تو متفق ہیں کہ جب نسخ کو روکنے والے شرائط ثابت و متحقق ہو جائیں تو نسخ جائز نہیں وہ شرائط اہل سنت کے نزدیک چار ہیں (1) کام

(2) وجہ (3) وقت اور (4) مکلف کا ایک ہونا۔

نسخ کے جواز کے قائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصہ کو بطور دلیل وثبوت پیش کرتے ہیں کہ ان کا ذبح منسوخ کیا گیا اور ان کی جگہ مینڈھا ذبح کر دیا گیا تو یہ دلیل وحجت غلط وباطل ہے اس لیے کہ یہ صورت نسخ کی ہرگز نہیں یہ تو اصل پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں بدل کو اسی کی جگہ قائم کرنے کی بات ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو چھری تیز کر لی تھی اور چلانے میں بھی کوئی کمی نہیں کی تھی لیکن خرق عادت یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رگ ہائے گلو اور نرخرہ کٹنے کی وجہ سے ارادہ پورا کرنے میں بے بس ہو گئے تو اللہ تعالی نے ان کی بے بسی دیکھتے ہوئے مینڈھا بھیجا اور اصل کی جگہ بدل قائم کرنے کو کوئی بھی نہ نسخ نہیں کہتا مثلاً وضو کی جگہ تیمم وضو کے لیے نہ سخت نہیں اسی طرح پچاس نمازوں کا نسخ جس کے مخاطب صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے امت کو تو اس کا پتہ بھی نہ تھا اس لیے وہ مکلف بھی نہ ہوئے۔

شیعوں کے اہل تحقیق مذکورہ چار شرائط پائے جانے کے باوجود بھی نسخ کو جائز بتاتے ہیں اور ایک پانچویں شرط کا مزید اضافہ کرتے ہیں وہ یہی بدائی تکلیف ہے جیسا کہ صاحب علم الہدی کہتا ہے:

نحن نقول البداء في التكليف انما يمتنع اذا اجتمع مع الشروط الاربعة المذكوره شرط خامس وهو ان يكون حسن التكليف والامر مسببا عن مصباحة عائدة الى المامور به واما اذا كان حسن الامر لمصلحة عائده الى الامر نفسه فلا يمتنع البداء فالامر بالبداء المجوزة عندنا مجتمع فيه الاربعة دون الخامس وكرف اطلاق البداء عليه مجازا لا وقع له بعد النصوص المتواترة عن العتره الطاهرة عليهم السلام واذا اجتمعت الشرائط الخمسة فلا ريب في امتناع البداء كما نقلناه عن الشهيد.[1]

1۔النور المبين في قصص الأنبياء والمرسلين، لنعمت الله الجزائري، ص: 455

ہم کہتے ہیں کہ بدائی التکلیف اس وقت منع ہے جبکہ مذکورہ چاروں شرطوں کے ساتھ پانچویں شرط بھی پائی جائے وہ یہ کہ حکم اور تکلیف دینے کی بہتری اس شخص کی مصلحت سے وابستہ ہو جس کو حکم دیا گیا ہے لیکن جبکہ اس کے خلاف خود حکم دینے والے کی مصلحت کی طرف وہ بہترین عائد ہوتی ہو تو اس وقت وہ بدائی التکلیف منع نہیں لہذا ہمارے نزدیک بدائی جائز شدہ صورت یہ ہے کہ چاروں شرطیں اگرچہ پائی جائیں مگر پانچویں شرط نہ ہو اب اگر اس پر مجازا بدا کا اطلاق ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ عترت پاک سے اس بارے میں متواتر نصوص موجود ہیں جب پانچویں شرط پائی گئی تو بدا کے منع ہونے میں کوئی شک نہیں جیسا کہ ہم نے شہید سے نقل کیا۔

یہاں اس بات کا پتہ چلا کہ بدائی التکلیف بدائی الارادہ کا مقتضی ہے کیونکہ اگر کوئی نئی مصلحت سامنے نہ آئے تو حکم کو بدائی تکلیف کیوں لاحق ہونے لگا اور اسی طرح بدائی الارادہ، بدائی العلم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ علم کے بغیر ارادہ ہوتا ہی نہیں جب تک علم میں تبدیلی نہ ہو ارادہ میں تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لہذا اگر امامیہ بدائی العلم کے منکر ہوں اور باقی دو کو مانیں تو ان کا یہ انکار بے معنی اور بے کار بات ہوگی۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ لوگ بدا میں حکم کے نسخ کو مانتے ہیں اس طرح کے کسی مصلحت کی بنا پر حکم اول حکم ثانی سے بدل جاتا ہے اس پر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ مصلحت صرف اسی وقت ظاہر ہوئی یا پہلے بھی ظاہر تھی پہلی صورت میں ہمارا مدعا حاصل ہو گیا کہ بدائی العلم ضروری ہوا جس کا وہ انکار کرتے ہیں دوسری صورت میں یہ فعل لایعنی ع ہوا کیونکہ نہ سخت مختلف اوقات کے اعتبار سے مکلفین کی مصلحتوں کے بدل جانے سے ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مصلحت غیر ظاہر تھی اب ظاہر ہوگئی، کیونکہ تغیر و تبدل کا حکم تو ہمارے لحاظ سے ہوتا ہے کہ ہم جہالت کے غاروں میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر حکم کی ایک مدت اور اس کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اسی مدت یا وقت تک باقی ہے اب اس آیت "يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ "[1] میں محو سے اعمال ناموں سے گناہوں کا مٹانا اور اس میں توبہ کا اس بات ہے یا فاسد کو

1۔ سورة الرعد، الآية: 39

مٹانا اور کائنات کا ملائکہ کے صحف میں ثبت کرنا ہے نہ یہ کہ اللہ تعالی کے علم میں یہ محو و اثبات ہے اس لیے کہ آیت کے آخری جز میں فرمایا ہے "وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ" کہ اصل کتاب اس کے پاس ہے۔

اس بارے میں انہوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ سب کی سب موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں جن کے راوی جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے ہیں اور جب عقلی اور شرعی دلائل قطعی موجود ہیں تو ان کے مقابلے میں ان جھوٹی باتوں پر کان دھرے جائیں تو کیوں؟

ان سب سے قطع نظر گزشتہ اوراق میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ سے ایسی صریح و متواتر روایات منقول ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ اللہ کا علم سب کو شامل ہے اور اس کے لیے اشیاء کے وجود سے پہلے اور بعد کا علم یکساں ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ انہی کا شیخ صدوق اپنی کتاب التوحید میں آیت "وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ" [1] سے اسے خیال پر دلیل لایا ہے یہیں سے ان کے اہل علم کے معیار فہم و عقل کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ جب اس قرآن مجید کے سمجھنے میں قسم قسم کی غلطیوں کے شکار ہوئے اور جگہ جگہ ٹھوکریں کھائیں جس کی تفصیل و خدمت میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے تو ائمہ کے اس کلام کے سمجھنے میں تو معلوم نہیں کہاں کہاں منہ کے بل گرے ہوں گے جو انہوں نے اپنی تھیلیوں اور صندوقوں میں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں اور جن کی ہوا تک کسی کو نہیں دیتے۔

ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کے دل میں یہ شبہ ہو کہ شیعوں کی اپنے ائمہ سے منقول کی ہوئی روایات کے مطابق خود صحیح بخاری میں بھی تو اقرع، ابرص، اور اعمٰی سے بھی تو روایات موجود ہیں جن میں "بدا الله ان يبتليهم" کے الفاظ آئے ہیں، [2] جس کو اہل سنت کس معنی پر محمول کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر یہ جملہ ان

1۔سورة الزمر، الآية : 47

2۔أن أبا هريرة رضي الله عنه، حدثه: أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إن ثلاثة في بني إسرائيل: أبرص وأقرع وأعمى، بدا لله عز وجل أن يبتليهم، فبعث إليهم ملكا۔۔۔۔الخ۔(صحيح البخاري، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، 4/ 171، رقم: 3464، ط: دار طوق النجاة)

روایات میں اپنی صحیح جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ روایات صحیح الاسناد بھی ہیں تو بدا کے مجازی معنی مراد ہیں کیونکہ اس دنیا میں اللہ تعالی کے افعال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ ہر طرف سے اسباب اس کے وجود کے متقاضی ہوں دوسرے وہ کہ ان کے وجود کا مطالبہ کرنے والے کچھ اسباب بھی موجود نہ ہوں بلکہ وجود اسباب کے موانع موجود ہوں تو دوسری قسم میں لفظ بطور استعارہ اور تشبیہ استعمال ہوتا ہے اور صرف بدا ہی نہیں جس میں مجاز برتا گیا ہو احادیث واثار میں سینکڑوں ایسے الفاظ ہیں جن میں مجاز برتا گیا ہے مثلاً امتحان، ابتلاء، ضحک اور تردد کے یقیناً ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہے یا صفات کی وہ تمام آیات جن میں اللہ تعالی کے لیے وجہ، یدین، اصابع اور یمین وغیرہ کا ذکر ہے کہ یہ سب کے سب مجازی معنی پر محمول ہیں اور پھر ائمہ نے بعض آثار میں بدا کا لفظ صرف لوگوں کو فہمائش کرنے کی غرض سے استعمال کیا ہے حقیقت میں وہ بدا نہیں۔

ان کی روایات میں قصہ عمران کے سلسلہ میں ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے "وعدنی ربی غلاما" اس لیے کہا کہ ان کی بیوی اپنے پیٹ کی اولاد کی نظر مان چکی تھیں، اور آیت "كَتَبَ اللهُ لَكُمْ"[1] سے کسی خاص وقت وہ زمانہ کی خاص حاضرین مراد نہیں بلکہ سارے بنی اسرائیل مراد ہیں، اور فرشتوں کے خطاب کے سلسلہ میں بدا کی شرط فرشتوں کے علم کے لحاظ سے تھی اسی طرح پرنہ کہ قصہ میں صرف کفایت وہ مدد کا وعدہ ہے اس میں وقت کی تعین نہیں ہے چنانچہ دوسری مرتبہ بھی وہ شخص بچ لے جاسکا جس طرح حضور ﷺ کو خواب میں بتایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں داخل ہوں گے اور اس سے آپ نیز آپ کے اصحاب یہی سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہوگا حالانکہ فی الواقعہ اتنی عجلت مراد نہ تھی لہذا پرند کے معاملہ میں وعدہ کفایت سے عجلت سمجھ لی جائے تو تعجب کی کیا بات ہے یہاں بدا ہوا بھی تو علم میں ہوا واقعہ اور نفس الامر میں واقع نہیں ہوا اسی طرح دوسری روایات میں غور کر کے دیکھ لیے جائے کہ کیا مراد ہے۔

عقیدہ نمبر 18: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالی بندوں کے کفر پر راضی ہے

اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و گمراہی سے خوش و راضی نہیں ہوتا جیسے فرمایا:

---

1 ۔ سورۃ البقرۃ، الآیۃ: 187

"وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ"[1] وہ اپنے بندوں کے کفر پر خوش نہیں۔

مگر شیعہ کہتے ہیں وہ شیعوں کے علاوہ دوسروں کے کفر پر راضی ہے چنانچہ صاحب محاسن نے جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے:

لا تعلموا هذا الخلق أصول دين الله بل ارضوا لهم ما رضي الله لهم من ضلال[2]

اس مخلوق کو اپنے دین کے اصول نہ سکھاؤ اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی پر راضی ہوا تم بھی راضی رہو۔

اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو اہلسنت کے لیے تو بڑی خوشخبری ہے اس لیے کہ وہ بقول ائمہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بسر کر رہے ہیں جب ہی تو اللہ ان سے راضی ہے اور رضائے الٰہی جو اہل دین کی دلی مراد ہے گویا انہیں ائمہ کی گواہی سے حاصل ہے۔

اب علماء شیعہ کو چاہیے کہ وہ اس روایت کی بھی تکذیب کر دیں جس طرح صورت و شکل اور جسم والی روایات کو جھٹلا دیا ہے کیونکہ عقلی دلائل اور خود ان کے اصول شرعیہ کے یہ خلاف ہے دراصل یہ روایت ایک طرف تو امامت کی غرض کا قلع قمع کرتی ہے اور وجوب اصلح والنفع والطف کے بھی منافی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے طے شدہ اصول کے اللہ تعالیٰ شر و برائی کفر و گناہ کو نہیں چاہتا کہ بیخ کنی کرتی ہے۔

عقیدہ نمبر 19: شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر لطف وغیرہ واجب ہے

اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں، اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے مگر سارے شیعہ اس پر متفق القول ہیں کہ بتقاضائے عقل اللہ تعالیٰ پر بہت سی چیزیں واجب و لازم ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ضرور گویا عقل کارخانہ قدرت کی بڑی شریک کار ہوئی اور اللہ تعالیٰ محکوم عقل ہو گیا حالانکہ اس کی ذات اس سے کہیں بلند و بالاتر ہے۔

یہ عقل سے پیدل اتنا بھی سمجھنے سے عاجز ہیں کہ بادشاہ اگر رعایہ کا محکوم ہو جائے تو یہ عیب اس کی

1۔ سورة الزمر، الآية: 07

2۔ الفروع من الكافي، 3/ 93، ط: دار الكتب الاسلامية

شہنشاہیت پر بٹہ لگاتا ہے اسی طرح کائنات کے مالک خالق اور بادشاہ کو اسی کی مخلوق کا محکوم بنادینا اس کے مرتبہ کے کتنے بڑے نقصان کا اقرار ہے، ایسا خیال ربوبیت اور الوہیت کے مرتبہ کے ہرگز شایان شان نہیں ایک بندہ عاجز اور ذرا حقیر کی کتاب یہ مجال کہاں کے وہ اپنے مالک حقیقی پر کوئی چیز واجب ولازمی ٹھہرائے جو کچھ وہ عطافرماتا ہے وہ اس کی مہربانی ہے اور جو نہیں دیتا وہ اس کا عین عدل وانصاف ہے وہ ہر فعل پر قابل تحسین ہے چنانچہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ جو آپ نے صفین کے موقع پر دیا نہج البلاغہ میں درج ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

أما بعد فقد جعل الله لي عليكم حقا بولاية أمركم، ولكم علي من الحق مثل الذي لي عليكم. فالحق أوسع الأشياء في التواصف، وأضيقها في التناصف. لا يجري لأحد إلا جرى عليه، ولا يجري عليه إلا جرى له، ولو كان لأحد أن يجري له ولا يجري عليه لكان ذلك خالصا لله سبحانه دون خلقه لقدرته على عباده ولعدله في كل ما جرت عليه صروف قضائه. ولكنه جعل حقه على العباد أن يطيعوه، وجعل جزاءهم عليه مضاعفة الثواب تفضلا منه وتوسعا بما هو من المزيد أهله.[1]

پس اللہ تعالی نے تم پر میرا حق رکھا ہے اس لیے کہ مجھ کو تمہارے کاموں کی ولایت سپرد کی ہے اور اسی طرح مجھ پر تمہارا حق رکھا ہے اور حق تمام چیزوں میں بیان کے اعتبار سے کشادہ تر ہے اور تقاضوں کے لیے لحاظ سے تنگ تر جب ایک پر دوسرے کا یا دوسرے پر ایک کا حق ہوتا ہے تو یہ حق پھر لوٹتا ہے اور اگر کہیں یہ حق نہیں لوٹتا تو صرف اللہ سبحانہ کی ذات مقدس ہوتی ہے جو اپنے بندوں پر قادر ہے اور اپنے ہر فیصلہ میں انصاف پسند مخلوق کا معاملہ ایسا نہیں ہے ہاں اس نے بندوں پر اپنا یہ حق قائم کیا ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور اس اطاعت کا بطور مہربانی وفراخ دلی

1۔ نہج البلاغة ، ومن خطبة له عليه السلام بصفين ، 2/ 198، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

چند در چند ثواب دینا اپنے ذمہ کیا ہے اور وہ اس سے زیادہ مہربانی و بخشش کا بھی اہل ہے۔

اب ذرا ان واجبات کی فہرست بھی دیکھ لیجئے جو یہ بزعم میں خود و بخیال خام اپنے پروردگار پر لازم و واجب قرار دیتے ہیں۔

کیسانیہ، زیدیہ کہ آٹھوں فرقے اور امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی پر یہ واجب ہے کہ وہ مکلفین کو امر نہیں فرمائے اور رسولوں کے ذریعے بندوں کے لیے واجبات و محرمات مقرر کرے،(1) حالانکہ یہ عقل کا تقاضا نہیں کہ کافر کو ایمان کی اور فاجر کو اطاعت کی تکلیف دی جائے کیونکہ اس سے اللہ تعالی کو کیا فائدہ ہوگا جبکہ دوسری طرف بندہ کے حق میں یہ سراسر خسارہ اور دائمی ہلاکت اور محض ضرر و نقصان ہے اب چونکہ اللہ تعالی ہر شخص کے کام کے نتیجہ کو جانتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کون حکم قبول کرے گا کون نہیں، کون تعمیل کرے گا کون نہیں، تو پھر جان بوجھ کر بندہ کو ہلاکت اور تلف کے خطرہ میں ڈالنا جبکہ اس کی خود ذات کو اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچتا تو کون سی عقل اور سمجھ کا تقاضہ ہے عاقل تو کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا کہ دوسرے کو تو اس سے نقصان پہنچے اور اس کو خود کوئی فائدہ حاصل نہ ہو خاص طور پر ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے ساری عمر تو ایمان و اطاعت میں بتادی اور مرے تو کفر کی حالت میں جیسے وغیرہ کہ دنیا میں عبادت و اطاعت کی کٹھنائیوں سے گزرے اور آخرت میں دوزخ کا کندہ بنے اور اللہ تعالی کو ان کی تکلیف سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اور پھر اللہ تعالی پر تکلیف دینا واجب ہوتا تو چاہیے تھا کہ رسولوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا بلکہ ہر شہر ہر قریہ اور ہر گاؤں میں پے درپے رسول آتے رہتے اور زمین کا چپہ چپہ اصولوں کی آمد سے معمور ہوتا کوئی آبادی خالی نہ رہتی اس لیے کہ تکالیف معلوم کرنے اور جاننے کے لیے بالاجماع عقل کافی نہیں رسول ہی ایک ذریعہ ہے جس سے یہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ہند و سندھ، خراسان ماوراء النہر، ترکستان، خطا و ختن، چین و حبش کے بسنے والے صدیوں تک رسول کے مفہوم سے ناآشنا رہے نہ ان کی تاریخ اس کا پتہ دیتی ہے کہ کوئی اللہ کا رسول ان کے پاس آیا نہ کوئی معجزہ ان کو دکھایا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا۔

1۔ الوجه الثاني: كل ما كان التكليف واجبا عليه تعالى (الألفين في إمامة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، ص: 42، ط: مكتبة الألفين الكويت)

اور پھر یہ بھی ہوتا کہ نبی کی وفات کے بعد ایک نذر، جری امام غالب کو بھیجتا اور واضح نشانیوں اور زبردست خرق عادت واقعات سے اس کی تائید کرتا کہ وہ بے دھڑک ہو کر احکام کی تبلیغ میں مصروف ہوتا اور مکلفین کو شرعی احکام سے غافل نہ ہونے دیتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک بسنے والوں کو دعوت پہنچاتا اور فریضہ امامت کو عوام کالانعام کے ہاتھوں میں نہ دیتا کہ وہ بیچارے احکام واقعیہ شرعیہ کے اظہار کو کیا جانے ایسا کرنے کی بجائے ان غریبوں نے تو دوسرے کافروں وظالموں کی طرح خود بھی تقیہ میں اپنی ساری زندگی گزار دی۔

اور یہی کیسانیہ زیدیہ اور امامیہ سب کے سب اللہ تعالی پر لطف و عنایت کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اور لطف کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ بندہ کو طاعت سے نزدیک اور معصیت سے دور کرنا ہے،[1] جو مجبور کرنے کی حد تک پہنچے عقلاً ان کا یہ خیال و عقیدہ بھی غلط لغو اور باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گنہگار کو نافرمانی کے اسباب وذرائع میسر نہ ہوتے اور فرمانبرداروں اور اطاعت شعاروں کو اسباب طاعت ہر وقت فراہم رہتے حالانکہ مشاہدہ اس کی سراسر تکذیب کر رہا ہے کہ اکثر صاحب ضرورت کثرت مال، دبدبہ، لشکری اور قوت وطاقت کے گھمنڈ میں ظلم وستم ڈھاتے اور نادار مفلس افلاس و بے سروسامانی کے باعث عبادت سے محروم رہتے ہیں کتنے طالب ہیں کہ جن کو نہ معلم نصیب ہے نہ فراغت وروزی میسر ہے اور کتنے بندگان ہوا و ہوس اور شر پسند ہیں جن کے چاروں طرف فسق وعصیان کے ڈھلے ڈھلائے لوازمات واسباب موجود ہیں۔

اور پھر یہ عقیدہ ثقلین کے بھی مخالف ہے کتاب اللہ کے تو یوں کہ وہاں یہ اشارہ فرمایا گیا:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ[2]

اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت نصیب کرتے لیکن ہمارا یہ قول حق ہے کہ میں

1۔ الخامس فی انہ تعالیٰ یجب علیہ اللطف ، السادس فی انہ تعالی یجب علیہ فعل عوض الالم الصادرۃ منہ۔ (النافع یوم الحشر فی شرح الباب الحادی عشر ، للحلی ، ص 54، 55، چاپ خانہ سلمان فارسی قم، ایران)

2۔ سورۃ السجدۃ، الایۃ : 13

جہنم کو جن وانس سے بھروں گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ(1)

اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہے:

خَتَمَ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ(2)

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں کو مہر بند کر دیا اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے۔

ان کے علاوہ ایسی آیات بھی ہیں جو تدبیر الہی ڈھیل اور ایمان واطاعت سے دور کر دینے پر دلالت کرتی ہیں مثلا:

وَلَكِنْ كَرِهَ اللهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ(3)

اور مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نکلنے کو پسند نہیں کیا تو ان کو بوجھل کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اور بھی اس نوع کی بہت سی آیات ہیں اور عترت کی مخالفت اس طرح ہوئی کہ کلینی میں جناب صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے:

قال: إذا أراد بعبد خيرا نكت في قلبه نكتة بيضاء وفتح مسامع قلبه ووكل به ملكا يسدده وإذا أراد بعبد سوءا نكت في قلبه نكتة سوداء وسد مسامع قلبه

1۔سورة النحل، الآية : 93

2۔سورة البقرة، الآية : 07

3۔سورة التوبة، الآية : 46

ووكل به شيطانا يضله ويغويه[1]

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگاتا ہے اور دل کے کان بند کر دیتا ہے اور ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو اس کو بہکاتا اور بھٹکاتا رہتا ہے۔

اور کیسانیہ امامیہ اور زیدیہ کہ سب فرقے اللہ تعالیٰ پر اصلح کو اختیار کرنا بھی واجب قرار دیتے ہیں،[2] یہ عقیدہ بھی مذکورہ بالا بیان سے باطل ہو گیا اس کے علاوہ قابل غور یہ بات بھی ہے کہ اگر اصلح کی رعایت اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو شیطان کو انسان پر مسلط کیوں کرتا جو اس کا قوی دشمن ہے اور انسان کی جنس سے بھی نہیں انسان اس کو دیکھ نہیں سکتا کہ اس سے بچ سکے اور اپنے سے اسے دور رکھے، جب کہ وہ انسان کو خوب دیکھتا ہے انسان میں وسوسے ڈالنے پر بھی قادر ہے اور اعضاء انسانی تو رہے اپنی جگہ رئیس الاعضاء، قلب پر بھی اس کو پورا پورا اختیار حاصل ہے، اب شیطان کا پیدا کرنا پھر اس میں اور انسان میں باہم عداوت ڈالنا اس کو برقرار رکھ کر اور ڈھیل دے کر بنی آدم کے گمراہ کرنے پر اس کو قدرت دے دینا اور ہر انسان کے دل کو اس کے تصرف میں دے دینا عقیدہ اصلح کو بیخ دین سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اس نوعیت سے بنی اسرائیل کے حق میں اصلح یہ تھا کہ اول تو سامری حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نہ دیکھتا نہ اس کو آپ کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاصیت معلوم ہوتی اور معلوم بھی ہو گئی تھی تو مٹی کے اٹھانے پر قادر نہ ہوتا قادر بھی ہو گیا تھا تو اس کو ضائع کر دیا جاتا اور وہاں یہ سب چونکہ خلاف واقعہ تھا اسم اصلح کہاں رہا۔

اور پھر ایک اور رخ یہ بھی ہے کہ بیچارے فقیر و مسکین رنج و غم اور دکھ کے مارے ہوئے کافر کے حق میں اصلح یہ تھا کہ وہ دوسرے سے پیدا ہی نہ ہوتا اگر پیدا ہو جاتا تو بچپن میں ہی مر جاتا کہ آخرت کے ابدی عذاب سے بچ جاتا اسی طرح اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلاح یہ تھا کہ حضرت ابو بکر

1۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 9/ 114، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

2۔ المسألة الثامنة عشر: في الأصلح قال: والأصلح قد يجب لوجود الداعي وانتفاء الصارف. (كشف المراد في شرح تجريد الاعتقاد،للحلي، ص: 372، ط: منشورات شكوري قم)

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حکم صریح نہ بھیجتا تاکہ سارے ہی اتفاق واتحاد سے رہتے اور کوئی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرتا، پھر کتاب اللہ میں تو یوں آیا ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ[1]

بلکہ اللہ تعالی تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔

اگر بقول تمہارے اللہ پر ہدایت واجب ولازم تھی تو وہ احسان کیوں جتا رہا ہے ادائے واجب پر کوئی احسان نہیں ہوتا اگر کوئی شخص کسی کا قرض ادا کر کے قرض خواہ پر احسان رکھے تو سب لوگ اسے مطعون کریں گے۔

امامیہ، کیسانیہ اور زیدیہ کے سب فرقوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی پر بدلہ وسیلہ بھی واجب ہے مثلاً اللہ تعالی اپنے بندہ کو کسی غم دکھ میں مبتلا کرتا ہے تو اس کے بدلہ اپنی مصلحت کے لحاظ سے کوئی نفع ضرور پہنچاتا ہے مثلاً زکوۃ وصدقات فطری یا کوئی ایسی عام چیز جس میں بندہ کے عمل کو کوئی دخل نہ ہو یا اگر کسی غیر عاقل مثلاً درندہ سانپ بچھو کو اس پر مسلط کرتا ہے تو اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ اس کو کوئی ایسا فائدہ پہنچائے جو تعظیم سے خالی ہو۔

اور ان کا یہ عقیدہ خدا اور انسان کے درمیان مالک وملکیت کے تعلقوں کو سمجھ لینے کے بعد سراسر باطل ہو جاتا ہے کیونکہ عوض وبدلہ تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب غیر کی ملکیت میں تصرف کیا جائے اور یہاں سوائے خدا کی ملکیت کے کسی غیر کی ملکیت ہے ہی کہاں ساری کائنات تو اس کی ملکیت ہے لہذا عوض وبدلہ کا سوال ہی نہیں، درحقیقت جنت کی تمام نعمتیں الوان والزائر محض اور صرف اس کی مہربانیاں ہیں اگر کوئی شخص پوری زندگی اس کی عبادت میں کھپائے تو اس کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ خدا تعالی پر اس کا عوض واجب ہو اور وہ ایسی بات ہے جس کو گلستان کے ابتدائی دیباچہ پڑھنے والا مکتب کا طالب علم بھی سمجھتا ہے علماء وفضلات رہے اپنی جگہ اور ان کے نزدیک تو ائمہ کی احادیث سے یہ مطلب بتواتر ثابت ہے اور ابن بابویہ قمی نے امالی میں علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق صحیح روایت کی ہے:

كان علي بن الحسين سيد العابدين (عليه السلام) يدعو بهذا الدعاء: إلهي

1۔سورة الحجرات، الآية: 17

وعزتك وجلالك وعظمتك، لو أني منذ بدعت فطرتي من أول الدهر عبدتك دوام خلود ربوبيتك بكل شعرة وكل طرفة عين سرمد الأبد بحمد الخلائق وشكرهم أجمعين، لكنت مقصرا في بلوغ أداء شكر أخفى نعمة من نعمك علي، ولو أني كربت معادن حديد الدنيا بأنيابي، وحرثت أرضها بأشفار عيني، وبكيت من خشيتك مثل بحور السماوات والأرضين دما وصديدا، لكان ذلك قليلا في كثير ما يجب من حقك علي، ولو أنك إلهي عذبتني بعد ذلك بعذاب الخلائق أجمعين، وعظمت للنار خلقي وجسمي، وملأت جهنم وأطباقها مني حتى لا يكون في النار معذب غيري، ولا يكون لجهنم حطب سواي، لكان ذلك بعد لك علي قليلا في كثير ما استوجبته من عقوبتك[1]

آپ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ قسم ہے تیری عزت اور تیری عظمت اور جلال کی کہ تونے مجھ کو پیدا کیا اگر میں اسی لمحہ سے بال بال تیری عبادت میں لگ پڑتا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتا اور تیری ربوبیت کے دوام تک مخلوق کے ساتھ شکر وحمد میں لگا رہتا تب بھی تیری ایک ادنی نعمت کے شکر بجالانے سے قاصر رہتا اگر میں دنیا کی لوہے کی کانوں کو اپنے دانتوں سے کھودوں اور اپنی پلکوں سے زمین کو پھاڑوں اور تیرے خوف میں خون وپیپ کے آنسو آسمانوں وزمینوں کے سمندر برابر بہاؤں تب بھی یہ اس حق سے کم تر ہوگا جو تیرا مجھ پر ہے، اور اے خدا تو اگر اس کے بعد بھی مجھ کو عذاب دے تمام مخلوق کے عذاب جتنا اور آگ کے لیے میرے جسم اور جسم کو اتنا بڑھادے کہ وہ تمام طبقات جہنم کو گھیر لے اور میرے سوا جہنم میں نہ کوئی عذاب دیا جا رہا ہو اور نہ میرے جسم کے علاوہ جلنے کے لیے کوئی اور چیز ہو تو اس سب کے باوجود یہ سزا کا تھوڑا سا

1۔الأمالي للشيخ الصدوق، ص: 375، ط: مؤسسة البعثة طهران

حصہ ہو گا جس میں تیری طرف سے مستحق ہوں۔

اور نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمایا ہوا درج ہے کہ اس امت کا بہترین آدمی بھی اللہ کے عذاب سے امن میں نہ ہو گا۔[1]

عقیدہ نمبر 20: خیر و شر کا خالق انسان خود ہے

بندہ سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں یعنی ایمان و کفر بھلائی، برائی، اطاعت و نافرمانی وہ سب کے سب اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں ان کی پیدائش میں بندہ کو کوئی دخل نہیں ہاں کسب و عمل بندہ کی طرف سے ہے اور اسی کاسب وہ عمل پر بندہ کو بدلہ ملے گا یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔

مگر کیسانیہ امامیہ اور سارے زیدی فرقے اس سچے اور درست عقیدہ کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال کو خود پیدا کرتا ہے اور بندہ ہی نہیں تمام پرندوں، چوپایوں، کیڑوں، مکوڑوں اور ان تمام حیوانات کے افعال و اعمال میں اللہ تعالی کو کوئی دخل نہیں جو ارادہ رکھتے ہیں،[2] ان کا یہ عقیدہ کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے اور عترت رسول کے بھی، کتاب اللہ کے اس طرح کے ارشاد ربانی ہے:

"وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ"[3] اللہ ہی نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

"خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ"[4] وہ ہر چیز کا خالق ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللهُ"[5]

1۔لا تأمنن على خير هذه الأمة عذاب الله-(نهج البلاغة، 4/ 90، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان)

2۔قال الشيخ أبو عبد الله رحمه الله: الصحيح عن آل محمد صلى الله عليه وآله وسلم: أن أفعال العباد غير مخلوقة لله تعالى- (تصحيح اعتقادات الإمامية ،للشيخ المفيد، ص: 42، ت: تحقيق حسين درگاهي)

3۔سورة الصافات، الاية: 96

4۔سورة غافر ، الاية: 62

5۔سورة النحل، الاية: 79

کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمانی فضا میں کھڑے ہوئے ہیں فضا میں ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹھہراتا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ[1]

کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو پر پھیلاتے اور سمیٹتے ہوئے ان کو نہیں روکے رکھتا مگر رحمن۔

اب عترت کی مخالفت اس طرح ہے کہ تمام امامیہ نے ائمہ سے یہ روایات بیان کی ہیں بندوں کے عمل اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں،[2] چنانچہ شارح عدہ اور دوسروں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لہذا اس مسئلہ میں یہ لوگ خود اپنے خیال کے موافق ائمہ کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں اور انہی جیسے چند دوسروں کی گواہی کے علاوہ ان کے پاس اغراض سے بچاؤ اور پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی کو بندوں کے افعال کا خالق مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ثواب اور جزا سب باطل و بیکار ہو جائیں کیونکہ بندوں کو اپنے اعمال میں اختیار کیا رہا اور کسی ایسے شخص کو ایسے فعل و عمل پر سزا دینا جس میں اس کو کوئی دخل نہ ہو سراسر ظلم ہے، اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کو بندوں کے افعال کا خالق مانتے ہوئے ثواب و جزا کے معاملہ کو خود شیعوں کے اصول اور ائمہ کی روایات کے مطابق ہم دو طرح ثابت کیے دیتے ہیں۔

طریق اول: ہر شخص کے افعال و اعمال کی جزا اس علم و اندازہ الہی کے موافق ہے جو اس شخص کے حق میں ہے مثلا اللہ تعالی یہ خوب جانتے ہیں کہ اگر بندہ کے افعال و اعمال خود انہی پر چھوڑ دوں اور ان اعراض کی پیدائش انہی کے سپرد کر دوں تو فلاں شخص اطاعت کرے گا اور فلاں معصیت فلاں ایمان لائے گا اور فلاں کفر کرے گا اور اس علم و اندازہ الہی کی علامت و نشانی بندوں کو بھی بتادی اور وہ نفس انسانی کے خواہش اور رجحان ہے لہذا مومن ایمان کی طرف جھکے گا اور کافر کفر کی۔

1۔سورة الملك ، الآية : 19

2۔ معاني الأخبار، عيون أخبار الرضا (ع):ابن عبدوس، عن ابن قتيبة، عن حمدان،عن الهروي قال:سمعت أبا الحسن الرضا عليه السلام يقول: أفعال العباد مخلوقة- (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 5/ 30، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان)

اہل اطاعت طاعت کی طرف اور اہل فسق فسق کی طرف ہر شخص اپنے دل میں وہی وہ پہلے چاہتا ہے جو اللہ تعالی اس کے ہاتھ سے کرانا چاہتا ہے تو گویا نیک وبد کی جزا علم الہی پر ہے اگر بندوں کی ایجادات انہی کے سپرد ہوتی تو وہ اگرچہ حقیقتاً ان کے خالق ونہ ہوتے تو تقدیر تو ہوتے ہی مثلاً اگر کافر کو افعال کی پیدائش کی قدرت ہوتی تو وہ کفر ہی پیدا کرتا اور اگر مومن کو قدرت بخشی جاتی تو وہ ایمان کی بنیاد ڈالتا یہی حال دوسرے اعمال وافعال میں ہوتا اور اپنے علم کے موافق بدلا وصلہ دینا شیعوں کے نزدیک بھی ظلم نہیں اس لیے کہ کفار کے بچوں کی جزا امامیہ کے نزدیک بالاتفاق اسی طریقہ کے موافق تو ہے جیسا کہ ابن بابویہ نے عبداللہ بن سنان سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ:

قال: سألت أبا عبد الله عليه السلام عن أولاد المشركين يموتون قبل أن يبلغوا الحنث؟ قال: كفار، والله أعلم بما كانوا عاملين يدخلون مداخل آبائهم۔[1]

میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ وہ بچے جو مشرکین کے بالغ ہونے سے پہلے مر گئے ان کا حشر کیا ہو گا آپؑ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے لہذا جہاں ان کے باپ ہوں گے وہیں وہ بھی پہنچیں گے۔

اسی طرح وھب بن وھب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابھی عبداللہ سے روایت کی ہے کہ کافروں کی اولادیں دوزخ میں ہیں۔[2]

تو جب معصوم بچوں کو عذاب صرف اس لیے ہو گا کہ وہ علم الہی میں کافر و نافرمان ہونے والا تھا حالانکہ ابھی اس میں خواہش ولی یا رغبت نفس کی کوئی نشانی ظاہر بھی نہ ہوئی تھی پھر بھی یہ عذاب ظلم قرار نہیں دیا گیا تو بندے کے اس فعل پر جس کو وہ اپنے خواہش اور ارادہ سے پیدا کرتا ہے اس لیے بندہ بھی بوقت قدرت اسی

1۔من لا يحضره الفقيه، 3/ 491، ط: الحوزة العلمية قم المقدسة

2۔ روى وهب بن وهب، عن جعفر بن محمد، عن أبيه عليهما السلام قال: قال علي عليه السلام :أولاد المشركين مع آبائهم في النار۔ (من لا يحضره الفقيه، 3/ 491، ط: الحوزة العلمية قم المقدسة)

فعل کو پیدا کرتا ہے ظلم کیوں اور کس لیے ہو گا ائمہ کی روایات میں یہ سب کچھ وضاحت سے آگیا ہے، اور کلینی ابن بابویہ اور اس میں سے دوسرے حضرات ائمہ سے یوں روایت کرتے ہیں:

ان الله خلق بعض عباده سعيدا او بعض عباده شقيا بعلمه لما كانوا يعملون[1]

اللہ نے بعض بندوں کو نیک بخت اور بعض کو بد بخت پیدا کیا اپنے اس علم کی وجہ سے جو ان کے آنے والے عملوں سے متعلق تھا۔

لفظ کانوا پر غور کرو کہ صاف فرض و تقدیر کو ظاہر کرتا ہے پھر کلینی اور دوسرے امامیہ نے ابو بصیر سے جو روایت کی ہے وہ یہ ہے:

انه قال: كنت بين يدي أبي عبد الله عليه السلام جالسا وقد سأله سائل فقال: جعلت فداك يا ابن رسول الله من أين لحق الشقاء أهل المعصية حتى حكم الله لهم في علمه بالعذاب على عملهم؟ فقال أبو عبد الله عليه السلام: أيها السائل حكم الله عز وجل لا يقوم له أحد من خلقه بحقه، فلما حكم بذلك وهب لأهل محبته القوة على معرفته، ووضع عنم ثقل العمل بحقيقة ما هم أهله، ووهب لأهل المعصية القوة على معصيتهم لسبق علمه فيهم ومنعهم إطاقة القبول منه فوافقوا ما سبق لهم في علمه ولم يقدروا أن يأتوا حالا تنجيهم من عذابه، لان علمه أولى بحقيقة

1۔ عن محمد بن أبي عمير، قال: سألت أبا الحسن موسى بن جعفر عليهما السلام عن معنى قول رسول الله صلى الله عليه وآله: (الشقي من شقي في بطن أمه والسعيد من سعد في بطن أمه) فقال: الشقي من علم الله وهو في بطن أمه أنه سيعمل أعمال الأشقياء والسعيد من علم الله وهو في بطن أمه أنه سيعمل أعمال السعداء. (التوحيد، لابن بابويه القمي، ص: 356، ط: الحوزة العلمية قم المقدسة)

التصديق وهو معنى شاء ما شاء وهو سره.[1]

وہ کہتا ہے کہ میں ابی عبد اللہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک پوچھنے والے نے ان سے پوچھا کہ ابن رسول اللہ میں آپ پر قربان گنہگاروں کو یہ بد بختی کیسے نصیب ہوئی کہ ان کو اللہ کے علم میں ان کے عملوں پر عذاب کا حکم لگایا گیا ابو عبد اللہ نے جوابا کہا کہ اللہ تعالی کا علم اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اس کے حق کی وجہ سے متعلق نہیں ہوتا پس جب اس نے حکم دیا تو اہل محبت کو ان کی اطاعت کی قوت بخشی اور جس حقیقت کے وہ اہل ہیں ان کا بوجھ اس سے ہلکا کیا اسی طرح اہل معصیت کو ان کی نافرمانی کی قوت نصیب کی اس علم کے باعث جو ان کے بارے میں پہلے سے قائم ہو چکا تھا اور قبول اطاعت سے ان کو روکا اس لیے وہ اللہ تعالی کے آئندہ کے علم سے انحراف نہ کریں گے اور ایسی حالت پیدا نہ کر سکے کہ اس کے عذاب سے ان کو چھٹکارا مل سکے کیونکہ اس کا علم تصدیق کی حقیقت کے بالکل مطابق ہے اور یہی معنی ہے شاء ماشاء (چاہا جو چاہا) کے اور یہ ایک بھید ہے۔

اور کلینی نے منصور بن حازم سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ:

قال: إن الله خلق السعادة والشقاء قبل أن يخلق خلقه فمن خلقه الله سعيدا لم يبغضه أبدا وإن عمل شرا أبغض عمله ولم يبغضه، وإن كان شقيا لم يحبه أبدا وإن عمل صالحا أحب عمله.[2]

اللہ تعالی نے اپنی مخلوق پیدا کرنے سے پہلے نیک بختی اور بد بختی کو پیدا کیا پس جس کو اس نے نیک بخت کیا اس سے کبھی بغض نہ رکھا اگر اس نے کوئی برا عمل کیا تو اس کے عمل کو بری نظر سے دیکھا اس طرح جس کو بد بخت کیا تو اس سے کبھی محبت نہ کیا اگر اس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس کے عمل کو اچھی نظر سے دیکھا۔

1۔ الأصول من الكافي، 1/ 153، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

2۔ شرح أصول الكافي للمازندراني، 4/ 283، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

اور اگر ایسے عمل کے پیدا کرنے پر جو بندہ کی خواہش کے مطابق ہو جزا دینا ظلم ٹھہرے تو چاہیے کہ نفس اور اس میں اس کے قوی کی پیدائش اور پھر اس پر شیطان کا تسلط اور مہربانیوں اور قبول حق سے باز رکھنا بھی اس کے حق میں ظلم ہو حالانکہ اس کا ثبوت گزشتہ روایات کے ان الفاظ "ووهب له قوة المعصية" سے صاف ظاہر ہے، اسی طرح جناب ابو عبد اللہ کے مذکورۃ الصدر روایات سے جس میں یہ ہے کہ جب اللہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل کے کان بند کر دیتا ہے پتہ چلتا ہے کہ بندے کے ساتھ ایسا معاملہ اس کو فعل معصیت پر مجبور و مضطر کرتا ہے تو اس سے طاعت و بندگی کی قوت سلب کر لیتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ جزا نفس کی خواہش اور میلان پر موقوف ہے جو ہر عمل کے ساتھ ہوتا ہے وہ عمل خیر ہو یا شر نہ کہ عمل پر تاکہ اس میں بندے کے عمل دخل کا سوال اٹھے اس لیے بھول چوک، خطا اور مجبوری کو معاف فرمایا اگرچہ ان حالات میں شر بندہ ہی سے سرزد ہوا ہے لیکن چونکہ میلان نفس اور خواہش نہیں ہوتی اس لیے جزا کا دارومدار خیر و شر کی نیت پر رکھا گو عمل نہ سرزد ہوا، اور کافی میں سکونی سے ابو عبد اللہ سے یوں روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"نية المؤمن خير من عمله ونية الكافر شر من عمله"[1]

مومن کی نیت اس کے عمل سے بھلی ہے اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بری ہے۔

اور اسی خیر و شر پر جزا کا دارومدار ہے، اور اسی کتاب کافی میں ابو بصیر سے اس مضمون کی روایت کی گئی ہے کہ:

إن العبد المؤمن الفقير ليقول: يا رب ارزقني حتى أفعل كذا وكذا من البر ووجوه الخير، فإذا علم الله عز وجل ذلك منه بصدق نية كتب الله له من الاجر مثل ما يكتب له لو عمله[2]

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا ایک مومن بندہ فقیر اللہ تعالی سے التجا کرتا ہے کہ تو مجھے مال و رزق

1۔ الأصول من الكافي، باب العبادة، 2/ 84، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

2۔ الأصول من الكافي، 2/ 85، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

فراخ عطا فرمائے تو میں یہ یہ بھلائی کے کام کروں جب اللہ تعالی اس کو اور اس کی نیت کی سچائی کو جان لیتا ہے تو اس کے لیے وہ اجر لکھ دیتا ہے جو اس کے عمل پر لکھتا جب وہ عمل کر گزرتا۔

اسی لیے ریا اور دکھاوے کو عمل کا ضائع اور برباد کرنے والا کہا گیا ہے چنانچہ کلینی نے باب الریا میں بڑی تفصیل وضاحت سے بیان کیا ہے من جملہ ان کے ایک وہ روایت بھی ہے جو عبید بن خلیفہ کے واسطے سے ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كل رياء شرك، إنه من عمل للناس كان ثوابه على الناس ومن عمل لله كان ثوابه على الله.[1]

ہر ریا اور دکھاوا شرک ہے جس نے لوگوں کے لیے عمل کیا تو اس کا ثواب لوگوں پر ہے اور جس نے اللہ کے لیے عمل کیا تو اس عمل کا اجر اللہ پر ہے۔

اسی طرح ایک متفق علیہ روایت میں ندامت کو توبہ کہا گیا ہے لہذا معلوم ہوا کہ عمل کی تاثیر کا دارومدار قلبی خواہش پر ہے اور جب ندامت میں قلب کی خواہش باقی نہ رہی تو اس کا اثر بھی جاتا رہا اگرچہ طویل مدت اور بڑے نقصان کے بعد ایسا ہوا، اور کلینی میں جناب ابی جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا:

إن الرجل ليذنب الذنب فيدخله الله به الجنة، قلت: يدخله الله بالذنب الجنة؟

قال: نعم إنه ليذنب فلا يزال منه خائفا ماقتا لنفسه فيرحمه الله فيدخله الجنة.[2]

آدمی گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالی اس گناہ کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے راوی نے تعجب سے پوچھا کیا گناہ کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کیا جاتا ہے کہا ہاں وہ گناہ تو کر بیٹھتا ہے مگر پھر لرزتا کانپتا رہتا ہے اور اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی کو اس پر رحم آتا ہے اور اس کو جنت میں بھیج دیتا ہے۔

1۔ الأصول من الكافي، 2/ 293، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

2۔ الأصول من الكافي، 2/ 426، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

تو چونکہ جزا کا دار و مدار نیت میلان نفس اور دل کی رضامندی پر ہوا لہذا اگر اللہ تعالی بندہ کے ارادے سے اور خواہش کے مطابق بندے کے افعال پیدا کرے اور اس پر جزا و بدلہ دے تو یہ ظلم کیسے ہوا ہاں اس وقت تو ظلم ہو سکتا تھا کہ بندوں کے افعال ان کے ارادے اور خواہش سے پہلے وجود میں آجاتے جیسے جمادات کے افعال مثلاً آگ کا جلانا زہر کا قاتل ہونا اور تلوار کا کاٹ کرنا اور جب کسی کے افعال خود ان کے ارادے کے تابع ہوں اور ان کے بعد وجود میں آئیں تو ان میں صاحب ارادہ کا دخل ہو گیا تو ان کو جزا کی شکل میں اس کا مزہ بھی چکھنا پڑا اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسب و اختیار سے یہی معنی مراد ہیں۔

اب بحث طلب یہ بات ہے کہ یہ خواہش اور میلان کسی کی ایجاد ہے ظاہر ہے بندہ تو قوت ایجاد سے محروم ہے اور اگر اللہ تعالی اس خواہش کو بھی پیدا کرے تو وہ اس خواہش پر گرفت کیوں کرے اور اس پر جزا کیوں دے، اس کا جواب یہ ہے کہ شبہ تو اس وقت بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ بندوں کے افعال کا خالق بندوں کو مانیں، جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے اب اس کے جواب کی فکر شیعوں کو بھی کرنی چاہیئے اس لئے کہ سب کے نزدیک یہ ظاہر ہے کہ تمام اسباب واردات بلکہ فعل کے سرزد ہونے کے جملہ اسباب، خواہ قدرت، خواہ قوت خواہ حواس و اعضا، حتی کہ خود بندہ کی ذات بھی جو ان افعال و اعمال کا سرچشمہ اور مرکز ہے اللہ تعالی ہی کے پیدا کردہ ہیں بندہ کا ان میں کوئی دخل نہیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب کسی فعل میں اختیار کا دخل ہو گیا وہ فعل اختیاری ہو گیا اور اضطرار و مجبوری کی حد سے نکل گیا اور جب اختیاری ہو تو تعریف و برائی کا ہدف بنا اور ثواب و عقاب کا سبب قرار پایا اور اختیار کا خود اپنے اختیار سے پیدا ہونا در حقیقت محال و ناممکن ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔[1]

اب جب کہ کسی دوسرے میں اختیار پیدا کرنے کی قدرت بظاہر نظر نہیں آتی تو عقل کے لئے محض

1۔ قال الجرجاني: «التسلسل: هو ترتيب أمور غير متناهية، وأقسامه أربعة: لأنه لا يخفي إما أن يكون في الآحاد المجتمعة في الوجود، أو لم يكن فيها كالتسلسل في الحوادث، والأول إما أن يكون فيها ترتيب أو لا والثاني كالتسلسل في النفوس الناطقة، والأول إما أن يكون ذلك الترتيب طبيعيا كالتسلسل في العلل والمعلولات والصفات والموصوفات أو وضعيا كالتسلسل في الأجسام والمستحيل عند الحكم الأخير دون الأولين». التعريفات: ص 80.

قیاس کے ذریعہ یہ سمجھ لینا دشوار ہوا البتہ وہم کی آلودگیوں اور طبعی بندشوں سے نجات پا کر وہ اتنا ضرور کرتی ہے کہ فعل کی اختیاریت وجود اختیار پر موقوف ہے کہ ایجاد فعل یا ایجاد اختیار پر مثلاً کسی کا غلام فرار ہونا چاہتا ہے دوسرا آدمی خواہ غلام کے حکم ودباؤ سے یا خود کسی ذریعہ سے اس کی بھنک پا کر اس غلام کو اس کی منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے، تو یہ فعل عقلاً تو اس غلام کی طرف منسوب ہوگا اگر چہ اس فعل کا وجود و تکمیل دوسرے کی مدد سے ہوئی مگر خواہش قلب تو بہر حال غلام ہی کی تھی۔

اب اہل سنت و اہل تشیع کے اعتقاد میں فرق اس قدر ہے کہ اہل سنت بندہ کے اختیارہ کو اوپر نیچے ہر دو جانب سے فعل الٰہی سے گھرا ہوا مانتے ہیں، اوپر سے یوں کہ اختیار، ارادہ، خواہش اور میلان نفس کی پیدائش بھی اسی کی طرف سے مانتے ہیں، اور نیچے سے یعنی فعل کی پیدائش بھی اس کی جانب سے، اور شیعہ اوپر کی جانب میں تو اہل سنت سے متفق ہیں مگر فعل کے بارے میں مختلف الخیال ہو کر کہتے ہیں کہ فعل تو اس کا کام ہے۔

یہاں اگر کسی میں عقل ہو تو ذرا گہرائی میں اتر کر غور کرے کہ جب اختیار دوسرے کے ہاتھ میں آگیا تو یہ کھلا جبر ہوا اور جزاء و عقاب میں وہی اشکال پھر لوٹ آیا تو پھر اس میں کیا مزیداری ہے کہ ادھر کے حکم صریح کو چھوڑا جو ممکن سے ایجاد فعل کو محال بتاتا ہے ادھر اسی شیطانی دلدل میں پھر غوطے کھانے گئے۔

اوراق ماسبق میں صاحب محاسن برقی اور کلینی کی یہ روایت جناب ابی الحسن الکاظم علیہ السلام سے بیان ہو چکی ہے کہ: لا يكون شيئ إلا ما شاء الله و أراد[1] کوئی چیز اللہ کی مشیت وارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

اور تعجب تو علماء امامیہ کی علم و دانش پر آتا ہے کہ قرآن کی واضح اور صاف آیات سے آنکھیں بند کر لیں، ائمہ کی صحیح احادیث سے منہ موڑا اور اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھی بھی تو ایک جاہل شاعر کے قول پر اور یوں قرآن کی اس آیت کے صحیح مصداق بنے" وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ "[2] شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔

شریف مرتضیٰ نے غرر والدرر میں ثوری سے اور اس نے ابی عبیدہ سے اس مضمون کی روایت کی ہے کہ:

1۔ كتاب المحاسن ، للبرقي، 1/ 244، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔ سورة الشعراء ،الاية : 224

قال اختصم رؤبة وذو الرمة عند بلال بن أبي بردة فقال رؤبة والله ما فحص طائرا فحوصا ولا تقرمص سبع قرموصا الا بقضاء من الله وقدر فقال له ذو الرمة والله ما قدر الله على الذئب أن يأكل حلوبة عيايل ضرائك قال رؤبة أفبقدرته أكلها هذا كذب على الذئب ثان فقال ذو الرمة الكذب على الذئب خير من الكذب على رب الذئب وهذا الخبر صريح في قوله بالعدل واحتجاجه عليه ونصره له[1]

روبہ اور ذوالرمہ (دو شاعر) بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھے ہوئے آپس میں جھگڑ پڑے روبہ نے کہا کہ خدا کی قسم نہ کوئی درندہ بھٹ بناتا ہے نہ کوئی پرندہ گھونسلا مگر خدا کے حکم اندازہ کے ساتھ اس پر ذوالرمہ بولا خدا کی قسم اللہ نے یہ تقدیر نہیں کی کہ بھیڑیا تیرے پڑوسی کے بال بچوں کی دودھ دیتی بکریاں پھاڑ کھائے روبہ نے کہا تو کیا پھر بھیڑیا ان کو اپنے اختیار سے کھا گیا یہ تو بھیڑیے پر جھوٹ لگانا ہوا اس پر ذوالرمہ نے جواب دیا کہ بھیڑیے پر جھوٹ باندھنا بھیڑیے کے رب پر جھوٹ باندھنے سے بہتر ہے مرتضی نے کہا کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس نے انصاف کو مانا حجت کو تسلیم کیا اور اس مدد کو باور کیا۔

اب یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ شیعوں کے عاقلوں اور دانشمندوں نے ذوالرمہ کے لغو اور پوچ اور سراسر بکواس پر کیسے کان دھر لیا اور دل میں اس کو جگہ دے لی اور اس بکواس اور بڑ پر اس کی مدح سرائی کیسے کی اور شاباش کیوں دی وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ذوالرمہ ایک دیہاتی شاعر کو جسے بول و براز صحیح طریقہ پر کرنے کی بھی تمیز نہیں ایسے گہرے الہی مطالب سے کیا واسطہ اور کیا مناسبت!

اور اتنے اہم اعتقادی مسائل میں اعتماد کرکے اس کو اپنا پیشوا بنانا کس حد تک سزاوار ہے جبکہ اس کا کلام درحقیقت نہایت بے بنیاد اور بے معنی ہے کیونکہ بکریوں کے گوشت کو بھیڑیے کی غذا بنانا بکریوں کو شکار کرنے

۱۔ أمالي السيد المرتضى، ۱/ ۱۵، ط: منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم

کی طاقت اس کو بخش کر ایسے قوی و خونخار کو ایسے کمزور پر مسلط کرنا بکریوں کو مار ڈالنے اور زخمی کر دینے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا کرنا اور پھر اس کو اس قدر دوڑنے کی قدرت دینا اخری سب کی اس کا کام ہے اور شیعوں کے اصول پر یہ سب کھلا ظلم ہے اور پھر شریف مرتضیٰ نے اصمعی سے اور اس نے اسحاق بن سوید سے روایت کی ہے کہ ذوالرمہ نے مجھ کو یہ شعر سنایا:

وعينان قال الله كونا فكانتا فعولين بالألباب ما تفعل الخمر

فقلت له فعولين خبر الكون فقال لي لو سبحت ربحت وإنما قلت وعينان فعولان

فوصفتهما بذلك وإنما تحرز ذو الرمة بهذا الكلام من القول بخلاف العدل[1]

اور دونوں آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گئی عقلوں میں شراب کا سا کام کرنے والیاں (راوی کہتا ہے) میں نے اس سے کہا فعولین کہو کہ یہ کون کی خبر ہے (جو منصوب ہونی چاہیئے) تو اس نے جواب دیا کہ اگر تو بوڑھا ہوتا تو تجھے اس شک پر ملامت کی جاتی پھر کہا میں نے فعولان کو عینان کی صفت باندھا ہے اس پر مرتضیٰ نے کہا کہ ذوالرمہ اس تاویل سے ناحق بات سے بچ گیا۔

شریف مرتضیٰ پر حیرت ہے اور سخت حیرت کے اس نے ذوالرمہ کے اس کلام سے یہ عقیدہ سمجھا حالانکہ ذوالرمہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر فعولین کو میں کان کی خبر بتاتا تو کلام کی غرض بظاہر یہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب کی دونوں آنکھوں کو فتنہ ساز جادوگر اور عقل ربا بنایا ہے حالانکہ یہ معنی یہاں پیش نظر نہیں اور جس صورت میں کان کو تامہ لایا اور فعولان کو عینان کسی پر ٹھہرایا تو کلام کی غرض بالاصالت محبوب کی دونوں آنکھوں کی فتنہ پردازی جادوگری اور عقل ربائی ہیں۔

اور یہ معنیٰ مد نظر ہیں اور مطلب میں بھی بلند پایہ اور اس تاویل عبارت سے اس کا ارشاد بھی ملا کہ محبوب کی دونوں آنکھوں کے نہ تو مادے میں یہ صلاحیت تھی کہ یہ صورت از خود اختیار کرے اور نہ مصور قدرت میں یہ طاقت کے اس سورت کی نقش نگاری کر سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت خاص سے اور اپنے تکوینی امر سے

1۔ أمالي السيد المرتضى، 1/ 15، ط: منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي قم

بنفس نفیس ان کو پیدا کیا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ شعر فہمی میں کس جنگل میں بھٹک رہا ہے اور اسی سے اس بلند پایا عالم کی شعر سنجی کا بھرم بھی ہوا پھر فعولین لانے پر بھی خلاف عدل سے بچا جا سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں بھی فتنہ اور سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلکہ محبوب کی آنکھوں کی طرف ہے اور جادو گر یا فتنہ برداشت کو جادو گر یا فتنہ برداشت بنانا کسی کے نزدیک خلاف عدل نہیں اگر خلاف عمل ہے تو وہ جادو گری اور فتنہ پردازی ہے اور اگر بہ نظر غائر دیکھیں تو رفع کی صورت میں بھی ان کے اعتقاد کے بموجب باعتبار معنی خلاف عدل لازم آتا ہے کیونکہ کوئی نہیں کہتا کہ شراب نشہ کے لیے خالق ہے اور محبوب کی آنکھ عاشق کے دل میں عشق و جنون کی خالق مگر بے شک شریف مرتضیٰ کی فہم بتاتی ہے کہ شراب اور محبوب کی آنکھ جو اعراض کی موجودات میں ہیں خالق ہیں، اور یوں یہ دونوں چیزیں پروردگار کی شریک کار ہو گئیں حالانکہ امامیہ بھی حیوانات میں اشراک کے قائل ہیں نہ جمادات میں شاعر کا کلام صرف مبالغہ آرائی ہے حقیقی معنوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ یہاں مراد ہیں۔

یہاں شریف مرتضیٰ کا یہ کلام لانا اور اس پر رد و قدح کرنا گو بے کار سا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے نقل کرنے سے ہمارا صرف یہ مقصد ہے کہ ان کے بزرگوں اور بزرگواروں کی فہم دانش سے پردہ اٹھایا جائے اور ان کی دقیقہ سنجی سے سب کو باخبر کر دیا جائے کہ یہ ایک دیہاتی کے ایک شعر کے سمجھنے میں کتنے بے دست و پا ہو کر کیسی دلدل میں پھنس گئے ہیں اور پھر اس پر ایسی دور از کار گفتگو کی جسے نرم سے نرم الفاظ میں مضحکہ خیز ہی کہا جا سکتا ہے۔

اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اسی کو سارے شیعوں نے علم الہدیٰ کے خطاب سے نوازا اور اپنے دین و ایمان کی بنیاد اس کی عقل و رائے پر رکھی حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ مجوسی زندیقوں سے لیا گیا ہے جو شر و برائی کا خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مانتے اور اس کو الوہیت میں خدا کا شریک جانتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ مجوس نے صرف ایک ہستی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور یہ ہر چیونٹی اور ناپاک کتے اور گدھے تک کو بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ خلق ایجاد میں شریک قدرت جانتے ہیں اللہ ایسی بد عقیدگی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

شیعوں میں سے مفوضہ فرقہ اس کا قائل ہے کہ محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ دنیا کی پیدائش میں اس کے شریک کار ہیں جیسا کہ تفصیلاً باب اول میں گزر چکا ہے، اور اسماعیلیہ فلاسفہ کی طرح ایجاد عالم میں عقول و نفوس کا

واسطہ بتاتے ہیں مگر ان کا طرز بیان کچھ اور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو تمام (مکمل) پیدا کیا اور اسے کمالات سے بالفعل متصف کیا اور نفس کو ناتمام کیا اور کمالات سے بالفعل غیر متصف کیا نفس کو کمال حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور چاہا کہ حرکت میں آکر عقل سے کمالات حاصل کرے اور حرکت چونکہ آلات کے بغیر متصور نہیں اس لیے اجسام عالم بالا کو پیدا کر کے دوروبہ (چکر) حرکت میں لایا پھر اس حرکت سے طبائع بساط اور ان سے طبائع مرکبات وجود میں آئیں اور اصول مرکبات کی اصل تین قسموں پر منقسم ہیں معدنیات، نباتات اور حیوانات پھر ان میں سے حیوانات افضل ہیں اور حیوانات میں سے انسان اشرف واعلیٰ، ان کا یہ عقیدہ کتاب وعترت کے واضح طور پر خلاف ہے کتاب کے اس طرح کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ [1]

اس نے زمین وآسمان اور جو ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر قائم ہوا عرش پر۔

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ [2]

جو کچھ زمین میں ہے سب ان کے لیے پیدا کیا پھر چڑھ گیا آسمان پر اور برابر کی یہ سات آسمان۔

"هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ" [3] کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے۔

"اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" [4] اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

عترت کی مخالفت یوں ہے کہ شیعوں میں سے امامیہ اور اہل سنت میں سے ابن ماجہ نے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

قال الله عز وجل: أنا الله لا إله إلا أنا، خالق الخير والشر فطوبى لمن أجريت

1۔ سورة السجدة ،الاية : 4

2۔ سورة البقرة ،الاية : 29

3۔ سورة فاطر ،الاية : 3

4۔ سورة الزمر ،الاية : 62

على يديه الخير و ويل لمن أجريت على يديه الشر.[1]

اللہ تعالی فرماتے ہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور خیر و شر کو بھی میں نے پیدا کیا اور اس شخص کے لیے یہ خوشی کی بات ہے جس کے لیے میں نے خیر مقدر کیا اور اس کے لیے خرابی اور رنج کی بات ہے جس کے لیے میں نے شر مقدر کیا۔

اور شیعوں کے لیے اہل سنت کی اس روایت میں شرکت عدم اعتبار کا باعث ہو تو خالص شیعی روایات ملاحظہ کریں جو کلینی نے کافی میں اور دیگر امامیہ نے بحوالہ معاویہ بن وہب جناب ابو عبد اللہ سے نقل کی ہے:

يقول: إن مما أوحى الله إلى موسى عليه السلام وأنزل عليه في التوارة: أني أنا الله لا إله الا أنا، خلقت الخلق وخلقت الخير وأجريته على يدي من أحب، فطوبى لمن أجريته على يديه وأنا الله لا إله إلا أنا، خلقت الخلق وخلقت الشر وأجريته على يدي من أريده، فويل لمن أجريته على يديه[2]

ان چیزوں میں سے ایک چیز وہ ہے جس کی وحی اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف بھی بھیجی اور تورات میں بھی موجود ہے اللہ تعالی نے فرمایا بے شک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور خیر کو بھی اور شر کو اس شخص کے ہاتھ پر جاری کیا جس کو میں نے پسند کیا پس مبارک ہو اس کے لیے جس کے ہاتھ پر میں نے خیر کو جاری کیا اور میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور شر کو بھی اور اس کو اس کے ہاتھ پر جاری کیا جس کے بارے میں میں نے چاہا اور خرابی اس کے لیے جس کے ہاتھ پر میں نے شر کو جاری کیا۔

اور صاحب تفسیر علی بن ابراہیم بن ہاشم ابو الحسن قمی نے عبد المومن ابن قاسم انصاری سے اور اس نے جناب ابو عبد اللہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پروردگار کا ارشاد ہے "انی انا الله لا إله إلا خالق

1۔ الأصول من الكافي، باب الخير والشر، 1/ 154، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

2۔ الأصول من الكافي، باب الخير والشر، 1/ 154، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

الخیر و الشر "[1] میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں خیر وشر کا پیدا کرنے والا میں ہی ہوں۔

اسی طرح کلینی نے بھی محمد بن مسلم سے اس نے جناب ابی جعفر سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا:

اني أنا الله لا إله إلا أنا، خالق الخير والشر فطوبى لمن أجريت على يديه الخير و ويل لمن أجريت على يديه الشر.[2]

اسی طرح کی اور بہت سی صحیح روایات ہیں جو ان لوگوں کی کتابوں میں موجود ہیں جن کو یہ حضرات اصح الکتب شمار کرتے ہیں ان روایات میں آپ نے دیکھ لیا کہ ائمہ کرام ان کتابوں کی روایات کے مضامین کو کتب ثابت سے بحیثیت کلام الہی نقل فرماتے ہیں لیکن امامیہ وکیسانیہ پھر بھی آنکھ بند کر کے ان سب روایات کے شر و معاصی کفر و شرک کو ابلیس اور جن وانس کا پیدا کردہ مانتے ہیں اور کاش وہ اسی پر بس کرتے وہ تو تمام خیرات وحسنات اور اطاعت و بھلائیوں کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور یوں تمام چیزوں سے خالق کائنات کو بے دخل کر دیتے ہیں ،سبحانك هذا بهتان عظيم.

ان کے دانشمندوں اور علماء نے ان روایات کی تاویلات میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں لیکن ان کو کتاب وعترت کی مخالفت کے سمندر سے نکلنا اور نجات کا کنارہ پالینا نصیب نہیں ہوا ان میں کہ ایک محقق کا کلام بطور نمونہ یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی خوش فہمی اور مبلغ علمی عالم آشکارا ہو جائے وہ کہتا ہے کہ "خیر سے مراد مرغوب الطبع اور شر سے مراد مکروہ الطبع ہے ایمان و کفر اور اطاعت و معصیت نہیں" ہم کہتے ہیں کہ اول تو اس بات کو خود کلام کا آخری حصہ رد کرتا ہے اس لیے کہ فرمایا "فطوبى لمن اجريته" تو یہ خیر وشر بندوں کے ہاتھ پر کس طرح جاری ہو سکتے ہیں اور پھر چلیے مان بھی لیں تو پھر اس قسم کے خیر وشر پر طوبیٰ اور ویل کے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں؟

1۔تفسير نور الثقلين، 5/ 298،للشيخ عبد علي ابن جمعة العروسي الحويزي

2۔ الأصول من الكافي،باب الخير والشر، 1/ 154، دار الكتب الاسلامية تهران ايران

اگر کسی کے گھر میں کوئی حسینہ پری جمال ہو اور وہ مرغوب طبع ہو گئی ہو تو صاحب خانہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشحال اور مبارکباد کا مستحق کیوں ہے اگر کسی بادشاہ کے سامنے کوئی حبشی اور کریہہ المنظر شخص جو مکروہ الطبع ہو تو اس کی وجہ سے وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ویل بلائی اور عقوبت کا کیوں سزاوار قرار پائے۔

دوسری بات یہ کہ گناہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مرغوب الطبع اور ایک مکروہ الطبع کسی حسینہ سے زنا میں دل خوش اور راغب ہوتا ہے جبکہ کریہہ المنظر لڑکے سے فعل ہم جنسی میں وہ نفرت کرتا ہے اسی طرح نفرت و حسنات بھی دو قسم کی ہوتی ہیں مثلاً موسم گرما میں ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل باعث فرحت ہوتا ہے مگر کڑاکے کی سردی یخ پانی سے وضو اور غسل سے طبیعت بھاگتی ہے تو پھر خیر وشر کی مذکورہ تفسیر وتاویل سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا نہ کوئی مزید نقطہ سمجھا گیا ان کے جو معنی پہلے سمجھے جاتے تھے تاویل کے بعد بھی وہی سمجھے گئے اور جو اعتراض و اشکال یا شک پہلے تھا وہ اب بھی باقی ہے ان دونوں حکموں کا مفہوم اطاعت ومعصیت کفر وایمان کے زیر تو نہ ہوا کہ اسی مفہوم کے ارادے سے ان کی نفی ہو جائے بلکہ یہ معنی تو ان سے عام ہیں اور عام معنی کا مراد لینا معنی خاص کو اس حکم میں داخل کر دیتا ہے جس کا تعلق عام سے ہے۔ ان کے علماء اپنے جہال کو بہلانے کے لیے الفاظ کے اسی قسم کے طوطے مینا بناتے ہیں تاکہ معاش سلسلہ جاری رہے۔

فائدہ

فقہاء اہل سنت کے سرگروہ اور امام اعظم جناب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

قلت لأبي جعفر بن محمد الصادق: يا ابن رسول الله هل فوض الله الأمر إلى العباد؟ فقال: الله أجل من أن يفوض الربوبية إلى العباد. فقلت: هل أجبرهم على ذلك؟ فقال: الله أعدل من أن يجبرهم على ذلك. فقلت: وكيف ذلك؟ فقال: الله أعدل من أن يجبرهم على ذلك. فقلت: كيف ذلك؟ فقال: بين بين، لا جبر ولا تفويض ولا إكراه ولا تسليط.[1]

1۔ الأصول من الكافي،1/ 160 ولم يصرح فيها أن السائل أبو حنيفة.

میں نے جناب ابو عبد اللہ جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے کام کو بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنی ربوبیت کا کام بندوں کے سپرد کر دے اس پر میں نے پوچھا تو کیا اس نے ان کو اس پر مجبور کیا ہے؟ تو فرمایا کہ یہ اس کے عدل وانصاف کے خلاف ہے کہ وہ ان کو مجبور کرے میں نے کہا اس کے علاوہ کیا صورت ہے فرمایا صورت بیچ بیچ کی ہے کہ نہ بالکل مجبور کیا ہے نہ بالکل انہی کے سپرد کر دیا ہے۔

چنانچہ اہل سنت کے مذہب کی بنیاد یہی روایت ہے وہ تخلیقی امور کی بندوں سے نفی اور کسب و عمل ان کے لیے ثابت کرتے ہیں اور یہ اعتقاد جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد بالا کے عین مطابق ہے اب اس روایت کو اثنا عشری شیعوں کی کتابوں سے بھی جانچ لیجئے تاکہ اہل سنت کا جھوٹ سچ کھل جائے محمد بن یعقوب کلینی نے جناب ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کہ یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

قال: لا جبر ولا تفويض ولكن أمر بين أمرين[1]

انہوں نے فرمایا نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ معاملہ بین بین کا ہے۔

نیز کلینی نے ابراہیم سے اور اس نے ابی عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت بیان کی ہے اور کلینی ہی نے ابی الحسن محمد بن رضا رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت کی ہے وہ بھی ایسی ہی ہے چونکہ یہ تمام روایات اہل سنت کی روایت سے واضح طور پر متفق ہیں اس لیے شیعوں کے عالموں نے ان پر تاویلات کا کلہاڑا چلا کر اپنے مطلب کے مطابق بنانا چاہا ہے، اس لیے کہتے ہیں امر بین الامرین سے مراد قوت وقدرت کا پیدا کرنا ہے اور فعل پر جمع دینا ہے نہ یہ کہ وہ افعال کی ایجاد میں دخل انداز ہو مگر یہ بھولے بادشاہ اتنا نہیں دیکھتے کہ سائل نے پوچھا کیا ہے جو بغیر سوچے سمجھے جواب کی کھینچ تان کر کے کہیں کا کہیں لے جانے کی سعی ناکام کر رہے ہیں کیونکہ قوت وقدرت کے خلق کو سپرد کرنے نہ کرنے کا سوال کوئی عقلمند کر ہی کیسے سکتا ہے یہ تو سامنے کی چیز اور ظاہر البطلان ہے جو کچھ جھگڑا یا بحث ہے وہ خلق افعال میں ہے اس توجیہ وتاویل سے تو وہ جناب ابی عبد اللہ کے جواب باثواب کو لغو اور مہمل بنا رہے ہیں اور اس توجیہ سے اس تفویض

1۔ الأصول من الكافي، باب الخير والشر، 1/ 160، دار الكتب الاسلامية تهران ایران

میں بحث واعتراض کی خلش جوں کی توں موجود ہے اور آپ کے وہی الفاظ اللہ اعدل من ذلک بھی پیش نظر ہیں اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے مثلا ایک شخص اپنے دشمن کو جو اسے قتل کر دینا چاہتا ہے پا بہ زنجیر کر کے ایک مکان میں قید کر دیتا ہے اب دوسرا شخص آتا ہے اسے قید سے نکالتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں آزاد کرتا ہے اور اسے کہتا ہے تو وہ اپنی مرضی کا مختار اور آزاد ہے کوئی پابندی تجھ پر نہیں یہی نہیں اپنا ایک خادم بھی اس کے ساتھ کر دیتا ہے کہ شخص اول کے قتل میں پوری پوری مدد دے جذبات سرد پڑ جائیں تو اسے گرمائے اور قتل پر بھڑکائے ایسی صورت میں دوسرا شخص پہلے شخص کے حق میں کھلا ظالم ہے۔

اور ان سے بھی قطع نظر اہل سنت تو خود شیعوں کی کتابوں سے واضح اور صاف روایات فراہم کر کے وہ ہتھیار اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں جو ان کے شجر تاویلات کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ ڈالتا ہے ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو امامیہ ایک عالم صاحب الفصول نے فصول کتاب میں ابراہیم بن عیاش سے نقل کر کے اسے صحیح بھی قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے:

أنه قال: سأل رجل الرضا أيكلف الله العباد ما لا يطيقون؟ فقال: هو أعدل من ذلك. قال: فيقدرون على الفعل كما يريدون؟ قال: هم أعجز من ذلك.[1]

اس نے کہا ایک شخص نے جناب رضا سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالی اپنے بندوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے آپ نے فرمایا وہ اس سے زیادہ منصف ہے (ایسا نہیں کرتا) تو اس نے پھر پوچھا تو کیا بندے اپنے ارادے کے مطابق کسی فعل پر قدرت رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ عاجز و بے بس ہیں یعنی مرضی کے مطابق فعل پر قادر نہیں۔

اس روایت میں تو نفی قدرت نہایت واضح اور صاف طور پر موجود ہے اسی طرح نثر الدر کتاب میں تحریر ہے:

1۔ عيون أخبار الرضا: 1/ 142.

سأل الفضل بن سهل بن موسى الرضا في مجلس المأمون فقال: يا أبا الحسن، الخلق يجبرون؟ قال: الله أعدل أن يجبر ثم يعذب. قال فمطلقون؟ قال: الله أحكم من أن يهمل عبده ويكله إلى نفسه.[1]

خلیفہ مامون کی مجلس میں فضل بن سہل نے جناب موسیٰ رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اے ابوالحسن کیا مخلوق مجبور ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو بہت ہی عادل ہے وہ مجبور بھی کرے اور پھر عذاب بھی دے (یعنی مخلوق مجبور نہیں) اس نے کہا تو پھر کیا آزاد ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے وہ اپنے بندے کو بیکار چھوڑ کر اس کے نفس کے حوالے کیسے کریں۔

کاش ان کے دانشوروں عالموں کو عقل سلیم سے بھی کچھ حصہ مل سکتا کہ گہری نظر سے یہ دیکھ لیتے کہ بندہ کو سر پر قدرت دے کر اس کو عذاب دینا تو ظلم ہے تیزیہ بھی سمجھ لیتے کہ خلق فعل اور خلق قدرت پر فعل میں کوئی فرق ہے یا نہیں اگر کوئی شخص یقین سے جانتا ہے کہ حامد محمود کا جانی دشمن ہے اس کو قتل پر تلا ہوا ہے ہتھیار کی جستجو میں ہے کہ کہیں سے مل جائے تو محمود کو بے دھڑک قتل کر دے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے وہ شخص حامد کو تلوار دے دیتا ہے اور حامد اس سے محمود کو قتل کر دیتا ہے تو یہ شخص بلاشک محمود کے حق میں صریح ظلم کا مرتکب ہو گا۔

جب ان کے اس عقیدہ کے مخالف حضرات ائمہ کے عقیدہ سے انہی کی معتبر کتابوں سے ہر ممکن پہلو سے واضح اور آشکارا ہو گئی تو ان کی ہی معتبر کتابوں سے ان کے کچھ القاب و خطابات بھی سن لیجئے جو اس مخالفت کے سبب حضرات ائمہ کے کلام ارشاد التیام پر مشتمل دو ایک روایات گوش گزار کر لیجئے تاکہ بات مزید وضاحت و انکشاف سے سامنے آجائے محمد بن بابویہ قمی نے کتاب التوحید میں صحیح اسناد کے ساتھ ابی عبد اللہ علیہ السلام سے یوں روایت کی ہے:

أنه قال: القدرية مجوس هذه الأمة أرادوا أن يصفوا الله بعدله فأخرجوه عن سلطانه. وفيهم نزلت هذه الآية يوم يسحبون في النار على وجوههم ذوقوا

1۔ الطرائف لابن طاوس: 2/ 331؛ كشف الغمة للأربلي: 2/ 307و بحار الأنوار للمجلسي: 5/ 59.

مس سقر إنا كل شيء خلقناه بقدر[1]

آپ نے فرمایا قدریہ (ایک فرقہ جو قدر کا منکر ہے) اس امت کے مجوسی ہیں انہوں نے چاہا کہ اللہ کی صفت عدل سے بیان کریں تو اس کوشش میں انہوں نے اس کے اختیارات سلطنت ہی سلب کر لیے انہی جیسے لوگوں کے بارے میں یہ ایت نازل ہوئی جس دن یہ منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے تو کہا جائے گا اب دوزخ کا عذاب چکھو ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا تھا۔

اور کلینی نے ابو بصیر سے روایت کی ہے:

قال: قلت لأبي عبد الله: شاء وأراد وقدر وقضى؟ قال: نعم. قلت: وأحب؟ قال: لا.[2]

وہ کہتا ہے کہ میں نے ابی عبد اللہ سے کہا کیا اللہ نے چاہا ارادہ کیا اندازہ لگایا اور حکم دیا فرمایا ہاں پھر میں نے کہا کیا پسند بھی کیا فرمایا نہیں۔

عقیدہ نمبر 21: بندہ کو خدا کا جسمانی یا مکانی ممکن ہے

اللہ تعالی سے بندہ کا قرب مکانی یا جسمانی حاصل ہونا متصور نہیں اس سے قرب و نزدیکی محض درجہ رضامندی اور خوشنودی کی ہے یہی اہل سنت کا مذہب و مسلک ہے اور سابق میں عطرت رسول ﷺ سے شیعوں کی صحیح روایات نقل کی گئی ہیں جن میں انہوں نے اللہ تعالی کے لیے مقام اور اتصال مکانی کا انکار کیا ہے امامیہ کے اکثر فرقے مکانی نزدیکی اور قرب ظاہری کے قائل ہیں، اسی لیے معراج کو اللہ تعالی سے ملاقات جسمانی متعارف اور محمول کرتے ہیں چنانچہ ابن بابویہ کتاب المعراج میں حمران بن اعین سے اور اس نے جناب ابی جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

آپ نے اللہ تعالی کے کلام "ثم دنی فتدلی" کی تفسیر میں کہا اللہ تعالی نے اپنے نبی کو اپنے سے اتنا

1۔ التوحيد: ص 382و تفسير البرهان للبحراني: 5/ 261.

2۔ الأصول من الكافي،1/ 150.

قریب کیا کہ درمیان میں سونے کے پنجرے کے سوا جس میں سونے کا چمکدار فرش تھا کچھ نہ تھا تب اللہ تعالی نے آپ کو ایک صورت دکھا کر پوچھا اے محمد ﷺ جانتے ہو یہ کس کی صورت ہے ؟آپ نے فرمایاہاں یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صورت ہے۔[1]

عقیدہ نمبر 22: اللہ تعالی کا دیدار ممکن نہیں ہے

یہ کہ اللہ تعالی کی رویت ہو سکتی ہے اور آخرت میں مومنین اس کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے مگر کافر ومنافق اس نعمت سے محروم رہیں گے اہل سنت کا یہی عقیدہ ومذہب ہے۔[2]

شیعوں میں مجسمہ کے علاوہ سب ہی متفق الخیال ہیں کہ اللہ تعالی دیکھے ہی نہیں سکتا ان کا یہ عقیدہ کتاب و عترت دونوں کے خلاف ہے کتاب اللہ میں تو اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ - إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[3]

آج کے دن بہت سے ہشاش بشاش شہر اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے ہوں گے۔

اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ[4]

1- عن حمران بن أعين عن أبي جعفر عليه السلام أنه قال في تفسير قوله تعالى {ثم دنى فتدلى} أدنى الله عز وجل نبيه صلى الله عليه وسلم فلم يكن بينه وبينه إلا قفص من لؤلؤ فيه فراش يتلألأ من ذهب فأراه صورة فقيل: يا محمد أتعرف هذه الصورة؟ قال: نعم هذه صورة علي بن أبي طالب. (تأويل الآيات الظاهرة للحسيني: ص 605 و بحار الأنوار للمجلسي: 18/ 302)

2- «أما إثبات رؤية الله تعالى بالأبصار في الآخرة، فهو قول سلف الأمة وأئمتها وجماهير المسلمين من أهل المذاهب الأربعة وغيرها، وقد تواترت فيه الأحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم عند علماء الحديث وجمهور القائلين بالرؤية يقولون يرى عيانا مواجهة، كما هو المعروف بالعقل». منهاج السنة النبوية: 3/ 341.

3- سورة القيامة،الاية : 22

4- سورة المطففين،الاية : 15

آگاہ رہو وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ[1]

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنے ایمان کو معمولی سی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں (بھلائی کا) کوئی حصہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا ان کے لیے تو دردناک عذاب ہو گا۔

لہذا معلوم ہوا کہ مومن اور صالح بندے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے بھی اور اس سے کلام بھی کریں گے اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

باب دوم میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ رویت کے بارے میں انکار کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ وہ از روئے عقل اس کو بعید کہتے ہیں یہ غائب کو نظر آنے والی چیز پر قیاس کرتے ہیں اور عادی جو عادتاً اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہیں اور ظاہری الثبوت چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور یہ کتنی بڑی جسارت اور گستاخی ہے کہ آیات قرآنیہ کی اپنی عقل نارسا و ناکارہ کے ذریعے تاویل کرتے اور ان کو ظاہری معنی سے پھیر دیتے ہیں اور ان کے معنی و مطالب میں غور و فکر کی نوبت نہیں آنے دیتے آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ"[2] میں ادراک کی نفی ہے ادراک کے معنی دریافت کے ہیں رویت کی نفی اس آیت میں نہیں اور ایک عامی بھی جانتا ہے کہ ادراک اور ہے رویت اور اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی ان ظاہری آنکھوں سے دریافت نہیں ہوتی بلکہ عقل اور غور و تعمل سے ہوتی ہے اور بفرض محال ادراک کے معنی رویت ہی کے لیں تو یہ نفی رویت بطور عادت کی ہے کہ جو کوئی چاہے اور جب چاہے اس کو دیکھ لے اس کی نفی ہے بلکہ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ دکھائے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور عادت کی مطلقاً بغیر قید کے نفی کلام الٰہی میں موجود ہے جیسے:

1۔ سورۃ ال عمران، الایۃ : 77

2۔ سورۃ الانعام، الایۃ : 103

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ[1]

بے شک وہ اس کے افراد کنبہ تم کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم اس کو نہیں دیکھتے۔

شیاطین اور جنوں کا دیکھنا عادت کے خلاف سب کے نزدیک ثابت ہے ہی لہذا جب کفار نے فرشتوں کو دیکھنے کی درخواست کی تو اس کو بڑے اچنبے کی اور بڑی انوکھی بات ظاہر فرمائی حالانکہ انبیاء صلحاء اور مومنین بھی ان کو دیکھتے ہیں۔

اور عترت سے بھی اس عقیدہ کے مخالفت اس طرح ہے کہ ابن بابویہ کی ایک روایت بسند ابو بصیر پہلے گزر چکی ہے جس میں ایک سائل نے جناب ابی عبد اللہ سے پوچھا تھا کہ قیامت کے دن مومن بندے اللہ تعالی کو دیکھیں گے تو آپ نے جواباً فرمایا تھا ہاں،[2] اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی روایات ان کے ہاں موجود ہیں۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کلام اللہ اور ائمہ کے اقوال میں جہاں رویت کا لفظ آتا ہے یہ اس نے علم یقینی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ کلام اللہ میں نظر کا صلہ الی آتا ہے اور اس سورت میں رویت حقیقی کے سوا کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے اور ائمہ کے کلام میں رویت کا لفظ سوال پوچھنے والوں کے جواب میں آیا ہے جو قیامت کے روز کی رویت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں حصول علم یقینی کا کوئی سوال ہی کیوں کرنے لگا؟ اور علم یقینی کو یوم قیامت سے خصوصیت ہی کیا ہے کیا دنیا میں مومن کو ذات وصفات کے بارے میں علم یقینی نہیں بلکہ اہل سنت کے نزدیک تو ذات وصفات باری کا علم یقینی ضروریات ایمان میں سے ہے شیعوں کو شاید حاصل نہ ہوتا ہو تب ہی "المرء یقیس علی نفسہ" کے مطابق کہ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے شیعوں نے بھی اہل سنت کو علوم حصول علم یقینی میں اپنے جیسا سمجھ لیا ہو تو کیا تعجب!

1۔ سورۃ الاعراف، الایۃ : 27

2۔ عن أبي بصير قال: سألت أبا عبد الله فقلت: أخبرني عن الله عز وجل هل يراه المؤمنون يوم القيامة؟ قال: نعم. (التوحيد لابن بابويه: ص 117 و بحار الأنوار للمجلسي: 4/ 44.)

باب ششم

انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور ان کی نبوت کی بحث

عقیدہ نمبر 1: پیغمبروں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ پر یہ بات واجب ولازم ہے کہ بندوں کو اوامر ونواہی کی تکالیف کا مکلف کرے اور مکلف بنانا بغیر انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں لہذا پیغمبروں کو بھیجنا بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب اور ضروری ہے۔[1]

اس عقیدہ کی برائی اور خرابی کوئی ڈھکی چھپی نہیں بالکل واضح اور ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بات کوئی چیز واجب نہیں اور پھر یہ بات مرتبہ الوہیت اور ربوبیت کے شایان شان بھی نہیں ہاں پیغمبروں کی بے حسد اور بندوں کو مکلف ٹھہرانے کا عمل اس کا محض فضل وکرم ہے جو وقوع میں آتا ہے ایسا اگر وہ کرتا ہے تو عین عنایت ہے نہ کرے تو شکایت کا حق کوئی کسی کو نہیں اہل سنت کا یہی عقیدہ ومذہب ہے۔

اگر انبیاء کی بعثت اللہ تعالیٰ کے لیے لازم ہوتی تو وہ آیات قرآنیہ میں بعثت پر اپنا انعام واحسان ظاہر نہ فرماتا کیونکہ ادائے فرض وواجب پر احسان وانعام کا موقع نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا[2]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر رسول بھیج کر ان پر احسان فرمایا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ بعثت اگر واجب ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت میں رسول مبعوث کرنے کی درخواست نہ کرتے کیونکہ جب چیز کا واقعہ ہونا لازمی وضروری ہو تو اس کے لیے طلب اور دعا کے کیا معنی اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے الفاظ یوں نقل فرمائے:

1۔ والحامل لرسالة الله سبحانه هو النبي المنبئ عنه والرسول المبلغ إلى الناس، فبعث الأنبياء واجب في حكمته تعالى حفظا للنظام المتوقف على التقنين الكامل. (محاضرات في الإلهيات، ص: 249)

2۔ سورة ال عمران، الاية : 164

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ"(1) ان میں انہی میں سے رسول بھیج۔

امامیہ کے عقیدہ کے مطابق جب نبی یا اس کے قائم مقام وسیع کی بعثت اللہ تعالیٰ کے ذمہ لازم وضروری ہوئی تو اس کا تقاضہ ہے کہ کوئی وقت کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہونا چاہیے حالانکہ اسماعیلیہ میں سے فرقہ سبعیہ ایک زمانہ میں نبی یا وصی کی بعثت اللہ پر واجب کہتے ہیں یہ بات ان کے مذہب کے بیان میں پہلے گزر چکی دوسرے فرقے مفضلیہ اور عجلیہ ہر زمانہ میں نبی کی بعثت کو واجب کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نبوت کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا اس کی تفصیل بھی گزر چکی، رہے اہل سنت تو وہ سرے سے اللہ تعالیٰ پر کسی بات کو واجب ہی نہیں کہتے۔

یہ شیعی عقیدہ بھی کتاب وعترت کے خلاف ہے کتاب اللہ کے تو اس طور پر کہ بہت سے قرآنی آیات ایسے زمانہ کا پتہ دیتی ہیں جب نہ کوئی نبی موجود تھا اور نہ آثار نبوت ہی پائے جاتے تھے اس کے علاوہ قرآنی آیات ختم نبوت پر بھی صاف صاف دلالت کرتی موجود ہیں مثلاً "وَلٰكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ"(2) اس کے علاوہ یوحنا کی انجیل صحاح 14 میں یہ ہے کہ:

قال عیسی للحواریین وانا اقلب لکم من ربي یمنحکم ویعطیکم فار قلیط لیکون معکم دائما الی الابد(3)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لیے سوال کروں گا کہ وہ تم کو فارقلیط بخشے اور عنایت کرے کہ وہ ابد تک ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔

1۔ سورۃ البقرۃ، الایۃ: 129

2۔ سورۃ الاحزاب، الایۃ: 40

3۔ عیسائی علماء نے بھی ترجمہ عربی میں جو کلیسائے روم کی طرف سے 1671ء میں چھپا بعینہ یہی لفظ فارقلیط لکھا ہے اور بعینہ نقل عبارت اس کی یہ ہے 14 باب 16 وانا اطلب من الاب فیعطیکم فارقلیط آخر لیثبت معکم الی الابد اور یوحنا 16 باب 7 لکنی اقول لکم انہ خیر لکم ان انطلق لانی ان لم انطلق لم یاتکم الفارقلیط فان انطلقت ارسلہ الیکم اور یوحنا 15 باب 16 فاذا جاء فارقلیط—الخ اور اسی طرح بیلی ترجمہ عربی مطبوعہ لندن 1855ء میں بھی ہے مفتاح التواریخ مصنف طامس ولیم بیل صاحب مطبوعہ 1867ء بموجب پسند مسٹر ہنری میری ایٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ممالک ہند میں ہے بزبان یونانی روح القدس را فارقلیط میگویند۔

عبرانی لغت میں فارقلیط سے روح حق ویقین مراد ہے جو یقینا ہمارے رسول کریم ﷺ کا اسم گرامی ہے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت جو اسلام لائی انہوں نے اس بات کی شہادت دی اور تصدیق کی ہے ان میں سے ایک ابو علی یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ الطبیب ہے جو فن طب میں کتاب التقوم اور منہاج کا مصنف ہے دراصل تو یہ نصرانی تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا رد نصاریٰ میں بھی اس نے ایک کتاب تصنیف کی اس تورات کی آیات اور انجیل کی وہ عبارات جو حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے ظہور پر نور کے متعلق تھیں اور جن کو خود اس نے پڑھا تھا سب جمع کر دی اس کے علاوہ اس مسئلہ میں ائمہ کی بے شمار احادیث بھی موجود ہیں۔

امامیہ کے پاس اس کی بس وہی ایک دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ لطف و مہربانی واجب ہے اور بعثت بھی لطف ہی کا ایک شعبہ ہے لہذا یہ بھی واجب ہے اس خیال کے خرابی اور تردید کلام ماسبق میں گزر چکی یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اسماعیلیہ نے اس مسئلہ میں اپنے خیال کی بنیاد ان چند نکات شعریہ پر رکھی ہے جو انہوں نے فلاسفہ سے چرا لیے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے عقلی گدے یوں چلاتے ہیں کہ جس طرح عالم علوی میں ایک عقل کامل کلی اور نفس ناقص کلی ہے جن سے کائنات کا صدور ہوتا ہے اسی طرح عالم سفلی میں بھی ایک عقل کامل کلی اور ایک نفس ناقص کلی ہے اور شرع میں رسول کا وہی مرتبہ ہے جو ایجاد میں عقل کامل کلی کا اسی طرح وصی کی شر میں وہی حیثیت ہے جو ایجاد میں نفس ناقص کلی کی اور جیسے افلاک کی حرکت عقل و نفس پر موقوف ہے ایسے ہی نجات و تکمیل درجات کے لیے نفوس انسانیت کی حرکت کا دارومدار رسول وصی پر ہے اور ہر زمانے اور ہر دور میں عالم سفلی میں عقل و نفس کے یہ دونوں خلیفہ موجود رہتے ہیں ہر ہوش مند اور ذی عقل و شعور کو یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ اوہام باطل کی ژلمیات اور فلسفہ ناقص کی خرافات ہیں کیونکہ اول تو عالم علوی میں عقل و نفس کا وجود ہی پایا ثبوت کو کہاں پہنچا جو اس کی مثال پر عالم سفلی میں بھی یہ نقشہ جمایا جائے اور پھر جناب امیر المومنین سے کتب امامیہ میں بطریق تواتر درود شریف کے یہ الفاظ منقول و ثابت ہیں:

اللهم داحي المدحوات وداعم المسموكات. وجابل القلوب على فطرتها شقيها وسعيدها. اجعل شرائف صلواتك ونوامي بركاتك على محمد

عبدك ورسولك الخاتم لما سبق.[1]

اے میرے خدا ساری چیزوں کو بچھانے والے بلندیوں کو بے ستون قائم کرنے والے اپنی شریف ترین درود اور بلند ترین برکتیں اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما جو گزشتہ سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔

نیز امامیہ کے نزدیک آپ کے بعض خطبوں میں جو متواتر الثبوت ہیں یہ الفاظ موجود ہیں:

أرسله على فترة من الرسل، وطول هجعه بين الأمم------وأمين وحيه وخاتم وبشير رحمته ونذير نقمته.[2]

ان کو بھیجا رسولوں کا سلسلہ منقطع ہو جانے پر امتوں میں بے راہ روی بڑھ جانے کی وجہ سے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا وہ اللہ کی وحی کے امین ہیں خاتم رسول ہیں اس کی رحمت کی بشارت دینے والے اور اس کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

یہ خطبات جس طرح نبوت کے ختم ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح سلسلہ رسالت کے منقطع ہونے پر بھی واضح اور صاف طور پر دال ہیں اور فترت کے معنی لامحالہ یہی ہیں کہ وہ زمانہ جس میں نہ نبی ہو نہ اس کا قائم مقام وسیع اور اگر فترت سے نبی کا نہ ہونا مراد لیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جناب رسول مقبول ﷺ کے وصال کے بعد جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لیے وہ زمانہ فترت کا تھا۔

عقیدہ نمبر 2: ائمہ تمام مخلوق سے افضل ہیں

مخلوقات میں انبیاء کرام علیہم السلام سب سے بہترین اور معزز ترین ہستیاں ہیں دوسرا کوئی انسان عند اللہ ثواب یا قرب ورتبہ میں ان کا ہمسر نہیں چہ جائیکہ ان سے افضل ہو، امامیہ کو چھوڑ کر تمام اسلامی فرقوں کا یہی مذہب وعقیدہ ہے۔

1۔ نهج البلاغة، 1/ 120، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

2۔ نهج البلاغة، 2/ 86، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان

امامیہ اس مسئلہ میں بڑے پریشان خیال ہیں ہاں اس پر اجماع ضرور کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اور دیگر اول العزم انبیاء کرام کو چھوڑ کر باقی تمام نبیوں سے جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ افضل ہیں،[1] اور اولو العزم انبیاء سے مرتبہ کی درجہ بندی پر ابن مطہر حلی اور بعض دوسرے امامیہ خاموش ہیں جبکہ بعض نے امامیہ کو ان کے برابر کا درجہ دیتے ہیں، اس مسئلہ میں زیدیہ نے ان کا بہت سخت رد کیا ہے اس کے علاوہ خود انہی کی متواتر روایتیں بھی ان کی تردید کرتی ہیں مثلاً:

من قال ان اماما من الائمه افضل من الانبياء فهو هالك.[2]

جو کوئی یہ کہے کہ ائمہ میں سے کوئی امام انبیاء سے افضل ہے وہ ہلاک و برباد ہونے والا ہے۔

پھر خود ان کی کتابوں میں حضرت علی جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے اس قسم کی روایات موجود ہیں کہ اہل سنت کو مزید اقوال عترت رسول سے نقل کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس کتاب میں شروع ہی سے ہر مسئلہ پر خود کتب امامیہ سے کچھ نہ کچھ حوالہ نقل کرنے کی پابندی جاتی رہی ہے اس لیے یہاں بھی مشت نمونہ از خروارے ملاحظہ فرمالیجیے:

روى الكليني عن هشام الاحول عن زيد بن علي ان الانبياء افضل من الائمه وان من قال غير ذلك فهو ضال.[3]

کلینی نے ہشام احوال کے حوالہ سے جناب زید بن علی سے روایت بیان کی کہ انبیاء ائمہ سے افضل ہیں اور جو اس کے خلاف کہے وہ گمراہ ہے۔

1۔ قال الكراكجي عن عقيدتهم في الأئمة: «وإنهم في كمال العلم والعصمة من الآثام نظير الأنبياء (عليهم السلام) وأنهم أفضل الخلق بعد رسول الله (عليه السلام) ...». كنز الفوائد: 1/ 245. وقال الخميني: «من ضروريات مذهبنا أنه لا يصل أحد إلى مراتب الأئمة عليهم السلام المعنوية، حتى الملك المقرب والنبي المرسل». ص 85.

2۔ واختلف اهل الامامة فى هذاالباب فقال كثير من متعلميهم ان الانبياء عليهم السلام افضل منه على القطع والثبات. (تفضيل امير المومنين على رضى الله عنه، ص19، كتابخانه مجازى شيعه)

3۔ الكافي للكليني: 1/ 174و الاحتجاج للطبرسي: ص 376.

نیز ابن بابویہ نے جناب صادق رحمہ اللہ سے ان الفاظ میں روایت بیان کی:

أن الأنبياء أحب إلى الله تعالى من علي.[1]

اللہ تعالیٰ کو جناب علی سے انبیاء زیادہ محبوب ہیں۔

مزید ان شاء اللہ آگے بیان ہوگا۔

اب رہا اس عقیدہ کا مخالف کتاب ہونے کا معاملہ تو وہ روز روشن کی طرح بالکل عیاں اور واضح وصاف ہے کہ سارا قرآن مجید ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام عالم میں سے چنا اور انتخاب کیا گیا، اور عقل کی بھی اس پر دلالت روشن تر اور صاف اواز ہے اس لیے کہ نبی کو واجب الاطاعت قرار دینا اس کی طرف وحی کرنا اس کو اوامر ونواہی کا مختار اور حاکم کل بنانا اور خلیفہ وامام کو اس کا نائب اور تابع ٹھہرانا بغیر اس کے کہ نبی کو امام سے افضل مانا جائے متصور ہی نہیں ہو سکتا یہ اسباب فضیلت ہر نبی میں موجود اور ہر نائب وامام میں مفقود ہیں تو ان کا صرف ایک نتیجہ ہی نکلتا ہے کہ لامحالہ ہر نبی ہر نائب وامام سے افضل وبرتر ہو حالانکہ تمام امامیہ تمام ائمہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں جا بجا صدیقین، شہداء اور صالحین پر انبیاء کی فضیلت جو ثابت ہے وہ بھی صراحت کے ساتھ اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے امامیہ کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ فروعات میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اصول کا شیرازہ ہی بکھر کر رہ جاتا ہے چنانچہ الوہیت میں بندوں کی طرف داری میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ خالق العباد پر وجوب اللطف کو جائز قرار دے دیا اور بدی وبرائی اور بندوں کے افعال کی تخلیق کو بندوں کی طرف منسوب کر کے مرتبہ الوہیت کا ربوبیت کو درہم برہم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرت عامہ اور اس کی کامل بے نیازی کو اس کے اتصاف سے مٹا ڈالا۔

اسی طرح شرائط امامت کے تحت جو بالاجماع نبوت کی نائب اور اس کی فرع ہے، ائمہ کے مدائح اور

1۔ روى ابن بابويه عن عمرو بن هارون عن الصادق عن آبائه عن علي بن أبي طالب عليه السلام قال: «إن الله تعالى قال لسكان الجنة من الملائكة وأرواح الرسل ومن فيها: ألا إني زوجت أحب النساء إلي إلى أحب الرجال إلي بعد النبيين». الأمالي: ص 559؛ تفسير فرات: ص 413.

مناقب کو اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ منصب نبوت کو بے وقار اور حقیر کر دیا اور جناب امیر المومنین اور آپ کی ذریت رضی اللہ عنہم کی تعریف و توصیف میں جو اگرچہ ایمان و شریعت کا ایک شعبہ ہے اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان ہی ہاتھ سے جاتا رہا اور اس کے عوض ان کی تحقیر و تذلیل کا الزام اپنے سر منڈھ لیا حالانکہ خود ہی یہ کہتے بھی ہیں کہ امامت نبوت کی نائب ہے،[1] تو یہ نبوت کے درجہ کے برابر یا اس سے بالا و برتر کیسے ہو سکتی ہے اس بارے میں ان کی تمام ترحجت وہ شبہات ہیں جو ان کے چند مقتدء و پیشواؤں کے کلام سے پیدا ہوئے ہیں جو وہ اپنی کتابوں میں لکھ کر چل بسے اور اپنے پیروؤں کو ان کا حکم دے گئے۔

اس سلسلہ میں کہنے کی پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی روایات اور راویوں کے حالات نیز اپنے علماء سے روایت کردہ روایات کو صحیح قرار دینے کا جو طریقہ رہا ہے وہ ناظرین کتاب ہذا پر گزشتہ اوراق میں بخوبی واضح ہو چکا ہے لہذا پھر انہی روایات کو ثبوت میں پیش کرنا اصولی قواعد کے مناسب نہیں کیونکہ ازروئے اجماع قطعی وہ ظہور مخالف سے پہلے معارض ہیں تو ان کے ظاہری الفاظ پر عمل ممکن نہیں البتہ تاویل کی جا سکتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ روایات بعض دوسری روایات سے ٹکراتی ہیں مثلاً کلینی کی روایات جناب زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے یا ابن بابویہ کی روایات جناب صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اور اسی طرح اور بھی بہت سی روایات ہیں اور بالفرض یہ روایات باہم نہ بھی ٹکرائیں تو بھی چونکہ یہ ظنی ہے اس لیے معتقدات میں ان سے تمسک جائز نہیں، علاوہ عظیم خود امامیہ کے اکثر محققین کے نزدیک بھی مثلاً ابن زہرہ، ابن ادریس، ابن براج اور شریف مرتضیٰ بلکہ ان کے اکثر قدماء کے نزدیک بھی وہ قابل حجت نہیں اور ان کے پچھلوں نے بھی اس مذہب کو اختیار کر کے نہ صرف یہی کہ اخبار احاد کو دلائل میں شمار نہ کیا بلکہ ان کی تردید کو خاص کر اعتقادات کے معاملہ میں واجب و ضروری قرار دیا چنانچہ ابن مطہر حلی نے اپنی کتاب مبادل الوصول الی علم الاصول میں یوں لکھا ہے:

إن خبر الواحد إذا اقتضى علما ولم يوجد في الأدلة القاطعة ما يدل عليه

1۔ قال الشوشتري: «إن الإمامة نيابة عن النبي في أمور الدين والدنيا، فيعتبر فيها ما اعتبر في النبوة، بل الإمام أحوج إلى ذلك؛ لأن النبي مؤيد بالوحي بخلاف الإمام ...». الصوارم المهرقة: ص 203.

وجب رده. [1] جب خبر واحد سے کسی اعتقاد کا ثبوت ملتا ہو اور اس ثبوت پر دلالت کرنے والی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو خبر واحد کو رد کر دینا واجب ہے۔

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ان ظنی روایات کے مضمون کا دلائل قطعیہ سے کوئی سراغ و ثبوت نہیں ملتا بلکہ ان سے تو الٹی اس کی تردید ملتی ہے، پھر ان تمام امور سے قطع نظر یہ روایات بھی ثبوت مدعا پر کوئی دلالت نہیں کرتی اس سلسلہ میں ہم ان کی چند روایات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں اور ان شبہات کو بھی اشکارہ کرتے ہیں جو ان کی روایات سے مطلب اخذ کرنے میں پیش آئے۔

پہلا شبہ: ائمہ علم و مرتبہ ہر دو میں انبیاء سے افضل ہیں

کہ علم میں جب ائمہ علیہم السلام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو مرتبہ میں بھی افضل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں یعنی نہیں ہوتے، اور راوندی نے جناب ابی عبد اللہ سے اس مضمون کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

قال: إن الله فضل أولي العزم من الرسل على الأنبياء بالعلم، وورثنا علمهم وفضلنا عليهم، وعلم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لا يعلمون، وعلمنا علم رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتلا قوله تعالي: قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون[2]

کہ اللہ تعالی نے اولو العزم رسولوں کو انبیاء پر فضیلت دی اور ہم کو ان کا وارث ٹھہرایا اور ان پر فضیلت بخشی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم نصیب فرمایا جس کو وہ پچھلے رسول نہیں جانتے تھے پھر آپ کا علم ہم کو بخشا اور انہوں نے آیت قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون پڑھی۔

1۔ مبادئ الأصول: ص 137.

2۔ الخرائج والجرائح: 2/ 796؛ ورواها أيضا الصفار، بصائر الدرجات: ص 229

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح الاسناد فرض کی جائے تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ائمہ علم و وسعت علم میں مرسلین سے بالا ہیں کیونکہ پیچھے آنے والا پہلے جانے والے کے علم سے پورا پورا واقف اور باخبر ہوتا ہے جب ایک شخص بات کے زمانہ میں ہوگا تو وہ بلاشبہ سابقہ حضرات کے تمام علوم پر احاطہ کر سکتا ہے بخلاف سابقہ حضرات یا ہم عصر یا ہم زمانہ افراد کے کہ وہ آئندہ آنے والوں کے علم کا احاطہ کس طرح کر سکتے ہیں یہ ایک پہلو سے برتری علم پوری فضیلت ثابت نہیں کرتی چہ جائیکہ تمام صفات میں برتری ثابت کرے اس کی ایک مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ مثلاً ہمارے زمانہ کا ایک نحوی عالم جو قافیہ، لباب، وافیہ اور تصانیف ابن مالک[1] ابن ہشام[2] اور ازہری[3] یا دیگر علماء نحو کے کلام پر عبور رکھتا ہو تو بلاشبہ ان مسائل میں اس کا علم سابقہ علماء نحو میں سے ہر ایک سے زیادہ اور برتر ہوگا کیونکہ یہ سابقین خود آپس میں ایک دوسرے کے نکالے ہوئے مسائل اور باریکی طبع سے ناواقف تھے اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ عقول و افکار کے اجتماع سے علوم کی تکمیل ہوئی ہے اور اس موجود نحوی عالم نے ان تمام مسائل پر اطلاع پالی لیکن اس کے باوجود وہ انصاف کا علماء میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہوگا پھر فضیلت کہاں رہی اس لیے کہ کسی علم سے واقفیت حاصل کر کے اس میں غور و فکر کرنا عقل و شعور اور فکر و فہم سے مسائل کو جانچنا پھر مسائل کو دلائل سے سمجھنا اور ہر ایک کی اصل و بنیاد دریافت کرنا اور نادر مسائل کو اپنی قوت تحقیق و تفتیش سے کلام عرب سے از خود ماخوذ کرنا اور ترتیب دینا ہی وہ فضیلت ہے جس کے مقابلے میں صرف ان مسائل کو رٹ لینے اور ازبر کر لینے کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح اس زمانہ کے

1۔ أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن مالك الطائي الجياني، ولد بالأندلس، وانتقل إلى دمشق وفيها توفي سنة 672هـ. بغية الوعاة: 1/ 130؛ نفح الطيب: 2/ 222.

2۔ جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن أحمد بن عبد الله بن هشام، النحوي، قال عنه ابن حجر: «انفرد بالفوائد الغريبة والمباحث الدقيقة والاستدراكات العجيبة والتحقيق البالغ والإطلاع المفرط والاقتدار على التصرف في الكلام»، توفي سنة 762هـ الدرر الكامنة: 3/ 93؛ شذرات الذهب: 3/ 191.

3۔ أبو منصور محمد بن أحمد بن الأزهري الهروي، من أئمة الأدب واللغة، توفي سنة 370هـ. معجم الأدباء: 6/ 297؛ البلغة: ص 186.

ہیں جو اس نے جناب ابی جعفر علیہ السلام کے حوالے سے کتاب قصاص میں نقل کی ہے اور دوسری روایت محمد بن یعقوب کلینی کی ہے جو اس نے اپنے کتاب کافی میں بحوالہ جناب ابی عبد اللہ علیہ السلام نقل کی ہے دونوں روایات اللہ تعالی کے فرمان "قل الروح من امر ربي "[1] کی تفسیر کے ذیل میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہیں:

هو خلق أعظم من جبريل وميكائيل لم يكن مع أحد ممن مضى غير محمد وهو مع الأئمة يوفقهم ويسددهم.[2]

وہ جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام سے بھی بڑی مخلوق ہے جو سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین کے ساتھ نہیں تھی اور وہ ائمہ کے ساتھ ہے وہ ان کو توفیق دیتی ہے اور مضبوط رکھتی ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ پہلی روایت کی سند میں ہشام بن سالم ہے جس کو سب جانتے ہیں کہ کٹر مجسمیہ تھا اور حضرات ائمہ کی طرف سے بھٹکارا اور لعنت کیا ہوا ہے اور دوسری روایت میں ابو بصیر ہے جو ائمہ پر جھوٹ بولنے کا خود معترف ہے اور ان کے رازوں کی افشا کا اقراری مجرم ہے۔

اور بفرض محال اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیں تو اس روایت کا مضمون جناب پیغمبر علیہ السلام اور ائمہ کی عصمت کے صریح خلاف ہے اور منافی ہے اس لیے کہ اتالیق اور مؤدب کا محتاج وہ ہو سکتا ہے جو خود معصوم نہ ہو، اسی لیے فرشتے اتالیق ومؤدب کے اس لیے محتاج نہیں کہ وہ معصوم ہیں لہٰذا اس صورت میں انبیاء سابقہ کے مقابلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی ذات میں ایک واضح نقص ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام تو گویا خود بخود بتمام وکمال موصوم تھے کہ ان کو نہ کسی توفیق رساں کی حاجت تھی نہ وہ کسی مضبوط کرنے والے کے ضرورت مند تھے بخلاف اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اتالیق کے ایسے محتاج تھے کہ جو ان کو ہر وقت راہ راست پر رکھے اور بیدار! اس فاسد گمان وخیال سے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

1۔ سورة بني اسرائيل، الاية : 85

2۔ الكافي: 1/ 273؛ رجال الكشي: ص 604 الصفار، بصائر الدرجات: ص 460؛ العياشي، التفسير: 2/ 317.
ورووها الكشي عن الرضا: رجال الكشي: ص 604

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ حضور ﷺ کے ساتھ ایسی روح کا ہونا ان کی عصمت کے لیے شرط ہے یا نہیں ان دو ہی صورتوں کے علاوہ تیسری صورت نہیں اب اگر تمہارا جواب اس بات میں ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہ السلام غیر معصوم تھے کیوں کہ یہ روح ان کے ساتھ تم نہیں مانتے اور یہ بات بالاجماع غلط اور باطل ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر حضور ﷺ اور ائمہ رحمہم اللہ کی عصمت کی نفی ہوتی ہے کہ وہ معصوم نہ تھے نعوذ باللہ اس لیے ایک اتالیق کے محتاج ہوئے اور دوسرے پہلو سے تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے افضلیت حضور ﷺ اور ائمہ پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ تو اپنی عصمت کے لیے اس روح کے محتاج نہیں تھے اور آنجناب ﷺ روح کی وجہ سے معصوم تھے، اب یہاں شیخ ابن بابویہ کی ایک تعلی قابل تماشہ ہے اس نے اپنی کتاب الاعتقاد میں بڑی بلند آہنگی سے یہ لکھا ہے:

إن الله لم يخلق افضل من محمد والأئمة، وهؤلاء أحب أحباء الله، وإن الله يحبهم أكثر من غيرهم من جميع خلقه وبريته.[1]

اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق محمد ﷺ اور ائمہ سے افضل پیدا نہیں کی اور یہ اللہ کو سب دوستوں میں زیادہ محبوب اور غیروں سے زیادہ پیارے ہیں اپنی تمام مخلوق سے بڑھ کر ان کو دوست رکھتا ہے۔

پھر یہی حضرت اپنی دوسری کتاب الامالی میں صحیح روایت سے ایک لمبی حدیث میں جو جناب امیر رضی اللہ عنہ اور بی بی زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ پر مشتمل ہے یہ روایت جناب صادق رحمہ اللہ علیہ سے نقل کرتا ہے:

إن الله تعالى قال لسكان الجنة من الملائكة وأرواح الرسل ومن فيها: ألا إني زوجت أحب النساء إلي إلى أحب الرجال إلي بعد النبيين.[2]

اللہ تعالیٰ نے جنت میں بسنے والے فرشتوں اور ارواح رسل اور جو جو بھی وہاں تھے سب سے کہا کہ آگاہ رہو میں نے ایک محبوب ترین عورت کا نکاح ایک ایسے شخص سے کیا جو انبیاء کے بعد مجھ

1۔ الاعتقادات لابن بابويه: ص 66.

2۔ الأمالي: ص 559؛ تفسير فرات: ص 413.

کو محبوب ترین انسان ہے۔

یہ روایت ببانگ دہل کہہ رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام جناب امیر رضی اللہ عنہ سے محبوب تر ہیں اب جناب بابویہ کی اس اختلاف بیانی اور تناقض کلامی کو کیا کہا جائے دروغ گو را حافظہ نباشد شاید موضوع رہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ان کے ہاں تو مذہب و دلائل میں یہ تناقض اور اختلاف بیانی شروع سے الی تک ہے اور یہ بابویہ تو اس فن کے ماہر اور سب کے استاد مانے جاتے ہیں۔

مزید بات آگے بڑھانے سے پہلے اسی مسئلہ زیر بحث کی ایک مثال پیش کر کے اس اختلاف میں یعنی کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں مثلاً تمام امامیہ دعوی کرتے ہیں کہ جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ اللہ کو پہچانتے ہیں اور اس بارے میں شیخ ابن بابویہ جناب ابی عبد اللہ رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ:

انه قال : يا علي ما عرف الله الا انا وأنت وما عرفني الا الله وأنت وما عرفك الا الله وانا.[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی اللہ کو مجھ سے اور تجھ سے بڑھ کر کسی نے نہیں پہچانا اور مجھ کو سوائے اللہ کے اور تیرے کسی نے نہیں پہچانا اور تجھ کو سوائے اللہ کے اور میرے کسی نے نہیں پہچانا۔

اور پھر خود شیخ بابویہ کتاب المعراج میں ایک طویل روایت میں بحوالہ ابوذر لکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنه قال لما عرج بي إلى السموات جاءتني ملائكة كل سماء وسلموا علي و قالوا: إذا رجعت إلى الأرض فاقرأ عليا منا السلام وأعلمه بأنا قد طال شوقنا إليه، فقلت: ملائكة ربي! تعرفوننا حق معرفتنا؟ فقالوا: يا رسول الله لم لا نعرفكم [2]

1۔ مختصر بصائر الدرجات، ص :125، ط: المطبعة الحيدرية النجف

2۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 40/ 56، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

جب مجھے آسمانوں کی طرف معراج ہوئی تو ہر آسمان کے فرشتے میرے پاس آئے اور مجھے سلام کیا پھر مجھ سے کہا کہ جب آپ زمین پر واپس ہوں تو علی کو ہمارا سلام پہنچایئے اور فرمایئے کہ آپ کے لیے ہمارا اشتیاق بہت بڑھ چکا ہے تو میں نے فرشتوں سے کہا کہ اے میرے رب کے فرشتوں کیا تم ہم کو خوب جانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو کیوں نہیں پہچانیں گے......الخ

اس روایت سے واضح اور صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے جناب نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا پہچانتے تھے جو پہچاننے کا حق ہے تو پھر روایت بالا میں جو دو مرتبہ حصر آیا ہے وہ تو غلط ثابت ہو گیا یہاں بھی شیخ بابویہ کو دروغ گو راہ حافظہ نباشد کا ہی اعزاز دیا جا سکتا ہے۔

اور پھر روایت اول میں صراحت سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو بظاہر اصل معرفت اور درپردہ حق معرفت حاصل نہ تھی اور جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت جیسا کہ معرفت کا حق ہے حاصل نہ ہو وہ نبوت پر رسالت کے قابل کب اور کیسے ہو گا؟ اور روایت مذکور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ائمہ اطہار مثلاً جناب حسنین رضی اللہ عنہما اور آپ کے بعد کے لوگوں کو حق معرفت نصیب نہ تھی حالانکہ یہ بات خود ان کے مذہب کی بھی خلاف ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور ائمہ کی تفضیل کے سلسلہ میں ان کے شبہات بطور نمونہ بیان کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے متعلق جو غلو اور حد سے تجاوز ان کے ہاں پایا جاتا ہے اور انبیاء کی تحقیر واہانت یہ کرتے ہیں رسالہ کے مناسبت سے مختصراً اس کو بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بندہ مومن کو ان سے میل جول اور نشست وبرخاست کے سبب قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے شرمندگی نہ ہو اور ائمہ واولیاء وصلحاء امت کے حق میں جو اتفاق رکھتا ہے اس میں زیادہ اعتدال سے نہ ہٹ جائے۔

پہلا غلو: انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے

ائمہ کے حق میں غلو اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت تحقیر کی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی پیدائش ائمہ کے ضمن میں ہے اور عارضی ہے اصل مقصد تو ائمہ کی پیدائش ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ اصل کو طفیلی کا نائب مقرر کریں اور کہیں کہ اصل کا تقرر محض نائب کے تقرر کی وجہ سے ہے حالانکہ یہ بات خلاف عقل ہے اس غلو کے حق میں دلیل وہ روایت ہے جو شیخ مفید یعنی محمد بن نعمان استاد شریف مرتضیٰ

اور شیخ ابو جعفر طوسی نے محمد بن الحنفیہ سے نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ:

قال: قال أمير المؤمنين (عليه السلام) :سمعت رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) يقول......أنا سيد الأنبياء وأنت سيد الأوصياء......لولانا لم يخلق الله الجنة ولا النار ولا الأنبياء ولا الملائكة.[1]

امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نبیوں کا سردار ہوں اور تم وصیوں کے اگر میں نہ ہوتا تو اللہ تعالی نہ جنت پیدا کرتا نہ فرشتوں کو اور نہ انبیاء کو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ روایت اس قوم کی من گھڑت روایتوں میں سے ایک ہے کیونکہ لفظ لولا کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کے ممتنع یعنی ناممکن الوقوع ہونے پر دوسری چیز بھی ناممکن الوقوع ہو اور یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک چیز موقوف و محتاج ہو دوسری چیز کی، ورنہ پھر ایک کا امتناع دوسری پر کس طرح متصور ہوگا، اور یہاں ایسا نہیں ہے یعنی تمام انبیاء کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف نہیں ہے اگر کسی قسم کا توقف ہو سکتا ہے تو انہی حضرات کے باپ دادا یا ان پیغمبروں کی نسبت ہو سکتا ہے جو اسی سلسلہ میں ہے اور یہ توقع بھی نسبی سلسلہ میں ہو سکتا ہے نہ نبوت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی پیدائش سے صرف نسل جاری ہو جائے اور وہ پیغمبر نہ ہوں اور فرشتوں کے حق میں تو اتنے کا بھی امکان نہیں زیادہ سے زیادہ وہ فرشتے جو آپ کی حفاظت نصرت و امداد پر مامور ہیں یا اعمال نامہ لکھنے پر متعین ہیں یا جنت میں اسی جگہ کے فرشتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے متعلقین کے لیے نامزد ہیں پیدا نہ کیے جاتے، لہذا اول تو یہ حدیث صحیح نہیں پھر اگر صحیح بھی ہوتی تو اس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوتے بلکہ غرض محض اللہ تعالی کی عنایت بیان کرنا ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیر رضی اللہ عنہ پر تھی۔

اب چونکہ مخلوق کی ہدایت و رشد کے دو راستے ہیں ظاہر و باطن ظاہر کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام رفقا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور باطن کے اکثر طرف اور سلسلوں کا مرجع جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ہر دو

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 26/ 349، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

تاریخ کا منبع و منکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ سب کچھ انبیاء، واوصیاء سے پہلے ہی مقدور ہو چکا تھا تو یہ چیز صرف جناب امیر رضی اللہ عنہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت نہیں کرتی کیونکہ مجموعہ کی مجموعہ پر تفصیل آپس میں احاد کی تفصیل کو مستلزم نہیں تو احاد کی تفصیل مجموعہ پر کیسے مستلزم ہو سکتی ہے۔

دوسرا غلو: انبیاء اور فرشتوں سے ائمہ کی ولایت کا عہد لیا گیا تھا

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ائمہ کی ولایت کی تصدیق اور ان کی اطاعت پر فرشتوں اور انبیاء سے عہد لیا تھا ان کی یہ بات بھی عقل کے سراسر خلاف ہے کیونکہ ایسی صورت میں جب کہ ائمہ علیہم السلام کے زمانہ میں انبیاء کا موجود نہ ہونا قطعی طور پر معلوم ہے ایسا عہد لینا بیکار محض ہے جب وہ موجود ہی نہیں تو ایفائے عہد سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتے ہیں کیونکہ کسی عہد کی اکثر و بیشتر غرض نصرت و حمایت اور اعانت و امداد ہوتی ہے یا محاسن اور خوبیوں کا بیان یا اشاعت اور جب زمانہ ہی دونوں کا ایک نہ ہو تو عہد بے کار اور لغو رہا۔

اب اگر کسی کو اس پر شبہ ہو کے حضور ختم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و مدح پر بھی تو انبیاء سابقین سے عہد لیا گیا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصریح اور اپ کے محاسن و مدائح آسمانی کتابوں میں بڑی تشریح کے ساتھ نازل ہو چکے تھے اور ضرورت کے وقت ان کو ظاہر کرنے کے لیے اہل کتاب کا موجود ہونا بھی قطعی الثبوت تھا، لہٰذا ان انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آسمانی کتب میں جو نازل کیا گیا ہے ان امور کے متعلق اپنی امت کو بتاؤ اور ان کی ان میں تبلیغ کرو اور ان کو تاکید کرو عہد لے کر ان کو پابند کرو کہ نسل در نسل اور پشت در پشت بلا کم وکاست ان نصوص کی حفاظت کریں ان کو تازہ رکھیں اور جب ان کے ظاہر کرنے کا وقت آئے تو پوری سچائی سے ان کو ظاہر کریں لیکن امامت ائمہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے نہ وہ انبیاء سابقین کی کتابوں میں نازل ہوئی نہ ہی امم ماسبق میں وہ رائج ہوئی اور نہ ہی اس کے اظہار کی کبھی ضرورت پیش آئی اس لیے کہ امامت و خلافت تو نبوت کی نیابت اور نائب ہے یہ تو نبی کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اہل کتاب کی طرف اس کے ثبوت و اس بات کے لیے رجوع کرنے کی تک ہی کیا ہے اور ضرورت کون سی ہے اور اگر اہل کتاب از خود اس معاملہ میں لب کشائی کریں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ امامت کے لیے عہد ضروری ہے تو پھر ایسا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہ سے عہد و میثاق لیتے ان سے دست برداری تحریر کرا کر اپنی مہرے اسے مؤکد ترین فرما کر جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرماتے یہ کیا بات ہوئی کہ موجود و متعلق حضرات کو نظر انداز کر کے غیر متعلق بظیر موجود وغیرہ موثر حضرات سے عہد لیا گیا جن کو خود ورنہ ان کے پیروکاروں کو معاملات امامت و خلافت کے غصب و تسلیم سے کوئی تعلق اور کچھ سروکار نہیں، اور اس لغو بیہودہ غلو کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن حسن صفار نے محمد بن مسلم سے اور انہوں نے جناب ابی جعفر سے بیان کی ہے وہ کہتے ہیں:

إن الله تبارك وتعالى اخذ ميثاق النبيين على ولاية علي.[1]

اللہ تعالی نے نبیوں سے ولایت علی بن ابی طالب کا عہد لیا ہے۔

اس کے علاوہ محمد بن بابوہ کی اس روایت سے بھی یہ سند لاتے ہیں جو اس نے داؤد رقی کے حوالے سے ابی عبد اللہ سے اپنی کتاب کتاب التوحید میں ایک طویل روایت کے ذیل میں بیان کی ہے جو یہ ہے:

فلما أراد الله أن يخلق الخلق نثرهم بين يديه فقال لهم: من ربكم؟ فأول من نطق :رسول الله صلى الله عليه وآله وأمير المؤمنين عليه السلام و الأئمة صلوات الله عليهم فقالوا: أنت ربنا، فحملهم العلم والدين، ثم قال للملائكة: هؤلاء حملة ديني وعلمي وأمنائي في خلقي وهم المسؤولون، ثم قال لبني آدم: أقروا لله بالربوبية ولهؤلاء النفر بالولاية والطاعة، فقالوا: نعم ربنا أقررنا.[2]

جب اللہ تعالی نے خلق مخلوق کا ارادہ کیا تو ان کو اپنے سامنے پھیلایا اور ان سے پوچھا میں کون ہوں جواب میں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین اور ائمہ بولے آپ ہمارے رب ہیں پھر اللہ تعالی نے ان کو علم و دین کا حامل بنایا اور فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میری مخلوق میں یہی

1۔ بصائر الدرجات الكبرى، ص: 93، ط: منشورات الأعلمي طهران

2۔ الأصول من الكافي، باب العرش والكرسي، 1/ 133، ط: دار الكتب الاسلامية

کسی منطقی کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ارسطوابوالفرج فارابی اور بو علی سینا سے برتروبلند مرتبہ ہے اگرچہ یہ ان سب کے بیان کردہ مسائل پر واقفیت رکھتا ہے جبکہ ان میں سے ہر ایک کو یہ بات حاصل نہ تھی، اسی طرح کوئی بچہ اگر عروض سیفی پڑھ گیا ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خلیل بن احمد پر فوقیت لے گیا، اور پھر تھوڑی دیر کو اسے برتری مان بھی لیں تو علم کی کثرت سے ثواب وصلہ کی کثرت لازم نہیں آتی اللہ تعالیٰ کے یہاں فضیلت کا معیار کثرت ثواب ہے کثرت علم نہیں ورنہ تو ماننا پڑے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فضیلت میں برتر تھے اور یہ بات بالاجماع صحیح نہیں۔

اور پھر اگر یہ بھی مان لیں کہ کثرت علم ہی کثرت ثواب کو مستلزم ہے تو اس سے وہ علم مراد ہے جس پر اعتقاد و عمل کا دارومدار ہے علوم زائدہ اس سے مراد نہیں اور آیت قرآنی "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ"[1] میں یہی علم عقیدہ و عمل مراد ہے، اور ہر نبی کو یہ علم بدرجہ کمال و تمام حاصل ہوتا تھا اگر ائمہ کو یا دوسرے علماء کو ان سے علم میں زیادتی یا برتری ہوگی تو وہ دوسرے علوم ہوں گے یہ نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نبی کو یہ اعتقادی و عملی علم بدرجہ کمال نصیب نہ ہو تو وہ تبلیغی اور دینی احکام رسانی کی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہو سکے گا اور پھر بعثت کی غرض کیسے اور کیوں کر پوری ہوگی۔

دوسرا شبہ: کہ علی رضی اللہ عنہ زمین و آسمان میں سب سے افضل ہیں

مسئلہ بالا کی دلیل میں یہ لوگ حسن بن کبش کی ایک روایت بحوالہ ابی ذر یوں بیان کرتے ہیں:

قال: نظر النبي صلى الله عليه وسلم إلى علي بن أبي طالب وقال: هذا خير الأولين والآخرين من أهل السماوات والأرضين.[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا کہ یہ آسمانوں اور زمینوں کے اگلوں اور پچھلوں میں سب سے افضل ہیں۔

1۔ سورة الزمر ،الاية : 9

2۔ التحصين لابن طاوس: ص 605و مائة منقبة لابن شاذان: ص 88.

پھر انہوں نے اسی حسن بن کبش کی ایک اور روایت بحوالہ ابی وائل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کا یہ کہنا بیان فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ تمام انسانوں میں افضل ہیں جس نے اس سے انکار کیا وہ کافر ہوا۔[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ان روایات میں سے ہے جس کی روایت کرنے میں امامیہ منفرد اور تنہا ہے کسی اور نے یہ روایت نہیں کی اور ان کے راوی جیسے کچھ ہیں ان کا حال پہلے صفات میں بیان ہو چکا اور خود امامیہ کے نزدیک بھی یہ دونوں روایات سند ٹھیک نہ ہونے کے سبب نظر اعتبار سے گر چکی ہیں کیونکہ ان روایات کے رجال کی تحقیق پر حسن بن کبش اور اس کے بعد کے راوی مجہول الحال اور ضعیف ثابت ہوئے۔

اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو بھی ان روایات سے ان کا مدعا اور مقصد ثابت نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس قسم کے عام اور مطلق عبارات میں انبیاء کا مستثنیٰ ہونا ایک مشہور و معروف بات ہے اگر کسی ایک مقام پر استثناء نہ ہو تو اسے دوسرے مقام پر قیاس کریں گے اور وہ عام جس کی تخصیص کر لی گئی ہو قابل حجت نہیں اور پھر یہ حجت زنی ہے معتقدات میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر عموم کو تسلیم بھی کر لیں تو عموم فی الاوقات یعنی ہر زمانے میں قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس قسم کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلا شک و نزاع بالکل نہ تھی اپ اپنے زمانہ میں اولین و آخرین میں داخل ہوتے ہوئے بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل و برتر تھے لہذا آپ کے زمانہ کے علاوہ کوئی اور زمانہ مراد ہوگا یعنی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو اس زمانے میں بے شک اپ سب سے افضل و برتر تھے اور اسے اہل سنت بھی مانتے ہیں اس میں نہ کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا۔

تیسرا شبہ: ائمہ کے ساتھ ایک مخلوق ہوتی ہے

اس شعبہ کے ثبوت میں یہ لوگ ایک روایت تو سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف اشعری قمی کی پیش کرتے

1۔ قد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات: 1/ 347؛ وقال عنه الذهبي: «بعض الكذابين يرويه مرفوعا»: ميزان الاعتدال: 3/ 374؛ وقال في مكان آخر: «حديث علي خير البشر وهذا كذب»، المغني في الضعفاء: ص 155؛ وقال الحافظ ابن حجر عنه: «وهذا باطل جلي». لسان الميزان: 2/ 252. وقد أورده من الإمامية: ابن بابويه، الأمالي: ص 76؛ عماد الدين الطبري، بشارة المصطفى: ص 246.

وہ ہیں جن کو میں نے علم دین اور امانت کا حامل بنایا پھر بنی آدم سے کہا اللہ کی ربوبیت تسلیم کرو اور ان لوگوں کی اطاعت مانو تو سب نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

ان دونوں روایتوں میں فرشتوں سے عہد کا ذکر نہیں دوسری روایت میں فرشتوں کے سامنے ان حضرات کے صرف فضل و شرف کا اظہار کیا ہے ویسے بھی ملائکہ سے عہد لینا قرین قیاس بھی نہیں اس لیے فرشتے کسی میثاق میں داخل نہیں اس لیے کہ میثاق تو دراصل مقلفین سے ہوتا ہے جن سے اطاعت بنافرمانی ہر دو کا احتمال ہوتا ہے فرشتوں میں تو صرف اطاعت و فرمانبرداری ہی کا پہلو ہے وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے کہ ان کی صفت تو "لَا يَعْصُونَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ"[1] اللہ تعالی نے خود بیان فرمادی ہے اس لیے ان سے عہد لینے کی ضرورت ہی کیا رہی!

اس مذکورہ بالا دوسری روایت میں انبیاء علیہم السلام سے بھی میثاق کا ذکر نہیں بلکہ بنی آدم سے جو سب کو شامل ہے عہد لیا ہے اور یہ بات بطور قاعدہ مشہور ہے کہ کوئی ایسا کام عام نہیں جس سے بعض کی تخصیص نہ کی گئی ہو اس کے علاوہ اس عہد میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب امیر اور ائمہ علیہم السلام کی اطاعت پر انحصار معلوم ہوتا ہے اور دیگر اولوالعزم پیغمبروں کی جو اطاعت بلاشبہ واجب ہے اس کو غالباً بطور بدا کسی دوسرے وقت پر مصلحتاً اٹھا رکھا ہو اب ان کے مفید مطلب وہ خاص روایت ملاحظہ فرمائیے جو شیخ بابویہ ہی کی زنبیل سے نکلی ہے یہ روایت بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی گئی ہے روایت طویل ہے اس کا یہ ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

انه لما اسري به وكلمه ربه قال بعد كلام انه رسولي إلى خلقي وأن عليا ولي وأمير المؤمنين أخذت ميثاق النبيين وملائكتي وجميع خلقي.[2]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج حاصل ہوئی آپ کا رب آپ سے ہم کلام ہوا تو گفتگو کے بعد فرمایا بے شک آپ میری مخلوق کے لیے رسول ہیں، اور علی ولی امیر المومنین، میں نے نبیوں

1۔ سورۃ التحریم، الآیۃ: 6

2۔ المحتضر، للحلي، ص: 254، ط: انتشارات المكتبة الحيدرية

ہے دشمنی اور اپنی ساری تحقیق سے اس کی ولایت پر عہد لیا ہے۔

اب مفضل بن یزید اور ان کے راوی خصوصاً محمد بن مسلم کا جو حال ہے اور جو خطاب والقاب ان کو علماء رجال کی طرف سے ملے ہیں وہ روشن و ظاہر ہیں ان کے علاوہ بھی روایات کے الفاظ کی کمزوری خود ان کے کذب و افتراء پر دلالت کر رہی ہے اور پھر خدا کے فضل و کرم سے اس حد تک کسی قدر کاوش کی بھی ضرورت نہیں کہ وہ ان روایات کی توثیق یا تضعیف کریں یا ان کی حضرت روایات کی تحقیق و توضیح میں اپنا وقت اپنی توانائی ضائع کریں کیونکہ شریف مرتضی نے جو شیعوں کی طرف سے علم الہدیٰ کے خطاب سے متصف ہے اپنے لقب کی شرم رکھتے ہوئے اپنی کتب اصول الفروش میں ان روایات کی بڑے شد و مد اور سختی سے تکذیب و تردید کی ہے اور آخر میں ان کے افتراء و کذب کا قطعی فیصلہ دیا ہے جو کہ وکفی الله المؤمنین القتال کے مصداق مومنوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

تیسرا غلو: انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس کیا ہے

یہ کہتے ہیں کہ انبیاء نے ائمہ کے انوار سے اقتباس کیا ہے اور انہی بزرگوں کے نقش قدم پر چلے ہیں بھلا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ پہلے والا پچھلے کی اقتداء کرے اور اس سے انوار حاصل کرے، اگر یہ کہا جائے کہ ان کو وحی والہام سے ائمہ کے حالات معلوم ہوتے تھے، تو پھر سوال یہ ہے کہ اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی اصالۃً ان کو طریقت کی تعلیم کیوں نہ ہوئی اس طول عمل میں مصلحت کیا تھی کہ فلاں فلاں آئندہ ایسا کریں گے تم بھی ان کی اتباع کرو سیدھے سیدھے یہ کہا جا سکتا تھا کہ فلاں فلاں طاعت انجام دو۔

ہر عقل مند پر یہ بات روشن ہے کہ کسی کی اتباع کروانا یا اس سے اقتباس انوار کا مطالبہ اس وقت کیا جا سکتا ہے کہ بے واسطہ راہ نجات کی معرفت اور درجات تک وصول اس کو نصیب نہ ہو اور جب کہ ان انبیاء سے وحی کا رابطہ تھا ان سے پیغام و گفتگو جاری تھی ان پر کتابیں حکم احکام سب براہ راست نازل اور پہنچ رہے تھے تو پھر کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو غیر کی اتباع کا حکم دیا اور پھر کسی تاریخ سے یا کسی شرعی و صحیح خبر سے یہ ثابت نہیں کہ کسی نبی نے روزہ نماز زکوۃ حج اور دوسری عبادات و معاملات کو نجم الدین ابوالقاسم کی یا جامع عباسی عاملی کی شریعت کے مطابق جو ان کے نزدیک ائمہ کے آئین و طریقہ کے مطابق ہیں انجام دی ہوں اور نہ ان انبیاء کی امتوں میں یہ طریقہ رائج تھا ان حالات میں انبیاء کرام کا ائمہ کی اتباع کیا معنی رکھتے ہیں، اس غلو کے لیے بھی

حجت ابن بابویہ کی زنبیلی روایت سامنے آتی ہے یہ جناب ابی محمد حسن عسکری کا ایک خط ہے اور ابن بابویہ کے علاوہ دوسرے امامیہ نے بھی اس کی روایت کی ہے وہ یہ ہے:

أعوذ بالله من قوم حذفوا محكمات الكتاب ونسوا الله رب الأرباب والنبي وساقي الكوثر في مواقف الحساب، ولظى والطامة الكبرى ونعيم دار الثواب فنحن السنام الأعظم، وفينا النبوة والولاية والكرم، ونحن منار الهدى والعروة الوثقى، والأنبياء كانوا يقتبسون من أنوارنا، ويقتفون من آثارنا، وسيظهر حجة الله على الخلق بالسيف المسلول لاظهار الحق.[1]

میں اللہ سے اس قوم سے پناہ مانگتا ہوں جس نے قرآن کی ظاہر الثبوت آیات کو ترک کیا اپنے رب نبی ساقی کوثر یوں میں حساب، آتش دوزخ جو بڑی آفت ہے اور پرہیز گاروں کی نعمت کے گھر کو بھلا دیا پس ہم بڑی شان و مرتبہ کے لوگ ہیں نبوت ہم میں ہیں ولایت و کرم ہم میں ہے ہم ہدایت کے مینار اور مضبوط سہارا ہیں اور انبیاء ہمارے انوار سے اقتباس کرتے تھے اور ہمارے نقش قدم پر چلتے تھے عنقریب اظہار حق کے لیے اللہ کی حجت اور ننگی تلوار مخلوق پر ظاہر ہو گی۔

خط کی یہ عبارت من گھڑت ہے اپنی طرف سے جناب عسکری کی طرف منسوب کر دی اس سلسلہ میں اس فرقہ کی زود اعتقادی کا یہ حال ہے کہ جھوٹوں بھی سن لیتے ہیں کہ یہ فلاں امام کا خط ہے تو بے کھٹکے فوراً اعتماد کر بیٹھتے ہیں اور اس سے دینی مسائل نکالنے شروع کر دیتے ہیں اتنا نہیں سوچتے کہ خط ہی ایسی دستاویز ہے جن میں جڑ سازی اور دھوکہ بازی عام بات بھی ہے اور آسان بھی ہے خصوصاً ایسے بزرگوں کے خطوط میں جو خود موجود نہ ہوں کہ ان کو جھٹلا سکیں نہ ہی ان کے خطوط کی کامیابی کے سبب ان کی پہچان اور شناسائی کی کوئی مہارت اور شیخ ابن بابویہ پر حیرت ہوتی ہے کہ اپنی کتاب الاعتقاد میں بڑی بڑی قسمیں اٹھا کر اہل سنت پر جھوٹ کا دور باندھتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم شیعہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور اس کی آیات و سورتوں کو ساقط کرتے ہیں

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 26/ 264، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

اور پھر خود ہی ایسی موضوع روایت کو جس کا مضمون اوپر مذکور ہوا اپنی کتابوں میں نقل بھی کرتا ہے اس کے لیے یہاں بھی وہی دروغ گو را حافظہ نباشد والا عذر ہی مناسب ہے ناظرین کو ہمیشہ اسے یاد رکھنا چاہیے۔

چوتھا غلو: قیامت کے دن جناب امیر انبیاء سے آگے ہوں گے

یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن جناب امیر رضی اللہ عنہ آگے آگے ہوں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان کے پیچھے اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ابی صامت حلوانی کے واسطے سے جناب ابی جعفر سے نقل کی ہے کہ:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے آگے سوائے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہ ہو گا۔[1]

اور دوسری روایت وہ ہے جو فضل بن شاذان نے کتاب القائم میں بسند صالح بن حمزہ عن حسن بن عبد اللہ عن ابی عبد اللہ بیان کی ہے:

قال قال أمير المؤمنين (عليه السلام) على منبر الكوفة----ما يتقدمني إلا أحمد (صلى الله عليه وآله وسلم)، وإن جميع الملائكة والرسل والروح خلفنا.[2]

فرمایا امیر المومنین نے کوفہ کے ممبر پر کہ میرے آگے سوائے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہ ہو گا اور سب فرشتے رسول اور روح ہمارے پیچھے ہوں گے۔

اس مضمون کی ان دو روایتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی گھڑ رکھی ہیں جو ساری کی ساری ان کی خود ساختہ و پرداختہ ہیں اگر کوئی بھی انبیاء سے بلند درجہ ہوتا تو قران میں اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کے مرتبہ پر ایمان لانے کی دعوت کھلے اور واضح الفاظ میں دی جاتی چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں یہ عمل برتا گیا ہے ورنہ تو ترک لطف لازم آتا ہے کہ مکلفین کو ایسے شخص کے مرتبہ اور درجہ سے ناواقف اور تاریکی میں رکھا گیا ہے اور یہ

1۔ الإمام علي (عليه السلام) :لا يتقدمني أحد إلا أحمد (صلى الله عليه وآله)۔ (موسوعة الإمام علي بن أبي طالب (عليه السلام) في الكتاب والسنة والتاريخ لمحمد الريشهري، 8/ 201، ط: مؤسسة دار الحديث العلمية الثقافية قم المقدسة ايران)

2۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 26/ 153، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

بیچارے بے خبری میں نہ اس پر ایمان لا سکتے ہیں اور نہ ان کی کما حقہ توقیر و تعظیم بجالاتے ہیں، اب ایسی احاد روایات کے جن کو سوائے ان چند جھوٹوں کے کوئی نہیں جانتا ایسے اعلی و اشرف مقاصد اور اصول عقائد میں کیسے کافی ہو سکتی ہے اور ان گپ بازیوں یا کاغذی گھروندوں سے مقلفین پر حجت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

پانچواں غلو: قیامت کے دن جناب امیر کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو گا

اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن جناب امیر و ائمہ کا درجہ انبیاء سے بلند و بالاتر ہو گا شیخ ابن بابویہ نے اسی باب میں معانی الاخبار میں چند روایات میں ان کی ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو خالد بن یزید نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے:

قال انا یوم القیامه علی الدرجة الرفیعة دون درجة النبي واما الانبیاء والرسل فدوننا علی المراقي.[1]

آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے سب سے بلند درجہ پر ہوں گا اور باقی انبیاء ورسل ہم سے نیچے زمینوں پر ہوں گے۔

اور امالی میں جناب ابی عبد اللہ اپنے دادا امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کرتے ہیں کہ:

قال لي رسول الله (صلى الله عليه وآله) :يا علي أنت أخي في الدنيا والآخرة، وأنت أقرب الخلائق إلي يوم القيامة في الموقف بين يدي الجبار.[2]

مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ اے علی تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے اور قیامت کے دن جبار کے سامنے کھڑے ہونے میں تو مجھ سے تمام مخلوق سے زیادہ قریب ہو گا۔

اور روایت کی سعاد نے اربعین میں ابی صالح سے اور اس نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے

1۔ روي أن درجة أمير المؤمنين (عليه السلام) في الجنة دون النبي (صلى الله عليه وآله وسلم) بدرجة----- والأنبياء والرسل دونهم على الدرجات- (المحتضر للحلى، ص: 47، ط: انتشارات المكتبة الحيدرية)

2۔ حياة أمير المؤمنين عن لسانه،2/ 154، ط: مؤسسة النشر الاسلامي بقم

رسول اللہ ﷺ سے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپ سے کہا جب قیامت کے دن ہوگا تو آپ کے لیے ممبر عرش کے دائیں جانب کیا جائے گا اور باقی انبیاء کے لیے بائیں جانب اور اس کے سامنے آپ کے پہلو میں بطور اعزاز واکرام جناب علی کی کرسی لگائی جائے گی۔[1]

اسی طرح کے اور بھی بہت سی روایات جو من گھڑت ہیں ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بالفرض ان روایات کی صحت تسلیم بھی کرلی جائے تب بھی یہ روایات انبیاء پر ائمہ کی فضیلت ثابت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتی اس لیے کہ ان روایات کا زیادہ سے زیادہ مقصد اور فائدہ یہی ہے کہ حضور انور ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں اپ کی ذریت کے بعض افراد کو بعض مقامات پر تمام مخلوق پر تقدم حاصل ہوگا اور اس قسم کے ضمنی تقدم اور تفوق سے کسی برتری کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مثلاً بالاجماع یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ امت محمد ﷺ تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور ہر نبی اپنی امت کے ساتھ ہوگا تاکہ پل صراط کی تنگ گھاٹی سے باحفاظت ان کو گزار لے جائے۔

لہذا اس پہلو سے ساری امت محمدیہ ﷺ کو اپنے پیغمبر علیہ السلام کے طفیل دیگر انبیاء اور ان کی امتوں سے دخول جنت میں تقدم حاصل ہوگیا تو اب چاہیے کہ اس امت کے ہر ہر فرد کو انبیاء پر برتری فضیلت حالانکہ سب ہی کے نزدیک ساری امت انبیاء سے افضل رہی ہے اور یہ فضیلت نا عقل کی رو سے درست ہے نہ بلحاظ شرع و عرف مثلاً شاہی کلام اگر ایک امیر اپنے خدام کے ساتھ دوسرے امراء سے پہلے داخل ہوجائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس امیر کے خدام کو پہلے داخل ہوجانے کے سبب دوسرے شاہی امراء پر تفوق وبرتری حاصل ہوگی۔

عقیدہ نمبر3: انبیاء کرام گناہوں سے معصوم نہیں

انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں اور یہی اہل سنت کا عقیدہ و مذہب ہے البتہ بطور تشریح تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا قصداً کسی نبی سے سرسد

1۔إن جبرئيل عليه السلام قال: إذا كان يوم القيامة نصب لك منبر عن يمين العرش والنبيون كلهم عن يسار العرش وبين يديه، ونصب لعلي عليه السلام كرسي إلى جانبك إكراما له۔ (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 108/ 387، ط: دار احياء التراث العربي بيروت لبنان)

نہیں ہوتا البتہ بھول چوک سے ایسے معمولی امور پیش آجاتے ہیں جن کو زلہ کہتے ہیں یعنی قدم پھسلنا ان کی طرف گناہ کی نسبت صحیح نہیں اس وقت ان کی کیفیت اس راہ رو کے مشابہ ہوتی ہے جو راہ راست پر ہونے کے باوجود راستہ کے روڑے یا پھسلا پر نظر نہ کرسکنے کے سبب ٹھوکر کھالے یا پاؤں رپٹ جائے۔

اس قسم کے مسائل میں ایک بات تو ہر دم یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالی اپنے انبیاء کے ساتھ جو بھی معاملہ کرے یا کسی انداز و الفاظ میں ان کو یاد کرے اس نے مخلوق کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ ان الفاظ کو نبی کے لیے استعمال کریں اللہ تعالی کو یہ سولہ آنے حق ہے کہ وہ جس کا چاہے جو نام رکھے جس لفظ سے چاہے خطاب کرے ہمیں اس کی ریس کی اجازت نہیں وہ ابو البشر آدم علیہ السلام کے لیے "وَعَصَىٰ آدَمُ "[1] کہہ سکتا ہے مگر کسی بندہ کو ایسا کہنے کی نہ اس نے اجازت دی نہ حق، یوسف علیہ السلام نے بھائی کی خرجی میں خود ہی پیالہ رکھ دیا اور پھر خود ہی قافلہ والوں پر چوری کا الزام لگایا بظاہر تو یہ نازیبا بات تھی مگر اللہ تعالی نے فرمایا" كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ "[2] یہ تدبیر ہم ہی نے یوسف کو بتائی تھی تو اب اسے کون نازیبا بات کہہ سکتا ہے سورہ منافقون کی شروع آیت پڑھیے یہ منافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بتاکید شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں،[3] تو یہاں سچی بات کی گواہی دینے والے کو کوئی جھوٹا نہیں کہہ سکتا مگر اللہ تعالی کو اس کا حق ہے۔

(اسی طرح اللہ تعالی اپنے نبی کو جس طرح بھی مخاطب کرے بندوں کو اس کی نقل جائز نہیں بندوں کو یہی اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ بات جس پر شرعاً گناہ کا اطلاق ہوسکے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی قصداً و عمداً ہو بھول چوک سے انبیاء علیہم السلام ان سے پاک اور معصوم ہیں، از مترجم نعمانی)

1۔ سورة طه ، الآية: 121

2۔ سورة يوسف ، الآية: 76

3۔ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ(سورة المنافقون ، الآية : 01)

پھر اہل سنت نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسی معمولی باتیں جو خست یا دنائت طبع کے سبب ہوں وہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھول چوک سے بھی سرزد نہیں ہوتی کہ ان کی وجہ سے بعثت کے غرض وغایت پر حرف آسکتا ہے اور لوگوں کو ایسی صورت میں اتباع میں تنفر ہو سکتا ہے مرتبہ نبوت اور مقصد بعثت کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ جو اس اعزاز سے مشرف کیے جائیں وہ معصوم عن الخطاء ہوں گناہوں کے صدور سے ان کو پاک رکھا اور مانا جائے کیونکہ اگر ان سے گناہوں کا صدور ممکن مانا جائے تو:

1۔ یہ ان کی دعوت و تبلیغ میں قولی فعلی تناقض ثابت کرتا ہے کہ امت کو گناہوں سے بچنے اور اپنے اتباع کی دعوت کے ساتھ خود ایسا نہیں کرتے۔

2۔ گناہ پر بندے مستحق کے عذاب ہوتے ہیں بلکہ مقربین کو تو دو چند عذاب کی وعید ہے ایسی صورت میں ان کا مستحق عذاب ہونے والا کام کرنا منصب نبوت کے خلاف اور منافی ہے کیونکہ نبی تو اپنی امت کی نیکی وبدی کا گواہ اور ان کا شفیع ہوتا ہے اور جب وہ خود ہی اپنے کام میں قاصر ہوا تو کیسے شفاعت کرے گا اور کیسی گواہی دے گا۔

3۔ اگر نبی سے بھی سدور گناہ مان لیا جائے تو پھر وہ جابر حاکموں کے مانند ہو جائیں گے کہ لوگوں کو تو بد اطواریوں پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور سزائیں دیتے ہیں مگر خود انہی بد اعمالیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حالانکہ جابر حاکم اور نبی کی روش میں فرق ہونا چاہیے۔

4۔ اگر وہ بھی گناہ کریں تو اللہ کی طرف سے گناہ کی جو عقوبت اور سزا ہے اس کا مستحق بننے سے کیسے بچیں گے۔

5۔ اگر یہ گناہ کریں تو جب وہ امت پر ظاہر ہوں گے تو وہ ان کی اطاعت کہاں کرے گی اس کے دل میں جو عزت وقار ہے وہ ختم ہو جائے گا وہ پھر ان کی کسی بات کی بھی تصدیق نہ کرے گی۔

یہ چند ظاہری وجوہ ایسی ہیں کہ ان کا تقاضا ہے کہ نبی ہر قسم کے گناہوں اور لغزشوں سے پاک اور معصوم ہو اور اہل سنت عمل جہت نبی کو معصوم اور گناہوں سے پاک مانتے ہیں مگر امامیہ کا ایک فرقہ یعفوریہ اس کا قائل ہے کہ انبیاء سے گناہ کا صدور جائز ہے یہ فرقہ جس عقیدہ کا اظہار کھلے الفاظ میں کرتا ہے بقیہ امام امامیہ درپردہ ہمنوائی کرتے اور اپنی کتابوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ناپاک کاموں اور گندے اعمال کی روایات نقل کرتے ہیں عنقریب اپنے موقع پر اس کی تفصیل گوشت گزار کی جائے گی۔

عقیدہ نمبر 4: انبیاء سے کذب جائز ہے

انبیاء کرام علیہم السلام دروغ گوئی اور بہتان بازی سے بہر حیثیت و حالت پاک ہیں سہواً بھی اور عمداً بھی قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی۔

لیکن امامیہ کہتے ہیں کہ انبیاء کے لیے کذب جائز ہے بلکہ بلحاظ تقیہ واجب ہے۔[1] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "انی سقیم"[2] کو اسی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ ان حضرات کے متعلق کذب جائز ہو گو بطور تقیہ ہی سے ہی تو ان پر سے اعتماد اور بھروسہ اٹھ جائے اور بعثت کی غرض ہی جاتی رہے، اور اگر تقیہ کو انبیاء کے لیے جائز مان لیا جائے تو تبلیغ احکام ناقابل عمل ہو جائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی عہد میں جب کوئی حامی و مددگار نہ تھا آپ اگر تقیہ فرماتے کہ تقیہ کی ایسے وقت ہی زیادہ احتیاط ہوتی ہے اور قوم کی ایذاء رسانی سے خوفزدہ ہو کر حکم الٰہی کے خلاف ظاہر کرتے تو حکم الٰہی کے معلوم ہونے کی پھر کیا صورت رہ جاتی چنانچہ اس مسئلہ کی تحقیق ان شاء اللہ عنقریب معلوم ہو جائے گی، رہی بات کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ "لم یکذب إبراهيم عليه السلام إلا ثلاث كذبات"[3] تو اس میں کذب کی حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اشارات و استعارات مراد ہیں جس کو کم سمجھ اور کم فکر آدمی جھوٹ سمجھ لیتا ہے اور ان کو شکلی مشابہت کے سبب لفظ کذب سے تعبیر کر دیا گیا ہے اس کی کافی شافی بحث باب دوم میں گزر چکی۔

عقیدہ نمبر 5: انبیاء کرام کے لیے واجبات ایمان کا علم قبل و بعد نبوت ضروری ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے واجبات ایمان کا علم قبل و بعد نبوت ضروری ہے جبکہ عقائد میں جہالت والا

1۔ رووا: «قال رجل للرضا عليه السلام: يا ابن رسول الله إنه يروى عن عروة بن الزبير أنه قال توفي النبي صلى الله عليه وسلم وهو في تقية؟ فقال: أما بعد نزول قوله عز وجل: {والله يعصمك من الناس} فإنه أزال كل تقية بضمان من الله عز وجل ...». عيون أخبار الرضا: 2/ 130 و بحار الأنوار للمجلسي: 16/ 221.

2۔ سورة الصافات، الآية: 89

3۔ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله: واتخذ الله إبراهيم خليلا، 4/ 140، رقم: 3357، دار طوق النجاة

علمی کفر و زندیقیت ہے تو انبیاء پر اس کیفیت کے کسی لمحہ کا تصور کیسے درست ہو سکتا ہے ہاں وحی الٰہی کے نزول سے پہلے احکام شرعی سے لاعلمی ہوتی ہے اور " وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ "(1) آپ کو وہ علم سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے میں اسی کی طرف اشارہ ہے مسلمان اور اکثر یہود و نصاری اس عقیدہ کو بالاجماع صحیح و درست مانتے ہیں اور جابجا نصوص قرآنی بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں مثلاً:

" وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا "(2) ہم نے ہر ایک کو علم و حکمت بخشی۔

" وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا "(3) ہم نے بچپن ہی میں حکم سے سرفراز کیا۔

" وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ "(4) ہم نے ان کو حکمت اور فصل خطاب عطا کی۔

اسی مضمون پر دلالت کرنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں بعض مقامات پر اس مضمون کے بعد بعثت رسالت وحی اور نزول کتاب کا ذکر آیا ہے بلکہ حضرت لقمان علیہ السلام کے حق میں حکمت کا لفظ استعمال فرمایا جن کے پاس نہ وحی آئی نہ ان کو نبوت ملی تو معلوم ہوا کہ علم قبل نبوت اور قبل نزول وحی بھی حاصل ہوتا ہے۔

مگر امامیہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ بعثت کے وقت بلکہ اپنے رب سے مناجات اور مکالمہ کے وقت جو اللہ تعالیٰ سے بشری قرب کا اعلیٰ مقام ہے انبیاء کو اصول عقائد کی معرفت نہیں ہوتی، ان کی اس بدعقیدگی کی سند وہ روایت ہے جو محمد بن بابویہ قمی نے عیون میں اخبار رضا رحمۃ اللہ علیہ میں اور کتاب التوحید میں بحوالہ علی بن موسیٰ رضا بسند باپ دادا امیر المومنین رضی اللہ عنہ تک پہنچائی اور جسے محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ابی جعفر سے بیان کیا کہ:

أن موسى (عليه السلام) سأل ربه فقال: يا رب أقريب أنت مني فأناجيك

1۔ سورة النساء، الآية: 113

2۔ سورة الانبياء، الآية: 79

3۔ سورة مريم، الآية: 12

4۔ سورة ص، الآية: 20

أم بعيد فأناديك.[1]

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے رب اپ مجھ سے دور ہیں میں آپ کو پکاروں یا میرے قریب ہی ہیں کہ میں سرگوشی کروں۔

یہ روایت بتاتی ہے کہ مناجات و مکالمہ کے وقت تک موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرب و بعد مکانی سے پاک ہے ان لوگوں کے مذکورہ بالا روایت کی اصلیت و حقیقت یہ نہیں ہے جو انہوں نے بیان کی ہے بلکہ سوال و جواب کا یہ واقعہ ایک اعرابی کا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پوچھا:

يا محمد: أقريب ربنا فنناجيه، أم بعيد فنناديه؟[2]

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب دور ہے کہ ہم اسے آواز سے پکاریں یا قریب ہے کہ سرگوشی کریں۔

اعرابی نے تو اپنی فہم و سمجھ کے مطابق ایک عام سا سوال کر دیا تھا مگر اس سوال کے جواب کہ بہت سے نازک اور دقیق گوشے بھی تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح تھے اور آپ کے جواب کا تعلق صرف اسی اعرابی تک محدود نہیں تھا بلکہ صاحبان فہم و شعور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو حاضر تھے یا جن تک کے جواب پہنچتا ان سے بھی اس کا تعلق تھا اس لیے آپ نے فوری جواب دینے میں کچھ تامل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے ذمہ لے کر فرمایا "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ "[3] (جب میرا بندہ آپ سے میرے متعلق سوال کرتا ہے تو میں ان سے قریب ہوتا ہوں)

اس آیت سے یہ نقطہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دور نہیں نزدیک ہی ہیں گوئی نزدیک کی مکانی نہ ہو اس لیے نزدیکی مکانی کے جو فوائد و آثار مرتب ہوتے ہیں وہ یہاں بھی حاصل ہیں اسی لیے اس سے آگے خود

1۔الأصول من الكافي، ما يجب من ذكر الله عز وجل في كل مجلس، 2/ 396، ط: دار الكتب الاسلامية

2۔العظمة، لأبي الشيخ الأصبهاني، ذكر نوع من عفو ربنا عز وجل وعظيم قدرته، 2/ 355، ط: دار العاصمة الرياض

3۔سورة البقرة، الآية: 186

فرمایا" أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ"[1] (میں اپنے پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے پکارتا ہے سنتا ہوں) اگرچہ یہاں ان الفاظ کے حقیقی معنی مراد نہیں لیکن خدا تعالی کی ہدایت کا طریقہ یہی ہے کہ وہم کے قیدیوں کو انہی کی معلومات اور اوہام کے مطابق جواب دیتا اور تسلی خاطر کرتا ہے یہ اعرابی چونکہ وہم کا قیدی اور حواس کی بندشوں میں جکڑا ہوا تھا اور وہ اللہ تعالی کے قرب وبعد کو بھی اسی پیمانے سے رابطہ تھا جیسے دوسری اشیاء کو جو اس کے سامنے تھیں اس لیے کہ جب ایک موجود شے کا مقابلہ دوسری موجود شے سے کیا جائے تو وہ یا اس کے قریب ہوگی یا بعید اس کی محدود سمجھ میں یہ بات کسی طرح آ ہی نہیں سکتی تھی کہ شے موجود بھی ہو اور اس قسم کے مکان وجہد اور قرب و بعد سے پاک بھی ہو تو یہاں بھی اللہ تعالی نے اسی کے اوہام و معلومات کے مطابق جواب دیا کہ اس کی تشفی ہو جائے اس کو معقولات کی طرف ترقی کرنے پر مجبور کرنے والا جواب مرحمت نہیں فرمایا جیسے کسی کم سن بچی سے سوال کیا گیا "این اللہ" اللہ کہاں ہے اس نے جواب دیا "فی السماء" آسمان میں تو اس پر سکوت فرمایا۔[2]

تو یہی قصہ تھا جس کو امیر المومنین علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا اب ان کے راویوں کی قوت حافظہ کا کمال کہیے یا اندرونی خبث و شرارت کے ایک اعرابی کی جگہ ایک اولوا العزم پیغمبر کا نام ٹانک دیا اور یوں قعر ذلت وضلالت میں جا پڑے اور اہل فہم و دانش دیکھ لیں کہ اہل سنت کی روایات میں اور ان کی روایات میں جو فرق ہے وہ یہی ہے اور اسی فحش غلطی سے بآسانی یہ نتیجہ نکل آتا ہے دعاء صنمی قریش اور صحابہ کرام کی دوسری برائیوں والی روایات میں بھی انہوں نے ناموں اور القاب میں اس قسم کا ردوبدل اور شمائل وصفات میں اسی نوعیت کی تحریفات کرکے بات کہاں سے کہاں لے جانے کی سعی نامشکور کی ہے یہ حامد کی ٹوپی محمود کے سر والی کہاوت کے

1۔سورۃ البقرۃ، الآیۃ: 186

2۔عن عمر بن الحكم أنه قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله، إن جارية لي كانت ترعى غنما لي. فجئتها وقد فقدت شاة من الغنم. فسألتها عنها، فقالت: أكلها الذئب. فأسفت عليها، وكنت من بني آدم فلطمت وجهها. وعلي رقبة. أفأعتقها؟ فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أين الله؟»فقالت: في السماء فقال: «من أنا؟»فقالت: أنت رسول الله. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أعتقها»(الموطأ الامام مالك، 5/ 1128، رقم: 2975، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية أبو ظبي الإمارات)

عملی و علمی ماہر ہیں، اور یہ سب کچھ دین و دیانت سے غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے اس فرقہ نے اپنی غفلت اور لاپرواہی سے ہر کس و ناکس کو دین سے استفادہ کا اہل گردانا اور اس کی باتوں اور روایتوں کو امتحانی کسوٹی پر نہیں دیکھا کہ کھرا کھوٹا خالص اور نہ خالص ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہو جائے اسی طرح کی ایک روایت ان کے ہاں حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بھی ہے جو کلینی نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ:

أن يونس أنه كان يقول في سجوده: «أتراك معذبي فقد عفرت لك بالتراب وجهي، أتراك معذبي وقد أظمات لك هواجري، أتراك معذبي وقد أسهرت لك ليلي، أتراك معذبي وقد اجتنبت لك المعاصي، قال فأوحى الله عز وجل إليه أن أرفع رأسك فإني غير معذبك، فقال: إن قلت لا أعذبك ثم عذبتني، قال: فإني غير معذبك إني إذا وعدت وعدا وفيت[1]

حضرت یونس سجدہ میں پڑے کہہ رہے تھے کہ کیا تو مجھے عذاب دے گا جب کہ میں نے تیرے لیے اپنا چہرہ گرد آلود کیا کیا تو مجھے عذاب دینا پسند کرے گا جبکہ میں نے اجر و ثواب کی خاطر خود کو پیاسا مارا کیا تو مجھے عذاب دینا گوارا کرے گا جبکہ میں نے تیری خوشنودی کی خاطر اپنے اوپر رات کے نیند حرام کر لی کیا تو مجھے عذاب دینا جائز سمجھے گا جبکہ میں نے تیرے خوف کے سبب گناہوں سے پرہیز کیا راوی کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اپنا سر اٹھا میں تجھے عذاب نہیں دوں گا تب حضرت یونس نے کہا کہ تو کہتا ہے کہ عذاب نہیں دوں گا مگر اس کے باوجود عذاب دے دیا تو پھر کیا ہو گا کیا میں تیرا بندہ اور تو میرا رب نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پھر وحی فرمائی کہ تو سر اٹھا میں تجھے عذاب نہیں دوں گا جب میں وعدہ کرتا ہوں تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اس روایت صحیحہ سے دو باتوں کا ثبوت ملتا ہے کہ اول حضرت یونس علیہ السلام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خلاف وعدگی بری بات ہے اور علامات نفاق سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے دوسرے یہ کہ وہ یہ نہیں جانتے

1۔ الكافي، باب أن الأئمة عندهم جميع الكتب المنزلة: 1/ 227.

تھے کہ اللہ تعالی پر عدل واجب ہے ایک معصوم کو عذاب دینا اس لیے ناممکن ہے ورنہ اپنے متعلق عذاب سے خوفزدہ کیوں ہوئے؟

لیکن اگر یہی بات ہوتی کہ حضرت یونس علیہ السلام اصول کے اعتقادی مسئلہ سے ناواقف ہوتے تو اللہ تعالی ان کے جواب میں یہ فرماتے کہ ہم مطیع و فرمانبردار کو عذاب نہیں دیا کرتے اس کے بجائے وعدہ والی بات نہ فرماتے یہ بات تو اسی لیے فرمائی کہ یونس علیہ السلام اس کو جانتے اور مانتے تھے کہ خلاف وعدہ برا ہے اور اللہ تعالی اس سے پاک ہے خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت بھی ان کی من گھڑت اور جعل سازی کا ایک نمونہ ہے اور انہی کے خیال و گمان کے موافق بھی وہ قطعی دلائل سے باطل اور ناقابل سماع ہے ان کی ساری ہی روایتوں کا یہی حال ہے کہ وہ خود ہی بزبان حال والفاظ آپ ہی اپنی تردید ہوتی ہیں۔

عقیدہ نمبر 6: انبیاء مہلک گناہوں سے پاک ہوتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام ایسے گناہوں سے پاک ہیں جن کی پاداش میں موت یا ہلاکت ہو مگر امامیہ اس عقیدہ میں بھی اختلاف کرتے ہیں اور بعض انبیاء علیہم السلام کے متعلق درج ذیل قسم کی روایات بیان کرتے ہیں چنانچہ کلینی نے ابن ابی یعفور کے حوالے سے جناب ابی عبداللہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

قال سمعت أبا عبد الله يقول وهو رافع يده إلى السماء: رب لا تكلني إلى نفسي طرفة عين ولا أقل من ذلك، فما كان بأسرع من أن تحدر الدمع من جوانب لحيته، ثم أقبل علي فقال: يا ابن أبي يعفور إن يونس بن متى وكله الله إلى نفسه أقل من طرفة عين فأحدث ذلك، قلت: فبلغ به كفرا أصلحك الله؟ فقال: ولكن الموت على تلك الحال كان هلاكا.[1]

وہ کہتا ہے کہ میں نے ابی عبداللہ کو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ کہتے سنا کہ اے میرے رب مجھے پلک جھپکنے یا اس سے بھی کم مدت کے لیے میرے نفس کے حوالے نہ کر یہ الفاظ پوری

1۔ الكافي، باب الدعوات الموجزة: 2/ 581.

طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور داڑھی کے اطراف گرنے لگے پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابن ابی یعفور اللہ تعالی نے حضرت یونس علیہ السلام کو پلک جھپکنے سے کم مدت کے لیے ان کے نفس کے حوالے کر دیا تھا کہ یہ آفت و امتحان در پیش ہو گیا میں نے کہا اللہ آپ کو نیک بخت کرے کیا وہ کفر تک پہنچ گئے تھے آپ نے فرمایا نہیں لیکن اس حالت پر موت آجانا ہلاکی و بربادی ہوتی۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق واضح رہنا چاہیے کہ ان کا ذکر قرآن مجید میں جو آیا ہے وہ اسی قدر ہے کہ آپ اللہ تعالی کی اجازت کے بغیر ہی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اسی پر یہ ابتلا پیش آیا۔

دوسری بات یہ تھی کہ قوم کو بددعا دینے میں انتظار کم کیا اور ان کی اور تکذیب پر صبر و تحمل کی بات ہاتھ سے جلد ہی چھوٹ گئی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں سرے سے گمراہی نہیں تو کبیرہ ہونے کا کیا سوال؟ بات یہ تھی کہ آپ اپنی تبلیغ بلیغ کے باوجود اپنی قوم کی ناہنجاری کے سبب سے بعض قوی قرائن سے یہ سمجھ چونکہ تھے کہ اب ان کے ایمان لانے کی ساری امیدیں ختم ہو گئیں اس لیے ان کے حق میں بددعا کی اور جب یہ دیکھا کہ اس قوم پر آیا ہوا عذاب ٹل گیا تو اندیشہ ہوا کہ اب تو یہ میری تکذیب میں اور بھی نڈر اور بے دھڑک ہو جائیں گے ہو سکتا ہے ایذا رسانی میں اور بڑھ جائیں گے اور تمسخر بھی اڑائیں گے کہ بددعا بھی رائیگاں گئی یہی سوچ کر قوم کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے وحی الٰہی اور اجازت ربانی کا انتظار نہیں کیا اور جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے کہ تحت ذرا سی بات پر خاصے سخت عتاب اور تادیب کے مورد بنے۔[1]

حضرت یونس علیہ السلام کے سارے قصہ میں کہیں ان کے کسی فعل و عمل سے نافرمانی کا ثبوت نہیں ملتا بس

1۔ بعث الله يونس - عليه السلام - إلى أهل نينوى فدعاهم إلى الله عز وجل، فكذبوه وتمردوا وعاندوا، فلما طال ذلك خرج بين أظهرهم ووعدهم حلول العذاب بهم بعد ثلاث، قال ابن مسعود ومجاهد وغيرهما: «فلما خرج من بين ظهرانيهم، وتحققوا نزول العذاب بهم قذف الله في قلوبهم التوبة والإنابة، وندموا على ما كان من نبيهم فكشف الله العظيم بحوله وقوته ورأفته ورحمته عنهم العذاب، ولهذا قال تعالى: {فلولا كانت قرية آمنت فنفعها إيمانها إلا قوم يونس لما آمنوا كشفنا عنهم عذاب الخزي في الحياة الدنيا ومتعناهم إلى حين}.» ابن كثير، قصص الأنبياء: ص 295 وما بعدها

اندیشوں میں گر کر گھبراہٹ کا شکار ہو گئے اور اجازت ربانی کی ضرورت سے توجہ ہٹ گئی اگر تھوڑا صبر کر لیتے تو سارے اندیشے بھی دور ہو جاتے اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی کہ قوم پر ایا ہوا عذاب کیوں ٹل گیا تھا ہوا یہ کہ آپ کی بد دعا کے بعد عذاب کے آثار دیکھ کر قوم کو تنبہ ہوا وہ نادم ہو کر توبہ استغفار میں لگ گئی اللہ تعالی سے اپنے خطاؤں اور گناہوں کی معافی مانگی اور ائندہ حضرت یونس علیہ السلام کی فرمانبرداری واطاعت کا سچے دل سے اقرار کیا مگر ان ساری باتوں کا علم ہونے سے پیشتر ہی حضرت یونس علیہ السلام شہر چھوڑ گئے تھے اگر وہ انہی میں کچھ اور رہ جاتے تو ان کی قوم آپ ہی کے وسیلے اور توسط سے توبہ استغفار پیش کرتی۔

اب قرآن میں جو ان کے متعلق "فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ"[1] آیا ہے تو اس میں قدر قدرت سے مشتق نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ کو فساد عقیدہ کا الزام دیا جائے بلکہ اس کے معنی یہاں ضیق اور تنگی کے ہیں جیسے "اللهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ"[2] اللہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، اور ان معنوں کے مراد لینے کا قرینہ یہ ہے کہ اسی کے متصل فرمایا" فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ "[3] اس ندا اور فریاد کو بعد میں لانا قدرت کے معنی کے مناسب نہیں یہاں اول معنی ہی بخوبی چسپاں اور موضوع ہیں اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس نے گمان کیا کہ ہم اس کی عتاب سے غریب نہ کریں گے پس بامید قبولیت توبہ کی اور استغفار بجالانا اور حضرت یونس علیہ السلام کا اقرار ظلم میں "إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ"[4] کہنا اللہ تعالی کی جناب میں صرف کسر نفسی اور انتہائی تضرع وزاری کا اظہار ہے، فرمانبردار بندوں کی عادت اور وتیرہ یہی ہوتا ہے کہ اعتراف قصور کے وقت اپنی معمولی بات کو بھی بڑا قصور ظاہر کرتے ہیں یا ایسا اس بنا پر کہا کہ انبیاء کے لیے ترک اولی ایسا ہی ظلم ہے جیسے عوام کے حق میں گناہ ظلم ہے۔

1۔ سورۃ الانبیاء، الایۃ: 87

2۔ سورۃ الرعد، الایۃ: 26

3۔ سورۃ الانبیاء، الایۃ: 87

4۔ سورۃ الانبیاء، الایۃ: 87

عقیدہ نمبر 7: حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ائمہ کا بغض تھا

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام حسد بغض اور نافرمانی پر اصرار اور جمے رہنے سے پاک تھے اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ ارشادات ربانی میں ہے:

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى (1)

پھر اس کے رب نے اس کو برگزیدہ کیا اس کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (2)

پس آدم نے اپنے رب سے توبہ کے چند کلمے سیکھ کر ان کو ادا کیا پھر اس کی توبہ قبول ہو گئی بلاشک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (3)

اللہ تعالیٰ نے آدم ونوح اور آل ابراہیم کو عالم والوں پر برگزیدہ کیا۔

بخلاف امامیہ کے وہ اپنے باپوں کے باپ کے حق میں شرمناک ناخلفی کا ثبوت دیتے ہیں اور انتہائی گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کو حسد بغض اور دوسری نازیبہ خصلتوں سے متصف کرتے اور یہ گمان بد کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور عدول حکمی پر مزید تھے اور ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جو رویہ رہا کہ اس نے حسد کر کے سجدہ کے حکم کو ٹھکرایا یا خدا کے عہد کو ترک کیا اور ابدی لعنت کا مستحق ہوا وہ کہتے ہیں یہی رویہ حضرت آدم علیہ السلام کا ائمہ کے ساتھ تھا کہ ان سے حسد کیا ان کی ولایت کا عہد کر کے گویا اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں ان پر غصہ کیا اور ہمیشہ غضبناک ہی رہا کوئی حد ہے اس دریدہ دہنے کی پناہ بخدا، محمد بن بابویہ نے عیون اخبار الرضا میں علی بن موسیٰ الرضا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

1۔ سورۃ البقرۃ، الآیۃ: 37

2۔ سورۃ طہ، الآیۃ: 122

3۔ سورۃ ال عمران، الآیۃ: 33

أنه قال إن آدم لما أكرمه الله بسجود الملائكة له وإدخال الجنة قال في نفسه أنا أكرم الخلق، فنادى عز وجل: ارفع رأسك يا آدم فانظر إلى ساق عرشي، فرفع رأسه فوجد فيه مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله علي ولي الله أمير المؤمنين وزوجته فاطمة سيدة نساء العالمين والحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة. فقال آدم: يا رب من هؤلاء؟ فقال عز وجل: هؤلاء من ذريتك وهم خير منك ومن جميع خلقي، ولولاهم ما خلقتك وما خلقت الجنة والنار ولا السماء ولا الأرض، فإياك أن تنظر إليهم بعين الحسد فأخرجك عن جواري، فنظر إليهم بعين الحسد فسلط عليه الشيطان حتى أكل من الشجرة التي نهى الله تعالى عنها.[1]

جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور جنت میں رکھا تو انہوں نے دل میں سوچا کہ میں مخلوق میں سب سے زیادہ باعزت ہوں تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ آدم ذرا اپنا سر تو اٹھا اور میرے عرش کے پایا کو دیکھ حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس پر یہ لکھا دیکھا کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں علی اللہ کے دوست اور امیر المومنین ہیں اور ان کی زوجہ فاطمہ سارے عالم کی عورتوں کی سردار اور حسن حسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار پھر حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے رب یہ کون لوگ ہیں اللہ تعالی نے فرمایا یہ تیری اولاد میں سے ہیں جو تجھ سے اور میری ساری مخلوق سے بہتر ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو نہ تجھ کو پیدا کرتا نہ جنت تو دوزخ اور آسمان وزمین کو اور خبردار تم ان کو حسد سے نہ دیکھنا ورنہ تم کو اپنے قرب سے دور کر دوں گا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان پر حسد کی نظر ڈالی اور اللہ تعالی نے ان پر شیطان کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس درخت کو کھایا جس سے روکا تھا۔

1۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 26/ 273، ط: مؤسسة الوفاء بيروت لبنان

اور ابن بابویہ نے معانی الاخبار میں مفضل بن عمر سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے بھی یہ روایت بیان کی ہے:

قال: لما أسكن الله عز وجل آدم وزوجته الجنة قال لهما {وكلا منها رغدا حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين} فنظرا إلى منزلة محمد وعلي وفاطمة والحسن والحسين والأئمة من بعدهم فوجداها أشرف المنازل التي في الجنة فقالا: ربنا لمن هذه المنزلة؟ فقال الله عز وجل: ارفعوا رءوسكم إلى ساق عرشي، فرفعا رأسهما فوجدا أسماء محمد وعلي وفاطمة والحسن والحسين والأئمة مكتوبة على ساق العرش بنور من نور الجبار جل جلاله، فقالا: يا ربنا ما أكرم هذه المنزلة عليك، وما أحبهم إليك، وما أشرفهم لديك. فقال الله تعالى: لولاهم ما خلقتكما، هؤلاء خزنة علمي وأمنائي على سري إياكم أن تنظرا إليهم بعين الحسد وتمنيا منزلتهم عندي ومحلهم من كرامتي فتدخلا من ذلك في نهي وعصياني فتكونا من الظالمين. فوسوس إليهما الشيطان فدلاهما بغرور وحملهما على تمني منزلتهم، فنظرا إليهم بعين الحسد فخذلا لذلک۔[1]

جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں ٹھہرایا تو ان سے کہا کہ جنت میں جہاں سے اور جو جی چاہے خوب سیر کر کھا مگر اس درخت کے قریب نہ جانا اور ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے جب انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی فاطمہ حسن حسین رضی اللہ عنہم ان کے بعد ائمہ کے درجے کو دیکھا تو اس کو اہل جنت کے تمام درجوں سے اشرف وبالا پایا، بولے اے میرے رب یہ درجہ کس کا ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ میرے عرش کے پایا کو تو ذرا اس سر اٹھا کے دیکھو انہوں نے جب سر اٹھایا تو وہاں جبار کے نور سے پایا عرش پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی فاطمہ حسن وحسین

1۔ معاني الأخبار، للشيخ الصدوق، ص: 109، ط: انتشارات إسلامي وابسته بجامعة مدرسين حوزه، علميه قم

اور ائمہ رضی اللہ عنہم کے اسم گرامی لکھے ہوئے دیکھے اس پر انہوں نے اللہ تعالی سے کہا کہ اے ہمارے رب آپ کے نزدیک باعزت محبوب اور اشرف اس مرتبہ کو کس نے بنایا اللہ تعالی نے فرمایا اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا یہ میرے علم کے خزانے ہیں اور میرے بھید کے امانت دار تم حسد کی نظر سے ان کو دیکھنے سے بچو اس مرتبہ کی تمنا کرو جو ان کو میرے حضور میں حاصل ہے نہ اس عزت کی جگہ کی آزادی رکھو اور جو ان کو میرے دربار میں میسر ہے کہ ایسا کرنے سے تم میری نافرمانی اور حکمی کے مرتکب ہوگے اور تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور فریب سے اپنے قابو میں کر کے ان کو درجوں کی تمنا پر اکسایا تو انہوں نے ان کو حسد سے دیکھا اور اس کی وجہ سے خوار ہوئے۔

اب اگر کوئی عقلمند ان دونوں روایتوں پر غور کر کے دیکھے تو وہ دیکھے گا کہ ان میں حضرت آدم علیہ السلام کے شان میں تحقیر و اہانت میں یہ حد سے بھی گزر گئے سب جانتے ہیں کہ اول تو حسد ویسے ہی تمام ادیان و مذاہب میں بری اور ناز یبا صفت شمار ہوتی ہے اور پھر بزرگوں اور برگزیدہ بندوں کے نزدیک تو وہ بڑے سے بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے اس کے باوجود بھی وہ اس کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کس ڈھٹائی سے کر رہے ہیں اور وہ بھی جناب بیماری کی طرف سے انتہائی تاکید اور ممانعت کے بعد گویا ان کے مذہب میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں کوئی فرق نہ رہا ابلیس نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا تھا انہوں نے اپنی اولاد کی برگزیدہ کے ساتھ کیا بلکہ آپ کا فعل ابلیس سے بھی بدتر ہوا کہ ابلیس کا تو حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہ تھا بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ ان کا تو ان بزرگوں سے باپ بیٹوں کا رشتہ تھا اور یوں قطع رحمی کا الزام بھی آیا اور پھر اولاد سے حسد کرنا جو فطرتاً محالات میں سے ہے سب سے پہلے پیغمبر مسجود ملائک اور جنت میں لینے والے کی طرف منسوب ہوا کوئی حد ہے بدبختی کی، العیاذ باللہ

امامیہ کے مذہب میں حضرت آدم علیہ السلام کا بندوں کے ساتھ معاملہ میں تو یہ عقیدہ ہے اب ذرا یہ دیکھیے کہ آدم علیہ السلام کے اللہ تعالی کے ساتھ معاملہ میں ان کی خباثت کیا گل کھلاتی ہے اور وہ کس طرح اپنی بد دینی اور بے ایمانی پر مہر تصدیق بدست خود ثبت کرتے ہیں اس کے لیے یہ روایت ملاحظہ فرمایئے، محمد بن صفار نے ابی جعفر سے یوں روایت کی ہے:

قال الله تعالى لآدم وذريته التي أخرجها من صلبه: ألست بربكم وهذا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلي أمير المؤمنين وأوصياؤه من بعده ولاة امري، وأن المهدي أنتقم به من أعدائي وأعبد به طوعا وكرها؟ قالوا أأقررنا وشهدنا، وآدم لم يقر ولم يكن له عزم على الإقرار به.[1]

اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے جس کو اس نے انہیں کی پشت سے نکالا تھا سوال کیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں اور یہ محمد اللہ کا رسول علی امیر المومنین اور ان کے بعد ان کے وسیم میرے حکم کو نافذ کرنے والے اور البتہ مہدی نے میرے دشمنوں سے بدلہ لیا اور اس کی وجہ سے میری عبادت کی جائے گی خوشی سے یا نہ خوشی سے سب نے جواب دیا کہ ہم اقرار کرتے ہیں اور گواہ ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے نہ اقرار کیا اور نہ اقرار کا ارادہ رکھتے تھے

اسی روایت میں ان کی خباثت کھل کر سامنے آگئی اور حضرت آدم علیہ السلام پر کفر صریح کا الزام عائد کر دیا کیونکہ وجود انکار کفر صریح ہے اور اللہ تعالی کے اس پیغمبر کو کافر ٹھہرایا جس کو اس نے دونوں ہاتھوں سے بنایا اپنی روح خاص اس میں پھونکی اور جس کے بارے میں ارشاد فرمایا "ان اللہ اصطفی ادم" اللہ تعالی نے آدم کو برگزیدہ کیا اور فرشتوں کو اس سے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا یوں دین اور ایمان سے کس قدر دور ہے۔

ان امور کے بارے میں شریف مرتضیٰ نے خاص جمیعت اسلامی کا مظاہرہ کیا اور اپنی کتاب الغرر الدرر میں حدیث میثاق کی صحت سے صاف انکار کیا اور کہا کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے اور اسی وجہ سے ابن صفار اور شیوخ نے اس کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تعصب میں اتنے اندھے کیوں ہوگئے ہیں کہ قرآن مجید کو کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں یا پھر یہ اتنے جاہل ہوگئے اور بد عقل ہیں کہ قرآن مجید سے اتنی بات کا ان کو پتہ نہیں چل سکا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب محض درخت سے کچھ کھا لینے کے سبب تھا جو بلا اجماع گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اگر عتاب کا سبب وہ امور ہوتے جن کا یہ ذکر کرتے ہیں تو ان ہی کو

1۔ بصائر الدرجات للصفار، باب ما خص الله به الأئمة من آل محمد، ص: 90، ط: منشورات الأعلمي طهران

قرآن نے سبب عتاب ٹھہرایا جاتا آخر کیا بات تھی کہ ان کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں کیا جاتا، ان امور کے ذکر کرنے سے یہ بھی فائدہ ہوتا کہ جناب حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو بھی عزت ہو جاتی اور وہ بھی بسلسلہ امامت برائیوں سے بچ جاتے اور براہ راست بلا فصل بہت جلد حقداروں کو ان کا حق مل جاتا اور دین و شرع کا تو یہ معاملہ ہے ہی عقل سلیم بھی اس کا تقاضہ کرتی ہے مثلاً ایک شخص نے خواہ مہمان بن کر یا جبرا گھر میں گھس کر ایک شخص کے لڑکے کو مار ڈالا اس کے حکم کی بھی نافرمانی کی اور اس کے گھر کے درخت کا پھل بھی توڑ کر کھایا اب مواخذہ کرنے والا وہ شخص سارے کے سوروں کو ایک طرف کر کے درخت کے چند پھلوں کے کھانے پر تو واویلہ مچا رہا ہے مگر نہ لڑکے کے قتل کا ذکر کرتا ہے نہ اس کی عدول حکمی کا اور نہ کسی اور بات کا تو عقل سلیم اس کو کب گوارا کر سکتی ہے۔

اور ترک عہد کے سلسلے کی ایک اور روایت بھی ان کے ہاں ملتی ہے چنانچہ صفار مذکورہ آیت "ولقد عهدنا إلى آدم "[1] کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد ائمہ کے بارے میں عہد لیا مگر انہوں نے عہد کو ترک کیا اور نہ ان کے خیال میں وہ ایسے تھے۔[2]

اصل حقیقت یہ ہے کہ صفار مجوسی تھا اس کے دادا کا نام فرخ تھا اور یہ خود کو موسیٰ بن عیسیٰ اشعری کا غلام کہتا تھا، مجوسیت کی ناپاکی اس کی اہل نسل میں ابھی تک رچی بسی تھی، شیعوں کے مہیا کردہ ہتھیار تقیہ سے کام لیتے ہوئے مذہب شیعہ پر بھی پردہ ڈالے رکھتا تھا اور درپردہ یہ اسلام دشمنی کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام رحمہم اللہ کا بھی چھپا دشمن تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کی روایات سب ایسی ہی ہیں جو یہ ائمہ سے بیان کرتا ہے کہ ان سے خود ائمہ کا وقار مجروح اور ان کی شان میں بٹا لگتا ہے اور ان کی عزت پر حرف آتا ہے مثلاً یہی مذکورہ بالا روایات کے اہل مذاہب کے تمام طبقات خواہ یہودی ہوں نصرانی ہوں یا مسلمان حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی

1۔ قال عهد إليه في محمد والأئمة من بعده فترك ولم يكن له عزم فيهم انهم هكذا.(بصائر الدرجات للصفار، باب ما خص الله به الأئمة من آل محمد، ص: 90، ط: منشورات الأعلمي طهران)

2۔ سورة طه، الاية: 115

بزرگی اور کرامت پر جو ان کو اللہ تعالی کے نزدیک حاصل تھی متفق الخیال اور تمام عالم والوں میں ان کی برگزیدگی پر متفق الرائے ہے ایسی صورت میں جب اس قسم کی روایت ائمہ سے منسوب ہو کر تمام عالم میں پھیلیں گی تو سارے انسان استحقاق امامت اور رہا ایک طرف ان کی ذاتی خوبی زیادتی اور بزرگی سے ہی منکر و بد عقیدہ ہو جائیں گے اور اسلامی فضا میں ہلچل مچ جائے گی اور یوں ان مجوسیوں کی دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔

الحمد للہ اہل سنت پر ان کی بد دیانتی بے ایمانی اور خیانت فاش ہو گئی انہوں نے ان کی روایات کو گندے نجس اور ناپاک چیتھڑوں کی طرح کوڑے پر پھینک دیا ہاں شیعہ شیطان کے پھندے میں آگئے اس نے بٹ ماری اور راہ راہزانی کر کے ان کا اور ان کے شیوخ ذلالت کا رخ ان کی طرف پھیر دیا کہ انہوں نے اپنے دین اور ایمان کا مدار ان بے دین اور بد مذہب مجوسیوں یہودیوں کی روایت پر رکھا اور اپنا ایمان ابلیس نما مفتریوں اور جعل سازوں اور کذابوں کی بھینٹ چڑھا دیا ہے "ومن یضلل فما لہ من ھاد" جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

عقیدہ نمبر 8: بعض انبیاء علیہم السلام نے فریضہ رسالت میں کوتاہی کی

کسی نبی نے فرائض رسالت کی ادائیگی سے معافی نہیں چاہی اور نہ ہی احکام الہی کی بجا آوری سے کبھی معذرت کی اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔

مگر امامیہ کہتے ہیں کہ بعض اولو العزم رسولوں نے رسالت کی ذمہ داریوں سے نہ صرف سبکدوشی حاصل کرنی چاہی بلکہ ٹال مٹول اور حیلے حوالے سے کام لیا اور عذر پیش کیے ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب ان کو اللہ تعالی نے براہ راست حکم دیا" أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ - قَوْمَ فِرْعَوْنَ۔[1] ظالم قوم قوم فرعون کے پاس پہنچو تو آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس کام سے معافی دیجئے اے میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب نہ کریں اور میں ان کی چہ میگوئیوں ستم دل نہ ہو جاؤ اور لکنت کی وجہ سے ادائیگی مطلب سے قاصر نہ ہو جاؤ اور پھر میں اس قوم کا مجرم ہوں کہ ان کا ایک آدمی میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے کہیں اس کی

1۔ سورۃ الشعراء، الآیۃ: 10، 11

پاداش میں مجھے قتل نہ کر دے بہتر ہے میرے بھائی ہارون وہاں بھیج دیے جائیں اور مجھے معافی دیجیے۔[1]

یہ لوگ یہ مضمون قرآنی آیات سے اخذ کر کے اسے کلام الٰہی سمجھتے ہیں حالانکہ رسالت سے معنی دراصل وحی کو ٹھکرانا اور اللہ کے حکم کو نہ ماننا ہے اور انبیاء اس سے معصوم ہیں، امامیہ کے لیے آیات قرآنی سے تمسک کا کوئی راستہ، بلکہ اگر آیات میں غور و فکر سے کام لیا جائے تو انہیں پر الزام عائد ہوتا ہے کیونکہ ایات میں یہ بات کہ مجھ کو اس کام سے معافی دیجئے اور "میرے بھائی کو میری بجائے رسالت سے نوازیئے" بالکل مذکور نہیں، یہ سب کچھ اس فرقہ کی نہ سمجھی کا کرشمہ ہے ہاں ادائے رسالت سے قبل قوم فرعون کی تکذیب کا اندیشہ اور یہ ڈر ہے کہ وہ ان کو مار ڈالے اور ان کی کبیدہ خاطر اور لکنت زبانی یہ سب کچھ جو آپ نے فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ آپ ٹال مٹول کر رہے اور معافی خواستگار تھے بلکہ احکام کی بجا آوری میں مددگاری کی درخواست کر رہے تھے اور آزار و اندیشے تو اس درخواست مددگاری کی تمہید کے طور پر پیش کیے تھے تو یہ تو قبول رسالت کی دلیل ہے انکار کی نہیں۔

مثلاً ایک بادشاہ کسی کو ایک مہم سپرد کرتا ہے وہ شخص اپنے ساتھیوں کی کمی دشمنوں کی کثرت اور شان و شوکت بیان کر کے ان کے مقابلے میں اپنی کمزوری قالاً و حالاً بیان کرتا ہے تو اس سے اس کی غرض یہ ہے بادشاہ اس کو مزید مدد سے سرفراز کرے اور آزمودہ کار افراد سے اس کو مزید طاقتور بنائے تو اس شخص کا یہ کلام قبول حکم پر دلال کرتا ہے انکار پر نہیں آیت "وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي، هَارُونَ أَخِي، اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي، وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي"[2] میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اس سے میری پشت مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو شریک کر اس کی تفسیر مبہم ہے آپ کی غرض یہ ہے کہ اس عزت و مرتبے والے کام میں میرے بھائی کو بھی

1۔ وقال الجبائي: لم يسأل موسى عليه السلام ذلك إلا بعد أن أذن الله له في ذلك، لأن الأنبياء لا يسألون الله إلا ما يؤذن لهم في مسألته. (ولهم علي ذنب) يعني قتل القبطي الذي قتله موسى عليه السلام أي: لهم علي دعوى ذنب (فأخاف أن يقتلون) خاف أن يقتلوه بتلك النفس، لا لإبلاغ الرسالة، فإنه علم أن الله تعالى إذا بعث رسولا، تكفل بمعونته على تبليغ رسالته. (مجمع البيان في تفسير القرآن، للطبرسي، 7/ 323، ط: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت لبنان)

2۔ سورة طه، الاية: 29، 30، 31، 32

شریک فرمایہ نہیں کہ رسالت کو خود سے ٹال کر ہارون کو اپنا قائم مقام بنائیں اس طرح میڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کریں، یہ سب درخواست تھی کہ ان اندیشوں کو دور فرما مجھے اپنی پناہ میں لے لے نہ کہ مرتبہ رسالت کو آپ نے سے ٹالنا چاہوں انبیاء خصوصا اولوالعزم نبی سے اس قسم کی سوئے ظنی اور بدفہمی سے خدا کی پناہ۔

عقیدہ نمبر 9: حضرت جبرئیل نے وحی پہنچانے میں خیانت کی

خسرو پرویز کے عہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام بنی نوع انسان کی طرف حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ مبعوث ہوئے تھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نہیں اور یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی کے معاملے میں اللہ کے امین تھے اپنی طرف سے وحی نہیں لاتے تھے انہوں نے پیغام رسانی میں کوئی خیانت نہیں کی اور وہ ہر معاملہ خصوصا ان اہم ترین مسائل میں ہر قسم کی بھول چوک سے پاک ہیں اس وحی کے لانے میں نہ ان سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوئی اور نہ کسی قسم کا اشتباہ پیش آیا۔

مگر فرقہ غرابیہ جن کا حال باب اول میں گزر چکا ہے اس عقیدہ میں اختلاف کرتا ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام پر لعنت بھیجتا ہے،(1) ایسے کم فہموں اور نہ ہنجاروں کے سامنے قرآنی آیات اور ائمہ کی روایات لانا بے کار و بے فائدہ سی بات ہے اور نہ مدمقابل کو خاموش کرنے میں اس سے مدد مل سکتی ہے اس لیے کہ جب جبرائیل علیہ السلام ہی متہم کر دیئے گئے تو پوری شریعت اور قرآن ان کے لیے تو بے اعتبار ہو گیا اور پھر اہل بیت اپنے جد امجد کے مرتبہ کے خلاف کیوں لب کشائی کریں کہ ان کا تو شرف ہی ان کی وجہ سے ہے اس لیے جھوٹے کو گھر تک پہنچانے کے لیے مجبوراً غیروں سے مدد لی جا رہی ہے اور ان کے باطل عقیدہ کے رد کے لیے تورات و انجیل سے حوالے پیش کیے جا رہے ہیں کیونکہ غالبا غرابیہ حضرات جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں اس پیش بندی کے معتقد تو نہیں ہوں گے کہ ان کتابوں میں حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ اس دور اندیشی سے رکھ دیئے ہوں کہ آگے چل کر کبھی ان سے میرا واسطہ پڑے گا اور اگر ان کی موٹی عقل میں یہ شک پیدا بھی ہو تو ان پر واضح رہے کہ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی اکثر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر ہی آتی رہی ہے خصوصا

1۔ الفرق بين الفرق: ص 237 و التبصير في الدين: ص 126 و المواقف: ص 673.

تورات تو یک وقت بلا واسطہ غیر کوہ طور پر زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی عنایت ہوئی اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کیا دخل؟ چنانچہ تورات کے سفر چار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

إن هاجر تلد، ويكون من ولدها من يده فوق الجميع ويد الجميع مبسوطة إليه بالخشوع[1]

البتہ ہاجرہ کے ہاں اولاد ہو گی اور اس کی اولاد میں وہ شخص ہو گا جس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں سے بالاتر ہو گا اور سب کے ہاتھ اس کی طرف عاجزی سے دراز ہوں گے۔

یہ حوالہ جس نسخہ توریت سے منقول ہے وہ یہود کے قبضہ میں ہے مسلمانوں کی اس تک دسترس نہیں اور نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اس میں دخل ہے یہود تو حضرت جبرائیل سے عداوت رکھتے تھے اور یہ بات بلا کسی شک وشبہ کے ظاہر ہے کہ حضرت حاجرہ کی اولاد میں اس صفت کا شخص جس کے ہاتھ سب سے بالاتر ہوں اور جملہ اہل عصر اس کے سامنے عاجزی سے جھکیں سوائے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی وقت کوئی بھی نہیں ہوا اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں مغلوب خائف مغضوب اور مظلوم زندگی بسر کرتے رہے اور جب خود ان کا زمانہ آیا تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ باغیوں اور خارجیوں کی طرف سے خشوع کی جو فضا پیدا ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اور اسی توریت کے سفر میں یوں ہے:

يا موسى إني مقيم لبني إسماعيل نبيا وأجري قولي في فيه ويقول لهم ما آمره به.[2]

اے موسیٰ میں اولاد اسماعیل میں اپنے گھر سے ایک نبی بھیجوں گا جو ان کو رواں کرے گا اور میں

1۔ في سفر التكوين المتداول 16: 10 – 12 «وقال لها ملاك الرب: ها أنت حبلى فتلدين ابنا وتدعين اسمه إسماعيل ... يده على كل واحد ويد كل واحد عليه وأمام جميع إخوته يسكن ... . إلخ» وفي الاصحاح 17 منه 20 «وأما إسماعيل فقد سمعت لك فيه ها أنا أباركه وأثمره وأكثره كثيرا جدا، اثني عشر رئيسا يلد وأجعله أمة كبيرة».

2۔ في سفر التثنية من التوراة (18: 15): يقيم لك الرب إلهك نبيا من وسطك من إخوتك مثلي، له تسمعون» (18: 18): «أقيم لهم نبيا من وسط إخوتهم مثلك، وأجعل كلامي في فمه فيكلمهم بكل ما أوصيه به».

اپنے کلام کو اس کے منہ کے ذریعہ رواں کروں گا اور وہ ان سے وہی کہے گا جو میں اس کو حکم دوں گا۔

اب اس امر الٰہی کے مطابق اس قسم کا نبی اولاد اسماعیل میں ہونا ضرور ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو چونکہ امر الٰہی بالاستقلال رواں نہیں کیا اور نہ خدا کا کلام اصالتاً ان کے منہ سے جاری ہوا بلکہ انہوں نے تو خود کو ہمیشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع اور شاگرد جانا تو لا محالہ وہ تو وہ نبی ہوئے نہیں لہذا وہ معمور نبی سوائے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہو سکتا ہے؟ اور یوحنا کی انجیل کی چودھویں صحاح میں اس طرح آیا ہے:

اما فارقليط روح القدس الذي يرسله الي باسمي هو يعلمكم ويمنحكم جميع الاشياء وهو يذكركم ما قلته لكم[1]

فارقلیط روح القدس کو بھیجتا میری طرف سے میرے نام سے جو تم کو تعلیم دے گا اور سب چیزیں تم کو عطا کرے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا اس کی وہ یاد دہانی کرے گا۔

اور انجیل یوحنا کی چھٹی صحاح میں بھی اسی طرح ہے:

لكني اقول لكم الان حقا ويقينا ان انطلاقي عنكم خير لكم فان لم ان تلقى الى ابي لم ياتكم فار قليته وان انطلقت ارسلت به اليكم فاذا ما جاء هو يعبد اهل العالم ويدينهم ويؤمنهم ويؤمجنهم ويوفقهم على الخطيه والبر[2]

میں سچائی اور یقین کے ساتھ تم سے کہتا ہوں کہ میرا تمہارے پاس چلا جانا بہتر ہے اگر میں اپنے باپ کے پاس نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے اور اگر چلا جاؤں تو تمہارے پاس اس کو بھیج دوں جب وہ آجائے گا تو سب اہل عالم کو عبادت گزار دیندار بنا دے گا جھڑ کے گا ان کو اور واقف کرے گا ان کو خطا اور بھلائی سے۔

اور اسی انجیل میں یہ بھی درج ہے:

1۔ مفتاح التواریخ مصنف طامس ولیم بیل صاحب مطبوعہ 1867ء بموجب پسند مسٹر ہنری میری ایٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ممالک ہند

2۔ المرجع السابق

انا لي كلاما كثيرا اريد ان اقوله لكم ولكن لا يقدرون على قبوله والاحتفاظ به ولكن جاء روح الحق يرشدكم ويعلمكم ويريدكم بجميع الخير لانه ليس يتكلم من تلقاء نفسه [1]

میرے پاس کہنے کی باتیں بہت ہیں جو میں بہت تم سے کہنا چاہتا ہوں لیکن نہ تم کو ان کے یاد رکھنے کی قدرت ہے نہ ان کو قبول کرنے کی ہمت لیکن روح القدس تمہارے پاس آئے گا جو تم کو ہدایت کرے گا اور تعلیم دے گا اور تمام بھلائیاں تم تک پہنچائے گا اس لیے کہ وہ اپنے دل سے کچھ نہ کہے گا۔

اور زبور میں تو صراحت سے آپ کا اسم مبارک بھی آچکا ہے جو سارے احتمالات اور اشتباہات کی بیخ کر دیتا ہے چنانچہ اس زبور میں جو یہود کے پاس محفوظ ہے یوں تحریر ہے:

يا أحمد فاضت الرحمة على شفتيك من أجل ذلك أبارك عليك فتقلد السيف فإنه بهاؤك وحمدك الغالب وبوركت كلمة الحق فإن ناموسك وشرائعك مقرونة بهيبة يمينك سهامك مسنونة والأمم يجرون تحتك كتاب حق الله من اليمن والتقديس من جبل فاران وامتلأت الأرض من تحميد أحمد وتقديسه وملك الأرض ورقاب الأمم.[2]

اور زبور میں ہی ایک جگہ یہ درج ہے:

لقد انكسفت السماء من بهاء أحمد وامتلأت الأرض من حمده.[3]

اور احمد کی روشنی سے آسمان گہنا گیا اور زمین اس کی تعریف سے پر ہو گئی۔

اور اہل کتاب آپ کی جائے پیدائش مقام بے حسب آپ کا نسب آپ کی علامات و خوبیاں کفار کا آپ کو

1۔ المرجع السابق

2۔ یہ عبارت دراصل بائبل کے موجودہ نسخوں میں "زبور داؤد، باب 45 "(Psalm 45) کی آیات کا عربی ترجمہ ہے۔

3۔ ینظر حبقوق 3: 3 علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتب میں اس حوالے کو نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں: الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، جلد 5، صفحہ 200-210 و اظہار الحق، جلد 2، باب بشارات

وطن سے نکالنا اور مقام ہجرت ان سب باتوں کی خبریں اپنی کتابوں کے حوالہ سے دیتے ہیں جن میں امتیازات و قیودات کی وجہ سے شرکت یا پوشیدگی کا کوئی احتمال یا شک نہیں بلکہ سب کا اشارہ ذات واحد نبی آخر الزمان حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف تھا یہی وجہ تھی کہ حضور پر نور ﷺ کے ظہور مسعود کے وقت ان تمام اوصاف کو آپ پر منطبق بلکہ منحصر پا کر کچھ اہل کتاب تو آپ پر فوراً ایمان لا کر آپ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار بن گئے اور کچھ نے وقت آنے پر نصرت و امداد کا پختہ وعدہ کیا پھر یہ اور بات ہے کہ وقت آنے سے پیشتر ہی بحکم قضا و قدر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اور پیدائش مبارک کے وقت ان علامتوں کو اور نشانیوں کا ظہور کہ پتھر و درخت بول پڑے نجومیوں نے خبریں دینا شروع کی جنوں نے غائبانہ آوازیں دیں بت اور شیطان چلا پڑے اور اسی طرح بعثت کے وقت جو کچھ رونما ہوا یہ ساری باتیں دوسرے تمام احتمالات کا خاتمہ کر دیتی ہیں اس کے بعد معجزات کا ظہور دعاؤں کی قبولیت باری تعالیٰ عزیز اسمہ کی طرف سے مسلسل اور پے بہ پے آپ کو نیز آپ کے پیروکاروں کو امداد بن نصرت کا حصول اور آپ کی وہ برکتیں اور انوار جو اقصائے عالم میں پھیل گئے اور اب تک باقی ہیں یہ سب کی سب اس بات کی نشانیاں ہیں کہ وہ ذات ستودہ صفات آپ ہی ہیں ﷺ۔

اور پھر ان ساری باتوں کے علی الرغم حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی اور اشتباہ کا وہم و خیال اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب وحی کا دارومدار محض صورت بتا دینے پر ہوتا اور آپ ﷺ کا نام نشان آپ کی تعریف آپ کے اوصاف اور خوبیاں بیان نہ کی جاتی اور اللہ تعالیٰ بھی اس اشتباہ و غلط فہمی کے ازالہ کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ سارے احتمالات اور شکوک بالکل ظاہر البطلان ہیں اور پھر حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہم شکلی اور حلیہ کی یکسانیت کی جو خبریں شیعہ و غیر شیعہ بتواتر نقل کرتے ہیں وہ بالکل بے اصل اور سراسر بے معنی و غلط ہیں ان پر اگر غرابیہ اور زبابیہ کوئی شوشہ لگائیں یا حاشیہ آرائی کریں تو وہ ایک بکواس ہے نہ قابل التفات۔

عقیدہ نمبر 10: ائمہ کو حلال و حرام کا اختیار حاصل ہے

حضور ﷺ سلسلہ نبوت کے آخری نبی ہیں نبوت آپ پر ختم اور مکمل ہو گئی آپ کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا

اب کوئی نبی نہیں سارے ہی اسلامی فرقے یہی عقیدہ رکھتے ہیں مگر شیعوں کے فرقوں میں سے خطابیہ، معمریہ، منصوریہ ،اسحاقیہ، مفضلیہ اور سبعیہ ایسے ہیں جو اس عقیدہ کی کھلم کھلم مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ باب اول میں مذکور ہوا۔

اور امامیہ اگرچہ بظاہر تو آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کو مانتے ہیں مگر در پردہ ائمہ کی نبوت کے بھی قائل ہیں بلکہ وہ ائمہ کو انبیاء سے برتر اور بزرگ تر مانتے ہیں جیسا کہ اوراق ماسبق میں بیان ہوا اور کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینے کے اختیارات جو خاصہ نبوت بلکہ اس سے بھی بالاتر ہیں وہ ائمہ کے سپرد و حوالہ کرتے ہیں یعنی جو چیز اللہ و رسول نے حرام و حلال نہیں کی اس کو حلال و حرام قرار دینے کا ائمہ کو اختیار ہے اس عقیدہ کی موجودگی میں وہ بھی ختم نبوت کے منکر ہوئے اس سلسلہ کی یہ روایت ملاحظہ کیجئے جس کو حسین بن محمد ابن جمہور قمی نے کتاب نوادر میں بحوالہ محمد بن سنان ابی جعفر سے بیان کی ہے:

قال: كنت عند أبي جعفر الثاني عليه السلام فأجريت اختلاف الشيعة، فقال: يا محمد إن الله تبارك وتعالى لم يزل متفردا بوحدانيته ثم خلق محمدا وعليا وفاطمة، فمكثوا ألف دهر، ثم خلق جميع الأشياء، فأشهدهم خلقها وأجرى طاعتهم عليها وفوض أمورها إليهم، فهم يحلون ما يشاؤون و يحرمون ما يشاؤون.[1]

ابی سنان کہتا ہے کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اختلافات شیعہ کا ذکر چھیڑا تو آپ نے فرمایا اے محمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے وحدانیت کے ساتھ تنہا ہے پھر اس نے محمد علی فاطمہ حسن و حسین کو پیدا کیا اور یہ ہزار زمانے تک ٹھہرے رہے پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا اور ان کو ان اشیاء کی پیدائش دکھائی اور ان کی اطاعت ان سب پر واجب قرار دی اور ان کے کام انہی کے سپرد کیے کہ ان پر جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں۔

اس کے علاوہ دوسری روایت وہ ہے جو کلینی نے محمد بن حسن میثمی سے اور اس نے ابی عبد اللہ سے

1۔ الأصول من الكافي، 1/ 441، ط: دار الكتب الاسلامية

روایت کی ہے:

قال سمعت يقول ان الله تعالى ادب رسوله حتى قومه على ما اراد ثم فوض الى نبيه، صلى الله عليه وآله فقال: " ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا " فما فوض إلى رسول الله صلى الله عليه وآله فقد فوضه إلينا. [1]

اس نے کہا میں نے ان کو ابی عبد اللہ کو کہتے سنا کہ اللہ نے ادب سکھایا رسول کو یہاں تک کہ ان کو اپنی منشا تک لے آیا پھر اس کو اپنا دین سپرد کیا اور کہا کہ جو کچھ تم کو رسول دے وہ لوگ اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو سونپا وہی کچھ ہم کو بھی سونپا۔

یہ دونوں روایات موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں اس لیے کہ حسین بن محمد ضعیف راویوں سے ہے روایت بیان کرتا ہے اور اپنی کتاب میں زیادہ تر مراسیل نقل کرتا ہے چنانچہ نجاشی نے اپنے اصحاب کے حوالہ سے اس کی تصدیق کی ہے اور محمد بن حسن میثمی تو فرقہ جسمیہ سے ہے وہ مومن ہی کہاں ہے تو اس کی روایت کیسے قابل اعتبار مانی جا سکتی ہے اگر یہاں اس کی روایت تسلیم ہو تو پھر چاہیے کہ مسئلہ تجسیم کو بھی مانے کہ اس کی روایت بھی اس نے ائمہ ہی سے کی ہے۔

اول تو یہی بات محل کلام ہے کہ حضور ﷺ کو حلت و حرمت کا اختیار سپرد ہوا ہے یا نہ اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کا کیا ذکر چنانچہ مذہب صحیح یہ ہے کہ شریعت کا مقرر کرنا پیغمبر کے سپرد نہیں ہے کہ ان کا کام خدا تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچانا ہے خدا کی نیابت اور اس کے کارخانہ میں وہ شریک نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ جس کو حرام و حلال قرار دیتا ہے رسول اس کی تبلیغ کرتے اور بندوں کو اس کی خبر دیتے ہیں اپنی طرف سے اس میں ترمیم و تبدیلی کا ان کو حق نہیں اس لیے کہ اگر رسول کے دین کا معاملہ سپرد ہوتا کہ ان سے کسی معاملہ میں بعض پرس یا فہمائش نہ ہوتی مثلاً بدر کے قیدیوں کے فدیہ میں تحریم ماریہ

1۔ الأصول من الكافي، 1/ 266، ط: دار الكتب الاسلامية

قبطیہ میں یا غزوہ تبوک سے منافقین کے پیچھے رہ جانے کی اجازت، پینے میں اور ان کے علاوہ دیگر بعض امور کے ان میں بعض پر سرزنش اور سخت انداز کی ہوئی۔

اور وہ معاملات جن میں رسول اللہ ﷺ نے کسی علم کے بیان کے دوران کسی سوال پر یا کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر بغیر انتظار وحی آپ نے کوئی استثنایا تخصیص فرمائی مثلاً "الا الاذخر" سوائے اذخر کے"[1] یا "یجزئ عنك، ولا یجزئ عن أحد بعدك"[2] تیرے لیے کافی ہے تیرے بعد کسی اور کے لیے نہیں، یا آپ کا یہ ارشاد "لو قلت: نعم لوجبت"[3] میں ہاں کہہ دیتا تو حج واجب ہو جاتا۔

ان الفاظ سے تفویض کے قائل جو استدلال کرتے ہیں کہ آپ کو حلال وحرام کے اختیارات تفویض ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ حقیقت میں یہ تفویض کی صورتیں نہیں ہیں بلکہ یہ اجتہاد کی شکلیں ہیں کہ عام میں داخل وشامل ہونے کے سبب یا قیاس خفی کی بنا پر آپ اس کا استنباط فرماتے اور اس طرح سائل کی تشفی فرماتے تھے اور نبی کا اجتہاد امت پر عمل کو واجب کر دیتا ہے لہذا تفویض کی اس صورت میں کہ قواعد کلیہ سے احکام کا استنباط کر کے فتویٰ دیا جائے کوئی قباحت نہیں تمام مجتہدین یہی تو کرتے ہیں۔

اور امور دنیا میں اگر یہ تفویض مان بھی لیں گو یہ مذہب کمزور ہے تب بھی اس معاملہ میں ائمہ کو پیغمبر کے برابر اور ہم سر قرار دینا اجماع کے خلاف ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ائمہ اور پیغمبر علیہ السلام ہر دو سے منقول روایات پر عمل یکساں ہو جس پر چاہیں عمل پیرا ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں دونوں صاحب شرع ہوں گے، پھر متعارض اور باہمی ٹکراؤ والی روایات کو ایک کو دوسری میں تطبیق دینے کی کون تکلیف گوارا کرے گا، یا یہ

1۔ عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «لا يعضد عضاهها، ولا ينفر صيدها، ولا تحل لقطتها، إلا لمنشد، ولا يختلى خلاها» فقال عباس: يا رسول الله، إلا الإذخر، فقال: «إلا الإذخر» (صحيح البخاري، كتاب في اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، 3/ 125، رقم: 2433، ط: دار طوق النجاة)

2۔ الآثار لابی یوسف، في الأضحى، 1/ 63، رقم: 312، ط: دار الكتب العلمية بيروت

3۔ صحيح مسلم، باب فرض الحج مرة في العمر، 2/ 975، رقم: 1337، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت

صورت ہو گی کہ ائمہ سے مروی روایات اور پیغمبر علیہ السلام سے منقول روایات کسی پر عمل جائز نہ رہے کیونکہ ہر ایک اپنی قومی، شخصی یا زمانی مصلحت کے پیش نظر ہی احکام شرع کی بنیاد رکھیں گے اور وہ مصالح چونکہ امت سے پوشیدہ ہوں گے اس لیے دوسرے مقامات پر مختلف احکام کا استنباط غیر ممکن ہو جائے گا اور یوں احکام شرع بغیر عمل کے رہ جائیں گے اور یہ مذکورہ لوازم امامیہ کے نزدیک بھی باطل ہیں لہذا لوازم کے ساتھ ملزوم بھی باطل ہوا۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اوامر دین ائمہ یا پیغمبر علیہ السلام کے سپرد ہوتے تو یہ ضروری تھا کہ وہ حکم کے مختلف پہلوؤں پر اجتہاد کر کے متعین کرتے مگر امام شیعوں کے نزدیک نبی یا امام کے لیے اجتہاد بھی جائز نہیں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ائمہ حلال و حرام کی روایات اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں اور تفویض کی شکل میں کہ وہ خود ہی صاحب شرع ٹھہرے کسی روایت کی ضرورت ہی کیا پڑتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفویض ایسا لغو اور بے معنی اصول ہے کہ از سر تا پا واہیات امور اور برائیوں کا سرچشمہ ہے اس کو مان لینا ایسا ہی ہے کہ جیسے ختم نبوت کا انکار کر دینا جس کے امامیہ بھی قائل نہیں۔

عقیدہ نمبر 11: سفر معراج میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سفر تھے

معراج حق ہے اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص اہل عصر میں سے سیر ملکوت السماوات والارض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور کتاب اللہ اور عترت رسول اللہ ہر دو کی نصوص سے ثابت ہے قرآن میں ارشاد ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى (1)

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

"وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى "(2)

بے شک اس نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔

1۔ سورۃ الاسراء، الایۃ: 01

2۔ سورۃ النجم، الایۃ: 13

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى (1)

البتہ اس نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔

اور معراج کے بارے میں عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال تو امامیہ کی کتب میں حد تواتر تک پہنچے ہوئے موجود ہیں دونوں کلام سے بچنے کے لیے یہاں ان کے نقل کرنے سے احتراز کیا گیا لیکن اس کے باوجود شیعوں کے اکثر فرقے اس عقیدہ کے مخالف ہیں اسماعیلیہ، معمریہ اور امویہ تو سرے سے معراج کو مانتے ہی نہیں اور فلسفیانہ شبہات اور تیزی حرکت اور عادتاً آسمانوں کے پھٹنے کو محال سمجھتے ہوئے اپنے انکار کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ نص سے قرآن ان سب امور کی تردید کرتی ہے چنانچہ سورۃ نمل میں سرعت حرکت پر بلقیس کے تخت کا یمن سے شام تک آناً فاناً آجانا صراحتاً اس پر دال ہے اور آسمان کے پھٹنے پر بھی بہت سی آیات صاف دلالت کرتی ہیں:

"إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ"(2) جب کہ آسمان پھٹ جائے گا۔

"إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ"(3) جبکہ آسمان پاش پاش ہو جائے گا۔

پھر آسمان کے پھٹنے کا سوال تو اس وقت اٹھے گا جب آسمان میں دروازوں کا وجود تسلیم نہ کیا جائے جبکہ آسمان میں دروازوں کی موجودگی مذاہب ثلاثہ مذکورہ بالا میں متفق و طے شدہ امر ہے کہ انہی دروازوں سے فرشتے اور ارواح امت آتی جاتی رہتی ہیں تو اصول اسلامیہ کا کیا کہنا۔

اور منصوریہ معراج کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ماننے سے انکار کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں منصور عجلی اس مادی جسم کے ساتھ جیتا جاگتا آسمان پر گیا اور اللہ تعالیٰ سے دوبدو باتیں کر کے آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس

1۔ سورۃ النجم، الآیۃ: 18

2۔ سورۃ الانفطار، الآیۃ: 01

3۔ سورۃ الانشقاق، الآیۃ: 01

کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا، باب اول میں بھی اس کا بیان گزر چکا،[1] اور یہ منصور عجلی وہی گنوسالہ ہے جس کو جناب صادق رحمہ اللہ نے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اور اس کے کذب پر مہر تصدیق ثبت کی تھی پھر یہ خود ہی امام بن بیٹھا اور طرح طرح کے بہتان تراشے۔[2]

پھر امامیہ بعض اور ضمنی باتوں میں بھی باہم مختلف الخیال ہیں بعض کہتے ہیں کہ جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو بعض دوسرے کہتے ہیں کہ آپ ساتھ تو نہیں تھے، تھے تو زمین ہی پر مگر زمین ہی پر آپ وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر ملاحظہ فرما رہے تھے جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی جس مقام پر ساتھ دینے سے جبرائیل امین جیسے فرشتے عاجز رہ گئے ہوں وہاں کسی بشر کی کیا تاب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہو اور اگر یہ سب کچھ زمین پر بیٹھے دیکھنا ممکن ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے دور دراز سفر کی تکلیف کی ضرورت ہی نہ تھی نہ خدانخواستہ بینائی مبارک میں کوئی عارضہ لاحق تھا کہ دور سے ملاحظہ نہ فرماسکتے، ان کے مبالغہ کی دلیل ابن بابویہ کی وہ روایت ہے جو اس نے اپنی کتاب المعراج میں ایک طویل حدیث کے سلسلے میں بیان کی ہے اس میں وہ کہتا ہے:

ان عليا كان ليلة المعراج في الارض و لكنه راي من ملكوت السماء ما راه النبي [3]

1۔مقالات الإسلاميين: ص 9و اعتقادات فرق المسلمين: ص 58و الفرق بين الفرق: ص 234و الملل والنحل: 1/ 178ومنهاج السنة النبوية: 2/ 505.

2۔ إن الإمام الصادق (عليه السلام) قال عنه: لعنه الله، إنه أعمى القلب، أعمى البصر " كما لعن من الغلاة أبا منصور العجلي، فقد ورد وأبو منصور العجلي قد لعنه الإمام الصادق ثلاثا- (موسوعة المصطفى والعترة، 9/ 504، ط: نشر الهادي قم ، ايران)

3۔ بحار الانوار:علامه محمد باقر مجلسی، جلد 18، باب "المعراج" اور جلد 39 (فضائل علی علیه السلام) و ورد هكذا في بحار الانوار نصه: عن أبي عبد الله عليه السلام في قوله تعالى: " وكذلك نري إبراهيم ملكوت السماوات والأرض وليكون من الموقنين " قال: كشط له عن الأرض ومن عليها، وعن السماء وما فيها، والملك الذي يحملها، والعرش ومن عليه، وفعل ذلك برسول الله صلى الله عليه وآله وأمير المؤمنين عليه السلام- (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 17/ 146، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

علی معراج کی رات زمین پر تھے لیکن انہوں نے ملکوت سما، میں وہ سب کچھ دیکھا جو نبی ﷺ نے دیکھا۔

پہلے یہ گزر چکا کہ یہ روایت انہی کی دوسری روایات صحیحہ سے ٹکراتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

ان علیا کان ناقة من نوق الجنة وبیده لواء الحمد وحوله شیعته(1)

علی جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار تھے ان کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا تھا ان کے ارد گرد ان کے شیعہ تھے۔

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے وہاں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ دونوں روایات باہم ٹکراؤ کی وجہ سے ساقط ہو گئیں اور یوں ناقابل عمل قرار پائیں اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس کے مطابق سارے شیعوں کو بھی معراج میں ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس روایت کو ترجیح دیں۔

امامیہ کے فرقہ اموریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نبوت میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک تھے اور ان کی نسبت آپ سے ایسی ہی ہے جیسی ہارون علیہ السلام کی حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ حالانکہ تمام امامیہ کے نزدیک خاتم النبیین کا لفظ حضور ﷺ کے لیے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بطریق تواتر منقول ہے تو اس عقیدہ کی بنا پر ختم نبوت کہاں ہوئی کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تیس سال باقاعدہ حیات رہے اور یہ تو امر محال ہے کہ نبی کبھی معزول بھی ہو سکتا ہے۔

عقیدہ نمبر12: احادیث ظاہری معنی پر محمول نہیں ہیں

قرآن کریم کی تمام نصوص اور حضور اکرم ﷺ کی تمام احادیث ظاہری معنی پر محمول ہیں مگر شیعوں کے تمام فرقے مثلاً خطابیہ، منصوریہ معمریہ، قرامطہ، باطنیہ، زرامیہ اور اسماعیلیہ میں سے سبعیہ یہ عقیدہ رکھتے

1۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی جلد7(صفحہ 181) اور جلد39(صفحہ 214)

وروي البحراني : عن ابن عباس :أن النبي صلى الله عليه وآله ليلة المعراج رأي عليا وفاطمة والحسن والحسين في السماء وسلم عليهم- (مدينة معاجز الأئمة الاثني عشر ودلائل الحجج على البشر، للسيد هاشم البحراني، 1/ 91، ط: مؤسسة المعارف الاسلامية)

ہیں کہ کتاب وسنت میں جو کچھ آیا ہے مثلاً وضو، تیمم، صلاۃ، صوم، زکوۃ، حج، جنت، دوزخ، قیامت پر حشر وغیرہ یہ سب امور ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے بلکہ ایسے دوسرے معنوں پر محمول ہیں جن کو امام معصوم کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس عقیدہ کی بنا پر اس فرقہ کے نزدیک سب سے بڑی ثقلین یعنی کتاب اللہ قابل تمسک نہ رہی، چنانچہ سبعیہ کہتے ہیں کہ وضو امام کے ساتھ دوستی کا نام ہے، تیمم امام کے غائب ہو جانے کے بعد ماذون سے استعادہ کرنا، نماز سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ناطق بحق ہیں، اس کی دلیل یہ ہے:

"إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ"[1]

البتہ نماز یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روکتی ہے برائی اور نازیبا بات سے۔

اور زکوۃ نفس کو سارق حقہ کے ذریعہ پاک کرنے کا نام ہے، کعبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، دروازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صفا و مروہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما، میقات سے لوگ مراد ہیں، تلبیہ اجابت دعوت، کعبہ کے سات طواف سے ساتوں ائمہ کی محبت اور دوستی کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے حامل ہیں اور اگلی شریعت کو آنے والی شریعت تک باقی رکھنے کے ذمہ دار، احتلام سے مراد نااہلوں کے سامنے ائمہ کے اسرار کو بغیر قصد کے افشا کرنا ہے اور غسل سے ائمہ سے پھر تازہ عہد استوار کر لینے کی طرف اشارہ ہے، جنت تکالیف شرعیہ سے راحت پا لینے کا نام ہے اور دوزخ تکالیف برداشت کرنے اور ظاہر پر عمل کرنے کا نام۔

قرامطہ اور باطنیہ بھی اسی قسم کے خرافات اور بکواس لگاتے ہیں اور ظاہر پر عمل کرنے کے سخت مخالف ہیں اسی لیے انہوں نے حاجیوں کو عین حرم شریف میں قتل کیا ان کا مال لوٹا اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے اور کوفہ میں لے جا کر کسی کوڑی پر ڈال دیا یہ سب حرام چیزوں سے جائز ہونے کے قائل ہیں، بر قعیہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا انکار ہی نہیں ان پر لعن بھی کرتے ہیں۔

باطنیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز روزہ حج اور زکوۃ سب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ساختہ پر داختہ باتیں ہیں رمضان کے روزے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکالی ہوئی بدعت ہے کتابیہ، منصوریہ، معمریہ اور جنابیہ کہتے ہیں کہ

1۔ سورۃ العنکبوت، الآیۃ : 45

مذکورہ فرائض ان لوگوں کے نام ہیں جن کے دوستی کا ہم کو حکم ہے اور محرمات ان لوگوں کے نام ہیں جن کے ساتھ دشمنی رکھنے پر ہم مامور ہیں۔[1]

منصوریہ اور زرامیہ جنت سے مراد لیتے ہیں اور دوزخ سے مراد ان کے دشمن مثلاً ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

معمریہ کہتے ہیں کہ جنت دنیا کی نعمتوں کا نام ہے اور دوزخ دنیا کی تکلیفوں کا اور یہ کہ دنیا کو فنا نہیں مطیع باللہ کے دور میں اس فرقہ نے اسے سمجھ بوجھ پر بھی پورا تسلط اور غلبہ پالیا اور ایک دنیا کو گمراہ کر ڈالا کہ عقل مندوں کے لیے عبرت کا باعث ہوا آخر جنگیزیوں کے ہاتھوں پروردگار کے شکار ہو کر کیا فرق کردار کو پہنچے اور اس خلفشار میں سب خشک وتر جل گیا اور کردہ وناکردہ سب اس کی لپیٹ میں آ گیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً"[2]

اس فتنہ سے ڈرو جو صرف انہی کو لپیٹ میں نہیں لے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو گا۔

عقیدہ نمبر 13: حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وحی آتی تھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی کے پاس بھی کوئی فرشتہ پیغام رساں بنا کر نہیں بھیجا نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ ہی کسی نے فرشتہ کی صرف آواز ہی سنی، بغیر اس کی صورت دیکھے۔

لیکن امامیہ کہتے ہیں جناب امیر رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ حاصل تھا اور آپ کے پاس وحی آتی تھی آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں اتنا فرق تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ دکھائی دیتا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ صرف اس کی آواز سنتے تھے دیکھتے نہیں تھے، چنانچہ کلینی نے کافی میں جناب سجاد سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

1۔ الباطنية: لقب اصطلاحي تندرج تحته اتجاهات لطوائف وفرق مختلفة، القاسم المشترك فيما بينها، أو الصفة العامة التي تجمعها: تأويل النص الظاهر بالمعنى الباطن. قال الغزالي: " إنما لقبوا بالباطنية لدعواهم أن لظواهر القرآن والأخبار بواطن تجري في الظواهر مجرى اللّب من القشر، وذكر لهم ألقاب أخرى. (التمسك بالسنن والتحذير من البدع، للذهبي، باب تقسيم البدع الى الاحكام الخمسة، ص125، ط: الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة)

2۔ سورة الانفال الاية : 25

وان علی بن ابی طالب کان محدثا وهو الذی یرسل الله الیه الملک فیکلمه ویسمع الصوت ولا یری الصورة .[1]

کہ حضرت علی بن ابی طالب محدث تھے اور محدث وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس سے کلام کرتا ہے، وہ آواز سنتا ہے صورت نہیں دیکھتا۔

یہ سب کچھ اس قوم کی من گھڑت باتیں اور جھوٹی روایات ہیں اور پھر یہ ائمہ کی ان روایات سے بھی ٹکراتی ہیں جو خود انہیں کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لن يبقى بعدي من النبوة إلا المبشرات[2]

اے لوگو نبوت تو میرے بعد باقی نہیں رہے گی، مگر مبشرات باقی رہیں گی۔

اور انہیں کے ہاں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور ﷺ پر سونے کی مہروں سے مہر شدہ ایک کتاب نازل ہوئی حضور ﷺ نے وہ کتاب جناب امیر رضی اللہ عنہ کو دی آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دی اور اسی طرح وہ دست بدست ہوتی ہوئی جناب مہدی تک پہنچی ہر اگلا پیچھے آنے والے کو یہ وصیت کرتا گیا کہ وہ ایک مہر توڑے اور اس کے مضمون پر عمل پیرا ہو چنانچہ ائمہ کا علم اسی کتاب سے ماخوذ ہے[3] لہذا جب صورت حال یہ ہے تو اب فرشتہ بھیج کر اس کی آواز سنوانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی اور بیکار کام کا وجود کارخانہ قدرت میں محال ہے۔

امامیہ کا ایک اور گروہ مصحف فاطمہ کے وجود کا مقر و دعویدار ہے وہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال

1۔ والامام هو الذي يسمع الكلام ولا يرى الشخص. (الأصول من الكافي، باب الفرق بين الرسول والنبي والمحدث، 1/ 176، ط: دار الكتب الاسلامية)

2۔ موطاالامام مالک، الباب الرابع فی النبوة، 1/ 114، ط: المطبعة السلفية، القاهرة

3۔ قال أبي، يا رسول الله كيف بيان حال هؤلاء الأئمة عن الله عز وجل؟ قال: إن الله عز وجل أنزل علي اثني عشر صحيفة، اسم كل إمام على خاتمه، وصفته في صحيفته. (بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، 36/ 209، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

کے بعد بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس وحی آتی تھی، اور ان کو یکجا کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ نے مصحف فاطمہ کو مرتب کیا تھا بعد میں پیش آنے والے اکثر واقعات اور اس امت کے فتنے اس میں درج ہیں اور اسی مصحف کی روشنی میں ائمہ لوگوں کو غیب کی خبروں سے مطلع کیا کرتے تھے۔ (1)

شیعوں میں سے مختاریہ فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مختار ثقفی کے پاس وحی آتی تھی، باب اول میں اس کے متعلق بیان آچکا ہے، اور اسماعیلیہ میں سے سبعیہ، مفضلیہ، مغیریہ اور عجلیہ اپنے پیشواؤں کی نبوت اور ان پر نزول وحی کا دعویٰ علی الاعلان صاف الفاظ میں کرتے ہیں یہ بیان بھی باب اول میں سپرد قلم ہو چکا۔

عقیدہ نمبر 14: پیغمبر کے بعد شرعی احکام امام موقوف کر سکتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نہ تو تکالیف شرعیہ وعبادات وغیرہ ختم کی گئیں نہ ختم کی جائیں گی، مگر اسماعیلیوں میں سے معمریہ، منصوریہ، اور حمیرہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ امام وقت کے حکم سے یہ تمام تکالیف شرعیہ اٹھائی اور منسوخ کی جاسکتی ہیں، چنانچہ ابو الخطاب نے جس کا نام معمر تھا، معمریہ اس نسبت سے اس فرقے کا نام ہے اپنے ماننے والوں کے ذمہ سے تمام تکالیف کو اٹھا دیا اور تمام حرام چیزوں اور باتوں کو حلال کر دیا فرائض کے ترک کر دینے کا حکم جاری کیا۔ (2)

منصوریہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی امام سے ملاقات ہو گئی تمام تکالیف خود بخود اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں اب وہ مادر پدر آزاد ہے، جو چاہے کرے کیونکہ ان کے نزدیک جنت امام ہی کا نام ہے اور جنت میں پہنچ

---

1 ـ كتاب (الكافي) للكليني ص 57 وهو عندهم مثل صحيح البخاري عند المسلمين أن أبا بصير سمع من جعفر الصادق قوله «وإن عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام، وما يدريهم ما مصحف فاطمة عليها السلام .... مصحف فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرات، والله ما فيه من قرآنكم هذا حرف واحد» وأبو بصير مخترع هذه الأكذوبة هو ليث بن البختري وتقدم التعريف به في هامش ص 65، وقد اعترف علماء الإمامية بأنه مطعون في دينه لكنهم قالوا إنه ثقة والطعن في دينه لا يوجب الطعن! وهكذا قالوا والله حسيبهم ....

2 ـ مقالات الإسلاميين: ص 11 و الملل والنحل 1/ 65 و المواقف: ص 667.

جانے پر کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی۔[1]

حمیریہ کہتے ہیں کہ امور شرعیہ و دین محب وقت کے سپرد ہیں، تکالیف شرعیہ کا معاف کرنا یا ان میں کمی بیشی کرنا اس کے اختیار میں ہے چنانچہ حسن بن ہادی بن نزار بن مستنصر نے جو پانچویں صدی ہجری میں گزرا اور جس کو یہ لوگ محب وقت جانتے اور مانتے ہیں، تکالیف شرعیہ کو کسی مصلحت کے تحت ساقط کر دیا تھا، اور تمام حرام چیزوں کے حلال ہونے اور فرائض کو چھوڑ دینے کا حکم نافذ کر دیا تھا۔

عقیدہ نمبر 15: امام کو شرعی احکام منسوخ کرنے کا حق ہے

کسی امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ شرعی احکام میں سے کوئی ادنیٰ سا حکم بھی منسوخ یا تبدیل کر سکے، مگر اثنا عشریہ بلکہ سارے ہی امامیہ اور حمیریہ اس کے قائل ہیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق ہے، ان لوگوں کا یہ عقیدہ عملاً بھی غلط ہے، کیونکہ امام کا بحیثیت نائب نبی یہ کام ہے کہ وہ نبی کی شریعت کو پھیلائے اس کی تعلیم کو رائج کرے اس پر عمل درآمد کی نگرانی کرے اگر اس کو ان احکام میں ردوبدل کا کوئی حق ہو گا تو وہ نائب پیغمبر تو نہ ہوا مخالف پیغمبر ہو گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ شارع (شریعت بنانے والا) نبی ہے نہ امام بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ خود ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا"[2] تمہارے لئے وہ (بات) دین مقرر کی گئی ہی کو نوح کو حکم کیا گیا تھا، یا ارشاد ہوا "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا"[3] تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے گھاٹ اور راہیں مقرر کیں، اور پھر جا بجا ان لوگوں کے حق میں جنھوں نے اپنی سمجھ اور عقل سے بحری اور جنگلی (حلال جانوروں) اور دوسری کھائی جانے والی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرایا یا مردار اور اس جیسی حرام چیزوں کو حلال قرار دیا قرآن مجید میں عام الفاظ میں ان پر عتاب فرمایا جس میں بلا تخصیص دوسرے بھی شامل ہیں، پس جب نبی ہی کو کوئی حکم منسوخ کرنے کا حق نہیں تو امام کو یہ حق کہاں سے اور کیسے ملے گا ورنہ تو

1۔ اعتقادات فرق المسلمین: ص 58 و الفرق بین الفرق: ص 234 و الملل والنحل: 1/ 178 و منہاج السنۃ النبویۃ: 2/ 505.

2۔ سورۃ الشوری، الآیۃ: 13

3۔ سورۃ المائدۃ، الآیۃ: 48

پھر امت نبی کی نیابت نہ ہوئی بلکہ الوہیت میں شرکت ہو گئی۔

اپنے اس عقیدہ بالا کے ثبوت میں بھی اثنا عشریوں نے ائمہ سے چند بناوٹی اور من گھڑت روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو محمد بن بابویہ قمی نے ابی عبد اللہ سے کی ہے:

انه قال: إن الله تبارك وتعالى آخى بين الأرواح في الأظلة قبل أن يخلق الأجساد بألفي عام، فلو قد قام قائمنا أهل البيت ورث الأخ الذي آخى بينهما في الأظلة، ولم يورث الأخ في الولادة[1]

اور آپ نے کہا کہ ازل میں اللہ تعالی نے اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل روحوں میں بھائی چارہ کرایا تھا، اگر اہل بیت میں سے کوئی حاکم ہو تو وہ اپنا وارث اس بھائی کو ٹھہرائے جس سے ازل میں بھائی چارگی پیدا ہو چکی ہے، ماں کے پیٹ کے بھائی کو وارث نہ بنائے۔

اس روایت کے غلط اور جھوٹ ہونے پر صاف دلیل یہ ہے کہ تکالیف شرعیہ کا تعلق چونکہ عام لوگوں سے ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کا مدار ان ظاہری علامات اور واضح امور پر ہو جن تک انسانی علوم کی رسائی ہو سکے مثلاً پیدائش و نکاح کے سلسلہ کی قرابت! اس کے خلاف ازلی بھائی چارگی تو ایسی بات ہے کہ کسی پہلو سے بھی اس تک عقل کی رسائی نہیں مثلاً یہ کیسے معلوم ہو کہ اس قسم کی اخوت کس کے ساتھ ہے؟ اس کی جگہ کہاں ہے، اور ان ازلی بھائیوں کی تعداد کیا ہے، اور یہ کہ اخوت میں قرب و بعد کے لحاظ سے ان کے مراتب کیا ہیں تاکہ بعض کو بعض پر ترجیح دی جا سکے اور ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں محروم کیا جائے، اگر اس بارے میں ہر ہر فرد سے متعلق امام کا حکم صریح تلاش کیا جائے تو یہ بھی ناقابل عمل بات ہے لہذا میراث کا معاملہ تو اس صورت میں نفاذ پذیر ہی نہ ہو سکے گا پھر تو لوگوں کے تمام اموال بحق بیت المال ضبط کئے جانے کے لائق ہو گئے۔

---

1 ۔ من لا يحضره الفقيه، للشيخ الصدوق، 4/ 352، ط: منشورات جماعة المدرسين في الحوزة العلمية في قم المقدسة